جاسوسی ڈائجسٹ کا تہلکہ خیز سلسلہ

آتش فشاں

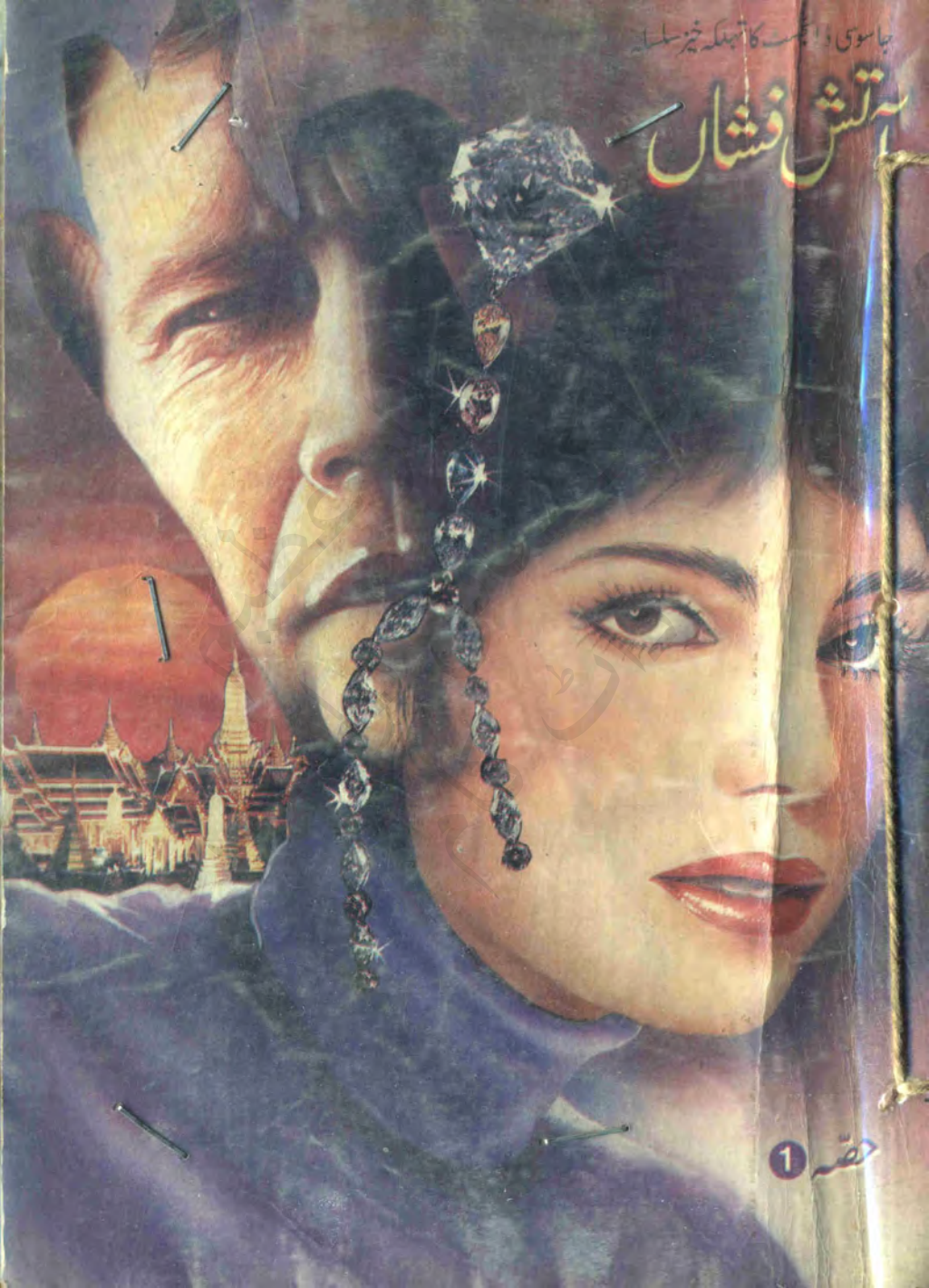

حصہ 1

آتش فشاں

وہ اپنے مکاں باپ کے
طرح ایک
ظلم و ستم کے شعلوں میں
ہستی کی پیامبر تھی۔
پہچانتا تھا لیکن
گاہ کی تلاش تھی۔
اتنا توانا و طاقت
بالآخر قدرت
نئے سانچے میں
اس ٹمٹماتے چراغ کا احوال جو اچانک ہی آندھیوں کی زد پر آگیا تھا

وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا اس کی بیوی شگفتہ اسے دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

"کیا بات ہے عابد! تم اتنے بدحواس کیوں ہو رہے ہو۔ خیریت تو ہے نا؟" شگفتہ نے پوچھا۔

"ہاں۔ کوئی خاص بات نہیں۔ دکان پر بیٹھے بیٹھے طبیعت خراب ہوگئی تھی۔" عابد علی نے جواب دیا اور بیٹے کی طرف متوجہ ہوگیا جو اپنے کمرے سے نکل کر وہاں آگیا تھا۔

عابد علی رات کو گھر آتے ہوئے عام طور پر کوئی پھل وغیرہ لے آیا کرتا تھا لیکن آج وہ خالی ہاتھ تھا۔ کمسن وجدان نے بھی تاڑ لیا تھا کہ اس کا باپ کچھ پریشان ہے۔ اس لیے اس نے یہ پوچھا بھی نہیں کہ وہ خالی ہاتھ کیوں آیا ہے۔

"اچھا تم منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لو۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔ وجدان نے بھی آج ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" شگفتہ کہتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی۔

عابد علی اپنے کمرے میں آگیا۔ وہ چند لمحے کمرے میں کھڑا رہا اور پھر باتھ روم میں گھس گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ باہر نکلا تو شگفتہ میز پر کھانا لگا چکی تھی۔ وجدان پہلے ہی میز پر بیٹھا ہوا تھا۔

"لگتا ہے آج تمہیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔" عابد علی اس کے قریب دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"جی ابو۔ آج آپ نے بہت دیر کردی۔" وجدان نے جواب دیا۔

"آج تو میں نے دکان بھی جلدی بند کردی تھی لیکن راستے میں کام پڑ گیا جس کی وجہ سے دیر ہوگئی۔ اچھا! چلو۔ اب کھانا شروع کرو۔"

شگفتہ بھی عابد علی کے سامنے اپنی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ وہ لوگ کھانا کھانے لگے۔ عابد علی نے ابھی چند ہی لقمے کھائے تھے کہ لاؤنج میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ عابد علی نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا مگر شگفتہ اس سے پہلے ہی اٹھ گئی۔

"آپ کھانا کھائیے۔ میں دیکھتی ہوں۔" شگفتہ اٹھ کر لاؤنج میں آگئی۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا "ہیلو" وہ ماؤتھ پیس میں بولی لیکن جواب میں خاموشی رہی۔ اس نے دوسری مرتبہ ہیلو کہا تو جواب میں ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی گہری سانس لے رہا ہو "کون بدتمیز ہے۔" شگفتہ قدرے درشت لہجے میں بولی۔ اس مرتبہ ریسیور پر گہرے سانسوں کی آواز سنائی دی تو شگفتہ نے ریسیور رکھ دیا اور دوبارہ کھانے کی میز پر آگئی۔

"کون تھا؟" عابد علی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں کون بدتمیز تھا۔" شگفتہ نے جواب دیا "میں نے پوچھا کون ہے تو جواب میں گہرے گہرے سانسوں کی آواز سنائی

دینے لگی۔"

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ شگفتہ نے دوبارہ اٹھنا چاہا لیکن اس مرتبہ عابد علی پہلے اٹھ گیا اور لاؤنج میں آکر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو!" وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ جواب میں گہرے گہرے سانسوں کی آواز سنائی دینے لگی اور پھر ایسی آواز سنائی دی جیسے کتا غرا رہا ہو۔ عابد علی کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوگئی تھی۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر کھانے کی میز پر آگیا۔

"کیا ہوا.... کون تھا۔ تم ایک دم پریشان کیوں ہوگئے ہو؟" شگفتہ نے پوچھا۔ عابد علی کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

"کچھ نہیں۔" عابد علی اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "پتا نہیں کون بدتمیز ہے۔ بہرحال تم کھانا کھاؤ۔"

اس کے بعد فون کی گھنٹی نہیں بجی۔ کھانا ختم کرنے کے بعد وہ لاؤنج میں آگئے۔ وجدان بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ سمجھ دار بچہ تھا۔ اپنے ماں باپ کو پریشان دیکھ کر وہ الجھن میں مبتلا ہوگیا تھا۔

"جاؤ بیٹا۔ تم جا کر سوجاؤ۔ صبح اسکول جانا ہے۔" عابد علی نے وجدان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وجدان نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"کیا بات ہے عابد!" شگفتہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی "جب سے تم گھر میں داخل ہوئے ہو تمہیں پریشان دیکھ رہی ہوں۔ اس فون کال کے بعد تو تمہارے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ تم نے آج تک مجھ سے کچھ نہیں چھپایا لیکن آج کوئی ایسی بات ضرور ہے جو تم مجھ سے چھپانے کی کوشش کررہے ہو۔"

"نہیں شگفتہ۔ میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔" عابد علی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر بتاؤ نا کیا بات ہے؟" شگفتہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں ملک نوازش علی یاد ہے؟" عابد علی نے پوچھا۔

"اس شیطان کو میں کیسے بھول سکتی ہوں۔" شگفتہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "اس خبیث کی وجہ سے ہی تو ہمیں نہ صرف اپنا گھر بلکہ اپنا وطن بھی چھوڑنا پڑا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ وجدان اس وقت صرف دو مہینوں کا تھا۔ ہم اس معصوم بچے کو لیے کس طرح اس شیطان سے چھپتے پھر رہے تھے۔ اس شیطان کو میں کیسے بھول سکتی ہوں۔ لیکن آج تمہیں ملک نوازش علی کیسے یاد آگیا؟"

"جس طرح بارہ سال گزرنے کے بعد ہم ملک نوازش علی کو نہیں بھولے اسی طرح شاید وہ بھی ہمیں نہیں بھولا۔" عابد علی نے کہا۔

"کیا مطلب! کیا کہنا چاہتے ہو؟" شگفتہ کا چہرہ ایک دم دھواں ہوگیا۔

"اگر تم ملک نوازش علی کو نہیں بھولی ہو تو تمہیں دارا بھی یاد ہوگا۔" عابد علی بولا۔

"دارا!" شگفتہ کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے "وہ تو انسان نہیں درندہ ہے۔ اسے تو میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ اس نے ہمارے گھر کو آگ لگا کر ہمیں زندہ جلانے کی کوشش کی تھی۔ ہم آگ میں گھرے ہوئے تھے اور وہ قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کے شیطانی قہقہے تو آج بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ اس روز اگر پولیس بروقت نہ پہنچ جاتی تو ہم بھی اس مکان کے ساتھ جل کر راکھ ہوچکے ہوتے۔"

"میں اسی دارا کی بات کررہا ہوں۔" عابد علی نے کہا "آج وہ میری دکان پر آیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا جسے میں نہیں جانتا۔ پہلے تو میں یہی سمجھا تھا کہ شاید اس نے مجھے نہیں دیکھا کیونکہ اس کے دکان میں داخل ہونے سے پہلے ہی میں نے اسے دیکھ لیا تھا اور کاؤنٹر سے اٹھ کر دکان کے پچھلے کمرے میں چلا گیا تھا۔ دارا پانچ چھ منٹ تک دکان میں رہا تھا اور اسٹیٹ ایکسپریس کا ڈبا خرید کر واپس چلا گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس کا میری دکان پر آنا محض اتفاق تھا اور اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا لیکن یہ ٹیلی فون کالز.... مجھے یقین ہے کہ فون اسی نے کیا تھا۔ اگرچہ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن اس نے مجھے سنگاپور میں اپنی موجودگی کا احساس دلا دیا ہے۔"

"اب کیا ہوگا؟" شگفتہ کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا "کیا ہمیں یہاں سے بھی بھاگنا پڑے گا۔ وجدان کو یہ سب کچھ معلوم ہوگا تو وہ کیا سوچے گا۔ بارہ سال پہلے جب ہم پاکستان سے بھاگے تھے تو وہ صرف دو مہینے کا تھا۔ کچھ نہیں سمجھتا تھا۔ کچھ نہیں جانتا تھا۔ لیکن اب وہ بارہ سال کا ہوچکا ہے۔ سمجھ دار ہے۔ وہ صورتِ حال کو سمجھ سکتا ہے۔ کیا سوچے گا۔ کیا ہوگا...."

"کچھ نہیں ہوگا۔" عابد علی نے اس کی بات کاٹ دی "یہ لاہور نہیں ہے۔ سنگاپور ہے۔ یہاں قانون کی حکمرانی ہے۔ دارا اگر ہماری ہی تلاش میں یہاں آیا ہے تو یہاں اسے کچھ کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔"

"یہ مت بھولو کہ دارا ایک جرائم پیشہ آدمی ہے اور ایسے لوگ ہر جگہ اپنا کام کر گزرتے ہیں۔" شگفتہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "میری مانو تو سردار پرتاب سنگھ سے بات کرو۔ وہ ہمارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اسے علم ہے کہ ہم یہاں کن حالات میں آئے تھے۔ سب سے پہلے ہماری ملاقات اسی سے

ہوئی تھی۔ ہمیں یہاں سیٹل ہونے میں اس نے مدد دی تھی۔ اس کے یہاں کے بڑے لوگوں سے قریبی تعلقات ہیں۔ اس سے بات کرو۔ وہ یقیناً اس معاملے میں بھی ہماری مدد کرے گا۔"

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔" عابد علی نے کہا "پرتاب سنگھ سے بات کرنی ہی پڑے گی۔"

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ دروازے کی کال بیل بجی۔ خاموشی میں گھنٹی کی آواز ان دونوں کے لیے بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ وہ دونوں اچھل پڑے۔ جس قسم کی صورتِ حال سے وہ دوچار تھے، اس کے پیشِ نظر ان کا خوف زدہ ہوجانا فطری بات تھی۔ شگفتہ کو یوں لگا تھا جیسے اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا ہو۔ عابد علی کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوگئی تھی۔ وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہوگئے تھے۔

"تم یہیں رکو۔ میں دیکھتا ہوں۔" عابد علی دروازے کی طرف بڑھا۔

شگفتہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ وہ جیسے ہی کمرے کے دروازے سے باہر نکلا، شگفتہ نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر ڈریسنگ ٹیبل کی سب سے نیچے والی دراز کھولی اور اس میں رکھا ہوا پستول نکال لیا۔ یہ جرمن لوگر پستول انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے رکھا ہوا تھا۔ اس کے استعمال کی نوبت اگرچہ کبھی نہیں آئی تھی مگر عابد علی وقتاً فوقتاً اس کی صفائی کرتا رہتا تھا۔ شگفتہ پستول لے کر کمرے سے باہر آگئی اور دبے قدموں چلتی ہوئی لاؤنج کے دروازے کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔

عابد علی کمپاؤنڈ میں قدم اٹھاتا ہوا بیرونی دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا اس دوران میں کال بیل ایک مرتبہ اور بج چکی تھی۔

"کون ہے۔ باہر کون ہے؟" عابد علی نے دروازے کے قریب رک کر پوچھا۔

"میں ہوں یار۔" باہر سے سردار پرتاب سنگھ کی آواز سنائی دی "دروازہ کھولو۔ سوگئے تھے کیا؟"

"اوہ!" عابد علی کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔

پرتاب سنگھ کے اندر آنے کے بعد عابد علی نے دروازہ بند کردیا اور وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اندر کی طرف آنے لگے۔ شگفتہ نے بھی پرتاب سنگھ کی آواز سن لی تھی۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی رہی۔ پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔

دروازے میں داخل ہونے کے بعد سردار پرتاب سنگھ ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"یہ خاموشی کیسی ہے۔ پابھو سوگئی ہے کیا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ شگفتہ بھی جاگ رہی ہے۔" عابد علی نے جواب دیا۔

"آج تم میرے ہاں نہیں آئے۔ سوچا میں ہی چکر لگالوں۔"

پرتاب سنگھ نے کہا اور پھر کپڑوں کی سرسراہٹ سن کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شگفتہ کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"کیا گل ہے پابھو۔" پرتاب سنگھ بولا "آج یہ اسلحہ کیوں اٹھایا ہوا ہے۔"

"وہ! کچھ نہیں بھائی جی۔" شگفتہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "ایسے ہی۔ میں نے سوچا کوئی چور ڈاکو نہ ہو اس لیے میں نے...."

"واہ پابھو واہ۔" پرتاب سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی "ہمیں ہی چور ڈاکو سمجھ لیا۔"

"نہیں بھائی جی یہ بات نہیں ہے۔" شگفتہ جلدی سے بولی "صورتِ حال ہی ایسی پیدا ہوگئی ہے کہ ہمیں احتیاط سے کام لینا پڑ رہا ہے۔"

"کیا بات ہے بھائی عابد علی؟" پرتاب سنگھ عابد علی کی طرف گھوم گیا۔ اس کے لہجے میں ایک دم سنجیدگی آگئی تھی "کیا مسئلہ ہے۔ مجھے نہیں بتاؤ گے اپنے یار کو۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہے تو جلدی بتاؤ۔ سوں رب دی...."

"ایک گمبھیر مسئلہ پیدا ہوگیا ہے۔" عابد علی اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا "میں کچھ دیر میں تمہاری طرف آنے ہی والا تھا۔ آؤ۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔ شگفتہ تم چائے بنا کر وہیں آجاؤ۔"

شگفتہ کچن کی طرف چلی گئی اور وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آگئے۔ پرتاب سنگھ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ ڈرائنگ روم دیکھ کر عابد علی کی مالی حیثیت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ اس نے یہ گھر بنانے میں بڑی محنت کی تھی لیکن اب اسے یہ چھوٹا سا آشیانہ بھی بجلیوں کی زد میں نظر آرہا تھا۔

"ہاں بھئی عابد علی۔ اب بتاؤ کیا بات ہے؟" پرتاب سنگھ نے پوچھا۔

"پرتاب سنگھ۔" عابد علی اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں یہاں کب اور کن حالات میں آیا تھا۔ یہاں اگر تم میری مدد نہ کرتے تو نجانے مجھ پر کیا بیت چکی ہوتی۔ میری کوئی بات تم سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ میں نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ میں اپنی بیوی اور دو ماہ کے بچے کو لے کر پاکستان سے بھاگ کر یہاں کیوں آیا تھا، اگر میں اپنے ایک دوست کی مدد سے پاکستان سے فرار ہونے میں کامیاب نہ ہوپاتا تو ملک نوازش علی ہم تینوں کو ختم کروا دیتا۔" عابد علی چند لمحوں کو خاموش ہوگیا۔ اسی دوران میں شگفتہ چائے لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے ایک ایک کپ ان دونوں کے سامنے رکھ دیا اور ایک کپ خود لے کر بیٹھ گئی۔

"مجھے معلوم ہے۔" پرتاب سنگھ نے عابد علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم نے مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور میں

تمہاری سچائی ہی سے متاثر ہوا تھا لیکن یہ تو پرانی بات ہو چکی ہے۔ اب کیا معاملہ ہے؟"

"اگرچہ بارہ سال کا طویل عرصہ بیت چکا ہے لیکن جس طرح ہم ملک نوازش علی کو نہیں بھولے اسی طرح ملک نوازش علی نے بھی ہمیں فراموش نہیں کیا۔" عابد علی بولا۔

"کیا وہ ملک یہاں آیا ہے؟" پرتاب سنگھ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ملک نوازش علی نہیں مگر اس کے آدمی یہاں پہنچ گئے ہیں۔" عابد علی نے کہا اور پھر اسے دارا کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا "میرا خیال تھا کہ شاید اس نے مجھے نہیں دیکھا لیکن اب میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے نہ صرف مجھے دیکھا ہے بلکہ میرے بارے میں کچھ معلومات بھی حاصل کر چکا ہے... اس نے میرا فون نمبر معلوم کر لیا ہے اور شاید وہ گھر بھی دیکھ چکا ہے۔" عابد علی نے کہا اور فون کالز کے بارے میں بتانے لگا۔

"ہو سکتا ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو۔" پرتاب سنگھ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "میرا مطلب ہے اس نے واقعی تمہیں نہ دیکھا ہو اور وہ فون کالز بھی کسی کی شرارت ہو۔"

"نہیں پرتاب سنگھ۔" عابد علی نے کہا "میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہتا۔ میں نے تمہیں یہ سب کچھ اس لیے بتایا ہے کہ میں تم سے مشورہ لینا چاہتا ہوں کہ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا سنگاپور چھوڑ دوں؟"

"میرے خیال میں تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" پرتاب سنگھ نے کہا "آج یہاں سے بھاگ جاؤ گے تو کل کہیں اور سے بھی بھاگنا پڑے گا۔ اگر دارا نے واقعی تمہیں دیکھ لیا ہے تو اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چھپنے یا بھاگنے کے بجائے صورتِ حال کا مقابلہ کرو۔ یہ پاکستان نہیں سنگاپور ہے۔ یہاں اگر کوئی جرم کرتا ہے تو اسے پہلے دس مرتبہ سوچنا پڑتا ہے۔ اتنے عرصے میں تم بھی دیکھ چکے ہو کہ یہاں قانون کی گرفت بڑی سخت ہے۔ دارا ایسی کوئی حماقت نہیں کرے گا کہ قانون کے جال میں پھنس جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں تصویر کے دوسرے رخ کو بھی نظرانداز نہیں کروں گا۔ اگر تمہیں اس سے اپنی جان کا خطرہ ہے تو تمہاری حفاظت کا بندوبست ہو سکتا ہے۔ میں صبح ہی اپنے دو بندے تمہاری حفاظت کے لیے مقرر کر دیتا ہوں۔ وہ دونوں آدمی مسلح ہوں گے اور چوبیس گھنٹے تمہارے ساتھ رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی میں اپنے دوست چیانگ شو کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ چیانگ شو کو تم جانتے ہو۔ وہ ایک ذمے دار پولیس آفیسر ہے۔ وہ تمہاری حفاظت کا بندوبست کر دے گا۔"

"لیکن۔ یہ حفاظتی انتظامات کب تک رہیں گے؟" عابد علی نے کہا "میں ساری زندگی تو پولیس اور باڈی گارڈز کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔"

"گھبراؤ نہیں یار۔" پرتاب سنگھ بولا "چار چھ روز کی بات ہے۔ دارا جب تمہارے گرد حفاظتی انتظامات دیکھے گا تو خاموشی سے واپس چلا جائے گا۔ وہ جب تک یہاں رہے گا تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اگر اس نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو سوں رب دی وہ زندہ بچ کر نہیں جا سکے گا۔"

پرتاب سنگھ کی باتوں سے عابد علی اور شگفتہ کو بڑا حوصلہ ملا تھا۔

"تم فکر ہی نہ کرو پاجھو۔" پرتاب سنگھ، شگفتہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "دارا تم لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور بھائی عابد علی۔" وہ اس کی طرف مڑ گیا "تم بھی اپنے دل سے خوف نکال کر صبح اپنی دکان پر جاؤ اور تسلی سے اپنا کاروبار کرو۔ کسی خوف کو دل میں جگہ نہ دو۔"

وہ تینوں چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے اور پھر رات ایک بجے کے قریب پرتاب سنگھ انہیں تسلیاں دیتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد عابد علی نے خود تمام دروازے لاک کیے اور شگفتہ کے ساتھ بیڈ روم میں آ گیا۔

وہ بستر پر لیٹے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نیند دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں آ رہی تھی۔ پرتاب سنگھ نے اگرچہ انہیں بھرپور تسلی دی تھی اور ان کی حفاظت کا بندوبست بھی کر دیا تھا لیکن عابد علی مطمئن نہیں تھا۔ وہ ملک نوازش علی کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے درندہ صفت کارندوں سے بھی واقف تھا۔ دارا اس کا سب سے قابلِ اعتماد اور معتبر ساتھی تھا۔ انتہائی سفاک اور بے رحم انسان بلکہ اسے تو انسان کہنا ہی انسانیت کی توہین تھی۔ انسانی زندگی اس کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔ بارہ سال پہلے عابد علی اس سے بچ نکلا تھا۔ سنگاپور آنے کے بعد عابد علی مطمئن تھا کہ ملک نوازش علی اور اس کے کارندے اس کا سراغ نہیں لگا سکیں گے لیکن بارہ سال بعد انہوں نے اسے ڈھونڈ نکالا تھا۔ دارا جتنا بے رحم تھا، اتنا ہی عیار بھی تھا۔ اس نے عابد علی کو دیکھ لیا تھا مگر یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ اسے نہیں دیکھا لیکن رات ہی کو خاموش فون کالز نے عابد علی کو یقین دلا دیا تھا کہ دارا نے اسے دیکھ لیا ہے۔

عابد علی رات بھر سوچتا رہا اور بالآخر اس نے پرتاب سنگھ کے مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پرتاب سنگھ نے ٹھیک ہی تو کہا تھا۔ بارہ سال پہلے وہ ان سے ڈر کر پاکستان سے بھاگا تھا۔ آج ان کے خوف سے سنگاپور چھوڑ دے گا۔ کل اسے کسی اور جگہ سے بھی بھاگنا پڑے گا۔ کیا وہ ان کے خوف سے زندگی بھر بھاگتا رہے گا۔

"نہیں۔ اب ایسا نہیں ہو گا۔" عابد علی بڑبڑایا۔ ڈر اور خوف کے سائے میں زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ اسے یہ خوف دل سے نکالنا ہو گا۔ نڈر ہو کر صورتِ حال کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ وہ یہاں سے نہیں بھاگے گا۔

ایک حتمی فیصلے پر پہنچنے کے بعد عابد علی کو یوں محسوس ہوا جیسے

اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ اپنے آپ کو پُرسکون کرنے لگا۔ اس کی پلکیں نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں اور وہ محسوس کرنے لگا۔ پُرسکون وادی میں پہنچ گیا۔

نیند کی پُرسکون وادی میں اس نے شگفتہ کو بھی اپنے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ وہ ملک نوازش علی اور دارا کے خوف سے یہاں سے بھاگنے کے بجائے یہیں رہ کر صورتِ حال کا مقابلہ کرے گا۔ ناشتے کے بعد وہ دکان پر جانے کی تیاری کر رہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ عابد علی قریب کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو!" وہ پُرسکون لہجے میں ماؤتھ پیس میں بولا۔

جواب میں پہلے گہری گہری سانسوں اور پھر کتے کے غرانے جیسی آواز سنائی دی۔ عابد علی کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی لیکن اس نے جلد ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ دارا ہی تھا۔ عابد علی کا دل چاہا کہ وہ فون پر ہی دارا کو کھری کھری سنا دے اور اس پر واضح کر دے کہ اب وہ اس سے ڈر کر بھاگے گا نہیں مگر یہ سب کچھ کہنے کے بجائے اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کون تھا؟" شگفتہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی بدتمیز۔" عابد علی نے جواب دیا "لیکن تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ابھی پرتاب سنگھ سے بات کرتا ہوں۔ وہ چیانگ شو کو فون کر کے ایک دو پولیس والوں کو یہاں بلا لے گا۔ وہ پولیس والے تمہاری حفاظت کے لیے یہاں رہیں گے۔ تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ پرتاب سنگھ ٹھیک کہتا ہے۔ دارا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

"اپنا خیال رکھنا۔" شگفتہ نے اس کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

عابد علی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ ساتھ والا مکان پرتاب سنگھ کا تھا۔ عابد علی نے کال بیل بجائی تو فوراً ہی دروازہ کھل گیا اور پرتاب سنگھ اندر کی طرف کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے اونچی سی دھوتی باندھ رکھی تھی۔ اوپر بنیان تھی اور سر کے بال ایک جالی دار نیٹ میں لپیٹ رکھے تھے۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا بھائی عابد علی۔" پرتاب سنگھ بولا "میں نے آدھا گھنٹا پہلے چیانگ شو کو فون کر دیا ہے۔ اس کے بھیجے ہوئے دو کانسٹیبل یہاں پہنچنے ہی والے ہیں۔ تم اطمینان سے دکان پر جاؤ۔ میرے دو آدمی تمہاری دکان پر پہنچ جائیں گے۔ سوتر سنگھ کو تم جانتے ہو نا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی ہو گا۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ شیر بن کر جیو۔"

"ہاں۔ اب میں نے شیر بن کر ہی جینے کا فیصلہ کیا ہے۔" عابد علی نے کہا۔

"خوش کیتا ای۔ واہ گرو دی قسم۔ تم نے دل خوش کر دیا۔ جاؤ۔ اب دکان پر جاؤ۔ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" پرتاب سنگھ نے

عابد علی اس سے ہاتھ ملا کر مکان سے باہر نکل آیا۔ گلی سے نکلتے ہی اسے ٹرشا مل گیا اور وہ اپنے معمول کے وقت سے صرف پانچ منٹ کی تاخیر سے دکان پر پہنچ گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد سوتر سنگھ اور اس کا ایک ساتھی بھی آ گیا۔ وہ دونوں اونچے لمبے جوان تھے۔ ان میں سے ایک دکان کے باہر کھڑا ہو گیا اور دوسرا اندر۔

اس روز عابد علی دکان پر سہما سہما سا بیٹھا رہا۔ اس کے دل میں خوف تھا۔ وہ بار بار اپنی سیٹ پر بے چینی سے پہلو بدلتا رہا۔ دکان کے سامنے سے گزرنے والا ہر شخص اسے مشتبہ نظر آتا۔

اگلے دو تین دن بھی اسی خوف کی کیفیت میں گزرے۔ اس دوران میں نہ تو دارا نظر آیا تھا اور نہ ہی اس کا وہ اجنبی ساتھی اور اس دوران میں اس کے گھر پر وہ پُراسرار خاموش فون کال بھی نہیں آئی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کے دل سے خوف بتدریج دور ہوتا گیا۔ اب عابد علی کو یقین ہو گیا تھا کہ دکان پر دارا کی آمد محض ایک اتفاق تھی اور اس نے عابد علی کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ خاموش پُراسرار فون کالز بھی کسی کی شرارت تھی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ چیانگ شو کے فراہم کردہ دو پولیس والے بدستور عابد علی کے مکان کی حفاظت کر رہے تھے۔ پرتاب سنگھ کے آدمی اس کے باڈی گارڈز کے فرائض انجام دے رہے تھے اور اس دوران میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی جسے غیر معمولی قرار دیا جا سکتا۔ بالآخر عابد علی اس نتیجے پر پہنچا کہ اسے کوئی خطرہ نہیں ہے اور اس لیے اسے اپنی یا اپنے گھر کی حفاظت کے لیے پولیس اور باڈی گارڈز کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ خوف اس کے دل سے نکل چکا تھا۔ اس رات اس نے شگفتہ سے مشورہ کیا اور پھر اگلے روز پرتاب سنگھ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس نے پولیس اور باڈی گارڈز کو ہٹا دیا۔

عابد علی اب پہلے کی طرح معمول کے مطابق اپنا وقت گزارنے لگا۔ اس کے دل میں کسی قسم کا خوف نہیں رہا تھا۔ پہلے چند روز کی کیفیت کو بھیانک خواب سمجھ کر اس نے نظرانداز کر دیا تھا۔

وہ اتوار کا دن تھا اور اتفاق سے اس روز وجدان کی سالگرہ تھی۔ وہ پورے بارہ سال کا ہو چکا تھا اور اس کی زندگی کا تیرھواں سال شروع ہونے والا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی سالگرہ بڑی باقاعدگی سے مناتے تھے لیکن انہوں نے سالگرہ کا ہنگامہ کبھی نہیں کیا تھا۔ وہ یا تو گھر پر بڑی سادگی سے کیک کاٹ لیتے یا کسی ہوٹل میں جا کر ڈنر کر لیتے۔ انہوں نے کبھی کسی مہمان کو سالگرہ پر مدعو نہیں کیا تھا۔ پرتاب سنگھ، عابد علی کا بہترین دوست تھا لیکن عابد علی نے اسے بھی کبھی وجدان کی سالگرہ پر مدعو نہیں کیا تھا۔

اس روز وہ صبح سویرے ہی سنتوشا جزیرے پر چلے گئے۔ دن بھر اس خوب صورت جزیرے پر پکنک منائی گئی۔ شام کو واپس آ کر کچھ دیر آرام کیا اور پھر ہوٹل رائل ہالی ڈے ان میں ڈنر کا پروگرام بنا لیا۔

اسکاٹس روڈ پر واقع رائل ہالی ڈے اِن ہوٹل تک جانے میں تو انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ گھر سے کچھ ہی دور جا کر ٹیکسی مل گئی تھی لیکن رات گیارہ بجے جب وہ ہوٹل سے باہر نکلے تو اتفاق سے اسٹینڈ پر یا آس پاس کوئی ٹیکسی نہیں تھی۔ انہیں آرچرڈ روڈ کے چوراہے تک پیدل آنا پڑا۔ ڈاٹینا سٹی ہوٹل کے سامنے انہیں ٹیکسی مل گئی۔

اپنے بنگلے کے سامنے ٹیکسی سے اتر کر عابد علی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر رہا تھا کہ ایک کار تیزی سے اس گلی میں مڑی اور ان کی ٹیکسی کے قریب آکر رک گئی۔ سیاہ رنگ کی اس کار کے دروازے کھلے اور چار آدمی کار سے اتر کر عابد علی، شگفتہ اور وجدان کی طرف بڑھے۔ ان میں سب سے آگے والے آدمی کو دیکھ کر عابد علی کا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور اسے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ دارا تھا!

موت کے ان فرشتوں کو اپنے سامنے دیکھ کر عابد علی اور شگفتہ کی حالت غیر ہوگئی۔ وجدان کا چہرہ بھی دھواں ہوگیا۔ اسے صورتِ حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ کار رکتے دیکھ کر پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ شاید اس کے ڈیڈی کے دوست آئے ہیں لیکن وہ لوگ جس طرح عجلت میں کار سے اترے تھے، وہ انداز دوستانہ نہیں تھا پھر دوستوں کے ہاتھوں میں اسلحہ نہیں ہوتا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے بھی صورتِ حال بھانپ لی تھی۔ ٹیکسی کا انجن اسٹارٹ تھا اور اس نے ابھی تک کرایہ نہیں لیا تھا لیکن کار سے اترنے والے ان لوگوں کے ہاتھوں میں اسلحہ دیکھ کر اس کی چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجا دی اور اس نے کرایہ لیے بغیر بڑی پھرتی سے گاڑی کو گیئر میں ڈالا اور اسے زبردست جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر عابد علی کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ وہ گزشتہ بارہ سال سے جن لوگوں سے چھپنے کی کوشش کرتا رہا تھا، آج بالآخر انہوں نے اسے گھیر لیا تھا۔

ان کی تعداد پانچ تھی۔ ایک کار کے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ کار کا انجن اسٹارٹ تھا۔ چار آدمی کار سے اترے تھے۔ ان میں سب سے آگے دارا تھا جس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس کے ساتھ کار سے اترنے والے تین آدمیوں میں سے دو تو چینی تھے اور ایک غالباً یوریشین تھا۔ ان سب کے ہاتھوں میں چاقو اور خنجر تھے اور چہروں پر بے پناہ سفاکی تھی۔ عابد علی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ سب کرائے کے غنڈے تھے اور دارا نے بھاری معاوضہ دے کر ان کی خدمات حاصل کی ہوں گی۔

عابد علی کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے گردن گھما کر شگفتہ اور وجدان کی طرف دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے چیخ اٹھا۔

"بھاگ جاؤ۔ تم لوگ بھاگ جاؤ۔"

"بھاگ کے کہاں جاؤ گے۔" دارا نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ چہرے کی طرح اس کے لہجے میں بے پناہ سفاکی تھی "اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتے تھے لیکن بالآخر ہم نے تمہیں تلاش کر ہی لیا۔ تمہیں دنیا کے کسی کونے میں ہم سے پناہ نہیں مل سکتی۔ تم اگر پاتال میں بھی چھپے ہوتے تو ہم تمہیں ڈھونڈ نکالتے۔"

"تت.... تم.... کیا چاہتے ہو دارا۔" عابد علی ہکلایا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" دارا نے کہا "تم نے ملک نوازش علی کے ساتھ غداری کی تھی۔ اسے دھوکا دیا تھا۔ اسے کروڑوں کا نقصان پہنچایا تھا۔ تم اگرچہ ملک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے مگر ملک نوازش علی تمہیں نہیں بھولا تھا۔ تمہاری تلاش جاری رہی اور بالآخر ہم نے تمہیں ڈھونڈ ہی لیا۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ عابد علی۔"

"مجھے مار کر تم لوگوں کو کیا ملے گا۔" عابد علی نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میں تم لوگوں سے بالکل لاتعلق ہو چکا ہوں۔ مجھ سے تم لوگوں کو اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میرا اب پاکستان آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں....."

"تم ہمارے لیے خطرہ بن سکتے ہو۔" دارا نے اس کی بات کاٹ دی "ہم نے آسٹریلیا میں اپنے مال کی کھپت کے لیے ایک نئی منڈی تلاش کی ہے۔ سنگاپور کو ہم علاقائی ہیڈ کوارٹر کے طور پر استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور تم جیسے لوگ یہاں ہمارے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ ویسے بھی تم سے تو پرانا حساب چکانا ہے۔ تمہیں زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا... چی فانگ" وہ ایک چینی غنڈے کی طرف مڑ گیا "ختم کر دو اسے۔"

"نہیں...." شگفتہ چیختے ہوئے آگے آگئی۔

دارا پستول لیے کھڑا رہا اور تینوں غنڈوں نے خنجروں سے عابد علی پر حملہ کر دیا۔ شگفتہ اپنے شوہر کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ خنجر کے کئی وار اس کے جسم پر بھی لگے۔ شگفتہ اور عابد علی اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن خنجر کا ہر وار انہیں چیخنے پر مجبور کر دیتا۔ ان کی چیخوں کی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔

وجدان ایک طرف کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک غنڈے نے اس پر بھی حملہ کرنا چاہا مگر عین وقت پر عابد علی سامنے آگیا۔

"بھاگ جاؤ۔ وجدان۔ بھاگ جاؤ۔" عابد علی چیخا۔

وجدان چیختا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا لیکن وہ زیادہ دور نہیں گیا۔ ایک بنگلے کے سامنے لان کی باڑھ میں چھپ گیا اور اس طرف دیکھنے لگا۔ وہ تینوں غنڈے عابد علی اور شگفتہ پر خنجروں سے وار کر رہے تھے اور وہ دونوں بری طرح چیخ رہے تھے۔

ان کی چیخیں دور دور تک گونج رہی تھیں لیکن کوئی ان کی مدد کے لیے باہر نہیں آیا۔ قریب کھڑا ہوا دارا وقفے وقفے سے پستول سے فائرنگ کر رہا تھا۔ فائرنگ کی آواز نے ہی لوگوں کو اپنے گھروں میں بند رہنے پر مجبور کر رکھا تھا۔

چی فانگ نامی چینی غنڈا شگفتہ کو پکڑے ہوئے تھا۔ شگفتہ کا جسم لہولہان ہو رہا تھا۔ اس کے جسم پر کئی گہرے زخم آچکے تھے۔ جن سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو چھڑا کر ایک طرف دوڑی۔ چی فانگ بھی خنجر لیے اس کے پیچھے لپکا۔ شگفتہ پرتاب سنگھ والے بنگلے کے سامنے لان کی باڑھ سے الجھ کر گر گئی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن چی فانگ نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اس کے سینے پر پے در پے وار کرنے لگا۔

عابد علی زخموں سے چور ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالآخر اسے بھی موقع مل گیا اور وہ ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا لیکن زخموں سے چور ہونے کے باعث زیادہ دور نہیں جا سکا اور لڑکھڑا کر سامنے والے بنگلے کے لان کے قریب گر گیا۔ ایک حملہ آور خنجر تانے اس کی طرف لپکا لیکن ٹھیک اسی وقت پچھلے موڑ سے ایک گاڑی گلی میں مڑی۔

"بھاگو!" دارا چیخا "چی فانگ بھاگو۔ گاڑی میں۔"

وہ سب اپنی کار کی طرف لپکے۔ کار حرکت میں آگئی تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے کار میں گھس گئے اور کار تیز رفتاری سے اگلا موڑ گھوم کر نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ دوسری کار گلی میں چند قدم آگے آچکی تھی۔

وجدان جھاڑیوں سے نکل کر اپنی ماں کی طرف دوڑا۔

"ممی.... ممی...." وہ شگفتہ کو جھنجوڑتے ہوئے چیخ رہا تھا مگر شگفتہ اس کی پکار کا جواب دینے کے لیے زندہ نہیں رہی تھی۔ وجدان باپ کی طرف دوڑا اور اس سے لپٹ کر چیخنے لگا۔

عابد علی کے جسم پر کئی زخم تھے۔ سینے پر بھی کئی جگہوں سے خون بہہ رہا تھا لیکن وہ ابھی زندہ تھا۔

"وجدان۔" عابد علی کے منہ سے کمزوری آواز نکلی "بھاگ جاؤ۔ یہ لوگ تمہیں بھی مار ڈالیں گے.... اپنی ماں کو.... لے کر بھاگ.... جاؤ....."

گلی میں داخل ہونے والی کار قریب آکر رک گئی۔ دو آدمی نیچے اترے۔ ان میں ایک پرتاب سنگھ اور دوسرا اس کا دوست نریش کمار تھا۔ کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں وہ منظر دیکھ کر پرتاب سنگھ کانپ اٹھا اور چیختا ہوا وجدان کی طرف دوڑا۔

"اوئے کیا ہوا کاکے۔ یہ سب کیا ہوا؟" پرتاب سنگھ نے وجدان کو عابد علی سے الگ کرتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"چاچا!" وجدان چیخ کر اس سے لپٹ گیا "انہوں نے میرے ابو کو مار دیا۔ میری ممی کو بھی مار ڈالا۔"

پرتاب سنگھ اپنے بنگلے کی طرف دوڑا۔ گیٹ کے ساتھ ہی لان کی باڑھ میں شگفتہ پھنسی ہوئی تھی۔ پرتاب سنگھ اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ وہ ختم ہو چکی تھی۔ وہ دوڑ کر دوبارہ عابد علی کے قریب آگیا۔

"او بھائی عابد علی۔ یہ سب کیا ہوا۔ کون تھے وہ لوگ....." وہ عابد علی کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے چیخا۔

"پرتاب سنگھ۔" عابد علی کراہا "مجھے مت اٹھاؤ..... مم.... مجھے کہیں لے جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میرے جسم پر اتنے زخم لگے ہیں کہ میرا زندہ بچنا ممکن نہیں۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ میری بات.... غور سے.... سنو....."

"تم بچ جاؤ گے عابد علی..... میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔ تم بچ جاؤ گے۔" پرتاب سنگھ نے کہا اور اپنے دوست کی طرف دیکھ کر چیخا "نریش کمار! ڈاکٹر کو بلاؤ۔ پولیس کو فون کرو۔ جلدی کرو۔ میرے یار کو بچاؤ۔"

"ڈاکٹر کو بلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا پرتاب سنگھ۔" عابد علی نے کراہتے ہوئے کہا "میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میری بات غور سے سن لو۔"

"ہاں ہاں۔ بولو۔ میں سن رہا ہوں۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔ اس نے عابد علی کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

"انہوں نے شگفتہ کو مار ڈالا۔ میں بھی مر رہا ہوں۔" عابد علی رک رک کر کہہ رہا تھا "میرا بیٹا اکیلا رہ جائے گا۔ اس کا خیال رکھنا۔"

"تم فکر مت کرو عابد علی۔" پرتاب سنگھ بولا "وجدان میرا پتر ہے۔ میں اسے اپنے پتر کی طرح پالوں گا۔ سوں رب دی۔"

"ایک بات اور سن لو۔" عابد علی نے کہا "ملک نوازش علی اپنے کالے دھندے کے لیے سنگاپور میں قدم جمانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے یہاں میری موجودگی کا پتا چل گیا تھا۔ وہ مجھے اپنے لیے خطرہ سمجھ رہا تھا۔ مجھے راستے سے ہٹانے کے لیے اس نے دارا جیسے درندے کو یہاں بھیج دیا۔ ہم اس کے بارے شش و پنج کا شکار رہے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے علاوہ....." عابد علی خاموش ہوگیا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس کی رنگت بالکل پیلی پڑ گئی تھی اور بولنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

"سوں رب دی۔" پرتاب سنگھ بولا "میں ان درندوں سے تمہارے اور اپنا بھوجے کے قتل کا بدلہ ضرور لوں گا۔"

"تم نہیں۔" عابد علی بولا "انتقام میرا بیٹا لے گا۔ اس کی پرورش اس طرح کرنا کہ اس کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑکتی رہے۔"

"تم فکر ہی مت کرو۔" پرتاب سنگھ بولا "میں اسے انتقام کا شعلہ بنا دوں گا، لاوا بھر دوں گا اس کے جسم میں۔ آتش فشاں بنا دوں گا اسے۔ جب پھٹے گا تو سب کو جلا کر راکھ کر دے گا۔ وہ تمہارا

انتقام ضرور لے گا۔"

"میں تمہیں ایک اور بات بتانا چاہتا ہوں۔" عابد علی نے کہا۔ اس کی آواز کچھ اور کمزور سی ہوگئی تھی "وجدان کی پرورش کے لیے تمہیں.... دولت کی کمی نہیں ہوگی۔ میں اس کے لیے اتنا سب کچھ چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اسے ساری زندگی کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"میرا سب کچھ بھی تو اسی کا ہے عابد علی۔" پرتاب سنگھ بولا۔

"میں تمہیں جو بات بتانا چاہتا ہوں' وہ غور سے سنو پرتاب سنگھ۔" عابد علی رک رک کر بولا "ملک نوازش علی بظاہر تو ایک زمیں دار ہے لیکن دراصل وہ ایک بہت بڑا بین الاقوامی اسمگلر ہے۔ بارہ سال پہلے اس کے اسمگل شدہ سونے کی ایک کھیپ میرے ہاتھ لگ گئی تھی۔ میں نے پانچ کروڑ مالیت کا وہ سونا غائب کردیا تھا اور اسے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ وہ سونا میں نے راوی کے پُل سے دریا میں پھینک دیا تھا۔ وہ میرا بدترین دشمن بن گیا۔ اس نے میرے گھر کو آگ لگا کر مجھے' میری بیوی اور میرے بچے کو زندہ جلانے کی کوشش کی لیکن میں بچ نکلا اور چوری چھپے پاکستان سے فرار ہو کر یہاں آگیا۔ مجھے بعد میں اپنے ایک دوست کے ذریعے پتا چلا کہ اس نے غالباً میری اس بات کا یقین کرلیا تھا کہ پانچ کروڑ روپے مالیت کا وہ سونا میں نے دریا میں پھینک دیا تھا۔ وہ سونے کی تلاش کے ساتھ مجھے بھی ڈھونڈتا رہا اور بالآخر اس کے آدمی مجھ تک پہنچ گئے اور اپنا وار کر گزرے۔ ہم.... میں.... میں نے وہ سونا دریا میں نہیں پھینکا تھا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ سونا کہاں ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر جب بولا تو اس کی آواز کچھ اور بھی کمزور ہوگئی تھی۔

اس دوران میں آہٹ سن کر پرتاب سنگھ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ نریش کمار اس کے قریب کھڑا تھا۔

"میں نے پولیس کو اطلاع دے دی ہے۔ اسپتال بھی فون کردیا ہے۔ ایمبولینس بھی آنے والی ہے۔" نریش کمار نے اسے اپنی طرف متوجہ پاکر کہا۔

"پانی لاؤ تھوڑا سا۔ جلدی کرو۔" پرتاب سنگھ بولا۔

اس دوران میں آس پاس کے بنگلوں سے کچھ لوگ بھی نکل آئے تھے لیکن آگے کوئی نہیں آیا تھا۔ سب اپنے اپنے دروازوں کے سامنے کھڑے تھے۔ نریش کمار ایک گھر سے پانی مانگ لایا۔ پرتاب سنگھ' عابد علی کے حلق میں پانی ٹپکانے لگا مگر پانی اس کے ہونٹوں سے باہر بہہ رہا تھا۔ عابد علی نے قریب بیٹھے ہوئے وجدان کا ہاتھ پکڑلیا۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ اس کے جسم کو ہلکا سا جھٹکا لگا اور پھر وہ بے حس و حرکت ہوگیا۔

پرتاب سنگھ اس کی نبض ٹٹولنے لگا۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا لیکن عابد علی کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرچکی تھی۔ پرتاب سنگھ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس نے عابد علی کی آنکھیں بند کردیں اور اس کا سر بڑی آہستگی سے زمین پر ٹکا دیا اور وجدان کو سینے سے لپٹالیا۔ وجدان دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور پھر پرتاب سنگھ کی بانہوں میں جھول گیا۔

وہ بے ہوش ہوگیا تھا۔

ٹھیک اسی وقت پولیس کے سائرن کی آواز سنائی دی جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جارہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد پولیس کی جیپ اس گلی میں مڑی۔ اس کے پیچھے ہی ایمبولینس بھی تھی۔ دونوں گاڑیاں جائے وقوعہ سے چند گز کے فاصلے پر رک گئیں۔ جیپ رکتے ہی نصف درجن پولیس والے اتر کر ادھر اُدھر پھیل گئے۔ اس پولیس پارٹی کا انچارج پرتاب سنگھ کا دوست چیانگ شو تھا۔ لوگ پولیس کو دیکھ کر اپنے اپنے گھروں میں گھس گئے تھے۔

"چیانگ شو!" پرتاب سنگھ اسے دیکھتے ہی چیخا "یہ.... یہ دیکھو کیا ہوگیا ہے۔ انہوں نے میرے یار اور پارٹنر کو مار ڈالا۔"

"وہ لوگ بچ کر نہیں جائیں گے۔" چیانگ شو نے کہا "ہم کو بتاؤ۔ یہ سب کیا ہوا۔ تم نے ان لوگ کو دیکھا؟"

"نہیں۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "میں اپنے دوست نریش کمار کے ساتھ آیا تھا۔ ہماری کار جیسے ہی اس گلی میں مڑی وہ لوگ ایک کار میں بیٹھ کر فرار ہوگئے لیکن میں جانتا ہوں وہ دارا تھا۔ عابد علی کو اس سے جان کا خطرہ تھا۔"

چیانگ شو ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پرتاب سنگھ ابھی تک عابد علی کی لاش کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ بے ہوش وجدان اس کی گود میں تھا۔

"اس بچے کو کیا ہوا؟" چیانگ شو نے پوچھا "کیا یہ بھی...."

"نہیں۔ یہ بے ہوش ہوگیا ہے۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "یہ عابد علی کا بیٹا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے ماں باپ کو قتل کیا گیا ہے۔ یہ صدمہ برداشت نہیں کرسکا۔ بے ہوش ہوگیا ہے۔ اگر اسے ہوش میں نہ لایا گیا تو اس کی جان کو بھی خطرہ ہوسکتا ہے۔"

اسی وقت سامنے والے گھر سے ایک ادھیڑ عمر آدمی اور ایک عورت نکل کر پرتاب سنگھ کے قریب آگئے۔ پرتاب سنگھ نے وجدان کو ان کے حوالے کردیا۔ وہ آدمی وجدان کو گود میں اٹھا کر اپنے بنگلے میں لے گیا۔ پڑوس کی دو تین عورتیں ان کے پیچھے ہی بنگلے میں داخل ہوگئی تھیں۔

انسپکٹر چیانگ شو عابد علی کی لاش کا معائنہ کررہا تھا پھر وہ شگفتہ کی لاش کے قریب چلا گیا۔ کچھ دیر تک اس کا معائنہ کرتا رہا پھر اپنی جیپ کے پاس آگیا اور ریڈیو ٹرانسمیٹر پر ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کرکے فوٹو گرافر اور دیگر ماہرین کو جائے وقوعہ پر بھیجنے کی درخواست کی اور ریڈیو آن کرکے اپنے آدمیوں کو کچھ ہدایات دیتے ہوئے جائے واردات کا جائزہ لینے لگا۔ آس پاس کے بنگلوں میں رہنے والے کچھ لوگ اب پھر گھروں سے نکل آئے تھے۔ عابد علی اور شگفتہ کی لاشیں دیکھ کر سب ہی لوگ افسوس کا اظہار کررہے تھے۔

انسپکٹر چیانگ شو' شگفتہ کی لاش سے چند قدم آگے رک گیا۔ جھاڑیوں کے قریب ہاتھی دانت کے دستے والا ایک خنجر پڑا ہوا تھا۔ خنجر کا بلیڈ خون آلود تھا۔ کچھ خون دستے پر بھی لگا ہوا تھا۔ چیانگ شو نے جیب سے رومال نکالا اور اس کی مدد سے بڑی احتیاط سے خنجر اٹھا کر اس کا معائنہ کرنے لگا۔ خنجر کے بلیڈ پر لگا ہوا خون ابھی پوری طرح جما نہیں تھا۔

"یہ خنجر احتیاط سے رکھ لو۔" چیانگ شو نے خنجر اپنے ایک ماتحت کے حوالے کردیا اور ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اپنے گھروں کے سامنے کھڑے ہوئے لوگ کچھ اور آگے آگئے تھے۔ ان میں ہندوستانی بھی تھے' چینی بھی اور دوسری قوموں کے باشندے بھی۔

"آپ لوگوں میں کوئی اس واردات کے بارے میں کچھ جانتا ہو تو پلیز آگے آکر ہمیں بتائے تاکہ ہم قاتلوں کو آسانی سے تلاش کرسکیں۔" چیانگ شو نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

لیکن کوئی بھی آگے نہیں آیا۔ سب لوگ اپنی جگہوں پر کھڑے رہے۔

"دیکھیے!" چیانگ شو ایک بار پھر لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "قاتلوں کا سراغ لگانے کے لیے ہمیں کچھ نشانیاں درکار ہیں۔ اگر کوئی کچھ جانتا ہو تو ہماری مدد کرے۔"

اس مرتبہ عابد علی کے سامنے والے بنگلے میں رہنے والا تائی شی نامی ایک ادھیڑ عمر چینی آگے آیا۔

"یس مسٹر!" چیانگ شو اس کی طرف متوجہ ہوگیا "آپ کچھ جانتے ہیں؟"

"میں اس وقت کچن میں تھا۔" تائی شی نے کہا "پہلے میں نے ایک گاڑی کے رکنے کی آواز سنی۔ اس کے چند ہی سیکنڈ بعد ایک اور گاڑی بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ ہمارے بنگلے کے سامنے رکی اور پھر شور کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ان میں ایک آواز عابد علی کی تھی جو چیخ چیخ کر اپنی بیوی اور بیٹے سے کچھ کہہ رہا تھا پھر اس کی بیوی اور بیٹے کی چیخوں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ میں کچن سے نکل کر باہر کے گیٹ کے پاس آگیا۔ گیٹ کھولنے سے پہلے میں نے جھری میں سے باہر جھانک کر دیکھا تو کانپ کر رہ گیا۔ تین چار آدمی عابد علی اور اس کی بیوی پر خنجروں سے حملے کررہے تھے۔ لمبے قد کا ایک آدمی کار کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا کر ہوائی فائر کردیا اور پھر وہ وقفے وقفے سے فائر کرتا رہا۔ میرے خیال میں اس طرح اس کی فائرنگ کا مقصد یہ تھا کہ کوئی شخص اپنے گھر سے باہر نہ نکل سکے۔"

تائی شی چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "حملہ آور بے دردی سے عابد علی اور اس کی بیوی پر خنجروں سے حملے کررہے تھے۔ ان کا بیٹا بھاگ کر جھاڑیوں میں چھپ گیا تھا۔

مشہور ماہرین نفسیات کی آرا پر مشتمل کتاب

احساس کمتری

اسباب تدارک علاج

اس کتاب کا مطالعہ آپ کو بتائے گا کہ

- احساس کمتری سے کس طرح نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔
- کامیاب زندگی گزارنے کے اصول کیا ہیں۔

قیمت 25 روپے

ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

خط و کتابت کا پتہ

مکتبہ نفسیات

پوسٹ بکس 9944 شادمان ٹاؤن لیس ایریا کراچی 74200

فون: 5802584 فیکس: 5802552-5895313

کتابوں کی قیمتیں اور ڈاک خرچ میں تبدیلی ہوسکتی ہے

kitabiat@hotmail.com

kitabiat1970@yahoo.com

میں دوڑ کر اندر آگیا۔ میں ان لوگوں کی کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا لیکن پولیس کو تو اطلاع دے سکتا تھا۔ یہی سوچ کر میں دوڑتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔ میں نے پولیس کو اطلاع دینے کے لیے فون کا ریسیور اٹھایا تو پتا چلا کہ فون ڈیڈ پڑا ہے۔

"میں دوبارہ گیٹ کے پاس آگیا۔ اس وقت حملہ آور سیاہ رنگ کی ایک کار میں فرار ہو رہے تھے۔ میں نے ان میں سے صرف ایک آدمی کو دیکھا تھا۔ وہ لمبے قد کا قدرے بھاری بھرکم آدمی تھا۔ ہندوستانی یا شاید پاکستانی تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس شخص کا حلیہ بتانے لگا۔

"اس کے ساتھی کون تھے؟" انسپکٹر چیانگ شو نے پوچھا۔

"چینی تھے لیکن میں ان کی شکلیں اچھی طرح نہیں دیکھ سکا تھا۔" تائی شی نے کہا۔

"تم نے اس کار کا نمبر دیکھا تھا مسٹر تائی شی؟" چیانگ شو نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں نمبر نہیں دیکھ سکا تھا لیکن وہ سیاہ رنگ کی ٹویوٹا تھی۔" تائی شی نے بتایا۔

"اگر دوبارہ اس آدمی کو دیکھ لو تو پہچان لوگے؟" چیانگ شو نے پوچھا۔

"شاید۔" تائی شی نے مختصر سا جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" چیانگ شو بولا "میں آپ کا تحریری بیان لینے کے لیے آپ کو دوبارہ زحمت دوں گا۔ کسی کو کوئی اور بات معلوم ہو تو پلیز ہماری مدد کرے۔"

لیکن کوئی آگے نہیں آیا۔ اسی دوران میں پولیس کی ایک اور گاڑی گلی میں آکر رکی۔ اس میں سے تین آدمی نیچے اترے۔ ایک تو پولیس کا فوٹو گرافر تھا اور دو ہومی سائیڈ کے ماہرین۔ فوٹو گرافر چیانگ شو کی ہدایت پر جائے واردات اور لاشوں کی تصویریں کھینچنے لگا جبکہ ہومی سائیڈ کے ماہرین نے اپنے طور پر تحقیق شروع کردی تھی۔

مختلف لوگوں کے بیانات لیے گئے۔ واردات کا چشم دید گواہ کوئی نہیں تھا۔ تائی شی کے علاوہ سب ہی نے یہ بتایا تھا کہ انہوں نے چیخنے اور فائرنگ کی آوازیں سنی تھیں لیکن خوف کی وجہ سے کوئی بھی اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ البتہ یہ بیان سب نے دیا تھا کہ عابد علی ایک شریف آدمی تھا۔ اس کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ یہ مکان اس نے تقریباً چھ سال پہلے خریدا تھا۔ تمام پڑوسیوں سے اس کے تعلقات بہت خوشگوار تھے۔ چھ سال کے اس عرصے میں کسی سے اس کا کوئی معمولی سا جھگڑا بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کی بیوی شگفتہ بھی بہت خوش اخلاق اور ملنسار عورت تھی۔ پڑوس میں سب گھروں میں اس کا آنا جانا تھا اور اس گلی میں رہنے والی تمام خواتین سے اس کے تعلقات بہت خوش گوار تھے۔

پولیس آفیسر گلی کے لوگوں کے بیانات لے رہا تھا کہ کسی نے آکر بتایا کہ وجدان ہوش میں آگیا ہے۔

"وجدان کون ہے؟" ہومی سائیڈ کے ایک آفیسر نے چیانگ شو کی طرف دیکھا۔

"مقتولین کا بارہ سالہ بیٹا اور اس واردات کا واحد چشم دید گواہ۔" انسپکٹر چیانگ شو نے بتایا۔

"اوہ!" ہومی سائیڈ آفیسر چونک گیا "اس کا بیان بہت ضروری ہے۔ وہ ہمیں قاتلوں کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہے۔"

وہ لوگ اس بنگلے میں آگئے جہاں وجدان ایک بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل پیلا ہو رہا تھا۔ جیسے جسم کا سارا خون نچڑ گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی جھلک رہی تھی اور وہ پلک جھپکے بغیر سامنے والی دیوار کو گھور رہا تھا۔

"کاکا۔" پرتاب سنگھ اس کے قریب پلنگ پر بیٹھ گیا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا "اب کیسے ہو بیٹا۔"

"چاچا۔" وجدان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے "میری ممی.... میرے ابو...."

"حوصلہ کر بیٹا۔" پرتاب سنگھ نے اسے اٹھا کر گلے سے لگالیا۔

"وجدان ڈیئر!" ہومی سائیڈ آفیسر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم نے ان لوگوں کو اپنے ڈیڈی اور ممی پر حملہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ بتا سکتے ہو وہ کون لوگ تھے؟"

"دا.... دارا....." وجدان روتے ہوئے بولا "ابو نے اسے دارا کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اس کے ساتھ تین آدمی اور تھے۔"

"وہ تین آدمی کون تھے؟" آفیسر نے پوچھا۔

وجدان جواب دینے کے بجائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"آفیسر!" پرتاب سنگھ ہومی سائیڈ آفیسر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "یہ بچہ ابھی اس قابل نہیں ہے کہ تفصیل سے کوئی بیان دے سکے۔ اس وقت اس سے کوئی سوال نہ کریں۔ یہ صدمے سے نڈھال ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے مسٹر پرتاب سنگھ۔" ہومی سائیڈ آفیسر نے کہا "آپ ان کے پڑوسی ہیں۔ یہ بچہ آپ کی تحویل میں رہے گا۔ ان کے کوئی اور رشتے دار ہوں تو انہیں بھی اطلاع دے دیں۔ اس بچے کی دیکھ بھال بہت ضروری ہے اور حفاظت بھی۔" ہومی سائیڈ آفیسر، چیانگ شو کی طرف مڑگیا "انسپکٹر! یہ بچہ اس واردات کا واحد چشم دید گواہ ہے۔ اس کی جان کو بھی خطرہ ہوسکتا ہے۔ اگر مسٹر پرتاب سنگھ کی گاڑی اس وقت گلی میں نہ مڑتی تو شاید وہ لوگ اسے بھی مار دیتے۔ مجھے یقین ہے کہ اب وہ لوگ اسے بھی ختم کرنے کی کوشش کریں گے اس لیے اس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔"

"فکر مت کرو آفیسر۔" چیانگ شو نے جواب دیا "میں اس مکان پر دو مسلح کانسٹیبلوں کی ڈیوٹی لگا دیتا ہوں۔"

وہ لوگ مکان سے باہر آگئے۔ لاشیں اٹھوانے سے پہلے عابد علی کے لباس کی تلاشی لی گئی تھی اور جیبوں سے برآمد ہونے والی تمام اشیا کی فہرست بنا کر مشیر نامہ تیار کیا گیا۔ مکان کی چابیاں پرتاب سنگھ کے حوالے کردی گئیں اور کچھ دیر بعد جب لاشیں اٹھا کر ایمبولینس میں ڈالی گئیں تو وجدان دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ وہ پرتاب سنگھ سے سنبھالے نہیں سنبھل رہا تھا۔ یہ اندوہ ناک منظر دیکھ کر وہاں کھڑے ہوئے لوگوں کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

وجدان ایک بار پھر بے ہوش ہوگیا۔ پرتاب سنگھ اسے اپنے گھر میں لے آیا اور اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دے کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد وجدان ہوش میں آگیا لیکن پرتاب سنگھ کو خطرہ تھا کہ اس کا ذہنی توازن نہ بگڑ جائے۔ اس معصوم بچے پر قیامت ہی ٹوٹ پڑی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے ماں باپ کو قتل کیا گیا تھا۔ یہ تو بچہ تھا۔ کوئی بڑا بھی ہوتا تو شاید اپنے آپ کو نہ سنبھال پاتا۔

پرتاب سنگھ کے مکان میں کچھ اور لوگ بھی جمع ہوگئے تھے۔ ان میں خواتین بھی تھیں جو وجدان کو سینے سے لپٹا لپٹا کر اسے دلاسا دے رہی تھیں۔ گلی کے تمام گھروں میں وجدان کا آنا جانا تھا۔ وہ ان تمام خواتین سے مانوس تھا۔ ہر ایک سے لپٹ لپٹ کر رو رہا تھا۔

"نریش کمار۔" پرتاب سنگھ اپنے دوست کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "ڈاکٹر رحمٰن کو فون کردو۔ مجھے ڈر ہے کہ وجدان کو کچھ ہونہ جائے۔ سوں رب دی۔ اسے کچھ ہوگیا تو میں..... تم ڈاکٹر رحمٰن کو فون کرو۔"

نریش کمار لاؤنج میں رکھے ہوئے فون کے قریب آگیا اور ریسیور اٹھا کر ڈاکٹر رحمٰن کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔ کال کافی دیر بعد ریسیو کی گئی تھی۔ ڈاکٹر رحمٰن، پرتاب سنگھ اور عابد علی کا مشترکہ دوست تھا بلکہ پہلے اس کی دوستی عابد علی سے ہوئی تھی اور اس کے بعد پرتاب سنگھ سے متعارف ہوا تھا۔ ان تینوں میں بڑی گہری دوستی ہوگئی تھی۔ نریش کمار کی بھی کبھی کبھی اس سے ملاقات ہوجایا کرتی تھی۔

"ڈاکٹر رحمٰن۔" نریش کمار لائن ملنے پر بولا "عابد علی اور اس کی بیوی کو کسی نے قتل کردیا ہے۔ اس کے بیٹے کی حالت تشویش ناک ہے۔"

"عابد علی اور شگفتہ کو قتل کردیا گیا ہے۔" ڈاکٹر رحمٰن کی آواز سے نیند کا خمار غائب ہوگیا۔ اس نے نریش کمار کی آواز بھی پہچان لی تھی "تم کہاں سے بول رہے ہو نریش۔ انہیں کس نے قتل کیا ہے۔ کہاں...."

"ان دونوں کو ان کے گھر کے سامنے قتل کیا گیا ہے۔" نریش کمار نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میں پرتاب سنگھ کے گھر سے بول رہا ہوں۔ تم یہیں آجاؤ۔"

"وجدان زیادہ زخمی ہے کیا؟" ڈاکٹر رحمٰن نے پوچھا۔

"وہ زخمی نہیں ہے۔" نریش کمار نے جواب دیا "جب اس کے ماں باپ کو قتل کیا جا رہا تھا تو وہ چھپ گیا تھا جس وجہ سے وہ بچ گیا لیکن صدمے سے وہ بار بار بے ہوش ہو رہا ہے۔ خدشہ ہے کہ اس کے دماغ پر کوئی برا اثر نہ پڑے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آرہا ہوں۔" ڈاکٹر رحمٰن نے جواب دیا۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔ نریش کمار نے ریسیور رکھ دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں ڈاکٹر رحمٰن پہنچ گیا۔ وجدان کی حالت اس وقت بھی کچھ بہتر نہیں تھی۔ اب وہ رونے کے ساتھ ساتھ ایسی باتیں کرنے لگا تھا جو دوسروں کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ ڈاکٹر رحمٰن نے اسے انجکشن لگا دیا۔

"اچھا کیا جو تم نے مجھے بلالیا پرتاب سنگھ۔" ڈاکٹر رحمٰن نے کہا "یہ صدمہ اس کے لیے بہت شدید ہے۔ باہمت لڑکا ہے جو اب تک سب کچھ برداشت کرلیا۔ اس کا ذہن متاثر ہوسکتا ہے۔ میں نے انجکشن لگا دیا ہے۔ سو جائے گا۔ اسے سکون اور آرام کی بہت ضرورت ہے۔"

"میں ان لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا سوں رب دی۔" پرتاب سنگھ بولا۔

"مگر یہ سب کچھ ہوا کیسے؟" ڈاکٹر رحمٰن نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں معلوم ہے چند روز پہلے عابد علی کو اپنا ایک پرانا دشمن نظر آگیا تھا۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "انہی لوگوں کے خوف سے یہ بارہ سال پہلے اپنا وطن... چھوڑ کر یہاں آگیا تھا۔ اس روز دارا کو دیکھ کر عابد علی ڈر گیا تھا۔ میں نے اس کی حفاظت کا بندوبست کردیا تھا۔ دو باڈی گارڈ رکھ دیے تھے لیکن دس بارہ دن تک کوئی بات نہیں ہوئی۔ عابد علی یہی سمجھا کہ شاید دارا نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ محض سیر و تفریح کے لیے یا کسی اور کام سے سنگاپور آیا ہو اور اتفاقاً عابد علی کی نظروں میں آگیا ہو اور عابد علی یہ سمجھا ہو کہ وہ اسی کی تلاش میں آیا ہے۔ بہرحال جب کچھ نہیں ہوا تو عابد علی نے باڈی گارڈز ہٹا دیے۔ وہ سمجھا ہوگا کہ شاید دارا واپس جاچکا ہے لیکن اس کے سارے اندازے غلط نکلے۔ دارا اس کی تاک میں تھا اور موقع کی تلاش میں تھا۔" پرتاب سنگھ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "کل وجدان کی سالگرہ تھی۔ وہ بارہ سال کا ہوگیا تھا۔ یہ لوگ سارا دن سنتوشا میں پکنک مناتے رہے۔ رات کو شاید ڈنر کے لیے کسی ہوٹل میں گئے تھے اور مجھے یقین ہے کہ دارا اپنے آدمیوں کے ساتھ اس کی تاک میں ہوگا۔

"اتفاق سے میں بھی نریش کمار کے ساتھ ڈنر پر گیا ہوا تھا۔ واپسی پر ہماری کار جیسے ہی گلی میں داخل ہوئی یہاں پہلے ہی سے

کالے رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ میں نے اپنی کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تین چار آدمیوں کو دوڑ کر کالے رنگ کی اس کار میں بیٹھتے دیکھا۔ وہ کار تیزی سے آگے روانہ ہوگی۔ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ وہ کون لوگ تھے اور اس طرح کیوں بھاگے تھے مگر جب ہم نے اپنی کار روکی تو خون خرابا نظر آیا۔ پاپھو شگفتہ ختم ہو چکی تھی۔ عابد علی شدید زخمی تھا۔ اس نے میری گود میں دم توڑا تھا۔ میں وہ سب کچھ نہیں بھول سکتا یار۔ یہ معصوم بچہ جس طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اس نے میرے رونگٹے کھڑے کردیے تھے۔ تم خود سوچو یار۔ جس بچے کے سامنے اس کے ماں باپ کو بے دردی سے قتل کردیا گیا ہو' اس کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی۔ اگر اسے کچھ ہوگیا تو....."

"اسے کچھ نہیں ہوگا پرتاب سنگھ۔" ڈاکٹر رحمٰن نے وجدان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اسے زیادہ سے زیادہ نیند اور آرام کی ضرورت ہے۔ دو چار دن اس کا خیال رکھنا پڑے گا۔ اس کے بعد بتدریج صدمہ کم ہوتا چلا جائے گا اور یہ اپنے آپ کو سنبھال لے گا۔"

"اور اس کے بعد؟" پرتاب سنگھ بولا "کیا وجدان یہ سب کچھ بھول جائے گا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا ہے' اسے فراموش کردے گا؟"

"نہیں۔" ڈاکٹر رحمٰن نے کہا "وجدان یہ سب کچھ کبھی نہیں بھول سکے گا۔ یہ واقعہ بھیانک یادبن کر اس کے دماغ میں چپکا رہے گا اور شاید یہی بھیانک یاد اس کی زندگی کا راستہ بدل دے۔"

"اسے اپنی زندگی کا راستہ بدلنا ہوگا۔" پرتاب سنگھ نے کہتے ہوئے وجدان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ انجکشن اپنا اثر دکھا رہا تھا اور وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔ نیند میں بھی وہ سسکیاں بھر رہا تھا۔

○☆○

پرتاب سنگھ تین دن تک بڑا مصروف رہا تھا۔ عابد علی اور شگفتہ کی تدفین کا بندوبست اس نے ڈاکٹر رحمٰن سے مل کر کیا تھا۔ عابد علی ایک مخلص اور ملنسار آدمی تھا۔ اس جزیرے پر اس کے کئی دوست تھے جن میں ہر قومیت کے لوگ شامل تھے۔ ان میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ تدفین' قرآن خوانی اور سوئم وغیرہ کے تمام انتظامات ڈاکٹر رحمٰن اور اس کے مسلمان دوستوں نے کیے تھے۔

وجدان اس دوران میں زیادہ تر نیند کی کیفیت میں رہا تھا۔ ڈاکٹر رحمٰن اس کا خیال رکھے ہوئے تھا۔ وہ ہر دو تین گھنٹوں بعد اسے دیکھ لیتا تھا۔ چوتھے روز ڈاکٹر رحمٰن نے اسے انجکشن نہیں لگایا۔ کیونکہ اس کے خیال میں اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ نیند اور بیداری کے وقفوں کے دوران میں ڈاکٹر رحمٰن اور پرتاب سنگھ اس سے اس طرح کی باتیں کرتے رہتے تھے جس سے صدمے کا اثر کم ہو جائے اور اس میں حوصلہ پیدا ہو۔

وجدان ایک باہمت لڑکا تھا۔ اس کے ذہن نے بہت جلد صورتِ حال کو قبول کرلیا۔ پرتاب سنگھ کی باتوں نے بھی اسے سنبھلنے میں بڑی مدد دی تھی۔

اس دوران میں اخبارات... بڑی باقاعدگی سے نمایاں طور پر اس واقعے کو کوریج دیتے رہے تھے۔ جزیرے پر یوں تو وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اخبارات میں جرائم کی خبریں بھی چھپتی رہتی تھیں لیکن دُہرے قتل کی ایسی خوفناک واردات کبھی نہیں ہوئی تھی اس لیے اخبارات بھی اسے اچھی خاصی اہمیت دے رہے تھے اور لوگ بھی دلچسپی سے یہ خبریں پڑھتے تھے۔ ہر شخص یہ جاننا چاہتا تھا کہ قاتلوں کا سراغ ملا یا نہیں۔

اخبارات کے نمائندے اور فوٹو گرافر بار بار پرتاب سنگھ کے گھر کے چکر لگا رہے تھے۔ وہ لوگ وجدان کا انٹرویو چھاپنا چاہتے تھے لیکن پرتاب سنگھ نے کسی کو بھی وجدان کے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ پولیس بھی وجدان کا بیان لینا چاہتی تھی لیکن ڈاکٹر رحمٰن نے اجازت نہیں دی۔ اس نے پولیس پر واضح کردیا تھا کہ وجدان ابھی ذہنی طور پر اس قابل نہیں ہے کہ پولیس کے سوالات کے جواب دے سکے۔

اخبارات نے یہ بھی لکھا تھا کہ وجدان اس لرزہ خیز واردات کا واحد چشم دید گواہ ہے۔ وہ ایک طرف اگر پولیس کے لیے اہم تھا تو دوسری طرف قاتلوں کے لیے بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اخبارات نے یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ عابد علی اور شگفتہ کے قاتل وجدان کو بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں گے اس لیے اس کی حفاظت کا معقول انتظام کیا جائے۔ پولیس نے اس کی حفاظت کے لیے صرف دو کانسٹیبل تعینات کیے تھے اور اخبارات نے اس پر عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

○☆○

ایک ہفتہ گزر گیا۔ صورتِ حال کسی قدر نارمل ہوگئی تھی اور ڈاکٹر رحمٰن کے خیال میں وجدان بھی اب اس قابل تھا کہ پولیس کا سامنا کرسکے اس لیے اس نے پولیس کو اس کا بیان لینے کی اجازت دے دی۔

انسپکٹر جیانگ شو اور ہومی سائیڈ آفیسر' وجدان کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور وجدان انہیں بتا رہا تھا کہ اس روز یہ واقعہ کس طرح پیش آیا تھا۔

"تم نے کہا ہے کہ تمہارے ڈیڈی نے اس شخص کو دارا کے نام سے مخاطب کیا تھا۔" ہومی سائیڈ آفیسر نے کہا "کیا تم بتا سکتے ہو یہ دارا کون ہے۔ اس سے پہلے تم نے اسے دیکھا تھا۔ وہ تمہارے ڈیڈی سے ملنے تو آتا ہوگا۔"

"نہیں۔ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" وجدان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "وہ کبھی میرے ڈیڈی سے ملنے کے لیے نہیں آیا۔"

"اپنے ڈیڈی اور ممی کی باتوں میں تم نے کبھی اس کا نام سنا تھا۔" آفیسر نے پوچھا۔

"ہاں۔" وجدان نے جواب دیا "قتل سے چند روز پہلے ایک رات ڈیڈی جب گھر آئے تو بہت خوف زدہ تھے۔ اس رات میں نے ممی اور ڈیڈی کو باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔ ڈیڈی کہہ رہے تھے کہ ملک نوازش علی ہمیں نہیں بھولا اور دارا یہاں آگیا ہے۔"

"ملک نوازش علی کون ہے؟" ہومی سائیڈ آفیسر نے پوچھا۔

"یہ بچہ اسے نہیں جانتا۔ میں بعد میں آپ کو بتاؤں گا کہ ملک نوازش علی کون ہے اور دارا کون ہے۔" پرتاب سنگھ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"اس رات تم نے دارا کو دیکھا تھا۔ کیا تم اس کا حلیہ بتا سکتے ہو؟" آفیسر نے وجدان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وجدان چند لمحے خاموش رہا پھر وہ دارا کا حلیہ بتانے لگا۔ دارا اور اس کے آدمیوں نے کار سے اتر کر جب ان لوگوں کو گھیرا تھا تو اس وقت وجدان اگرچہ خوف زدہ تھا لیکن دارا کا حلیہ اسے یاد تھا۔ اس خونی کا چہرہ تو اس کے ذہن کی لوح پر ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اسے کیسے بھول سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" ہومی سائیڈ آفیسر نے اٹھتے ہوئے کہا "اب تم آرام کرو بیٹا اور دل و دماغ پر زیادہ بوجھ مت ڈالو۔ تم جوان اور بہادر لڑکے ہو۔ تم نے جس طرح یہ صدمہ برداشت کیا ہے' وہ قابلِ تعریف ہے۔ ہم تمہارے ڈیڈی اور ممی کے قاتلوں کو ضرور ڈھونڈ نکالیں گے۔ وہ قانون کی گرفت سے بچ کر نہیں جاسکتے۔"

"اگر قانون انہیں نہ ڈھونڈ سکا تو میں اپنے ماں باپ کے قاتلوں کو تلاش کروں گا۔" وجدان نے کہا۔

ان سب نے چونک کر وجدان کی طرف دیکھا۔ اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے انہیں چونکنے پر مجبور کردیا تھا۔

"دل خوش کیتا ای پتر!" پرتاب سنگھ' وجدان کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولا "اگر قانون تمہارے ماں باپ کے قاتلوں کا سراغ نہ لگا سکا تو تم انہیں تلاش کرکے کیفرِ کردار کو پہنچاؤ گے۔ ان کی تلاش میں' میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ وہ یہاں نہ ملے تو ہم پاکستان جائیں گے۔ وہاں بھی نہ ملے تو پوری دنیا میں انہیں تلاش کریں گے۔ ہم انہیں چھوڑیں گے نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

دونوں پولیس آفیسر گھور کر پرتاب سنگھ کی طرف دیکھنے لگے۔ رخصت ہونے سے پہلے جب وہ پرتاب سنگھ سے ہاتھ ملا رہے تھے تو انسپکٹر جیانگ شو نے کہا۔

"پرتاب سنگھ! تم ہم سے ملنا۔ تم سے بات کرے گا۔"

"ضرور ملوں گا انسپکٹر۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔

ان کے جانے کے بعد ڈاکٹر رحمٰن کچھ دیر تک وہاں بیٹھا رہا پھر وہ بھی چلا گیا۔ پرتاب سنگھ اسے چھوڑنے کے لیے باہر کے دروازے تک آیا تو ایک فوٹو گرافر دروازے پر متعین پولیس والوں سے بحث کر رہا تھا۔ وہ ان سے اندر جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا تاکہ وجدان کی تصویریں کھینچ سکے۔

"کیا بات ہے بھائی۔ کیوں بحث کر رہے ہو ان سے۔" پرتاب سنگھ نے اسے گھورا۔

"ایک تصویر۔ صرف ایک تصویر بنانا چاہتا ہوں پرتاب سنگھ جی۔" فوٹو گرافر نے کہا۔ وہ اسٹریٹس ٹائمز..... کا فوٹو گرافر تھا اور یقیناً پرتاب سنگھ کو جانتا تھا۔

"ایک کیا۔ تم جتنی تصویریں بنا لو میرے یار۔ پورا رول کھینچ ڈالو۔ میں تیار ہوں۔" پرتاب سنگھ اپنی پگڑی درست کرتا ہوا اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

"آپ کی تصویر نہیں سردار جی۔ اس بچے کی تصویر۔" فوٹو گرافر نے کہا۔

"کیوں۔ میرا چوکھٹا پسند نہیں آیا۔" پرتاب سنگھ نے اسے گھورا۔

"آپ کی ایک تصویر تو میں چھاپ چکا ہوں سردار جی۔ اگر آپ مجھے اس بچے کی صرف ایک تصویر کھینچنے دیں تو میرا کیریئر بن جائے گا۔" فوٹو گرافر بولا۔

"اور اس بچے کا کیریئر بلکہ اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔" پرتاب سنگھ نے اسے گھورتے ہوئے کہا "قتل سے کام لو تم لوگ۔ تم جانتے ہو وہ اس واردات کا واحد چشم دید گواہ ہے اور قاتل اسے نہیں پہچانتے۔ اگر اس کی تصویر اخبار میں چھپ گئی تو وہ آسانی سے شناخت کرلیا جائے گا اور شاید اس کے بعد وہ دو چار دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکے۔ جا میرے یار۔ بیچ پر چلا جا۔ وہاں کسی چنگی چمڑی والی میم کی تصویر کھینچ کر اخبار میں چھاپ دینا۔"

"سردار جی....."

"نہیں بھائی۔ اب تم یہاں سے چلے ہی جاؤ تو بہتر ہے۔" پرتاب سنگھ نے سرد مہری سے جواب دیا اور دروازہ بند کرکے اندر آگیا۔

اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے اور گھر میں پرتاب سنگھ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ کمرے میں آکر کچھ دیر تک وجدان سے باتیں کرتا رہا پھر کچن میں آکر چائے بنانے لگا۔

پرتاب سنگھ اس گھر میں اکیلا ہی رہتا تھا۔ اس کی عمر اگرچہ پچاس کے لگ بھگ تھی لیکن صحت قابلِ رشک تھی۔ اچھی صحت کی وجہ سے وہ اپنی عمر سے بہت کم لگتا تھا۔

پرتاب سنگھ جب اپنے ماں باپ کے ساتھ سنگاپور آیا تھا تو اس کی عمر پندرہ سال تھی۔ یہاں آنے کے بعد اس نے اپنے باپ کے ساتھ بڑی محنت کی تھی۔ اس کے باپ گورکھ سنگھ کی جالندھر میں کریانے کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ ایک چھوٹا سا مکان تھا۔

لیکن دکان اتنی نہیں چلتی تھی۔ سرمائے کی کمی کی وجہ سے دکان کا سامان پورا نہیں تھا۔ اکثر گاہک مطلوبہ چیز نہ ملنے کے باعث واپس چلے جاتے تھے۔

انہی دنوں گورکھ سنگھ کا ایک رشتے دار دو سال سنگاپور میں رہنے کے بعد واپس آیا تو اسے دیکھ کر گورکھ سنگھ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ شخص جب جالندھر سے گیا تھا تو اس کے پاس صرف تن کے کپڑے تھے اور دو سال بعد واپس آیا تو محلے والے بھی اسے دیکھ کر دانتوں میں انگلیاں داب کر رہ گئے تھے۔ وہ اتنا پیسہ اور سامان لے کر آیا تھا کہ لوگوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ اس نے صرف دو سال میں کمایا ہے۔ حالانکہ دو سال کے اس عرصے کے دوران میں بھی وہ اپنے گھر والوں کو ہر مہینے پیسے بھیجتا رہتا تھا۔

اسے دیکھ کر گورکھ سنگھ یہی سمجھا کہ سنگاپور میں مگن برستا ہے۔ جالندھر میں رہ کر وہ غربت اور افلاس کی چکی میں پس رہا تھا۔ کہنے کو وہ دکان دار تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ دکان کی کمائی سے اس کا اپنے گھر کا خرچ پورا نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ ان کا کنبہ صرف چار افراد پر مشتمل تھا۔ وہ خود' اس کی بیوی اور دو بچے۔ ایک پر تاب سنگھ اور دوسری اس کی بہن سریندر کور۔

گورکھ سنگھ نے بھی سنگاپور جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے دکان اور مکان بیچ دیا اور ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر سنگاپور پہنچ گیا۔ یہاں آکر اسے پتا چلا کہ سنگاپور میں بھی جائز ذرائع سے دولت کمانا آسان نہیں ہے۔ وہ کچھ عرصہ محنت مزدوری کرتا رہا پھر اسے ایک پرانی ٹیکسی سستے داموں مل گئی اور وہ ٹیکسی چلانے لگا۔

پر تاب سنگھ کو پڑھنے کا شوق تھا۔ اسے تاریخ سے دلچسپی تھی۔ اس خوب صورت جزیرے کی سیرو سیاحت کے دوران میں اسے احساس ہوا کہ جزیرے کی تاریخ پر ایک دلچسپ کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ اس نے محکمۂ سیاحت سے رابطہ قائم کیا تو اسے یہ جان کر بڑی مایوسی ہوئی کہ محکمۂ سیاحت پہلے ہی ایسی ایک نہیں کئی کتابیں چھاپ چکا ہے مگر پر تاب سنگھ نے ہمت نہیں ہاری اور بالآخر ایک مہربان کے توسط سے سنگاپور کے ایک سپرڈ یلکس ہوٹل سے اس کا معاہدہ ہوگیا۔

ہوٹل نے مختلف ممالک میں اپنی پبلسٹی کے لیے پہلے ہی سے ایک منصوبہ بنا رکھا تھا۔ اس منصوبے کے تحت مختلف زبانوں میں کئی کتابچے چھپ چکے تھے۔ پر تاب سنگھ سے ہندی زبان میں کتابچہ لکھنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ پر تاب سنگھ ہندی زبان بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے یہ مختصر سا کتابچہ لکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

اس کا لکھا ہوا کتابچہ بہت پسند کیا گیا تھا۔ خوب صورت تصاویر نے اس میں اور بھی خوب صورتی پیدا کردی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ اپنے طور پر سنگاپور کی تاریخ مرتب کرنے میں پر تاب سنگھ نے بڑی محنت کی تھی اور اس میں کئی مہینے لگے تھے۔

۶۲۲ مربع کلو میٹر رقبے پر پھیلے ہوئے اس جزیرے کو جنوبی ایشیا کا دروازہ کہا جاسکتا ہے۔ یہاں ایشیا کی تمام تہذیبیں موجود ہیں۔ یہ چھوٹا سا خوب صورت جزیرہ ملائشیا کے قدموں میں واقع ہے اور ایک تنگ سی سمندری پٹی اسے ملائشیا کے مین لینڈ سے الگ کرتی ہے۔ مڈل ایسٹ' جنوبی ایشیا اور..... چین کے سمندری راستوں کے سنگم پر ہونے کی وجہ سے سیاحت اور تجارت کا بہت بڑا مرکز ہے۔

سنگاپور میں ہندوستانی باشندوں کی آمد ۱۸۰۰ء میں شروع ہوئی۔ ایک تجارتی معاہدے کے تحت کلکتہ میں' ایسٹ انڈیا کمپنی کے برطانوی افسروں نے سنگاپور میں کام لینے کے لیے ہندوستانی قیدیوں کو وہاں بھیجنا شروع کردیا۔ وہاں انہیں جیلوں میں رکھنے کے بجائے مکمل آزادی دے دی گئی اور وہ اپنی پسند کے کاروبار کرنے لگے۔

ہندوستانی باشندے جس علاقے میں آباد ہیں' اسے لٹل انڈیا کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ سیرنگون روڈ پر واقع ہے۔ یہاں پہنچ کر یہی محسوس ہوتا ہے جیسے بھارت کے کسی قدیم علاقے میں آگئے ہوں۔ یہاں ہر قسم کی دکانیں ہیں اور ضرورت کی ہر چیز ملتی ہے۔

پر تاب سنگھ کا مرتب کیا ہوا ہندی زبان میں چھپا ہوا یہ کتابچہ اس سپرڈ یلکس ہوٹل کی طرف سے ہندوستان میں تقسیم کیا گیا تھا اور پر تاب سنگھ کو اس کتابچے کی تیاری کے سلسلے میں ایک ہزار ڈالر ملے تھے۔ اس کام کا یہ معاوضہ اگرچہ بہت کم تھا لیکن پر تاب سنگھ نے اسے بھی غنیمت سمجھا تھا۔ اس آمدنی کے علاوہ اسے کتابچے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا تھا کہ سنگاپور کی تاریخ سے آگاہی کے علاوہ اسے اس جزیرے کے چپے چپے سے واقفیت ہوگئی تھی۔

پر تاب سنگھ کالج کے آخری سال میں تھا۔ فائنل ایگزیمز ہونے میں تقریباً دو مہینے باقی تھے۔ اس روز وہ کالج سے واپسی پر اپنے ایک دوست کے ہاں چلا گیا۔ وہاں سے واپس آیا تو شام کے چھ بج چکے تھے۔ سارا دن اس کا باپ گورکھ سنگھ ٹیکسی چلاتا تھا رات آٹھ بجے کے بعد پر تاب سنگھ ٹیکسی چلایا کرتا تھا۔ ان دنوں اس کی رہائش لٹل انڈیا میں واقع ایک تنگ سی گلی کے چھوٹے سے مکان میں تھی۔ ٹیکسی باہر مین روڈ پر کرائے کے ایک گیراج میں کھڑی کی جاتی تھی۔ اس روز گھر کی طرف جاتے ہوئے اسے گیراج کے سامنے ٹیکسی کھڑی ہوئی نظر آگئی۔ اسے اس وقت ٹیکسی دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کیونکہ عام طور پر اس کا باپ شام سات بجے واپس آیا کرتا تھا۔

"کی گل ہے باپو۔ آج تم جلدی آگئے۔" اس نے گھر میں داخل ہو کر باپ کا سامنا ہوتے ہی پوچھا۔

"آہو پتر!" گورکھ سنگھ نے جواب دیا "پاکستان سے ایک فیملی

سیرو تفریح کے لیے آئی ہے۔ انہوں نے مجھے رات بھر کے لیے بک کرلیا ہے۔ سات بجے جانا ہے۔ میں نے سوچا کہ ٹیکسی کو کچھ آرام کرادوں۔"

"مجھے جانا ہوگا؟" پر تاب سنگھ نے سوالیہ نگاہوں سے باپ کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ میں ہی جاؤں گا۔" گورکھ سنگھ نے جواب دیا "تمہاری ماں اور بہن کھارا سنگھ کے گھر جارہی ہیں۔ میں انہیں چھوڑتا ہوا چلا جاؤں گا۔ تم رات دس بجے کے قریب انہیں جا کر لے آنا۔"

"ٹھیک ہے باپو۔ اس دوران میں تھوڑا پڑھ لوں گا۔" پر تاب سنگھ نے کہا۔

پانچ دس منٹ بعد پر تاب سنگھ کے گھر والے چلے گئے اور وہ پڑھنے کے لیے بیٹھ گیا اور پھر اس کے بعد اسے اپنی بہن اور ماں باپ کو دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ نو بجے کے قریب اسے اطلاع ملی کہ اس کے گھر والوں کو حادثہ پیش آگیا ہے۔ اطلاع لانے والا بھی ایک ٹیکسی ڈرائیور ہی تھا۔ پر تاب سنگھ اس کے ساتھ ہی چل پڑا۔

برکت نام کا وہ ادھیڑ عمر ٹیکسی ڈرائیور مسلمان تھا۔ پر تاب سنگھ بھی اسے ذاتی طور پر جانتا تھا۔ برکت راستے میں اسے بتا رہا تھا کہ گورکھ سنگھ کی ٹیکسی کو حادثہ ڈرائے کاٹ ایونیو پر ٹینگلن کلب کے قریب پیش آیا تھا۔ پر تاب سنگھ کے دل میں طرح طرح کے وسوسے آرہے تھے۔ اس کے باپ کا دوست کھارا سنگھ ٹینگلن کلب میں کام کرتا تھا اور اس کی رہائش بھی کلب کے قریب ہی تھی۔ پر تاب سنگھ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ ٹیکسی کو حادثہ کلب کی طرف جاتے ہوئے پیش آیا تھا یا واپسی پر۔

"باپو ٹیکسی میں اکیلا تھا یا اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔" پر تاب سنگھ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے برکت سے پوچھا "میرا مطلب ہے میری بہن اور بے بے بھی گاڑی میں تھیں یا نہیں۔ وہ انہیں کھارا سنگھ کے گھر چھوڑنے گیا تھا۔ اس کے بعد باپو کو کہیں اور جانا تھا۔ پاکستان سے آنے والی کسی فیملی نے رات بھر کے لیے اس کی ٹیکسی بک کروائی تھی۔"

"اس کے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں اور وہ یقیناً تمہاری ماں اور بہن ہوں گی۔" برکت نے ٹیکسی کو ایک دوسری سڑک پر موڑتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ حادثہ کیسے پیش آیا۔ تم نے دیکھا ہے انہیں۔ وہ کیسے ہیں؟" پر تاب سنگھ نے پوچھا۔ اس کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ وہ بار بار خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"ڈرائے کاٹ ایونیو پر ایک موڑ کاٹتے ہوئے پیٹرول کا ایک تیز رفتار ٹینکر ٹیکسی سے ٹکرا گیا تھا۔" برکت نے جواب دیا۔ وہ پوری بات گول کرگیا تھا۔

پر تاب سنگھ کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ ٹیکسی کے پیٹرول ٹینکر سے ٹکرانے کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ وہ اپنے سوال کا جواب سننے کی اپنے اندر ہمت نہیں پا رہا تھا۔

"حوصلہ رکھ یار۔" برکت نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ایسے حادثے تو زندگی میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔ زندگی حادثوں ہی کا تو نام ہے۔"

پر تاب سنگھ خاموش بیٹھا خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا رہا۔ تقریباً چالیس منٹ بعد وہ ڈرائے کاٹ ایونیو پر پہنچ گئے۔ کچھ آگے جا کر برکت کو ٹیکسی روک لینی پڑی۔ آگے ٹریفک جام تھا اور اس سے کچھ آگے لوگوں کا ہجوم نظر آرہا تھا۔

پر تاب سنگھ ٹیکسی سے اتر کر دوڑنے لگا۔ ہجوم کے قریب پہنچ کر وہ لوگوں کو دھکیلتا ہوا آگے بڑھا لیکن آگے نکلتے ہی اسے ایک جھٹکے سے رک جانا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

بڑا ہی خوف ناک منظر تھا اس کے سامنے۔ پوری سڑک پر تیل بکھرا ہوا تھا۔ سڑک کے عین وسط میں پیٹرول کا ٹینکر الٹا پڑا تھا۔ ٹینکر جلا ہوا تھا۔ اس کی آگ غالباً کچھ دیر پہلے ہی بجھائی گئی تھی۔ کہیں کہیں سے اب بھی دھواں اٹھ رہا تھا۔ ٹینکر سے تقریباً دس گز آگے اس کے باپ کی ٹیکسی بھی الٹی پڑی تھی۔ ٹیکسی بھی جل کر کوئلا ہوچکی تھی۔ پچھلی طرف کا کچھ حصہ جلنے سے محفوظ رہ گیا تھا اور لائسنس پلیٹ کا نمبر صاف نظر آرہا تھا۔ چار پانچ پولیس والے جلی ہوئی ٹیکسی کے قریب کھڑے تھے۔

پولیس والوں نے لوگوں کو دور رکھنے کے لیے سڑک کو گھیر رکھا تھا۔ پر تاب سنگھ لوگوں کو ہٹاتا ہوا جیسے ہی آگے بڑھا' دو پولیس والوں نے اسے روک لیا۔

"اے سردار! رک جاؤ۔ تم آگے نہیں جاسکتے۔ پیچھے ہٹو۔" ایک پولیس والے نے چیخ کر کہا۔

"وہ..... وہ..... ہماری ٹیکسی ہے۔ اس میں میرا باپو اور....." پر تاب سنگھ ہکلا کر رہ گیا۔ وہ جملہ مکمل نہیں کرسکا تھا۔

پولیس والا عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے نہ صرف پر تاب سنگھ کو آگے جانے کی اجازت دے دی بلکہ خود بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔ قریب پہنچ کر اس نے ایک آفیسر کو پر تاب سنگھ کے بارے میں بتایا۔

پر تاب سنگھ ایک پولیس آفیسر کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔ ٹیکسی بری طرح کچلی ہوئی تھی۔ پیٹرول کا ٹینکر غالباً اسے دور تک گھسیٹتا ہوا لایا تھا۔ ٹیکسی کے دروازے اندر کو دھنس کر پھنس گئے تھے اور ٹیکسی میں تین لاشیں پڑی تھیں۔ جلی ہوئی لاشیں۔ اس کے باپو' ماں اور بہن کی لاشیں جل کر کوئلا ہوچکی تھیں۔

پر تاب سنگھ اس اندوہناک منظر کی تاب نہ لاسکا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ وہ اپنی جگہ کھڑے کھڑے لہرایا

اور پھر دھڑام سے نیچے گر گیا۔

پرتاب سنگھ کئی روز بعد اپنے آپ کو سنبھال سکا تھا۔ اس کی بہن اور ماں باپ ختم ہو چکے تھے۔ دنیا میں ان کا کوئی بدل نہیں تھا لیکن حکومت کی طرف سے اسے اتنا معاوضہ مل گیا کہ اسے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا سہارا مل گیا۔ اگر وہ پیٹرول ٹینکر گورنمنٹ کا نہ ہوتا تو اسے کچھ بھی نہ ملتا۔

امتحان سے فارغ ہوتے ہی اس نے کسی کام دھندے کے بارے میں سوچا۔ وہ ٹیکسی چلا سکتا تھا۔ اس کے پاس اتنی رقم تھی کہ ایک نہیں چار ٹیکسیاں خرید سکتا تھا لیکن ٹیکسی چلانے کا خیال اس نے ذہن سے نکال دیا۔ سنگاپور کی تمام مارکیٹوں میں گھومنے اور جائزہ لینے کے بعد اس نے وہ کام شروع کر دیا جس میں نقصان کا اندیشہ کم تھا۔ وہ بڑے بیوپاریوں سے مال لے کر چھوٹے دکان داروں کو سپلائی کرنے لگا۔ اس میں اگرچہ محنت زیادہ تھی لیکن چار پیسے بچ جاتے تھے۔

کئی سال تک پرتاب سنگھ یہی کام کرتا رہا پھر اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور خود امپورٹ کا کام شروع کر دیا۔ وہ ہندوستان سے مرچ مسالے منگوا کر سنگاپور میں سپلائی کرنے لگا۔ یہاں مسالا جات کے تین امپورٹر اور بھی تھے مگر پرتاب سنگھ کو اس فیلڈ میں قدم جمانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

لٹل انڈیا والا مکان چھوڑ کر وہ فورٹ کیننگ روڈ والے مکان میں منتقل ہو گیا۔ لٹل انڈیا والا مکان اس کے باپ نے کرائے پر لیا تھا۔ ماں باپ کے.... انتقال کے بعد جب اس کے پاس پیسے آئے تو اس نے وہ مکان خرید لیا اور اب جبکہ وہ فورٹ کیننگ روڈ والے مکان میں منتقل ہو چکا تھا تو اس نے وہ مکان بھی نہیں چھوڑا تھا۔

آج سے بارہ سال پہلے اس کی ملاقات عابد علی سے ہوئی تھی۔ عابد علی اور اس کی بیوی شگفتہ چند روز پہلے ہی پاکستان سے آئے تھے اور لٹل انڈیا میں واقع ایک گھٹیا سے رسٹ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ دوسرے ہی روز ان کا سامان چوری ہو گیا تھا۔ شگفتہ کی گود میں دو ماہ کا بچہ تھا اور وہ دونوں میاں بیوی کام کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھا رہے تھے۔

پرتاب سنگھ کے پاس بھی عابد علی کام کی تلاش ہی میں آیا تھا۔ اس وقت شگفتہ بھی اس کے ساتھ تھی جس نے دو ماہ کے بچے کو اپنے سینے سے لپٹا رکھا تھا۔ پرتاب سنگھ کو نجانے عابد علی میں ایسی کیا بات نظر آئی کہ اس نے عابد علی کو نہ صرف اپنے پاس ملازم رکھ لیا بلکہ رہائش کے لیے اپنا لٹل انڈیا والا مکان بھی دے دیا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک مہینے کا راشن بھی ڈلوا دیا اور دو مہینے کی تنخواہ بھی ایڈوانس دے دی۔

چھ مہینے بعد پرتاب سنگھ نے عابد علی کو سنٹر پوائنٹ میں ملازمت دلوا دی۔ سنٹر پوائنٹ سنگاپور کا سب سے بڑا شاپنگ آرکیڈ تھا۔ یہاں تنخواہ بھی زیادہ تھی اور کمیشن بھی اچھا خاصا مل جاتا تھا۔

پرتاب سنگھ اور عابد علی دوستی کے گہرے رشتے میں منسلک ہو چکے تھے۔ وہ شگفتہ کو پابھو کہتا۔ شگفتہ بھی اس کا بہت خیال رکھتی تھی۔ لگتا تھا جیسے پرتاب سنگھ بھی اسی مختصر سے کنبے کا ایک رکن ہو۔

وجدان، پرتاب سنگھ کی گود میں پلا بڑھا تھا۔ وہ اسے چاچا کہتا تو پرتاب سنگھ جھوم اٹھتا۔ عابد علی نے چند سال نوکری کی۔ اس کے پاس اتنے پیسے جمع ہو گئے کہ اس نے نوکری چھوڑ کر چائنا ٹاؤن میں جنرل اسٹور کھول لیا۔ اس سے پہلے اس نے پرتاب سنگھ کے پڑوس میں وہ مکان خرید لیا تھا۔ مکان کی خرید اور اسٹور کھولنے کے سلسلے میں پرتاب سنگھ نے عابد علی کی مالی مدد بھی کی تھی۔

پرتاب سنگھ کی شادی چھ سال پہلے ہوئی تھی لیکن شادی کے ایک سال بعد زچگی کے دوران میں اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ اس نے جس بچی کو جنم دیا تھا، وہ بھی زندہ نہیں بچ سکی تھی۔ اس کے بعد پرتاب سنگھ کے کئی دوستوں نے اسے دوسری شادی کا مشورہ دیا تھا لیکن پرتاب سنگھ نے اب شادی کا خیال ذہن سے نکال دیا تھا۔ اس موضوع پر ایک روز عابد علی سے بھی بڑی گرما گرم بحث ہوئی تھی لیکن پرتاب سنگھ نے دوسری شادی سے صاف انکار کر دیا تھا۔

ان سب کی زندگی بڑے سکون سے گزر رہی تھی اور پھر اچانک ہی عابد علی کی زندگی میں بھونچال آ گیا۔ دارا کو دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔ پرتاب سنگھ نے اگرچہ اسے تسلی دی تھی کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی حفاظت کا بھی معقول انتظام کر دیا گیا تھا لیکن انہیں کیا معلوم کہ موت گھات لگائے بیٹھی ہے اور پھر موقع پاتے ہی موت ان پر جھپٹ پڑی تھی۔

وجدان کے ساتھ جو کچھ بیت رہی تھی، پرتاب سنگھ کو اس کا احساس تھا۔ وہ بھی اس کرب سے گزر چکا تھا۔ وہ بھی چشم زدن میں اپنے ماں باپ سے محروم ہو گیا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے یہ صدمہ برداشت کیا تھا۔ اس نے اپنی بہن اور ماں باپ کی جلی ہوئی لاشیں دیکھی تھیں۔ انہیں چیختے اور تڑپتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ جبکہ وجدان نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ماں باپ کو چیختے، تڑپتے اور مرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بڑا باہمت لڑکا تھا جو یہ سب کچھ سہہ گیا تھا۔ ماں باپ کے معاملے میں دونوں بدقسمت ثابت ہوئے تھے۔

پرتاب سنگھ اور وجدان میں یہ فرق تھا کہ پرتاب سنگھ کے ماں باپ ایک حادثے کا شکار ہوئے تھے اور حکومت نے اسے معاوضہ بھی دے دیا تھا جس سے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ جبکہ وجدان ایک مختلف صورت حال کا شکار تھا۔ اس کے ماں باپ قتل ہوئے تھے اور وہ اس دُہرے قتل کا چشم دید گواہ تھا۔ اس نے قاتلوں کو دیکھا تھا۔ انہیں پہچان سکتا تھا۔ قاتلوں کو بھی احساس تھا کہ وجدان انہیں پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتا ہے۔ وہ یقیناً اس کی تاک میں ہوں گے۔ اس طرح وجدان کی زندگی کو بھی خطرہ تھا۔ اگرچہ اس کی حفاظت کا انتظام کر دیا گیا تھا لیکن پرتاب سنگھ جانتا تھا کہ اس کے دشمن موقع ملتے ہی اس پر وار کریں گے۔

پرتاب سنگھ گھر میں بھی سائے کی طرح وجدان کے ساتھ لگا رہتا۔ ایک لمحے کو بھی اسے اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیتا۔ وہ اگر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتا تھا تو بھی پرتاب سنگھ اس کے پیچھے پہنچ جاتا۔ باہر دو مسلح پولیس والے چوبیس گھنٹے موجود رہتے تھے۔ پرتاب کے اپنے نو گن مین تھے جو ہر وقت مکان کے آس پاس ٹہلتے رہتے تھے اور گلی سے گزرنے والے ہر شخص پر نگاہ رکھتے تھے۔

پرتاب سنگھ کو اپنے کاروبار کی فکر نہیں تھی۔ کاروبار کی دیکھ بھال کے لیے اس کے قابل اعتماد ملازمین موجود تھے۔ وہ خود بھی ٹیلی فون پر اپنی پارٹیوں سے بات کرتا رہتا تھا۔ اسے صرف وجدان کی فکر تھی۔ وہ اسے نہ صرف دشمنوں سے بچانا چاہتا تھا بلکہ اس کی پرورش اس انداز سے کرنا چاہتا تھا کہ وہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کے قتل کا انتقام لے سکے اور اپنے دشمنوں کو خاک و خون میں لوٹا سکے۔

پرتاب سنگھ نے کالج کی تعلیم کے دوران میں مارشل آرٹ سیکھا تھا۔ وہ بلیک بیلٹ تھا اور مزید آگے جانا چاہتا تھا لیکن اس دوران میں اس کے ماں باپ کو وہ حادثہ پیش آ گیا۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے جتن کرنے لگا۔ مارشل آرٹ سے اس کی دلچسپی ختم نہیں ہوئی تھی لیکن اب اس کے پاس وقت نہیں تھا اور اب اس صورت حال میں ایک بار پھر اس نے دل میں مارشل آرٹ کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ وہ وجدان کو بھی مارشل آرٹ کا ماہر بنانا چاہتا تھا تاکہ آئندہ زندگی میں اپنا دفاع کر سکے۔

اس شام وہ کئی روز بعد وجدان کو ساتھ لے کر گھر سے باہر نکلا۔ دونوں پولیس کانسٹیبل بھی ان کے ساتھ تھے اور پرتاب سنگھ کے اپنے باڈی گارڈ بھی۔ اس رات پرتاب سنگھ نے نچلی پارک شیرٹن ہوٹل میں ڈنر کا پروگرام بنایا تھا۔ یہ ہوٹل اس کے مکان سے خاصا دور تھا اور پرتاب سنگھ نے اس کا انتخاب بھی اسی لیے کیا تھا۔ وہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ کسی کی نظروں میں آتے ہیں یا نہیں۔

ایک کار میں پرتاب سنگھ اور وجدان سوار تھے۔ پچھلی سیٹ پر دونوں کانسٹیبل بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسری گاڑی پرتاب سنگھ کے دونوں باڈی گارڈ تھے۔ دونوں گاڑیاں فورٹ کیننگ روڈ سے نکل کر کلی مینسی ایونیو پر آ گئیں اور تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد پینانگ روڈ پر مڑ گئیں۔ دونوں گاڑیوں کے درمیان تقریباً تین گز کا فاصلہ تھا۔

اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھے ہوئے پرتاب سنگھ کی نظریں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ وہ سامنے لگے ہوئے آئینے میں پیچھے آنے والی باڈی گارڈز کی گاڑی پر بھی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔

کار سمرسٹ روڈ پر امریکن ایکسپریس سنٹر کے سامنے سے گزرتی ہوئی آرچرڈ بلیوارڈ کی طرف مڑ گئی۔ اس وقت رات کے ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ اس کشادہ سڑک پر ٹریفک کا ہجوم تھا۔ پرتاب سنگھ بڑے محتاط انداز میں گاڑی چلا رہا تھا۔

ایک طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد کار نالمن سن روڈ پر مڑ گئی اور کچھ آگے جا کر ایک اور موڑ کاٹتے ہوئے سینٹ مارٹن ڈرائیو کی طرف گھوم گئی۔ نچلی پارک شیرٹن ہوٹل اس سڑک کے اختتام پر تھا۔

وسیع و عریض پارکنگ لاٹ پر گاڑی روکنے کے بعد وہ نیچے اتر آئے۔ دوسری گاڑی بھی ان سے کچھ فاصلے پر رک گئی تھی۔ دونوں پولیس والے باہر ہی رک گئے لیکن پرتاب کے باڈی گارڈز جو سادہ لباس میں تھے، ان کے ساتھ اندر آ گئے۔ پرتاب نے پہلے ہی میز بک کروا رکھی تھی۔ وہ جیسے ہی ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے ہیڈ ویٹر نے انہیں ان کی میز پر پہنچا دیا۔

وجدان اپنے ماں باپ کے ساتھ اکثر ہوٹلوں میں جاتا رہا تھا لیکن یہاں وہ پہلی بار آیا تھا۔ اس کے لیے ہر چیز نئی تھی۔ وہ بڑی دلچسپی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ان کی میز پر کھانا سرو کر دیا گیا۔ کھانا سرو کرنے والی حسین ویٹریس نے بڑے دلکش انداز میں مسکراتے ہوئے وجدان کی طرف دیکھا اور اس کے گال پر ہلکی سی چٹکی کاٹ لی۔

کھانے کے بعد وہ تقریباً آدھا گھنٹا وہاں بیٹھے رہے اور پھر اٹھ کر ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ میں گھومنے لگے۔ ایک گفٹ شاپ سے پرتاب سنگھ نے وجدان کو دو تین چیزیں خرید کر دیں اور پھر ہوٹل سے باہر آ گئے۔

دونوں کاریں ہوٹل کی حدود سے نکل کر سڑک پر آ گئیں۔ سینٹ مارٹن ڈرائیو کے اختتام پر پرتاب سنگھ نے کار آرچرڈ بلیوارڈ کے بجائے کیننگ روڈ پر موڑ لی اور کچھ ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ آرچرڈ روڈ پر آ گئے۔

یہ شہر کی سب سے بڑی اور بارونق سڑک تھی۔ تمام بڑے بڑے ہوٹل، شاپنگ سینٹرز، بڑی بڑی عمارتیں، نائٹ کلب اور کاروباری دفاتر اس سڑک پر اور اس کے آس پاس واقع تھے۔ یہ علاقہ شہر کا دل کہلاتا تھا۔ آٹھ بجے تک بڑے بڑے شاپنگ سینٹرز کھلے رہتے تھے۔ دوسری دکانیں اور ہوٹل وغیرہ دیر تک کھلے رہتے تھے اور اسی طرح تقریباً آدھی رات تک یہاں رونق رہتی تھی۔

لیڈو تھیٹر سے ذرا پہلے ایک ٹریفک سگنل پر پرتاب سنگھ کو گاڑی روک لینی پڑی۔ اس سے آگے دو گاڑیاں اور تھیں۔ پہلے ہی گاڑیوں کی قطار لگ گئی تھی۔ وجدان اپنی سیٹ پر بیٹھا اِدھر اُدھر

دیکھ رہا تھا۔ ایک موٹر سائیکل کار کے قریب ہی آکر رکی۔ موٹر سائیکل پر دو آدمی سوار تھے۔ وجدان ان کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ دونوں چینی تھے۔ آگے والے آدمی کے ہاتھ موٹر سائیکل کے ہینڈل پر جمے ہوئے تھے اور وہ ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ جیسے ہی وجدان کی نظروں میں آیا وہ چیخ اٹھا۔

"چاچا.... یہ ہے وہ غنڈا۔ اس نے مارا تھا میری ممی کو۔"

پرتاب سنگھ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ موٹر سائیکل سوار چینی نے بھی وجدان کی چیخ کی آواز سن لی تھی۔ اس نے وجدان کی طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ سیدھا ہوگیا۔ موٹر سائیکل اچھل کر آگے بڑھ گئی۔

پرتاب سنگھ اور پولیس والے بڑی پھرتی سے کار سے اتر آئے لیکن موٹر سائیکل چوراہے پر پہنچ کر بڑی تیزی سے سگنل توڑتی ہوئی سامنے والے ٹریفک کے ہجوم میں غائب ہوچکی تھی۔

پرتاب سنگھ اور دونوں کانسٹیبل دوڑ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ انجن اسٹارٹ ہی تھا۔ پرتاب نے گاڑی کو گیئر میں ڈال کر کلچ پر پیر رکھ دیا۔ سگنل ایک منٹ بعد کھلا تھا۔ آگے والی دونوں گاڑیاں جیسے ہی حرکت میں آئیں' پرتاب سنگھ نے اسٹیئرنگ موڑتے ہوئے کلچ چھوڑ دیا۔ گاڑی ایک زوردار جھٹکے سے اچھل کر آگے بڑھی۔ پرتاب سنگھ نے ایکسیلریٹر پر پیر کا دباؤ ڈال دیا۔ گاڑی طوفانی رفتار سے دوڑنے لگی۔

اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا پرتاب سنگھ اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اسے اس موٹر سائیکل کی تلاش تھی۔ کراؤن پرنس ہوٹل کے موڑ پر پہنچ کر اس نے گاڑی روک لی اور گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ لیڈو تھیٹر سے کراؤن پرنس ہوٹل تک راستے میں دائیں بائیں کئی چھوٹی بڑی سڑکیں پھوٹتی تھیں۔ وہ موٹر سائیکل نجانے کس طرف نکل گئی ہوگی۔

"نکل گئے۔" پرتاب سنگھ دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا "تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے حملہ کیا تھا؟"

"ہاں چاچا۔" وجدان بولا "موٹر سائیکل پر جو شخص آگے بیٹھا ہوا تھا' اس نے ممی کو قتل کیا تھا۔ دوسرے کو میں نہیں جانتا لیکن ان چوروں کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا جنہوں نے میرے ماں باپ کو مارا ہے۔"

"فکر نہ کر پتر۔" پرتاب سنگھ نے کہا "یہ لوگ بچ کر نہیں جائیں گے۔ سوں رب دی میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "میرا خیال ہے کہ وہ ہمارا پیچھا نہیں کررہے تھے محض اتفاق سے سامنے آگئے تھے۔ تم انہیں پہچان کر چیخے تو وہ بدحواس ہوکر بھاگ گئے۔"

اسی دوران میں دوسری گاڑی بھی ان کے پیچھے آکر رک گئی۔ سوتر سنگھ نامی گارڈ اپنی گاڑی سے اتر کر ان کے قریب آگیا اور پرتاب سنگھ کی طرف کھڑکی پر جھکتے ہوئے بولا۔

"کیا گل ہے جی۔ آپ اتنی تیزی سے وہاں سے کیوں نکلے تھے۔ ہم تو پریشان ہوگئے تھے۔"

"ایک بندہ نظر آگیا تھا۔" پرتاب سنگھ نے کہا "وجدان نے اسے پہچان لیا تھا۔ اس نے چیخ کر مجھے اس کے بارے میں بتایا تو وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ وہ تو اپنی پھٹ پھٹی نکال لے گیا لیکن میرے آگے دو گاڑیاں تھیں۔ مجھے سگنل کھلنے کا انتظار کرنا پڑا۔ سگنل کھلتے ہی میں نے گاڑی دوڑا دی لیکن وہ پتا نہیں کہاں غائب ہوگئے۔"

سوتر سنگھ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک موٹر سائیکل وہاں آکر رکی۔ وہ پولیس کا سارجنٹ تھا۔ اسے دیکھ کر پرتاب سنگھ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اسے یاد آگیا کہ سڑک پر اس طرح گاڑی کھڑی کرنا خلافِ قانون ہے۔ اس نے جلدی سے انجن اسٹارٹ کردیا لیکن اس دوران میں سارجنٹ موٹر سائیکل سے اتر کر اس کے قریب آچکا تھا۔ وہ چینی تھا۔

"تم کو معلوم اس طرح گاڑی کھڑی کرنا جرم ہے!"

"معلوم جی معلوم۔" پرتاب سنگھ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا "غلطی ہوگئی سرکار۔ اس مرتبہ معاف کردو۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔"

"معاف کردیا۔" چینی سارجنٹ بولا "ہم تم کو وارننگ دیتا۔ آئندہ ایسا غلطی مت کرنا مانگتا۔"

"نہیں مانگتا سرکار۔" پرتاب سنگھ نے کہتے ہوئے گاڑی کو گیئر میں ڈال دیا اور اسے ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔ اس دوران میں سوتر سنگھ بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کی گاڑی بھی حرکت میں آچکی تھی۔

پرتاب سنگھ کی کار کی رفتار ہلکی تھی۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ شاید وہ موٹر سائیکل سوار کہیں نظر آجائیں مگر وہ بھی اتنے بے وقوف نہیں تھے کہ پہچان لیے جانے کے بعد بھی اسی علاقے میں گھومتے رہتے۔

گھر پہنچنے کے بعد پرتاب سنگھ دیر تک سوچتا رہا کہ عابد علی اور شگفتہ کے قاتلوں نے ابھی تک غالباً یہ بات نہیں سوچی تھی کہ اس واردات میں زندہ بچ جانے والا بچہ ان کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے لیکن اب جبکہ وجدان نے ان میں سے ایک کو پہچان لیا تھا' انہیں خطرے کا احساس ہوجائے گا اور وہ خاموش نہیں بیٹھیں گے۔

وجدان کے لیے اب خطرہ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

ماں باپ کے قتل کے بعد سے وجدان اپنے گھر نہیں گیا تھا۔ وہ پرتاب سنگھ کے گھر پر ہی رہ رہا تھا لیکن آج اچانک ہی اسے گھر کی یاد ستائی۔

"چاچا۔" وہ پرتاب سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "مجھے اپنا گھر یاد آرہا ہے۔ لے چلو نا مجھے۔"

"میں نے تمہارے مکان کی چابیاں پتا نہیں کہاں رکھ دی ہیں پتر۔" پرتاب سنگھ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا "میں صبح تمہیں لے چلوں گا۔"

چابیاں پرتاب سنگھ کے تکیے کے نیچے رکھی ہوئی تھیں۔ گھر بھی زیادہ دور نہیں تھا۔ ساتھ والا دروازہ تو تھا لیکن اس نے جان بوجھ کر ٹال دیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اپنے گھر میں داخل ہوتے ہی ایک ایک چیز کو دیکھ کر وجدان کو اپنے ماں باپ کی یاد آجائے گی تو وہ رونا شروع کردے گا۔ اس کی طبیعت خراب ہوجائے گی اور اس کی رات بے چینی میں گزرے گی۔

وہ وجدان کو بہلانے کے لیے دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا۔ اس چینی کے بارے میں بھی اس نے کئی سوال کیے تھے۔

"اس کی شکل میں کبھی نہیں بھول سکتا چاچا۔" وجدان نے اس کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا "اسے تو میں جہاں بھی دیکھ لوں گا پہچان لوں گا اور ہاں.... مجھے یاد آرہا ہے کہ دارا نے اسے نام سے بھی مخاطب کیا تھا.... وہ نام کیا تھا...." وہ خاموش ہوکر سوچنے لگا لیکن نام اسے یاد نہیں آیا "ابھی یاد نہیں آرہا۔" اس کے لہجے میں بے بسی تھی "لیکن یاد آجائے گا۔ میں رات بھر سوچوں گا۔"

"مجھے یقین ہے کہ دارا نے تمہارے ماں باپ پر حملہ کرانے کے لیے کرائے کے قاتلوں کی خدمات حاصل کی ہوں گی اور وہ بھی ان میں سے ایک ہوگا۔ اگر اس کا نام معلوم ہوجائے تو اسے آسانی سے تلاش کیا جاسکتا ہے۔ زیرِ زمین دنیا میں میرے بھی کچھ جاننے والے ہیں۔ کسی نہ کسی سے اس کا پتا چل جائے گا۔"

"فکر مت کرو چاچا۔" وجدان نے پُراعتماد لہجے میں کہا "میں نے اسے صورت سے پہچان لیا ہے تو اس کا نام بھی مجھے یاد آجائے گا۔"

"اچھا پتر۔" پرتاب سنگھ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "اب تم سوجاؤ۔ صبح بات کریں گے۔"

"میں کب تک گھر میں بند رہوں گا چاچا۔" وجدان اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میرے اسکول کا کیا ہوگا۔ میری پڑھائی کا حرج ہورہا ہے۔"

"ابھی چند روز تک تو تمہیں اسکول سے چھٹی کرنی پڑے گی۔ جب تک یہ لوگ پکڑے نہیں جاتے' آزادی سے گھومنا پھرنا تمہارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ جہاں تک تمہاری پڑھائی کا تعلق ہے تو ایسا کرو۔ کل سے میں تمہیں پڑھا دیا کروں گا۔"

"ٹھیک ہے چاچا لیکن اگر وہ لوگ نہ پکڑے گئے تو کیا میں کبھی گھر سے نہیں نکل سکوں گا؟" وجدان نے کہا۔

"وہ لوگ پکڑے جائیں گے۔ ضرور پکڑے جائیں گے۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "اگر قانون ان کا سراغ نہ لگا سکا تو میں انہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ تمہارے ماں باپ کے قاتلوں کی تلاش کو میں نے اپنا مشن بنالیا ہے۔ جب تک ان سے انتقام نہیں لے لوں گا' مجھے بھی چین نہیں آئے گا۔ تم فکر نہ کر۔ میں زندہ ہوں۔ نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچنے دوں گا اور نہ ہی عابد علی اور پابھو شگفتہ کے قاتلوں کو معاف کروں گا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گا چاچا۔" وجدان نے پُرعزم اعتماد لہجے میں کہا۔

"ہاں پتر۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "انتقام ہم دونوں کا مشن ہے اور ہم اسے پایۂ تکمیل تک ضرور پہنچائیں گے۔"

وجدان جواب میں کچھ کہنے کے بجائے خاموشی سے چھت کو گھورتا رہا۔ پرتاب سنگھ بھی خاموش رہا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وجدان تو سوگیا مگر پرتاب سنگھ جاگتا رہا اور سوچتا رہا۔

صبح جب وہ بیدار ہوا تو وجدان پہلے ہی جاگ چکا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ناشتے سے نمٹ کر پرتاب سنگھ نے چابیاں اٹھائیں اور وجدان کو لے کر مکان سے باہر آگیا۔ کچھ دیر تک وہ گلی میں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اسی دوران میں گلی میں رہنے والا کیقباد نامی ایک پارسی اپنے گھر سے نکل کر وہاں آگیا۔ وہ لوگ کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر کیقباد کے جانے کے بعد پرتاب سنگھ نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور عابد علی کے مکان کے گیٹ کا تالا کھولنے لگا۔

دو تین منٹ بعد وہ مکان کے اندر موجود تھے۔ مکان کا دروازہ کئی روز بعد کھلا تھا۔ ہر چیز گرد آلود تھی۔ اسے یاد تھا شگفتہ صفائی کا بڑا خیال رکھتی تھی۔ گھر کی ہر چیز سلیقے سے اپنی جگہ رکھی ہوئی اور صاف ستھری نظر آتی مگر اب ہر چیز پر گرد جمی ہوئی تھی۔ پرتاب سنگھ اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ سسکیوں کی آواز سن کر چونک گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وجدان لاؤنج میں نظر نہیں آرہا تھا۔ سسکیوں کی آواز بیڈ روم سے آرہی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا' بیڈ روم میں داخل ہوگیا۔

وجدان آتش دان کے سامنے کھڑا تھا۔ کارنس پر اسٹین لیس اسٹیل کے خوب صورت فریم میں عابد علی اور شگفتہ کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ شگفتہ کی گود میں وجدان تھا۔ جس وقت یہ تصویر کھینچی گئی تھی اس وقت وجدان کی عمر ایک سال یا اس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔

وجدان نے دونوں ہاتھوں سے فریم کو تھام رکھا تھا اور تصویر کو دیکھ کر سسکیاں بھر رہا تھا۔ پرتاب سنگھ نے اس کے قریب پہنچ کر دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیے۔

"وجدان پتر!" وہ نرم لہجے میں بولا "مجھے معلوم ہے تمہارے دل پر گہرے زخم لگے ہیں۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔

میں نے بھی اپنے ماں باپ کی جلی ہوئی لاشیں دیکھی تھیں تو اپنے حواس کھو بیٹھا تھا لیکن تم نے جس حوصلے سے یہ صدمہ جھیلا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ اب صبر کرو پترا! جانے والے واپس نہیں آتے مگر اپنی یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ تم جس اذیت اور کرب سے گزر رہے ہو' اس کا مجھے اندازہ ہے مگر اب صبر کرو۔ حوصلہ اور صبر ہی اس دکھ کا علاج ہے۔ حوصلے سے کام لو پترا!"

"اتنا حوصلہ کہاں سے لاؤں چاچا۔" وجدان کہتے ہوئے اس سے لپٹ گیا اور بلک بلک کر رونے لگا۔

پرتاب سنگھ اس کا کندھا تھپتھپاتا رہا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ اس کی اپنی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔ کتنی دیر بعد وجدان اپنی کیفیت پر قابو پا سکا تھا۔ وجدان پورے گھر میں گھوم رہا تھا اور ایک ایک چیز کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پرتاب سنگھ اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ وہ دونوں ایک بار پھر بیڈ روم میں آگئے۔

بیڈ روم میں ایک دیوار کے ساتھ تقریباً چھ فٹ چوڑی اور آٹھ فٹ اونچی لکڑی کی الماری بنی ہوئی تھی۔ جس کے تین دروازے تھے۔ ایک دروازے میں چابیوں کا گچھا بھی لٹکا ہوا تھا۔ وجدان نے چابی گھما کر وہ دروازہ کھول دیا۔ الماری کے اس حصے میں شگفتہ کے کپڑے ہینگروں پر ٹنگے ہوئے تھے۔ زیادہ تر ساریاں تھیں۔ نچلے حصے میں شیلفوں پر تہ شدہ کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے دروازہ بند کر کے الماری کا دوسرا حصہ کھول لیا۔ اس الماری میں عابد علی کے کپڑے تھے۔ وجدان کچھ ویران کپڑوں کو دیکھتا رہا پھر اس نے الماری کا تیسرا دروازہ کھول لیا۔

الماری کے اس حصے میں اوپر نیچے کئی شیلف بنے ہوئے تھے۔ جس میں فائلیں اور رجسٹر وغیرہ سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ سب سے نیچے ایک دراز تھی۔ وجدان نے جھک کر وہ دراز کھول لی۔ پرتاب سنگھ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ وجدان جب سیدھا ہوا تو اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر پرتاب سنگھ چونک گیا۔

"ارے بیٹا! یہ کیا۔ لاؤ یہ پستول مجھے دے دو۔" پرتاب سنگھ بولا۔

"نہیں چاچا۔" وجدان نے پستول پر مضبوطی سے گرفت جماتے ہوئے کہا "یہ پستول میرے پاس ہی رہے گا۔ میں اس پستول کی گولیوں سے ان لوگوں کے سینے چھلنی کروں گا جنہوں نے میرے ماں باپ کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔"

پرتاب سنگھ کو یوں لگا جیسے وجدان ایک دم جوان ہو گیا ہو۔

"نہیں پترا!" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "ابھی یہ پستول تمہارے پاس رہنا مناسب نہیں ہے۔ جب وقت آئے گا تو میں خود پستول تمہارے ہاتھ میں دوں گا۔ لاؤ۔ اس وقت یہ مجھے دے دو۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"وعدہ چاچا؟" وجدان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ وعدہ۔" پرتاب سنگھ مسکرایا۔

وجدان نے پستول اس کے ہاتھ میں دے دیا اور مڑ کر دراز میں رکھی ہوئی چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ پرتاب سنگھ قریب ہی کھڑا تھا۔ اس دراز میں اور بہت سی دوسری چیزوں کے علاوہ نیچے ایک پرانی سی ڈائری بھی رکھی ہوئی تھی۔ وجدان نے وہ ڈائری نکال لی اور وہ اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ پرتاب سنگھ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ڈائری لے لی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

ڈائری بہت پرانی تھی۔ اس کے کاغذ پیلے پڑ چکے تھے۔ پہلے صفحے پر عابد علی کا نام اور اس کے ساتھ لکھی ہوئی تاریخ دیکھ کر پرتاب سنگھ چونک گیا۔ بارہ سال پہلے کی تاریخ تھی۔ پرتاب سنگھ کا خیال تھا کہ عابد علی چونکہ کاروباری آدمی تھا اس لیے اس ڈائری میں بھی حساب کتاب ہی ہوگا لیکن جب اس نے اوراق پلٹے تو اسے ایک بار پھر چونک جانا پڑا۔ اس ڈائری میں حساب کتاب نہیں تھا بلکہ مختلف تاریخوں میں یادداشتیں لکھی ہوئی تھیں۔

"اس ڈائری میں تمہارے ڈیڈی کی یادداشتیں ہیں۔" پرتاب سنگھ بولا "اگر تم اجازت دو تو میں اسے اپنے پاس رکھ لوں۔ پڑھنے کے بعد تمہیں لوٹا دوں گا۔"

"مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے چاچا۔" وجدان نے کہا۔

پرتاب سنگھ نے ڈائری بند کر کے بغل میں دبالی اور وجدان کے ساتھ ساتھ ایک بار پھر مکان میں گھومنے لگا۔ وہ تین چار گھنٹوں تک اس مکان میں رہے اور جب باہر نکلنے لگے تو وجدان نے اپنا بستہ بھی اٹھالیا تھا۔

اپنے گھر میں آکر پرتاب سنگھ نے ڈائری میز کی دراز میں رکھ دی اور سوتر سنگھ کو بلا کر دوپہر کے کھانے کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔ گھر میں صرف صبح کا ناشتا تیار ہوتا تھا یا چائے بنتی تھی۔ کھانا ہوٹل ہی سے آتا تھا۔

ڈیڑھ بجے کے لگ بھگ انہوں نے کھانا کھالیا۔ کھانے کے بعد وجدان قالین پر اپنی کتابیں پھیلا کر بیٹھ گیا اور پرتاب سنگھ ٹیلی فون پر کسی سے بات کرنے لگا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد جب پرتاب سنگھ' وجدان والے کمرے میں آیا تو وہ قالین پر سو رہا تھا۔ اور اس کے چاروں طرف کتابیں اور کاپیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

پرتاب سنگھ کو ایک ضروری کام سے باہر جانا تھا۔ اس نے سوتر سنگھ کو بلا کر گھر میں بٹھا دیا۔ کچھ ہدایات دیں اور باہر چلا گیا۔ اس کا اپنا دفتر مال انڈیا میں سیران گون روڈ کی بغل میں واقع ایک تنگ سی گلی میں تھا۔ اس علاقے میں آکر یہی لگتا تھا جیسے کوئی ہندوستان کے قدیم علاقے میں آگیا ہو۔ تنگ اور پرہجوم گلیاں' سامان سے بھری ہوئی دکانیں۔ پرتاب سنگھ کا دفتر جس گلی میں تھا' وہ بھی خاصی تنگ تھی۔ اس طرف زیادہ تر مرچ مسالوں اور

کریانے کی دکانیں تھیں۔ ایک خستہ سے دو منزلہ مکان کے گراؤنڈ فلور پر دکانیں تھیں۔ پہلی منزل پر پرتاب سنگھ کا دفتر تھا اور اس سے اوپر والی منزل پر ایک ہندو فیملی رہائش پذیر تھی۔

پرتاب سنگھ کئی روز بعد اپنے دفتر آیا تھا۔ وہ کام میں اس قدر مصروف ہوا کہ اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا۔ جب سر اٹھا کر سامنے دیکھا تو دیوار گیر گھڑی آٹھ بجا رہی تھی۔ وہ کھاتے بند کرتا ہوا ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اچھا بھئی او تار سنگھ۔" وہ اپنے منشی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "صبح سب سے پہلے تم کل آنے والا کنسائنمنٹ کلیئر کروالینا۔ میں دوپہر کے بعد چکر لگاؤں گا۔"

وہ دفتر سے نکل کر تنگ سی گلیوں میں چلتا ہوا سیران گون روڈ پر اس پارکنگ لاٹ پر آگیا جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس نے جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ پیچھے سے ایک آواز سن کر اچھل پڑا۔

"یہاں سے تم سیدھا چائنا ٹاؤن چلو گے۔ نہیں.... اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی ضرورت نہیں۔ سیدھے بیٹھے رہو اور گاڑی آگے بڑھاؤ۔"

پرتاب سنگھ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"کون ہو بھئی تم؟ تم میری گاڑی میں...."

"بولو مت۔ گاڑی چلاؤ۔" غراتی ہوئی آواز میں کہا گیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' بات اگرچہ اردو میں کر رہا تھا لیکن لہجہ چینی تھا۔

پرتاب سنگھ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ پارکنگ لاٹ سے نکل کر سڑک پر آتے ہوئے اس نے سامنے لگے ہوئے آئینے کا زاویہ درست کرنے کی کوشش کی مگر پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے پستول کی نال اس کے ہاتھ پر ماری۔ پرتاب سنگھ کے منہ سے اوہ کی آواز نکلی اور وہ زور زور سے ہاتھ جھٹکنے لگا۔

"آرام سے بیٹھا رہ جانور دیا پترا۔" وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر بولا۔

"گاڑی چلاتے رہو۔ خاموشی سے۔" وہ شخص غرایا اور اس کے ساتھ ہی پستول کی نال پرتاب سنگھ کی گردن سے لگ گئی۔

پرتاب سنگھ ایک بار پھر گہرا سانس لے کر رہ گیا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ سڑکوں پر ٹریفک تھا۔ پرتاب سنگھ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ وہ کوئی ایسا موقع تلاش کر رہا تھا کہ اس شخص کے خلاف کوئی جوابی کارروائی کر سکے لیکن کوئی ایسا موقع نہیں مل سکا۔

چائنا ٹاؤن کی طرف آنے کے لیے اسے ایک طویل چکر کاٹنا پڑا تھا۔ کار اس وقت کیرن ہل روڈ پر تھی۔ یہ زیادہ تر رہائشی علاقہ تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ پرتاب سنگھ نے کار کی رفتار بڑھا دی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا وہ شخص آگے کو جھکا ہوا تھا اور پستول کی نال اس نے پرتاب سنگھ کی گردن سے لگا رکھی تھی۔

"اے۔ کیا کرتا ہے۔ گاڑی آہستہ چلاؤ۔" وہ شخص غرایا۔

رفتار بتانے والی سوئی اس وقت پچپن اور ساٹھ کے درمیان تھرک رہی تھی۔ پرتاب سنگھ نے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اسٹیئرنگ پر جمادیے اور پوری قوت سے بریک لگا دیا۔

بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز فضا میں گونجی۔ کار سڑک پر لٹو کی طرح گھوم گئی۔ زوردار جھٹکا لگنے سے پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا وہ شخص اچھل کر اگلی سیٹ کی پشت سے ٹکرایا۔

پرتاب سنگھ بڑی پھرتی سے اپنی سیٹ پر گھوم گیا۔ اس نے گھومتے ہی اس شخص کی گردن پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ اس شخص کا ہاتھ دروازے پر لگا۔ اتفاق سے اس کا ہاتھ ہینڈل پر پڑا تھا۔ اس نے دو انگلیاں اندر ڈال کر ہینڈل اٹھا دیا۔ ایک جھٹکے سے دروازہ کھل گیا۔ وہ شخص مچھلی کی طرح پرتاب سنگھ کے ہاتھوں سے پھسل کر دروازے سے باہر گرا۔ پرتاب سنگھ تیزی سے پلٹا۔ اس نے بھی دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی۔

زمین پر گرا ہوا وہ شخص سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے پرتاب سنگھ کو کار سے اترتے ہوئے دیکھا تو فائر کر دیا۔ گولی پرتاب سنگھ کی پگڑی کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔ پرتاب سنگھ بڑی تیزی سے نیچے جھکا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لات گھما دی تھی۔ پیر کی ٹھوکر اس شخص کے پستول والے ہاتھ پر لگی اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑتا ہوا دور جا گرا۔ پرتاب سنگھ نے دوسری ٹھوکر مارنا چاہی مگر اس شخص نے دونوں ہاتھوں سے اس کا پیر پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ پرتاب سنگھ لڑکھڑاتا ہوا گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتا' اس شخص نے پرتاب سنگھ پر چھلانگ لگا دی۔

وہ شخص اگرچہ دبلا پتلا تھا مگر اس میں بلا کی طاقت بھری ہوئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پرتاب سنگھ کا گلا دبوچ رکھا تھا۔ پرتاب سنگھ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا گلا کسی آہنی شکنجے میں پھنس گیا ہو۔ اسے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھ اس شخص کی کلائیوں پر جما دیے اور اپنے گلے پر سے گرفت چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی ایک ٹانگ موڑ کر پیر اس شخص کے پیٹ پر رکھا اور پوری قوت سے اسے اوپر اٹھانے لگا۔ وہ شخص پرتاب سنگھ کے اوپر سے ہوتا ہوا پشت کے بل پیچھے گرا۔

پرتاب سنگھ بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس شخص نے بھی اٹھنے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی۔ پرتاب سنگھ نے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر کھڑی ہتھیلی سے وار کیا۔ چوپ اس شخص کے کندھے سے ذرا نیچے بازو پر لگا۔ پرتاب سنگھ نے دوسرا وار کیا مگر اس شخص نے بڑی تیزی سے ایک ہاتھ سے بلاک کیا اور دوسرے ہاتھ سے وار کر دیا۔ کھڑی ہتھیلی کا وار پرتاب سنگھ کے بائیں کندھے پر لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وزنی ہتھوڑے سے ضرب لگائی گئی ہو۔

تکلیف سے وہ نیچے جھک گیا تھا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔

وہ شخص بھی سنبھل چکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ آگے نکال لیے تھے۔ اس کے انداز کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ بھی مارشل آرٹ کا ماہر ہے۔ وہ پرتاب سنگھ پر حملے کے لیے پرتول رہا تھا لیکن پرتاب سنگھ نے موقع دیے بغیر اس پر حملہ کردیا۔ اس نے دائیں ٹانگ کو اس طرح حرکت دی تھی جیسے اسٹریٹ کک لگانا چاہتا ہو۔ دوسرے شخص نے اسٹریٹ کک سے بچنے کے لیے اپنی جگہ سے حرکت کی مگر پرتاب سنگھ اسٹریٹ کک لگانے کے بجائے بڑی تیزی سے اپنی جگہ پر گھوم گیا۔ اس کی اسپن کک اس شخص کی پسلیوں پر لگی۔ وہ بلبلا کر لڑکھڑا گیا۔ پرتاب سنگھ نے ایک اور اسپن کک لگائی' وہ شخص نیچے گرا۔ پرتاب سنگھ کو تیسرا وار کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ شخص کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس نے بڑی قوت سے پرتاب سنگھ کے سینے پر فلائنگ کک لگائی تھی۔ پرتاب سنگھ لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل گرا۔

وہ شخص پرتاب سنگھ پر حملہ کرنے کے لیے پھر آگے بڑھا لیکن ٹھیک اسی وقت ایک کار اس سڑک پر مڑی۔ وہ دونوں کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نہا گئے۔ وہ شخص ایک جھٹکے سے رک گیا۔ اس نے کار کی طرف دیکھا اور پھر پرتاب سنگھ پر حملہ کرنے کے بجائے ایک طرف چھلانگ لگادی۔ وہ ایک بنگلے کی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا۔

کار بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ رک گئی۔ تین آدمی نیچے اتر کر پرتاب سنگھ کی طرف دوڑے جو اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کررہا تھا۔ ایک آدمی نے اسے سہارا دے کر اٹھادیا۔ وہ تینوں ہندوستانی تھے۔

"کیا ہوا۔ کون ہو تم اور وہ کون تھا؟" ایک آدمی نے پوچھا۔

"شرافت کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔" پرتاب سنگھ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔ اس لڑائی میں اس کی پگڑی سر سے گر گئی تھی اور لمبے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے بالوں کو سمیٹ کر سر کے اوپر جوڑا بنایا اور زمین پر پڑی ہوئی پگڑی سر پر جمائی۔

"لیکن ہوا کیا۔ یہ آدمی کون تھا جو تمہیں مار رہا تھا۔" ایک آدمی نے پوچھا۔

"وہی تو بتا رہا ہوں بھائی جی کہ شرافت کا زمانہ ہی نہیں رہا۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "اس بندر نے لفٹ مانگی تھی۔ میں نے اسے کار میں بٹھالیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے سڑک سنسان دیکھی تو پستول نکال لیا۔ وہ مجھے لوٹنا چاہتا تھا لیکن بھائی جی! اپنی محنت کی کمائی کوئی آسانی سے تو کسی کے حوالے نہیں کرتا نا۔ میں نے اسے زیر کرہی لیا ہوتا لیکن آپ لوگوں کی گاڑی اس طرف مڑتے دیکھ کر بھاگ گیا۔"

"اچھا ہوا بھاگ گیا ورنہ ہوسکتا ہے وہ آپ کو کوئی نقصان پہنچادیتا۔" ایک اور آدمی نے کہا "آپ کو چاہیے کہ فوراً پولیس کو اطلاع دیں۔"

"پولیس میں رپورٹ کرنے کا کیا فائدہ ہوگا۔" پرتاب سنگھ کپڑے جھاڑتے ہوئے بولا "ایسے لوگوں کو تلاش کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ میں نے ہی اس کی شکل اچھی طرح نہیں دیکھی تھی۔ پولیس کیسے تلاش کرے گی اسے۔ بہرحال' آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ۔ آپ لوگوں کی وجہ سے معاملہ رفع دفع ہوگیا۔"

وہ لوگ اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی وہاں سے رخصت ہوگئی۔ پرتاب سنگھ اِدھر اُدھر گھوم کر کچھ تلاش کرنے لگا۔ بالآخر اسے حملہ آور کا وہ پستول مل گیا جو اس کی کار سے چند گز دور پڑا تھا۔ اس نے پستول اٹھا کر چیک کیا اور پھر جیب میں رکھ لیا۔

"پتر جی! اب تمہارے اسی پستول کی گولیاں تمہارے جسم میں اتاروں گا۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا کار میں بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی آگے بڑھادی۔ وہ اس وقت کیرن ہل روڈ پر تھا۔ اگلے موڑ پر اس نے گاڑی بائیڈ فورڈ روڈ پر موڑ دی اور اس سڑک پر ہوتا ہوا آرچرڈ روڈ پر پہنچ گیا۔

پرتاب سنگھ کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ یہ آدمی پہلے سے اس کی کار میں چھپا ہوا تھا۔ جس سے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس کا تعلق دارا گروپ سے تھا۔ دارا یقیناً اس بات سے باخبر ہوگا کہ وجدان اس کی تحویل میں ہے۔ وجدان' اس لرزہ خیز واردات کا واحد چشم دید گواہ تھا اور دارا کے لیے بہت بڑا خطرہ تھا۔ وہ اسے یقیناً اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے گا۔ مکان پر پولیس کا پہرا تھا۔ دو پرائیویٹ گارڈز بھی موجود تھے۔ وہاں وہ حملہ کرنے کی حماقت نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے غالباً یہی سوچا ہوگا کہ پرتاب سنگھ کو قابو میں کیا جائے اور پھر اس کے ذریعے وجدان کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا جائے لیکن اس کا یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ دارا نے پرتاب سنگھ کو پکڑنے کے لیے جو آدمی بھیجا تھا' اسے خود ہی اپنی جان چھڑا کر بھاگنا پڑا تھا۔

وہ آدمی پرتاب سنگھ کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا لیکن اب پرتاب سنگھ کو وجدان کی طرف سے پریشانی ہورہی تھی۔ اس کے ذہن میں اچانک ہی یہ خیال آیا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ دارا نے ایک طرف اسے اغوا کرنے کی کوشش کی ہو اور دوسری طرف وجدان کو اٹھانے کے لیے اس کے مکان پر حملہ ...کردیا ہو۔ یہ خیال آتے ہی اس نے کار کی رفتار بڑھادی۔

جب وہ اپنے مکان والی گلی میں داخل ہوا تو اسے اطمینان سا ہوا۔ گلی میں کسی گڑبڑ کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ اس نے کار اپنے بنگلے کے سامنے روک لی اور انجن بند کرکے نیچے اتر آیا۔ ایک پولیس والا گیٹ کے سامنے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا راکفل کندھے پر لٹکائے اس کے آس پاس ہی ٹہل رہا تھا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں بھی کررہے تھے۔

"خیریت ہے نا۔ یہاں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟" پرتاب سنگھ نے پوچھا۔

"نو سر!" ایک پولیس والے نے جواب دیا "کوئی گڑبڑ نہیں ہوا۔ سب اوکے ہے۔"

پرتاب سنگھ گیٹ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ صحن سے گزرتے ہوئے اس نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا۔ اس کا ایک باڈی گارڈ چھت پر منڈیر کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اس کی طرف ہاتھ ہلاتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔

وجدان اور سوتر سنگھ لاؤنج میں قالین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وجدان کی کتابیں بکھری ہوئی تھیں اور وہ ایک کاپی پر کچھ لکھ رہا تھا۔

"اوئے سوتر سنگھ۔" پرتاب سنگھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "پڑھ لے اوئے تو بھی پڑھ لے۔ اس بچے سے ہی کچھ پڑھ لے۔"

"سردار جی!" سوتر سنگھ مسکراتے ہوئے بولا "میرے تو پوتے نہیں پڑھا تو میں پڑھ کر کیا کروں گا۔"

"تم کھوتے کے کھوتے ہی رہو گے۔" پرتاب سنگھ بولا "اچھا جا۔ چائے بنا کر لا۔"

وہ وجدان کے پاس بیٹھ گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ پرتاب سنگھ کو بہرحال اس بات کی خوشی تھی کہ پڑھائی شروع کردینے سے وجدان کا دھیان بٹ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد سوتر سنگھ چائے بنا کر لے آیا۔ اس نے ان دونوں کے سامنے ایک ایک کپ رکھ دیا... اور تیسرا کپ خود لے لیا۔

"سردار جی۔" وہ پرتاب سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "لگتا ہے کپڑوں سمیت کسی سے کشتی لڑ کے آرہے ہو۔"

"ہاں۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "راستے میں ایک کانگڑی پہلوان مل گیا تھا۔ اس نے کشتی کے لیے چیلنج کردیا اور مجھے کپڑے اتارنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"کشتی کا فیصلہ کیا ہوا سردار جی؟" سوتر سنگھ نے پوچھا۔

"فیصلہ کیا ہونا تھا۔" پرتاب سنگھ بولا "وہ کانگڑی پہلوان بھاگ گیا اور میں سڑک پر کھڑا کپڑے جھاڑتا رہ گیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ....."

"ہاں ہاں۔" پرتاب سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی "مطلب وہی ہے جو تو سمجھ رہا ہے۔ اب بات کو آگے نہ بڑھا۔"

سوتر سنگھ خاموش ہوگیا۔

تقریباً ساڑھے نو بجے کے لگ بھگ پرتاب سنگھ نے سنگاپور شاپنگ سینٹر میں واقع ایک ریسٹورنٹ کو فون کرکے اپنے اور وجدان کے لیے کھانا منگوالیا۔ ریسٹورنٹ کا منیجر بھی سکھ ہی تھا اور پرتاب سنگھ کو اچھی طرح جانتا تھا اس لیے وہ فون کرنے پر کھانا پیک کرکے فوراً ہی بھیج دیا کرتا تھا۔ سوتر سنگھ وغیرہ اپنے لیے کھانا خود ہی لے آیا کرتے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد وجدان اور پرتاب سنگھ باتیں کرتے رہے۔ گیارہ بجے کے لگ بھگ وجدان سوگیا۔ پرتاب سنگھ کو عابد علی کی ڈائری کا خیال آگیا۔ اس نے میز کی دراز سے ڈائری نکال لی اور پلنگ پر نیم دراز ہوکر پڑھنے لگا۔

بارہ سال پہلے جب عابد علی سنگاپور آیا تھا تو پرتاب سنگھ نے اسے یہاں سیٹل ہونے میں بڑی مدد دی تھی۔ عابد علی نے اسے اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا لیکن اب عابد علی کی ڈائری پڑھتے ہوئے پرتاب سنگھ اپنے آپ میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کررہا تھا۔ عابد علی نے اپنے بارے میں جو کچھ بھی بتایا تھا' وہ سب کچھ سچ تھا لیکن اس ڈائری سے اسے ایسے ایسے سنسنی خیز انکشافات ہورہے تھے کہ پرتاب سنگھ دنگ رہ گیا۔ عابد علی کی ڈائری کی تحریر ایک طرح کی سرگزشت تھی۔

اس تحریر کے مطابق عابد علی لاہور کے ایک نواحی گاؤں **رکھاں** والی کا رہنے والا تھا۔ یہ گاؤں پاک بھارت سرحد پر واقع تھا۔ سرحد کے دوسری طرف ضلع امرتسر کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ تقسیم ہند سے پہلے ان دونوں بستیوں کے لوگوں میں بڑے خوشگوار تعلقات تھے اور یہ تعلقات ملک تقسیم ہونے کے بعد بھی قائم رہے تھے۔

عابد علی کا باپ چوہدری حاکم علی ایک چھوٹا زمیں دار تھا۔ اس کی زمین سرحد پر تھی۔ بعض کھیت تو سرحد سے ملے ہوئے تھے۔ ملک رمضان اس گاؤں کا سب سے بڑا زمیں دار تھا۔ اس کی زمینیں اگرچہ گاؤں کے دوسری طرف تھیں لیکن وہ سرحد کے ساتھ والی کچھ زمین بھی خریدنا چاہتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ چوہدری حاکم علی سے بات کی تھی کہ وہ سرحد سے ملے ہوئے چند کھیت اس کے ہاتھ فروخت کردے لیکن چوہدری حاکم علی اس بات پر آمادہ نہیں تھا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ملک رمضان سرحد سے ملی ہوئی وہ زمین کیوں خریدنا چاہتا ہے۔

ملک رمضان کے سرحد کے دوسری طرف واقع بھارتی گاؤں رام پور کے چوہدری کرم داس سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ وہ رات کی تاریکی میں چوری چھپے سرحد پار کرکے ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے تھے۔

ملک تقسیم ہونے کے بعد سرحد کے دونوں طرف بہت سے مسائل پیدا ہوگئے تھے۔ اس صورتِ حال کا فائدہ ان لوگوں نے اٹھایا تھا۔ جنہیں صرف اور صرف اپنا فائدہ عزیز تھا اپنے ذاتی مفاد کے لیے وہ دوسروں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے تھے۔ سرحد کی پٹی قائم ہوجانے کے بعد ایسے ہی لوگوں نے فائدہ اٹھایا تھا۔

ملک رمضان کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے کسی کو کوئی بھی نقصان پہنچا سکتے تھے۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ یہ نقصان کسی فرد کو پہنچ رہا ہے یا

اجتماعی طور پر پوری قوم یا پورا ملک اس سے متاثر ہو رہا ہے۔ ملک تقسیم ہونے کے بعد دونوں طرف جو گمبھیر مسائل پیدا ہوئے تھے ان کا فائدہ انہی لوگوں نے اٹھایا تھا۔ ملک رمضان اور کرم داس نے سرحد پر کاروبار شروع کردیا تھا۔ غیر قانونی طور پر مال سرحد کے اِدھر اُدھر لے جانے کو وہ لوگ بزنس ہی کہتے تھے۔ ان کا یہ بزنس پہلے محدود پیمانے پر تھا پھر اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ ملک رمضان پہلے سرحد پار کرنے کے لیے دوسروں کی زمین استعمال کرتا تھا۔

اسمگلنگ کا دھندا ترقی کرگیا تو اس نے چوہدری حاکم علی کی زمین خریدنے کی کوشش شروع کردی۔ پہلے وہ دوستانہ انداز میں بات کرتا رہا پھر دباؤ ڈالنے لگا۔ اس نے گاؤں کے دوسرے لوگوں کے ذریعے بھی دباؤ ڈلوانے کی کوشش کی۔ وہ اگرچہ اصل سے دُگنی قیمت دے رہا تھا مگر چوہدری حاکم علی کسی قیمت پر بھی اپنی زمین بیچنے کو تیار نہیں تھا۔ اپنی ان کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد ملک رمضان اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا۔ دھمکیاں تو وہ دیتا ہی رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے حاکم علی کا کھلیان جلا دیا۔

عابد علی ان دنوں لاہور کے اسلامیہ کالج میں زیر تعلیم تھا۔ لاہور میں بھی ان کا ایک گھر تھا۔ عابد علی فائنل کا اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ اگرچہ ہفتے میں ایک بار گاؤں آجایا کرتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ امتحان دینے کے بعد مستقل طور پر گاؤں آجائے گا اور کھیتی باڑی سنبھال لے گا۔

امتحان ختم ہونے کے بعد وہ گاؤں جانے کی تیاری کررہا تھا کہ اسے وہ اندوہناک اطلاع ملی جس نے اس کی دنیا اندھیر کردی۔ اس کے باپ کو کسی نے قتل کردیا تھا۔ اطلاع دینے والے نے بتایا تھا کہ چوہدری حاکم علی صبح سویرے اپنے کھیتوں پر کام کررہا تھا کہ چند گھوڑا سوار وہاں آگئے۔ انہوں نے چہروں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔ انہوں نے آتے ہی فائرنگ شروع کردی جس سے چوہدری حاکم علی اور دو مزارع موقع پر ہی ہلاک ہوگئے۔

عابد علی بھاگم بھاگ وہاں پہنچ گیا۔ چوہدری حاکم علی کی لاش شہر کے اسپتال بھجوائی جاچکی تھی لیکن پولیس گاؤں میں موجود تھی۔ عابد علی پولیس سے اُلجھا رہا پھر شام کو اسپتال سے لاش وصول کرکے لے آیا اور تدفین ہوگئی۔

گاؤں کے سب ہی لوگ جانتے تھے کہ یہ کس کے اشارے پر ہوا تھا لیکن کوئی بھی شخص وہاں پر ملک رمضان اور اس کے بیٹے نوازش علی کا نام لینے کو تیار نہیں تھا۔ سب ان سے ڈرتے تھے۔

عابد علی بھی جانتا تھا کہ یہ کس کی حرکت ہوسکتی ہے لیکن اس کے پاس ملک رمضان اور اس کے بیٹے نوازش علی کے خلاف کوئی شہادت نہیں تھی۔ پولیس نے اگرچہ ملک رمضان اور اس کے بیٹے کو بھی تفتیش میں شامل کیا تھا لیکن ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ملا تھا۔ واردات کے وقت وہ شہر میں تھے اور پھر پیسے نے بھی بہت کام دکھایا تھا اس لیے وہ دونوں صاف بچ نکلے تھے۔

چھ مہینے گزر گئے۔ پولیس چوہدری حاکم علی کے قاتل کا سراغ نہیں لگا سکی تھی۔ اس دوران میں ایک اور واقعہ ہوا۔ رمضان گھوڑی پر سوار ایک دوسرے گاؤں سے اپنے گاؤں آرہا تھا کہ اچانک ہی گھوڑی کسی چیز سے بدک کر سرپٹ دوڑنے لگی۔ ملک رمضان نے اسے سنبھالنے کی بھرپور کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ گھوڑی سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ تقریباً دو سو گز آگے نہر تھی۔ ملک رمضان جانتا تھا کہ اگر گھوڑی کو قابو نہ کیا گیا تو اس کی بہت خطرناک نکلے گا۔ وہ گھوڑی کو قابو کرنے کی بھرپور کوشش کرتا رہا مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ نہر بالکل قریب آچکی تھی۔ ملک رمضان بدحواس ہو رہا تھا۔ گھوڑی نے چھلانگ لگا کر نہر پار کرنے کی کوشش کی مگر اس کے اگلے دونوں پیر نہر کے دوسرے کنارے پر ٹکے اور وہ الٹ کر نہر میں گر گئی۔

ملک رمضان گھوڑی سے گر گیا تھا مگر اس کا پیر رکاب میں پھنسا رہا۔ وہ گھوڑی کے نیچے دب گیا۔ گھوڑی نہر سے نکل کر دوڑنے لگی۔ ملک رمضان کا پیر رکاب میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ سر کے بل تقریباً ایک فرلانگ تک گھوڑی کے ساتھ گھسٹتا رہا۔

کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ سب کچھ دیکھ رہے تھے لیکن ملک رمضان کی کوئی مدد نہیں کرسکتے تھے۔ ملک رمضان کا پیر رکاب سے نکل گیا۔ وہ وہیں گر گیا اور گھوڑی اسے کچلتی ہوئی آگے نکل گئی۔ لوگ دوڑ کر وہاں پہنچ گئے لیکن ملک رمضان میں کچھ نہیں تھا۔ مسلسل زمین پر گھسٹنے اور گھوڑی کے پیر لگنے سے اس کی کھوپڑی پاش پاش ہوگئی تھی۔ اس کا چہرہ اس طرح بگڑا تھا کہ وہ ناقابل شناخت ہوگیا تھا۔

ملک رمضان کی اس عبرت ناک موت پر گاؤں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ ہر شخص دبے لفظوں میں کہہ رہا تھا کہ یہ رمضان سے قدرت نے چوہدری حاکم علی کے قتل کا انتقام لیا ہے۔

اس واقعے کے تین مہینے بعد ایک اور شوشہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ملک رمضان کے بیٹے ملک نوازش علی نے عابد علی کی ان زمینوں پر قبضہ کرلیا جو سرحد کے ساتھ واقع تھیں۔ اس نے اپنے مسلح آدمی زمین پر بٹھا دیے تھے اور لوگوں سے یہ کہا تھا کہ یہ زمین چوہدری حاکم علی نے اس کے باپ کے پاس بیچ دی تھی۔ اس نے کاغذات بھی دکھائے تھے۔ کاغذات پر اسی گاؤں کے دو آدمیوں کے گواہ دستخط بھی موجود تھے۔ وہ دونوں آدمی ملک نوازش علی کے نمک خوار تھے۔

عابد علی کے لیے یہ انکشاف مزید سنسنی خیز ثابت ہوا کہ رمضان نے پٹواری کو پیسے کھلا کر سرکاری کاغذات میں بھی ردوبدل کروالیا تھا۔ زمین فروخت کرنے اور ملک رمضان کے نام اراضی کی تاریخ چوہدری حاکم علی کی موت سے صرف چند روز پہلے کی تھی۔ ملک نوازش علی کے کہنے کے مطابق وہ اب تک اس لیے خاموش رہا تھا کہ پہلے چوہدری حاکم علی کا انتقال ہوگیا پھر اس کا باپ اس دنیا سے رخصت ہوگیا لیکن اب وہ مزید انتظار نہیں کرسکتا۔ اس لیے اس نے زمین پر قبضہ کرلیا تھا۔

عابد علی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کی زمین ہتھیانے کے لیے ایک گہری سازش تیار کی گئی تھی جس میں پٹواری اور محکمۂ اراضی کے بعض دوسرے لوگ بھی شریک تھے اور ظاہر ہے ان سب کو پیسے دیا گیا تھا۔

عابد علی نے عدالت میں مقدمہ دائر کردیا۔ ظاہر ہے ایسے مقدمات کا فیصلہ دو چار دن یا مہینہ دو مہینہ میں نہیں ہوتا۔ ایسے مقدمات تو برسوں چلتے ہیں۔ عابد علی کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ یہ مقدمہ برسوں تک چلتا رہا۔ ہر مہینے دو مہینے پر عدالت میں پیشی ہوتی اور پھر آگے پیشی پڑ جاتی۔ ملک نوازش علی پیسے والا تھا۔ زمینوں کے علاوہ اس نے باپ کا چھوڑا ہوا ناجائز کاروبار بھی سنبھال لیا تھا۔ اس کے تعلقات پولیس سے بھی تھے اور دوسرے بڑے بڑے لوگوں سے بھی جو اسمگلنگ جیسے گھناؤنے کاروبار میں اس کی پشت پناہی کررہے تھے۔ علاقے کے اسمبلی کے ممبر اس پر مہربان تھے۔ ہر الیکشن کے موقع پر نوازش علی ان کی انتخابی مہم چلاتا جس پر اس کا لاکھوں روپیہ خرچ ہوتا اور اس کا فائدہ وہ کروڑوں کی صورت میں اٹھا رہا تھا۔ اس طرح اسے اسمگلنگ میں بارسوخ لوگوں کی بھی بھرپور حمایت حاصل تھی۔

مسئلہ تو عابد علی کے لیے تھا۔ سرحدی پٹی والے کھیتوں پر قبضے کے بعد اس کے پاس چند کھیت باقی رہ گئے تھے جن پر صرف اتنا اناج پیدا ہوتا تھا کہ بمشکل اس کا سال بھر کا گزارہ ہوپاتا تھا۔ اس آمدنی سے وہ عدالت کے اخراجات بھی پورے کررہا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے باپ نے کہا تھا کہ خدا ہر انسان کو پولیس، ڈاکٹر اور عدالت سے محفوظ رکھے۔ اس وقت یہ بات عابد علی کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی لیکن اب وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ اس کا مطلب کیا تھا۔ وہ اس چکر میں اس طرح پھنسا تھا کہ نکلنے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ وہ اس مقدمے سے دستبردار ہوجائے اور دستبرداری کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنی اراضی پر فاتحہ پڑھ لے اور اس پر ملک نوازش علی کا قبضہ تسلیم کرلے۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے باپ دادا کی اراضی سے اس طرح دستبردار نہیں ہوسکتا تھا۔

عابد علی کی رہی سہی زمین بھی تھوڑی تھوڑی کرکے بکتی رہی لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ اس مقدمے کچہری میں کچھ نئے لوگوں سے اس کے تعلقات بھی استوار ہوئے۔ ان میں سلطان پور کا ایک زمیندار چوہدری برکت علی بھی تھا۔ وہ پیسے والا آدمی تھا۔ اس کی تعلیم صرف آٹھویں تک محدود تھی لیکن اسے سیاست کا چسکا تھا۔ پچھلی مرتبہ وہ الیکشن میں کھڑا ہوا تھا لیکن ملک عبدالرحمٰن سے ہار گیا تھا۔ برکت علی کو کسی نے مشورہ دیا تھا کہ اگلے الیکشن میں وہ خود کھڑا ہونے کے بجائے کسی ایسے آدمی کو کامیاب کروائے جو اس کی مٹھی میں رہے۔ چوہدری برکت علی کو یہ مشورہ پسند آیا تھا اور اس کی نظر انتخاب عابد علی پر پڑی تھی۔

الیکشن آنے والے تھے۔ چوہدری برکت علی نے عابد علی کو آمادہ کرلیا تھا کہ وہ صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر اس علاقے سے ملک عبدالرحمٰن کے مقابلے میں کھڑا ہوجائے۔ عابد علی تعلیم یافتہ تھا۔ اسے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن چوہدری برکت علی نے اسے یقین دہانی کرائی تھی کہ اگر کامیاب ہوگیا تو وہ نہ صرف اپنے باپ کی زمین واپس حاصل کرلے گا بلکہ مزید اراضی بھی خرید سکے گا۔ عابد علی کو مزید اراضی کا لالچ نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے باپ کی زمین حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی ایک بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ زندہ رہنے اور اپنا حق لینے کے لیے طاقت ضروری ہے۔ اسے ایک موقع مل رہا تھا۔ چوہدری برکت علی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ الیکشن کے تمام تر اخراجات خود برداشت کرے گا۔ اس کے عوض اسے یہ تحریر لکھ کردینا ہوگی کہ کامیابی کے بعد چوہدری برکت علی کے کیا کیا مطالبات پورے کرے گا۔

عابد علی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اس نے تحریر لکھ کردی اور چوہدری برکت علی نے اسے اپنے امیدوار کی حیثیت سے متعارف کرانا شروع کردیا۔ یہ خبر ملک نوازش علی کے لیے تشویش ناک تھی۔ پہلے وہ ملک عبدالرحمٰن کے لیے انتخابی مہم چلایا کرتا تھا لیکن اس مرتبہ اس نے خود الیکشن لڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ دوسروں کے لیے لاکھوں روپے خرچ کرتا تھا اور پھر بھی ان کا محتاج رہتا تھا۔ اگر وہ خود کامیاب ہوگیا تو تمام فائدے خود ہی اٹھائے گا اور عابد علی جیسے لوگوں سے بھی نمٹ لے گا۔

کچھ ہی عرصہ بعد الیکشن کی گہما گہمیاں شروع ہوگئی تھیں۔ ہر علاقے میں انتخابی مہم زوروں پر تھی۔ گاؤں دیہاتوں میں تو میلوں کا سماں تھا۔ عابد علی کے حلقے سے چار امیدوار کھڑے ہوئے تھے۔ اس روز پولنگ ہوئی اور رات تک رزلٹ بھی سامنے آگیا۔ عابد علی کو اگرچہ ملک نوازش علی سے زیادہ ووٹ ملے تھے لیکن کامیاب وہ بھی نہیں ہوسکا تھا۔ وہ تیسرے نمبر پر رہا تھا۔ دوسرے نمبر پر ملک عبدالرحمٰن کو ووٹ ملے تھے اور عبدالرشید نامی ایک ایسا امیدوار چند سو ووٹوں کی اکثریت سے جیت گیا تھا جس کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔

ووٹ بٹ جانے کی وجہ سے ملک عبدالرحمٰن پہلی مرتبہ الیکشن ہارا تھا۔ وہ اس کا ذمے دار نوازش علی کو ٹھہرا رہا تھا اور ملک نوازش علی اپنی شکست کا باعث عابد علی کو سمجھ رہا تھا۔ اس کے خیال میں اگر عابد علی اس کے مقابلے پر کھڑا نہ ہوتا تو وہ ضرور کامیاب ہوجاتا۔ ہارا عابد علی بھی تھا لیکن اسے اپنی شکست کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ وہ سیاست کا آدمی نہیں تھا۔ اس نے اپنی شکست کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا تھا۔ وہ تو ایک خاص مقصد کے لیے کسی کے اُکسانے پر الیکشن میں کھڑا ہوا تھا۔

جیت جاتا تو اس کا مقصد پورا ہو جاتا۔ ہارنے اسے کوئی غم نہیں ہوا تھا لیکن ملک نوازش علی نے اس شکست کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا تھا۔

نوازش علی اور عابد علی میں دشمنی کی جڑیں کچھ اور گہری ہوگئیں۔ عابد علی کو صرف اپنے باپ دادا کی اراضی کے حصول سے دلچسپی تھی۔ جبکہ نوازش علی نے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کرکے اپنا بہت کچھ داؤ پر لگا دیا تھا اور وہ بہت کچھ ہار گیا تھا۔ ملک عبدالرحمٰن نے اس کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھالیا تھا کیونکہ وہ اسی کے حلقے میں اس کے مقابلے میں کھڑا ہوا تھا۔

ملک نوازش علی کا بہرحال اپنا ایک حلقہ تھا۔ اس کا اسمگلنگ کا بزنس اس شکست سے متاثر ضرور ہوا تھا لیکن رکا نہیں تھا۔ اسمگلنگ کے حوالے سے اسے اب بھی ان لوگوں کی سرپرستی حاصل تھی جو پہلے بھی اس کے سرپرست تھے۔

الیکشن سے پہلے تو ملک نوازش علی اور عابد علی کی دشمنی صرف مقدمے بازی تک محدود تھی مگر اس سیاست کے کھیل نے انہیں ایک دوسرے کی جان کا دشمن بنا دیا تھا۔ عابد علی بھی اب سر اٹھانے لگا تھا۔ سلطان پور کا چوہدری برکت علی اس کی پشت پر تھا جس سے اس کا حوصلہ کچھ بڑھ گیا تھا۔

رکھاں والی کا علاقہ چوہدری برکت علی کے لیے بھی اہمیت رکھتا تھا اور اسی لیے وہ عابد علی کی پشت پناہی بھی کررہا تھا۔ الیکشن میں عابد علی کی شکست پر اسے بھی کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے جس حساب سے ووٹ لیے تھے۔ اس سے چوہدری برکت علی کو یقین تھا کہ اگلے الیکشن میں عابد علی ضرور کامیاب ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ عابد علی کو اپنے قریب رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ عابد علی کو مزید قریب لانے اور اسے قابو میں رکھنے کے لیے اس کے ذہن میں ایک اور ترکیب آئی تھی۔

شگفتہ اس کے ایک دور کے رشتے دار کی بیٹی تھی۔ اس نے سلطان پور ہی کے ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کررکھا تھا۔ وہ نہ صرف حسین تھی بلکہ بڑی... خوش اخلاق اور سلجھے ہوئے مزاج کی لڑکی تھی۔ چوہدری برکت علی نے عابد علی کو اس سے رشتے پر آمادہ کرلیا اور چند مہینوں کے اندر اندر ان کی شادی بھی ہوگئی۔

والدین کے انتقال کے بعد عابد علی اکیلا ہی رہتا تھا۔ شگفتہ کے آجانے سے گھر میں رونق سی آگئی لیکن دوسری طرف عابد علی کے لیے الجھنیں بڑھ رہی تھیں۔ ملک نوازش علی بھی اپنے باپ کی طرح اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا تھا۔

ان دنوں دارا کو عابد علی نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ اونچا لمبا پتا کٹا آدمی تھا۔ ملک نوازش اسے نجانے کہاں سے لے کر آیا تھا لیکن رکھاں والی میں آتے ہی دارا نے ایک طوفان بدتمیزی اٹھا دیا تھا۔ وہ گاڑی میں اور زمینوں پر دندناتا پھرتا۔ گاؤں والوں اور مزارعوں سے مارپیٹ اس کا روز کا معمول بن گیا تھا۔ لوگ ملک نوازش علی کے پاس اس کی شکایت لے کر جاتے اور ملک مسکرا کر رہ جاتا۔ ایک مہینے کے اندر اندر دارا نے گاؤں کے لوگوں میں غنڈہ گردی کا رعب جمالیا تھا۔ اب کسی کو اس کے سامنے آواز اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

دوسرے مہینے دارا نے عابد علی کے ایک مزارع کی پٹائی کر دی۔ پولیس میں دارا کے خلاف رپورٹ لکھوائی گئی۔ پولیس اور ملک نوازش علی کی حویلی میں دعوت اڑانے کے بعد مزارع' اس کے بھائی اور باپ کو گرفتار کرکے لے گئی۔ عابد علی تلملا کر رہ گیا۔ وہ کچھ بھی تو نہیں کرسکتا تھا۔

عابد علی کی شادی کو دس مہینے ہوگئے تھے۔ شگفتہ ماں بننے والی تھی۔ گاؤں میں شہر جیسی سہولتیں نہیں تھیں۔ عابد علی شگفتہ کو لاہور شہر والے مکان میں لے گیا۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک عورت بھی ساتھ آگئی تھی۔

شگفتہ نے بیٹے کو جنم دیا تو ان کی زندگی میں بہار آگئی۔ بہار کے گلشن کا پہلا پھول تھا۔ دونوں بہت خوش تھے۔ بچے کی پیدائش کے بعد شگفتہ نے صاف کہہ دیا تھا کہ اب وہ گاؤں نہیں جائے گی بلکہ مستقل طور پر شہر میں رہے گی۔ عابد علی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

عابد علی بھی شہر ہی میں رہنے لگا۔ وقتاً فوقتاً وہ گاؤں بھی آتا رہتا تھا۔ اس نے موٹر سائیکل لے لی تھی جس سے آمدورفت کے لیے سہولت ہوگئی تھی۔

اس روز وہ دوپہر کے کچھ دیر بعد گاؤں آیا تھا۔ شگفتہ نے کہہ دیا تھا کہ وہ رات کو واپس آجائے گا۔ وہ سیدھا گاؤں میں داخل ہونے کے بجائے کھیتوں کی طرف نکل گیا جہاں اس کا چھوٹا سا ڈیرا تھا۔ مویشی بھی یہیں بندھے ہوتے تھے اور ایک آدمی یہاں رہتا تھا۔ عابد علی پگڈنڈی پر موٹر سائیکل چلاتا اس ڈیرے پر آیا تھا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک یہاں بیٹھا مزارع اکبر سے باتیں کرتا رہا پھر موٹر سائیکل ڈیرے پر چھوڑ گاؤں آگیا۔

رات کا کھانا اس نے گاؤں ہی میں کھایا تھا۔ وہ واپس ڈیرے کے لیے دوبارہ ڈیرے پر آگیا۔ اس وقت اکبر نے اسے ایک بات بتائی جسے سن کر عابد علی چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اکبر نے کہا کہ اسے بڑے خفیہ طریقے سے یہ پتا چلا ہے کہ ملک نوازش علی آدمی آج سونے کی ایک بھاری کھیپ لے کر سرحد پار کرکے دوسری طرف جانے والے ہیں۔ اکبر کو یہ اطلاع کیسے ملی تھی؟ اس سے عابد علی کو کوئی غرض نہیں تھی لیکن وہ اتنا جانتا تھا کہ ملک نوازش آج سونے کی اسمگلنگ کررہا ہے۔ عابد علی نے رات وہیں رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے یہ بھی طے کرلیا تھا کہ آج وہ ان کی اسمگلنگ کی کوشش ناکام بنادے گا۔

وہ ڈیرے کے آس پاس ٹہلتا رہا۔ وہ ایک پرانے کنوئیں کے پاس رک گیا۔ اس کنوئیں پر پہلے رہٹ لگا ہوا تھا لیکن ایک سال پہلے کچھ فاصلے پر بورنگ کرکے ٹیوب ویل لگوالیا گیا تھا جس وجہ سے کنواں متروک ہوگیا تھا۔ کنوئیں پر بہرحال رہٹ کے باقیات اب بھی موجود تھے۔ عابد علی رہٹ کی لکڑی پر بیٹھ گیا اور وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ اکبر نے اسے بتایا تھا کہ وہ لوگ آدھی رات کے بعد اس طرف سے گزریں گے۔

عابد علی انتظار کرتا رہا۔ رات تین بجے کے لگ بھگ اسے کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں نظر آئیں۔ وہ کوئی کار تھی جو سڑک سے ہٹ کر کھیتوں کی طرف آرہی تھی۔ عابد علی اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک طرف دوڑنے لگا اور تقریباً دو سو گز دور کھیتوں کے درمیان اس کچے راستے پر رک گیا جہاں سے اس گاڑی کو گزرنا تھا۔ وہ راستے کے قریب ہی پودوں میں چھپ گیا۔ اس نے جیب سے پستول نکال لیا اور گاڑی کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ یہ پستول اس نے چند مہینے پہلے اپنی حفاظت کے لیے خریدا تھا اور اس کے پاس اس کا لائسنس بھی موجود تھا۔ وہ جب بھی گاؤں آتا تھا' پستول کو اپنی جیب میں ڈالنا نہیں بھولتا تھا۔

وہ کار ہی تھی۔ ہیڈ لیمپس کی روشنیاں بجھ گئیں۔ عابد علی پودوں میں چھپا کار کے قریب آنے کا انتظار کرتا رہا اور پھر جیسے ہی کار اس کے سامنے پہنچی' اس نے فائر کردیا۔ اس کی گولی ٹھیک نشانے پر بیٹھی اور کار کا اگلا ٹائر ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ کار لہرا کر ایک کھیت میں گھس کر رک گئی۔

تین آدمی کار سے اتر کر ایک طرف دوڑے۔ قد و قامت کی وجہ سے عابد علی نے ان میں سے ایک کو پہچان لیا۔ وہ دارا تھا۔

"تم لوگ چاروں طرف سے گھیرے جاچکے ہو۔ ہتھیار پھینک دو۔" عابد علی چیخا۔

عابد علی کا خیال تھا کہ وہ لوگ ٹریپ میں آجائیں گے لیکن وہ لوگ اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے کھیتوں میں ایک طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ عابد علی نے بھی ایک دو فائر کردیے۔

عابد علی دوڑ کر کار کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے جھانک کر اندر دیکھا۔ کار کی پچھلی سیٹ پر دو کینوس کے بڑے بڑے تھیلے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ دارا اور اس کے ساتھی دوڑتے ہوئے وہاں سے بہت دور جاچکے تھے۔ عابد علی دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کرکے اسے کھیتوں میں موڑ دیا۔ ایک ٹائر برسٹ ہونے کی وجہ سے کار گھسٹ کر چل رہی تھی۔

اکبر ڈیرے پر نہیں تھا۔ وہ فائرنگ کی آواز سن کر کہیں بھاگ گیا تھا۔ عابد علی نے کار کی پچھلی سیٹ پر رکھے ہوئے کینوس کے تھیلے کھول کر دیکھے۔ اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ دونوں تھیلوں میں سونے کے بسکٹ بھرے ہوئے تھے۔

عابد علی نے کار سے اتر کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر دونوں تھیلے باہر نکال لیے جو خاصے وزنی تھے۔ اس وقت ایک بار پھر فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ آوازیں لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جارہی تھیں۔ غالباً دارا اور اس کے ساتھی سمجھ گئے تھے کہ ان کے ساتھ دھوکا ہوا ہے اور وہ فائرنگ کرتے ہوئے اس طرف آرہے تھے۔ عابد علی نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان تھیلوں کو کہاں چھپایا جائے اور بالآخر ایک جگہ اس کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے دونوں تھیلوں کے زپ اچھی طرح بند کردیے اور انہیں رہٹ والے کنوئیں میں پھینک دیا۔

دارا اور اس کے ساتھی قریب آرہے تھے۔ عابد علی اپنی موٹر سائیکل کی طرف دوڑا۔ دارا نے اسے دوڑتے ہوئے دیکھ لیا اور اس پر فائرنگ شروع کردی۔ عابد علی نے کک لگا کر موٹر سائیکل کا انجن اسٹارٹ کیا اور اسے گیئر میں ڈال کر ایکسیلیٹر پیچھے گرپ پوری طرح گھمادی۔ موٹر سائیکل اچھل کر آگے نکلی تھی۔

دارا اور اس کے ساتھی پیچھے دوڑتے ہوئے فائرنگ کررہے تھے۔ گولیاں عابد علی کے آس پاس سے گزر رہی تھیں لیکن عابد علی ان سے محفوظ ہی رہا۔ موٹر سائیکل اچھلتی ہوئی کھیتوں میں دوڑتی رہی۔ سڑک پر آکر اس نے موٹر سائیکل دائیں طرف موڑ دی۔ یہ سڑک سیدھی راوی کے پل تک چلی گئی تھی۔

شہر میں اپنے گھر پہنچنے کے لیے عابد علی کو ایک طویل چکر کاٹنا پڑا تھا۔ جب وہ گھر پہنچا تو صبح کے پانچ بجنے والے تھے۔ بدحواسی اور تھکاوٹ کا ہلکا سا خوف عابد علی کے چہرے پر نمایاں تھا۔ شگفتہ اسے دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ وہ اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کرتی رہی لیکن عابد علی نے اسے ٹال دیا۔

اس کے تین دن بعد دارا اور اس کے ایک ساتھی نے اسے ڈھونڈ نکالا۔ وہ آدھی رات کے قریب اس کے گھر میں گھس آئے تھے۔ ان دونوں کے پاس پستول تھے۔ وہ عابد علی سے سونے کے ان دو تھیلوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا جو اس نے غائب کیے تھے۔ اس کے کہنے کے مطابق کار میں سونے کے چھ تھیلے تھے۔ چار ڈکی میں، دو پچھلی سیٹ پر' پچھلی سیٹ والے تھیلے غائب تھے۔ دارا کے مطابق ان دو تھیلوں میں تقریباً پانچ کروڑ روپے مالیت کا سونا تھا۔ اگر عابد علی وہ تھیلے ان کے حوالے کردے تو اسے کچھ نہیں کہا جائے گا لیکن عابد علی لاعلمی کا اظہار کرتا رہا۔ اسے تو اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ اسے ڈکی کا خیال کیوں نہیں آیا تھا۔ اس وقت اسے ڈکی کا خیال آجاتا تو وہ باقی چار تھیلے بھی کنوئیں میں پھینک دیتا۔

دارا انسان نہیں درندہ ثابت ہوا تھا۔ اس نے عابد علی کو مار مار کر ادھ موا کردیا۔ شگفتہ کو بھی اس نے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ عابد علی اور شگفتہ کی چیخیں فضا میں گونجتی رہیں لیکن کوئی ان کی مدد کو نہیں آیا۔ گلشن راوی ان دنوں نیا نیا آباد ہوا تھا۔ بہت سے مکان زیر تعمیر تھے۔ آباد مکان ایک دوسرے سے خاصے دور تھے۔

عابد علی کا مکان بھی کسی قدر الگ تھلگ تھا اس لیے کوئی ان کی مدد کو نہ آسکا۔ ان کی چیخوں کی آوازیں یقیناً سنی گئی تھیں لیکن کس کو پڑی تھی کہ آدھی رات کو اپنے گھر سے نکلتا۔

عابد علی کی ہمت جواب دینے لگی۔ بالآخر جان بچانے کے لیے اس نے دارا کو بتایا کہ دونوں تھیلے اس نے راوی میں پل کے دوسرے ستون کے قریب پھینک دیے تھے۔ دارا نے اسے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر اس جگہ دریا میں تھیلے نہ ملے تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

عابد علی نے صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ مکان چھوڑ دیا۔ وہ اپنی بیوی اور دو ماہ کے بچے کو لے کر فیروز پور روڈ پر اچھرہ کے ایک مکان میں آگیا لیکن تین دن بعد دارا نے انہیں یہاں بھی ڈھونڈ نکالا۔ اس رات عابد علی غافل نہیں تھا۔ اس نے دارا اور اس کے ساتھیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ دارا اور اس کے ساتھی مکان میں داخل ہونے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ انہوں نے مکان کو آگ لگادی۔

مکان میں آگ بھڑک رہی تھی۔ دارا اور اس کے ساتھی باہر کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ کسی نے پولیس کو اطلاع دے دی۔ پولیس کے آجانے سے دارا اور اس کے ساتھی بھاگ نکلے اور لوگوں نے پولیس کی مدد سے عابد علی' اس کی بیوی اور بچے کو تو بچالیا تھا مگر وہ مکان جل کر راکھ ہوگیا تھا۔

عابد علی کو اپنے ایک دوست کے ہاں پناہ ملی تھی۔ اس کی وجہ سے ملک نوازش علی کو پانچ کروڑ روپے کا نقصان پہنچا تھا۔ وہ اسے کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑے گا۔ یہاں کوئی جگہ اس کے لیے محفوظ نہیں تھی۔ فیصل آباد میں اس کے رشتے دار تھے۔ اس نے سوچا وہاں چلا جائے لیکن اسے یقین تھا کہ ملک نوازش علی کے آدمی اسے وہاں سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔ اس کے دوست نے اسے ملک چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ وہ خود انہیں لے کر کراچی پہنچ گیا۔ یہیں سے انہوں نے پاسپورٹ بنوائے اور سنگاپور آگئے۔

پرتاب سنگھ نے ڈائری بند کردی۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔ عابد علی جب سنگاپور آیا تھا تو اس نے پرتاب سنگھ کو اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا لیکن پانچ کروڑ روپے مالیت کے سونے والی بات نہیں بتائی تھی۔ البتہ چند روز پہلے مرنے سے تھوڑی دیر قبل اس نے سونے کے بارے میں انکشاف کیا تھا۔ ڈائری پڑھنے کے بعد پرتاب سنگھ کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دارا اسے تلاش کرتا ہوا یہاں اسی لیے آیا ہے کہ سونے کے بارے میں معلوم کرسکے۔

اچانک پرتاب سنگھ کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ ہوسکتا ہے ملک نوازش علی سب کچھ بھول چکا ہو اور دارا اپنے طور پر سونا حاصل کرنا چاہتا ہو اور وہ عابد علی کو تلاش کرتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا اور ملک نوازش علی کو اس کا پتا بھی نہ ہو۔ ایسا ہو سکتا تھا۔

دارا کے بارے میں عابد علی نے جو کچھ بھی بتایا تھا اور ڈائری میں جو کچھ بھی پڑھا تھا' اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ دارا جیسے لوگ کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ اس سے کچھ بھی بعید نہیں۔

عابد علی کی ڈائری پڑھنے کے بعد پورا پس منظر پرتاب سنگھ کے سامنے آگیا۔ عابد علی اور اس کی بیوی شگفتہ ایک اسمگلر کی نفرت اور انتقام کا شکار ہوگئی تھی لیکن افسوس کی بات تو یہ تھی کہ یہ قصہ یہیں پر ختم نہیں ہوگیا تھا۔ وجدان' عابد علی ہی کا بیٹا تھا اور بدقسمتی سے اپنے ماں باپ کے قتل کا واحد چشم دید گواہ تھا۔ مزید بدقسمتی یہ تھی کہ قاتل وہی لوگ تھے جنہوں نے وجدان کے ماں باپ کو اپنی ہی سرزمین پر چین سے نہیں رہنے دیا تھا اور بارہ سال پہلے انہیں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا اور بالآخر موت کا شکار ہوگئے تھے۔ اس طرح یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوگیا تھا بلکہ مزید دراز ہوگیا تھا۔

وجدان نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ماں باپ کو بے دردی سے قتل ہوتے دیکھا تھا۔ دارا کے بارے میں اس نے اپنے ماں باپ کو باتیں کرتے ہوئے بھی سنا تھا اور جب وہ اپنے باپ کی ڈائری پڑھے گا تو اس کی نفرت دوچند ہوجائے گی اور وہ مجسم انتقام بن جائے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اسے اپنے ماں باپ کے قاتلوں کو موت کے گھاٹ اتارنے سے نہیں روک سکے گی۔

پرتاب سنگھ نے یہ سب کچھ سوچتے ہوئے ڈائری بند کرکے تکیے کے نیچے رکھ دی اور سامنے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بج چکے تھے۔ اس نے گردن گھما کر وجدان کی طرف دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

پرتاب بھی سیدھا ہو کر بستر پر لیٹ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے چونک جانا پڑا۔ چھت پر ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے اٹھا پٹخ ہو رہی ہو۔ اس نے تکیے کے نیچے سے پستول نکالا اور چپل پہنے بغیر تیزی سے کمرے سے باہر آگیا۔ لاؤنج میں پہنچ کر چھت پر اٹھا پٹخ کی آوازیں زیادہ واضح سنائی دینے لگیں۔

"سوتر سنگھ..... اوئے سوتر سنگھ! کیا ہو رہا ہے۔ کہاں ہو تم؟" اس نے دو تین مرتبہ سوتر سنگھ کو پکارا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آگیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے دائیں طرف چھلانگ لگادی۔ اگر اسے ایک لمحے کی بھی تاخیر ہوجاتی تو اس کا جسم گولیوں سے چھلنی ہوجاتا۔ سامنے سے اس پر گولیوں کی بوچھار کردی گئی تھی۔

موت پرتاب سنگھ کے بہت قریب سے گزری تھی۔ اگر اسے چھلانگ لگانے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر ہوجاتی تو اس کا جسم گولیوں سے چھلنی ہوچکا ہوتا۔ لاؤنج والے اس دروازے کے سامنے کشادہ برآمدہ تھا جس کے فرش اور سیڑھیوں پر ماربل کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ برآمدے کی چھت کو سہارا دینے کے لیے دو ستون تھے۔ ان پر بھی سفید سنگِ مرمر کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے

برآمدے میں دیواروں کے ساتھ اور فرش کے کناروں پر موزائیک سے بنے ہوئے بڑے بڑے گملے رکھے ہوئے تھے جن میں پھولوں کے پودے تھے۔ ستونوں کے ساتھ لگے ہوئے دو گملوں میں باریک پتیوں والی بیلیں تھیں جو ستون پر بل کھاتی ہوئی اوپر چھت تک چلی گئی تھیں۔ پرتاب سنگھ روزانہ صبح سویرے اٹھ کر ان گملوں میں پانی ڈالا کرتا تھا اور اب یہی گملے اس کی زندگی کے ضامن بن گئے تھے۔

گولیوں کی بوچھار ہوتے ہی اس نے ایک طرف چھلانگ لگا دی تھی اور فرش پر گرتے ہی ان بڑے بڑے گملوں کی آڑ میں لیٹ گیا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ برآمدے کی بتی نہیں جل رہی تھی اگر روشنی ہوتی تو اسے دیکھ لیا جاتا۔ تاریکی کی وجہ سے وہ حملہ آوروں کی نظروں سے محفوظ ہوگیا تھا۔ چھلانگ لگاتے ہوئے اس کا پستول بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا لیکن یہ پستول تلاش کرنے کا وقت نہیں تھا۔ سامنے سے فائرنگ ہو رہی تھی اور گولیاں برآمدے والے دروازے' سامنے والی دیوار اور ستونوں پر لگ رہی تھیں۔ آٹومیٹک رائفل یا سب مشین گن سے ہونے والی فائرنگ بہت شدید تھی۔

پرتاب سنگھ گملوں کے پیچھے بے حس و حرکت لیٹا وجدان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آواز سے اس کی بھی آنکھ کھل گئی ہوگی اور پرتاب سنگھ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ کہیں وہ بستر سے اٹھ کر باہر آنے کی کوشش نہ کرے۔ ایسی صورت میں اس کا بچنا مشکل ہوجاتا۔

فائرنگ بند ہوگئی۔ پرتاب سنگھ نے ایک لمحے کو انتظار کیا اور پھر بڑی احتیاط سے دونوں ہاتھ پھیلا کر آس پاس فرش کو ٹٹولنے لگا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ پستول اسے قریب ہی فرش پر پڑا ہوا مل گیا تھا۔ اس نے بڑی آہستگی سے سیفٹی کیچ ہٹایا اور سانس دیکھنے لگا۔ اب تک اس کی آنکھیں کسی حد تک تاریکی سے مانوس ہوچکی تھیں۔ گلی میں اگرچہ اسٹریٹ لائٹ جل رہی تھی لیکن گنجان شاخوں والے ایک درخت کی وجہ سے وہ روشنی پرتاب سنگھ کے مکان کے صحن تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھور رہا تھا۔

پرتاب سنگھ کو حملہ آوروں کے بارے میں اندازہ لگانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ یقیناً دارا کے آدمی تھے جو ہر قیمت پر وجدان کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے تھے تاکہ ان کے جرم کا واحد عینی گواہ اس دنیا میں موجود نہ رہے لیکن اسے حیرت تو

اس بات پر تھی کہ وہ دونوں پولیس والے کہاں گئے تھے جنہیں مکان کی حفاظت پر تعینات کیا گیا تھا۔ سوتر سنگھ اور دوسرا باڈی گارڈ دربار سنگھ مکان کی چھت پر ڈیوٹی دیا کرتا تھے۔ چھت پر سے کسی قسم کی آوازیں سن کر ہی وہ چونکا تھا۔ اس نے برآمدے والے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے سوتر سنگھ کو آوازیں دی تھیں۔ اس

کی طرف سے تو کوئی جواب نہیں ملا تھا البتہ اس پر فائرنگ شروع ہوگئی تھی۔ اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ گیٹ کی بتیاں کیوں بجھی ہوئی تھیں۔

اس پر فائرنگ سامنے سے کی گئی تھی جس کا مطلب تھا کہ فائرنگ کرنے والا سامنے ہی کسی جگہ موجود تھا لیکن تاریکی میں وہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ پرتاب سنگھ دیدے گھماتا ہوا تاریکی میں گھور رہا تھا اور پھر اچانک وہ چونک گیا۔ ایک سیاہ ہیولا سامنے والی دیوار کے قریب حرکت کرتا ہوا نظر آیا۔ پرتاب سنگھ نے بڑی احتیاط سے پستول والا ہاتھ گملوں کے بیچ میں سے آگے نکالا اور ٹریگر دبادیا۔ اس کا نشانہ خطا گیا۔ گولی کمپاؤنڈ کی دیوار میں لگی۔ سیاہ ہیولا برق رفتاری سے اچھل کر درخت کی آڑ میں چلا گیا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے پرتاب سنگھ پر گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ گولیاں گملوں پر اور برآمدے کے ستون پر لگ رہی تھیں۔ پرتاب سنگھ گملوں کے پیچھے دبکا ہوا تھا۔

فائرنگ ایک لمحے کو رکی تھی اور اس ایک لمحے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پرتاب سنگھ نے ایک بار پھر سر اٹھا کر گملوں کے اوپر سے دیکھا۔ درخت کے پیچھے دبکا ہوا سیاہ ہیولا اب آہستہ آہستہ دیوار کے ساتھ سرک رہا تھا۔ پرتاب سنگھ نے فوراً ہی ٹریگر دبادیا۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی ایک انسانی چیخ گونج اٹھی اور پھر وہ ہیولا اس طرح اچھل کر دیوار پر چڑھا جیسے اس کے پیروں میں اسپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ پرتاب سنگھ نے ایک بار پھر ٹریگر دبادیا۔ وہ دیوار کے دوسری طرف چھلانگ لگا چکا تھا۔ گولی دیوار پر لگی تھی۔

پرتاب سنگھ ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ وہ اس سیاہ ہیولے کے پیچھے گلی میں جانا چاہتا تھا لیکن مکان کے اندر سے وجدان کی چیخ سن کر چونک گیا۔ اس نے باہر جانے کا ارادہ ترک کردیا اور پلٹ کر برآمدے کے دروازے کی طرف لپکا۔

وجدان اس کے بیڈ روم میں سویا کرتا تھا۔ پرتاب سنگھ کا خیال تھا کہ فائرنگ سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ ڈر کر چیخا تھا۔ وہ اپنے بیڈ روم کی طرف دوڑا۔ وجدان کے چیخنے کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ پرتاب جیسے ہی اپنے بیڈ روم کے دروازے پر پہنچا' اس طرح ٹھٹک کر رک گیا۔ جیسے زمین نے اس کے پیر پکڑ لیے ہوں۔

ایک دبلا پتلا سا چینی کمرے میں کھڑا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے وجدان کی گردن دبوچ رکھی تھی۔ پرتاب سنگھ نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھایا لیکن گولی نہیں چلائی۔ وجدان اس چینی کے قبضے میں تھا۔

"تم پستول پھینک دو پرتاب سنگھ۔" چینی نے اپنے پستول کی نال وجدان کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے کہا "اگر کوئی چالاکی دکھایا تو ہم اس لڑکے کا کھوپڑی اڑادے گا۔"

صورت حال انتہائی نازک تھی۔ لڑکے کی زندگی خطرے میں تھی۔ پرتاب سنگھ اس وقت کوئی چالاکی نہیں دکھا سکتا تھا۔ اس چینی کی انگلی کی معمولی سی حرکت وجدان کی زندگی کا خاتمہ کرسکتی تھی۔ اس نے پستول پھینک دیا۔

"تم بچ کر نہیں جاسکو گے۔" وہ چینی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تمہارا ایک ساتھی میرے ہاتھوں زخمی ہو کر بھاگ گیا ہے۔ باہر دو پولیس والے اور میرے دو گارڈز مکان کی چھت پر موجود ہیں۔ تم یہاں سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ بہتر ہے اس لڑکے کو چھوڑ دو اور اپنے آپ کو میرے حوالے کردو۔"

"یہ لڑکا اس وقت میرا زندگی کا ضمانت ہے۔" چینی نے کہا "میرا زندگی کا ضمانت بھی اور دس ہزار ڈالر کا چیک بھی۔ میں اس لڑکے کو زندہ لے جائے گا تو میرے کو دس ہزار ڈالر ملنے کا ہے اور تمہارے گارڈز۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بولا "ہمارے جانے کا بعد تم چھت سے ان کا لاشیں اٹھالینا۔"

پرتاب سنگھ چونک گیا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا سوں رب دی۔" پرتاب سنگھ بولا "اس لڑکے کو چھوڑ دو۔"

"ابھی تم میرا راستے سے ہٹ جاؤ۔" چینی نے پستول سے اشارہ کیا "اس طرف آجاؤ۔ کمرے کے اندر۔ ادھر....."

پرتاب سنگھ ابھی تک دروازے ہی میں کھڑا تھا۔ وہ اندر آگیا۔ چینی وجدان کو گردن سے پکڑے اسے کھینچتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ پستول سے اس نے پرتاب سنگھ کو زد میں لے رکھا تھا۔ خوف کی شدت سے وجدان کا چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا لگتا تھا' اس کے جسم کا سارا خون نچڑ گیا ہو۔ چینی اسے اپنے ساتھ کھینچتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ پرتاب سنگھ بھی محتاط انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا دروازے سے باہر آگیا تھا۔

چینی وجدان کو گرفت میں لیے راہداری میں الٹے قدموں چلتا ہوا عقبی دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ مکان کے پچھلی طرف وسیع لان تھا۔ کوئی کمپاؤنڈ وال نہیں تھی بلکہ دوسرے مکانوں کے لان ساتھ ملے ہوئے تھے۔ پرتاب سنگھ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ جب وہ مکان کے سامنے والے رخ پر دوسرے حملہ آور سے نبرد آزما تھا' اس وقت یہ چینی کسی طرح عقبی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا تھا۔ اسے یہ بھی اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ حملہ آور صرف دو ہی تھے۔ ایک وہ جو پرتاب سنگھ کے ہاتھوں زخمی ہو کر بھاگ گیا تھا اور ایک یہ جو چھت پر اس کے دونوں محافظوں سے نمٹنے کے بعد عقبی دروازے سے اندر داخل ہوا تھا اور اب ابھی راستے سے واپس جارہا تھا۔

چینی وجدان کو گرفت میں لیے آہستہ آہستہ الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اس کے پستول کا رخ اب بھی پرتاب سنگھ کی طرف تھا اور پرتاب سنگھ بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ ہر قیمت پر اس چینی کو روکنا چاہتا تھا لیکن ابھی تک کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی اور پھر وہ چینی کے پیچھے دیکھتے ہوئے اچانک چیخا۔

"نہیں آفیسر گولی مت چلانا۔"

اس کا یہ نفسیاتی حربہ سو فی صد کامیاب رہا تھا۔ چینی پلٹی تیزی سے پیچھے مڑا تھا۔ پرتاب سنگھ کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ کمال طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور ہوا میں اڑتا ہوا چینی کے اوپر جا گرا۔ چینی بدحواس ہوگیا۔ وجدان کی گردن پر اس کی گرفت چھوٹ گئی البتہ دوسرے ہاتھ میں پستول موجود تھا۔

پرتاب سنگھ اسے لیے ہوئے ساتھ گرا تھا۔ اس نے سب سے پہلے چینی کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اس نے چینی کی کلائی اس طرح مروڑ دی کہ پستول کا رخ دیوار کی طرف ہوگیا۔ ہاتھ پر دباؤ پڑنے سے ٹریگر دب گیا۔ گولی دیوار میں پیوست ہوگئی۔

"وجدان بھاگ جاؤ۔ کمرے میں جا کر دروازہ بند کرلو۔" پرتاب سنگھ چیخا۔

وجدان بھی اس چینی کے ساتھ ہی فرش پر گرا تھا۔ وہ اٹھ کر کمرے کی طرف دوڑا اور اندر گھس کر دھڑ سے دروازہ بند کرلیا۔

پرتاب سنگھ کے نیچے دبا ہوا چینی اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کررہا تھا لیکن پرتاب سنگھ کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ وہ اس کی کلائی کو مروڑتا چلا گیا۔ پستول کا رخ اب چینی کے سر کی طرف ہوگیا تھا اور بالآخر پستول کی نال اس کی کنپٹی سے لگ گئی۔ چینی کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی۔ وہ ٹریگر سے انگلی ہٹانے کی کوشش کرنے لگا لیکن پرتاب سنگھ نے اس کے ہاتھ کو اس طرح گرفت میں لے رکھا تھا کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ پرتاب سنگھ نے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے ہوئے زور دار جھٹکا دیا۔ ڈز کی آواز ابھری اور پستول کی نال سے نکلنے والی گولی اس کی کنپٹی میں سوراخ کرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ خون چھینٹے پرتاب سنگھ کے چہرے پر پڑے۔

"تیرا ستیاناس۔" پرتاب سنگھ نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے ہاتھ کو ایک اور جھٹکا دیا۔ چینی کے جسم میں پیدا ہونے والے ٹریگر ایک مرتبہ پھر دب گیا۔ یہ گولی بھی کھوپڑی ہی میں پیوست ہوئی تھی۔

پرتاب سنگھ اسے چھوڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ اس نے کرتے کے دامن سے اپنے چہرے سے خون کے چھینٹے پونچھے اور چینی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی کھوپڑی سے بہنے والا خون راہداری کے فرش پر بچھے ہوئے قالین کو تر کررہا تھا۔ پستول اب بھی اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔

پرتاب سنگھ مڑ کر بیڈ روم کی طرف دوڑا۔

"وجدان پتر۔ دروازہ کھول۔" وہ دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے بولا۔

چند سیکنڈ کے بعد دروازہ کھل گیا۔ وجدان سامنے کھڑا تھا۔ سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ پرتاب سنگھ نے اسے پکڑ کر اپنے ساتھ لپٹالیا۔

"اب ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ وجدان کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ "ختم ہوگیا وہ۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کچھ ہوسکتا ہے؟ تو تو بڑا بہادر لڑکا ہے۔" اس نے قالین پر پڑا ہوا اپنا پستول اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا "اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ تو اندر سے دروازہ بند کرلے اور اگر کوئی آجائے تو اڑا دینا اسے گولی سے۔ ویسے آئے گا کوئی نہیں۔ ایک بھاگ گیا۔ ایک مرگیا۔ ڈرنا مت۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"تم کہاں جارہے ہو چاچا۔" وجدان بولا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی۔

"میں چھت پر سوتر سنگھ کو دیکھنے جارہا ہوں۔ دروازہ بند کرلے۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔ اس کے باہر نکلتے ہی وجدان نے کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔

پرتاب سنگھ برآمدے میں آگیا۔ اس نے بلب جلا دیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا' دیواروں پر گولیوں کے کئی نشان تھے۔ ایک دو گملے بھی ٹوٹ گئے تھے۔ وہ برآمدے سے اٹھ کر باہر والے دروازے کی طرف لپکا۔ دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ دونوں پولیس والوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ وہ دروازہ بند کرکے اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف لپکا۔

اس کے دونوں گارڈز چھت پر پڑے ہوئے تھے۔ اس نے دونوں کو ہلا جلا کر دیکھا۔ دربار سنگھ ختم ہوچکا تھا۔ اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی گئی تھی۔ البتہ سوتر سنگھ زندہ تھا لیکن بے ہوش پڑا تھا۔ پرتاب سنگھ دوڑتا ہوا نیچے آگیا اور لاؤنج میں رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا کر پولیس کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

پولیس کو وہاں پہنچنے میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اسے بتایا گیا کہ گلی میں رہنے والے ایک اور شخص نے پولیس کو فون پر فائرنگ کی اطلاع دے دی تھی اور پولیس پہلے ہی روانہ ہوچکی تھی۔

پرتاب سنگھ فون کا ریسیور رکھ کر باہر آگیا۔ پولیس پارٹی کا انچارج انسپکٹر چیانگ شو تھا۔ اس نے آتے ہی چند پولیس والوں کو گلی میں پھیلا دیا۔ تین پولیس والوں کو اس نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔

پرتاب سنگھ اسے بتا رہا تھا کہ کس طرح وہ مکان کی چھت پر اٹھا پٹخ کی آوازیں سن کر کمرے سے باہر نکلا تھا اور جب وہ اپنے باڈی گارڈ سوتر سنگھ کو آواز دیتا ہوا برآمدے والے دروازے سے باہر آیا تو اس پر زبردست فائرنگ شروع کردی گئی۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ بچ گیا تھا۔ اگر وہ بروقت گملوں کے پیچھے چھلانگ نہ لگا دیتا تو وہ چھلنی ہوچکا ہوتا۔

"حملہ آور وجدان کو اغوا کرکے لے جانا چاہتے تھے۔" پرتاب سنگھ انسپکٹر کو بتا رہا تھا "اگر اسے قتل کرنا مقصود ہوتا تو وہ چینی اسے ساتھ لے جانے کی کوشش کرنے کے بجائے گولی مار کر ہلاک کردیتا جس کا اسے موقع بھی حاصل تھا لیکن وہ اسے زندہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس کے بدلے اسے دس ہزار ڈالر ملنے کی توقع تھی۔"

"تمہیں کیسے معلوم کہ اسے دس ہزار ڈالر ملنے والے تھے۔" انسپکٹر چیانگ شو نے اسے گھورا۔

"اس نے خود کہا تھا۔" پرتاب سنگھ بولا "مجھے اس کے الفاظ اچھی طرح یاد ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ یہ لڑکا نہ صرف یہاں سے نکلنے کے لیے اس کی زندگی کی ضمانت ہے بلکہ دس ہزار ڈالر کے چیک کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ وہ زندہ اسے ساتھ لے جائے گا تو اسے دس ہزار ڈالر ملیں گے۔"

"تمہارے خیال میں حملہ آور کون ہوسکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے ان کا تعلق کس سے ہوگا؟" انسپکٹر چیانگ شو نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دارا۔" پرتاب سنگھ نے بلا جھجک جواب دیا "اس کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔ وجدان اپنے والدین کے قتل کا چشم دید گواہ ہے۔ دارا اسے ہر قیمت پر ختم کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ بھی چاہتا ہوگا کہ وجدان کو اس کے سامنے قتل کیا جائے تاکہ اسے اطمینان ہوجائے کہ اب اس کے جرم کا چشم دید گواہ زندہ نہیں رہا اور غالباً اسی لیے اس نے وجدان کو اغوا کرانے کے لیے ان چینی قاتلوں کی خدمات حاصل کی تھیں لیکن اس کا منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکا۔"

"بات سمجھ میں آتی ہے۔" انسپکٹر چیانگ شو نے گردن ہلائی "تم نے بتایا تھا کہ تم نے چھت پر دھینگا مشتی کی آوازیں دو بجے کے قریب سنی تھیں' کیا تم اس وقت سو چکے تھے یا جاگ رہے تھے؟"

"میں اس وقت سونے کی تیاری کررہا تھا۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "بات دراصل یہ ہے کہ رات دس بجے کے قریب ہم نے ہوٹل سے کھانا منگوا کر کھایا تھا..... پھر وجدان تو تھوڑی دیر بعد سوگیا تھا لیکن میں اپنے بستر پر لیٹا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ وہ کتاب خاصی دلچسپ تھی۔ میں نے اسے ختم کرکے ہی چھوڑا۔ کتاب رکھ کر میں نے گھڑی دیکھی تھی' اس وقت دو بج چکے تھے۔" پرتاب سنگھ خاموش ہو کر باہر والے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ عابد علی کی ڈائری کا تذکرہ وہ دانستہ طور پر گول کرگیا تھا "اور ہاں۔" وہ چند

قیمت فی حصہ 50 روپے
طالوت
ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے
3 حصوں میں (مکمل)
کتابیات پبلی کیشنز
7 بلاک 23 کراچی 74200

لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "ایک اور اہم بات بتانا تو میں بھول ہی گیا۔"

"وہ کیا؟" انسپکٹر بولا "کیا اس بات کا اس واقعے سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے؟"

"بہت گہرا تعلق ہے انسپکٹر۔" پرتاب سنگھ نے کہا گزشتہ روز ہم ہوٹل سے کھانا کھا کر واپس آ رہے تھے تو ٹریفک سگنل کی وجہ سے ہمیں ایک چوراہے پر گاڑی روکنی پڑی تھی۔ وجدان میرے ساتھ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک موٹر سائیکل ہماری کار کے قریب آ کر رکی جس پر دو چینی سوار تھے۔ وجدان نے ان میں سے ایک کو پہچان لیا۔ وہ اس کے ماں باپ کے قاتلوں میں سے ایک تھا۔ اس نے پابھو پر خنجر سے وار کر کے اسے ہلاک کیا تھا۔ وجدان نے چیخ کر مجھے اس کے بارے میں بتایا تو میں جلدی سے گاڑی سے اتر آیا۔ ان چینیوں نے بھی وجدان کے چلانے کی آواز سن لی تھی اور غالباً اس شخص نے بھی وجدان کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے موٹر سائیکل ایک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھا دی اور سگنل توڑتے ہوئے نکل گئے۔ ہم نے ان کا پیچھا کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو سکے۔"

"کیا تم نے ان کے چہرے دیکھے تھے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں ان میں سے کسی کا چہرہ اچھی طرح نہیں دیکھ سکا تھا لیکن لڑکے نے انہیں پہچان لیا تھا۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔

"لڑکا کہاں ہے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"اندر کمرے میں۔" پرتاب سنگھ نے اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس سے ملتا ہوں لیکن پہلے ادھر کا معائنہ کر لیں۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا۔

وہ سب سے پہلے زینے پر سے ہوتے ہوئے چھت پر آ گئے۔ دو کانسٹیبل انسپکٹر کے ساتھ تھے۔ انسپکٹر نے جھک کر ٹارچ کی روشنی میں پہلے دربار سنگھ کو دیکھا' وہ ختم ہو چکا تھا' وہ سوتر سنگھ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ زندہ ہے۔" وہ بڑبڑایا پھر کانسٹیبلوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اسے نیچے لے چلو اور ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔"

دونوں کانسٹیبلوں نے جھک کر سوتر سنگھ کو اٹھا لیا اور نیچے لے آئے۔ انسپکٹر اور پرتاب سنگھ بھی نیچے آ گئے اور اندر داخل ہو کر راہداری میں اس چینی کی لاش کے قریب رک گئے جس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ چکے تھے۔ چہرہ خون سے تر ہو رہا تھا۔

"یہ کیسے مرا تھا۔ کیا تم نے....."

"نہیں بادشاہو۔" پرتاب سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی "یہ اپنے ہی پستول سے اپنے ہی ہاتھوں مرا ہے۔ پستول ابھی تک اس کے ہاتھ میں ہے۔"

انسپکٹر چیانگ شو جھک کر لاش کا معائنہ کرنے لگا۔ اس نے لباس کی تلاشی بھی لی تھی۔ سگریٹ کا ایک پیکٹ' لائٹر اور کچھ رقم برآمد ہوئی تھی۔ ایسی کوئی چیز نہیں ملی تھی جس سے اس کی شناخت ہو سکتی۔

پرتاب سنگھ نے دستک دے کر بیڈ روم کا دروازہ کھلوا لیا تھا۔ وجدان پستول ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی خوف کے سائے رقص کر رہے تھے۔

"پولیس آ گئی ہے۔ اب ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ لاؤ پستول مجھے دے دو۔" پرتاب سنگھ نے کہتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

وجدان نے پستول اس کے حوالے کر دیا اور خود بھی اس سے لپٹ گیا۔ پرتاب سنگھ اس کا کندھا تھپتھپانے لگا۔ کچھ دیر بعد انسپکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ وہ وجدان سے پوچھ گچھ کرنے لگا اور پرتاب سنگھ بستر کی چادر اٹھا کر باہر نکل گیا۔ اس نے چادر راہداری میں پڑی ہوئی چینی کی لاش پر ڈال دی تھی۔

انسپکٹر چیانگ شو اس چینی کے بارے میں وجدان سے مختلف سوالات کرتا رہا۔ وجدان اب بڑی حد تک اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا اور بڑے پُراعتماد لہجے میں اس کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔ اس دوران میں پرتاب سنگھ دوبارہ کمرے میں آ گیا۔

"ٹیلی فون کہاں ہے؟" انسپکٹر نے پرتاب سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دوسرے کمرے میں۔ میرے ساتھ آؤ۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔

ان کے ساتھ ہی وجدان بھی لاؤنج میں آ گیا۔ انسپکٹر نے فون کا ریسیور اٹھا کر پولیس اسٹیشن کے نمبر ڈائل کیے اور ایمبولینس اور فوٹو گرافر کو بھیجنے کی ہدایت دے کر فون بند کر دیا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی انسپکٹر۔" پرتاب سنگھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "یہاں ڈیوٹی دینے والے تمہارے دونوں کانسٹیبل کہاں غائب ہو گئے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں بھی نہیں آ سکی۔" انسپکٹر نے جواب دیا "انہیں سختی سے ہدایت تھی کہ وہ ڈیوٹی کے دوران میں غفلت نہ برتیں۔ اگر وہ ڈیوٹی چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں تو اس بے پروائی پر انہیں سخت ترین سزا دی جائے گی لیکن میں نہیں سمجھتا کہ ان سے اس قسم کی کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔"

اور پھر اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ پرتاب سنگھ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ ایک لمحہ بات کی پھر ریسیور انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا۔

"تمہارے لیے کال ہے۔"

"لیں۔ انسپکٹر چیانگ شو۔" انسپکٹر ریسیور کان میں لگاتے ہوئے بولا۔

فون پر بات کرتے ہوئے انسپکٹر چیانگ شو کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ پرتاب سنگھ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ انسپکٹر تقریباً پانچ منٹ تک چینی زبان میں بات کرتا رہا

پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور پرتاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرا اندازہ درست نکلا۔ گڑبڑ کی تصدیق ہو گئی ہے۔ وہ دونوں کانسٹیبل ڈیلن روڈ پر بے ہوش پڑے پائے گئے ہیں۔ ابھی کچھ دیر میں وہ یہاں آ جائیں گے ان سے صورتِ حال کا اندازہ ہو جائے گا۔"

"میں نے فون پر تمہاری باتوں سے کچھ اندازہ لگا لیا تھا۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔ وہ طویل عرصے سے سنگاپور میں رہ رہا تھا۔ چینی زبان اگرچہ وہ روانی سے نہیں بول سکتا تھا لیکن سمجھتا اچھی طرح تھا۔

سوتر سنگھ ابھی تک ہوش میں نہیں آ سکا تھا۔ پرتاب سنگھ کو اس کے بارے میں بھی تشویش تھی کہ وہ کہیں بے ہوشی کی حالت میں ہی اگلے جہاں کو نہ سدھار جائے۔ اس نے انسپکٹر چیانگ شو سے اپنی تشویش کا اظہار کیا تو انسپکٹر نے سوتر سنگھ کو اپنی جیپ میں ڈال کر دو کانسٹیبلوں کے ساتھ اسپتال بھجوا دیا۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ایمبولینس آئی اور فوٹو گرافر بھی پہنچ گیا۔ رات کا... اگرچہ پچھلا پہر تھا لیکن کچھ لوگ گھروں سے نکل کر گلی میں آ گئے تھے۔ کچھ لوگ تو فائرنگ کی آوازیں سن کر جاگ گئے تھے لیکن اس وقت مارے ڈر کے کوئی اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا تھا اور اب پولیس کے آنے کے بعد کچھ لوگ صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے گھروں سے باہر آ گئے تھے۔

انسپکٹر چیانگ شو اپنی نگرانی میں مختلف زاویوں سے لاشوں کی تصویریں کھنچوا رہا تھا۔ چینی کی لاش کی تصویریں کھنچوانے کے بعد اس نے لاش کے ہاتھ میں دبا ہوا پستول نکال لیا اور اسے رومال میں لپیٹ کر ایک کانسٹیبل کے حوالے کر دیا اور لاشیں اٹھانے کا حکم دے دیا۔ تقریباً اسی وقت پولیس کی ایک جیپ ان دونوں کانسٹیبلوں کو بھی لے کر آ گئی۔

ان کانسٹیبلوں کا بیان بڑا دلچسپ تھا۔ ان کے کہنے کے مطابق ڈیڑھ بجے کے قریب ایک کار وہاں آ کر رکی تھی جس میں تین نوٹیس والے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آرچرڈ روڈ پر لکی پلازا کے قریب ایک ایمرجنسی کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ پولیس نفری کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ ہم ان کے ساتھ چلیں۔ چنگ نامی کانسٹیبل نے کہا "میں نے انہیں کہا بھی تھا کہ ہماری ڈیوٹی یہاں لگائی گئی ہے۔ ہم کہیں نہیں جا سکتے لیکن ان میں سے ایک نے کہا کہ انسپکٹر چیانگ نے انہیں فوری طور پر طلب کیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ٹیلی فون پر اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ اس وقت رات کا ڈیڑھ بجا تھا۔ سردار صاحب شاید سو چکے تھے۔ چھت پر ان کے باڈی گارڈز بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ بھی شاید اونگھ گئے تھے۔ یہاں سے ٹیلی فون کرنے کے لیے سردار صاحب کو جگانا پڑتا جسے میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ کار میں آنے والی پولیس پارٹی کے سربراہ نے کہا کہ ہم چوراہے پر لگے ہوئے فون سے بات کر سکتے ہیں۔ میں نے اپنے ساتھی سے مشورہ کیا اور کار میں بیٹھ گیا۔ انہوں نے میرے ساتھی کو بھی کار میں بٹھا لیا۔ ان میں سے ایک تو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور دو پچھلی سیٹ پر ہمارے دائیں بائیں۔ ہم ان دونوں کے درمیان دب کر رہ گئے۔

"کار اسٹارٹ ہوتے ہی ان میں سے ایک آدمی نے ہمیں سگریٹ دیے۔ ہم سگریٹ کے کش لگاتے رہے۔ ان میں سے ایک نے ہمیں باتوں میں لگائے رکھا اور ہمیں احساس بھی نہیں ہوا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ شاید اس سگریٹ میں کوئی نشہ آور چیز ملی ہوئی تھی کیونکہ میرا دماغ بوجھل ہو رہا تھا۔ اعضا ڈھیلے پڑ رہے تھے اور ذہن پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔

"میرے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص نے میری رائفل لینا چاہی تو ایک لمحے کو میں چونک گیا تھا۔ اس وقت مجھے یہ احساس بھی ہوا تھا کہ ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ میں نے اس وقت مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو اس شخص نے جیب سے پستول نکال کر میرے سر پر دستے سے ضرب لگائی۔ سگریٹ کا نشہ پہلے ہی اپنا کام دکھا رہا تھا۔ پستول کی ضرب سے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا اور پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔

"مجھے ہوش آیا تو میں پولیس اسٹیشن میں تھا اور ایک پولیس والا منگ کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ہوش میں آنے کے بعد ہمیں یہاں لے آیا گیا۔"

"مسٹر پرتاب سنگھ۔" انسپکٹر نے کانسٹیبل چنگ کے خاموش ہونے پر پرتاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کارروائی باقاعدہ پلاننگ کے تحت کی گئی تھی اور ان کی تعداد پانچ تھی۔ تین آدمی دھوکے سے میرے کانسٹیبلوں کو یہاں سے ہٹا لے گئے اور دو نے اس لڑکے کو اغوا کرنے کی کوشش کی لیکن ان میں سے ایک زخمی ہو کر بھاگ گیا اور دوسرا موت کا شکار ہو گیا۔"

"میرا ایک بندہ مارا گیا اور دوسرے کے بارے میں ابھی وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" سردار پرتاب سنگھ نے کہا "لیکن کیا تمہارے آدمی اتنے بے وقوف ہیں کہ تصدیق کیے بغیر ان لوگوں کے ساتھ چل پڑے جو پولیس کی وردیاں پہن کر آئے تھے۔ کیا یہ لوگ اپنے اسٹیشن کے پولیس والوں کو نہیں پہچانتے؟"

"اس سلسلے میں انکوائری ہوگی اور ان دونوں کے خلاف محکمانہ کارروائی کی جائے گی۔ بہرحال۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "میں دوسرے کانسٹیبل یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں اور ہاں۔" وہ وجدان کی طرف متوجہ ہو گیا "بیٹا۔ یہ وہی آدمی تو نہیں تھا جس نے تمہاری ماں کو قتل کیا تھا؟" اس کا اشارہ اس چینی کی طرف تھا جس کی لاش اب اٹھائی جا چکی تھی۔

"نہیں۔ یہ وہ نہیں تھا۔" وجدان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے پرتاب سنگھ۔" انسپکٹر نے کہا "امید ہے ملزموں کا سراغ مل جائے گا اور ہم بہت جلد انہیں گرفتار کر لیں گے۔"

"دیکھیں جی۔ کیا ہوتا ہے۔" پرتاب سنگھ بولا "ویسے سوں رب دی۔ اگر وہ میرے ہاتھ لگ گئے تو انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ اگر ان میں سے کوئی نظر آجائے تو خود کوئی کارروائی کرنے کے بجائے پولیس کو مطلع کردینا۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا۔

پولیس رخصت ہوگئی۔ اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے۔ پولیس کے جاتے ہی گلی میں کھڑے ہوئے کچھ لوگ پرتاب سنگھ کے پاس آگئے اور حملہ آوروں کے بارے میں معلوم کرنے لگے۔

"اگر اتنا پتا ہوتا کہ وہ کون لوگ تھے تو اب تک ان سب کو چُن چُن کر ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔

آدھا گھنٹا لوگوں کے سوال و جواب میں گزر گیا۔ لوگ ہمدردی جتا رہے تھے اور پرتاب سنگھ کو الجھن ہو رہی تھی۔ اس کا ایک بندہ مرچکا تھا اور دوسرا اسپتال میں تھا۔ اس کے بارے میں اطلاع نہیں ملی تھی کہ وہ ہوش میں آیا تھا یا نہیں۔ وہ وجدان کو اکیلے چھوڑ کر کہیں جا بھی نہیں سکتا تھا اور نہ ہی اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس کی جان کے دشمن موقع کی تاک میں تھے اور پرتاب سنگھ نہیں چاہتا تھا کہ وجدان کو کوئی نقصان پہنچے۔

کمرے میں آکر اس کی نظر بیڈ سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی عابد علی کی ڈائری پر پڑ گئی۔ اس نے ڈائری اٹھا کر میز کی سب سے نچلی دراز میں بھرے ہوئے کاغذوں کے نیچے رکھ دی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے چاچا۔"

پرتاب سنگھ' وجدان کی آواز سن کر چونک گیا۔ وہ اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"ڈر کس بات کا پتر۔" پرتاب سنگھ نے کہا "چلو اب تم اپنے بستر پر لیٹ کر سو جاؤ۔ مجھے ابھی کچھ کام کرنے ہیں۔ ڈرنے کی کیا بات ہے۔ میں تمہارے پاس ہوں۔"

وجدان اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں تھے لیکن بہرحال تھوڑی دیر بعد وہ سو گیا۔ پلنگ کی پٹی پر بیٹھا ہوا پرتاب سنگھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس چھوٹی سی عمر میں وہ کتنے سنگین اور خوفناک حالات سے گزر رہا ہے۔ پہلے اس نے اپنے ماں باپ کا خون ہوتے دیکھا اور اب اس کے سامنے دو خون اور ہوئے تھے۔ پرتاب سوچ رہا تھا کہ جب وجدان کی کنپٹی پر پستول رکھا گیا تھا تو اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اس نے مڑ کر ایک بار پھر وجدان کی طرف دیکھا اور پھر اٹھ کر لاؤنج میں آگیا۔ بیڈ روم کا دروازہ اس نے کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔

فون کا ریسیور اٹھا کر اس نے اپنے ایک دوست کا نمبر ملایا۔ کال تقریباً ایک منٹ بعد ریسیو کی گئی تھی۔ ایک آدمی کی خوابیدہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"رب بھلا کرے۔ کون ہے بھئی تڑکے تڑکے؟"

"میں پرتاب سنگھ بول رہا ہوں دلدارا۔" پرتاب سنگھ نے کہا "یہ سونے کا ویلا نہیں ہے۔ تم جلدی سے بستر سے اٹھو اور میرے گھر آجاؤ۔ پابھو کو بھی ساتھ لیتے آنا۔ یہاں اس کی ضرورت بھی پڑے گی۔"

"پر ہوا کیا ہے؟" دلدار سنگھ نے پوچھا "سرینڈر کور کی ضرورت کیوں پڑے گی۔ تڑکے تڑکے تمہیں کیا ہوگیا ہے؟"

"بڑا ہی غضب ہوگیا ہے یار۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "چینی غنڈے عابد علی کے پتر وجدان کو اغوا کرنے آئے تھے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے مگر دربار سنگھ ان کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ سوتر سنگھ کی حالت بھی نازک ہے۔ وہ اسپتال میں ہے۔ تم دونوں جلدی سے یہاں آجاؤ۔"

"تم تو ٹھیک ہو نا!" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"اوہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بنا کٹا۔ مجھے کچھ نہیں ہوا۔ بس تم لوگ آجاؤ۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔

"ہم آرہے ہیں تھوڑی دیر میں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر لائن بے جان ہوگئی۔

پرتاب سنگھ نے کریڈل دبا کر اسپتال کا نمبر ملایا اور سوتر سنگھ کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔

"وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آسکا۔" ایک ڈاکٹر نے جواب دیا "ہوش میں آنے کے بعد ہی اس کے بارے میں کوئی بات کہی جاسکتی ہے۔"

"ویسے وہ بچ تو جائے گا نا ڈاکٹر صاحب۔" پرتاب سنگھ نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

"میں نے کہا نا کہ ہوش میں آنے کے بعد ہی کوئی بات کہی جاسکتی ہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

پرتاب سنگھ نے ریسیور رکھ دیا اور لاؤنج سے نکل کر برآمدے میں آکر کھڑا ہوگیا۔ اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ گلی میں رہنے والے جو لوگ صورتِ حال معلوم کرنے آئے تھے' وہ اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ گیٹ کے باہر وہ دو پولیس والے کھڑے چینی زبان میں باتیں کر رہے تھے جنہیں انسپکٹر چیانگ شو چھوڑ گیا تھا۔

پرتاب سنگھ ان چینی غنڈوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جنہوں نے یہ کارروائی کی تھی۔ ان کی تعداد پانچ تھی۔ ان میں سے تین دھوکے سے پولیس والوں کو لے گئے تھے اور دو نے مکان پر ہلّہ بول دیا تھا۔ ان میں سے ایک زخمی ہو کر بھاگ گیا تھا اور دوسرا مارا گیا تھا لیکن پرتاب کو حیرت تو اس بات پر تھی کہ سوتر سنگھ اور دربار سنگھ اتنی آسانی سے ان کے قابو میں کیسے آگئے تھے۔ وہ دونوں چھ چھ فٹ کے گبرو جوان تھے۔ لڑائی میں تو دو چار آدمیوں کے قابو میں نہیں آسکتے تھے لیکن دربار سنگھ کس قدر خاموشی سے اپنی گردن تڑوا بیٹھا تھا اور سوتر سنگھ ابھی تک بے ہوش پڑا تھا۔

ظاہر ہے ان چینی غنڈوں کی خدمات کرائے پر حاصل کی گئی تھیں اور ان کی پشت پر دارا کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ دارا... جو اس کے لیے اجنبی تھا۔ اس کی دشمنی عابد علی سے تھی اور عابد علی کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ اس نے عابد علی اور اس کی بیوی کو ختم کردیا تھا اور اب ان کے بیٹے کو ختم کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس کے جرم کا چشم دید گواہ تھا۔ صرف وجدان ہی اسے شناخت کرسکتا تھا اور وجدان کی گواہی اسے پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتی تھی۔ وہ ہر صورت میں وجدان کو ختم کرنا چاہتا تھا اور اس چکر میں اس نے پرتاب سنگھ سے بھی دشمنی مول لی تھی۔ پرتاب سنگھ کا ایک بندہ مارا گیا تھا اور دوسرا زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔

"تمہیں میری دشمنی مہنگی پڑے گی دارے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑایا "میں دنیا کے آخری کونے تک تمہارا پیچھا کروں گا۔ پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔"

دارا کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ دانت کچکچانے لگا۔ جبڑوں کے مسل ابھر آئے تھے۔ پہلے تو وہ اپنے جگری دوست عابد علی اور اس کی بیوی کے قتل کا انتقام لینا چاہتا تھا لیکن اب اس میں ذاتی انتقام کا عنصر بھی شامل ہوگیا تھا اور اب اس نے واقعی طے کرلیا تھا کہ وہ دارا کا پیچھا دنیا کے آخری کونے تک کرے گا۔

باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر اس کے خیالات منتشر ہوگئے۔ اس نے چونک کر گیٹ کی طرف دیکھا۔ گیٹ بند تھا لیکن اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دلدار سنگھ آیا ہوگا۔ دلدار سنگھ کی رہائش ریور ویلی روڈ پر تھی۔ عام حالات میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں پہنچا جاسکتا تھا لیکن اسے سوتے سے جگایا گیا۔ تیار ہونے میں کچھ وقت لگا ہوگا۔ اب بیس پچیس منٹ ہوچکے تھے۔ انہی کی گاڑی ہوگی اور پھر دلدار سنگھ کی آواز سن کر اس کی تصدیق ہوگئی۔ گیٹ پر متعین پولیس والے اسے روک کر سوال و جواب کر رہے تھے۔ پرتاب سنگھ نے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔

"انہیں اندر آنے دو کانسٹیبل۔" اس نے ایک کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اندر آگئے۔ پرتاب سنگھ نے گیٹ بند کردیا۔

"کیا ہوگیا بھایا۔" دلدار سنگھ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"ہونا کیا ہے۔ وہ شیطان ہاتھ دھو کر اس معصوم کے پیچھے پڑگئے ہیں۔" پرتاب سنگھ نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے کہا "آج بھی وہ اسے اٹھانے آئے تھے لیکن جب تک پرتاب سنگھ زندہ ہے' وہ اس بچے کو پر آنچ نہیں آنے دے گا۔"

"کہاں ہے وہ؟" سرینڈر کور نے پوچھا۔

"اندر کمرے میں سو رہا ہے۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "کتنا معصوم سا بچہ ہے یار۔ اس پر کیسے کیسے ظلم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔ اس روز اس کی نظروں کے سامنے اس کے ماں باپ کو بے دردی سے قتل کردیا اور آج اس کی کنپٹی پر پستول رکھ دیا۔ کیا حالت ہوئی ہوگی اس معصوم کی۔"

"اور دربار سنگھ کیسے مرا۔ سوتر سنگھ کیسا ہے؟" دلدار سنگھ نے پوچھا۔ وہ باتیں کرتے ہوئے لاؤنج میں آگئے تھے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اپنی گردن کی ہڈی کیسے تڑوا بیٹھا۔ سوتر سنگھ بھی ابھی تک بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ میں اسپتال جانا چاہتا تھا لیکن اس لڑکے کو نہ تو یہاں اکیلے چھوڑ سکتا تھا اور نہ ہی ساتھ لے جاسکتا تھا اسی لیے میں نے تم لوگوں کو بلوالیا ہے پابھو۔" وہ سرینڈر کور کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم کچن میں جاکر چائے بنالو۔ آنکھوں میں جلن اور دماغ میں دھماکے سے ہو رہے ہیں۔ ایک کپ چائے پی لوں تو پھر اسپتال جاکر سوتر سنگھ کا پتا کروں۔ ساری چیزیں کچن میں موجود ہیں' دودھ کی بوتل بھی فریج میں رکھی ہوئی ہے۔"

سرینڈر کور کچن میں چلی گئی۔ وہ تینتیس چونتیس سال کی ایک بھرپور جوان عورت تھی۔ قدلانبا اور حسن بھی خدا نے اسے جی بھر کے دیا تھا۔ وہ اس وقت شلوار قمیص پہنے ہوئے تھی۔

دلدار سنگھ کی عمر اڑتیس سال تھی۔ وہ بھی صحت مند جسم اور لمبے قد کا مالک تھا.... وہ سلیپنگ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ سر پر پگڑی نہیں تھی۔ بال سفید نیٹ میں کھوپڑی پر جوڑے کی طرح پھنسے ہوئے تھے۔ سیاہ گول داڑھی اس کے چہرے پر بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

دلدار سنگھ سے پرتاب کی دوستی بڑی پرانی تھی۔ شہر میں چلنے والی تین درجن ٹیکسیاں اور تقریباً چالیس ٹرپٹا اس کی ملکیت تھے۔ وہ یہ گاڑیاں کرائے پر چلاتا تھا۔ تقریباً بیس سال پہلے جب وہ سنگاپور آیا تھا تو اس نے کرائے پر ٹرپٹا لے کر چلانا شروع کیا تھا۔ وہ اس وقت اٹھارہ سال کا نوجوان تھا۔ کام اور محنت کا جذبہ تھا۔ وہ یہ آرزو لے کر سنگاپور آیا تھا کہ محنت کرے گا اور کمائے گا۔ اس نے واقعی محنت کی اور کمایا۔ ایک سال کی محنت سے اس نے ایک سیکنڈ ہینڈ ٹرپٹا خرید لیا پھر دوسرا پھر تیسرا۔ ٹرپٹا کے ساتھ اس نے ٹیکسیوں پر بھی ہاتھ ڈال دیا اور اب بیس سال گزرنے کے بعد وہ ٹرپٹا اور ٹیکسیوں کے حوالے سے سنگاپور کی سب سے بڑی پارٹی تھی۔ دوسرے ممالک' خاص طور پر ہندوستان سے روزگار کی تلاش میں آنے والے لوگ جب ہر طرف سے مایوس ہوجاتے تو دلدار سنگھ کے پاس آجاتے۔ وہ انہیں بغیر کسی ضمانت یا سیکیورٹی کے ٹیکسی یا ٹرپٹا کرائے پر دے دیتا۔ ویسے اس کے زیادہ تر ڈرائیور مستقل ہی تھے۔ دلدار سنگھ کی روزانہ کی آمدنی ہزاروں میں تھی۔ اس نے ریور ویلی روڈ پر ایک شان دار بنگلا بنا رکھا تھا۔

اس کی شادی بھی سنگاپور میں رہنے والی ایک سکھ فیملی میں ہوئی تھی اور یہ رشتہ کرانے میں پرتاب سنگھ کا بھی ہاتھ تھا۔ سرینڈر کور حسین ہونے کے ساتھ بڑی سگھڑ اور تعلیم یافتہ تھی لیکن خدا

نے ان دونوں کو ابھی تک اولاد جیسی نعمت سے محروم ہی رکھا تھا مگر وہ مایوس نہیں تھے۔ دلدار سنگھ کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن خدا ان کی جھولی بھی بھر دے گا۔

سریندر کور چائے بنا کر لے آئی۔ ایک کپ اس نے پرتاب سنگھ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ دوسرا اپنے شوہر کو دیا اور تیسرا خود سنبھال کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ باتیں بھی کر رہے تھے۔

"یہ پتا نہیں چلا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے عابد علی اور اس کی بیوی کو قتل کیوں کیا اور وہ ان کے بیٹے کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں؟" دلدار سنگھ نے پرتاب سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی پرانی دشمنی ہے۔" پرتاب سنگھ نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے جواب دیا۔ "انہوں نے عابد علی اور اس کی بیوی اور بیٹے کو لاہور میں بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بھاگ کر یہاں آگیا۔ یہ بارہ سال پہلے کی بات ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر عابد علی کی کہانی سنانے لگا۔ سونے والی بات وہ گول کر گیا تھا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا "بارہ سال تو سکون سے گزر گئے۔ عابد علی کا خیال تھا کہ وہ لوگ اسے بھول گئے ہوں گے لیکن موت کسی کو نہیں بھولتی۔ وہ دونوں تو ختم ہو گئے لیکن میں اس معصوم کو ان درندوں کے ہاتھ نہیں لگنے دوں گا۔ انہوں نے میرے گھر پر حملہ کر کے اور میرے بندے کو مار کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اب وہ میرے انتقام سے نہیں بچ سکیں گے۔" اس نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور خالی کپ میز پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا "اپنی گاڑی کی چابی مجھے دو۔ میں اسپتال جا رہا ہوں اور یاہو۔ تم ذرا کاکے کا خیال رکھنا۔ میں نے تڑکے تمہیں بھی تکلیف دی۔"

"نہیں بھاجی۔" سریندر کور نے جواب دیا "تکلیف کیسی۔ بندہ ہی تو بندے کے کام آتا ہے۔"

دلدار سنگھ بھی سلیپنگ سوٹ کی شرٹ سے چابیوں کا گچھا نکالتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے چابیوں کا گچھا پرتاب سنگھ کی طرف بڑھا دیا اور خود بھی اس کے ساتھ ہی چل پڑا۔

پرتاب سنگھ اس کی مرسیڈیز کار میں بیٹھ کر رخصت ہو گیا تو اس نے گیٹ بند کر دیا اور اندر آگیا۔

پانچ بج چکے تھے۔ رات کی تاریکی دن کے اجالے میں تبدیل ہونے لگی تھی۔ سڑکوں پر ابھی صرف دودھ والوں کی گاڑیوں کی آمدورفت شروع ہوئی تھی یا کوئی اِکا دُکا کار نظر آجاتی۔ پرتاب سنگھ کو سڑکیں زیادہ تر خالی ہی ملی تھیں لیکن اس کے باوجود وہ گاڑی متوسط رفتار سے چلا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مقررہ حد سے تیز گاڑی چلانا جرم تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ کوئی نہ کوئی سارجنٹ کہیں نہ کہیں ضرور چھپا کھڑا ہوگا۔ تیز رفتار گاڑی کو دیکھتے ہی وہ اپنی موٹر سائیکل پر تعاقب شروع کر دے گا۔ جس کے نتیجے میں چالان تو ہو گا ہی کچھ وقت بھی ضائع ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ اڑ کر اسپتال پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن اس نے گاڑی کی رفتار قابو میں رکھی تھی۔

میٹکلف روڈ پر واقع اسپتال پہنچنے میں اسے پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ انکوائری کاؤنٹر سے پتا چلا کہ سوتر سنگھ تیسری منزل پر ایک کمرے میں رکھا گیا ہے۔ پرتاب سنگھ کمرہ کا نمبر دریافت کر کے تیسری منزل پر پہنچ گیا۔ وہ جیسے ہی ایک راہداری میں مڑا، چند گز آگے دو پولیس والوں کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس کا مطلوبہ کمرا وہی ہے جس کے سامنے پولیس والے کھڑے تھے اور ان پولیس والوں نے اسے کمرے میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

"اوئے وہ میرا مترہے۔ تم مجھے اندر جانے سے کیسے روک سکتے ہو۔" پرتاب سنگھ نے پولیس والے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر چیانگ شو کی اجازت کے بغیر تم اندر نہیں جا سکتے۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"کہاں ہے انسپکٹر چیانگ شو۔ اسے بتاؤ سردار پرتاب سنگھ آیا ہے۔" پرتاب نے کہا۔

کانسٹیبل نے پہلے اسے گھور کر دیکھا پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ اس کی واپسی میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس نے پرتاب سنگھ کو اندر جانے کا اشارہ کر دیا۔

کمرے میں انسپکٹر چیانگ شو کے علاوہ سادہ لباس میں ہولی سائیڈ کا ایک آفیسر بھی موجود تھا۔ بیڈ کے دوسری طرف ایک ڈاکٹر کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ ایک نرس بھی تھی۔

سوتر سنگھ بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ وہ ہوش میں تھا مگر اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت تھی۔ اسے دیکھ کر پرتاب سنگھ جلدی سے آگے بڑھا مگر انسپکٹر چیانگ شو نے اسے روک لیا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

پرتاب سنگھ تڑپ کر رہ گیا۔ وہ بیڈ کے قریب سوتر سنگھ کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ سوتر سنگھ نے اس کی طرف دیکھا بھی تھا لیکن اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ شناسائی کی رمق بھی نظر نہیں آئی تھی۔ بیڈ پر جھکا ہوا ڈاکٹر سوتر سنگھ سے بار بار کچھ پوچھ رہا تھا لیکن اس نے کسی بات کا جواب نہیں دیا بلکہ وحشت زدہ کی نظروں سے باری باری ان سب کی طرف دیکھتا رہا۔

"سوری آفیسر۔" ڈاکٹر سیدھا ہوتے ہوئے بولا "ابھی تم اس کا بیان نہیں لے سکتے۔ مجھے اندیشہ ہے اس کی یادداشت اور قوتِ گویائی متاثر ہوئی ہے۔"

"کیا....؟" پرتاب سنگھ کانپ اٹھا اور پھر وہ ڈاکٹر اور انسپکٹر کی پروا کیے بغیر آگے بڑھا اور سوتر سنگھ کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔ "تم بولتے کیوں نہیں سوتر سنگھ۔ میری طرف دیکھو۔ مجھے پہچانو میں پرتاب سنگھ ہوں۔ دیکھو۔ مجھے غور سے دیکھو.... پہچانو مجھے....

سوتر سنگھ کے چہرے پر کرب کے تاثرات ابھر آئے۔ پرتاب سنگھ نے اسے بری طرح جھنجوڑ ڈالا تھا۔ اس نے پرتاب سنگھ کی طرف دیکھا لیکن اس کی آنکھوں میں اجنبیت تھی۔ اس کے ہونٹوں کو بھی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

انسپکٹر چیانگ شو نے آگے بڑھ کر پرتاب سنگھ کو بازو سے پکڑ کر پیچھے ہٹالیا۔ اب پرتاب سنگھ، سوتر سنگھ کو اس طرح خاموشی سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی اپنی قوتِ گویائی سلب ہو گئی ہو۔ سوتر سنگھ کے بارے میں ڈاکٹر کے سنسنی خیز انکشاف سے اس کے حواس پر بجلی سی گری تھی۔

"مسٹر پرتاب سنگھ۔" انسپکٹر چیانگ شو نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا "ہوش میں آؤ پرتاب سنگھ۔ ہو سکتا ہے شدید صدمے کی وجہ سے وقتی طور پر اس کے حواس مختل ہو گئے ہوں اور بولنے کی سکت نہ رہی ہو۔ تم اپنے آپ کو سنبھالو۔"

"کیا یہ ٹھیک ہو جائے گا ڈاکٹر!" پرتاب سنگھ نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا "کیا انسپکٹر ٹھیک کہہ رہا ہے؟"

"ہاں۔ تمہارے آنے سے پہلے ہم یہی بات کر رہے تھے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا "یہ تقریباً ایک گھنٹا پہلے ہوش میں آیا ہے۔ عین ممکن ہے کچھ وقت گزرنے کے بعد اس کی قوتِ گویائی اور یادداشت بحال ہو جائے۔ بہرحال، چند ٹیسٹ ہوں گے۔ اس کے بعد ہی کوئی حتمی بات بتائی جا سکے گی۔"

"اس کی زندگی کو تو کوئی خطرہ نہیں؟" پرتاب سنگھ نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس کی زندگی محفوظ ہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"لیکن اس زندگی کا کیا فائدہ۔" پرتاب سنگھ بولا "نہ یہ بول سکے گا نہ کسی کو پہچان سکے گا۔ اسے تو اپنی پہچان بھی نہیں رہے گی۔ اسے تو یہ بھی پتا نہیں ہو گا کہ یہ خود کون ہے۔"

"مایوس نہ ہوں مسٹر پرتاب۔" ڈاکٹر نے کہا "ہم پوری کوشش کریں گے کہ اس کی قوتِ گویائی اور یادداشت لوٹ آئے۔"

"میں اس کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں ڈاکٹر۔ میں اپنی ساری دولت لٹا دوں گا۔ اسے....."

"حوصلہ رکھو مسٹر پرتاب۔" انسپکٹر چیانگ شو نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "یہاں کھڑے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آؤ باہر چلیں۔"

ہولی سائیڈ آفیسر بھی ان کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

"کوئی امپروومنٹ ہو تو مجھے فوراً اطلاع دینا ڈاکٹر۔" انسپکٹر چیانگ شو نے ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پرتاب سنگھ کے ساتھ کمرے سے باہر آگیا۔ اس نے دروازے پر متعین پولیس کانسٹیبلوں کو سختی سے ہدایت کی کہ اس کی اجازت کے بغیر کسی بھی غیر متعلق شخص کو کمرے میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔

وہ اسپتال کی عمارت سے باہر آکر لان میں کھڑے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس وقت دھوپ نکل آئی تھی۔ پرتاب سنگھ کی آنکھوں میں جیسے مرچیں سی بھر گئی تھیں اور دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔

"اب تم گھر جاؤ پرتاب سنگھ۔" انسپکٹر چیانگ شو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا "میرا خیال ہے دربار سنگھ کی آخری رسومات بھی تمہیں ہی ادا کرنی ہوں گی اور اس سلسلے میں تمہیں انتظامات بھی کرنے ہیں۔"

"میرے سوا ان کا یہاں ہے بھی کون۔" پرتاب سنگھ گہرا سانس لیتے ہوئے افسردہ لہجے میں بولا "ان دونوں کے خاندان تو ہندوستان میں ہیں۔ میں ٹیلی فون پر دربار سنگھ کے گھر والوں کو اطلاع دے دیتا ہوں۔ اس کی ڈیڈ باڈی امرتسر بھجوانی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پولیس کی طرف سے کاغذات تیار کر کے کسی کانسٹیبل کے ہاتھ بھجوا دوں گا۔ تم اسپتال سے ڈیڈ باڈی منگوا لینا اور اپنا خیال رکھنا۔ تم پر بہت سی ذمے داریاں آن پڑی ہیں۔ تمہیں اس بچے کا بھی خیال رکھنا ہو گا جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے۔ میں اس کی حفاظت کے لیے مزید انتظامات کروں گا۔ جاؤ اب تم گھر جاؤ۔"

پرتاب سنگھ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اب کوئی مائی کا لعل کاکے تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

وہ انسپکٹر چیانگ شو سے ہاتھ ملا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔

○☆○

شہر کے مرکز سے دور صوفیہ روڈ کی ایک بغلی گلی میں واقع اس خوب صورت بنگلے کے ایک کمرے میں تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ تینوں چینی تھے۔ ان میں ایک تو بہت دبلا پتلا تھا۔ قد بھی چھ فٹ سے کچھ نکلتا ہوا تھا۔ انڈے کے چھلکے کی طرح بالکل صاف اور چکنا سر، موٹی موٹی آنکھیں جن میں ہلکی سی نیلاہٹ تھی۔ بھویں گھنی، خم دار اور درمیان میں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ وہ کلین شیو تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب رہے گا کہ اس کے چہرے پر قدرتی طور پر بال تھے ہی نہیں اور اسے کبھی شیو بنانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اس کے ہاتھ بہت دبلے پتلے اور انگلیاں لمبی اور مخروطی تھیں۔ ناک بھی کھڑی اور پتلی سی تھی۔ ہونٹوں پر سرخی نظر آرہی تھی۔ وہ شخص اس قدر دبلا پتلا تھا کہ گمان ہوتا تھا جیسے بانس پر کھال منڈھ دی گئی ہو۔

دوسرے دونوں آدمی متوسط قد و قامت کے مالک تھے۔ ان میں ایک تو قدرے بھاری بھرکم تھا اور دوسرا پہلے آدمی کی طرح دبلا پتلا۔ ان کے نقوش بھی عام چینیوں جیسے ہی تھے۔ بھاری بھرکم آدمی کے سر کے بال قدرے لمبے تھے اور گردن پر بکھرے ہوئے تھے۔ الجھے ہوئے بالوں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے کبھی کنگھا کرنا نصیب نہ ہوا

ہو۔ ان دونوں نے جینز اور سینڈوکٹ دھاری دار ٹی شرٹس پہن رکھی تھیں۔ ان کا تیسرا ساتھی جو بانس کی طرح قد آور تھا براؤن چمڑے کی جیکٹ پہنے ہوئے تھا جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور اس کا بالوں سے بے نیاز سینہ برہنہ ہو رہا تھا۔ اس نے براؤن رنگ ہی کی پینٹ پہن رکھی تھی جس کے ٹخنے پر کھنچے ٹخنوں سے چند انچ اوپر پنڈلیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ اس کے بائیں ہاتھ کی کلائی میں اسٹین لیس اسٹیل کا ایک کڑا نظر آ رہا تھا۔

اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ چمڑے کی جیکٹ والا وہ دراز قامت چینی بار بار دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کو دیکھ رہا تھا۔

"ایک گھنٹا ہو چکا ہے۔ اب تک انہیں آ جانا چاہیے تھا۔" وہ شخص اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ انداز بڑبرانے والا تھا۔

"کوئی گڑبڑ نہ ہو گئی ہو مسٹر کم۔" فربہ اندام چینی نے کہا۔

"تم لوگوں نے ان کانسیلوں کو کہاں چھوڑا تھا؟" دراز قامت کم بولا "وہ بے ہوش بھی ہوئے تھے یا نہیں؟"

"بے ہوش تو وہ ایسے ہوئے تھے کہ صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکیں گے۔" اس شخص نے جواب دیا "انہیں ہم نے ڈیلن روڈ پر ایک خالی پلاٹ پر جھاڑیوں میں پھینک دیا تھا اور میرا خیال ہے وہ صبح سے پہلے کسی کی نظروں میں بھی نہیں آ سکیں گے۔ ان کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔"

"پولیس کی وردیوں کا کیا کیا تم نے؟" مسٹر کم نے پوچھا۔

"وردیاں اتار کر ہم نے گاڑی ہی میں ڈال دی تھیں۔" اس شخص نے جواب دیا "وہ گاڑی ہم نے پلازا سنگاپور کے قریب سے چوری کی تھی۔ ہو فانگ وہ گاڑی چھوڑنے گیا ہے۔ وہ گاڑی کسی بھی ویران جگہ پر چھوڑ کر اپنے گھر چلا جائے گا۔ اس کی بیوی بیمار ہے۔ وہ تو ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہی نہیں تھا لیکن بیوی کے علاج کے لیے اسے پیسوں کی ضرورت ہے اس لیے وہ آمادہ ہو گیا تھا۔"

"تمہارے خیال میں اگر سب ٹھیک ہے تو چانگ اور تھانگ چو ابھی تک کیوں نہیں آئے۔" کم بولا۔

"ایسے کاموں میں تھوڑی بہت تاخیر تو ہو ہی جاتی ہے۔ مسٹر کم۔" اس شخص نے جواب دیا۔ وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی "میرا خیال ہے وہ لوگ آ گئے۔" ڈوئے تھانگ نامی وہ بھاری بھرکم شخص اٹھ کر کھڑا ہو گیا "میں دیکھتا ہوں۔"

ڈوئے تھانگ کمرے سے نکل کر راہداری میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا برآمدے والا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ باہر کسی گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ ڈوئے تھانگ تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے باہر کا دروازہ کھول دیا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے چونک جانا پڑا۔ کار سے اترنے والا چینی لڑکھڑاتا ہوا بیچلے کے گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے دایاں ہاتھ بائیں کندھے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔

"اے چانگ۔ کیا ہوا۔ تھانگ چو کہاں ہے اور وہ لڑکا کہاں ہے۔" ڈوئے تھانگ تیزی سے آگے بڑھا۔

"گڑبڑ ہو گئی۔" چانگ نے کراہتے ہوئے جواب دیا "مجھے گولی لگی ہے۔ شاید ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچا ہوں۔"

ڈوئے تھانگ' چانگ کو سہارا دے کر اندر لے آیا۔ روشنی میں اس نے چانگ کی طرف دیکھا تو بری طرح بدحواس ہو گیا۔ چانگ کے کپڑے خون سے تر ہو رہے تھے۔ اس کا ہاتھ بھی خون سے لتھڑا ہوا تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس کے چہرے پر مردنی کے آثار تھے۔ ڈوئے تھانگ اسے سہارا دے کر کمرے کے اندر لے آیا۔ سامنے صوفے پر بیٹھا ہوا مسٹر کم اسے دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا دوسرا ساتھی ہو انگ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ گیا تھا۔ چانگ کی حالت دیکھ کر اس کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی تھی۔

"ہوں۔" دراز قامت مسٹر کم' چانگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کی بھویں سکڑ گئی تھیں "تمہاری حالت تم لوگوں کی ناکامی کی داستان سنا رہی ہے۔ تھانگ چو کہاں ہے؟"

"اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں مسٹر کم۔" چانگ نے کراہتے ہوئے جواب دیا "ہمارا اندازہ غلط نکلا۔ مکان کے اندر تین چار آدمی تھے جنہوں نے ہم پر فائر کھول دیا۔ مجھے پتا نہیں تھانگ چو زندہ ہے یا مارا گیا۔ مجھے گولی لگی ہے۔ پلیز ڈاکٹر کو بلاؤ مسٹر کم۔"

"ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا علاج تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ شاید تم بھول گئے ہو کہ میں بھی ایک کوالیفائڈ فزیشن اور سرجن ہوں۔ ایک غیر قانونی آپریشن کی وجہ سے مجھے اسپتال کی ملازمت سے نکال دیا گیا لیکن اسپتال سے نکالے جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے اندر وہ تمام صلاحیتیں ختم ہو چکی ہوں۔ تمہارا علاج میں زیادہ بہتر طور پر کر سکتا ہوں لیکن پہلے مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟" مسٹر کم نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"ہم پروگرام کے مطابق ڈوئے تھانگ وغیرہ کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہاں پہنچے تھے۔" چانگ نے کراہتے ہوئے جواب دیا "پولیس والوں کو اگرچہ وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا لیکن ہمیں معلوم تھا کہ پرتاب سنگھ کے دو گارڈز چھت پر بیٹھے رہتے ہیں۔ میں مکان کے سامنے والے رخ سے آگے بڑھا اور تھانگ چو مکان کے پچھلی طرف چلا گیا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد اس نے مجھے مکان کی چھت پر سے سگنل دیا۔ وہ گارڈز پر قابو پا چکا تھا۔ میں دیوار پر چڑھ کر کمپاؤنڈ کے اندر پہنچ گیا۔ پروگرام کے مطابق مجھے سامنے والے رخ سے اور تھانگ چو کو مکان کے عقبی دروازے سے اندر داخل ہونا تھا۔ ہمارے خیال میں اب مکان کے اندر پرتاب سنگھ اور اس کے سوا کسی کو نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن ہمارا اندازہ غلط نکلا۔ مکان کے اندر پرتاب سنگھ کے علاوہ کم از کم دو آدمی اور تھے۔ انہیں کسی طرح ہماری موجودگی کی خبر ہو گئی۔ ایک آدمی نے برآمدے والے دروازے سے فائرنگ شروع کر دی' جواب میں' میں نے بھی فائر کھول دیا۔ میں اس وقت درخت کی آڑ میں تھا۔ اپنی پوزیشن بدلنے کے لیے درخت کی آڑ سے نکلا تو ایک گولی کی زد میں آ گیا۔ شاید ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ میں بڑی مشکل سے وہاں سے نکل سکا ہوں۔"

"تم صرف اپنی جان بچا کر بھاگے۔" مسٹر کم نے اسے گھورا اور کمرے میں رکھی ہوئی میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھ گیا "تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ تمہارا ساتھی کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے تو اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہو گی۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے ہر قیمت پر وہ لڑکا چاہیے لیکن تم اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکے اور بزدلوں کی طرح وہاں سے بھاگ آئے اور اب ایک جھوٹی کہانی سنا کر مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو۔ جانتے ہو مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے۔ میں ایسے لوگوں کو بھی پسند نہیں کرتا جو اپنی کمزوریاں چھپانے کے لیے اپنے ساتھیوں کو بھی دھوکے میں رکھنے کی کوشش کریں۔"

"مم.... میں نے جھوٹ نہیں بولا مسٹر کم!" چانگ کا چہرہ دھواں ہو گیا "وہاں واقعی تین چار آدمی تھے جن کی وجہ سے مجھے زخمی ہو کر پسپائی اختیار کرنی پڑی۔"

"تم جانتے ہو میں پلانگ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔" مسٹر کم نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "میں نے آج پورا دن ان لوگوں کی نگرانی کرائی تھی۔ وہ لڑکا گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ ایک آدمی پرتاب سنگھ کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس سے ایک حماقت ہو گئی تھی۔ وہ سمجھا تھا کہ میں پرتاب سنگھ کو اٹھوانا چاہتا ہوں۔ وہ موقع پا کر پرتاب سنگھ کی گاڑی میں چھپ گیا اور اس نے پستول کے زور پر پرتاب سنگھ کو اغوا کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اور اسے اپنی جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ اس کے بعد پرتاب سنگھ سیدھا اپنے گھر گیا تھا۔ انہوں نے کھانا بھی ہوٹل سے منگوا کر گھر ہی میں کھایا تھا۔ اس کے بعد نہ ان میں سے کوئی گھر سے باہر گیا تھا اور نہ ہی کوئی ان کے ہاں آیا تھا اور تم بتا رہے ہو کہ مکان کے اندر پرتاب سنگھ کے علاوہ بھی دو تین آدمی موجود تھے۔ تم جھوٹ بول کر اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے مسٹر چانگ۔"

مسٹر کم نے خاموش ہو کر میز کی دراز کھولی اور اس میں رکھا ہوا پستول نکال لیا۔ پستول کی نال پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر چانگ کانپ اٹھا۔

"مم.... میں سچ کہتا ہوں مسٹر کم۔" چانگ گھگیایا "تم تھانگ چو سے پوچھ لینا۔ وہ میری بات کی تصدیق کر دے گا۔"

"وہ زندہ ہو گا تو تمہاری بات کی تصدیق کرے گا نا۔" مسٹر کم نے کہا "اگر وہ زندہ ہوتا تو تم سے پہلے یہاں پہنچ چکا ہوتا۔ پرتاب سنگھ اتنا بے وقوف نہیں ہے۔ اس نے تھانگ چو کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہو گا اور تم.... تمہارے لیے اب میرے پاس کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ تم جیسے جھوٹے اور بزدل آدمی کی تو اس دنیا ہی میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"مجھے معاف کر دو مسٹر کم۔" چانگ گڑگڑایا "ڈاکٹر کو بلا دو پلیز میں ٹھیک ہو جاؤں تو اپنی اس کوتاہی کی تلافی کر دوں گا۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ میں تمہارا علاج کسی اور ڈاکٹر سے بہتر کر سکتا ہوں۔" مسٹر کم نے کہا اور پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔

چانگ اب بھی گڑگڑا رہا تھا۔ مسٹر کم نے ٹریگر دبا دیا۔ سنک کی ہلکی سی آواز ابھری اور پستول سے نکلنے والی گولی چانگ کی پیشانی میں پیوست ہو گئی۔ چانگ کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی خوف ناک تھی۔ وہ کھڑے کھڑے لہرایا اور پھر دھڑام سے نیچے گر گیا۔ اس کی پیشانی سے بہنے والی خون کی دھار اس کے چہرے اور گردن کو تر کرتی ہوئی قالین میں جذب ہونے لگی۔

"تمہیں اتنی جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے تھا مسٹر کم۔" ڈوئے تھانگ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ چانگ کا انجام دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے "تھانگ چو سے اس کی بات کی تصدیق تو کر لیتے۔"

"کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔" مسٹر کم نے اسے گھورا "میری اس بات کا یقین کر لو کہ تھانگ چو اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ اگر تم چاہو تو خود وہاں جا کر اس امر کی تصدیق کر سکتے ہو اور ہاں.... اس کی لاش کو اٹھا کر یہاں سے دور کسی ویرانے میں پھینک آؤ۔ لاش اٹھانے سے پہلے اس کے لباس کی تلاشی لے لینا۔ جیبوں میں ایسی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے جس سے اس کی شناخت ہو سکے اور تم لوگ بھی اپنے اپنے ٹھکانوں تک محدود رہو گے۔ مجھے کسی وقت تم لوگوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" اس نے پستول میز کی دراز میں رکھ دیا اور اندرونی دروازے میں داخل ہو کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

ڈوئے تھانگ نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا پھر دونوں نے جھک کر چانگ کی لاش اٹھائی اور باہر چلے گئے۔

مسٹر کم دوسرے کمرے میں آ کر ایک صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس کے چہرے پر تھکن اور بیزاری کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کا سارا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ اس نے دارا سے اس لڑکے کو اغوا کرانے کے پچاس ہزار ڈالر لیے تھے لیکن چانگ اور تھانگ چو کی کسی حماقت کی وجہ سے اس کا یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ نجانے اسے یہ یقین کیوں تھا کہ تھانگ چو بھی زندہ نہیں بچا ہو گا۔

مسٹر کم سوچ رہا تھا کہ اگر اس کا یہ منصوبہ کامیاب ہو گیا ہوتا تو اس کے لیے آگے کے راستے کھل سکتے تھے۔ دارا سے اس کی

ملاقات اگرچہ چند روز سے زیادہ پرانی نہیں تھی لیکن ان چند دنوں میں ہی اس نے دارا کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کرلی تھیں۔ دارا یہاں کی ایک اور پارٹی سے مل کر پاکستان سے سنگاپور کے راستے سفید پاؤڈر کی اسمگلنگ کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ وہ پانی کی طرح دولت بہا رہا تھا۔ دوسری پارٹی مقامی ہی تھی۔ کم مسٹر ہوئے کو نے کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بظاہر ایک نائٹ کلب کا مالک تھا لیکن اس کا اصل بزنس منشیات کی اسمگلنگ تھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک گولڈن ٹرائی اینگل کی ایک دو پارٹیوں سے اس کے تعلقات تھے جن کی شراکت سے اس نے بہت کمایا تھا لیکن چند مہینے پہلے وہ دوسری پارٹی کے ایک ایجنٹ کے ہمراہ بنکاک میں پولیس کے نرغے میں آگیا تھا۔ اس وقت ان کے پاس تقریباً دو ملین ڈالر کا مال تھا۔ دوسری پارٹی کا ایجنٹ پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ کم بال بال بچا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی تھی۔ اسے دو ملین ڈالر کا وہ مال بہرحال چھوڑنا پڑا تھا۔

اس واقعے کے بعد دوسری پارٹی کے سربراہ سے اس کے تعلقات بگڑ گئے تھے۔ وہ امریکن ڈرگ مافیا کا ایک بہت بڑا ڈان تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کم نے مال ہضم کرنے کے لیے یہ ڈراما کھیلا تھا۔ کم خود بھی بے حد خطرناک اور سفاک آدمی تھا لیکن ڈان کے خوف سے وہ چھپتا پھر رہا تھا۔ اس نے ایک اور آدمی کو بیچ میں ڈالا جس نے امریکی ڈان کو یہ یقین دہانی کرادی کہ اس معاملے میں کم بالکل بے قصور تھا۔ وہ خود بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا تھا۔ امریکی مافیا کے ڈان نے اپنے طور پر بھی اس معاملے کی تحقیقات کرائی تھیں۔ یہ تو ثابت ہوگیا تھا کہ کم نے اس کے خلاف کوئی سازش نہیں کی تھی لیکن وہ سمجھتا تھا کہ اسے دو ملین ڈالر کا یہ نقصان کم کی غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس نے کم کو معاف تو کردیا لیکن اس سے کاروباری تعلقات ختم کرلیے تھے۔

اس واقعے کے بعد کم اکیلا رہ گیا۔ اس کی ساکھ ختم ہوگئی تھی۔ اس پر لوگوں کا اعتماد ڈانواں ڈول ہوگیا۔ بڑی پارٹیاں اس سے دور ہی رہنے لگیں۔ چھوٹی پارٹیوں سے اتنا پیسہ نہیں مل رہا تھا۔ کم جرائم کی دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ وہ چھوٹے چھوٹے کام کرنے لگا اور پھر اسے ایک مڈل مین کے ذریعے دارا کے بارے میں معلوم ہوا۔ وہ مڈل مین بمبئی کا ایک ہندو نارائن پرکاش تھا۔ کم اسے بہت عرصے سے جانتا تھا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر اگرچہ بمبئی ہی تھا لیکن وہ اکثر و بیشتر سنگاپور آتا رہتا تھا۔ تقریباً تین ہفتے پہلے کم سے اس کی ملاقات ہوئی تھی اور اس نے اسے دارا سے ملا دیا تھا۔

دارا کی باتوں سے کم کو اندازہ ہوگیا کہ وہ اس کے لیے اوپر چڑھنے کا ایک زینہ ثابت ہوسکتا ہے۔ دارا آسٹریلیا کو مال سپلائی کرنے کے لیے سنگاپور کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنانا چاہتا تھا اور یہاں اسے کم جیسے آدمیوں کی ضرورت تھی۔

"لیکن اس سے پہلے میں تم سے ایک اور کام لینا چاہتا ہوں۔" دارا نے کہا تھا۔

"وہ کیا.....؟" کم نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہمارا ایک پرانا دشمن ہے جو آج کل سنگاپور میں موجود ہے۔" دارا نے کہا "بارہ سال پہلے وہ پاکستان سے بھاگ کر یہاں آگیا تھا۔ اس کی وجہ سے ہمیں کروڑوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ہم اسے تلاش کرتے رہے لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ وہ سنگاپور میں موجود ہے۔ اس کی موجودگی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے اس لیے کام شروع کرنے سے پہلے اسے راستے سے ہٹانا ضروری ہے اور یہ کام تم کرسکتے ہو۔"

"وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟" کم نے پوچھا۔

دارا نے اسے عابد علی، اس کی بیوی اور بچے کے بارے میں بتا دیا پھر بولا "ان تینوں کا ختم ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی بچ گیا تو ہمارے لیے مستقل خطرہ بنا رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" کم نے کہا "تم چند روز میں ان کے بارے میں سن لوگے کہ اب اس دنیا میں ان کا وجود نہیں رہا۔"

اور پھر کم نے دو چار آدمی جمع کرلیے۔ ایک آدمی کے ذریعے وہ عابد علی کی نگرانی کراتا رہا۔ اس کے معمولات کا جائزہ لینے کے بعد وہ موقع کی تاک میں رہنے لگا اور پھر اس روز وہ دارا کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے ایک آدمی نے اطلاع دی کہ عابد علی اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ ہوٹل ہالی ڈے ان میں بیٹھا کھانا کھا رہا ہے۔ کم فوراً ہی اٹھ گیا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" دارا بھی تیار ہوگیا "میں اپنے پرانے دشمن کو اپنی آنکھوں کے سامنے ختم ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

اور پھر وہ لوگ ایک کار میں بیٹھ کر ہوٹل ہالی ڈے ان کی طرف روانہ ہوگئے۔ کار میں ایک آدمی پہلے سے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ یورپین تھا۔

وہ لوگ ہوٹل کے باہر کار میں بیٹھے انتظار کرتے رہے اور جب عابد علی اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ ایک ٹیکسی میں بیٹھا تو ان کی کار اس کے تعاقب میں لگ گئی اور جب عابد علی اپنے مکان کے سامنے ٹیکسی سے اتر کر ڈرائیور کو کرایہ ادا کررہا تھا تو ان کی کار وہاں پہنچ گئی۔ دارا سب سے پہلے کار سے اترا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ کم اس وقت ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھے رہنا ہی مناسب سمجھا۔ البتہ اس کے ساتھی نیچے اتر کر عابد علی اور اس کی بیوی پر جھپٹ پڑے تھے۔

اور جب ایک اور کار گلی میں داخل ہوئی تو وہ لوگ انہیں چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ کم اور دارا کا خیال تھا کہ ان کے آدمیوں نے عابد علی اور اس کی بیوی کے ساتھ ان کے بچے کو بھی ختم کردیا ہوگا

لیکن اگلے روز اخبار میں خبر پڑھ کر کم سناٹے میں آگیا۔ عابد علی کا بچہ زندہ بچ گیا تھا۔ وہ اس واردات کا چشم دید گواہ تھا۔ اس نے انہیں پہچان لیا تھا۔ وہ ان میں سے کسی کو شناخت بھی کرسکتا تھا۔ اس لڑکے نے پولیس کو دارا کا نام بھی بتایا تھا۔

دارا کم پر برس پڑا۔

"اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوسکتی ہے۔" وہ چیخا "وہ لڑکا میرے لیے مستقل خطرہ بنا رہے گا۔ اس نے پولیس کو میرا نام بھی بتا دیا ہے۔ اگر میرا چہرہ دیکھا ہوتا تو حلیہ بھی بتا دیتا۔"

"وہ لڑکا صرف تمہارے لیے نہیں میرے لیے بھی خطرہ ہے۔" کم نے جواب دیا "میں تو گاڑی میں بیٹھا رہا تھا۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا لیکن اس نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ جس چینی نے اس کی ماں پر خنجر سے وار کیے تھے، اسے دوبارہ دیکھے گا تو پہچان لے گا۔ اگر اس نے چی فانگ کو نہیں دیکھ کر پہچان لیا تو پولیس اس کے ذریعے مجھ تک بھی آسانی سے پہنچ جائے گی۔"

"تو پھر ختم کردو اس سپولئے کو۔" دارا چیخا "اس کی زندگی ہماری موت کا پیغام ہے۔ وہ جب تک زندہ ہے ہم یہاں اپنا کام بھی شروع نہیں کرسکتے۔ جتنی جلد ممکن ہوسکے ختم کردو اسے۔"

اور کم، وجدان کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے ایک بار پھر موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔ پولیس نے اس کی حفاظت کا بندوبست کر رکھا تھا۔ دو مسلح کانسٹیبل چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ موجود رہتے تھے۔ پرتاب سنگھ کے دو گارڈز بھی سائے کی طرح اس کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ کم کو کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔

اور پھر اس نے وہ منصوبہ بنایا لیکن اس کے آدمی ہی بودے نکلے تھے۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ احتیاط اور عقل مندی سے کام لیتے تو یہ منصوبہ کامیاب ہوسکتا تھا۔ چاقو زخمی ہونے کے بعد بزدلوں کی طرح بھاگ کر یہاں آگیا تھا اور اس نے ایک جھوٹی کہانی سنا کر کم کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کم جانتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اور اسے دھوکا دینے کی کوشش کررہا ہے۔ اپنا آدمی تو اس کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ جبکہ تھانگ چو کے بارے میں بھی اسے یقین تھا کہ وہ مارا جاچکا ہے۔

کم اس وقت یہی سب کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کے شاندار مستقبل کا دارومدار اس بات پر تھا کہ وہ عابد علی کے بیٹے کو ختم کردے۔ بات اس لڑکے کو ختم کرنے کی ہوتی تو اسے دور سے بھی گولی ماری جاسکتی تھی یا اس مکان کو بم سے اڑایا جاسکتا تھا لیکن گزشتہ رات دارا نے کہا تھا کہ وہ اس لڑکے کو زندہ اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہے اور آج کا منصوبہ وجدان کو اغوا کرنے کے لیے ہی بنایا گیا تھا جو ناکام رہا تھا۔

کم کی ساری زندگی جرائم کے اندھیروں میں گزری تھی۔ ابتدا میں اس نے چھوٹے چھوٹے جرائم کیے تھے۔ اس میدان میں اس کے قدم جمتے چلے گئے۔ اس نے کرائے کے قاتل کی حیثیت سے بھی کام کیا تھا۔ اسے اب یاد نہیں تھا کہ وہ کتنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ اس کا نام دہشت کی علامت بن گیا تھا پھر وہ منشیات کی اسمگلنگ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس دھندے میں اس نے خوب کمایا تھا۔ بعض انٹرنیشنل گروہوں سے تعلقات بھی استوار ہوگئے تھے لیکن بنکاک میں پیش آنے والے واقعے کے بعد اس کی ساکھ ختم ہوگئی تھی۔ وہ تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا تھا اور اب اسے دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا موقع مل رہا تھا۔

کم اچھی طرح جانتا تھا کہ گولڈن ٹرائی اینگل کے بعد منشیات کی پیداوار کے حوالے سے پاکستان دوسرے نمبر پر تھا۔ یہاں منشیات کے چند ایسے اسمگلر بھی تھے جو امریکا کی ڈرگ مافیا سے بھی زیادہ طاقت ور تھے۔ ان کا مال دنیا کے کونے کونے میں پہنچ رہا تھا۔ بعض نام تو ایسے تھے جنہوں نے امریکا جیسی سپر پاور کو بھی جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ امریکا کی بعض ایجنسیوں کے ایجنٹ ان کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ امریکا انہیں گرفتار کرنا چاہتا تھا لیکن امریکی ایجنٹ ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے تھے۔ ان کی طاقت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا تھا کہ پاکستان کی حکومت بھی ان کے سامنے بے بس تھی۔

نارائن پرکاش کے بارے میں تو کم بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بھی ایک انٹرنیشنل گروہ کا آدمی تھا اور اس کی باتوں سے بھی کم نے اندازہ لگالیا تھا کہ دارا کا تعلق بھی کسی بہت بڑی پارٹی سے ہے۔ جو لوگ سنگاپور کو بیس بنا کر آسٹریلیا کی منڈی تک اپنا مال پھیلانا چاہتے ہوں، وہ کوئی معمولی پارٹی نہیں ہوسکتی تھی اور کم ہر صورت میں اس پارٹی میں اپنی جگہ بنانا چاہتا تھا۔ وہ یہ بات بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو وہ ایک بار پھر اندھیروں میں بھٹکتا رہے گا۔

کم جیسے جیسے سوچ رہا تھا، اس کا ذہن الجھتا جارہا تھا۔ اس نے اٹھ کر الماری کھولی اور اس کے نچلے خانے میں سے پلاسٹک کا ایک ڈبا نکال کر اپنے سامنے کافی ٹیبل پر رکھ لیا۔ وہ چند لمحے گہری نظروں سے اس ڈبے کو دیکھتا رہا پھر جھکا اور ایک طرف رکھ دیا۔ اس میں پلاسٹک کی ایک لمبی سی نلکی، فورٹل کے چند چھوٹے چھوٹے ٹرے، جو ہاتھ کی ہتھیلی سے زیادہ بڑے نہیں تھے، اسٹیل راڈ کی تین ٹانگوں والا ایک چھوٹا سا اسٹینڈ اور ایک پلاسٹک کی تھیلی رکھی ہوئی تھی جس میں سفید پاؤڈر نظر آرہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک لائٹر بھی تھا۔

کم چند لمحے ان چیزوں کو دیکھتا رہا پھر اس نے تین ٹانگوں والا اسٹینڈ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ یہ اسٹینڈ ایک بالشت سے زیادہ اونچا نہیں تھا لیکن ساخت میں یہ اس اسٹینڈ جیسا تھا جو فوٹو گرافرز کیمرا رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ البتہ اس کے اوپر کی جگہ خالی تھی۔ کم نے فورٹل کی ایک ٹرے ڈبے میں سے نکال کر اسٹینڈ پر رکھ دی۔ وہ اس جگہ بالکل فٹ آگئی تھی۔ اس نے پلاسٹک کی تھیلی

میں سے چٹکی بھر سفید پاؤڈر فورمل کی ٹرے کے عین وسط میں رکھ دیا اور پلاسٹک کی لمبی سے نلکی اٹھا کر میز کے قریب قالین پر بیٹھ گیا۔ اس نے لائٹر جلا کر اس کا شعلہ فورمل کی ٹرے کے نیچے کر دیا۔ چند سیکنڈ بعد ٹرے میں رکھے ہوئے پاؤڈر سے دھواں اٹھنے لگا۔ کم نے پلاسٹک کی نلکی کا ایک سرا **انتھنوں سے لگایا** اور دوسرا سرا دھواں چھوڑتے ہوئے پاؤڈر سے ذرا اوپر رکھ کر سانس اندر کھینچنے لگا۔

پاؤڈر سے اٹھنے والا سارا دھواں اس نلکی کے ذریعے کم کے پھیپھڑوں میں منتقل ہوتا رہا۔ کم اس وقت تک سانس کھینچتا رہا جب تک اس کے پھیپھڑوں کی قوت نے اس کا ساتھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم سرخی بھر گئی تھی اور پانی بہہ نکلا تھا۔

کم نے لائٹر میز پر ڈال دیا۔ پلاسٹک کی نلکی بھی ہاتھ سے چھوڑ دی اور بے سُدھ سا ہو کر قالین پر دراز ہو گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

منشیات فروخت کرنے والے خود منشیات استعمال نہیں کرتے۔ یہ زہر تو وہ دوسروں کے خون میں منتقل کرتے ہیں لیکن کم منشیات کے دھندے میں آنے سے پہلے، منشیات استعمال کرنے کا عادی بن گیا تھا لیکن اسے جلد ہی عقل آگئی اور اس نے اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ وہ اس سے مکمل طور پر نجات حاصل نہیں کر سکا تھا۔ تین چار مہینے بعد یا اس سے بھی طویل عرصے بعد جب وہ کسی ذہنی کرب میں مبتلا ہوتا تو اس طرح ایک کش لگا لیا کرتا تھا۔ آج بھی وہ کچھ ایسے ہی ذہنی کرب میں مبتلا تھا۔ اس ایک کش سے اسے بڑا سکون ملا تھا۔ وہ تقریباً بیس منٹ تک قالین پر پڑا رہا پھر اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو بڑا ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہا تھا۔

اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور وہ جانتا تھا کہ یہ سرخی صبح تک برقرار رہے گی۔ اس نے سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ چار بجنے والے تھے۔ وہ ڈوئے تھانگ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس سے کہا گیا تھا کہ چانگ کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے بعد صورتِ حال معلوم کر کے اسے اطلاع دے مگر ابھی تک اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔

اور پھر سوا چار بجے کے قریب صوفے کے قریب سائڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ وہ اٹھ کر صوفے کے دوسرے کنارے پر آگیا اور فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"ڈوئے تھانگ بول رہا ہوں مسٹر کم۔" اس کی ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

"یس۔ کیا رپورٹ ہے۔ کیا معلوم کیا تم نے؟" کم نے پوچھا۔

"تھانگ چو مر چکا ہے۔ اس کے سر میں دو گولیاں لگی ہیں۔ میں نے اسپتال میں اس کی لاش دیکھی ہے۔ پرتاب سنگھ کا ایک گارڈ بھی مارا گیا ہے اور دوسرا گارڈ اسپتال میں بے ہوش پڑا ہے۔ اس کے بارے میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ زندہ بچ جائے گا یا وہ بھی ختم ہو جائے گا۔" ڈوئے تھانگ نے بتایا۔

"تھانگ چو کی موت کا مجھے پہلے ہی یقین ہو چکا تھا۔ میں صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں۔" کم چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "ان دو گارڈز کے علاوہ پرتاب سنگھ کے بنگلے میں کتنے آدمی تھے؟"

"کوئی نہیں۔ بنگلے کے اندر پرتاب سنگھ اکیلا تھا۔"

تھانگ نے جواب دیا "تھانگ چو چھت پر دونوں گارڈز سے نپٹنے کے بعد عقبی دروازے سے بنگلے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کی لاش راہداری میں ملی تھی۔ وہ غالباً پرتاب سنگھ کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ چانگ زخمی ہونے کے بعد فرار نہ ہوتا تو مشن کامیاب ہو سکتا تھا۔"

"کامیاب ہو سکتا تھا۔" کم نے اس کے الفاظ دُہرائے "لیکن چانگ بزدل نکلا۔ گولی لگنے کے بعد وہ وہاں سے بھاگ نکلا اور اس کے فرار ہی کی وجہ سے تھانگ چو کو بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اگر وہ دونوں ہوتے تو اس وقت وہ لڑکا ہمارے قبضے میں ہوتا اور ہم اپنی کامیابی کا جشن منا رہے ہوتے۔ بہرحال، یہ چانگ سے نجات حاصل کرنے کا جو فیصلہ کیا، وہ غلط نہیں تھا۔ ایسے بزدلوں کی میرے پاس کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"ہاں واقعی تمہارا وہ فیصلہ درست تھا مسٹر کم۔" ڈوئے تھانگ کی آواز سنائی دی "اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"تم اپنے ٹھکانے پر چلے جاؤ۔ ضرورت پڑی تو فون کروں گا۔" کم نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

اس وقت چانگ کو زخمی حالت میں اپنے سامنے دیکھ کر اس نے صورتِ حال کا جو اندازہ لگایا تھا، وہ بالکل درست ثابت ہوا تھا۔ چانگ کی بزدلی کی وجہ سے تھانگ چو کو بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تھے لیکن اسے ان دونوں کی موت کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ اسے افسوس تو اس بات کا تھا کہ اس کا شکار اس کے ہاتھ نہیں لگ سکا تھا اور پرتاب سنگھ سے دشمنی الگ ہو گئی تھی۔ پرتاب سنگھ کو جانتا تھا۔ وہ ایک بزنس مین تھا۔ اس کے تعلقات بہت اوپر تک تھے۔ کئی پولیس آفیسروں سے تو اس کی ذاتی دوستی تھی اور یہ اتفاق تھا کہ اس کیس کو چیانگ شو ہینڈل کر رہا تھا اور پرتاب سنگھ کی چیانگ شو سے بڑی گہری دوستی تھی۔ چیانگ شو کو کم وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بہت گھاگ پولیس آفیسر تھا۔ جس کے پیچھے لگ جاتا، اسے سلاخوں کے پیچھے پہنچائے بغیر پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔

لیکن اس وقت کم کے لیے مسئلہ نہ تو پرتاب سنگھ تھا اور نہ ہی انسپکٹر چیانگ شو۔ سب سے بڑا مسئلہ تو دارا کا تھا۔ وہ اسے کیا جواب دے گا۔ کم کی اس ناکامی سے دارا اس سے بد دل ہو سکتا تھا اور دارا کے بد دل ہونے کا مطلب یہ ہوتا کہ اس کا مستقبل تاریک ہو جاتا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے کم کا ذہن ایک بار پھر الجھنے لگا۔ وہ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ اب آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی اور کنپٹیاں بھی سلگنے لگی تھیں۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ان دو گارڈز کے علاوہ پرتاب سنگھ کے بنگلے میں کتنے آدمی تھے؟" "کوئی نہیں۔ بنگلے کے اندر پرتاب سنگھ اکیلا تھا۔" تھانگ نے جواب دیا "تھانگ چو چھت پر دونوں گارڈز سے نپٹنے کے بعد عقبی دروازے سے بنگلے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کی لاش راہداری میں ملی تھی۔ وہ غالباً پرتاب سنگھ کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ چانگ زخمی ہونے کے بعد فرار نہ ہوتا تو مشن کامیاب ہو سکتا تھا۔"

"کامیاب ہو سکتا تھا۔" کم نے اس کے الفاظ دُہرائے "لیکن چانگ بزدل نکلا۔ گولی لگنے کے بعد وہ وہاں سے بھاگ نکلا اور اس کے فرار ہی کی وجہ سے تھانگ چو کو بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اگر وہ دونوں ہوتے تو اس وقت وہ لڑکا ہمارے قبضے میں ہوتا اور ہم اپنی کامیابی کا جشن منا رہے ہوتے۔ بہرحال، یہ چانگ سے نجات حاصل کرنے کا جو فیصلہ کیا، وہ غلط نہیں تھا۔ ایسے بزدلوں کی میرے پاس کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"ہاں واقعی تمہارا وہ فیصلہ درست تھا مسٹر کم۔" ڈوئے تھانگ کی آواز سنائی دی "اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"تم اپنے ٹھکانے پر چلے جاؤ۔ ضرورت پڑی تو فون کروں گا۔" کم نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

اس وقت چانگ کو زخمی حالت میں اپنے سامنے دیکھ کر اس نے صورتِ حال کا جو اندازہ لگایا تھا، وہ بالکل درست ثابت ہوا تھا۔ چانگ کی بزدلی کی وجہ سے تھانگ چو کو بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تھے لیکن اسے ان دونوں کی موت کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ اسے افسوس تو اس بات کا تھا کہ اس کا شکار اس کے ہاتھ نہیں لگ سکا تھا اور پرتاب سنگھ سے دشمنی الگ ہو گئی تھی۔ پرتاب سنگھ کو جانتا تھا۔ وہ ایک بزنس مین تھا۔ اس کے تعلقات بہت اوپر تک تھے۔ کئی پولیس آفیسروں سے تو اس کی ذاتی دوستی تھی اور یہ اتفاق تھا کہ اس کیس کو چیانگ شو ہینڈل کر رہا تھا اور پرتاب سنگھ کی چیانگ شو سے بڑی گہری دوستی تھی۔ چیانگ شو کو کم وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بہت گھاگ پولیس آفیسر تھا۔ جس کے پیچھے لگ جاتا، اسے سلاخوں کے پیچھے پہنچائے بغیر پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔

لیکن اس وقت کم کے لیے مسئلہ نہ تو پرتاب سنگھ تھا اور نہ ہی انسپکٹر چیانگ شو۔ سب سے بڑا مسئلہ تو دارا کا تھا۔ وہ اسے کیا جواب دے گا۔ کم کی اس ناکامی سے دارا اس سے بد دل ہو سکتا تھا اور دارا کے بد دل ہونے کا مطلب یہ ہوتا کہ اس کا مستقبل تاریک ہو جاتا۔

اتر کر اندر آگیا۔

دارا کلب کے استقبالیہ میں صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے دوسرے صوفے پر چی فانگ بھی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ وہ کلب ہی میں ایک کمرے میں رہتا تھا۔ رات تین بجے کلب بند ہونے کے بعد نوکروں کے ذریعے کام سمیٹتے ہوئے چار بج جاتے۔ اس کے بعد وہ سونے کے لیے چلا جاتا اور دن کے گیارہ بجے سے پہلے کبھی نہیں اٹھتا تھا اور آج دارا نے اسے صبح سویرے ہی جگا دیا تھا۔

دارا کے چہرے پر بھی بیزاری کے تاثرات تھے اور آنکھوں میں سرخی بھی تیر رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ بھی رات بھر نہیں سویا تھا۔

"مسٹر کم!" دارا خشمگیں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں نے تمہاری آزمائش کے لیے تمہیں ایک کام دیا تھا لیکن تم ابھی تک کچھ بھی نہیں کر سکے۔"

"کچھ کیوں نہیں کر سکا۔" کم نے جواب دیا "تمہاری خاطر میں نے دو مڑوڑ کیے۔ میرا اپنا ایک آدمی گزشتہ رات مارا گیا اور دوسرا لاپتا ہے اور تم کہتے ہو، میں نے تمہارے لیے کچھ نہیں کیا۔"

"تم نے کہا تھا کہ آج اس لڑکے کو میرے حوالے کر دو گے لیکن وہ لڑکا تو اپنے گھر میں سکون کی نیند سو رہا ہے۔ البتہ تمہارے دو آدمی مارے گئے۔ ایک پرتاب سنگھ کے گھر میں اور دوسرے کی لاش بھی پولیس کو مل گئی ہے۔ گزشتہ رات کے واقعے سے مجھے اندازہ ہوا ہے کہ تم نے احمقوں کی فوج پال رکھی ہے۔" دارا چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میں نے کہا تھا کہ پرتاب سنگھ کو نہیں چھیڑنا لیکن تم نے اس کا ایک بندہ مار دیا اور دوسرا زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم اس موقع پر کسی کی دشمنی کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ وجدان، پرتاب سنگھ کا بیٹا نہیں ہے۔ اسے اغوا کر لیا جائے یا مار دیا جائے تو اس کی صحت پر زیادہ اثر نہیں پڑے گا۔ دو چار دن چیخ چلا کر خاموش ہو جاتا لیکن اپنے آدمیوں کے قتل پر وہ چین سے نہیں بیٹھے گا۔ اس طرح ہمارے لیے نئے مسئلے کھڑے ہو جائیں گے۔ جبکہ اس لڑکے کی صورت میں خطرہ اپنی جگہ موجود ہے۔"

کم خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جیب سے پستول نکالے اور دارا کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دے لیکن وہ سب کچھ خاموشی سے سنتا رہا اور جب دارا خاموش ہوا تو اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"مسٹر دارا۔ گزشتہ رات میرے آدمیوں سے واقعی حماقت ہو گئی۔ یہ سب کچھ دراصل ایک غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر وہ غلط فہمی نہ ہوتی تو وہ لڑکا اس وقت ہمارے قبضے میں ہوتا۔"

"اگر تم یہ کام نہیں کر سکتے تو اب بھی منع کر دو۔ میں یہ ذمے داری البرٹ کو سونپ دوں گا۔" دارا نے کہا۔

البرٹ کے نام پر کم چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ دونلی نسل کا

تھا۔ باپ انگریز اور ماں چینی۔ باپ بھی جرائم پیشہ آدمی تھا جو پولیس کے ہاتھوں مارا گیا اور اب البرٹ جرائم کی دنیا میں قدم جمانے کی کوشش کررہا تھا۔ یہ کام البرٹ کو سونپ دینے کا مطلب یہ ہوتا کہ کم کے لیے چانس ختم ہوجاتا۔

"مجھے ایک موقع اور دو مسٹر دارا۔" کم اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تین دن کے اندر اندر وہ لڑکا تمہارے پاس ہوگا۔"

"وہ لڑکا اب مجھے نہیں چاہیے۔" دارا نے کہا "میں تمہیں ایک موقع اور دے رہا ہوں۔ ختم کردو اسے۔ اگر وہ تین دن کے اندر ختم نہ ہوا تو میرا اور تمہارا معاہدہ ختم۔ اب میں چلتا ہوں۔ تین دن بعد تم سے ملاقات کروں گا۔"

دارا کمرے کا دروازہ کھول کر باہر چلا گیا اور کم اپنی جگہ پر بے حس و حرکت بیٹھا دروازے کو گھورتا رہ گیا۔

○☆○

دربار سنگھ کی میت اگرچہ امرتسر بھیج دی گئی تھی مگر پرتاب سنگھ نے اپنے ہاں بھی اس کے تیجے کی رسم ادا کردی تھی۔ اب اسے سوتر سنگھ کی فکر تھی۔ تین دن گزرنے کے بعد بھی اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹروں نے اس کے کئی ٹیسٹ کیے تھے اور ڈاکٹر اسکاٹ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کی یہ کیفیت چند روز تک اور برقرار رہ سکتی تھی۔ وہ تین دن مزید انتظار کریں گے اور اگر اس دوران میں کوئی فرق نہ پڑا تو دماغ کا آپریشن کرنا پڑے گا۔

پرتاب سنگھ زندگی میں کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا تھا۔ سوتر سنگھ اس کے پاس پندرہ سال سے ملازم تھا۔ وہ اسے ملازم ہی نہیں اپنا ایک قابل اعتماد دوست بھی سمجھتا تھا۔ دربار سنگھ کی موت اور سوتر سنگھ کی حالت پر وہ خون کے آنسو بہا رہا تھا لیکن وہ بے بس تھا۔ بہرحال اس نے یہ طے کرلیا تھا کہ سوتر سنگھ کے علاج کے لیے وہ کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔

دوسری طرف اسے وجدان کی بھی فکر تھی۔ یہ تو قسمت اچھی تھی کہ وجدان بچ گیا تھا۔ اگر وہ چینی اسے اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہوجاتا تو یقیناً اسے مار دیا تھا۔ لیکن عین وقت پر عقل نے اس کا ساتھ دیا اور اس کا نفسیاتی حربہ کامیاب ہوگیا۔ اگر اس کے پیچھے پر وہ چینی پیچھے مڑ کر نہ دیکھتا تو وہ بھی وجدان کو نہیں بچا سکتا تھا۔

ان کے خلاف یہ کارروائی باقاعدہ پلاننگ کے تحت کی گئی تھی اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے پیچھے دارا کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ دارا نے مقامی چینی غنڈوں کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں اور وہ خود چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔

پرتاب سنگھ نے پہلے تو یہی پروگرام بنا رکھا تھا کہ وہ وجدان کو دارا سے بچانے کی کوشش کرتا رہے گا اور براہِ راست کسی تصادم سے گریز کرے گا لیکن اب اس نے اپنا پروگرام بدل دیا تھا۔ دارا نے براہِ راست اس پر حملہ کیا تھا۔ اس کا ایک آدمی مارا گیا اور دوسرا مفلوج ہوگیا تھا۔ اب خاموش بیٹھے رہنا اس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔

اس کے بنگلے میں مرنے والے چینی کی شناخت ہوگئی تھی۔ وہ ایک تھرڈ ریٹ غنڈا تھا۔ عرب اسٹریٹ اور رشل انڈیا جیسے علاقوں میں دادا گیری کرکے لوگوں سے چار پیسے اینٹھ لیتا تھا۔ یہاں ہندوستانی، پاکستانی اور ملائشین باشندے اس کا شکار رہتے تھے۔ چھوٹی دکانوں سے اس نے ہفتہ بھی باندھ رکھا تھا لیکن وہ کبھی لوگوں سے پٹ بھی چکا تھا۔ کبھی وہ اپنے ایک دو ساتھیوں کے مل کر رہزنی اور لوٹ مار کی وارداتیں بھی کرتا تھا۔ ہندوستان، پاکستان سے آنے والے کچھ ہی بڑی آسانی سے اس کا شکار بن جاتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ پکڑا گیا تھا اور اسے تین مہینے کی سزا ہوئی تھی۔ کسی کو سزا عام طور پر اصلاح کے لیے دی جاتی ہے لیکن پیشہ ور لوگ جب کوئی سزا کاٹ کر جیل سے نکلتے ہیں تو پہلے سے زیادہ خطرناک ہوجاتے ہیں۔

یہ کیس انسپکٹر چیانگ شو کے پاس تھا۔ اس کی تحقیقات سے انکشاف ہوا تھا کہ تھانگ چو نامی اس چینی غنڈے کے پاس اچانک ہی کوئی بڑی رقم آگئی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی لڑکی نہیں دیکھی گئی تھی۔ کوئی لڑکی اسے لفٹ ہی نہیں کراتی تھی۔ گزشتہ دنوں اسے ایک یوریشین لڑکی کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ انسپکٹر چیانگ شو اس لڑکی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کرسکا تھا۔ لڑکی کون تھی۔ نہ ہی اسے ابھی یہ معلوم ہوا تھا کہ تھانگ چو کے پاس رقم کہاں سے آئی تھی اور وہ کس کے لیے کام کررہا تھا۔ انسپکٹر چیانگ بھی جانتا تھا کہ ان سارے ہنگاموں کے پیچھے دارا کا ہاتھ تھا۔ لیکن دارا اس قسم کے تھرڈ ریٹ غنڈوں سے براہِ راست رابطہ نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے یقیناً کسی ایسے آدمی سے رابطہ کیا ہوگا جو تھانگ چو جیسے غنڈوں کا بندوبست کرسکتا ہو اور انسپکٹر چیانگ شو کو اس کی تلاش تھی۔ اگر وہ شخص مل جائے تو اس کے ذریعے دارا تک پہنچا جاسکتا تھا۔

پرتاب سنگھ نے انسپکٹر چیانگ شو سے رابطہ رکھا ہوا تھا۔ تمام معلومات اسے چیانگ شو ہی سے حاصل ہوئی تھیں۔ چیانگ شو اس وقت بھی اس کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دراصل خفیہ انتظامات کا جائزہ لینے آیا تھا۔ پہلے دو کانسٹیبل تعینات تھے۔ اب ان کی تعداد پانچ کردی گئی تھی۔ دو بنگلے کے سامنے، دو پیچھے ایک چھت پر۔ تمام بنگلے ایک جیسے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ملے ہوئے تھے۔ گلی کے ایک کارنر والے بنگلے کی چھت پر چڑھ کر آسانی سے آخری بنگلے کی چھت تک پہنچا جاسکتا تھا اس لیے ایک آدمی کی چھت پر موجودگی ضروری تھی۔

"یار چیانگ۔" پرتاب سنگھ سامنے بیٹھے ہوئے انسپکٹر چیانگ شو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں تو سکھ ہوں۔ ہمارے بارے

میں مشہور ہے کہ ہم عقل سے پیدل ہوتے ہیں۔ لیکن تم تو عقل مند مشہور ہو یار۔ تمہارے ذہن میں یہ بات کیوں نہیں آئی؟"

"کون سا والا بات؟" چیانگ شو نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دارا پاسپورٹ پر ہی یہاں آیا ہوگا۔" پرتاب سنگھ بولا "تم امیگریشن آفس سے معلوم کیوں نہیں کرتے کہ دارا کون ہے۔ اس طرح اسے آسانی سے تلاش کیا جاسکتا ہے۔"

"یہ بات میرے ذہن میں اسی روز آئی تھی جب عابد علی اور اس کی بیوی کو قتل کیا گیا تھا۔" انسپکٹر چیانگ شو نے مسکراتے ہوئے کہا "تمہیں یاد ہوگا کہ وجدان نے اپنے بیان میں دارا کا ذکر کیا تھا اور پھر تم نے بھی مجھے دارا کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے دوسرے ہی روز امیگریشن سے رابطہ کرکے اس سلسلے میں معلومات حاصل کی تھیں لیکن اس نام کا کوئی شخص پچھلے دو ہفتوں کے دوران میں پاکستان سے یہاں نہیں آیا تھا۔ میں نے ہوٹلوں اور پرائیویٹ گیسٹ ہاؤسز میں مقیم ان پاکستانیوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی تھیں جو اس عرصے کے دوران میں پاکستان سے یہاں آئے تھے لیکن دارا نام کے کسی شخص کا سراغ نہیں ملا۔"

"اس کا مطلب ہے وہ کسی اور نام سے یہاں آیا ہوگا۔" پرتاب سنگھ بولا۔

"وہ کسی نام سے بھی آیا ہو قانون سے بچ کر نہیں جاسکے گا۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا "میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہوئے نہیں بیٹھا ہوں۔ میرے آدمی اس کی تلاش میں ہیں۔ ایک نہ ایک دن اس کا پتا چل ہی جائے گا۔ اچھا۔ اب میں چلتا ہوں۔ کوئی غیر معمولی بات اپنے آس پاس محسوس کرو تو فوراً مجھے اطلاع دینا۔"

انسپکٹر چیانگ شو چلا گیا اور پرتاب سنگھ بیڈ روم میں آگیا۔

وجدان اپنے بیڈ پر کتابیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا اور پرتاب سنگھ بھی اس کی مدد کرتا تھا۔ وہ روزانہ رات کے کھانے کے بعد ایک ڈیڑھ گھنٹا اسے پڑھاتا تھا لیکن گزشتہ تین دنوں کے دوران میں پرتاب سنگھ نے محسوس کیا تھا کہ حالات وجدان کے ذہن کو متاثر کرنے لگے تھے۔ کتاب اس کے سامنے کھلی ہوتی لیکن اس کی نظریں کہیں اور ہوتیں جیسے خلا میں کچھ تلاش کررہا ہو۔ وہ اکثر ذہنی طور پر بھی غیر حاضر رہنے لگا تھا۔ پرتاب سنگھ اس سے کوئی سوال پوچھتا تو وہ اس طرح چونک جاتا جیسے نیند سے بیدار ہوا ہو۔

آج تین دن بعد وہ اپنا بستہ کھول کر بیٹھا تھا۔ پرتاب سنگھ بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"یار کاکے۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "مجھے تو افسوس ہورہا ہے کہ تمہاری پڑھائی کا بہت حرج ہورہا ہے۔ میں بھی تمہیں زیادہ وقت نہیں دے پاتا۔ تمہارے لیے ٹیوٹر نہ رکھ دیا جائے؟"

"مجھے اب لوگوں سے ڈر لگنے لگا ہے چاچا۔ پتا نہیں ٹیوٹر کون ہو، کیسا ہو؟" وجدان نے جواب دیا۔

پرتاب سنگھ چونک گیا۔ اب واقعی حالات اس نہج پر پہنچ گئے تھے کہ وہ اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگا تھا۔ دربار سنگھ کے قتل کے بعد سکھ برادری کے کئی لوگ مچھ کے لیے پرتاب سنگھ کے پاس آتے رہے تھے اور کل اس کے تیجے کے سلسلے میں بھی گھر میں تھنجن وغیرہ کا پروگرام تھا۔ بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے اور پرتاب سنگھ نے محسوس کیا تھا کہ وجدان لوگوں سے الگ تھلگ ہی رہا تھا اور زیادہ تر اپنے کمرے میں بند رہا تھا۔

پرتاب سنگھ کے خیال میں یہ صورتِ حال اچھی نہیں تھی۔ اس میں شبہ نہیں تھا کہ وجدان خوف زدہ تھا لیکن اگر خوف اس کے دل اور دماغ میں بیٹھ گیا تو وہ زندگی بھر سہما رہے گا۔ بزدل بن جائے گا۔ کسی اجنبی کا سامنا نہیں کرسکے گا جبکہ وہ اس کے سینے میں انتقام کا الاؤ بھڑنا چاہتا تھا اور انتقام لینے کے لیے حوصلے اور ہمت کی ضرورت تھی۔ وہ اسے بے حوصلہ نہیں ہونے دے گا۔ اسے بزدل نہیں بننے دے گا کہ مارے خوف کے لوگوں سے منہ چھپاتا پھرے۔

"کسی اجنبی کا گھر میں آنا تو میں بھی پسند نہیں کروں گا لیکن مس ازابیل کیسی رہے گی۔ وہی جو سامنے والی لین کے کونے والے بنگلے میں رہتی ہے۔" پرتاب سنگھ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر وہ تو ریٹائر ہوچکی ہیں چاچا۔ وہ مجھے کیسے پڑھائیں گی۔" وجدان نے کہا۔

"ریٹائر ہوچکی ہے تو اچھی بات ہے نا۔" پرتاب سنگھ نے کہا "اب تو وہ فارغ ہے تمہارے لیے زیادہ وقت نکال سکے گی۔ میں صبح ہی اس سے بات کروں گا۔ تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں نا!"

"نہیں چاچا۔" وجدان نے جواب دیا "مس ازابیل بہت اچھی خاتون ہیں، وہ امی کے پاس بھی آتی تھیں۔ اگر وہ راضی ہوجائیں تو میں ان سے ضرور پڑھوں گا۔ ویسے وہ بہت اچھا پڑھاتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل ہی اس سے بات کرتا ہوں۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔

مس ازابیل کو بھی گلی کے اس بنگلے میں رہتے ہوئے پندرہ سال ہوگئے تھے۔ پرتاب سنگھ کی بیوی جب زندہ تھی تو اس کا آنا جانا تھا لیکن اس کے انتقال کے بعد اس کا آنا جانا بند ہوگیا۔ البتہ راستے میں اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

مس ازابیل کانوینٹ اسکول میں ٹیچر تھی۔ اس کی عمر اگرچہ پچاس سال ہوچکی تھی لیکن شادی نہیں کی تھی۔ اس کی ماں کا انتقال تو اس وقت ہوگیا تھا جب وہ گیارہ برس کی تھی۔ باپ نے کچھ عرصہ تنہائی کاٹی پھر دوسری شادی کرلی۔ ازابیل کی سوتیلی ماں بھی

انگریز عورت تھی۔ ازابیل کے ساتھ اس کا سلوک اچھا نہیں تھا اور جب ازابیل گریجویشن کررہی تھی تو اس کا باپ ڈیوٹی کے دوران میں ایک حادثے میں ہلاک ہوگیا تھا۔ وہ ایک سرکاری محکمے میں آفیسر تھا۔ اس کے انتقال کے بعد حکومت کی طرف سے اچھی خاصی رقم ملی تھی۔ وہ رقم ازابیل کی سوتیلی ماں نے اپنے قبضے میں کرلی اور سب کچھ بیچ باچ کر انگلینڈ چلی گئی۔ ازابیل بے یارومددگار رہ گئی لیکن اس نے حوصلہ نہیں ہارا۔ وہ کبھی کسی ریسٹورنٹ میں ویٹریس کا کام کرتی کبھی کسی اسٹور پر سیلز گرل کی حیثیت سے کام کرنے لگتی۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی تعلیم بھی جاری رکھے ہوئے تھی۔ گریجویشن کرنے کے بعد اسے کانونٹ اسکول میں ٹیچر کی جگہ مل گئی۔ اس ملازمت کے ساتھ وہ پارٹ ٹائم جاب بھی کرتی رہی اور رقم جمع کرکے اس نے یہ مکان خرید لیا۔ وہ تین چار مہینے پہلے سروس کے پچیس سال مکمل کرنے کے بعد ریٹائر ہوئی تھی۔ وہ اگرچہ اپنی سروس مزید جاری رکھ سکتی تھی لیکن اب وہ تھک گئی تھی۔ اس کے پاس اتنی جمع پونجی تھی کہ باقی زندگی آرام سے گزار سکتی تھی۔

پچاس سال کی ہونے کے باوجود اس کی صحت قابلِ رشک تھی۔ رنگت تو گوری چٹی تھی ہی، چہرے کے نقوش اس عمر میں بھی جاذبِ نظر تھے۔

پرتاب سنگھ نے مس ازابیل سے وجدان کے لیے بات کی تو تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد وہ تیار ہوگئی۔ وقت کا انتخاب اس نے مس ازابیل پر ہی چھوڑ دیا تھا اور ازابیل نے صبح کے وقت کا انتخاب کیا تھا اور یہ طے ہوا تھا کہ وہ اگلے روز سے وجدان کو پڑھانا شروع کردے گی۔

پرتاب سنگھ نے جب مس ازابیل سے یہ بات کی تو اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے۔ جب وہ واپس آیا تو وجدان لان میں پائپ سے پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ وہ بھی صبح جلدی اٹھ جایا کرتا تھا۔

"لو بھئی کاکے۔ تمہاری استانی کا بندوبست تو ہوگیا۔ وہ کل سے تمہیں پڑھانا شروع کردے گی۔ اچھا۔ اب میں ناشتا تیار کرلوں۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔"

پرتاب سنگھ کہتا ہوا کچن میں گھس گیا اور پھر اس کے آدھے گھنٹے بعد وہ میز پر بیٹھے ناشتا کررہے تھے۔ اسی دوران میں فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ پرتاب سنگھ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

"مسٹر پرتاب سنگھ۔" اس کے ہیلو کے جواب میں ریسیور میں ایک مردانہ آواز سنائی دی "تم مجھ سے واقف نہیں ہو لیکن میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم نے اپنے اوپر غیر ضروری ذمے داریوں کا بوجھ لاد رکھا ہے۔ بہتر ہے کہ اپنا کچھ بوجھ ہلکا کردو۔"

"میں سمجھا نہیں۔ کون ہو تم؟" پرتاب سنگھ بولا۔ یہ آواز اس نے پہلی مرتبہ سنی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا بات ٹوٹی پھوٹی اردو میں کررہا تھا۔ لہجہ اردو نہیں تھا بلکہ چینی لہجے کی جھلک نمایاں تھی۔

"تم مجھے اپنا دوست بھی نہیں کہہ سکتے۔" دوسری طرف سے جواب ملا "لیکن تمہیں میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ عابد علی کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھالو اور اس لڑکے کو ہمارے حوالے کردو۔ میں تمہیں سوچنے کے لیے صرف بارہ گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔ رات نو بجے دوبارہ فون کروں گا۔ اگر تم اس لڑکے کو ہمارے حوالے کردو تو مستقبل میں بہت سی مصیبتوں سے بچ جاؤ گے اور میں تمہاری زندگی اجیرن کردوں گا۔"

"اوہ۔" پرتاب سنگھ بولا۔ اس نے اپنی آواز دھیمی رکھی تھی تاکہ وجدان اس کی باتیں نہ سن سکے "تو تم وہی ہو جس نے رات وجدان کو میرے گھر سے اغوا کرانے کی کوشش کی تھی۔" اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ پرتاب سنگھ نہ تو بزدل ہے اور نہ خائف۔ میرا ایک آدمی تمہاری وجہ سے مارا گیا ہے اور دوسرا مفلوج ہوگیا ہے۔ میں تو خود تمہاری تلاش میں ہوں۔ اگر مجھے پتا چل جائے کہ تم کون ہو تو میں پاتال سے بھی تمہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ اور تمہارا حشر کروں گا کہ دنیا یاد رکھے گی۔"

"اگر تمہیں میرے بارے میں معلوم بھی ہوجائے تو تم زندگی کے آخری سانس تک مجھے تلاش نہیں کرسکو گے۔" دوسری طرف سے کہا گیا "لیکن میرا خیال ہے کہ باتوں میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لڑکے سے تمہارا کوئی رشتہ تو نہیں ہے۔ اس کے لیے کیوں اپنی زندگی کو داؤ پر لگا رہے ہو۔ اس لڑکے کو ہمارے حوالے کردو۔ ہماری تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"میرے گھر پر حملہ کرکے اور میرے بندے کو مار کر دشمنی تم نے خود مول لی ہے۔ تم پنجاب کے جانوں کو نہیں جانتے۔ وہ دوست میں اپنی جان دے دیتے ہیں اور دشمنی میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے جب تک اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ نہ اتار دیں۔ جاٹ دوستی میں بھی انتہا پسند ہوتا ہے اور دشمنی میں بھی اور تم نے بچے کو لاوارث مت سمجھو۔ میں جب تک زندہ ہوں کوئی اس بال بھی بیکا نہیں کرسکتا اور تمہارے لیے تو وہ بچہ ڈیتھ وارنٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ تم بچ نہیں سکو گے۔"

"میں تمہیں سوچنے کے لیے رات نو بجے تک کا وقت دے رہا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا "اگر تم نے عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے مثبت فیصلہ کیا تو بہت سی مصیبتوں سے بچ جاؤ گے بصورتِ دیگر پورے سنگاپور کی پولیس بھی تمہیں اور اس لڑکے کو نہیں بچا سکے گی۔"

پرتاب سنگھ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن دوسری طرف سے لائن کٹ گئی۔ اس نے بھی ریسیور رکھ دیا اور دوبارہ ناشتے کی میز پر آگیا۔

"کون تھا چاچا؟" وجدان نے پوچھا۔

"تھا کوئی پاگل دا پتر۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "کہہ رہا تھا کہ وہ ہندوستان سے آیا ہوں۔ یہاں کوئی روزگار نہیں ملا۔ آپ کی خدا ترسی کی بہت تعریف سنی ہے۔ مجھے یا تو کوئی روزگار دلا دو یا تھوڑی سی مالی مدد کردو۔ اب تم ہی بتاؤ کاکے۔ خدا ترسی کرکے کس دشمنوں کو تلاش کرنا اور انہیں موت کے گھاٹ اتارنا۔ اب میں بزدلوں کی طرح چھپ کر نہیں بیٹھوں گا۔"

پرتاب سنگھ گہری نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پہلے وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے حماقت کی تھی کہ عابد علی کی ڈائری کو اس طرح تکیے کے نیچے رکھ چھوڑا تھا لیکن اب اس حماقت پر اسے کوئی افسوس نہیں تھا۔ اس ڈائری کی تحریر نے وجدان میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ ایک نیا جذبہ پیدا کیا تھا اس کے اندر۔

اس کی گفتگو کا انداز بدل گیا تھا۔ وہ خود بدل گیا تھا اور اس میں یہ تبدیلی بڑی حوصلہ افزا تھی۔ وجدان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے یکایک وہ اسے اپنی عمر سے بڑا لگنے لگا۔ وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔

"گھر میں اس طرح چھپ کر بیٹھنا بزدلی نہیں ہے پتر۔ تم ابھی چھوٹے ہو۔ ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ تم ابھی ان کی نظروں سے اوجھل ہی رہو۔ تم جانتے ہو وہ تمہیں بھی قتل کرنا چاہتے ہیں اور موقع کی تاک میں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ انہیں ایسا کوئی موقع ملے۔ میں جو ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے وہ تمہارے قریب نہیں پھٹک سکتے۔ تم ابھی کھاؤ پیو۔ اپنے اندر جان پیدا کرو۔ اس جذبے کو اپنے سینے میں پروان چڑھاتے رہو جس نے آج تمہارے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا کیا ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔"

"لیکن میں کب تک گھر میں بند رہوں گا چاچا؟" وجدان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس۔ چند روز کی بات ہے۔" پرتاب سنگھ نے کہا "آج تم ان سے چھپ کر بیٹھے ہوئے ہو اور کل وہ تم سے چھپتے پھریں گے لیکن انہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔"

"ہاں چاچا۔" وجدان بولا "میں انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دوں گا۔ انہیں اس طرح تڑپا تڑپا کر ماروں گا کہ موت بھی پناہ مانگنے لگے گی۔"

"ہاں لیکن فی الحال تم سارے معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔" پرتاب سنگھ نے کہا "ناشتا کرو اور اپنی کتابیں لے کر پڑھنے کے لیے بیٹھ جاؤ۔ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ جلدی واپس آجاؤں گا۔"

"ڈیڈی کی دکان کا کیا ہوگا چاچا۔ کئی روز سے بند پڑی ہے۔" وجدان نے کہا۔

"اس کا بھی بندوبست کرتے ہیں پتر۔" پرتاب سنگھ نے کہا "پرتام سنگھ تمہارے باپ کا پرانا ملازم ہے۔ دیانت دار اور قابلِ اعتماد ہے۔ میں اپنا ایک آدمی اس کے ساتھ لگا دیتا ہوں۔ وہ دونوں دکان سنبھال لیں گے۔"

"اور چاچا۔" وجدان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے

کہا "ڈیڈی نے ڈائری میں لکھا ہے کہ انہوں نے ملک نوازش علی کے آدمیوں سے پانچ کروڑ روپے کا سونا چین کر کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ کیا وہ سونا اب بھی وہاں موجود ہوگا۔ پانچ کروڑ بہت بڑی رقم ہوتی ہے نا؟"

"ہاں بہت بڑی اور اب تو اس سونے کی مالیت تقریباً دگنی ہو گئی ہوگی۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا "تمہارے باپ کی ڈائری پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کی موت کی وجہ وہ سونا ہی تھا۔ زمین کا مقدمہ چل رہا تھا پتا رہتا لیکن تمہارا باپ تو ان کی دوسری غیر قانونی سرگرمیوں میں بھی رکاوٹ بن گیا تھا۔ اس نے ملک نوازش علی کے آدمیوں سے سونا چین کر کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ وہ یقیناً بعد میں پولیس یا کسی اور کو ملک نوازش کی غیر قانونی سرگرمیوں اور اس سونے کے بارے میں اطلاع دینا چاہتا ہوگا لیکن ملک کے آدمیوں نے اسے چین سے بیٹھنے کا موقع نہیں دیا اور اسے اپنی اور تم لوگوں کی جانیں بچا کر ملک سے بھاگنا پڑا لیکن.... یہ اسٹنگر جو ہوتے ہیں نا۔ بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں۔ انہیں صرف اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ ان کا دھرم صرف اور صرف دولت ہوتی ہے۔ انسانی زندگی ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ وہ دولت کے لیے دوسروں کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں اور پھر پانچ کروڑ تو بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ سونا اب بھی وہاں موجود ہو لیکن اس کے بارے میں بعد میں سوچا جائے گا۔ فی الحال تو ہمیں یہاں دارا اور اس کے کرائے کے ٹٹوؤں سے نمٹنا ہے۔ اچھا۔ اب میں چلتا ہوں۔ ایک دو گھنٹے میں آجاؤں گا۔"

پرتاب سنگھ ناشتے کی میز سے اٹھ گیا۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے لباس تبدیل کیا اور باہر آکر پولیس والوں کو ہدایات دیتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس کی اپنی گاڑی کئی روز سے کام کے سلسلے میں ورکشاپ میں کھڑی تھی۔ اس نے اپنے دوست دلدار سنگھ کی مرسیڈیز مستعار لے لی تھی۔ اس گاڑی کو وہ باہر گلی میں ہی کھڑی کیا کرتا تھا۔

مرسیڈیز ڈرائیو کرتے ہوئے وہ محتاط نظروں سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ پولیس اسٹیشن جا کر انسپکٹر چیانگ شو کو اس دھمکی آمیز فون کال کے بارے میں آگاہ کرے گا لیکن پھر اس نے ارادہ بدل دیا اور کار کا رخ اپنے دفتر کی طرف موڑ دیا۔

وہ کئی روز بعد دفتر آیا تھا۔ بہت سارے کام اس کی توجہ کے منتظر تھے لیکن اس نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا فون پر انسپکٹر چیانگ شو سے رابطہ کر کے اسے اس ٹیلی فون کال کے بارے میں بتانے لگا۔

"گڈ۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا "اس کا مطلب ہے کہ وہ رات نو بجے تم سے دوبارہ فون پر رابطہ کرے گا لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں سی آئی ڈی کے کچھ آدمی تمہارے مکان کے اطراف میں پھیلا دیتا ہوں۔ ہم فون ٹیپ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ وہ کال کہاں سے کی گئی ہے اور وہ..... ہے۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟" پرتاب سنگھ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" انسپکٹر چیانگ شو نے جواب دیا "تم گھر پر رہو گے۔ اگر موقع ملا تو اس وقت میں خود بھی تمہارے پاس پہنچ رہوں گا۔ اگر کوئی اور ایمرجنسی... آن پڑی تو اپنا آدمی بھیج دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں رات کو انتظار کروں گا۔" پرتاب سنگھ کہتے ہوئے فون بند کر دیا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

وہ دوپہر تک اپنے کام میں مصروف رہا پھر منیجر کو ہدایات دیتا ہوا اٹھ گیا۔

راستے میں ایک ہوٹل سے اس نے دو لنچ بکس لیے اور پھر سیدھا گھر پہنچ گیا۔ مکان پر ڈیوٹی دینے والے پولیس اہلکاروں کے کھانے پینے کا بندوبست بھی اس کے ذمے تھا۔ وہ ان پولیس والوں کو پیسے دے دیا کرتا تھا اور وہ اپنا ایک آدمی بھیج کر کسی قریبی ہوٹل سے کھانا لے آتا تھا۔

پرتاب سنگھ گھر پہنچا تو دو بج رہے تھے۔ کمرے میں وجدان کے ساتھ سامنے والے بنگلے میں رہنے والی مسز فائے بھی موجود تھی۔ پرتاب سنگھ کو دیکھ کر مسکرا دی۔ مسز فائے کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ خاصی حسین عورت تھی۔ شگفتہ زندہ تھی تو وہ اکثر اس کے ہاں آیا کرتی تھی۔ اس کے بعد بھی وہ کبھی کبھار وجدان کے پاس آجاتی تھی۔

"میں نے سوچا وجدان اکیلا گھبرا رہا ہوگا اس لیے میں یہاں آگئی تھی۔" اس نے پرتاب سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھا کیا تم نے۔" پرتاب سنگھ بولا "اس بچے کو کمپنی کی ضرورت ہے۔ میں تو کچھ مصروف رہتا ہوں۔ بہتر ہوگا کہ تم روزانہ کچھ دیر کے لیے اس کے پاس آجایا کرو۔"

"فائے آنٹی بہت اچھی خاتون ہیں پرتاب چاچا۔" وجدان نے ان کی باتوں میں مداخلت کرتے ہوئے کہا "بڑے مزے مزے کی باتیں کرتی ہیں۔"

"ہاں پتر۔" پرتاب سنگھ بولا "تم نے دیکھا نہیں یہ خود بھی کتنے مزے کی ہیں۔ کبھی کبھی گلی میں مل جاتی ہیں تو ان سے باتیں کر کے واقعی مزہ آجاتا ہے۔ بہرحال، تم منہ ہاتھ دھو لو۔ میں کھانا لے آیا ہوں۔ آج تمہاری یہ فائے آنٹی بھی ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں گی۔"

فائے نے کھانے سے معذرت کر کے جانا چاہا مگر وجدان کے اصرار پر رک گئی۔ کھانے کے بعد وجدان اور فائے لاؤنج میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور پرتاب سنگھ کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ کچھ دیر آرام کیا کرتا تھا۔

لیکن آج وہ زیادہ ہی اونگھ گیا تھا۔ آنکھ کھلی تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ مسز فائے اس وقت بھی وجدان کے پاس موجود تھی لیکن کچھ دیر بعد وہ اپنے گھر چلی گئی۔ اس کی وجہ سے وجدان کا آج کا دن اچھا گزر گیا تھا۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، پرتاب سنگھ کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ اس کی نظریں بار بار گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو اس نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ یہ انسپکٹر چیانگ شو کی کال تھی۔

"میں انسپکٹر چیانگ بول رہا ہوں پرتاب سنگھ۔" دوسری طرف سے آواز... سنائی دی "وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ ہینڈرن ہوٹل کے قریب ایک مڈبھیڑ ہو گیا ہے۔ میں وہاں جا رہا ہوں تم پریشان مت ہونا۔ میں نے تمام انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔ سی آئی ڈی کے نصف درجن آدمی تمہارے مکان کے آس پاس موجود ہیں۔ تم نے صرف اتنا کرنا ہے کہ وہ فون کال آئے تو ایکسچینج سے اس کال کے بارے میں معلوم کر کے اس نمبر پر اطلاع دے دو۔ میرے آدمی تیار بیٹھے ہوں گے۔ تمہاری طرف سے اطلاع ملتے ہی وہ حرکت میں آجائیں گے۔ ویسے میں اپنا ایک آدمی بھیج رہا ہوں۔ وہ تمہارے پاس موجود رہے گا۔ نمبر نوٹ کر لو۔"

پرتاب سنگھ نے انسپکٹر چیانگ کا بتایا ہوا نمبر نوٹ کر لیا اور فون بند کر دیا۔ نو بجنے میں چند منٹ باقی تھے کہ بنگلے کے گیٹ پر متعین ایک پولیس والے نے سی آئی ڈی کے ایک آفیسر کی آمد کی اطلاع دی۔ پرتاب سنگھ فوراً ہی گیٹ پر آگیا۔

"میرا نام آنگ کانگ ہے۔ میں سی آئی ڈی آفیسر ہوں۔ مجھے انسپکٹر چیانگ شو نے یہاں بھیجا ہے۔" اس شخص نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ وہ درمیانے قد کا اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔

"تم آنگ کانگ ہو یا ہانگ کانگ۔ اندر آجاؤ۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔ اس نے اس کا شناختی کارڈ چیک کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اسے تسلی ہو گئی تھی کہ انسپکٹر چیانگ شو نے یہی نام بتایا تھا۔

وہ شخص اندر آگیا اور لان میں کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ پرتاب سنگھ کے ساتھ چھت پر بھی چکر لگا آیا۔ پرتاب سنگھ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ حفاظتی انتظامات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اندر آکر بھی اس نے پورے مکان کو چیک کیا۔ ایک ایک کمرے میں جھانک کر دیکھا پھر لاؤنج میں آگیا جہاں وجدان صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"ہیلو بوائے۔" اس نے مسکراتے ہوئے وجدان کی طرف دیکھا "تم ڈرو تو نہیں رہے؟"

"چاچا پرتاب سنگھ میرے پاس ہے تو مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے اور پھر میں بزدل بھی نہیں ہوں۔" وجدان نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں بڑی خود اعتمادی تھی۔

"گڈ۔" آنگ کانگ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا اور پرتاب سنگھ سے باتیں کرنے لگا جو بار بار بے چینی سے ٹیلی فون کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نو بج کر پانچ منٹ پر فون کی گھنٹی بجی تو پرتاب سنگھ نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ آنگ کانگ اطمینان سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا تھا۔

"ہیلو۔ پرتاب سنگھ اسپیکنگ۔" پرتاب سنگھ فون پر بولا۔ چند لمحے دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر اس نے کہا "تم جو کوئی بھی ہو میری بات غور سے سن لو۔ وجدان کو تمہارے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ تم جو کوئی بھی ہو تمہیں بہت جلد ڈھونڈ نکالوں گا اور پھر تم سے ایک ایک چیز کا حساب لیا جائے گا۔"

جواب میں دوسری طرف سے کچھ کہا جا رہا تھا لیکن پرتاب سنگھ نے کریڈل کو دو مرتبہ ٹیپ کر کے ریسیور رکھ دیا۔ اسے انسپکٹر چیانگ شو نے ہی بتایا تھا کہ اس کے فون پر آبزرویشن لگا دیا گیا ہے۔ کریڈل کو اس طرح ٹیپ کرنے سے وہ نمبر ریکارڈ ہو جائے گا جہاں سے کال کی گئی تھی۔

نمبر معلوم کرنے کے لیے ٹیلی فون ایکسچینج سے رابطہ کرنا ضروری تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ آنگ کانگ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ایکسچینج سے کچھ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں مسٹر پرتاب سنگھ۔" آنگ کانگ کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی "یہ کال ایک پبلک فون بوتھ سے کی گئی تھی۔"

پرتاب سنگھ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ آنگ کانگ کے ہاتھ میں پستول تھا جس پر سائلنسر لگا ہوا تھا اور پستول کا رخ وجدان کے سینے کی طرف تھا۔ وجدان کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آنگ کانگ نے اسے زوردار کھینچ رسید کر دیا۔ وہ چیختا ہوا صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

پرتاب سنگھ کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے تھے۔ اسے

ایک مقبول ترین سلسلہ
شاطر
کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے
شاطر کو مشہور انعام یافتہ مصنف شکیل انجم نے اپنے خاص انداز میں تحریر کیا ہے۔
ایک ایسی دلچسپ ہنگامہ آرا اور سنسنی خیز داستان جس میں قدم قدم سسپنس اور سطر سطر قیامت آرائی ہے۔
کتاب کی قیمت بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں
پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ سی آئی ڈی آفیسر آنگ کانگ نہیں تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریسیور رکھ دیا اور آنگ کانگ کی طرف بڑھا۔

آنگ کانگ نے بڑی پھرتی سے پستول کا رخ اس کی طرف کرکے گولی چلا دی۔ سٹک کی آواز ابھری اور گولی پرتاب سنگھ کے سر سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔ وہ بڑی تیزی سے نیچے جھکا تھا۔ جب سیدھا ہوا تو پستول کی زد میں تھا۔

"یہ گولی تمہاری کھوپڑی کے پرخچے بھی اڑا سکتی تھی۔" آنگ کانگ غرایا "میں نے تمہیں صرف وارننگ دی ہے۔ اب اگر تم نے کوئی حرکت کی تو اگلی خاموش گولی تمہاری کھوپڑی یا سینے میں پیوست ہو جائے گی۔"

"تم کون ہو؟" پرتاب سنگھ نے اسے گھورا۔

"میں تمہیں اپنا نام اور پتا نہیں بتاؤں گا۔" آنگ کانگ نے جواب دیا "آج صبح جب میرے باس نے تمہیں فون کیا تھا تو اسے یقین تھا کہ تم پولیس کو اس کی اطلاع دو گے اور رات کو آنے والی ٹیلی فون کال ٹریس کرنے کے لیے ٹیلی فون کے ساتھ کوئی حرکت کی جائے گی۔ ہمارا باس بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا اور پھر ٹیلی فون کے تاروں سے چھیڑ چھاڑ کرنا ہم بھی جانتے ہیں۔ ہم نے آج صبح ہی یہاں سے نصف میل دور ڈسٹری بیوشن کیبن میں تمہارے فون کی لائن ٹریس کرکے یہاں سے چوتھی گلی میں واقع ایک بنگلے کے فون سے کنیکٹ کرلی تھی۔ ہم دو آدمی صبح سے اس بنگلے میں موجود تھے اور تمہاری لائن کو ٹریس کر رہے تھے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "ہمیں زیادہ خطرہ انسپکٹر چیانگ شو کی طرف سے تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ نو بجے وہ بھی یہاں موجود ہوگا۔ اسے یہاں آنے سے روکنے کے لیے ہم نے ہوٹل مینڈرن کے عقب میں ایک راہ گیر کو قتل کردیا اور پولیس اسٹیشن اطلاع کر دی۔ ہماری توقع کے عین مطابق انسپکٹر چیانگ ہی جائے واردات پر گیا لیکن جانے سے پہلے اس نے تمہیں فون پر اطلاع دے دی کہ وہ آنگ کانگ نامی سی آئی ڈی آفیسر کو بھیج رہا ہے۔ آنگ کانگ ہمارے لیے اجنبی نہیں تھا۔ ہم نے اسے راستے ہی میں اچک لیا اور اسے اسی بنگلے میں پہنچا دیا جہاں ہم نے ٹیلی فون والا سیٹ اپ کر رکھا ہے۔ آنگ کانگ اس بنگلے کے ایک کمرے میں بندھا پڑا ہے اور میرا ساتھی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ تم واقعی سکھ ہو۔" آنگ کانگ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہہ رہا تھا "اگر تم میں ذرا سی بھی عقل ہوتی تو میرا شناختی کارڈ طلب کرتے۔ ایسی صورت میں میرے لیے خطرہ ہو سکتا تھا لیکن تم آنگ کانگ کا نام سن کر ہی مطمئن ہو گئے تھے۔"

"ہاں۔ یہ حماقت واقعی مجھ سے ہو گئی تھی کہ میں نے تمہارا شناختی کارڈ چیک نہیں کیا تھا لیکن کیا تم یہاں سے زندہ واپس جا سکو گے؟" پرتاب سنگھ بولا۔

"مجھے کوئی نہیں روک سکے گا۔" آنگ کانگ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہاں آتے ہی میں نے حفاظتی انتظامات کا جائزہ لیا تھا اور یہ بات میرے لیے باعثِ اطمینان تھی کہ تم کمرے کے اندر تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ باہر کے محافظ مجھے نہیں روک سکیں گے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ یہاں سے زندہ واپس چلے جاؤ گے۔" پرتاب سنگھ نے اس کے پستول والے ہاتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اسے باتوں میں لگا کر کسی موقع کی تلاش میں تھا لیکن آنگ کانگ خاصا محتاط واقع ہوا تھا۔ وہ بھی اس کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔

"مجھے اس لڑکے کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔" آنگ کانگ کہہ رہا تھا "میں اس وقت بڑی آسانی سے اسے گولی مار سکتا تھا لیکن میں اسے یہاں قتل نہیں کروں گا۔ اگر اسے یہاں قتل کروایا پھر میرا نکلنا واقعی ممکن نہیں رہے گا۔ یہ لڑکا اس وقت میری زندگی کی ضمانت ہے۔ میں اسے ڈھال بنا کر یہاں سے باہر نکلوں گا اور یہ بھی میرے ساتھ چلو گے۔ باہر گلی میں تمہاری گاڑی کھڑی ہے۔ تم گاڑی ڈرائیو کرو گے۔ یہ بات ذہن نشین کرلو کہ اگر باہر کسی نے کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو میرے پستول کی خاموش گولی اس لڑکے کی زندگی کا خاتمہ کردے گی۔ چلو۔ اب باہر نکلو۔"

آنگ کانگ نے بڑی پھرتی سے پوزیشن بدل کر صوفے پر پڑے ہوئے وجدان کو بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ خوف و دہشت سے وجدان کی آنکھیں پھٹی پڑ رہی تھیں۔ آنگ کانگ نے ایک ہاتھ سے اسے گرفت میں لیے رکھا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول اس کی کنپٹی سے لگا دیا۔

پرتاب سنگھ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی اس نے دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس کے قدم رک گئے اور وہ فون کی طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں۔ تم کال ریسیو نہیں کرو گے۔" آنگ کانگ کے لہجے سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی "باہر چلو۔"

پرتاب سنگھ پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ راہداری میں پہنچ کر اس نے مڑ کر آنگ کانگ کی طرف دیکھا۔ کوئی موقع نہیں تھا۔ پستول کی نال وجدان کی کنپٹی سے لگی ہوئی تھی۔ اور اس کی کوئی بھی حرکت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ برآمدے میں پہنچ کر وہ ایک بار پھر رک گیا۔

"گیٹ اور چھت پر کھڑے ہوئے محافظوں سے کہہ دو کہ اگر کسی نے کسی طرح کی بھی مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو اس لڑکے کو گولی مار دی جائے گی۔ چلو۔ آگے بڑھو۔" آنگ کانگ نے کہا۔

پرتاب سنگھ کمپاؤنڈ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ چھت پر پولیس کانسٹیبل منڈیر کے قریب کھڑا تھا۔ پرتاب سنگھ نے آگے بڑھ کر باہر والا دروازہ کھول دیا۔ گیٹ کے باہر دونوں پولیس والے باتیں کر رہے تھے۔

"ان سے کہو اپنی رائفلیں پھینک دیں اور دور ہٹ کر کھڑے ہو جائیں۔" آنگ کانگ نے پرتاب سنگھ سے کہا۔

کانسٹیبل اس کی آواز سن کر چونک گئے۔ انہوں نے مڑ کر اندر کی طرف دیکھا۔ ان میں سے ایک نے فوراً ہی صورتِ حال کا اندازہ کرتے ہوئے اپنی رائفل سیدھی کرنے کی کوشش کی تو پرتاب سنگھ نے چیخ کر کہا۔

"نہیں۔ تم میں سے کوئی بھی ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا جو وجدان کی زندگی کے لیے خطرے کا باعث بن سکے۔ اپنی رائفلیں پھینک دو اور ایک طرف کھڑے ہو جاؤ۔" اس نے چھت پر کھڑے ہوئے محافظ کو بھی رائفل اوپر پھوڑ کر نیچے بلا لیا۔

آنگ کانگ وجدان کو گرفت میں لیے کھڑا تھا۔ اس نے پستول کی نال اس کی کنپٹی سے لگا رکھی تھی۔ تینوں پولیس والے نہتے ہو کر ایک طرف ہٹ گئے تو وہ وجدان کو لے کر گیٹ سے باہر آگیا۔ گلی میں پرتاب سنگھ کی مرسیڈیز کھڑی تھی۔

"چلو۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھو۔ تمہاری کوئی غلط حرکت اس لڑکے کی موت کا باعث بن سکتی ہے۔" آنگ کانگ نے کہا۔

پرتاب سنگھ اوپر سے گھوم کر ڈرائیونگ سائڈ کا دروازہ کھولنے لگا۔ آنگ کانگ نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول لیا۔ پہلے وجدان کو اندر دھکیلا پھر خود بھی اندر بیٹھ کر دروازہ بند کرلیا۔ اس دوران میں پرتاب سنگھ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ تینوں پولیس والے دیوار کے قریب کھڑے وحشت زدہ سی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"گاڑی آگے بڑھاؤ۔" آنگ کانگ غرایا "اس گلی سے نکلو تو میں تمہیں راستہ بتاتا رہوں گا۔"

پرتاب سنگھ نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ گلی کے موڑ پر سادہ لباس میں سی آئی ڈی کا ایک آدمی سامنے آگیا۔ اس نے اسٹیئرنگ کے سامنے پرتاب سنگھ اور پچھلی سیٹ پر وجدان کو ایک اجنبی کے ساتھ بیٹھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ لوگ گھوم پھر کر مکان کی نگرانی کریں گے اور مشتبہ شخص پر نگاہ رکھیں گے۔ انہیں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ وجدان کو کہیں اور بھی منتقل کیا جائے گا۔

مرسیڈیز گلی کا موڑ گھوم کر دوسری طرف نکل گئی۔ سی آئی ڈی کا وہ آدمی چند لمحے کار کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر پرتاب سنگھ کے بنگلے کی طرف دوڑا۔

"گاڑی تیز چلاؤ۔" آنگ کانگ غرایا۔ اس نے سی آئی ڈی کے اس آدمی کو بنگلے کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ فوراً ہی پرتاب سنگھ نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی اور آنگ کانگ کی ہدایات پر عمل کرتا ہوا گاڑی کو اوکسلے روڈ کی طرف لے آیا۔

"اگلے موڑ پر گاڑی کو اوکسلے روڈ پر اور وہاں سے لائیڈ روڈ کی طرف موڑ لینا۔ رفتار بڑھاؤ۔" آنگ کانگ دہاڑا۔ نجانے کیا بات تھی کہ اب اس پر گھبراہٹ سی طاری ہونے لگی تھی۔ اس نے پستول کی نال وجدان کے پہلو سے لگا رکھی تھی۔

پرتاب سنگھ نے مرسیڈیز کی رفتار بڑھا دی اور پھر رفتار کم کیے بغیر اس نے اگلے موڑ پر گاڑی اوکسلے روڈ کی طرف گھما دی۔ اس نے موڑ پر ٹریفک کے ایک سارجنٹ کی موٹر سائیکل دیکھ لی تھی۔ اسے دیکھ کر پرتاب سنگھ نے گاڑی کی رفتار مزید تیز کردی تھی تاکہ ٹریفک سارجنٹ اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔

ابھی تو ساڑھے نو بجے تھے۔ سڑک پر ٹریفک کی آمد و رفت بھی جاری تھی۔ پرتاب سنگھ بڑی مہارت سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ٹریفک سارجنٹ کی موٹر سائیکل بھی بڑی تیز رفتاری سے اس کے پیچھے آرہی تھی۔ آنگ کانگ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

"اس موٹر سائیکل سے پیچھا چھڑاؤ۔" آنگ کانگ چیخا "گاڑی کو لائیڈ گارڈنر کی طرف موڑ لو۔"

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ موٹر سائیکل قریب آرہی تھی اور پھر موٹر سائیکل سے پیچھا چھڑانے کے لیے اس نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی عقبی ونڈ اسکرین توڑتی ہوئی موٹر سائیکل سوار سارجنٹ کے پیر پر لگی تھی۔ موٹر سائیکل بے قابو ہو کر سڑک پر لڑھک گئی۔

وجدان خوف زدہ تھا لیکن آنگ کانگ نے جیسے ہی اس کے پہلو سے پستول ہٹایا' اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا اور اس نے وہ کچھ کر دکھایا جس کی اس سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

موٹر سائیکل سوار پر گولی چلا کر آنگ کانگ ابھی پیچھے کی طرف ہی جھکا ہوا تھا کہ وجدان نے دونوں ہاتھوں سے اس کے پستول والے ہاتھ کی کلائی پکڑی اور دانت اس کے بازو میں گاڑ دیے۔ آنگ کانگ بلبلا اٹھا۔ وہ بازو کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ انگلی سے پستول کا ٹریگر دب گیا۔ پستول کا رخ چھت کی طرف تھا۔ گولی چھت میں سوراخ کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

پرتاب سنگھ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو لمحہ بھر کو بدحواس ہو گیا۔ اسی بدحواسی میں کار بے قابو ہو گئی۔ اس نے بریک پیڈل دبا دیا اور اسٹیئرنگ چھوڑ کر سیٹ کے اوپر سے پیچھے جھک گیا اور آنگ کانگ کی گردن میں بازو ڈال کر اسے پوری قوت سے پیچھے کی طرف کھینچنے لگا۔ پستول سے ایک اور گولی نکلی۔ یہ گولی عقبی اسکرین توڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔

وجدان نے دانتوں سے آنگ کانگ کا بازو بھنبھوڑ ڈالا۔ پستول آنگ کانگ کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا۔ اس کے بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ وجدان اسے بری طرح دانتوں سے بھنبھوڑ رہا تھا۔ دوسری طرف پرتاب سنگھ نے اس کی گردن کو بازو کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اسے سانس گھٹتا ہوا سا محسوس ہونے لگا۔

مرسیڈیز سڑک پر لہرا رہی تھی۔ وہ سامنے سے آنے والے ایک ٹرک سے ٹکراتے ٹکراتے بچی اور لہراتی ہوئی سڑک سے اتر کر ایک درخت سے ٹکرا گئی۔

آنگ کانگ نے تکلیف کے باوجود بازو کو زور زور سے جھٹکے دیے۔ وجدان نے ایک مرتبہ پھر زور سے جھٹکا توڑا اور پھر اس کے بازو سے دانت ہٹا لیے۔ اس کے منہ میں خون بھر گیا تھا اور وہ متلی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ آنگ کانگ کے بازو سے بوٹی لٹک گئی تھی اور خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ وہ اب اپنے آپ کو پرتاب سنگھ کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

پرتاب سنگھ نے اس کی گردن کو آہنی شکنجے کی طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اچانک وہ چونک گیا۔ پیچھے سے ایک کار بڑی تیز رفتاری سے اس طرف آرہی تھی۔ گولیاں چلنے کی آواز بھی پرتاب سنگھ کے کانوں سے ٹکرائی۔ یہ پولیس نہیں ہو سکتی تھی۔ پولیس گولیاں نہیں چلاتی' سائرن بجاتی ہے۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ آنگ کانگ کے ساتھی تھے۔

"کاکے!" وہ چیخا "گاڑی سے اتر کر بھاگ جا۔ وہ لوگ آرہے ہیں۔"

"میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا چاچا۔" وجدان بولا۔

"میری پروا مت کر۔ بھاگ جا یہاں سے۔ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ بھاگ جا یہاں سے۔ کسی بھی محفوظ جگہ پر چلا جا۔ میں تمہیں تلاش کرلوں گا۔ بھاگ جا۔ وہ لوگ آگئے تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ بھاگ جا کاکے۔ جلدی کر۔" پرتاب چیخا۔

وجدان نے ایک لمحے کو سوچا اور کار کا دروازہ کھول دیا۔ آنگ کانگ نے ٹانگ آگے کرکے اسے روکنے کی کوشش کی تھی مگر وجدان نے اس کی ٹانگ پر بھی دانتوں سے کاٹ لیا اور کار سے اتر کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

اس نے ایک مرتبہ مڑ کر دیکھا۔ گولیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ تیز رفتار کار مرسیڈیز سے چند گز پیچھے رک گئی۔ وجدان مڑ کر تاریکی میں دوڑنے لگا۔ اس کا رخ لائیڈ گارڈنر کی طرف تھا۔

○☆○

وجدان تاریکی میں اندھا دھند دوڑا جا رہا تھا۔ اس کا سانس پھول گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا' تعاقب میں کوئی نہیں تھا۔ وہ رک گیا اور پھولے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے منہ میں اب بھی خون کا ذائقہ بھرا ہوا تھا اور پھر دفعتاً اسے یوں محسوس ہوا جیسے خون کا کوئی لوتھڑا اس کے حلق میں پھنس گیا ہو۔ اسے متلی محسوس ہونے لگی۔ وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا مگر کامیاب نہیں ہو سکا اور قے کرنے لگا۔

اس کے پورے سینے میں آگ سی لگ گئی۔ بڑی شدید جلن ہو رہی تھی۔ پیٹ میں آنتیں جیسے کٹی جا رہی تھیں۔ وہ پیٹ پکڑ کر دُہرا ہوا جا رہا تھا۔ اگرچہ وہ بہت بڑی الٹی کرچکا تھا۔ کھایا پیا سب کچھ نکل چکا تھا مگر لگتا تھا جیسے اب بھی حلق میں کچھ اٹکا ہوا ہو۔ معدہ پیٹ کو دباتے ہوئے ابکائیاں لیتا رہا۔

اس کی آنکھوں اور ناک سے بھی پانی بہہ نکلا تھا۔ منہ کا خون کا ذائقہ بھی ابھی تک محسوس ہو رہا تھا اور بالآخر وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا لیکن اس لمبی چوڑی الٹی کی وجہ سے وہ نڈھال سا ہوگیا تھا۔ وہ پانی پینا چاہتا تھا مگر پانی کہاں سے ملتا۔ وہ گھاس پر بیٹھ گیا اور سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اگر دن کا وقت ہوتا تو شاید اس علاقے کو پہچان لیتا مگر رات کے اندھیرے میں اس کی سمجھ میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ جس جگہ بیٹھا ہوا تھا اس کے آس پاس قد آدم جھاڑیاں تھیں اور دائیں طرف تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر درختوں کے تاریک ہیولے نظر آرہے تھے دوسری طرف بہت فاصلے پر کچھ روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

اچانک ہی دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ کافی فاصلے پر دو انسانی ہیولے دوڑتے ہوئے اس طرف آرہے تھے۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ انجانا سا خوف اس کے دماغ کو اپنی گرفت میں لینے لگا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اگر وہ اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کرتا تو ان کی نظروں میں آسکتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھا اور رینگتا ہوا جھاڑیوں میں گھس گیا اور ایک جگہ دبک کر بیٹھ گیا۔ جھاڑیاں خاصی گنجان تھیں۔ وہ انہیں دیکھ تو نہیں سکتا تھا لیکن قدموں کی آواز سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ قریب آرہے تھے۔

وجدان کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ آنگ کانگ کے ساتھی تھے جو اس کی تلاش میں اس طرف آئے تھے۔ وہ اسے قتل کرنا چاہتے تھے۔ اس سارے شیطانی کھیل کے پیچھے دارا کا ہاتھ تھا اور وہ دارا کے جرم کا چشم دید گواہ تھا۔ دارا کسی قیمت پر اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس نے کرائے کے غنڈوں کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں جو اسے ٹھکانے لگانے کے لیے موقع کی تاک میں تھے اور اس کی قسمت اچھی تھی کہ ہر مرتبہ وہ بچتا رہا تھا۔ قسمت نے آج پھر اس کا ساتھ دیا تھا۔

اس کے ذہن میں پرتاب سنگھ کا خیال ابھر آیا۔ وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ پتا نہیں اس کا کیا ہوا ہوگا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز اس سے چند گز کے فاصلے پر رک گئی پھر ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔ وہ چینی زبان میں بات کر رہا تھا۔ وجدان کی پرورش اس جزیرے پر ہوئی تھی جہاں کی آبادی میں چینیوں کی اکثریت تھی۔ وہ مینڈرن زبان بولتے تھے۔ وجدان اگرچہ روانی سے یہ زبان نہیں بول سکتا تھا لیکن سمجھ لیتا تھا۔ وہ شخص کہہ رہا تھا۔

"وہ اسی طرف آیا تھا۔ یہاں تو کہیں نظر نہیں آرہا۔ ممکن ہے وہ پارک کی طرف نکل گیا ہو۔ وہاں چھپنے کی بہت سی جگہیں ہیں۔"

"چھپنے کی جگہیں تو اس طرف بھی بہت ہیں۔ ان جھاڑیوں میں پوری فوج چھپ سکتی ہے۔ لیکن چلو۔ پارک ہی کی طرف چلتے ہیں۔ وہ اس طرف گیا ہوگا۔ اسے وہاں کسی سے مدد ملنے کی توقع بھی ہوگی۔" دوسرے نے کہا۔

قدموں کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔ چند سیکنڈ بعد وجدان نے جھاڑیوں سے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ دونوں دائیں طرف والے درختوں کی طرف جا رہے تھے۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ موت ایک بار پھر اس کے قریب سے گزر گئی تھی۔ وہ چند لمحے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا پھر اٹھ کر جھاڑیوں سے باہر نکلنے کے بجائے اس طرف چلنے لگا جہاں روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

وجدان کا دل خوف سے کانپ رہا تھا لیکن وہ اپنے خوف پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے تیز تیز چلتا رہا۔ سناٹے میں جھاڑیوں کی سرسراہٹ کی آواز دور تک سنی جاسکتی تھی لیکن اس نے اپنی رفتار کم نہیں کی تھی۔ وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا۔

تقریباً دو سو گز دور جھاڑیوں سے نکل کر وہ کھلی جگہ پر آگیا۔ تیز تیز چلتے ہوئے اس کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ جھاڑیوں میں غلط سمت میں نکل آیا تھا۔ وہ روشنیاں اب دائیں طرف رہ گئی تھیں۔ آگے ایک ٹیلا سا تھا اور دبیز گھاس تھی۔ وہ ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کرکے وہ ایک بار پھر رک گیا۔ ٹیلے کے دوسری طرف نشیب میں بھی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے وہ پیچھے مڑا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ دو انسانی ہیولے جھاڑیوں سے نکل کر اسی طرف آرہے تھے۔ یہ یقیناً وہی تھے جو پارک کی طرف گئے تھے لیکن اُس طرف اس کی تلاش میں ناکام ہو کر اِس طرف آگئے تھے۔

ان کے درمیان فاصلہ اگرچہ تین سو گز کے قریب تھا لیکن وجدان بلندی پر ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں نشیب سے اسے آسانی سے دیکھا جاسکتا تھا اور پھر ایک چیختی ہوئی آواز سن کر وہ اچھل پڑا۔

"وہ رہا.... بھاگو..... بچ کر جانے نہ پائے۔"

اس کے ساتھ ہی فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ وجدان نے دوسری طرف نشیب میں دوڑ لگا دی۔ ایک موقع پر اس کا پیر رپٹ گیا۔ وہ لڑھکتا گرا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا اور کئی گز تک ڈھلان پر لڑھکتا چلا گیا۔ بالآخر وہ سنبھل گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا' وہ لوگ ابھی ٹیلے کی چوٹی پر نہیں پہنچے تھے۔ وہ ایک بار پھر دوڑنے لگا۔

فائر کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ وجدان دوڑتا رہا۔ وہ روشنیاں اب بھی تقریباً تین سو گز دور تھیں۔ وجدان سوچ رہا تھا کہ اگر کسی طرح وہاں تک پہنچ جائے تو موت کے ان فرشتوں سے بچ سکتا تھا۔

وہ پوری قوت سے دوڑتا رہا اور بالآخر ایک درخت کی آڑ میں رک گیا۔ سامنے شاپنگ ایریا تھا۔ ایک عمارت پر جگمگاتا ہوا ایک جانا پہچانا نیون سائن دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ وہ ریور ویلی روڈ پر آگیا ہے۔ یہ علاقہ اس کا جانا پہچانا تھا۔ سائیکل پر کئی مرتبہ اس طرف آچکا تھا۔ اس علاقے میں چند بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹورز تھے اور بھی بہت سی دکانیں تھیں۔ چند فاسٹ فوڈ کے اسٹالز اور تین چار اسنیک بارز تھے۔

وجدان ایک بار پھر دوڑنے لگا اور بالآخر ریور ویلی روڈ پر پہنچ گیا۔ بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور بند ہو چکے تھے۔ البتہ چند چھوٹی دکانیں' ریسٹورنٹ اور فاسٹ فوڈ کے اسٹالز کھلے ہوئے تھے اور اس علاقے کی طرف زیادہ رونق تھی۔

وجدان ایک ریسٹورنٹ سے کچھ فاصلے پر ایک کار کی آڑ میں رک گیا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں آدمی بھی نظر آگئے۔ ان میں سے ایک کو دیکھ کر وجدان چونک گیا۔ یہ وہی چینی تھا جس نے خنجروں کے وار کرکے اس کی ماں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس کا نام اب بھی اس کے ذہن میں نہیں آرہا تھا لیکن اسے دیکھ کر وہ کانپ اٹھا تھا۔ اس کی سفاکی کا مظاہرہ وہ دیکھ چکا تھا۔

وہ دونوں ایک جگہ پر کھڑے اِدھر اُدھر دیکھتے رہے پھر آگے بڑھنے لگے۔ وجدان متوحش نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ یہ جگہ اس کے لیے محفوظ نہیں تھی۔ کسی بھی وقت وہ ان کی نظروں میں آسکتا تھا۔ وہ کاروں کے پیچھے چھپتا ہوا ایک تنگ سی گلی میں سے گزر کر اس طرف آگیا جہاں فاسٹ فوڈ کی دکانیں تھیں۔ سڑک اور دکانوں کے درمیان وسیع لان تھے جہاں میزیں اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

اس طرف تیز روشنیاں تھیں۔ وجدان سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی کاروں کے پیچھے چھپتا ہوا ایک باربی کیو والی دکان کی طرف آگیا۔ یہ سبحان علی نامی ایک پاکستانی کا باربی کیو تھا۔ وجدان اپنے والدین کے ساتھ کئی مرتبہ یہاں آچکا تھا۔

سامنے کے رخ پر بڑے بڑے کباب دان تھے اور کئی کبابچی دہکتے ہوئے کوئلوں پر کباب اور چکن تکے وغیرہ تیار کر رہے تھے۔ اشتہا انگیز خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

پچھلی طرف ایک دیوار کے ساتھ کوئلے کی بوریوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ وجدان ایک کار کی آڑ سے نکلنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے ان دونوں چینیوں کو دیکھ لیا جو ایک جگہ کھڑے متجسس نظروں سے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ جیسے ہی دوسری طرف گھومے' وجدان نے کار کی آڑ سے نکل کر کوئلے کی بوریوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ دیوار اور بوریوں کے درمیان تنگ سی جگہ تھی۔ وہ گھستا ہوا اندر

گھس گیا۔ اس کے خیال میں یہ جگہ اگرچہ محفوظ تھی لیکن اگر انہیں شبہ ہوگیا تو پھر اسے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

دیوار اور بوریوں کے درمیان جگہ بہت تنگ تھی۔ وہ پھنس کر کھڑا ہوا تھا۔ دو تین منٹ گزر گئے اور پھر باتوں کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ ایک چینی ٹوٹی پھوٹی اردو میں کسی سے پوچھ رہا تھا کہ اس نے کسی لڑکے کو ادھر آتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔ دوسرے آدمی کا جواب وہ نہیں سن سکا تھا لیکن بہرحال اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ لوگ آس پاس ہی کہیں موجود تھے اور اسے تلاش کر رہے تھے۔

جگہ اگرچہ بہت تنگ سی تھی لیکن وجدان مزید آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا جسم بوریوں سے رگڑ کھا رہا تھا۔ پانچ چھ بوریاں نیچے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ ایک بوری غالباً کچھ آڑی تھی۔ اس کا بیلنس درست نہیں تھا۔ اپنی جگہ بنانے کے لیے وجدان نے دھکا دیا تو اوپر والی بوریاں دھڑام سے دوسری طرف گر گئیں۔

بوریاں گرنے کی آواز سن کر لوگ اس طرف متوجہ ہوگئے۔ ہوٹل کے ایک ملازم نے وجدان کو بوریوں کے پیچھے دیکھ لیا۔

"اوئے۔ کون ہو تم۔ یہاں گھسے ہوئے کیا کر رہے تھے۔" وہ ملازم اس کی طرف بڑھتے ہوئے چیخا "ساری بوریاں گرا دیں۔ تمہارا باپ اٹھائے گا انہیں۔"

وجدان کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ خوف زدہ سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر دوسرے ہی لمحے ایک آواز سن کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"وہ رہا۔ بوریوں کے پیچھے۔ پکڑو۔"

وجدان کو ایک لمحے کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے بوریوں کے پیچھے سے نکل کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔ وہ دونوں چینی اس سے تقریباً چالیس گز دور تھے۔ وہ بھی اس کے پیچھے لپکے۔

اور پھر اچانک ہی فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ وجدان ٹھیک اسی وقت ایک فاسٹ فوڈ کی دکان کے ساتھ مڑ گیا تھا۔ اگر اسے ایک لمحے کی بھی تاخیر ہو جاتی تو گولی اس کے جسم کے کسی حصے میں پیوست ہو جاتی۔

وہ اندھا دھند ایک طرف دوڑتا رہا۔ اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ گولی چلنے سے اس علاقے میں خوف و ہراس سا پھیل گیا تھا۔ فاسٹ فوڈ کی دکانوں کے سامنے بیٹھے ہوئے لوگ اٹھ کر محفوظ جگہوں کی طرف دوڑنے لگے تھے۔

وجدان دو بلند عمارتوں کے درمیان ایک تنگ سی گلی میں دوڑتا ہوا پھر کھلی جگہ پر نکل آیا۔ یہ پارکنگ ایریا تھا۔ وجدان نے سوچا ان کاروں کے درمیان کہیں چھپ جائے یا کسی کار کا دروازہ کھول کر اندر گھس جائے لیکن وہ لوگ اسے ڈھونڈ لیتے۔ وہ پارکنگ ایریا کے پیچھے دیوار کی طرف دوڑا۔

دیوار تقریباً پانچ فٹ اونچی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا دیوار پر چڑھ دوسری طرف کودنے سے پہلے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک چینی اسی تنگ گلی میں دوڑتا ہوا آرہا تھا جہاں سے وہ گزر کر آیا تھا۔ اس نے فائر کر دیا۔ اس دوران میں وجدان دیوار سے چھلانگ لگا چکا تھا۔ گولی اس کے اوپر سے گزر گئی۔ اس مرتبہ بھی وہ بال بال بچا تھا۔

دوسری طرف کچی زمین تھی۔ اس نے سنبھل کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ سامنے پودے تھے۔ اکا دکا درخت بھی تھے اور اس سے آگے گھاس کا قطعہ تھا جس کے دوسری طرف ایک بہت لمبی چوڑی دو منزلہ عمارت تھی۔

وجدان نے اس عمارت کو پہچان لیا۔ وہ ایک ہائی اسکول کی عمارت تھی۔ وہ اٹھ کر پودوں کو پھلانگتا ہوا درختوں کی طرف دوڑا۔ درختوں کے قریب پہنچ کر بھی وہ رکا نہیں بلکہ عمارت کی طرف دوڑتا رہا۔

عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کشادہ برآمدے میں پہنچ کر وہ رک گیا اور متوحش نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سامنے ہی بڑا مرکزی دروازہ تھا جو بند تھا۔ برآمدے میں ایک کمرا دائیں طرف تھا اور ایک بائیں طرف۔ دائیں طرف والا کمرا تو استقبالیہ روم تھا اور بائیں طرف کا کمرا ویٹنگ روم تھا۔ بچوں کے والدین ٹیچرز وغیرہ سے ملنے یا کسی اور وجہ سے آتے تو انہیں اسی ویٹنگ روم میں بٹھایا جاتا تھا۔

دھب کی آواز سن کر وجدان چونک گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا ایک چینی غنڈا کمپاؤنڈ وال سے کود گیا تھا۔ وجدان نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر استقبالیہ روم کی طرف بڑھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ دروازہ لاک نہیں تھا۔ وہ اندر داخل ہوگیا اور بڑی آہستگی سے دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا۔

باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وجدان چند لمحے دروازے کے قریب ہی کھڑا تاریکی میں گھورتا رہا۔ برآمدے کے بالکل سامنے تقریباً بیس گز دور مین گیٹ کے ساتھ سڑک کے کنارے بجلی کے کھمبے پر تیز روشنی والا مرکزی بلب جل رہا تھا۔ اس کی نہایت مدھم روشنی کھڑکی کے راستے اس کمرے تک بھی پہنچ رہی تھی۔ روشنی اتنی نہیں تھی کہ صاف طور پر کچھ نظر آسکتا۔ اندھیارے پر روشنی کا گمان سا تھا۔ چند سیکنڈ بعد وجدان کی آنکھیں اس اندھیارے سے مانوس ہوئیں تو وہ تولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ سلیقے سے کچھ کرسیاں آراستہ تھیں اور درمیان میں ایک سینٹر ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔ وجدان تولتا ہوا کرسیوں کے پیچھے ایک دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے بڑی آہستگی سے دروازہ کھولا۔

دوسری طرف ایک کشادہ اور طویل راہداری تھی جس کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ بائیں طرف آخری سرے پر مدھم روشنی کا ایک بلب جل رہا تھا۔ وجدان نے دائیں طرف اسے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر راہداری کا آخری دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

دروازہ کھلتے ہی ناگوار سی بُو کا زبردست بھبکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا اور اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس دروازے کے اندر چھوٹے چھوٹے بیت الخلا بنے ہوئے تھے۔ وہ دیوار کے سہارے ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا اور بائیں طرف والے آخری بیت الخلا کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ اسپرنگ والا دروازہ خود بخود بند ہوگیا اور وہ دروازے کے پیچھے دیوار سے چپک کر کھڑا ہوگیا۔ یہ آخری بیت الخلا تھا اور اس میں باہر والی دیوار میں ایک کھڑکی بھی تھی۔ کھڑکی اگرچہ کھلی ہوئی تھی اور ہوا بھی اندر آرہی تھی لیکن بدبو سے اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

اس کی تمام تر توجہ آوازوں پر مرکوز تھی۔ وہ دونوں اس راہداری میں تھے اور کلاس رومز کے دروازے کھول کھول کر دیکھ رہے تھے۔ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد وہ بیت الخلا والے دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی ایک آدمی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"لعنت ہو۔ یہ تو لیٹرین ہے۔"

"دیکھو۔ اندر جا کر دیکھو۔ ہو سکتا ہے وہ کہیں چھپا ہوا ہو۔" دوسری آواز نے کہا۔

اور پھر بیت الخلا کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وجدان کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ موت اور اس کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا۔ خوف کی شدت سے اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ اس ڈر سے کہ اس کے منہ سے چیخ نہ نکل جائے' اس نے اپنے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ لیا۔

اور پھر اس باتھ روم کا دروازہ بھی کھل گیا۔ وہ منہ کو ہاتھ سے دبائے سانس روکے دروازے کے پیچھے دیوار کے ساتھ چپکا کھڑا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے کان کسی بھی لمحے گولی کی آواز سننے کے منتظر تھے مگر گولی نہیں چلی۔ دروازہ دھڑ سے بند ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی اس شخص کے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی اور وہ باہر نکل گیا۔ جب باہر کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی تو وجدان نے آنکھیں کھول دیں لیکن منہ کو ہاتھ سے دبائے رکھا۔

"وہ یقیناً اسی عمارت میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے۔" باہر سے ایک آواز سنائی دی "تم سامنے والی راہداری میں تلاش کرو چی فانگ۔ میں دوسری راہداری میں دیکھتا ہوں۔"

وجدان کے دماغ میں ایک جھماکا سا ہوا۔ چی فانگ۔ یہی نام اس کے دل کی دھڑکن ایک بار پھر تیز ہوگئی۔ وہ کسی بھی لمحے پکڑا جا سکتا تھا۔ نہیں۔ ان میں سے کسی کی گولی کا نشانہ بن سکتا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر راہداری کا آخری دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

دروازہ کھلتے ہی ناگوار سی بُو کا زبردست بھبکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا اور اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس دروازے کے اندر چھوٹے چھوٹے بیت الخلا بنے ہوئے تھے۔ وہ دیوار کے سہارے ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا اور بائیں طرف والے آخری بیت الخلا کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ اسپرنگ والا دروازہ خود بخود بند ہوگیا اور وہ دروازے کے پیچھے دیوار سے چپک کر کھڑا ہوگیا۔ یہ آخری بیت الخلا تھا اور اس میں باہر والی دیوار میں ایک کھڑکی بھی تھی۔ کھڑکی اگرچہ کھلی ہوئی تھی اور ہوا بھی اندر آرہی تھی لیکن بدبو سے اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

اس کی تمام تر توجہ آوازوں پر مرکوز تھی۔ وہ دونوں اس راہداری میں تھے اور کلاس رومز کے دروازے کھول کھول کر دیکھ رہے تھے۔ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد وہ بیت الخلا والے دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی ایک آدمی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"لعنت ہو۔ یہ تو لیٹرین ہے۔"

"دیکھو۔ اندر جا کر دیکھو۔ ہو سکتا ہے وہ کہیں چھپا ہوا ہو۔" دوسری آواز نے کہا۔

اور پھر بیت الخلا کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وجدان کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ موت اور اس کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا۔ خوف کی شدت سے اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ اس ڈر سے کہ اس کے منہ سے چیخ نہ نکل جائے' اس نے اپنے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ لیا۔

اور پھر اس باتھ روم کا دروازہ بھی کھل گیا۔ وہ منہ کو ہاتھ سے دبائے سانس روکے دروازے کے پیچھے دیوار کے ساتھ چپکا کھڑا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے کان کسی بھی لمحے گولی کی آواز سننے کے منتظر تھے مگر گولی نہیں چلی۔ دروازہ دھڑ سے بند ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی اس شخص کے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی اور وہ باہر نکل گیا۔ جب باہر کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی تو وجدان نے آنکھیں کھول دیں لیکن منہ کو ہاتھ سے دبائے رکھا۔

"وہ یقیناً اسی عمارت میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے۔" باہر سے ایک آواز سنائی دی "تم سامنے والی راہداری میں تلاش کرو چی فانگ۔ میں دوسری راہداری میں دیکھتا ہوں۔"

وجدان کے دماغ میں ایک جھماکا سا ہوا۔ چی فانگ۔ یہی نام

تھا اس چینی کا جس نے اس کی ماں کو اس کی نظروں کے سامنے خنجروں کے پے در پے وار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ چی فانگ کو اس نے اگرچہ دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور اب اس کا نام بھی یاد آگیا تھا۔

قدموں کی آواز دور ہوتی جارہی تھی۔ وجدان نے اپنے منہ سے ہاتھ ہٹالیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ بدبو سے اس کا دماغ پھٹا جارہا تھا لیکن اس بدبو ہی کی وجہ سے وہ بچ گیا تھا۔ موت ایک بار پھر اس کے قریب سے گزر گئی تھی۔

دوسری راہداریوں میں کلاس رومز کے دروازے زور زور سے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس کے خیال میں راہداری میں نکلنا مناسب نہیں تھا۔ اس نے باتھ روم کی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

کھڑکی سے تقریباً تین فٹ کے فاصلے پر دیوار کے ساتھ ڈرین پائپ تھا۔ جو عمارت کی چھت سے لے کر نیچے تک چلا گیا تھا۔ وہ کھڑکی کے فریم پر چڑھ گیا۔ ایک ہاتھ سے کھڑکی کی چوکھٹ کو مضبوطی سے تھام لیا ایک پیر جما کر چوکھٹ پر رکھا اور ڈرین پائپ کی طرف جھکنے لگا۔

فاصلہ تین فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ اس کا ہاتھ آسانی سے پائپ تک پہنچ گیا۔ اس نے پائپ پر گرفت جمالی اور کھڑکی کو چھوڑ دیا۔ دوسرا ہاتھ بھی بڑی پھرتی سے پائپ پر جمالیا اور پھر آہستہ آہستہ نیچے پھسلنے لگا۔

زمین پر قدم ٹکتے ہی وہ کیمپاؤنڈ والی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اسے دیوار پر چڑھنے میں بھی زیادہ دشواری پیش نہیں آئی اور پھر کسی کے چیخنے کی آواز سن کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ چی فانگ یا اس کے ساتھی نے کسی کلاس روم کی کھڑکی سے اسے دیکھ لیا تھا۔

وجدان نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ اس وقت شاید بارہ بج چکے تھے لیکن اس علاقے کی رونق میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ یہاں کے بیشتر ریسٹورنٹ اور فاسٹ فوڈ کی دکانیں رات بھر کھلی رہتی تھیں۔ اتفاق سے وجدان جس جگہ دیوار سے کودا تھا اس سے چند گز کے فاصلے پر بابلی کیو کی وہی دکان تھی جہاں وہ کوئلے کی بوریوں کے پیچھے چھپا تھا۔ اس وقت بھی دکان کے اس ملازم نے اسے دیوار سے کودتے ہوئے دیکھ لیا۔

"اوئے۔ کون ہے تو۔ بھاگ جا یہاں سے۔ وہ چینی تجھے مار دیں گے۔" دکان کا ملازم چیخا۔

وجدان نے ایک طرف دوڑ لگا دی۔ کوڑے سے لدا ہوا ایک ٹرک گلی سے نکل کر بائیں طرف مڑا تھا۔ وجدان دوڑ کر اس ٹرک پر چڑھ گیا اور کوڑے کے ڈھیر پر لیٹ گیا۔ اس نے ان دونوں چینیوں کو بھی اسکول کی دیوار پر چڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ ٹرک کی رفتار تیز ہوگئی۔ وہ دونوں دور رہ گئے اور وجدان کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

وجدان ٹرک میں بھرے ہوئے کوڑے کے کنارے سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ ٹرک اس سڑک پر جارہا تھا جہاں سے اوبیرائے امپیریل واقع تھا۔ ہوٹل کا نیون سائن دور سے نظر آرہا تھا۔

ٹرک ابھی ہوٹل سے دور ہی تھا کہ ایک ٹریفک سگنل کی موڑ سائیکل تیز رفتاری سے اس کے برابر آگئی۔ سارجنٹ ٹرک کے ڈرائیور کو گاڑی سائڈ میں روک لینے کا اشارہ کیا۔ طرح کھلے ٹرک پر کوڑا لے جانا جرم تھا اور سارجنٹ نے اسے روکا تھا۔

ٹرک کی رفتار جیسے ہی کم ہوئی وجدان نے چھلانگ لگا دی سڑک پر گرا لیکن دوسرے ہی لمحے اٹھ کر ہوٹل کی طرف دوڑنے لگا۔ ہوٹل کے سامنے کچھ رونق نظر آرہی تھی۔ اور وجدان کو یقین تھا کہ وہاں اسے پناہ مل جائے گی۔

وجدان کی ٹانگیں دوڑتے دوڑتے شل ہوچکی تھیں۔ پھیپھڑے پھٹے جارہے تھے۔ سامنے فٹ پاتھ پر کچھ لوگ آرہے تھے۔ وجدان کا رخ انہی کی طرف تھا۔ قریب پہنچ کر اسے کسی سے ٹھوکر لگی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا سامنے سے آنے والے ایک کے قدموں میں گر گیا۔

وجدان کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ منہ سے کف بہہ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ سامنے کھڑے ہوئے شخص کے پیروں کے قریب تھے۔ اس نے آہستہ آہستہ سر اٹھا کر دیکھا اور پھر اسے پوری میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ ارا تھا!

وہ انسان نہیں موت کا فرشتہ تھا جسے دیکھ کر وجدان کی ہلکی تک کانپ اٹھی تھی۔

دارا گردن کو ذرا سا خم کئے اپنے قدموں پر گرے ہوئے لڑکے کو دیکھ رہا تھا جس کی تلاش میں اس نے چینی غنڈوں کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں اور اب تک ہزاروں ڈالر خرچ کر چکا تھا۔ وجدان اس کے جرم کا چشم دید گواہ تھا اور وہ اسے ہر قیمت پر موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا لیکن اسے قدم قدم پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور اس وقت وہ پکے ہوئے پھل کی طرح اس کے قدموں میں آن گرا تھا۔ دارا اپنی خوش بختی پر دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔ ایسا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وجدان اس طرح بھی اس کے سامنے آجائے گا۔

وجدان اس کے لئے ڈیتھ وارنٹ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ ذرا سا نیچے جھکے اور اس لڑکے کی گردن مروڑ دے لیکن وہ بڑی مشکل سے اپنی اس خواہش پر قابو پاسکا تھا۔ جگہ ویران اور سنسان نہیں تھی۔ ایک بارونق بلڈ دارڈ تھا اگرچہ اس وقت بارہ سے اوپر کا وقت تھا لیکن سڑک پر اکّا دُکّا گاڑیوں کی آمد و رفت بھی جاری تھی اور فٹ پاتھ پر لوگ بھی آ جارہے تھے۔ اس وقت کوئی معمولی سی غلطی بھی اس کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔

دارا نے گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ دو یورپین عورتیں اور دارا نے گردن گھمانے والے انداز میں اس کے پیچھے آرہے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر مرد ٹہلنے والے انداز میں اس کے پیچھے آرہے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے سامنے ایک لڑکے کو دوڑتے ہوئے اور پھر گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ تینوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے قریب پہنچ گئے۔ ان کی طرف دیکھتے ہوئے دارا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"یہ بچہ شاید کسی سے ڈر کر بھاگ رہا تھا۔ دارا نے قریب کھڑی ہوئی ادھیڑ عمر یورپی عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے ہماری مدد کی ضرورت ہوگی۔ میں دیکھتا ہوں یہ کون ہے؟" وہ آہستہ آہستہ نیچے جھکنے لگا جیسے وجدان کو بانہوں سے پکڑ کر اٹھانا چاہتا ہو۔

"ہیلو لڑکے۔" وہ وجدان کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "کیا بات ہے۔ کس سے ڈر کر بھاگ رہے ہو۔ کیا کوئی بدمعاش تمہیں پکڑنا چاہتا ہے؟"

وجدان کا ننھا سا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ دارا کے ہونٹوں پر اگرچہ مسکراہٹ تھی لیکن اس کی آنکھوں میں بے پناہ سرد مہری اور سفاکی تھی۔ وجدان موت کو نچاوے کر بھاگا تھا اور موت اس کے سامنے کھڑی تھی۔ ایک لمحے کو تو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا دماغ بھی سُن ہوگیا ہو۔ اس نے سر کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور ذرا سی گردن گھما کر قریب کھڑے ہوئے اس یورپین مرد اور عورتوں کی طرف دیکھنے لگا۔ سامنے کافی فاصلے پر تین چار عورتوں پر مشتمل ایک اور ٹولی اس طرف آرہی تھی۔ وجدان کے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال آیا۔ وہ ان لوگوں کی موجودگی سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اس نے سوچا' وہ شور مچادے کہ یہ شخص اس کے ماں باپ کا قاتل ہے اور اسے بھی قتل کرنا چاہتا ہے لیکن اس میں اندیشہ اس بات کا تھا کہ دارا اسے فوراً ہی گولی مار دے گا اور اسے وہاں سے فرار ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اس وقت دارا سے بچنے کا ایک اور طریقہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ خود وہاں سے فرار کی کوشش کرے۔

"آؤ بیٹا' میرا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہوجاؤ اور بتاؤ' کون بدمعاش تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں پکڑ کر پولیس کے حوالے کردیں گے۔" دارا نے کہا۔

وجدان چند لمحے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے آپ کو اس طرح حرکت دی جیسے اٹھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس نے دونوں ہاتھ دارا کے چمکتے ہوئے جوتوں پر رکھ دیئے اور دونوں گھٹنے نیچے ٹیک دیئے۔ وہ تینوں یورپین بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ادھیڑ عمر عورت نے آگے جھکتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"تم بہت دلیر لڑکے ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "ہم تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دیں گے۔"

وجدان نے اپنے آپ کو کچھ اور حرکت دی۔ اس نے دونوں ہاتھ جوتوں سے ہٹا کر دارا کے ٹخنوں کے پیچھے رکھ دیئے اور پھر اس نے وہ حرکت کی جس کے بارے میں دارا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

وجدان نے دارا کے دونوں پیر پیچھے سے پکڑ کر اپنے جسم کی پوری قوت استعمال کرتے ہوئے ایک زوردار جھٹکا دیا۔ دارا لڑکھڑا کر پشت کے بل فٹ پاتھ پر گرا۔ اس کے منہ سے گندی گالی نکل گئی تھی۔

وجدان ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے دارا کی طرف دیکھتے ہوئے زور سے تھوکا اور فٹ پاتھ کے ساتھ کیاری میں لگے ہوئے پودوں کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ یورپین مرد اور عورتیں بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔ فٹ پاتھ پر آنے والی عورتوں کی ٹولی بھی قریب آگئی تھی۔ انہوں نے بھی یہ دلچسپ منظر دیکھا تھا۔ یہ بھی یورپین عورتیں تھیں جو ہوٹل اوبیرائے امپیریل میں قیام پذیر تھیں اور غالباً ٹہلنے کے لئے نکلی ہوئی تھیں۔

وجدان نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ پودوں میں چھلانگیں لگاتا ہوا بڑی تیزی سے بھاگ رہا تھا اور پھر اچانک فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی اس کے سر سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔ وہ لڑکھڑا کر پودوں میں گرا لیکن اس نے اٹھنے میں بھی دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ یورپین عورتیں چیختی ہوئی اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں اور دارا دوڑتا ہوا پودوں کی طرف آرہا تھا۔ وجدان نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دائیں طرف عمارتوں کے درمیان کچھ تاریکی تھی۔ وہ اسی طرف بھاگ اٹھا۔ وہ عمارتوں کے درمیان دوڑتا ہوا ہوٹل اوبیرائے کی پچھلی طرف نکل آیا۔ ہوٹل کی عمارت سے ذرا ملی ہوئی دو کمروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ وہ اس عمارت کی پچھلی طرف پہنچ گیا۔ عمارت کے اندر کسی بھاری مشین کے چلنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ دیوار کی آڑ سے جھانک کر دیکھنے لگا۔ اس چھوٹی سی عمارت کے سامنے گھاس پر ایک کرسی پڑی ہوئی تھی اور ایک آدمی مخالف سمت میں جارہا تھا۔ وجدان بڑی آہستگی سے دیوار کی آڑ سے نکلا اور تیزی سے چلتا ہوا اس چھوٹی سی عمارت کے کھلے ہوئے دروازے میں داخل ہوگیا۔

یہ ہوٹل کا ائرکنڈیشننگ پلانٹ تھا۔ اگرچہ وہاں بڑی بڑی مشینیں چل رہی تھیں مگر آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔ اس نے رک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ان مشینوں کے درمیان چلتا ہوا پچھلی طرف پہنچ گیا۔

مشینوں کے شور کے باوجود اسے باہر سے دوڑتے ہوئے

قدموں کی آواز سنائی دے گئی تھی پھر ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے دو آدمی جھگڑنے والے انداز میں چیخ چیخ کر باتیں کر رہے ہوں اور پھر گولی چلنے اور کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔

وجدان کے دل و دماغ پر طاری خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ چی فانگ اور اس کے خونخوار ساتھی سے جان بچا کر بھاگا تو دارا کے قدموں میں آن گرا تھا... اور اب دارا خونخوار بھیڑیے کی طرح اس کے تعاقب میں تھا۔ باہر گولی کی آواز سن کر وہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ گولی کس نے چلائی تھی اور وہ چیخ کس کی تھی۔ وجدان ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر چونک گیا۔ قدموں کی وہ آواز اس مشین روم کے سامنے آکر رک گئی۔ وجدان پر کپکپی سی طاری ہوگئی۔

قدموں کی آواز اب مشین روم کے اندر سنائی دے رہی تھی۔ وجدان نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ مشینوں کی پچھلی طرف ایک ڈرم اوندھا پڑا تھا۔ اس ڈرم کے سوا چھپنے کی کوئی اور جگہ نہیں تھی۔

"وجدان! مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں چھپے ہوئے ہو۔" یہ آواز یقیناً دارا کی تھی۔ اس کے لہجے میں بھی اس کی آنکھوں جیسی سفاکی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تم اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

وجدان کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ موت پھر اس کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ خوف کی شدت سے اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بڑی آہستگی سے مشین کے پیچھے پڑے ہوئے ڈرم میں گھس گیا۔ اگر دارا نے اس ڈرم میں جھانکنے کی کوشش نہ کی تو وہ بچ جائے گا۔ دوسری صورت میں وہ

اسے ڈرم سے نکلنے کا موقع دیے بغیر گولیوں سے چھلنی کر دے گا۔

مشینوں کے شور میں قدموں کی ہلکی سی آواز سنائی دیتی رہی جو بالآخر ڈرم کے قریب آکر رک گئی۔ وجدان نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور سانس تک روک لیا۔ اس کے اور بے رحم موت کے درمیان صرف چند انچ کا فاصلہ تھا اور اس کی معمولی سی حرکت اس کی زندگی کا خاتمہ کر سکتی تھی۔

چند سیکنڈ بعد قدموں کی آواز دور ہٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی اور پھر مشینوں کی آواز میں معدوم ہوگئی۔ اب صرف مشینوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وجدان نے کچھ دیر اور انتظار کیا اور پھر بڑی آہستگی سے ڈرم سے باہر نکل آیا۔ وہ غالباً تیل کا خالی ڈرم تھا۔ اس کے ہاتھ پیر، چہرہ اور کپڑے تیل سے کالے ہو رہے تھے۔ وہ مشینوں کے درمیان محتاط انداز میں چلتا ہوا دروازے کے قریب آگیا اور باہر جھانکنے لگا۔ چند گز آگے ایک آدمی گھاس پر بے حس و حرکت اوندھا پڑا ہوا تھا۔ وجدان نے کپڑوں سے پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جسے اس نے مخالف سمت میں جاتے ہوئے دیکھا تھا اور غالباً اسے دارا نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔

وجدان کا دل کانپ رہا تھا اور دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اس کی قوتِ برداشت جواب دے رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زور زور سے چیخنا شروع کر دے۔ پہلے اس نے سوچا کہ یہاں سے نکل کر کسی طرح ہوٹل میں پہنچ جائے لیکن اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اگر دارا باہر کسی جگہ موجود ہوا تو اسے دیکھتے ہی مار دے گا۔ اس نے مڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اندر چند قدم کے فاصلے پر ایک چھوٹی میز پڑی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے دیوار پر ایک ٹیلی فون سیٹ لگا ہوا تھا۔

ٹیلی فون دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی اُبھر آئی۔ وہ تیز قدم اٹھاتا ہوا میز کے قریب پہنچ گیا اور ہک پر ٹنگا ہوا ریسیور اٹھا لیا لیکن اچانک ہی اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کسے فون کرے۔ اسے اپنے والد کے کئی دوستوں کے نمبر یاد تھے لیکن اس وقت کسی کا نمبر یاد نہیں آرہا تھا پھر اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ زندگی اور موت کی اس آنکھ مچولی میں پرتاب سنگھ کو تو بھول ہی گیا تھا۔ اب اسے یاد آرہا تھا کہ جب وہ اس سے اغوا کر کے بھاگا تھا تو پرتاب سنگھ اس شخص کو قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو سی آئی ڈی آفیسر کے بھیس میں پستول کے زور پر اسے کہیں لے جانا چاہتا تھا اور پھر دوسری کار پر چی فانگ اور اس کے ساتھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ چی فانگ اور اس کا ایک ساتھی تو اس کے پیچھے لگ گئے تھے اور اگر ان کے ساتھ کچھ اور افراد تھے تو پرتاب سنگھ سے الجھ گئے ہوں گے۔ پرتاب سنگھ پتا نہیں کس حال میں ہوگا۔ وہ زندہ بھی ہے یا اسے ختم کر دیا گیا ہے۔ وجدان اس امید پر پرتاب سنگھ کا نمبر ملانے لگا کہ اگر وہ زندہ ہوا تو شاید اب تک گھر پہنچ گیا ہو۔ وہ پورے نمبر نہیں ملا پایا تھا کہ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"جوجو ..... تمہیں معلوم ہے، تمہاری لائن ڈائریکٹ نہیں ہے۔ اس وقت کسے فون کرنا چاہتے ہو؟" اس عورت نے انگریزی میں بات کی تھی لیکن لہجہ چینی تھا۔

"میں جوجو..... نہیں ہوں۔ میں چاچا پرتاب سنگھ کا نمبر ملانا چاہتا ہوں۔ تم کون ہو؟" وجدان نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں کپکپاہٹ نمایاں تھی۔

"میں ہوٹل کی آپریٹر ہوں۔ تم کون ہو، جوجو ..... کہاں ہے؟" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"مجھے پتا نہیں جوجو لیکن کون ہے۔" وجدان نے جواب دیا۔ "دارا مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ میں اس سے بچنے کے لئے اس مشین روم میں آکر چھپ گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے یہاں سے نکل کر گیا ہے۔ پلیز! چاچا پرتاب سنگھ کو بتا دو، میں یہاں ہوں۔ وہ مجھے آکر لے جائے۔"

"اوہ!" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "تم ٹیلی فون رکھ دو اور وہیں کھڑے رہو۔ میں سکیورٹی گارڈز کو بھیجتی ہوں۔ مشین روم سے باہر مت نکلنا۔"

"جلدی سے آجاؤ آنٹی۔ اگر دارا آگیا تو مجھے مار دے گا۔" وجدان نے کہا۔

"ڈونٹ نیم۔ ہم ابھی آرہے ہیں۔ تم فون کا ریسیور رکھ دو۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

وجدان نے ریسیور ہک پر ٹانگ دیا۔ ایک بار پھر باہر جھانک کر دیکھا۔ نیلے کپڑوں میں ملبوس وہ آدمی اب بھی اسی طرح بے حس و حرکت گھاس پر پڑا تھا۔ اس کے ذہن میں اچانک ہی یہ خیال آیا کہ یہی شخص جوجو..... تو نہیں جس کے بارے میں آپریٹر نے پوچھا تھا۔

وہ دروازے سے ہٹ کر ایک مشین کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہوگیا۔ تقریباً دو منٹ بعد باہر سے بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر ایک آدمی کی بھاری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ہیلو وائے۔ کہاں ہو تم؟"

وجدان جس جگہ کھڑا تھا وہاں سے وہ کسی کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اگرچہ فون پر آپریٹر نے کہا تھا کہ وہ لوگ آرہے ہیں لیکن عین ممکن تھا اس سے پہلے دارا دوبارہ وہاں پہنچ گیا ہو۔ اس نے اپنی جگہ سے بہت آہستگی سے حرکت کرتے ہوئے مشین کی آڑ سے جھانک کر دیکھا اور پھر اس کے منہ سے اطمینان کا سانس نکل گیا۔

وہ ایک ادھیڑ عمر چینی عورت تھی۔ اس کے ساتھ ہوٹل کا نائٹ سپروائزر اور دو سکیورٹی گارڈز تھے۔ وہ چاروں متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

"ہیلو وائے۔ میں ہوٹل کی وہی آپریٹر ہوں جس نے فون پر تم سے بات کی تھی۔ کہاں ہو تم؟"

یہ وہی آواز تھی جو وجدان نے فون پر سنی تھی۔ وہ مشین کی آڑ سے نکل کر سامنے آگیا۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔

"او مائی گاڈ۔" عورت کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اس نے آگے بڑھ کر وجدان کو دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا۔ "یہ کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری۔ کہاں چھپے ہوئے تھے تم۔ اور جوجو کہاں ہے؟"

"میں دارا سے بچنے کے لئے ڈرم میں چھپ گیا تھا۔" وجدان نے جواب دیا۔ "مجھے پتا نہیں جوجو کہاں ہے۔ باہر گھاس پر ایک آدمی اوندھا پڑا ہوا ہے۔ وہ شاید مر گیا ہے۔ میں نے گولی چلنے کی آواز سنی تھی۔"

وہ عورت ایک جھٹکے سے سیدھی ہوگئی۔ ہوٹل کا نائٹ سپروائزر اور دونوں گارڈز بھی چونک گئے۔

"کہاں..... کہاں ہے وہ.....؟" سپروائزر جلدی سے بولا۔

"کس نے گولی ماری ہے اسے؟"

"دارا نے۔" وجدان نے جواب دیا۔ "نیلے کپڑوں والا وہ آدمی اس طرف گھاس پر پڑا ہے۔" وجدان نے باہر کی جانب اشارہ کیا۔

سپروائزر اور دونوں گارڈز تیزی سے باہر آگئے اور پھر انہوں نے وہ لاش دیکھ لی جو دائیں طرف تقریباً بیس گز کے فاصلے پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ چینی عورت بھی وجدان کو لے کر مشین روم سے باہر آگئی تھی۔ وہ لاش کے قریب نہیں گئی بلکہ دور کھڑی ہو کر اس طرف دیکھتی رہی۔ اس نے وجدان کا بازو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات اُبھر آئے تھے۔

"مس کاماشی۔" سپروائزر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب آگیا۔ "تم ہوٹل میں جا کر پولیس کو فون کر دو۔ جو جو ختم ہو چکا ہے اور اس لڑکے کا خیال رکھنا۔ یہ اس سلسلے میں بہت اہم ثابت ہو سکتا ہے۔"

"پولیس کو ہوٹل کے سامنے فائرنگ کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ انہیں اب تک آجانا چاہیے۔ میں دوبارہ فون کرتی ہوں۔" مس کاماشی نے کہا۔

"میں خود دیکھتا ہوں۔" سپروائزر یہ کہتے ہوئے خود آگے بڑھ گیا۔ اس چھوٹی عمارت کے ساتھ ہی دائیں طرف ہوٹل کی عمارت میں ایک دروازہ تھا۔ سپروائزر اس دروازے میں داخل ہوگیا۔ مس کاماشی بھی وجدان کا بازو پکڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔ دو تین راہداریوں سے گزر کر وہ ہوٹل کی استقبالیہ لابی میں پہنچ گئے۔ سپروائزر استقبالیہ کاؤنٹر پر رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا کر غالباً پولیس اسٹیشن کا نمبر ملا رہا تھا۔ مس کاماشی وجدان کو استقبالیہ کاؤنٹر کے ساتھ بنے ہوئے سپروائزر کے دفتر میں لے آئی۔

"دس پندرہ منٹ پہلے ہوٹل کے سامنے سڑک پر فائرنگ ہوئی تھی۔ ہم نے پولیس کو فون پر اطلاع دی تھی مگر پولیس ابھی تک نہیں پہنچی۔" مس کاماشی کہہ رہی تھی۔ "تم کون ہو وائے اور دارا کون ہے۔ وہ تمہیں کیوں قتل کرنا چاہتا ہے؟"

"ہوٹل کے سامنے بھی دارا نے مجھے مارنے کی کوشش کی تھی مگر میں بھاگ گیا تھا۔" وجدان نے بتایا۔ "اس نے میرے ممی ڈیڈی کو قتل کر دیا تھا۔ اب وہ مجھے بھی مارنا چاہتا ہے۔ چاچا پرتاب سنگھ کو بلا دو آنٹی پلیز....."

مس کاماشی اس کی بات سن کر چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ دہرے قتل کی بہیمانہ واردات زیادہ پرانی بات تو نہیں تھی۔ اس واردات کے حوالے سے اخبارات کئی روز تک فرنٹ پیج پر خبریں چھاپتے رہے تھے۔ ان خبروں میں وجدان نام کے ایک لڑکے کا

خاص طور پر تذکرہ رہا تھا۔ وہ مقتولین کا بیٹا تھا جو بچ گیا تھا اور وہ اس واردات کا چشم دید گواہ تھا۔ وہ قاتلوں کو پہچانتا تھا اور قاتل اسے بھی ختم کرنے کے لئے کئی بار کوشش کر چکے تھے۔ اخبارات ایسی خبروں کو نمایاں طور پر شائع کرتے رہے جنہیں لوگ بڑی دلچسپی سے پڑھتے۔ کسی نے اس لڑکے کو نہیں دیکھا تھا مگر سب کی ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں۔ مس کاماشی بھی اخباروں میں یہ خبریں پڑھتی رہی تھی اور اسے بھی اس لڑکے سے ہمدردی ہوگئی تھی جو ان خونخوار بھیڑیوں سے چھپتا پھر رہا تھا اور اب وہی لڑکا اس کے سامنے تھا۔ اسے واقعی وجدان پر ترس آرہا تھا۔ کتنا معصوم سا لڑکا تھا جو موت سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔

"ڈرو نہیں۔ اب تم بالکل محفوظ ہو۔" مس کاماشی نے وجدان کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس نے محسوس کیا کہ خوف سے وہ ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ "تم تو بہت بہادر لڑکے ہو۔ اب وہ لوگ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کچھ دیر میں پولیس آنے ہی والی ہوگی۔ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

"چاچا پرتاب سنگھ کو بلا دو آنٹی۔" وجدان نے کہا۔

"پولیس آجائے تو پرتاب سنگھ کو بھی بلا دیں گے۔" مس کاماشی نے کہا۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور سپروائزر اندر داخل ہوا۔

"پولیس روانہ ہو چکی ہے۔ وہ لوگ چند منٹ میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔" اس نے کہا۔ "اس لڑکے نے اپنے بارے میں کچھ بتایا۔ یہ کون ہے اور اسے کون قتل کرنا چاہتا تھا؟"

"یہ وہی بچہ ہے جس کے والدین کو کچھ عرصہ پہلے بڑی بے دردی سے قتل کردیا گیا تھا۔" مس کاماشی نے کہا اور پھر اسے وجدان کے بارے میں بتانے لگی۔

تقریباً پانچ منٹ بعد پولیس پہنچ گئی۔ اس پولیس پارٹی کا انچارج نچلے درجے کا آفیسر تھا۔ صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ لگاتے ہی اس نے فون پر انسپکٹر چیانگ شو کو اطلاع دے دی۔ انسپکٹر چیانگ شو کو وہاں پہنچنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس نے آتے ہی وجدان کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

دارا کے کھاتے میں ایک اور قتل کا اضافہ ہوگیا تھا اور اس واردات کا گواہ بھی وجدان ہی تھا۔ وجدان نے اگرچہ اپنی آنکھوں سے دارا کو جوجو پر گولی چلاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن یہ طے شدہ بات تھی کہ جوجو کو اسی نے قتل کیا تھا۔ جوجو ہوٹل کے ائرکنڈیشننگ پلانٹ کا آپریٹر تھا۔ وہ غالباً ہوٹل کے سامنے والی سڑک پر فائرنگ کی آواز سن کر صورتِ حال معلوم کرنے کے لئے اس طرف جارہا ہوگا کہ دارا سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اس نے شاید دارا کو اس طرف آنے سے روکنے کی کوشش کی ہوگی جس پر دارا نے اسے گولی ماردی بعد ازاں وہ وجدان کی تلاش میں ناکام ہو کر واپس چلا گیا۔

انسپکٹر چیانگ شو نے تحقیقات کی ذمے داری اپنے ایک ماتحت آفیسر کو سونپ دی اور وجدان کو لے کر پولیس اسٹیشن آگیا۔

"چاچا پرتاب سنگھ کہاں ہے۔ مجھے ان کے پاس لے چلیں نا انکل۔" وجدان نے چیانگ شو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پرتاب سنگھ اسپتال میں ہے۔ اسے ٹانگ میں گولی لگی تھی لیکن خطرے کی کوئی بات نہیں۔ معمولی زخم ہے۔ دو چار روز میں ٹھیک ہوجائے گا۔" انسپکٹر چیانگ شو نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "پرتاب سنگھ نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا کہ کس طرح تم دونوں کو پستول کی زد پر لے جانے کی کوشش کی جارہی تھی مگر تم کہاں غائب ہوگئے تھے اور دارا سے تمہارا سامنا کیسے ہوا؟"

"کار رکتے ہی چاچا پرتاب سنگھ نے مجھے بھاگ جانے کو کہا تھا۔" وجدان نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "اگر مشین روم میں وہ خالی ڈرم نہ پڑا ہوتا تو دارا مجھے ہلاک کردیتا۔"

"اس کے ہاتھوں ایک اور آدمی قتل ہوگیا ہے۔" انسپکٹر چیانگ شو بولا۔ "وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جوجو کے قتل کے وقت تم آس پاس ہی کہیں موجود تھے اور تم اس قتل کے بارے میں بھی اس کے خلاف گواہی دو گے۔ تم نہ صرف ہمارے لئے بلکہ اس کے لئے بھی پہلے سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئے ہو۔ تم نے بتایا ہے کہ دو آدمی تمہارے تعاقب میں تھے۔ کیا تم ان میں سے کسی کو پہچان سکتے ہو۔ تمہارے بتائے ہوئے حلیے سے تصویری خاکہ تیار کرنے انہیں تلاش کرنے میں آسانی ہوگی۔"

"او.... یس انکل۔" وجدان کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "ان میں ایک آدمی وہی تھا جس نے میری ممی کو قتل کیا تھا۔ مجھے اس کا نام بھی یاد آگیا ہے۔ وہ چی فانگ ہے۔" وجدان ایک بار پھر اس کا حلیہ دہرانے لگا۔

"چی فانگ۔" انسپکٹر چیانگ شو اُچھل پڑا۔ "یہ نام میں نے پہلے بھی سنا ہوا ہے۔" وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اپنے ایک ماتحت کو بُلا کر ہدایت کی کہ پولیس ریکارڈ میں چی فانگ کا نام تلاش کرے پھر ایک اور کانسٹیبل کو بُلا کر کہا۔ "اسے باتھ روم لے جاؤ اور منہ ہاتھ دھلا کر ہوٹل سے کچھ کھانے کو لے آؤ۔ پرتاب سنگھ نے بتایا تھا کہ انہوں نے ابھی رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔"

کانسٹیبل وجدان کو واش روم میں لے گیا۔ وجدان کے جسم اور کپڑوں پر تیل کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ منہ ہاتھ تو اس نے دھو لیا لیکن کپڑوں کی مجبوری تھی۔ کانسٹیبل اسے انسپکٹر کے کمرے میں چھوڑ کر کھانا وغیرہ لینے کے لئے چلا گیا۔

وجدان اب اپنے آپ پر مکمل طور پر قابو پا چکا تھا۔ پولیس کی موجودگی میں وہ اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھ رہا تھا اور اس کے ذہن سے خوف نکل گیا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد انسپکٹر کا ماتحت ایک

بہت بڑا فوٹو البم لے کر آگیا۔

"ہمارے ریکارڈ میں چی فانگ نام کے دو آدمی ہیں۔ ان کی تصویریں بھی موجود ہیں۔" ماتحت نے کہتے ہوئے البم اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

چی فانگ نام کے وہ دونوں آدمی مختلف جرائم میں پولیس کو مطلوب تھے۔ ان میں سے ایک پر قتل کا الزام بھی تھا اور ایک سال پرانی پولیس رپورٹ کے مطابق وہ ملائیشیا کی طرف فرار ہوگیا تھا۔

وجدان نے ان دونوں کی تصویریں دیکھیں اور نفی میں سر ہلا دیا۔ "ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔" اس نے انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ پورا البم دیکھو۔ شاید ان میں کوئی ایسا چہرہ ہو جسے تم شناخت کرسکو۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا۔

وجدان البم کا ایک ایک ورق پلٹ کر ان پر لگی ہوئی تصویروں کو دیکھنے لگا۔ یہ سب جرائم پیشہ لوگ تھے۔ ان میں مقامی بھی تھے اور غیر ملکی بھی۔ وہ سب کسی نہ کسی جرم میں پولیس کو مطلوب تھے۔ بعض تو چہرے سے بہت شریف اور بھولے بھالے لگتے تھے۔ ایسی تصویریں دیکھ کر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا کہ یہ لوگ بھی کسی جرم میں ملوث ہوں گے۔ بعض چہروں پر بے پناہ سفاکی تھی اور انہیں دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔

"نہیں انکل۔ میں نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔" وجدان نے البم بند کردیا۔

انسپکٹر چیانگ شو نے البم اپنے ماتحت کے حوالے کردیا۔ کچھ ہی دیر بعد دوسرا کانسٹیبل وجدان کے لئے کھانا لے آیا۔ وجدان واقعی بھوکا تھا۔ جب وہ جعلی سی آئی ڈی آفیسران کے گھر آیا تھا تو اس وقت تک انہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا اور اس کے بعد تو اس کا تمام وقت بھاگ دوڑ ہی میں گزرا تھا۔ اس کے تو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ کھانے کا تو اسے خیال بھی نہیں آیا تھا۔

اس وقت رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ انسپکٹر چیانگ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وجدان کا کیا کرے۔ پرتاب سنگھ اسپتال میں تھا۔ وہ وجدان کو اس کے گھر پر اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کسی ایسے ذمے دار شخص کا نام اس وقت ذہن میں نہیں آرہا تھا جسے وجدان کا نگراں مقرر کیا جائے۔ بالآخر اس نے وجدان کو اپنے گھر لے جانے کا فیصلہ کرلیا۔

"آؤ چلیں۔" وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"کہاں....؟" وجدان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گھر۔" چیانگ شو نے کہا۔ "تم رات بھر یہاں تو نہیں بیٹھے رہ سکتے۔ چلو میں تمہیں اپنے گھر چھوڑ دوں۔"

"مجھے پرتاب چاچا کے پاس لے چلیں نا۔" وجدان نے کہا۔

"وہ اسپتال میں ہے۔ اس وقت رات کا ڈیڑھ بج رہا ہے۔ میں تمہیں اسپتال نہیں لے جاسکتا اور نہ ہی تمہیں پرتاب سنگھ کے مکان پر چھوڑا جاسکتا ہے۔ آج کی رات میرے گھر پر رہو۔ کل صبح تمہیں پرتاب سنگھ کے پاس لے چلوں گا۔" انسپکٹر نے کہا۔

وجدان بادلِ ناخواستہ اس کے ساتھ جانے پر تیار ہوگیا۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر چیانگ شو نے پلٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"یس۔ انسپکٹر چیانگ شو اسپیکنگ۔"

"پرتاب سنگھ بول رہا ہوں بھائی۔" دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "میں پوچھ رہا ہوں۔ وجدان کا کوئی پتا چلا۔"

"او.... یس۔ پرتاب سنگھ۔" انسپکٹر چیانگ شو بولا۔ "لڑکا مل گیا ہے اور بالکل خیریت سے ہے۔"

"شکر ہے سوہنے رب کا۔" پرتاب سنگھ کی آواز سنائی دی۔ "میں نے دو آدمیوں کو اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا۔ وہ ٹھیک تو ہے نا؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ تم فکر مت کرو۔" چیانگ شو بولا۔ "وہ بڑے خوفناک حالات سے گزرا ہے۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ تم اپنی تسلی کے لئے اس سے مختصر بات کرلو۔ میں اسے اپنے گھر لے جارہا ہوں۔ کل دن میں تمہاری ملاقات کراؤں گا۔" اس نے ریسیور وجدان کی طرف بڑھا دیا۔

وجدان کچھ دیر تک پرتاب سنگھ سے بات کرتا رہا پھر اس نے ریسیور انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا۔ انسپکٹر نے اس مرتبہ بہت مختصر سی بات کی پھر ریسیور رکھ دیا اور وجدان کو اشارہ کرتا ہوا باہر آگیا۔

دو مسلح کانسٹیبل بھی جیپ میں ان کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔ انسپکٹر چیانگ شو کی رہائش آرچرڈ روڈ کی دوسری طرف ایمرالڈ ہل روڈ پر واقع ایک سات منزلہ پلازا کی تیسری منزل پر تھی۔ سڑکوں پر اکا دکا گاڑیوں کی آمدورفت تھی۔ ڈرائیونگ انسپکٹر چیانگ شو ہی کررہا تھا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر وجدان تھا اور دونوں کانسٹیبل پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔

آرچرڈ روڈ کراس کرکے انسپکٹر جیپ کو یکم ہل روڈ پر لے آیا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے ہیولٹ روڈ پر موڑ دیا۔ اگلے موڑ پر اس نے جیپ کو جیسے ہی ایمرالڈ ہل روڈ پر موڑنا چاہا' دائیں طرف سے آنے والی ایک تیز رفتار کار بریک کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ جیپ سے چند گز آگے رک گئی۔

انسپکٹر چیانگ شو نے بڑی پھرتی سے بریک پیڈل دبا دیا تھا۔ جیپ ایک زوردار جھٹکے سے رک گئی۔ وجدان اچھل کر ونڈ اسکرین سے ٹکرایا اور پھر بھد سے اپنی سیٹ پر گرا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں کانسٹیبل بھی اچانک جھٹکا لگنے سے لڑھک گئے تھے۔

اس سے پہلے کہ انسپکٹر چیانگ شو کچھ سمجھ سکتا، آگے رکنے والی کار کے پچھلے دونوں دروازے کھلے اور دو آدمی بڑی پھرتی سے باہر نکل کر جیپ کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں موجود رائفلوں کا رخ انہی کی طرف تھا۔

انسپکٹر چیانگ شو کے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ پولیس اسٹیشن سے نکلتے ہی ان کا تعاقب شروع ہوگیا تھا اور جب جیپ آرچرڈ روڈ سے کیم ہل روڈ پر مڑی تھی تو تعاقب کرنے والے سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ وجدان کو اپنے گھر لے جا رہا ہے۔ انہوں نے کیم ہل روڈ پر تعاقب جاری رکھنے کے بجائے دوسرے راستے کو ترجیح دی تھی اور وہ آرچرڈ روڈ پر دائیں طرف مڑ گئے تھے اور کچھ آگے جا کر وہ ایمرالڈ ہل روڈ پر آگئے تھے اور انسپکٹر کی جیپ جیسے ہی ہیولٹ روڈ سے ایمرالڈ ہل روڈ پر آئی تو انہوں نے کار آگے لا کر راستہ روک لیا اور اس طرح انسپکٹر چیانگ شو کو بھی جیپ روک لینا پڑی تھی۔

وہ بڑی گہری نظروں سے سامنے کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں چینی تھے اور صورتوں ہی سے چھٹے ہوئے لگتے تھے۔ جیپ کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں آگے کھڑی ہوئی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بھی ایک شخص بیٹھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا سر نظر آرہا تھا۔ اس نے ابھی تک پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ اسے غالباً اطمینان تھا کہ اس کے دو ساتھی بحسن و خوبی اپنا کام سر انجام دے لیں گے۔ کار کا انجن اسٹارٹ تھا تاکہ وہاں سے فوری طور پر روانگی میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

انسپکٹر چیانگ شو نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ کار والوں سے ایک ٹیکنیکل غلطی ہوگئی تھی۔ انہیں چاہیے تھا کہ کار موڑ کر اس طرح روکتے کہ جیپ کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں رہتی اور وہ جیپ میں بیٹھے ہوئے انسپکٹر وغیرہ کو دیکھ سکتے لیکن ان کی کار چند گز آگے اس طرح رکی تھی کہ اس کا رخ آگے کی طرف تھا۔ وہ دونوں چینی کار کے پچھلے حصے کے قریب کھڑے تھے۔ وہ خود تو مکمل طور پر جیپ کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں تھے اور انسپکٹر وغیرہ روشنی کے پیچھے قدرے تاریکی میں۔ انسپکٹر کو یہی ایڈوانٹیج حاصل تھا اور اس نے اس سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"اگر کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس کی کھوپڑی اڑا دی جائے گی۔" سامنے کھڑے ہوئے ایک چینی غنڈے نے چیخ کر کہا۔ "انسپکٹر چیانگ شو! اس لڑکے کو ہمارے حوالے کردو ورنہ اس کے ساتھ ہی ہم تمہیں اور تمہارے دونوں ساتھیوں کو بھی بھون ڈالیں گے۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ پولیس والوں کو اس طرح ڈرایا جاسکتا ہے۔"

انسپکٹر چیانگ شو نے بھی چیخ کر کہا۔ "بہتر ہے تم لوگ ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ اور اپنے آپ کو قانون کے حوالے کردو۔"

"اپنی بکواس بند کرو اور لڑکے کو نیچے اتارو۔" چینی غنڈے نے چیخ کر کہا "میں تین تک گنوں گا۔ اس کے بعد تم پر فائر کھول دوں گا۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی چینی غنڈے نے گنتی شروع کردی۔

"ایک..... دو....."

"رک جاؤ۔" انسپکٹر چیانگ شو چلایا "میں لڑکے کو نیچے اتار رہا ہوں۔"

"تم خاصے عقل مند ہو۔" چینی غنڈے نے کہا "جلدی کرو۔ اسے فوراً نیچے اتارو۔"

انسپکٹر چیانگ شو نے سرگوشیانہ انداز میں وجدان سے کہا "نیچے اترتے ہی سڑک کے کنارے پر واقع جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دینا" پھر وہ مسلح کانسٹیبلز کو مخاطب کرتے ہوئے بولا "تم دونوں بھی تیار رہو۔ جیپ جیسے ہی حرکت میں آئے، تم دونوں پلک جھپکتے میں اطراف میں کود جانا۔"

انسپکٹر چیانگ شو نے بائیں پاؤں سے کلچ پیڈل دبا رکھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اسٹیرنگ پر بڑی مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ اس نے غیر محسوس انداز میں ایک ہاتھ نیچے لٹکا لیا اور گیئر لیور پر ہاتھ رکھ کر بڑی سرعت سے انجن کو گیئر میں ڈال لیا۔ اس کے بعد وہ وجدان کی جانب دیکھے بغیر بلند آواز میں بولا۔

"اب تمہارا کھیل ختم ہوچکا ہے بوائے۔ جیپ سے نیچے اترو اور خود کو ان لوگوں کے حوالے کردو۔"

وجدان کے چہرے پر خوف کے تاثرات تھے۔ انسپکٹر چیانگ شو جب اسے ہوٹل ادبرائے سے پولیس اسٹیشن لے کر آیا تھا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا کہ اب اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں رہا اور جب وہ پولیس اسٹیشن سے جیپ پر روانہ ہوئے تھے تو اس وقت بھی وہ مطمئن تھا۔ اس کے دل میں کوئی خوف نہیں تھا بھلا پولیس والوں کی موجودگی میں کون اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ سکتا تھا لیکن یہاں پہنچ کر صورتِ حال یک دم بدل گئی تھی۔ بدمعاش ان کے سامنے رائفلیں تانے کھڑے تھے اور لگتا تھا جیسے انسپکٹر اور اس کے دونوں کانسٹیبل اپنے آپ کو بالکل بے بس محسوس کررہے ہوں۔ اس صورتِ حال نے وجدان کو خاصا بدحواس کردیا تھا اور خوف ایک بار پھر اسے اپنی لپیٹ میں لینے لگا تھا۔ اس نے انسپکٹر چیانگ شو کی سرگوشی سن لی تھی اور وہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا تھا کہ کیا انسپکٹر اسے موت کے حوالے کردے گا؟ اس نے گردن گھما کر بے بس نگاہوں سے انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

"نیچے اتر جاؤ۔ میری شکل کیا دیکھ رہے ہو؟" انسپکٹر نے اس طرح چیخ کر کہا جیسے اس سے واقعی پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

انسپکٹر کا لہجہ محسوس کرکے وجدان کانپ اٹھا۔ اس نے یہ اندیشہ تھا کہ وجدان اٹھ کر جیپ کی طرف آنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر اس نے ایسی حماقت کی تو پھلجھلی ہوجائے گا۔

"وجدان۔" وہ اس کی طرف رخ کرکے چیخا۔ "جھاڑیوں میں چھپے رہو۔ باہر مت نکلنا۔"

اس کے خاموش ہونے سے پہلے ہی دو گولیاں زناٹے کی آواز سے اس کے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔ انسپکٹر ایک دم سینے کے بل لیٹ گیا اور سانپ کی سی تیزی سے جھاڑیوں میں ایک طرف رینگنے لگا۔

فائرنگ ایک بار پھر ہوئی۔ اس مرتبہ آواز دوسری طرف سے آئی تھی اور گولیوں کا رخ بھی جھاڑیوں کی طرف نہیں تھا۔ انسپکٹر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کا ایک کانسٹیبل سڑک کی دوسری طرف جھاڑیوں میں مورچہ بنائے کار پر فائرنگ کررہا تھا اور کار والے نے بھی اپنی فائرنگ کا رخ اسی طرف موڑ دیا تھا۔

انسپکٹر چیانگ شو رینگتا ہوا آگے بڑھ گیا اور ریوالور والا ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک فائر کردیا۔ کار کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں لیکن انجن کی غراہٹ کی ہلکی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ایک انسانی ہیولا کار کے اگلے دروازے کے قریب نظر آیا۔ انسپکٹر نے فائر کردیا۔ گولی کی آواز کے ساتھ ہی ایک انسانی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ وہ ہیولا نیچے گرا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اٹھ کر اندھا دھند فائرنگ شروع کردی۔ لگتا تھا جیسے وہ آٹومیٹک رائفل کے ٹریگر پر انگلی رکھ کر اسے اٹھانا بھول گیا ہو۔ انسپکٹر چیانگ شو پھر سینے کے بل لیٹ گیا تھا اور گولیاں اس کے اوپر سے گزر رہی تھیں اور جب فائرنگ رکی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ ہیولا کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ رہا تھا اور پھر اسی لمحہ ایک اور ہیولا سڑک سے اٹھ کر لنگڑاتا ہوا کار کی طرف دوڑا۔ کار حرکت میں آچکی تھی۔

"کم..... رک جاؤ..... کار کو روکو کم....." لنگڑاتا ہوا ہیولا چیخا۔

کار رکی نہیں۔ البتہ اندر بیٹھے ہوئے ہیولے نے کسی قدر باہر کی طرف جھک کر فائرنگ شروع کردی۔ کار کی طرف دوڑتے ہوئے آدمی کے منہ سے خوف ناک چیخ نکلی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا سڑک پر چکر سے ہٹا کر جیپ کے پائیدان پر رکھ دیے اور پھر پوری قوت سے چلانگ لگا دی۔ ٹھیک اسی لمحے انسپکٹر چیانگ شو نے چیختے ہوئے ایک دم کلچ پر سے پیر ہٹا لیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بڑی پھرتی سے نیچے جھک گیا تھا۔

جیپ زوردار جھٹکے سے اس طرح اچھلی تھی کہ اس کے اگلے پہیے چند انچ اوپر اٹھ گئے تھے۔ سامنے کھڑے ہوئے چینی غنڈوں کے لئے یہ صورتِ حال بالکل غیر متوقع تھی۔ وہ جیپ سے تقریباً پندرہ فٹ کے فاصلے پر تھے۔ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹنے کی کوشش کے ساتھ ہی انہوں نے فائر کھول دیے تھے۔

فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی۔ ان دونوں چینیوں نے اگرچہ پوری کوشش کی تھی لیکن اپنے آپ کو جیپ کی زد میں آنے سے نہیں بچا سکے تھے۔ ایک کا پیر پھسل گیا۔ وہ سڑک پر گرا۔ جیپ کا اگلا ایک پہیا اسے روندتا ہوا گزر گیا۔ دوسرے کی ایک ٹانگ جیپ سے ٹکرائی تھی۔ وہ قلابازیاں کھاتا ہوا سڑک پر کنارے کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔

پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں کانسٹیبل بھی جیپ سے چھلانگیں لگا چکے تھے۔ ایک کو گھٹنے میں چوٹ آئی تھی اور وہ سڑک پر بڑا بلبلا رہا تھا۔ البتہ دوسرے نے نیچے گرتے ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ اس کی رائفل گر گئی تھی اور وہ رائفل تلاش کررہا تھا۔

وجدان نے اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہوئے چھلانگ لگائی تھی۔ وہ تقریباً پانچ فٹ دور پیروں کے بل گرا اور وہاں سے قلابازی کھاتا ہوا سڑک کے کنارے جھاڑیوں میں پہنچ گیا۔ اس نے ایک اور قلابازی کھائی اور جھاڑیوں میں چند فٹ اور آگے نکل گیا۔ اسی لمحے فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ وجدان نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ خوف کی شدت سے سرتاپا بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ گولیاں اس پر چلائی گئی تھیں مگر اسے کوئی گولی نہیں لگی۔ وہ آنکھیں بند کئے جھاڑیوں میں پڑا کانپتا رہا۔

انسپکٹر چیانگ شو اسٹیئرنگ کے نیچے جھک گیا تھا۔ سامنے سے چلائی جانے والی لاتعداد گولیاں ونڈ اسکرین کو چکنا چور کرتی ہوئی نکل گئی تھیں۔ جیپ ان دونوں چینیوں سے ٹکرانے کے بعد بڑی تیزی سے سڑک سے اتر کر جھاڑیوں میں گھس گئی تھی۔ زمین ناہموار تھی۔ جیپ بری طرح اچھل رہی تھی۔ وہ ایک دم سنبھل کر بیٹھ گیا اور جیپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔

ابھی وہ پوری طرح سنبھل نہیں پایا تھا کہ سڑک کی طرف سے زبردست فائرنگ کی جانے لگی۔ وہ ہڈ کے بغیر کھلی جیپ تھی۔ کئی گولیاں انسپکٹر چیانگ شو کے آس پاس سے گزر گئیں۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ گولیاں اس کار سے برسائی جارہی تھیں جس نے ان کا راستہ روکا تھا۔ انسپکٹر چیانگ شو نے جیپ سے چھلانگ لگا دی اور جھاڑیوں میں گرتے ہی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ اسے

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

بزرگان دین کے ایمان افروز واقعات

روشنی کے مینار

قیمت -/150 روپے

ڈاک خرچ -/25 روپے

مصنف: ضیاء تسنیم بلگرامی

کتابیات پبلی کیشنز، پوسٹ بکس 23 کراچی نمبر 1

ڈھیر ہوگیا۔ کار' بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح تیزی سے آگے چلی گئی۔

انسپکٹر چیانگ شو چند لمحے جھاڑیوں میں دبکا رہا پھر اٹھ کر سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔ دو انسانی ہیولے سڑک پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ انسپکٹر ریوالور تانے محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگا۔ ان دونوں ہیولوں میں سے کسی میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ انسپکٹر چیانگ شو کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ اپنے کانسٹیبلوں کے نام لے کر پکارنے لگا۔ ایک کانسٹیبل تو رائفل سنبھالے جھاڑیوں میں سے نکل کر دوڑتا ہوا سامنے آگیا مگر دوسرے کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

"شین کہاں ہے؟" انسپکٹر نے کانسٹیبل سے پوچھا۔

"جیپ سے کودتے ہوئے اس کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ بے ہوش ہے۔ میں نے اسے جھاڑیوں میں گھسیٹ لیا تھا۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"تم یہیں رکو۔ میں جیپ لے کر آتا ہوں۔" انسپکٹر نے کہا اور وجدان کو آوازیں دیتا ہوا جیپ کی طرف چل پڑا۔

وہ جیپ اسٹارٹ کرکے سڑک پر لے آیا لیکن وجدان جھاڑیوں سے نہیں نکلا۔ انسپکٹر نے اسے دو تین مرتبہ پکارا پھر جیپ سے اتر کر جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

وجدان کو ایک جگہ جھاڑیوں میں بے حس و حرکت دیکھ کر انسپکٹر چیانگ شو کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے جھک کر پہلے وجدان کے جسم کو ٹٹولا پھر اسے اٹھا کر سڑک پر لے آیا۔ جیپ کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اس نے ایک بار پھر وجدان کا جائزہ لیا۔ اس کے جسم پر کوئی زخم نہیں تھا۔ وہ بے پناہ خوف اور دہشت سے بے ہوش ہوگیا تھا۔

"تم انہیں دیکھو۔ میں وائرلیس پر پولیس ہاسپٹل اطلاع دیتا ہوں۔" انسپکٹر یہ کہتے ہوئے جیپ کے پاس آگیا اور ڈیش بورڈ پر لگے ہوئے ریڈیو کا مائیک اٹھا کر کال نشر کرنے لگا۔

دس منٹ کے اندر اندر وہاں پولیس کی کئی گاڑیاں پہنچ گئی تھیں اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اس دوران میں کوئی پرائیویٹ گاڑی اس سڑک پر نہیں آئی تھی اور شاید اگر کوئی آئی بھی ہوگی تو فائرنگ کی آواز سن کر دور ہی سے کسی اور طرف مڑ گئی ہوگی۔

پولیس کی گاڑیوں کے ساتھ دو ایمبولنس گاڑیاں بھی پہنچ گئی تھیں۔ ایک ایمبولنس میں بے ہوش وجدان اور کانسٹیبل کو ڈال دیا گیا اور دوسری ایمبولنس میں ان دونوں چینیوں کو۔ ایک چینی کی لاش گولیوں سے چھلنی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جو لنگڑاتا ہوا کار کے پیچھے دوڑا تھا اور کار والے نے فائرنگ کرکے اسے زخمی کردیا تھا اور دوسرا وہ تھا جو جیپ سے ٹکرا کر گرا تھا اور جیپ کا اگلا پہیا اس کے اوپر سے گزر گیا تھا۔ وہ ابھی زندہ تھا۔

ظاہر ہے' گھر جانے کا اب انسپکٹر چیانگ شو کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ وہ بھی ایمبولنس گاڑیوں کے ساتھ ہی اسپتال پہنچ گیا۔

وجدان کو تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوش آسکا تھا۔ خوف اس کے چہرے کی رنگت بالکل سفید ہورہی تھی۔ ایک ہی رات میں پے در پے تین ایسے خوف ناک واقعات پیش آئے تھے جنہوں نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ واقعی باہمت لڑکا تھا۔ بڑا فولادی گردے والا تھا جو سب کچھ برداشت کررہا تھا۔ اگر کوئی جوان لڑکا ہوتا تو شاید اس کا ہارٹ فیل ہوچکا ہوتا۔

وجدان کی طرف سے مطمئن ہوکر انسپکٹر چیانگ شو اس کمرے میں آگیا جہاں بے ہوش چینی کو ہوش میں لانے کی کوشش کی جارہی تھی لیکن ڈاکٹر اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکے اور وہ ہوش میں آئے بغیر ہی دم توڑ گیا۔

وجدان کے ہوش میں آنے کے تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر نے اسے انجکشن لگا دیا اور وہ سو گیا تھا۔

اس وقت اسپتال میں درجنوں پولیس والے موجود تھے۔ سیکورٹی کے ان انتظامات سے مطمئن ہوکر انسپکٹر چیانگ شو پولیس اسٹیشن آکر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

○☆○

وجدان کی آنکھ کھلی تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس کا سر بوجھل ہورہا تھا اور آنکھوں کے سامنے دھند سی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سر کو ہولے ہولے جھٹکنے لگا۔ اس کے ہونٹوں سے ہلکی ہلکی کراہیں سی خارج ہورہی تھیں۔

اس نے ایک بار پھر آنکھیں کھول دیں۔ نظروں کے سامنے اس وقت بھی دھند پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی چیز واضح نہیں تھی پھر یکایک دھند میں لپٹا ہوا ایک چہرہ اس پر جھک گیا۔ اس چہرے کے نقش واضح نہیں تھے۔ وجدان سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور اس پر جھکا ہوا دھندلا چہرہ کس کا ہے۔ وہ ایک بار پھر سر کو جھٹکنے لگا۔

اور پھر اسے سب کچھ یاد آتا چلا گیا۔ وہ چی فانگ اور اس کے ساتھی سے بچ کر ہوٹل ادبیرائے کی طرف آگیا تھا جہاں دارا سے سامنا ہوگیا۔ دارا سے بچ کر نکلا تو انسپکٹر چیانگ شو کے ساتھ اس کے گھر کی طرف جاتے ہوئے مسلح چینی غنڈوں نے ان کی جیپ روک لی تھی۔ اس نے جیپ سے چھلانگ لگا دی تھی اور جھاڑیوں میں چھپ گیا تھا اور پھر فضا زبردست فائرنگ سے گونج اٹھی تھی۔

اس وقت اسے اپنا دل سینے میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے تھے۔ اسے اپنے چاروں طرف ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا تھا اور اب وہ اپنے آپ کو آرام دہ بستر پر پا رہا تھا۔ اسے یاد آرہا تھا کہ اس دوران میں ایک مرتبہ اس کے حواس بحال ہوئے تھے۔ اس وقت انسپکٹر چیانگ شو اس کے پاس موجود تھا اور پھر اسے اپنے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس ہوئی تھی اور اس کے بعد اس کا ذہن ایک بار پھر

تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا تھا اور اب اس کے چاروں طرف دھند کی چادر پھیلی ہوئی تھی۔ دھند میں لپٹا ہوا وہ چہرہ اب اس پر جھکا ہوا تھا۔

"چاچا کے۔" ایک مانوس اور پیار بھری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ "اب کیسے ہو کاکے.....؟"

"چاچا..... چاچا....." وجدان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ سر کو ہولے ہولے جھٹکنے لگا۔ آنکھوں کے سامنے چھائی ایک بار پھر زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی دھند چھٹنے لگی اور اس نے اس چہرے کو پہچان لیا۔ وہ پرتاب سنگھ تھا جو اس کے بیڈ کی پٹی پر بیٹھا ہوا تھا۔ "چاچا..... تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟" وہ اٹھ کر پرتاب سنگھ سے لپٹ گیا۔

"میں تجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتا پتر۔" پرتاب سنگھ نے اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ اس کی آواز گلوگرفتہ تھی اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ "شکر ہے' تو مجھے مل گیا ورنہ میں رب کو کیا منہ دکھاتا۔" وہ وجدان کی پیشانی پر بوسے دینے لگا۔

"چاچا' تم رو رہے ہو؟" وجدان نے اپنے آپ کو اس سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں پتر۔" پرتاب سنگھ آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ "ایسے ہی آنکھوں میں پانی آگیا تھا۔ اب تو کوئی خوشی بھی برداشت نہیں ہوتی نا..... اچھا اب تو آرام سے لیٹ جا۔ میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔ تجھے تیز بخار ہورہا ہے۔"

پرتاب سنگھ نے بیڈ کے پیچھے دیوار پر لگا ہوا کال بیل کا بٹن دبا دیا اور اس وقت وجدان نے دیکھا تھا کہ پرتاب سنگھ پلنگ سے اٹھ کر لاٹھی کے سہارے لنگڑاتا ہوا دیوار تک گیا تھا۔

"تمہاری ٹانگ کو کیا ہوا چاچا؟" وجدان نے پوچھا۔

"کچھ نہیں پتر۔" پرتاب سنگھ نے مسکرا کر جواب دیا۔ "کل رات کو گولی لگ گئی تھی۔ معمولی سا زخم ہے۔ دو دن میں ٹھیک ہوجائے گا۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "ان کی قسمت اچھی تھی کہ وہ بھاگ گئے۔ ورنہ ہوں رب دی' ایک آدھ کی گردن مروڑ دیتا۔ مجھے خوشی تو اس بات کی ہے کہ تو مجھے زندہ سلامت واپس مل گیا ہے۔ دو تین دن کی بات ہے۔ ٹھیک ہوجاؤں تو ان سے بھی نبڑ (نمٹ) لوں گا۔"

"چاچا' تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟" وجدان بولا۔

"میں بھی تو اسی اسپتال میں ہوں۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔ "صبح ایک نرس نے بتایا تھا کہ انسپکٹر چیانگ شو کچھ لاشوں اور زخمیوں کو لے کر آیا ہے اور ان میں ایک لڑکا بھی شامل ہے۔ اوئے لڑکے کا سن کر میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ نرس کے منع کرنے کے باوجود میں اپنے کمرے سے نکل کر یہاں آگیا۔ تجھے زندہ اور صحیح سلامت دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ معمولی بخار ہے۔ ایک دو دن میں ٹھیک ہوجاؤ گے پھر ہم نبڑ لیں گے ان سے۔"

اسی وقت دروازہ کھلا اور ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ نرس بھی تھی۔

"ہیلو بوائے۔" ڈاکٹر وجدان کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

وجدان کے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔ نرس نے وجدان کا ٹمپریچر لے لیا تو ڈاکٹر اس کا معائنہ کرنے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ نرس کو ہدایات بھی دیتا جارہا تھا۔

"تشویش کی کوئی بات نہیں۔" وہ پرتاب سنگھ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تھکن اور خوف سے بخار چڑھ گیا ہے۔ ایک دو دن میں اتر جائے گا۔" اس نے نرس کو کچھ مزید ہدایات دیں اور چلا گیا۔

نرس کچھ دیر کمرے میں رہی پھر وہ بھی چلی گئی۔ پرتاب سنگھ پھر پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا تھا۔

"چاچا۔ مجھے اس آدمی کا نام یاد آگیا ہے جس نے ممی کو خنجر مارے تھے۔" وجدان اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے چیانگ انکل کو بتا دیا تھا۔ اس کا نام چی فانگ ہے۔ کل رات کو جب میں کار سے اتر کر بھاگا تھا تو وہی میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔"

"چی فانگ....." نام کچھ سنا ہوا ہے۔" پرتاب سنگھ بڑبڑایا۔ "اگر یہ بندہ ہاتھ آجائے تو اس سے دارا کا پتا لگ سکتا ہے۔"

"کل رات دارا نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔" وجدان نے کہا اور پھر اسے تمام واقعات کی تفصیل بتانے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ رب نے تمہیں کس آزمائش میں ڈال دیا ہے۔" پرتاب سنگھ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ انسپکٹر چیانگ شو دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس نے وجدان کو وش کیا اور پرتاب سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ بوائے بہت بہادر ہے۔ اس نے بہت ہمت سے حالات کا مقابلہ کیا۔ کل رات موت اس کے پیچھے لگا رہا اور اس نے بڑی بہادری سے موت کو شکست دیا۔"

"آں۔ یہ واقعی بہت بہادر ہے۔" پرتاب سنگھ بولا۔ "اس نے اس آدمی کو بھی پہچان لیا ہے جس نے اس کی ممی کو....."

"اس نے ہم کو بتایا۔" چیانگ شو نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہمارا پولیس ریکارڈ میں دو چی فانگ ہے۔ ہم نے اس کو ان کا تصویریں دکھایا۔ وہ چی فانگ ان میں نہیں ہے۔ یہ کوئی تیسرا چی فانگ ہے۔"

"رات کو جو دو آدمی مرے ہیں ان کی شناخت نہیں ہوسکی؟" پرتاب سنگھ نے پوچھا۔

"ان میں ایک کا شناخت ہوگیا ہے۔ ہم اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ رات کو ایک اور نام کا بھی پتا چلا ہے۔ اس کے بارے میں بھی معلوم کررہے ہیں۔"

"کیا نام ہے وہ؟" پرتاب سنگھ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کم" چیانگ شو نے جواب دیا۔

"کم" پرتاب سنگھ بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔ "ایک کم کو تو میں بھی جانتا ہوں۔ اس کا ایک چھوٹا سا نائٹ کلب ہے۔ نائٹ کلب کیا ہے' جوئے شراب اور طوائفوں کا اڈا ہے۔"

"اس کم کے بارے میں' میں بھی جانتا ہوں۔" چیانگ شو بولا۔ "میں نے معلوم کیا' وہ پچھلے کئی روز سے غائب ہے۔ میرے آدمی اس کے کلب کا نگرانی کررہا ہے۔"

"اب میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ چی فانگ بھی اسی کلب میں ملے گا۔" پرتاب سنگھ بولا۔

"ہم اس کو جلدی تلاش کرلے گا۔ ویسے تمہارے لئے ایک خوش خبری ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"وہ کیا؟" پرتاب سنگھ بولا۔

"تمہارا آدمی سوتر سنگھ اب اچھا ہورہا ہے۔" انسپکٹر چیانگ شو نے بتایا۔ "ہم ادھر گیا تھا۔ سوتر سنگھ کو بھی دیکھا۔ ڈاکٹر سے بھی ملا۔ ڈاکٹر نے ہم کو بتایا کہ اس کی یادداشت بحال ہورہی ہے۔ تھوڑا تھوڑا بولنے بھی لگا ہے۔ ایک دو روز میں وہ ٹھیک ہوجائے گا۔"

"شکر ہے رب کا۔" پرتاب سنگھ بولا۔ "میں آج ہی اسے دیکھنے جاؤں گا۔"

"تم ایک دو دن ادھر نہیں جانے کا۔" چیانگ شو نے کہا۔ "تمہارا ٹانگ ابھی ٹھیک نہیں ہے اور ڈاکٹر لوگ نے بھی منع کیا ہے ایک دو دن تک کوئی آدمی سوتر سنگھ سے نہیں ملے گا۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔" پرتاب سنگھ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "ایک دو دن اور انتظار کرلیں گے۔"

"اب میں چلتا ہوں۔" انسپکٹر چیانگ شو اٹھتے ہوئے بولا۔ "وجدان کو اب ادھر کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم اپنا بھی خیال رکھو۔"

انسپکٹر چیانگ شو کے جانے کے بعد پرتاب سنگھ وجدان سے باتیں کرنے لگا۔ سوتر سنگھ دوسرے اسپتال میں تھا۔ پرتاب سنگھ تو فوراً ہی اس سے ملنا چاہتا تھا لیکن انسپکٹر نے اسے منع کردیا تھا۔

تین چار روز گزر گئے۔ پرتاب سنگھ کے شب و روز وجدان ہی کے کمرے میں گزر رہے تھے۔ وجدان کا بخار اتر گیا تھا۔ کمزوری باقی تھی۔ اسے فی الحال اسپتال ہی میں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا کیونکہ یہی جگہ اس کے لئے محفوظ بھی تھی۔ پرتاب سنگھ کی ٹانگ کا زخم بھی بہتر ہورہا تھا اور وہ سہارے کے بغیر آہستہ آہستہ چلنے پھرنے بھی لگا تھا۔

اخبارات میں ان کے بارے میں مسلسل خبریں چھپ رہی تھیں۔ دو دن پہلے سوتر سنگھ کے بارے میں بھی خبر چھپی تھی کہ اس کی قوتِ گویائی اور یادداشت لوٹ رہی ہے اور وہ ایک دو روز میں پولیس کو بیان دینے کے قابل ہوجائے گا۔

وہ دوپہر کا وقت تھا۔ کھانا کھانے کے بعد وجدان اونگھ رہا تھا۔

"لے بھئی کاکے۔" پرتاب سنگھ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "تھوڑا آرام کرلو اور میں سوتر سنگھ کو دیکھ آؤں۔"

اسپتال کی عمارت سے باہر آکر پرتاب سنگھ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا اور پھر ٹیکسی پر دوسرے اسپتال پہنچنے میں اسے پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ راہداری میں تین چار پولیس والے کھڑے تھے۔ ان میں سے دو پرتاب سنگھ کو پہچانتے تھے اس لئے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ سوتر سنگھ والے کمرے سے چند قدم دور ہی تھا کہ ایک نرس اس کمرے سے نکلی۔ اس کے ہاتھ میں کڈنی شیپ ٹرے تھی جس میں ایک سرنج' ایک چھوٹی بوتل' ایک انجکشن کا خالی ایمپیول رکھا ہوا تھا۔ وہ نرس پرتاب سنگھ کو دیکھ کر مسکرادی۔

"ہیلو۔" پرتاب سنگھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا ہے میرا یار؟"

"اچھا ہے۔" نرس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ابھی وقت سو رہا ہے۔ اسے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔"

"بالکل ڈسٹرب نہیں کروں گا جی۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔

دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے کانسٹیبل نے بھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ پرتاب سنگھ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

سوتر سنگھ دوسری طرف کروٹ لئے سو رہا تھا۔ پرتاب سنگھ بیڈ کے قریب کھڑا ہوگیا۔ نرس نے اگرچہ اسے منع کیا تھا کہ مریض کو ڈسٹرب نہ کیا جائے مگر پرتاب سنگھ اس سے بات کئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔

"سوتر سنگھ۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "سوتر سنگھ۔ اٹھو یار۔ دیکھو میں آیا ہوں۔ پرتاب سنگھ۔"

اس نے تین چار مرتبہ پکارا لیکن کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ پرتاب سنگھ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلایا۔ اس کے ہاتھ کے دباؤ سے سوتر سنگھ سیدھا ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی پرتاب سنگھ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

سوتر سنگھ کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔

اسپتال میں ایک ہنگامہ سا مچ گیا۔ یہ انکشاف بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ سوتر سنگھ کو پوائزن انجیکٹ کیا گیا تھا جس سے فوری طور پر اس کی موت واقع ہوئی تھی۔

اس نرس کی تلاش شروع ہوگئی جسے پرتاب سنگھ نے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ پرتاب سنگھ اور کمرے کے دروازے پر متعین پولیس کانسٹیبل نے نرس کا جو حلیہ بتایا تھا' پورے اسپتال میں اس حلئے کی کوئی نرس نہیں تھی۔ لمبا قد' چہرے کے نقوش ہندوستانی رنگ نمایاں تھا۔ ہرنی جیسی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور نچلے ہونٹ کے دائیں کونے پر سیاہ رنگ کا مسور کے دانے کے برابر

تل۔

پرتاب سنگھ نے جب اسے دیکھا تھا تو اس کے ذہن میں فوراً ہی یہ خیال آیا تھا کہ یہ دوغلی نسل کی ہے۔ ہوسکتا ہے ماں چینی اور باپ ہندوستانی ہو۔

یہ علاقہ اگرچہ انسپکٹر چیانگ شو کا نہیں تھا لیکن چونکہ سوتر سنگھ اس کے ایک کیس کا اہم کردار تھا اس لئے اطلاع پاکر وہ بھی آیا تھا جبکہ انکوائری مقامی پولیس آفیسر ہی کررہا تھا۔ ڈیوٹی پر موجود اسپتال کی تمام نرسوں کو جمع کرلیا گیا۔ پرتاب سنگھ اور پولیس کانسٹیبل ایک ایک نرس کو غور سے دیکھتے رہے لیکن وہ نرس ان میں نہیں تھی جسے پرتاب سنگھ نے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

پہلے یہ سوچا گیا تھا کہ شاید ڈیوٹی نرس نے سوتر سنگھ کو غلط انجکشن لگا دیا تھا لیکن اس نئی صورت حال سے پولیس اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا تھا۔ سوتر سنگھ ایک کیس کا اہم گواہ تھا۔ جب تک اس کی یادداشت اور قوت گویائی سلب رہی' وہ محفوظ رہا تھا لیکن اخبارات میں یہ خبر چھپنے کے بعد کہ اس کی قوت گویائی اور یادداشت واپس لوٹ رہی ہے اسے ختم کردیا گیا تھا۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ پولیس کی موجودگی میں سوتر سنگھ پر حملہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسے راستے سے ہٹانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ اس کے لئے کسی ایسی لڑکی کی خدمات حاصل کی گئی تھیں جو تربیت یافتہ نرس تھی کیونکہ انجکشن نرس میں لگایا گیا تھا اور نرس میں انجکشن لگانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی اور یہ کام بڑے اطمینان سے کیا گیا تھا۔ اس کے لئے باقاعدہ پلاننگ کی گئی تھی۔ یہ سب کچھ پہلے ہی سے دیکھ لیا گیا تھا کہ ڈاکٹر کس وقت وزٹ پر آتا ہے اور نرس کس وقت مریض کو دیکھنے آتی ہے۔

پولیس کوشش کے باوجود اس نرس کا سراغ نہیں لگا سکی تھی۔ وہ لڑکی جو کوئی بھی تھی' اسے اپنا کام کرکے اسپتال سے نکلنے کے لئے کافی وقت مل گیا تھا۔

اس روز پرتاب سنگھ کی حالت دیدنی تھی۔ اس نے اپنے دوسرے ساتھی کی لاش اٹھائی تھی اور وہ اس کا ذمے دار وہ صرف اور صرف دارا کو سمجھتا تھا۔ کاش! وہ دارا کا سراغ پا سکتا لیکن دارا بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا۔ وہ خود پس پردہ رہ کر یہ سب کچھ کررہا تھا۔ اس کے پاس غالباً پیسے کی کمی نہیں تھی۔ اس نے مقامی غنڈوں کی خدمات حاصل کررکھی تھیں اور وہ روپیہ پانی کی طرح بہا رہا تھا۔ اب تک کئی قتل ہوچکے تھے۔ دو بندے پرتاب سنگھ کے مارے جاچکے تھے اور پرتاب سنگھ جانتا تھا کہ یہ کھیل اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک دارا وجدان کو موت کے گھاٹ نہیں اتار دیتا۔ وجدان ہی وہ واحد ہستی تھی جو دارا کو پہچانتا تھا۔ اسے ختم کرنے کے بعد دارا اطمینان سے اپنے دوسرے کام کرتا رہے گا لیکن پرتاب سنگھ نے بھی یہ طے کرلیا تھا کہ وہ دارا کے آدمیوں کو کبھی بھی وجدان تک نہیں پہنچنے دے گا۔ اسے حیرت تو اس بات پر تھی کہ پولیس اب تک دارا کا سراغ نہیں لگا سکی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ پولیس ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔ پرتاب سنگھ جانتا تھا کہ پولیس ملزموں کی تلاش میں سرگرداں ہے لیکن بدقسمتی سے اس الجھی ہوئی ڈور کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آرہا تھا۔

دوسرے اسپتال میں سوتر سنگھ کے قتل کے بعد اس اسپتال میں سکیورٹی بڑھا دی گئی تھی جہاں وجدان زیرِ علاج تھا۔ وجدان اگرچہ اب ٹھیک ہوچکا تھا مگر ایک منصوبے کے تحت اسے اسپتال میں رکھا گیا تھا۔ پولیس کا خیال تھا کہ وہ فی الحال یہاں زیادہ محفوظ ہے۔ پولیس کو سختی سے ہدایت کردی گئی تھی کہ کسی غیر متعلق شخص کو اس راہداری میں بھی داخل نہ ہونے دیں جہاں وجدان والا کمرا تھا۔ ڈاکٹروں اور نرسوں کے بارے میں بھی نئی حکمتِ عملی اختیار کی گئی تھی۔ وجدان کو دیکھنے کے لئے اب صرف ان دو ڈاکٹروں اور دو نرسوں کو آنے کی اجازت تھی جنہوں نے شروع میں وجدان کو اٹینڈ کیا تھا۔ کسی دوسرے ڈاکٹر یا نرس کو اس کے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔

پرتاب سنگھ بھی اسی کے کمرے میں تھا۔ وہ اپنی ٹانگ کا زخم چیک کرانے کے لئے دن میں ایک بار اپنے متعلقہ ڈاکٹر کے پاس چلا جاتا اور پھر وجدان کے کمرے میں آجاتا۔

وجدان کو پرتاب سنگھ کی وجہ سے بڑا حوصلہ ملا تھا۔ ماں باپ کے قتل کے بعد اگر پرتاب سنگھ جیسا ہمدرد اور غم گسار شخص نہ ملتا تو نہ جانے اس کا انجام کیا ہوتا۔ اس کے علاوہ "دل پاور" بھی تھی جو اسے سہارا دیے ہوئے تھی اور دراصل یہ اس کی قوتِ ارادی ہی تھی جس سے وہ ایسے سنگین حالات کا مقابلہ کررہا تھا۔ پے در پے قاتلانہ حملوں کے بعد اس کا صحیح الدّماغ رہنا بھی ایک معجزہ ہی تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کے دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔ اس عمر میں مضبوط اعصاب کا مالک ہونے کے باوجود خوف کے سائے بھی اسے گھیرے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی تو اس پر اس قدر بے زاری طاری ہوتی کہ اپنے ہی بال نوچ لینے کو دل چاہنے لگتا تھا۔

اس اسپتال میں اسے دس دن ہوچکے تھے۔ اب وہ بالکل ٹھیک تھا۔ بہترین خوراک اور دیکھ بھال سے اس کی کمزوری بھی بڑی حد تک دور ہوچکی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ باہر نکلے' گھومے پھرے' اپنی عمر کے لڑکوں کے ساتھ کھیلے لیکن وہ تو ایک ہی کمرے میں محصور ہوکر رہ گیا تھا۔ زیادہ وقت پرتاب سنگھ سے باتیں کرتے ہوئے گزرتا۔ پرتاب سنگھ نہ ہوتا تو نرس آجاتی جو دیر تک اس کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہتی۔

اس روز وہ کمرے میں اکیلا تھا۔ پرتاب سنگھ تقریباً ایک گھنٹا پہلے کہیں گیا تھا۔ اس کے بعد نرس آئی تھی اور تھوڑی دیر کمرے میں رکنے کے بعد چلی گئی تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ اپنے کام سے

فارغ ہوتے ہی واپس آجائے گی۔

وجدان بیڈ سے اتر کر کھڑکی کے سامنے آگیا۔ دھوپ کی وجہ سے کھڑکی پر نیلے رنگ کا پردہ کھنچا ہوا تھا۔ اس نے پردہ ایک طرف ہٹا دیا اور باہر دیکھنے لگا۔ یہ کمرا عمارت کی چوتھی منزل پر مین گیٹ کے رخ پر تھا۔ یہاں سے نہ صرف اسپتال میں آنے جانے والے لوگ بلکہ سامنے والی سڑک کا منظر بھی نظر آتا تھا۔ سڑک کی دوسری طرف بلند عمارتیں تھیں۔

اس وقت صبح کے دس بجے تھے۔ وجدان کو کھڑکی میں کھڑے ہوئے تقریباً پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ اس کی نظریں اسپتال کے گیٹ کے سامنے سڑک کی دوسری طرف ایک ٹیکسی پر جمی ہوئی تھیں جو چند سیکنڈ پہلے ہی وہاں آکر رکی تھی۔ چند سیکنڈ بعد ٹیکسی کا دوسری طرف کا دروازہ کھلا اور ایک دراز قامت آدمی نیچے اترا۔ اس نے سفید پینٹ اور نیلے رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ شرٹ آدھی آستین کی تھی اور اس کے ایک بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی جو گردن میں پڑی ہوئی سلنگ میں لٹکا ہوا تھا۔

ٹیکسی آگے نکل گئی۔ وہ شخص جیسے ہی اس طرف مڑا' وجدان اس کا چہرہ دیکھ کر اچھل پڑا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کے باوجود اس نے اس شخص کو پہچان لیا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو جعلی سی آئی ڈی آفیسر بن کر پرتاب سنگھ کے گھر میں آیا تھا اور ان دونوں کو پستول کی زد پر وہاں سے لے گیا تھا اور وجدان نے اس کے بازو پر دانتوں سے کاٹ لیا تھا اور یقیناً بازو کے اسی زخم پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

وہ شخص سڑک پار کر کے اسپتال کے گیٹ کی طرف آرہا تھا۔ وہ شخص جیسے ہی گیٹ میں داخل ہوا' وجدان کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا اور دروازے کی طرف لپکا۔ ٹھیک اسی وقت نرس دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی۔ وجدان اس سے ٹکرا گیا۔ وہ دونوں دھڑام سے نیچے گرے۔ نرس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ وجدان اٹھ کر پھر دروازے کی طرف دوڑا۔

"اے کیا ہوا۔ کہاں بھاگ رہے ہو؟ رک جاؤ۔" نرس مینڈرن زبان (ایسی چینی زبان جو تعلیم یافتہ اور اعلیٰ طبقے میں بولی جاتی ہو۔ اسے مینڈرن "MANDARIN" کہتے ہیں جسے لکھنؤ یا دلی میں بولی جانے والی نستعلیق اردو زبان) میں چیخی اور اس کے پیچھے لپکی۔

جب وہ دروازے سے باہر نکلی تو راہداری میں کھڑا ہوا کانسٹیبل حیرت سے وجدان کی طرف دیکھ رہا تھا جو راہداری میں ایک طرف دوڑا جا رہا تھا پھر اس نے نرس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ معاملہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"میری طرف کیا دیکھ رہے ہو؟" نرس اس مرتبہ بھی مینڈرن زبان میں چیخی۔ "اسے روکو.... وہ کہاں جا رہا ہے۔"

کانسٹیبل جیسے ہوش میں آگیا۔ اس نے چیخ کر راہداری کے اگلے موڑ پر کھڑے ہوئے دو کانسٹیبلوں کو حکم دیا کہ وہ اس لڑکے کو پکڑ لیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ خود بھی اس طرف دوڑ پڑا۔

راہداری کے موڑ پر کھڑے ہوئے دونوں کانسٹیبلوں نے وجدان کو پکڑ لیا۔

"چھوڑو مجھے۔" وجدان اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے چیخا۔ "اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی ہے میں اسے پکڑنے جا رہا ہوں۔"

چند قدم دور کھڑا ہوا سادہ لباس میں چھوٹے ریک کا پولیس آفیسر تیزی سے ان کے قریب آگیا۔ اس کے پوچھنے پر وجدان نے اسے بتایا کہ جس شخص نے اسے پرتاب سنگھ کے ساتھ اغوا کیا تھا وہ ابھی ابھی اسپتال میں داخل ہوا ہے۔

سادہ لباس پولیس آفیسر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ روز پہلی اس لڑکے پر ایک ہی رات میں تین مرتبہ قاتلانہ حملہ ہو چکا تھا۔ دشمنوں سے بچانے کے لئے اس کے لئے خفیہ انتظامات اس طرح کئے گئے تھے کہ اس وقت بھی اسپتال میں کم ایک درجن پولیس والے موجود تھے۔ کچھ یونیفارم میں اور سادہ لباس میں۔ اس لڑکے نے اس شخص کو دیکھ لیا تھا جس نے روز پہلے اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ اس سے چھپنے کے بجائے اسے پکڑنے کے لئے دوڑا جا رہا تھا۔

"تم اس شخص کا حلیہ بتا کر اپنے کمرے میں جاؤ۔ ہم اسے لیں گے۔" سادہ لباس آفیسر نے کہا۔

"تم لوگ اسے نہیں پہچان سکو گے۔ وہ بھاگ جائے گا۔ میں ساتھ چلتا ہوں۔" وجدان نے کہا۔

سادہ لباس آفیسر کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی اور اس نے اپنے طور پر قدم اٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے آس پاس موجود دو تین سادہ لباس پولیس والوں کو اشارہ کیا اور وہ وجدان کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے لفٹ کی طرف چل پڑے۔

انہیں نیچے پہنچنے میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ وجدان لفٹ سے نکلتے ہی اسپتال کی فرنٹ لابی کی طرف بھاگا۔ سادہ لباس والے اس کے پیچھے ہی تھے۔ وجدان ایک جگہ رک کر متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"وہ جگہ کہاں ہے جہاں زخموں پر ڈریسنگ کی جاتی ہے؟" اس نے سادہ لباس آفیسر سے پوچھا۔ "اس کا بازو زخمی ہے اور وہ یہاں پٹی لگوانے آیا ہے۔ وہ اسی طرف گیا ہوگا۔"

"اس طرف آؤ۔" سادہ لباس آفیسر نے کہا اور وہ ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

اس طرف بھی ایک بہت کشادہ لابی تھی۔ جہاں مناسب فاصلوں پر لوگوں کے بیٹھنے کے لئے صوفہ نما سیٹیں بنی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے گملے بھی رکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ بہت لمبا چوڑا کاؤنٹر بنا ہوا تھا جہاں لوگوں کی رہنمائی کے لئے پانچ اٹینڈنٹس موجود تھیں۔ کاؤنٹر پر ٹیلی فون سیٹ بھی رکھے ہوئے تھے اور پچھلی دیوار پر مختلف چارٹس لگے ہوئے تھے۔ کاؤنٹر کے سامنے بھی کچھ لوگ کھڑے تھے اور ان میں وہ آدمی بھی تھا جس کا بازو زخمی سلنگ میں ٹنگا ہوا تھا۔ وہ ایک اٹینڈنٹ سے کچھ پوچھ رہا تھا۔

"وہ رہا۔" وجدان اس کی طرف اشارہ کر کے چیخا۔

سادہ لباس والوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ وجدان کے ساتھ آنے والے آفیسر نے پستول نکال لیا اور تیزی سے اس آدمی کی طرف لپکا لیکن وجدان نے کچھ زیادہ ہی پھرتی دکھائی تھی۔ وہ آفیسر سے پہلے ہی دوڑتا ہوا کاؤنٹر کے قریب پہنچ گیا اور اس شخص کے زخمی بازو کو گرفت میں لے کر چیخنے لگا۔

"پکڑو..... پکڑو..... پکڑ لو اسے..... یہ قاتل ہے۔"

وجدان کی یہ حرکت واقعی بچکانہ تھی یا پھر اس کے اندر اچانک ہی ایسا جذبہ ابھر آیا تھا جس سے اس کے دل و دماغ سے ہر قسم کا خوف مٹ گیا تھا۔

وہ شخص بری طرح بدحواس ہو گیا اور جب اس نے وجدان کو دیکھا تو اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ وجدان اس کے زخمی بازو کو جھٹکے دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات ابھر آئے تھے لیکن زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وجدان کے شور مچانے پر لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ اس نے ان دو سادہ لباس پولیس والوں کو بھی دیکھ لیا تھا جو پستول تانے تیزی سے اس کی طرف آرہے تھے۔

اس شخص نے بڑی پھرتی سے تندرست ہاتھ اپنی جیب میں ڈال کر پستول نکال لیا اور ہوائی فائر کر دیا۔

گولی کی آواز گونجتے ہی لابی میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ اٹینڈنٹ لڑکیاں چیختی ہوئی کاؤنٹر کے پیچھے چھپ گئیں۔ لابی میں موجود لوگ بھی چیختے ہوئے ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ دائیں طرف سے ایک وارڈ بوائے ایک اسٹریچر ٹرالی کو دھکیلتا ہوا لا رہا تھا۔ اسٹریچر پر ایک مریض بے ہوش تھا۔ وارڈ بوائے ٹرالی چھوڑ کر چیختا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

وجدان اب بھی اس شخص کے زخمی بازو کو جھٹکے دیتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ اس شخص نے ایک اور ہوائی فائر کر دیا اور اپنا بازو چھڑا کر وجدان کو گرفت میں لینے کی کوشش کرنے لگا لیکن ٹھیک اسی لمحے وہ ٹرالی اس سے ٹکرا گئی۔ وہ کراہتے ہوئے لڑکھڑا کر گرا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتا۔ تین سادہ لباس پولیس والے اس کے سر پر پہنچ چکے تھے۔ ان تینوں نے اسے پستولوں کی زد پر لے لیا۔

وہ شخص چکنے فرش پر پشت کے بل پڑا تھا۔ ہاتھ میں پستول ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ایک گولی چلائی تو ان گنت گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہو جائیں گی۔ اس نے پستول ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ دو پولیس والوں نے بڑی پھرتی سے اسے گرفت میں لے لیا اور تیسرا وجدان کا ہاتھ پکڑ کر اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا وہاں سے نکال لے گیا۔

اس کے دو گھنٹے بعد انسپکٹر چیانگ شو اسپتال میں وجدان والے کمرے میں موجود تھا۔ تھوڑی دیر پہلے پرتاب سنگھ بھی آگیا تھا۔ پرتاب سنگھ یہ سب کچھ سن کر سناٹے میں آگیا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"یہ واقعی شیر دا پتر ہے۔" وہ وجدان کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے بولا۔ "جو کام پولیس نہیں کر سکی وہ اس نے کر دکھایا۔"

"یہ شیر دا پتر اگر اس کی گولی کا نشانہ بن جاتا تو تم سارا الزام پولیس پر رکھ دیتے۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا۔ "ہم اس کی جان کی حفاظت کے لئے پریشان ہیں اور یہ قاتلوں کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے۔ کوئی بڑا گولی بھی ہو تو اتنا بڑا رسک کبھی نہیں لیتا۔"

"یہ بچہ ہے مگر ڈرپوک اور بزدل نہیں۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔ "میں اسے سمجھا دوں گا کہ آئندہ اس طرح اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالے۔ بہرحال' اس آدمی سے کچھ معلوم ہوا؟"

"وہ کم کے لئے کام کرتا ہے۔" انسپکٹر نے بتایا۔ "یہ وہی کم ہے جس کے بارے میں تمہیں اور مجھے پہلے ہی سے شبہ ہے۔ اب ہم بہت جلد کم کے خلاف کارروائی کرنے والے ہیں۔"

"اس بے وقوف کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وجدان کی حفاظت کے لئے سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے ہیں۔ کیا اسے اپنی جان پیاری نہیں تھی کہ یہاں چلا آیا۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔

"وہ وجدان کے پیچھے یہاں نہیں آیا تھا۔ اسے تو یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ وجدان کو یہاں رکھا گیا ہے۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا۔ "اس کی بیوی اس اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔ ڈیلیوری ہونے والی ہے۔ کیس کچھ پیچیدہ ہے۔ ڈاکٹر نے اسے فون کر کے بلایا تھا۔ وہ کاؤنٹر پر ڈاکٹر کے بارے ہی میں دریافت کر رہا تھا کہ وجدان آکر اس سے لپٹ گیا۔ یہ تو شکر کا بات ہے کہ اس نے گولی وجدان پر نہیں چلائی تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "اسپتال میں وجدان کی سکیورٹی بھی ایک مسئلہ بن گئی ہے۔ اسے زیادہ دن یہاں بھی رکھا نہیں جا سکتا۔ ویسے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔"

"وہ کیا؟" پرتاب سنگھ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم اس کو چند روز کے لئے لازارس آئی لینڈ پر لے جاؤ۔ وہ جگہ اس کے لئے زیادہ محفوظ ہے۔ ہمارا دو آدمی تمہارا ساتھ جائے گا۔" انسپکٹر نے کہا۔

"لازارس آئی لینڈ۔" پرتاب سنگھ بڑبڑایا۔

سنگاپور ستاون چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ملک ہے۔ زیادہ تر جزائر غیر آباد ہیں اور وہاں گھنے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ قابلِ ذکر جزائر میں سنتوشاہ' ایس ٹی جان اور کوسوہیں۔ سنتوشاہ سب سے زیادہ قریب اور سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ یہ سنگاپور کی سب سے

بڑی تفریح گاہ بھی تھی۔ سنگاپور جانے والا ہر شخص اس جزیرے پر جانا ضروری سمجھتا ہے۔ بعض جزیروں کے لئے تو باقاعدہ فیری سروس موجود ہے لیکن بعض چھوٹے چھوٹے جزیرے ایسے ہیں جہاں کوئی باقاعدہ فیری سروس نہیں ہے۔ البتہ کشتی چارٹر کی جاسکتی ہے۔ لازارس بھی ان میں سے ایک تھا جہاں جانے کے لئے کوئی کشتی خاص طور پر چارٹر کرانی پڑتی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ جزیرہ وجدان کے لئے محفوظ تھا لیکن دارا اور اس کے آدمیوں سے اس طرح بھاگتے رہنا مسئلے کا حل نہیں تھا۔ اس نے یہی بات دہرائی تو انسپکٹر چیانگ نے جواب دیا۔

"چند روز کا بات ہے۔ ہم دارا کو پکڑلیں گے۔ اس کے بعد وجدان کے لئے کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔"

"یہ بات تو میں کئی دنوں سے سن رہا ہوں۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔ "لیکن پولیس تو ابھی تک اس کا کوئی سراغ ہی نہیں لگا سکی۔ پکڑیں گے کیسے؟"

"پکڑلیں گے۔" انسپکٹر چیانگ شونے کہا۔ "اب ہمیں آگے بڑھنے کا ایک راستہ تو مل گیا ہے۔ اب اسے تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ تم اس لڑکے کو لے کر آج رات لازارس آئی لینڈ چلے جاؤ۔ تم تیاری کرلو۔ ہم ایک گھنٹا پہلے تم کو اطلاع دے گا اور ہمارے آدمی تم کو یہاں سے لے جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہارا مشورہ مان لیتے ہیں۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔ "لیکن مجھے لگتا ہے' پولیس کچھ نہیں کرسکے گی اور ہمیں سنگاپور چھوڑنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم چلتا ہے۔ روانگی سے ایک گھنٹا پہلے تمہیں اطلاع دے گا۔" انسپکٹر چیانگ شو اس سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔

اور پھر اسی رات دو بجے انسپکٹر چیانگ شو کے دو آدمی انہیں لینے کے لئے وہاں پہنچ گئے۔ انہیں کمرے میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے پہلے پرتاب سنگھ نے ڈیوٹی پر موجود دوسرے پولیس والوں سے یہ تصدیق کرلی تھی کہ آنے والے یہ دونوں آدمی پولیس ہی کے تھے اور ان کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں ہو رہا تھا۔

وہ اسپتال کے عقبی دروازے سے باہر نکلے تو گلی میں سیاہ رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر پہلے ہی سے ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ پرتاب سنگھ' وجدان اور ایک آدمی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ دوسرا پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ کار فوراً ہی حرکت میں آگئی تھی۔ گلی میں تقریباً پچاس گز پیچھے کھڑی ہوئی ایک اور کار بھی حرکت میں آئی تھی۔ اس کار میں بھی سادہ لباس مسلح پولیس والے بیٹھے ہوئے تھے۔ وجدان کو اسپتال سے منتقل کرنے کا منصوبہ اگرچہ نہایت خفیہ رکھا گیا تھا لیکن انسپکٹر چیانگ شو نے ہر پہلو کو مدنظر رکھا تھا۔

سڑکیں سنسان تھیں۔ دونوں کاریں آگے پیچھے دوڑتی ہوئی فیری گھاٹ پر پہنچ گئیں۔ وہ لوگ کاروں سے اتر کر اس طرف آگئے جہاں ایک موٹر بوٹ ان کی منتظر کھڑی تھی۔ وہاں انسپکٹر چیانگ شو بھی موجود تھا۔ موٹر بوٹ میں ایک عورت اور تین آدمی پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ عورت چینی تھی۔ اس کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس نے گلابی رنگ کا پاجامہ اور اوپن شرٹ پہن رکھی تھی جس پر گہرے سرخ پھولوں کے پرنٹ تھے۔ اس کا نام حارہ کاشی تھا۔ اس نے وجدان کو اسی سیٹ پر بٹھالیا اور اس کی کمر پر ہاتھ لپیٹ کر اپنے ساتھ لپٹالیا۔

بوٹ کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ حرکت میں آکر گھاٹ سے نکلنے لگی۔ لازارس آئی لینڈ جنوب میں چند میل کے فاصلے پر تھا۔ گہرے پانی سے ہوتے ہوئے وہاں تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

ایک تنگ سی کھاڑی ساحل پر اندر کی طرف چلی گئی تھی۔ کھاڑی کے دونوں طرف درختوں کی شاخیں پانی پر جھکی ہوئی تھیں۔ بوٹ آہستہ آہستہ تیرتی ہوئی تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کرکے کنارے کے ساتھ رک گئی اور وہ لوگ نیچے اتر آئے۔

وہاں سے تقریباً پانچ سو گز دور ایک کاٹیج مکمل طور پر گنجان درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ کاٹیج کی تمام بتیاں جل رہی تھیں اور ایک آدمی پہلے سے وہاں موجود تھا۔

اس وقت رات ساڑھے تین بج رہے تھے۔ وجدان رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ حارہ کاشی نام کی وہ عورت وجدان کو لے کر ایک کمرے میں چلی گئی۔ بیڈ پر آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا۔ حارہ کاشی نے بستر پر لیٹ کر وجدان کو اپنے ساتھ لپٹالیا۔ وجدان کو یوں لگا جیسے وہ تپتے ہوئے صحرا سے نکل کر ماتا کی ٹھنڈی اور پیار بھری آغوش میں آگیا ہو۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور فوراً ہی سو گیا۔

○☆○

اس رات کم کے آدمی وجدان کو پکڑنے یا اسے موت کے گھاٹ اتارنے میں قطعی ناکام رہے تھے۔ اس نے منصوبہ تو بہت شاندار بنایا تھا۔ پولیس اور سی آئی ڈی کے آدمی اگرچہ پرتاب سنگھ کے مکان کے اردگرد پھیلے ہوئے تھے۔ کوئی بھی مشتبہ آدمی ان کی نظروں میں آئے بغیر مکان کی طرف نہیں جاسکتا تھا لیکن کم نے جو منصوبہ بنایا تھا' ابتدائی مرحلے میں تو وہ سو فیصد کامیاب رہا تھا۔ انہوں نے پرتاب سنگھ کے ٹیلی فون پر انسپکٹر چیانگ شو کی باتیں سن لی تھیں اور اس کا ایک آدمی شوتو سی آئی ڈی انسپکٹر آنگ کا لباس بھیس میں پرتاب سنگھ کے مکان پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور وہ پرتاب سنگھ اور وجدان کو پستول کی زد پر وہاں سے نکال بھی لایا تھا لیکن راستے میں گڑبڑ ہوگئی اور وہ لڑکا کار سے اتر کر بھاگ نکلا۔ اس نے شوتو کو بھی دانت سے کاٹ کر زخمی کردیا تھا۔ اگرچہ چی فانگ وغیرہ بھی وہاں پہنچ گئے تھے لیکن کچھ ہی دیر بعد پولیس کے آجانے کی وجہ سے کم کے آدمیوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا تھا۔ چی فانگ اپنے ایک آدمی کے ساتھ وجدان کے تعاقب میں تھا لیکن وجدان

نہ صرف انہیں دھوکا دے کر بچ نکلا بلکہ ہوٹل اوبیرائے کے قریب وہ دارا کو بھی پچھاڑ گیا تھا۔

دارا ہی نے بعد میں کم کو فون پر اطلاع دی تھی کہ وجدان دارا ہی کے ساتھ پولیس اسٹیشن میں موجود ہے اور ظاہر ہے وہ رات بھر پولیس اسٹیشن میں نہیں رہے گا۔ اسے کسی اور جگہ منتقل کیا جائے گا۔ کم اسٹیشن میں آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور دور سے کہ پولیس اسٹیشن اپنے دو آدمیوں کی نگرانی کرنے لگا اور پھر رات دو بجے کے قریب انسپکٹر چیانگ شو کی نگرانی کے ساتھ وجدان کو لے کر جیپ پر روانہ ہوا تو کم کو دو کانسٹیبلوں کے ساتھ وجدان کو لے کر جیپ پر روانہ ہوا تو کم کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اسے اپنے گھر لے جارہا ہے۔ راستے میں انسپکٹر چیانگ شو وغیرہ کو گھیر لیا گیا لیکن اس کے دونوں آدمی بُرے درجے کے احمق نکلے۔ نہ صرف خود مارے گئے بلکہ اسے بھی بُرے درجے کی گولی لگی تھی اور وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوسکا تھا اور اب کم اپنے ایک خفیہ ٹھکانے میں چھپا تانگ کا زخم ٹھیک ہونے کا انتظار کررہا تھا۔ اس نے چی فانگ کو بھی نائٹ کلب سے ہٹا دیا تھا اور شوتو کو بھی ہدایت کردی تھی کہ وہ چند روز تک گھر سے باہر نہ نکلے کیونکہ نہ صرف وجدان بلکہ پرتاب سنگھ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ ان پولیس والوں کی نظروں میں بھی آگیا تھا جو اس رات پرتاب سنگھ کے مکان پر ڈیوٹی دے رہے تھے۔ یہ لوگ اسے دیکھتے ہی پہچان لیتے۔

کم کو اپنے سارے خواب چکنا چور ہوتے نظر آرہے تھے۔ اسے نائٹ کلب میں اپنے ایک آدمی سے مسلسل یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ دارا اس سے ملنا چاہتا ہے لیکن کم ان پیغامات کو نظرانداز کرتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ دارا نہ صرف اس سے یہ کام واپس لے لے گا بلکہ اپنی اس خطیر رقم کی واپسی کا بھی مطالبہ کرے گا جو وہ اب تک کم کو دے چکا تھا۔ ان میں یہی طے ہوا تھا کہ کم' وجدان کو زندہ اس کے حوالے کرے گا یا اسے ٹھکانے لگا دے گا تو دارا اسے اتنی ہی رقم ادا کرے گا۔ ناکامی کی صورت میں کم کو وہ ساری رقم واپس کرنی پڑے گی جو وہ اب تک دارا سے لے چکا تھا اور کم اپنے مشن میں تقریباً ناکام ہی رہا تھا.... اور ستم یہ کہ وہ اپنے تین چار آدمی بھی مروا چکا تھا لیکن معاملہ ابھی تک وہیں تھا جہاں سے شروع ہوا تھا۔ بارہ سال کا وہ لڑکا اس کے لئے دنیا کا سب سے سنگین مسئلہ بن گیا تھا۔

اس دوران میں کم نے اخبار میں یہ خبر پڑھی کہ پرتاب سنگھ کے باڈی گارڈ سوتر سنگھ کی یادداشت اور قوتِ گویائی لوٹ رہی ہے۔ سوتر سنگھ کی صحت یابی بھی کم کے لئے بڑا خطرہ ثابت ہوسکتی تھی۔ اس نے سوتر سنگھ کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا اور اس کے لئے مائے فانگ نامی ایک خوبصورت عورت کی خدمات حاصل کی گئیں۔

مائے فانگ دوغلی نسل کی تھی۔ اس کی ماں چینی اور باپ ہندوستانی تھا۔ اس کی عمر اگرچہ تیس سے اوپر ہی تھی لیکن جسمانی رکھ رکھاؤ کی وجہ سے وہ اپنی عمر سے کم از کم دس سال چھوٹی لگتی تھی۔ وہ ایک تربیت یافتہ نرس تھی۔ کم جب ڈاکٹر کی حیثیت سے پریکٹس کیا کرتا تھا تو مائے فانگ اس کے پاس ملازم تھی۔ کم پر پابندی لگی تو مائے فانگ بھی کسی اور ڈاکٹر کے پاس چلی گئی۔ مائے فانگ بھی اپنی پریکٹس کے حوالے سے غیرقانونی سرگرمیوں میں ملوث تھی۔ کم نے پانچ ہزار ڈالر کے عوض مائے فانگ کو اس کام پر آمادہ کرلیا تھا اور اس نے اپنا کام بڑی مہارت اور خوش اسلوبی سے انجام دیا تھا۔

کم' سوتر سنگھ کی طرف سے تو مطمئن ہوگیا تھا لیکن آج دوپہر اسے یہ سنسنی خیز اطلاع ملی کہ شوتو پولیس کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ وہ اپنی بیوی کو دیکھنے کے لئے اسپتال گیا تھا کہ اسی اسپتال میں موجود وجدان نے اسے دیکھ لیا اور اس طرح شوتو پکڑا گیا۔

کم کا ایک آدمی اسپتال کی نگرانی کررہا تھا کہ وجدان کو کہیں اور منتقل کیا جائے تو اس کو پتا چل جائے لیکن دوسرے روز صبح سویرے کم کو اپنے اسی بندے سے اطلاع ملی کہ وجدان کو گزشتہ رات نہایت خفیہ طور پر کسی نامعلوم مقام پر منتقل کردیا گیا ہے۔

"اس کی منتقلی نہایت خفیہ طور پر عمل میں آئی تھی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "میں اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ میں نے ان میں سے کسی کو بھی اسپتال کی عمارت سے باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ میں رات تین بجے عمارت کی چوتھی منزل کا ایک چکر بھی لگا کر آیا تھا۔ اس وقت پولیس والے کمرے کے سامنے اور راہداری میں اپنی جگہ پر موجود تھے لیکن ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے ان تمام پولیس والوں کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا اور جب میں اوپر گیا تو وجدان کا کمرا خالی تھا۔ وہ لوگ شاید عمارت کے پچھلے دروازے سے گئے تھے۔ اس پروگرام کو اتنا خفیہ رکھا گیا تھا کہ ڈاکٹروں اور نرسوں کو بھی پتا نہیں چل سکا۔ صبح تک پولیس والے اس لئے دروازے پر کھڑے رہے کہ کسی کو شبہ نہ ہوسکے۔"

کم کا دماغ بری طرح گھوم رہا تھا۔ اس نے زندگی میں بڑے بڑے معرکے سر انجام دیے تھے۔ منشیات کے ایک بہت بڑے بین الاقوامی گروہ کے ساتھ وابستہ رہا تھا۔ اسے اپنے کسی مشن میں کبھی ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ صرف ایک موقع پر اسے ناکامی ہوئی تھی اور دراصل وہیں سے اس کا زوال بھی شروع ہوا تھا اور وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا تھا اور جب اسے دارا سے یہ کیس ملا تھا تو وہ بہت خوش ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کیس میں کامیابی کے بعد اسے ایک بار پھر اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا موقع مل جائے گا۔ اس نے بڑی آسانی سے عابد علی اور اس کی بیوی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس موقع پر اس سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ ان کا بیٹا زندہ بچ گیا تھا۔ اس کا انکشاف دوسرے دن کے اخبارات سے ہوا تھا۔ دارا نے اسے ختم کردینے کا حکم دیا تھا اور کم کا خیال تھا کہ وہ اسے چیونٹی کی طرح مسل دے

گا لیکن وہ کم سن لڑکا تو اس کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہو رہا تھا۔ کم کو محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ غیر محسوس انداز میں ایک خوف ناک دلدل میں دھنستا جا رہا ہو۔ اگر اس نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش نہ کی تو یہ دلدل اسے نگل جائے گی اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

اس نے بڑی محنت سے وہ نائٹ کلب بنایا تھا لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اگر وہ لڑکا ہاتھ نہ لگا تو یہ نائٹ کلب بھی ہاتھ سے نکل جائے گا اور وہ سڑکوں پر بھیک مانگتا ہوا نظر آئے گا۔ وہ اپنا یہ انجام سوچ کر ہی کانپ اٹھا تھا۔

ان ہنگاموں میں اب تک اس کے تین چار آدمی مارے جا چکے تھے اور کوئی نیا آدمی اس کے لئے کام کرنے کو تیار نہیں تھا اور جو کام کرنے کو تیار تھے وہ چار گنا زیادہ معاوضہ مانگ رہے تھے اور کم کے پاس اتنا پیسا نہیں تھا۔

فون پر اپنے آدمی سے بات کئے ہوئے آدھا گھنٹا ہو چکا تھا۔ اس دوران میں وہ یہ بھی اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ وجدان کو کہاں لے جایا گیا ہو گا لیکن کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں مائے فانگ کا خیال آگیا۔ اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور مائے فانگ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال ریسیو ہونے میں پورا ایک منٹ لگا تھا۔

"فانگ کہاں تھیں تم؟ کال ریسیو کرنے میں اتنی دیر؟" کم نے ریسیور پر ہیلو کی آواز سنتے ہی کہا۔

"میں سو رہی تھی۔" فانگ کی خوابیدہ سی آواز سنائی دی۔

"تمہارے ساتھ اور کون ہے؟" کم نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

"میں تمہیں یہ بتانے کی پابند نہیں ہوں کہ میرے پاس اور کون ہے۔" فانگ نے بھی خشک لہجے میں جواب دیا۔

"جو کوئی بھی ہے اسے جلد سے جلد رخصت کر کے میرے پاس آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ معاملہ بہت سنگین ہو گیا ہے اور مجھے اس وقت تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" کم نے کہا۔ اس مرتبہ اس کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ "دیکھو فانگ۔ میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ اگر تمہیں میرا لہجہ برا لگا ہو تو میں معذرت چاہتا ہوں۔ تم صورتِ حال کا اندازہ لگا سکتی ہو اور....."

"ٹھیک ہے۔ مزید تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں ایک گھنٹے بعد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

کم کچھ کہنا چاہتا تھا مگر لائن کٹ گئی تھی۔ اس نے بھی ریسیور پٹخ دیا اور دانت کچکچانے لگا۔ فانگ اسی کے ٹکڑوں پر پلتی رہی تھی اور اب وہ بھی اس لہجے میں بات کرنے لگی تھی کہ اس کا خون کھول اٹھا تھا۔

وہ کمرے سے نکل کر کچن میں آگیا اور اپنے لیے کافی بنانے لگا۔ صبح ہی صبح اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

وہ برآمدے میں بیٹھا کافی کی چسکیاں لیتا رہا اور صورتِ حال پر غور کرتا رہا۔ صورتِ حال سنگین سے سنگین تر ہوتی جا رہی تھی لیکن اس سے نبرد آزما ہونے کا کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

وہ بار بار گیٹ کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ فانگ نے ایک گھنٹے کا کہا تھا اور اب دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ بالآخر وہ اٹھ کر کمرے میں گیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر فانگ کا نمبر ملانے لگا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی جس کا مطلب تھا کہ فانگ فون پر نہیں تھی۔ اس نے ریسیور رکھ دیا اور ایک بار پھر برآمدے میں آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔

کم کی یہ نئی پناہ گاہ ایک خوبصورت کاٹیج تھی جو نسبتاً ویران ذرا ہٹ کر واقع تھی۔ اس علاقے میں ایک دوسرے سے فاصلے پر اسی قسم کے خوبصورت کاٹیج بنے ہوئے تھے۔ کاٹیج کے گرد وسیع لان تھا۔ گیٹ برآمدے سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر تھا۔ پودوں کی اونچی باڑ لگی ہوئی تھی۔ پام کے علاوہ بھی دو سرو شاخوں والے درختوں کی بہتات تھی۔ کھلی جگہ پر بیٹھے ہوئے کم کو یہ اطمینان تھا کہ اسے باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

مائے فانگ تین گھنٹے بعد آئی تھی۔ اس نے اپنی کار باہر کھڑی کر دی اور گیٹ میں داخل ہو کر بڑے اطمینان سے چلتی اندر آئی تھی۔

"تم دو گھنٹے لیٹ ہو۔" کم نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری پابند تو نہیں ہوں مسٹر کم!" فانگ نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ کم کا خون کھول اٹھا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پا سکا تھا۔

"ہاں۔ تم میری پابند تو نہیں ہو لیکن میں نے سوچا کہ شاید تمہیں کچھ رقم کی ضرورت ہو۔ یہ معمولی سا کام کی اور بھی لے سکتا تھا لیکن ظاہر ہے' ہمارے پرانے تعلقات ہیں اس لئے سب سے پہلے مجھے تمہارا ہی خیال آیا تھا۔ آؤ اندر بیٹھ کر اطمینان سے بات کرتے ہیں۔" کم کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گیا۔

وہ دونوں اندر آگئے۔

"کچھ پیو گی؟" کم نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" فانگ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "گزشتہ رات تم نے فون پر کہا تھا کہ ابھی تک سینے میں جلن ہو رہی ہے۔ تم مطلب کی بات کرو۔ کس لئے بلایا ہے مجھے؟"

"تم اچھی طرح جانتی ہو' میں آج کل کس الجھن میں ہوں۔" کم کہنے لگا۔ "وہ لڑکا کم بخت میرے لئے عذاب بن گیا ہے۔ مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔ جب تک اس کا قصہ تمام نہیں ہو جاتا میں اپنے بارے میں بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔"

وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "کل تک وہ اسپتال میں تھا لیکن گزشتہ رات وہ پراسرار طور پر

ہو گیا۔"

"لاپتا ہو گیا؟" فانگ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے کہ اسے نہایت خفیہ طور پر کسی نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹروں اور نرسوں کو بھی علم نہیں ہے کہ اسے رات کو کس وقت وہاں سے لے جایا گیا تھا۔ میرا ایک آدمی اسپتال میں موجود ہے لیکن اسے بھی پتا نہیں چل سکا کہ اس لڑکے کو کس وقت وہاں سے نکالا گیا تھا۔"

"مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" فانگ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس لڑکے کو تلاش کرو۔" کم نے کہا اور الماری میں سے کرنسی نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کے سامنے میز پر پھینک دی "یہ پانچ ہزار ڈالر ہیں۔ ان کے ٹھکانے کا سراغ لگا لو تو اتنی ہی رقم اور دوں گا۔"

"تم آج کل بہت کنجوس ہو گئے ہو۔" فانگ نے یہ کہتے ہوئے نوٹوں کی گڈی اٹھالی۔ "پرتاب سنگھ کے ایک آدمی کو ٹھکانے لگانے کا معاوضہ بھی تم نے صرف پانچ ہزار ہی دیا تھا حالانکہ وہ کم سے کم پچاس ہزار ڈالر کا کام تھا۔"

"یہ مشن کامیاب ہو جائے تو تمہیں اتنا کچھ دوں گا کہ تصور بھی نہیں کر سکتیں۔" کم نے کہا۔

"لیکن ایک بات شاید تمہارے ذہن میں نہیں آئی۔" فانگ نے کہا۔ "جب میں پرتاب سنگھ کے آدمی کو پاتزن انجیکٹ کرنے کے بعد کمرے سے نکل رہی تھی تو پرتاب سنگھ بھی وہاں آگیا تھا۔ اس نے رک کر مجھ سے بات کی تھی۔ اس نے میرا چہرہ اچھی طرح دیکھا تھا۔ اگر اس نے مجھے دیکھ کر پہچان لیا تو.....؟"

"اس دن سے تم آزادانہ گھوم رہی ہو۔ تمہیں ابھی تک کسی نے شناخت نہیں کیا۔" کم نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اس روز تم بیس سے تیار ہو کر گئی تھیں۔ تمہارے نچلے ہونٹ کے دائیں کونے پر ایک تل تھا۔ تمہارے بال گولڈن تھے اور اس وقت تم یونیفارم میں تھیں۔ تمہارے نرس والے حلیے اور اس حلیے میں بڑا فرق ہے۔ تمہیں شناخت کرنا آسان نہیں ہو گا اور پھر تمہیں پرتاب سنگھ کے قریب تو نہیں جانا۔ صرف ان کا ٹھکانا معلوم کرنا ہے۔ دور رہ کر....."

"ٹھیک ہے۔" فانگ گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "یہ کام اگرچہ پرخطر اور خاصا مشکل ہے لیکن تمہارے لئے یہ بھی سہی۔"

"اگر تم اپنے مشن میں کامیاب ہو گئیں تو مالا مال کر دوں گا تمہیں۔" کم نے جواب دیا۔

مائے فانگ کے جانے کے بعد کم نے فون کا ریسیور اٹھایا اور اپنے ایک آدمی کا نمبر ملا کر اسے فانگ کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

"میرا خیال ہے' وہ یہاں سے سیدھی اپنے فلیٹ پر جائے گی۔" کم کہہ رہا تھا۔ "تم نے دور رہ کر اس کی نگرانی کرنی ہے۔ اسے ایک لمحے کو بھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے۔ اسے یہ شبہ بھی نہ ہو کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ مائے فانگ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جب اچھے دن تھے تو وہ پالتو کتیا کی طرح اس کے قدموں پر لوٹا کرتی تھی اور اب وہ نہ صرف برابری پر اتر آئی تھی بلکہ اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھنے لگی تھی۔

وہ دن گزر گیا اور پھر دوسرا دن زیادہ بے چینی میں گزرا تھا۔ اس دوران میں اسے نہ تو مائے فانگ کی طرف سے کوئی اطلاع ملی تھی اور نہ ہی اس کی نگرانی کرنے والے آدمی کی طرف سے۔ اس روز شام کو اس نے چی فانگ کے ٹھکانے پر فون کے ذریعے اس سے رابطہ کیا۔

"صورتِ حال بہت سنگین ہے مسٹر کم۔" چی فانگ نے بتایا۔ "پولیس نے شوتو سے سب کچھ اگلوا لیا ہے۔ اس نے نہ صرف اپنے دوسرے ساتھیوں کے نام بتا دیے ہیں بلکہ یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ لوگ تمہارے لئے کام کر رہے ہیں۔ پولیس نے ایک آدمی کو عرب اسٹریٹ کے علاقے سے گرفتار بھی کر لیا ہے اور تمہارے نائٹ کلب کی بڑی سخت نگرانی کی جا رہی ہے۔ سی آئی ڈی کے کم از کم تین آدمی ہماری نظروں میں آچکے ہیں اس لئے تم نائٹ کلب کی طرف جانے کا خیال بھی ذہن میں مت لانا۔"

"اور وارا کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟" کم نے دریافت کیا۔

"وہ بھی تمہاری تلاش میں ہے۔" چی فانگ نے بتایا۔ "اسے بھی پتا چل گیا ہے کہ تمہارے کلب کی نگرانی ہو رہی ہے اور تمہارے لئے ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ مسٹر وارا' البرٹ سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ البرٹ آج کل سنگاپور میں نہیں ہے۔ وہ کوالالمپور گیا ہوا ہے۔ اس کی واپسی تقریباً ایک ہفتے بعد ہو گی۔ اگر ہم اس کے واپس آنے سے پہلے پہلے اس لڑکے کو ٹھکانے لگا دیں تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ بصورتِ دیگر سب کچھ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور ہمارے کھاتے میں وہ سنگین جرائم رہ جائیں گے جو ہمیں پھانسی کے تختے پر پہنچا دیں گے۔"

"یہ وارا میری توقع سے زیادہ چالاک نکلا۔" کم نے کہا۔ "خود صرف ایک مرتبہ سامنے آیا تھا۔ اس کے بعد سے مسلسل پس منظر میں ہے۔ اس نے ہمیں آگے کر رکھا ہے لیکن بچ کر وہ بھی نہیں جائے گا۔ بہرحال' البرٹ کی عدم موجودگی سے ہمیں کچھ اور مہلت مل گئی ہے۔ اب ہمیں ہر صورت میں وجدان کو تلاش کر کے ٹھکانے لگانا ہے اور تم فی الحال ذرا محتاط رہنا۔"

"میری فکر مت کرو مسٹر کم۔" چی فانگ نے جواب دیا۔ "میں بالکل محفوظ جگہ پر ہوں۔ نہ صرف محفوظ ہوں بلکہ صورتِ حال پر بھی نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔"

کم کچھ دیر اور اس سے باتیں کرتا رہا اور پھر اس نے فون بند دیا۔

اسی روز شام کو کم کے اس آدمی کا فون آگیا جسے مائے فانگ کی نگرانی کا کام سونپا گیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کم۔" اس شخص نے کہا۔ "میں نے کل دوپہر کو مائے فانگ کی نگرانی شروع کی تھی لیکن اسے شاید پتا چل گیا تھا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد مجھے دھوکا دے کر غائب ہوگئی۔ میں اسے تلاش کرتا رہا۔ وہ رات کو اپنے گھر پر بھی نہیں آئی۔ میں آج صبح سے اسے تلاش کررہا تھا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹا پہلے اپنے فلیٹ پر واپس آئی تھی لیکن آدھے گھنٹے بعد پتا چلا کہ وہ عمارت کے پچھلے دروازے سے غائب ہوگئی ہے۔"

"اگر تم میرے سامنے آکر یہ سب کچھ بتاتے تو میں تمہاری گردن مروڑ دیتا۔" کم نے چیختے ہوئے کہا اور فون کا ریسیور پٹخ دیا۔ یہ رپورٹ سن کر اس کا خون کھولنے لگا تھا۔ دارا نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس نے احمقوں کی فوج پال رکھی ہے۔ واقعی یہ سب لوگ احمق تھے۔ اب تک ان سے کوئی کام نہیں ہوسکا تھا بلکہ یہ لوگ ہر کام کو بگاڑتے چلے گئے تھے۔

کم یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ برآمدے میں کسی کے قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا اور مائے فانگ اندر داخل ہوئی۔ اس نے ڈینم کی شرٹ اور اسٹون واش جینز پہن رکھی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"تم کہاں....." کم نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہوگیا۔

"میں کہاں غائب ہوگئی تھی؟ یہی کہنا چاہتے ہو نا!" فانگ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ آئی۔ "میرا خیال ہے، تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں رہا اسی لئے تم نے اپنا ایک آدمی میرے پیچھے لگا دیا تھا لیکن وہ دنیا کا سب سے بڑا احمق ثابت ہوا۔ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں، میں نے اس سے اس طرح پیچھا چھڑا لیا کہ وہ ٹاپتا رہ گیا ہوگا۔ ویسے کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے اسے میرے پیچھے کیوں لگایا تھا؟"

کم کا دماغ سلگ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ فانگ کی گردن مروڑ دے لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ اس قسم کی خواہش پوری کی جاسکتی۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"تمہاری حفاظت۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بات بناتے ہوئے بولا۔ "صورتِ حال کی سنگینی سے تم بھی واقف ہو۔ میرے تین چار آدمی اب تک موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ میں نے تمہاری حفاظت کے لئے اپنے ایک آدمی کو تمہاری نگرانی پر لگا دیا تھا۔"

"میری حفاظت کے لیے یا میری نگرانی کرکے وہ میری سرگرمیوں پر نگاہ رکھ سکے تاکہ اگر میں اس لڑکے کا سراغ لگالوں تو مجھے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا جائے؟" فانگ نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو فانگ۔" کم اپنی ندامت مٹاتے ہوئے بولا۔ "اس آدمی کو پیچھے لگانے کا مقصد واقعی تمہاری حفاظت تھا۔ بہرحال....."

"میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں کم۔" فانگ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں نے یہ معلوم کرلیا ہے کہ اس لڑکے کو اس سے کہاں لے جایا گیا تھا لیکن صحیح لوکیشن معلوم کرنے میں تمہیں بھی تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی اور میرا خیال ہے آسانی سے وہاں پہنچ جاؤ گے۔"

"کہاں؟" کم نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پہلے باقی رقم۔" فانگ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ پھیلا دیا۔

"کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں رہا؟" کم نے اسے گھورا۔

"اب مجھے کسی پر بھروسا نہیں رہا۔" مائے فانگ نے کہہ دیا۔ "تائی من پر سوں رات بھر میرے جسم سے کھیلتا رہا۔ اس نے مجھے بڑے سبز باغ دکھائے تھے لیکن صبح جاتے ہوئے میرے سے بھی رقم نکال کرلے گیا۔ میں اسے بہت شریف آدمی سمجھی تھی لیکن وہ اس طرح مجھے دھوکا دے کر چلا گیا۔ اب کہیں اگلی پچھلی ساری کسر نکال لوں گی۔ اگر تم مزید کچھ جاننا چاہتے ہو باقی رقم....." اس نے دوبارہ ہاتھ پھیلا دیا۔

کم چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر دوسرے کمرے میں گیا۔ کچھ ہی دیر بعد واپس آکر اس نے نوٹوں کی گڈی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

"یہ پانچ ہزار ہیں۔" وہ بولا۔ "لیکن اگر اطلاع غلط ہوئی تو....."

"میری اطلاع سو فیصد درست ہے۔" مائے فانگ نے نوٹوں کی گڈی پرس میں رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا کہ تھوڑی سی محنت تمہیں بھی کرنی پڑے گی۔"

"اب میں اصل بات سننا چاہتا ہوں۔" کم نے اسے گھورا۔

"وہ لوگ اس رات پرتاب سنگھ اور اس لڑکے کو لالہ زار لینڈ آئی لینڈ لے گئے تھے۔" فانگ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "اس روز شام کو پیٹرسن کے نام پر ایک موٹر بوٹ بک کرائی گئی تھی اور رات کو ڈھائی بجے کے قریب وہ لوگ وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔"

"لالہ زار آئی لینڈ۔" کم بڑبڑایا۔ "انہیں وہاں کیسے لے جائے گا؟"

"تم جانتے ہو، وہ جزیرہ زیادہ بڑا نہیں ہے۔" مائے فانگ نے جواب دیا۔ "ایک دن میں جزیرے کا چپا چپا چیک کیا جاسکتا ہے۔"

"لیکن اس طرح تو انہیں پتا چل جائے گا کہ ہم ان کے پیچھے جزیرے پر پہنچ گئے ہیں۔" کم نے جواب دیا۔

"یہ سوچنا اب تمہارا کام ہے کہ انہیں تلاش کس طرح کیا جائے۔ بہرحال طے ہے کہ وہ لوگ اسی جزیرے پر موجود ہیں۔" مائے فانگ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ "اچھا اب میں چلتی ہوں۔"

"بیٹھو۔ ابھی تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" کم نے کہا۔

مائے فانگ چند لمحے گھورتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

○ ○

اس جزیرے پر ان کا تیسرا دن تھا۔ وجدان کو اب کسی حد تک آزادی مل گئی تھی۔ وہ کاٹیج کے آس پاس گھومتا رہتا۔ وہ درختوں میں گھرا ہوا ایک خوبصورت کاٹیج تھا۔ درخت اس قدر گنجان تھے کہ بعض جگہوں پر دھوپ بھی زمین تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ انہیں یہاں بھیجنے سے پہلے انسپکٹر چیانگ شو نے تمام انتظامات مکمل کرلئے تھے۔ کچن کے اسٹور میں سات آٹھ آدمیوں کا کم از کم ایک مہینے کا راشن موجود تھا اور کھانا پکانے والا ایک آدمی بھی۔

ان کے ساتھ تین آدمی آئے تھے اور چوتھی حارہ کاشی نام کی وہ عورت تھی جس کا تعلق بھی پولیس کے محکمے ہی سے تھا۔ وجدان بہت جلد اس سے مانوس ہوگیا تھا اور وہ رات کو سوتا بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ ممتا کے احساس نے وجدان کو ذہنی طور پر بھی بڑی حد تک پرسکون کردیا تھا۔ دن میں بھی وجدان کا زیادہ وقت اسی کے ساتھ گزرتا تھا۔

اس جزیرے پر زیادہ لوگوں کی آمدورفت نہیں تھی۔ جو لوگ آتے وہ بھی چند گھنٹوں کی سیر و تفریح کے بعد واپس چلے جاتے۔ ویسے اس جزیرے پر کچھ پرائیوٹ گیسٹ ہاؤسز بھی تھے۔ وہ گیسٹ ہاؤسز بھی ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے۔

پولیس کے تینوں آدمی سادہ لباس میں تھے اور اس کاٹیج کے اطراف میں خاصے فاصلے پر اس طرف آنے والے راستوں کی نگرانی کررہے تھے۔

وجدان اس روز صبح دس بجے کے قریب حارہ کاشی کے ساتھ ٹہلتا ہوا کاٹیج سے کافی دور نکل گیا۔ حارہ کاشی نے بیل باٹم اور اوپن شرٹ پہن رکھی تھی۔ پینٹ کے ڈھیلے ڈھالے پائنچے کے اندر دائیں پنڈلی پر چمڑے کے فیتے سے بندھے ہوئے ہولسٹر میں چھوٹی نالی والا ولسن اینڈ اسمتھ ریوالور رکھا ہوا تھا۔ یہ ریوالور بظاہر چھوٹا سا کھلونا ہی لگتا تھا لیکن درحقیقت یہ اعشاریہ تین آٹھ کے ریوالور سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔

وہ ایک جگہ پر رک گئے۔ وہاں درخت قدرے چھدرے تھے۔ چمکتی ہوئی دھوپ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ ہر طرف خوش رنگ پھولوں کے پودے نظر آرہے تھے۔ وجدان پھول توڑنے لگا اور حارہ کاشی ایک پتھر پر بیٹھ کر کبھی اس کی طرف دیکھتی اور کبھی اطراف میں دیکھنے لگتی۔

"یہ گلدستہ کس کے لئے بنا رہے ہو؟" وہ وجدان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں دو گلدستے بناؤں گا آنٹی۔" وجدان نے جواب دیا۔ "ایک میں آپ کو دوں گا اور دوسرا پرتاب چاچا کو۔"

"پرتاب سنگھ تمہیں اچھا لگتا ہے؟" حارہ کاشی نے پوچھا۔

"بہت اچھا۔" وجدان بولا۔ "وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میری وجہ سے وہ بھی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کی ٹانگ میں گولی بھی میری وجہ سے لگی تھی۔ کبھی تو میں سوچتا ہوں کہ اگر چاچا پرتاب سنگھ نہ ہوتے تو پتا نہیں میرا کیا انجام ہوتا۔ ویسے آپ بھی بہت اچھی ہیں آنٹی۔ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں آپ۔" اس نے ایک اور پھول توڑ کر اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گچھے میں شامل کیا اور حارہ کاشی کے قریب آگیا۔ "یہ لو آنٹی۔ آپ کا گلدستہ تو تیار ہوگیا۔ اب میں چاچا پرتاب سنگھ کے لئے گلدستہ بناؤں گا۔"

"ایک بات بتاؤ وجدان۔" حارہ کاشی گلدستہ لیتے ہوئے بولی۔ "یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ تم اپنے ماں باپ کے مرڈر کے چشم دید گواہ ہو اس لئے دارا تمہیں قتل کرانا چاہتا ہے لیکن تمہارے ماں باپ کی اس سے کیا دشمنی تھی۔ اس نے انہیں کیوں قتل کرا دیا؟"

"ممی ڈیڈی نے تو مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا تھا لیکن ان کے قتل کے بعد ایک روز میں نے ڈیڈی کی ڈائری پڑھی تھی۔" وجدان کہہ رہا تھا۔ "پاکستان میں ڈیڈی کی اپنے گاؤں میں کسی سے دشمنی تھی۔ زمین کا معاملہ تھا اور ڈیڈی نے ان کا پانچ کروڑ روپے کا سونا....."

"وجدان..... حارہ کاشی..... کہاں ہو تم لوگ؟"

دور سے آتی ہوئی یہ آواز سن کر وجدان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"پرتاب چاچا ہمیں ڈھونڈ رہا ہے۔" وجدان بولا اور پھر اونچی آواز میں پرتاب سنگھ کو بتانے لگا کہ وہ کہاں ہیں۔

چند سیکنڈ بعد ہی پرتاب سنگھ درختوں سے نکل کر سامنے آگیا۔

"میں تمہیں بیچ کی طرف تلاش کررہا تھا اور تم یہاں پھول توڑ رہے ہو؟" پرتاب سنگھ نے قریب آکر کہا۔

"آنٹی حارہ کاشی کے ساتھ سیر کرتا ہوا اس طرف آگیا تھا۔" وجدان نے جواب دیا۔ "اس طرح گھومنا پھرنا کتنا اچھا لگ رہا ہے چاچا۔"

"ہاں واقعی بہت اچھا لگ رہا ہے اور یہ جگہ تو بہت ہی اچھی ہے۔" پرتاب سنگھ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ جگہ قدرے بلندی پر تھی اور بائیں طرف ساحل کا کچھ حصہ بھی نظر آرہا تھا۔ ساحل پر چند ہی لوگ نظر آرہے تھے۔ "آج مجھے ایک بات کا خیال آیا ہے۔" پرتاب سنگھ نے دوبارہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے اور تمہاری ٹریننگ شروع کردی جائے۔"

"کیسی ٹریننگ چاچا؟" وجدان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی

طرف دیکھا۔

"مارشل آرٹ کی ٹریننگ۔" پرتاب سنگھ بولا۔ "مارشل آرٹ ایک ایسا فن ہے جس سے خالی ہاتھ ہوتے ہوئے بھی دشمن کو زیر کیا جاسکتا ہے۔ میں نے تمہیں ایک مرتبہ بتایا تھا نا کہ میں خود بھی بلیک بیلٹ ہوں اور ایک موقع پر میں نے تمہاری ٹریننگ شروع بھی کی تھی لیکن ہمیں یہ پروگرام ادھورا چھوڑنا پڑا تھا اور اب موقع ہے کہ اس پروگرام پر دوبارہ عمل شروع کردیا جائے۔"

"لیکن چاچا۔ تمہاری تو اپنی ٹانگ زخمی ہے۔ تم مجھے ٹریننگ کیسے دوگے؟" وجدان۔

"میری ٹانگ اب ٹھیک ہے اور تمہیں ایک اور بات بتاؤں۔ تمہاری یہ جو آنکھ ہے نا۔" اس نے حارہ کاشی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ بھی مارشل آرٹ کی ماہر ہے۔ سیکنڈ ڈان ہے یہ۔ اس کی موجودگی سے بھی تم فائدہ اٹھاسکتے ہو۔"

"کیا واقعی؟" وجدان نے مڑکر حارہ کاشی کی طرف دیکھا۔

حارہ کاشی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سرہلا دیا۔ وہ پولیس میں تھی اور جرائم پیشہ لوگوں سے نمٹنے کے لئے پولیس والوں کو بھی خاص طور پر مارشل آرٹ کی تربیت دی جاتی تھی۔

"ٹھیک ہے چاچا۔" وجدان بولا۔ "لیکن آج میرا موڈ تو بالکل نہیں ہورہا۔ کیوں نہ اس پروگرام پر کل عمل شروع کیا جائے۔ میں اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرلوں گا۔"

"وجدان ٹھیک کہہ رہا ہے۔" حارہ کاشی نے کہا۔ "ہم کل صبح سویرے اس پروگرام پر عمل شروع کردیں گے۔"

"ٹھیک ہے، بھئی۔" پرتاب سنگھ کہتے ہوئے حارہ کاشی کے قریب ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

وجدان گھوم پھر کر پھول توڑتا رہا۔ اس نے گلدستہ مکمل کرکے پرتاب سنگھ کو دے دیا اور مزید پھول توڑنے لگا۔

"اچھا بھئی میں چلتا ہوں۔ تم لوگ بھی تھوڑی دیر میں آجانا۔" پرتاب سنگھ کہتے ہوئے کاٹیج کی طرف چل پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وجدان بھی حارہ کاشی کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ حارہ کاشی چند لمحے ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر وجدان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم پاکستان میں اپنے فادر کے دشمنوں کے بارے میں کیا بتا رہے تھے۔ یہ بات شاید پانچ کروڑ کے سونے کی ہورہی تھی۔ وہ کیا قصہ تھا؟"

"مجھے ٹھیک سے یاد نہیں رہا۔ میں بعد میں آپ کو بتاؤں گا۔" وجدان کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ "آیئے۔ اس طرف سے گھومتے ہوئے کاٹیج کی طرف چلتے ہیں۔"

حارہ کاشی بھی اٹھ گئی اور وہ دونوں ایک تنگ سی پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر وہ ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے پر رک گئے۔ یہ کسی جھرنے کا پانی تھا جو بلندی کی طرف سے آرہا تھا۔ وجدان پانی میں پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔ حارہ کاشی کنارے پر بیٹھ کر دونوں پیر پانی میں ڈال دیئے اور پیر ہلانے لگی۔ آہستہ حرکت دیتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ سامنے اور عقب میں ایک آواز سن کر وہ چونک گئی۔ اس نے مڑکر دیکھا ایک بہت حسین عورت درختوں سے نکل کر ان کی طرف آرہی تھی۔ وجدان نے بھی اس عورت کو دیکھ لیا تھا۔

"ہیلو۔" وہ عورت حارہ کاشی اور وجدان کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"ہیلو۔" حارہ کاشی نے بھی مسکراتے ہوئے گردن گھما کر گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ عورت جینز اور اوپن شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش بتا رہے تھے کہ اس کے ماں باپ میں سے ایک کا تعلق ہندوستان سے ضرور ہے۔

"ہم آج صبح ہی بوٹ پر یہاں آئے تھے۔" اس عورت نے خود ہی بات شروع کرتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھی پتا نہیں کس طرف نکل گئے ہیں۔ انہی کو تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔"

"ہوسکتا ہے وہ تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہوں۔" حارہ کاشی نے کہا۔

"ہوسکتا ہے۔" عورت نے کہا اور پھر وجدان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "بڑا پیارا بچہ ہے۔ تمہارا بیٹا ہے؟"

"ہاں۔" حارہ کاشی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ حسین عورت وجدان میں زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ باتیں تو وہ حارہ کاشی سے کررہی تھی لیکن اس کی توجہ کا مرکز وجدان تھا۔

حارہ کاشی نے ایک اور بات خاص طور سے نوٹ کی تھی۔ اس عورت کے انداز میں ایک طرح کی بے چینی تھی اور وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ حارہ کاشی کی چھٹی حس نے اسے کسی گڑبڑ سے آگاہ کردیا تھا۔ اس نے دائیں ٹانگ اس طرح موڑی کہ ضرورت کے وقت فوری طور پر پنڈلی پر بندھے ہوئے ہولسٹر سے ریوالور نکال سکے۔

"وجدان۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "چلو، واپس چلیں۔ بہت دیر ہوچکی ہے۔"

وجدان بھی کھڑا ہوگیا۔ اس نے دوسری عورت کی طرف کر ہاتھ ہلایا اور حارہ کاشی کے ساتھ چل پڑا۔ حارہ کاشی وجدان کو اپنے آگے ہی رکھا تھا۔ اس نے ایک دو مرتبہ مڑکر بھی دیکھا تھا۔ وہ عورت وہیں کھڑی ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

وہ دونوں خاموش درختوں میں گھس گئے۔ تنگ سی پگڈنڈی جیسے بعض جگہوں پر جھاڑیوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ حارہ کاشی جانے بار بار یہ احساس کیوں ہورہا تھا کہ کوئی ان کا تعاقب کررہا ہے۔ اس نے کئی مرتبہ پیچھے مڑکر دیکھا تھا لیکن گنجان درختوں کے علاوہ کوئی بھی دکھائی نہیں دیا تھا اور پھر ایک موقع پر چند گز دور قد آدم جھاڑیوں میں تیز سرسراہٹ کی آواز سن کر وہ بڑی پھرتی سے نیچے جھکی اور تیزی سے اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ جھاڑیوں سے برآمد ہونے والا ان کا اپنا آدمی تھا۔

دوسرے ہی لمحے "اوہ۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" حارہ کاشی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ دراصل اس طرف ایک عورت سے ہمارا آمنا سامنا ہوگیا تھا۔ مجھے اس پر کچھ شبہ سا ہوا تھا۔"

"میں نے بھی اس عورت کو دیکھ لیا تھا۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "اسی لئے میں درختوں اور جھاڑیوں میں چھپ کر تم لوگوں کی نگرانی کرتا ہوا آرہا تھا۔ تم اس لڑکے کو لے کر چلی جاؤ۔ میں یہیں کھڑا ہوں۔"

حارہ کاشی وجدان کو لے کر کاٹیج میں آگئی۔ پرتاب سنگھ کاٹیج کے سامنے کھلی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دونوں بھی اس کے پاس بیٹھ گئے۔ حارہ کاشی نے اس عورت کے بارے میں بتایا تو پرتاب سنگھ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"اس کا حلیہ بتاؤ۔ اس۔ یہاں پر چھوٹا سا تل تو نہیں تھا؟" پرتاب سنگھ نے ہونٹوں کے گوشے پر انگلی رکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" حارہ کاشی نے نفی میں سرہلا دیا اور اس عورت کا پورا حلیہ بتانے لگی۔

"میں نے اسپتال میں سوتر سنگھ کے کمرے سے جس عورت کو نکلتے ہوئے دیکھا تھا اس کا حلیہ بھی کچھ ایسا ہی تھا لیکن اس کے ہونٹوں کے گوشے پر سیاہ تل تھا اور بال گولڈن تھے لیکن تم نے اس کے قد و قامت اور چہرے کے جو نقوش بتائے ہیں اس پر مجھے شبہ ہورہا ہے۔ کہاں دیکھا تھا تم نے اسے؟" پرتاب سنگھ نے پوچھا۔

"اس طرف 'ندی کے قریب۔' حارہ کاشی نے اشارے سے بتایا۔

"تم لوگ بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" پرتاب سنگھ اٹھ کر اسی طرف چل پڑا۔ اس کی واپسی تقریباً دو گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ وہ کافی دور تک کا چکر لگا کر آیا تھا لیکن وہ عورت اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

حارہ کاشی کے علاوہ پرتاب سنگھ کو بھی شبہ ہوچکا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔ رات کو زیادہ خطرہ ہوسکتا تھا۔ پرتاب سنگھ کو شبہ تھا کہ اگر دارا کے آدمی اس جزیرے پر پہنچ گئے ہیں تو وہ رات کو کسی وقت کاٹیج پر حملہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ حارہ کاشی کے ساتھیوں نے چینی ساختہ اے۔کے ۴۷ سب مشین گنیں نکال لی تھیں اور وہ رات بھر کاٹیج کے آس پاس ٹہلتے ہوئے پہرا دیتے رہے۔ معمولی سی آہٹ یا جھاڑیوں کی ذرا سی سرسراہٹ پر بھی وہ چونک پڑتے لیکن کچھ نہیں ہوا۔ رات خیریت سے گزر گئی۔

صبح ہوتے ہی پرتاب سنگھ نے اپنے پروگرام پر عمل شروع کردیا۔ وہ وجدان کو لے کر کاٹیج سے نکل گیا۔ حارہ کاشی بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ کاٹیج کے آس پاس جوگنگ کرتے رہے پھر ایک جگہ رک کر ایکسرسائز شروع کردی۔ وجدان نے ٹھیک کہا تھا کہ ٹانگ کے زخم کی وجہ سے پرتاب سنگھ زیادہ نہیں دوڑ سکے گا۔ زخم اوپر سے اگرچہ ٹھیک ہوچکا تھا لیکن اسے تکلیف شروع ہوگئی تھی۔ ایکسرسائز کی ذمے داری حارہ کاشی نے سنبھال لی۔ پرتاب سنگھ ایک طرف بیٹھا انہیں دیکھتا رہا۔

ناشتے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد مارشل آرٹ کی کلاس شروع ہوگئی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے قدرے کھلی جگہ کا انتخاب کیا تھا جو کاٹیج سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھی۔ حارہ کاشی وجدان کو سامنے کھڑا کرکے اس حربی فن کے بارے میں لیکچر دے رہی تھی اور پرتاب سنگھ ایک پتھر پر بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا۔

دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ پرتاب سنگھ اپنی جگہ سے اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ مغرب کی طرف سبزے سے ڈھکی ہوئی ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی اس نے اس پہاڑی پر کچھ نقل و حرکت محسوس کی تھی اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اس جزیرے پر بھی سیاحوں کی آمدورفت تھی اور وہ سیر کے لئے کسی بھی طرف جاسکتے تھے۔

حارہ کاشی اب وجدان کو اسٹریچنگ (پٹھوں کے پھیلاؤ) کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اسٹریچنگ کو مارشل آرٹس میں بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جسم میں جتنی زیادہ لچک ہوگی۔ نہ صرف یہ کہ یہ فن سیکھنے میں آسانی ہوگی بلکہ حریف پر حملہ آور ہونے کی قوت میں بھی اضافہ ہوگا۔ وجدان زمین پر بیٹھا اپنی دونوں ٹانگوں کو دائیں بائیں پھیلانے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس پوزیشن میں بیٹھی ہوئی حارہ کاشی اسے بتا رہی تھی کہ ٹانگوں کو کس طرح زیادہ سے زیادہ اسٹریچ کیا جاسکتا ہے۔ اس نے اپنی ٹانگیں نوے کے زاویئے پر پھیلا رکھی تھیں۔ پرتاب سنگھ دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فضا اچانک ہی فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ وجدان کے پیچھے تقریباً دس فٹ کے فاصلے پر ایک پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے فضا میں بکھر گئے۔

حارہ کاشی اور پرتاب سنگھ بیک وقت وجدان کی طرف لپکے تھے۔ حارہ کاشی زیادہ پھرتیلی ثابت ہوئی تھی۔ وہ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں وجدان کے قریب پہنچ گئی اور اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی ایک طرف لے گئی۔ اسی لمحے ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ گولی ٹھیک اسی جگہ پر لگی تھی جہاں ایک سیکنڈ پہلے وجدان بیٹھا ہوا تھا۔

پرتاب سنگھ نے دوڑ کر وجدان کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ دونوں اسے گھسیٹتے ہوئے ایک پتھر کے پیچھے جا گرے۔ گولیاں اب اس پتھر پر لگ رہی تھیں اور پتھر کے ٹکڑے اڑ اڑ کر فضا میں بکھر

رہے تھے۔

فائرنگ ایک لمحے کو تھمی۔ پرتاب سنگھ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اسے پہاڑی پر ایک جگہ چمک سی نظر آئی۔ وہ غالباً کسی رائفل کی نال تھی جو دھوپ میں چمکی تھی۔ اسی لمحے فضا ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ پرتاب سنگھ اگر پھرتی سے نیچے نہ جھک جاتا تو اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ جاتے۔ گولی اس کے اوپر سے ہوتی ہوئی پیچھے ایک درخت کے تنے میں پیوست ہوگئی تھی۔

پرتاب سنگھ نے گردن گھما کر دیکھا۔ حارہ کاشی نے وجدان کو اپنے نیچے دبا رکھا تھا اور اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی نظر آرہا تھا۔ پرتاب نے غیر ارادی طور پر قریب پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا لیا۔ حارہ کاشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"ان کی فائرنگ کا جواب پتھر سے دینا چاہتے ہو؟" وہ پرتاب سنگھ کی طرف دیکھ کر بولی۔

پرتاب سنگھ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پتھر کو گھور کر دیکھا اور اسے ایک طرف اچھال دیا اور ٹھیک اسی لمحے ایک اور فائر ہوا۔ گولی زمین پر اسی جگہ لگی تھی جہاں پتھر گرا تھا۔

"بڑے پکے نشانچی ہیں بھئی یہ تو۔" پرتاب سنگھ بولا۔ "ہم تو یہاں سے ہٹ بھی نہیں سکتے۔ پر ہمارے بندے کہاں چلے گئے ہیں؟"

اس کا جملہ مکمل ہوتے ہی کانچ کے قریب بھی دو مختلف جگہوں سے فائرنگ شروع ہوگئی۔ ان کے محافظوں نے بھی جوابی فائرنگ شروع کردی تھی۔

پہاڑی سے فائرنگ کا رخ اب بدل گیا تھا۔ پرتاب سنگھ نے چند لمحے انتظار کیا اور پھر سر اٹھا کر پہاڑی کی طرف دیکھنے لگا۔ پہاڑی تین چار سو فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ وہاں درختوں میں ایک جگہ سے فائر ہو رہا تھا۔ اسے یہ بھی اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ فائرنگ کرنے والا اکیلا تھا جبکہ نیچے سے تین مختلف جگہوں سے جواب دیا جارہا تھا۔

پہاڑی سے فائرنگ رک گئی۔ حارہ کاشی وجدان کے اوپر سے ہٹ گئی۔ اس نے وجدان کا ہاتھ پکڑا اور اٹھ کر تیزی سے گنجان درختوں کی طرف دوڑی۔ اس مرتبہ ان پر فائرنگ نہیں کی گئی۔ چند سیکنڈ بعد پرتاب سنگھ بھی دوڑتا ہوا ان کے قریب آگیا اور وہ کہیں رکے بغیر گنجان درختوں میں کانچ کی طرف دوڑنے لگے۔

جزیرے پر تقریباً آدھے گھنٹے تک فائرنگ ہوتی رہی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ دو محافظ واپس آگئے جبکہ تیسرا جنگل میں گھوم پھر کر فائرنگ کرنے والے کو تلاش کرتا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد اس نے واپس آکر بتایا کہ ایک عورت اور دو آدمیوں کو ایک موٹر بوٹ پر وہاں سے کچھ دور ایک اور چھوٹے جزیرے کی طرف فرار ہوتے دیکھا گیا ہے۔

اس نئی صورت حال نے پرتاب سنگھ کو پریشان کردیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دارا کو یہاں ان کی موجودگی کا پتا چل گیا تھا اور اس نے وجدان کو ختم کرنے کے لئے اپنے کرائے کے غنڈے یہاں بھی بھیج دیے تھے۔ حارہ کاشی نے کل صبح جس عورت کے بارے میں بتایا تھا، پرتاب سنگھ کو اب یقین ہو چکا تھا کہ وہ عورت تھی جس نے نرس کے بھیس میں سوتر سنگھ کو زہر کا انجکشن لگایا تھا۔ اس نے کل صبح ان لوگوں کا سراغ لگانے کے بعد اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دی تھی۔ پرتاب سنگھ کو توقع تھی کہ رات ہی گزبڑ ہوگی لیکن وہ لوگ شاید کسی بہتر موقع کی تلاش میں تھے اور آج انہیں موقع مل گیا تھا۔ پہاڑی سے فائرنگ کرنے والا ایک ہی آدمی تھا۔ اس نے وجدان کو نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن قسمت اچھی تھی کہ وجدان اس مرتبہ بھی بال بال بچ گیا تھا۔

وائرلیس پر انسپکٹر چیانگ شو کو صورتِ حال سے آگاہ کیا گیا۔ ایک گھنٹے بعد تین موٹر بوٹس جزیرے کی طرف آتی ہوئی نظر آئیں۔ تینوں بوٹس پر پولیس کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ایک بوٹ تو اسی طرف آگئی اور دو بوٹس اس جزیرے کی طرف چلی گئیں۔ کانچ کے بارے میں انسپکٹر چیانگ شو کو اطلاع دی گئی تھی کہ ایک خراب موٹر بوٹ اس طرف گئی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد انسپکٹر چیانگ شو درجن بھر مسلح سپاہیوں کے ساتھ دوڑتا ہوا کانچ کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے ایک بار پھر پرتاب سنگھ اور اپنے آدمیوں سے صورتِ حال معلوم کی اور پھر اس کے مسلح سپاہی پورے جزیرے پر پھیل گئے۔

اس جزیرے پر سیاحوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ جب بھی فائرنگ ہوئی تھی تو سیاح اپنی تفریحی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ بعض لوگ ساحل پر پیراکی میں مشغول تھے اور بعض ریت پر لیٹے دھوپ سن باتھ لے رہے تھے۔ فائرنگ سے خوفزدہ ہو کر وہ لوگ گیسٹ ہاؤسز میں جمع ہوگئے تھے۔

پولیس نے پورے جزیرے کو چھان مارا۔ کوئی مشتبہ شخص نہیں ملا۔ دوسرا جزیرہ وہاں سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ اس طرف سے ہوا کے دوش پر آنے والی فائرنگ کی آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہاں پولیس اور ان لوگوں میں تصادم ہوگیا تھا۔ بالآخر فائرنگ کی یہ آوازیں بند ہوگئیں۔ اس کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد پولیس کی دونوں موٹر بوٹس اس طرف آتی ہوئی نظر آئیں۔

مزید آدھے گھنٹے بعد وہ پولیس والے کانچ میں پہنچ گئے۔ ایک پولیس والے نے کندھے پر کسی عورت کو لاد رکھا تھا۔ وہ زخمی تھی اور اس کے زخم سے بہنے والے خون سے پولیس والے کی وردی بھی تر ہو رہی تھی۔ اس نے عورت کو کانچ کے برآمدے میں لٹا دیا۔ وہ بے ہوش تھی۔

اس عورت کا چہرہ دیکھ کر حارہ کاشی، وجدان اور پرتاب اچھل پڑے۔ یہ وہی خوب صورت عورت تھی جو کل صبح حارہ اور وجدان کو جنگل میں ملی تھی۔

"دیکھو۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا۔ "تم اپنے لئے مزید مشکلات پیدا کررہی ہو۔ تم گولی نہیں چلا سکتیں۔ تمہارا صرف ہاتھ ہی نہیں، پورا جسم کانپ رہا ہے۔ اس لڑکے کو چھوڑ دو اور ریوالور مجھے دے دو۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"عقل کے ناخن لو لڑکی۔" اس مرتبہ پرتاب سنگھ بولا۔ "اگر تم نے اس لڑکے کو گولی ماردی تو درجنوں گولیاں تمہارے جسم میں پیوست ہوجائیں گی۔ زندگی ہر حال میں موت سے بہتر ہوتی ہے۔ ریوالور پھینک دو۔"

"دور ہٹ جاؤ مجھ سے۔ کوئی آگے نہ آئے۔" مائے فانگ چیخی۔

لیکن انسپکٹر چیانگ شو مزید ایک قدم آگے آگیا۔ مائے فانگ خونخوار بلی کی طرح غرائی اور ٹریگر پر انگلی کا دباؤ ڈال دیا مگر نہ تو ٹریگر دبا اور نہ ہی گولی چلی۔ وہ ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگی اور پھر انسپکٹر چیانگ شو اس پر جھپٹ پڑا۔

قریب کھڑی ہوئی حارہ کاشی نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر وجدان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور اسے لے کر دوڑتی ہوئی کانچ میں گھس گئی۔

مائے فانگ کی یہ آخری کوشش بھی ناکام ہوگئی تھی۔ انسپکٹر نے اس سے ریوالور چھین لیا اور دو پولیس والوں کو اشارہ کیا۔ وہ مائے فانگ پر جھپٹ پڑے اور اس کے دونوں ہاتھ پشت پر موڑ کر ہتھ کڑی پہنا دی۔

پرتاب سنگھ اندر دوڑ گیا۔ حارہ کاشی وجدان کو سینے سے لپٹائے کھڑی تھی۔ پرتب سنگھ نے وجدان کو اس سے لے کر اپنے سینے سے لپٹا لیا۔ وہ دوسری مرتبہ موت کے منہ سے نکلا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔

○☆○

"لگتا ہے، سنگاپور سے اب اپنا دانہ پانی تم ہو چکا ہے اور ہمیں یہاں سے جانا ہی پڑے گا۔" پرتاب سنگھ نے انسپکٹر چیانگ شو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اس وقت پولیس اسٹیشن میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"تم یہاں سے کدھر جائے گا؟" انسپکٹر چیانگ شو نے اسے گھورا۔ "وجدان کے لئے سب سے محفوظ جگہ سنگاپور ہے۔ یہاں پولیس اس کی حفاظت تو کرتی ہے۔ کسی دوسری جگہ جائے گا تو وہ آسانی سے مارا جائے گا۔"

"پولیس خاک حفاظت کررہی ہے اس کی۔" پرتاب سنگھ بولا۔ "پولیس کی موجودگی میں بھی اس پر بار بار حملے ہو رہے ہیں۔ وہ تو اس کی قسمت اچھی ہے کہ اب تک بچتا رہا ہے۔ مجھے حیرت تو اس بات پر ہے کہ پولیس اب تک دارا کا سراغ نہیں لگا سکی۔ وہ ایک پراسرار طاقت بن گیا ہے۔ اس کے آدمی ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔"

"تم جانتے ہو کہ پولیس ہمیشہ سے مستعد رہی ہے۔" چیانگ شو نے جواب دیا۔ "کل لازارس آئی لینڈ پر پکڑے جانے کے بعد مائے فانگ نے کچھ سنسنی خیز انکشافات کئے تھے۔ دارا کو ان لوگوں میں سے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کا تعلق کم سے ہے اور یہ لوگ کم کے لئے کام کررہے ہیں۔ مائے فانگ کی نشان دہی پر گزشتہ رات ہم نے کم کے خفیہ اڈے پر چھاپا مارا تھا لیکن وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ رات کے پچھلے پہر اس کے نائٹ کلب پر بھی چھاپا مارا گیا۔ وہ وہاں بھی نہیں ملا۔ پولیس اسے تلاش کرنے کی پوری کوشش کررہی ہے۔"

"جب تک کم اور دارا نہیں پکڑے جائیں گے اس وقت تک لڑکے کی جان خطرے میں رہے گی۔ خوف و دہشت سے تو وہ ویسے ہی آدھا ہوگیا ہے۔ وہ ایک بہادر لڑکا ہے۔ اب تک اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ہے لیکن اس سے پہلے کہ اس کی ہمت جواب دے جائے' میں اسے یہاں سے لے کر چلا جاؤں گا۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔

"کہاں جاؤ گے؟ اس کے لئے خطرہ تو ہر جگہ موجود ہے۔" چیانگ شو بولا۔

"کچھ عرصے کے لئے ایسی جگہ لے جاؤں گا جہاں وہ خطرات سے محفوظ رہے۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔

"پرتاب سنگھ۔" انسپکٹر چیانگ شو اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم کو اس لڑکے کا اتنا زیادہ فکر کیوں ہے۔ اس کے لئے تم نے اپنا کاروبار سے توجہ چھوڑ دیا۔ اپنا جان کو خطرے میں ڈالا۔ دشمنی مول لیا۔ کیوں؟"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ عابد علی میرا دوست تھا۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔ "ان میاں بیوی کے قتل کے بعد وجدان اکیلا رہ گیا ہے۔ ایک دوست ہونے کے ناتے میرا فرض ہے کہ اس کی مدد کروں۔ ہم جس معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں' وہاں رشتوں ناتوں اور دوستی کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ ہم لوگ تو دوستی پر اپنی جان تک قربان کردیتے ہیں۔"

"دوستی پر یا دولت پر؟" چیانگ شو نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"دولت!" پرتاب سنگھ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ میں یہ سب کچھ اس کی دولت ہتھیانے کے لئے کررہا ہوں۔ عابد علی کی جائداد کتنی ہوگی۔ ایک مکان اور ایک دکان اور چند ہزار کا بینک بیلنس جبکہ....."

"میں اس جائداد کی بات نہیں کررہا۔" چیانگ شو نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے پتا چلا ہے کہ پانچ کروڑ روپے مالیت کے سونے کا بھی کوئی معاملہ ہے۔"

"سونا۔" پرتاب سنگھ اچھل پڑا۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم متغیر ہوگیا تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا اور چیانگ شو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم سے میری دوستی بہت پرانی ہے۔ تم میرے کاروبار سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔ تمہارے خیال میں اس وقت میری مالی حیثیت کیا ہوگی؟"

"تم بیس پچیس کروڑ ڈالر کا اسامی تو ہو۔" چیانگ شو مسکرایا۔

"تو پھر پانچ کروڑ کے سونے کی میرے نزدیک کیا حیثیت ہے۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔ "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں دولت کے لئے میں وجدان کا ساتھ دے رہا ہوں۔"

"مجھے تمہاری نیت پر کوئی شبہ نہیں۔" چیانگ شو مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن یہ پانچ کروڑ کے سونے کا قصہ ہے؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی۔" پرتاب سنگھ بولا۔

"حارہ کاشی' وجدان سے اس کے ماں باپ کے بارے میں پوچھ رہی تھی کہ اس سونے کا ذکر بھی آیا تھا لیکن کسی وجہ سے بات پوری نہیں ہو سکی تھی۔ کیا قصہ ہے یہ؟ کہیں ایسا تو نہیں وجدان ایسا کوئی راز جانتا ہو اور وہ لوگ اس لئے بھی اسے ختم کرنا چاہتے ہوں؟"

"میرے خیال میں دارا کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وجدان سونے کے راز سے واقف ہے۔ اگر اسے علم ہوتا تو وجدان کو ختم کرنے کے بجائے زندہ پکڑنے کی کوشش کی جاتی اور وہ سونا..... اس کی حقیقت کچھ یوں ہے کہ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر عابد علی کی ڈائری کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ اب بھی اسی جگہ موجود ہے جہاں عابد علی نے اسے چھپایا تھا۔ میں اسے حکومت پاکستان کی ملکیت سمجھتا ہوں اور میرے خیال میں اس میں سے کچھ حصہ وجدان کو بھی ملنا چاہیے۔"

"اس سونے کے بارے میں تم حکومت پاکستان کو اطلاع کیوں نہیں دے دیتے؟" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا۔

"ابھی نہیں۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔ "جب تک وجدان کا کوئی بندوبست نہیں ہو جاتا اس وقت تک یہ رازداری رہے گا کہ سونا کہاں ہے۔"

"اوکے۔ تمہارا مرضی۔" انسپکٹر نے کندھے اچکائے۔ "لڑکا اس وقت کہاں ہے؟"

"وہ محفوظ ہے۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔ "میں پولیس کارکردگی سے بے حد مایوس ہوگیا ہوں اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ وجدان کی حفاظت میں خود کروں گا۔ اوکے۔ اب میں چلتا ہوں۔ تم سے رابطہ رکھوں گا۔"

پرتاب سنگھ پولیس اسٹیشن سے نکل آیا۔ اس وقت دوپہر ڈیڑھ بجنے والا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ دارا کے آدمی اس کی تاک میں بھی ہیں اور موقع ملتے ہی اسے بھی ٹھکانے لگا دیں گے اس لئے وہ خاصا محتاط تھا۔ اس کی جیب میں ہر وقت پستول موجود رہتا تھا لیکن لازارس جزیرے پر مائے فانگ کے پکڑے جانے کے بعد پولیس واقعی کچھ زیادہ مستعد ہوگئی تھی۔ کئی جگہوں پر چھاپے مارے جارہے تھے۔ درجنوں مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا گیا تھا۔ پولیس کی ان سرگرمیوں کی وجہ سے عام جرائم پیشہ لوگ بھی محتاط ہوگئے تھے اور وہ بھی اپنی سرگرمیاں معطل کرکے روپوش ہوگئے تھے۔ پولیس نے ویسے تو کئی مشتبہ لوگوں کو پکڑا تھا لیکن اصل ملزم غائب ہوگئے تھے۔ کم کے گروہ کے ایک دو آدمی پکڑے بھی گئے تھے۔ انہوں نے کم کے بارے میں تو بتایا تھا لیکن دارا کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ پرتاب سنگھ سڑک پر چلتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اگر کم پکڑا جائے گا تو دارا تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا لیکن اصل مسئلہ تو کم کے پکڑے جانے کا تھا۔ وہ تو گدھے کے سر سینگوں کی طرح غائب ہوگیا تھا۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد پرتاب سنگھ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ڈرائے کاٹ ایونیو پر واقع ٹینگ لن کلب آگیا۔

ڈانسنگ ہال میں زیادہ گاہک نہیں تھے۔ وہ کونے کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک باوردی ویٹر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ پرتاب سنگھ نے مینیو دیکھ کر کھانے کا آرڈر نوٹ کرا دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ویٹر میز پر کھانا سرو کرنے لگا۔ ساتھ ہی وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا جسے پرتاب سنگھ بڑے غور سے سن رہا تھا۔

"سردار جی۔ وہ لڑکا بہت تنگ کررہا ہے۔ کہتا ہے' چاچا کے پاس لے کر چلو۔ آج صبح کو وہ گھر سے نکل بھی گیا تھا۔ بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر اسے واپس لے گیا تھا۔"

"اس وقت گھر میں کون ہے؟" پرتاب سنگھ نے ایک پلیٹ اپنی طرف سرکاتے ہوئے مدھم لہجے میں پوچھا۔

"سب لوگ گھر میں ہیں جی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹا پہلے گلاب سنگھ بھی آگیا تھا۔ شاید اس کے ساتھ دل لگ گیا ہو۔" ویٹر نے جواب دیا۔

"تم گھر کس وقت جاؤ گے؟" پرتاب سنگھ نے پوچھا۔

"ویسے تو میری چھٹی چھ بجے ہوگی لیکن اس سے پہلے ایک چکر تو لگا آؤں گا۔" ویٹر نے جواب دیا۔

"اس سے کہنا' میں آج رات کو آؤں گا۔" پرتاب سنگھ نے کہا اور کھانے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ویٹر کچھ دیر وہاں کھڑا رہا جیسے کسی آرڈر کا منتظر ہو پھر واپس چلا گیا۔

وہ ویٹر بھی سکھ ہی تھا۔ پرتاب سنگھ کے باپ کے دوست کھارا سنگھ کا بیٹا' کھارا سنگھ اور پرتاب سنگھ کے باپ گورکھ سنگھ کی دوستی بڑی پرانی تھی۔ کھارا سنگھ بھی ٹینگ لن کلب ہی میں ملازم تھا۔ کھارا سنگھ کے انتقال کے بعد اوتار سنگھ کو اس کلب میں نوکری مل گئی تھی اور رہائش کے لئے وہ کوارٹر بھی جہاں پہلے سے ان کی رہائش تھی۔

اوتار سنگھ سے پرتاب سنگھ کی ملاقات کبھی کبھار ہی ہوتی تھی۔ جزیرے سے واپس آنے کے بعد پرتاب سنگھ کے ذہن میں اچانک ہی خیال آیا تھا کہ کیوں نہ وجدان کو چند روز کے لئے اوتار سنگھ کے گھر چھوڑ دیا جائے۔ وہاں کسی کو شبہ بھی نہیں ہوگا اور پھر اسی رات وہ وجدان کو لے کر ٹینگ لن کلب کے عقب میں واقع ملازمین کے رہائشی کوارٹروں والے حصے میں پہنچ گیا تھا۔ کوارٹروں کے سامنے وسیع و عریض کمپاؤنڈ تھا۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا اور کمپاؤنڈ میں کوئی نہیں تھا۔ پرتاب نے اوتار سنگھ کے دروازے کی بیل بجائی تو باہر اوتار سنگھ ہی آیا تھا۔ پرتاب سنگھ وجدان کو لے کر اندر آگیا تھا اور سرگوشیوں میں اوتار سنگھ کو سمجھانے لگا کہ وجدان دو تین دن اس کے ہاں رہے گا۔

اوتار سنگھ بدحواس سا ہوگیا تھا۔ وجدان کے حوالے سے جو ہنگامے ہورہے تھے وہ ان سے واقف تھا۔ آئے دن اخبارات میں خبریں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ عابد علی کے دشمن موت کے سائے کی طرح وجدان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اس پر کئی قاتلانہ حملے ہوچکے تھے۔ اس چکر میں پرتاب سنگھ کے دو بندے بھی مارے جاچکے تھے۔ اوتار سنگھ ایسی کوئی ذمے دار قبول کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

"کوئی نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے درمیان کچھ تعلقات ہیں۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔ "کسی کو شبہ بھی نہیں ہوگا کہ وجدان یہاں ہے اور یہاں تو اسے کوئی جانتا بھی نہیں۔ بس دو تین دن کی بات ہے۔ اس کے بعد میں اسے لے جاؤں گا۔"

اوتار سنگھ بڑی مشکل سے آمادہ ہوا تھا۔ پرتاب سنگھ نے اسے کچھ رقم بھی دی تھی۔ اور پرتاب سنگھ آج تیسرے دن یہاں آیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اسی قسم کی بات سننے کو ملے گی۔ اوتار سنگھ کے گھر والے وجدان کے لئے بالکل اجنبی تھے۔ وہ یقیناً خود بھی پریشان ہورہا ہوگا اور دوسروں کو بھی پریشان کررہا ہوگا۔

پرتاب سنگھ کھانا کھانے کے بعد بھی تقریباً آدھا گھنٹا وہاں بیٹھا رہا اور پھر کلب سے نکل کر ٹیکسی میں بیٹھا اور سیدھا اپنے گھر آگیا۔ وہ اپنے گھر میں کئی روز بعد آیا تھا۔ ہر چیز پر دھول جمی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی صفائی میں مصروف ہوگیا اور پھر اس کام سے فارغ ہو کر برآمدے میں کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔

وجدان کے بارے میں سوچ سوچ کر وہ پریشان ہورہا تھا۔ سنگاپور میں وہ بالکل محفوظ نہیں تھا۔ اب تک تو قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی اور وہ بچتا رہا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ قسمت ہر مرتبہ اس پر مہربان رہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ وجدان کو لے کر بنکاک چلا جائے جہاں اس کے کچھ جاننے والے بھی موجود تھے۔ وہ وجدان کو وہاں چھوڑ کر واپس آجائے گا اور

جب دارا کا معاملہ نمٹ جائے گا تو وجدان کو واپس لے آئے گا۔

پولیس ابھی تک کوئی خاطر خواہ کارکردگی نہیں دکھا سکی تھی۔ پرتاب سنگھ خود کوئی جوابی کارروائی کرنا چاہتا تھا لیکن وجدان اس کے پاؤں کی بیڑی بنا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے بھی وہ کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ وجدان یہاں نہیں ہوگا تو اسے کھل کر کچھ کرنے کا موقع مل جائے گا۔

وہ اٹھ کر کمرے میں آگیا۔ نما دھو کر کپڑے بدلے اور فون کا ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ملانے لگا۔ رابطہ قائم ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

"بھائی خشونت سنگھ' میں پرتاب بول رہا ہوں۔" وہ دوسری طرف سے ہیلو کی آواز سن کر بولا۔ "آج رات تم لوگوں کا کہیں جانے کا پروگرام تو نہیں؟"

"نہیں۔ فی الحال تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میں آج رات کا کھانا تمہارے ہاں کھاؤں گا۔ اسی وقت باتیں بھی ہوں گی۔ اچھا۔ رب راکھا۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

اس نے الماری میں رکھا ہوا براؤن رنگ کا ایک بریف کیس نکالا اور مختلف جگہوں سے اپنے اہم اور ضروری کاغذات نکال کر بریف کیس میں رکھنے لگا۔ عابد علی کی ڈائری بھی اس نے بریف کیس میں رکھ لی اور پھر وہ مختلف جگہوں پر فون کرنے لگا۔

جب وہ گھر سے باہر نکلا تو رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ گلی میں ایک دو آدمیوں سے ملاقات ہوگئی۔ وہ کچھ دیر تک ان سے گپ شپ کرتا رہا پھر گلی سے نکل کر پیدل ہی ایک طرف چلنے لگا۔ وہ فورٹ کیسنگ روڈ سے ہوتا ہوا پینانگ لین پر آگیا جہاں ریڈ کراس ہاؤس کے سامنے سے اسے ایک ٹیکسی مل گئی۔ ڈرائیور ایک ادھیڑ عمر مسلمان تھا۔ پرتاب سنگھ نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسے صوفیہ روڈ چلنے کو کہہ دیا اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

"کس طرف جانا ہے سردار جی؟"

ڈرائیور کی آواز سن کر پرتاب سنگھ نے آنکھیں کھول دیں اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ صوفیہ روڈ پر پہنچ چکے تھے۔ ایک بلند عمارت کو دیکھ کر اس نے ڈرائیور کو عمارت کے ساتھ بائیں طرف والی سڑک پر گاڑی موڑنے کو کہہ دیا۔

سڑک پر آگے بلند عمارتیں تھیں اور ان کی پچھلی طرف بنگلے تھے۔ دو تین سڑکوں پر مڑنے کے بعد اس نے ایک گلی میں ٹیکسی رکوالی اور کرایہ دے کر نیچے اتر آیا۔ اس وقت ایک اور کار گلی میں مڑی تھی۔ وہ کار ہلکی رفتار سے چلتی ہوئی قریب سے گزر گئی۔ پرتاب سنگھ نے اس پر توجہ نہیں دی اور چند گز آگے بڑھ کر ایک بنگلے کے گیٹ پر لگی ہوئی کال بیل کا بٹن دبا دیا۔

یہاں تمام بنگلوں کے سامنے کشادہ لان تھے۔ بعض لوگوں نے اپنے بنگلوں کے لان کے آگے لکڑی کی چہیٹوں کی جالیاں لگا رکھی تھیں اور بعض نے خاردار تاروں کے جنگلے کھینچ رکھے تھے۔ پرتاب سنگھ نے جس بنگلے کی ڈور بیل بجائی تھی اس کے سامنے جالیاں لگی ہوئی تھی۔ تقریباً ایک منٹ بعد ایک جوان اور خوبصورت لڑکی نے دروازہ کھولا۔ وہ خشونت سنگھ کی بیٹی ارملا کور تھی۔

پرتاب سنگھ اس کے ساتھ اندر آگیا۔ خشونت سنگھ کسی کام سے گیا ہوا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ بھی آگیا اور پھر اس نے تھوڑی ہی دیر بعد میز پر کھانا لگا دیا گیا۔

خشونت سنگھ ایک بزنس مین تھا۔ ارملا کور اس کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس کی عمر انیس بیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کی ماں رجنی بھی صحت مند خوبصورت عورت تھی۔ وہ چاروں کھانے کے دوران پرتاب سنگھ سے باتیں کرتے رہے۔ ان کی گفتگو کا موضوع وجدان ہی تھا۔

"اب مجھے پولیس پر بھی بھروسا نہیں رہا۔" پرتاب سنگھ کہہ رہا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اسے کچھ عرصے کے لئے تھائی لینڈ لے جاؤں۔ بنکاک میں میرے کچھ جاننے والے ہیں۔ وجدان کو ان کے پاس چھوڑ کر واپس آجاؤں گا اور دارا وغیرہ سے حساب برابر کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"اس وقت وہ لڑکا کہاں ہے؟" رجنی نے پوچھا۔

"اوتار سنگھ کے پاس۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔ "اس کے دو کمروں کا چھوٹا سا کوارٹر ہے۔ وہاں وہ گھبرا گیا ہے اور ان لوگوں کی بھی پریشان کر رہا ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ اسے ایک دو دن کے لئے یہاں لے آؤں' تمہارے پاس۔ میں اس دوران میں تیاری کرلوں گا اور پھر اسے لے کر چلا جاؤں گا۔"

رجنی اور خشونت سنگھ جانتے تھے کہ وجدان کو اپنے گھر میں پناہ دینا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر رجنی پرتاب سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہم اتنے سنگ دل نہیں ہیں جیٹھ جی۔ وہ بن ماں باپ کا معصوم بچہ ہے۔ مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے۔ اگر ہماری وجہ سے اسے کچھ سکھ پہنچ سکتا ہے تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔"

"خش کیتا ای پابھو۔" پرتاب سنگھ بولا۔ "رب تینوں خوش رکھے۔ میں آدھی رات کے بعد کسی وقت اسے لے آؤں گا۔ ارملا کے ساتھ اس کا دل لگا رہے گا۔ بس ایک دو دن کی بات ہے۔"

"جتنے دن مرضی رہے جی۔ رب اسے سلامت رکھے۔" رجنی نے کہا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد وہ لوگ لان میں آکر بیٹھ گئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ سوا بارہ بجے کے قریب پرتاب سنگھ اٹھ گیا۔

"میں تمہاری گاڑی لے کر جا رہا ہوں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آجاؤں گا۔" اس نے خشونت سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

خشونت سنگھ کی گاڑی باہر ہی کھڑی تھی۔ اس نے چابی پرتاب سنگھ کے حوالے کردی اور پرتاب سنگھ کے ساتھ ہی وہ بھی باہر آگیا تھا۔

پرتاب سنگھ تقریباً چالیس منٹ بعد ٹینگ لن کلب پہنچا تھا۔ اس نے گاڑی کلب کی پچھلی طرف ایک تنگ سی سڑک پر روکی اور اس گاڑی سے اتر کر ٹہلنے والے کوارٹروں والے کمپاؤنڈ میں داخل ہوگیا۔ وہ تقریباً دس منٹ وہاں رکا تھا اور پھر وجدان کو لے کر باہر آگیا۔

"بیٹھ پچھلی سیٹ پر لیٹ جاؤ۔" پرتاب سنگھ بولا۔ "ہو سکتا ہے راستے میں کسی کی نظر تم پر پڑ جائے اس لئے احتیاط ضروری ہے۔"

وجدان پچھلی سیٹ پر لیٹ گیا اور پرتاب سنگھ انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی کو حرکت میں لے آیا۔ گاڑی مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی آؤٹر الزبتھ روڈ پر آگئی۔ وہاں سے اس نے گاڑی کو جیسے ہی کیم ہل سرکل کی طرف موڑا' وجدان اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یہ سڑک تو سنسان پڑی ہے چاچا۔ یہاں مجھے کون دیکھے گا۔" وہ بولا۔

پرتاب سنگھ نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن چند لمحوں بعد ہی وہ عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے میں کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس دیکھ کر چونک گیا۔ وہ گاڑی بڑی تیزی سے قریب آرہی تھی۔

"سیٹ پر لیٹ جاؤ کاکے۔ جلدی کرو اور اٹھنے کی کوشش مت کرنا۔" پرتاب سنگھ نے کہا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پتلون کی جیب سے پستول بھی نکال لیا تھا۔

وہ گاڑی بڑی تیزی سے قریب آرہی تھی۔ پرتاب سنگھ نے گردن گھما کر دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ گاڑی کی کھڑکی میں اسے رائفل کی نال نظر آگئی تھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ اس نے بڑی پھرتی سے نیچے جھک کر پوری قوت سے بریک پیڈل دبا دیا۔

کار بریک کی تیز چرچراہٹ کی آواز سے لرزاتی ہوئی سڑک کے کنارے کی طرف مڑ گئی۔ عین اسی لمحے فضا فائرنگ سے گونج اٹھی لیکن یہاں بھی قسمت نے پرتاب سنگھ اور وجدان کا ساتھ دیا وہ گاڑی جیسے ہی برابر پہنچی تھی' اس کا اگلا ایک پہیا سڑک پر پڑے ہوئے ایک پتھر پر چڑھا تھا جس سے گاڑی اچھل گئی اور اس کار سے چلائی جانے والی گولیاں پرتاب کی گاڑی کے اوپر سے گزر گئی تھیں۔

پرتاب سنگھ نے بڑی پھرتی سے اپنی گاڑی سنبھال لی۔ اسی دوران میں دوسری کار پتھر سے اچھل کر غالباً ڈرائیور سے بے قابو ہوگئی تھی اور وہ اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کار سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی پلیا کی ریلنگ سے ٹکرا کر گھوم گئی۔

پرتاب سنگھ نے اپنی گاڑی سنبھالتے ہی پستول والا ہاتھ باہر نکال کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی دوسری کار کے آگے والے پہیے پر لگی۔ ٹائر پھٹنے کا زوردار دھماکا ہوا تھا۔

"کاکے۔ سیٹ پر لیٹے رہنا۔ اٹھنے کی کوشش مت کرنا۔" پرتاب سنگھ نے چیختے ہوئے کہا اور اسٹیئرنگ گھما دیا۔

کار کو جھٹکے لگنے سے وجدان سیٹ سے لڑھک کر آگے گر گیا تھا۔ ایک زوردار جھٹکا اور لگا تو اس کا سر اگلی سیٹ کے بیس سے ٹکرا گیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"کیا ہوا کاکے؟" پرتاب سنگھ چیخا۔

"کچھ نہیں چاچا۔ چوٹ لگ گئی ہے۔" وجدان نے جواب دیا۔

پرتاب سنگھ گاڑی کو گھما کر سڑک پر لے آیا۔ گاڑی کا رخ اس طرف تھا جس طرف سے وہ آئے تھے۔ پرتاب سنگھ نے ہاتھ پیچھے گھما کر دوسری کار کی طرف ایک اور فائر کردیا اور اسٹیئرنگ سنبھال کر ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ ڈال دیا۔

گاڑی بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح سڑک پر دوڑنے لگی اور پھر اسی لمحے عقب سے فائرنگ ہونے لگی مگر ان کی کار فائرنگ کی رینج سے بہت دور نکل چکی تھی۔ اگلے موڑ پر پرتاب سنگھ نے کار سانڈرز روڈ پر گھمائی اور ایک اور سڑک پر ہوتا ہوا کوئنز روڈ پر نکل آیا۔

"اب میں اٹھ جاؤں چاچا؟" پچھلی سیٹ کے سامنے پڑے ہوئے وجدان نے کہا۔

"اٹھ جا یار۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔ وجدان اٹھ کر سیٹ پر بیٹھ گیا اور سر پر لگنے والی چوٹ سہلانے لگا۔ پرتاب سنگھ گاڑی کو نکی سینی ایونیو سے گھماتا ہوا صوفیہ روڈ کی طرف لے آیا اور پھر خشونت سنگھ کے بنگلے تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

خشونت سنگھ' اس کی بیوی اور بیٹی ان کے انتظار میں جاگ رہے تھے۔ رجنی نے وجدان کو سینے سے لپٹا لیا۔

"بیٹھ جی۔ کیا بات ہے۔ لڑکا کچھ سہما ہوا سا لگ رہا ہے۔" رجنی نے پرتاب سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو بہت بہادر لڑکا ہے پابھو۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔ "ابھی ابھی موت سے مقابلہ کرکے آیا ہے۔ اس نے اتنی سی عمر میں اور اتنے مختصر عرصے میں موت کو اتنی بار شکست دی ہے کہ اس کا نام تو گنیز بک آف ریکارڈز میں آنا چاہیے۔"

خشونت سنگھ چونک گیا۔ وہ اس واقعے کی تفصیل پوچھنے لگا۔

"پتا نہیں۔ ان کم بختوں کو کیسے پتا چل گیا کہ میں اسے وہاں سے لے کر نکل رہا ہوں۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ کار ٹینگ لن کلب سے ہی ہمارے پیچھے لگ گئی تھی۔ بھلا ہو اس پتھر کا جو عین وقت پر کار کے پہیے کے نیچے آگیا تھا اور کار اچھل گئی تھی۔ ورنہ ہم دونوں کے ساتھ تمہاری کار بھی چھلنی ہو چکی ہوتی۔"

"کار پر لعنت بھیجو جی۔ تم دونوں کی جان بچ گئی۔ رب کا شکر

ادا کرو۔" خشونت سنگھ نے کہا پھر بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم لڑکے کو کمرے میں لے جاؤ جی.... سلا دو اسے.... دو بج گئے ہیں۔"

رجنی وجدان کو لے کر ایک بیڈ روم میں چلی گئی۔ ارملا بھی اٹھ گئی تھی۔ پرتاب سنگھ اور خشونت سنگھ نشست گاہ میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

تقریباً تین بجے وہ اٹھ گئے۔ خشونت سنگھ اسے ایک کمرے میں لے آیا جہاں ڈبل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ دونوں اسی بیڈ پر لیٹ گئے۔ خشونت سنگھ نے مرکزی ٹیوب لائٹ بجھا کر نائٹ بلب روشن کردیا تھا۔ پرتاب سنگھ نے پستول پتلون کی جیب سے نکال کر تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

خشونت سنگھ تو لیٹتے ہی سو گیا مگر پرتاب جاگتا رہا۔ وہ آج کے واقعہ پر غور کرکے سوچ رہا تھا کہ اب اسے واقعی جلد سے جلد سنگاپور چھوڑ دینا چاہیے۔

اس وقت چار بجنے والے تھے کہ گلی میں ایک گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر پرتاب سنگھ چونک گیا۔ وہ کروٹ کے بل بستر پر لیٹا رہا۔ وہ کوئی کار تھی جس کے دروازے کھلنے اور آہستگی سے بند ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے کوئی باہر سے گیٹ کھولنے کی کوشش کررہا ہو۔

پرتاب سنگھ بستر سے اٹھ گیا اور کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اچھل پڑا۔ ایک آدمی باہر سے گیٹ پر چڑھ رہا تھا۔ پرتاب سنگھ نے تیزی سے پلٹ کر تکیے کے نیچے رکھا ہوا پستول اٹھالیا اور خشونت سنگھ کو بھی جھنجوڑ کر جگادیا۔

"میرا خیال ہے' وہ لوگ یہاں بھی پہنچ گئے۔" پرتاب سنگھ نے سرگوشی کی۔ "تمہارے پاس کوئی اسلحہ ہے تو نکال لو۔ ہم انہیں اندر نہیں گھسنے دیں گے۔"

خشونت سنگھ دوسرے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔ پرتاب سنگھ نے ایک بار پھر کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ وہ آدمی اندر کی طرف اتر کر گیٹ کھول رہا تھا۔ گیٹ کھلتے ہی دو اور آدمی اندر آگئے۔ ان میں سے ایک کے پاس رائفل تھی اور دو کے پاس ریوالور یا پستول۔ ان میں سے ایک آدمی اشارے سے اپنے ساتھیوں کو کچھ بتا رہا تھا۔ دو آدمی دائیں بائیں ہوگئے۔ تیسرا آدمی جیسے ہی آگے بڑھا پرتاب سنگھ نے اسے للکارا۔

"خبردار! آگے مت بڑھنا ورنہ گولیوں سے بھون دیے جاؤ گے۔"

وہ آدمی بڑی پھرتی سے زمین پر گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے آواز کی سمت فائر کردیا تھا۔ گولی کھڑکی کا شیشہ توڑتی ہوئی نکل گئی۔

پرتاب سنگھ پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے باہر کی طرف فائر بھی جھونک دیا تھا۔

باہر سے زبردست فائرنگ شروع ہوگئی۔ خشونت سنگھ دوسرے کمرے کی کھڑکی سے فائرنگ کررہا تھا۔

چند منٹ گزر گئے اور پھر اندر سے رجنی کی چیخ سن کر پرتاب سنگھ اچھل پڑا۔ دوسرے ہی لمحے وہ دوڑ کر راہداری میں آگیا۔ رجنی والے بیڈ روم کی طرف لپکا۔

وہ منظر بہت ہی خوف ناک تھا۔ ایک دبلا پتلا چینی وجدان کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں پستول تھا۔ رجنی وجدان سے لپٹی ہوئی تھی اور وجدان بھی چیخ رہا تھا۔ پرتاب سنگھ کو دیکھ کر چینی نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور چینی زبان میں کچھ چیخا بھی تھا مگر پرتاب سنگھ نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر فائر کردیا۔ گولی چینی کے سر میں لگی۔ اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے۔ خون کا فوارہ رجنی اور وجدان کے لباس کو تر کرتے ہوئے چینی دروازے کے قریب ہی ڈھیر ہوگیا۔ پرتاب سنگھ نے اس کے ہاتھ سے پستول نکال لیا اور لاش کو گھسیٹ کر راہداری میں ڈال دیا۔

"پابھو۔ دروازہ اندر سے بند کرلو۔" وہ چیختا ہوا دوسری طرف دوڑا۔

خشونت سنگھ جگہ بدل بدل کر فائرنگ کرتے ہوئے حملہ آوروں کو روکے ہوئے تھا۔ باہر اب دو جگہ سے فائرنگ ہورہی تھی۔ پرتاب سنگھ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ان کا تیسرا ساتھی کسی طرح چھت پر چڑھ کر سیڑھیوں کے راستے اندر آنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اس نے وجدان کو قبضے میں بھی کرلیا تھا۔ اگر پرتاب سنگھ وہاں پہنچنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر ہوجاتی تو وہ یا تو وجدان کو گولی مار دیتا یا اسے گھسیٹتا ہوا اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہوجاتا۔

باہر سے اب داخلی دروازہ توڑنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ پرتاب سنگھ نے اندر سے دروازے پر دو تین فائر کردیے۔ پہلے ایک چیخ اور پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ پرتاب سنگھ دوڑ کر کمرے کی کھڑکی میں پہنچ گیا۔ ایک آدمی دوڑتا ہوا گیٹ سے باہر نکل گیا اور دوسرا لڑکھڑا کر گیٹ کے قریب گرا۔ آگے دوڑنے والا آدمی لوٹ کر واپس آیا اور اپنے ساتھی کو پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ دوسری طرف سے خشونت سنگھ نے فائر کردیا تھا۔ اسی لمحے پولیس کے سائرن کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ وہ آدمی زمین پر گرے ہوئے ساتھی کو چھوڑ کر باہر دوڑ گیا۔

باہر کار کا انجن اسٹارٹ تھا۔ ان کا ایک اور ساتھی اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ مینڈرن زبان میں کچھ چیخنے کی آواز سنائی دی اور کار تیزی سے حرکت میں آگئی۔

پرتاب سنگھ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور دوڑتا ہوا زمین پر گرے ہوئے آدمی کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے پستول سے اس شخص کو زد پر لے لیا۔

سائرن کی آواز اب بہت تیز ہوگئی تھی اور صرف ایک سیکنڈ بعد پولیس کی گاڑی ایک لمحے کو گیٹ کے سامنے رکی۔ دو مسلح کانسٹیبل نیچے اترآئے اور گاڑی تیزی سے آگے روانہ ہوگئی۔ انہوں نے شاید اس کار کو وہاں سے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

گیٹ کھلا ہوا تھا۔ دونوں پولیس والوں نے پرتاب سنگھ پر رائفلیں تان لیں۔ پرتاب سنگھ نے پستول پھینک دیا اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولا۔

"اس کو سنبھالو۔ پتا نہیں' زندہ ہے یا مرگیا۔ ایک لاش اندر بھی پڑی ہے۔"

ایک پولیس والے نے پرتاب سنگھ کو پہچان لیا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور پھر وہ دونوں آگے بڑھ کر زمین پر پڑے ہوئے شخص پر جھک گئے۔ وہ ختم ہوچکا تھا۔ اس کی گردن میں گولی لگی تھی۔

○☆○

گرے رنگ کے سفاری سوٹ میں ملبوس وہ دراز قامت شخص بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ قریب سے ترشے ہوئے سیٹ بال' آنکھوں پر تاریک شیشوں والا چشمہ' کلین شیو اور پیروں میں سفید پمپ شوز تھے۔ اس کے ایک ہاتھ میں سیاہ رنگ کا درمیانے سائز کا سوٹ کیس تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے بارہ تیرہ سال کی عمر کی لڑکی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ کتھئی رنگت کے لمبے دوہرے بال اس کی گردن پر بکھرے ہوئے تھے۔ سر پر سفید رنگ کا خوبصورت ہیر بینڈ بھی لگا ہوا تھا۔ اس نے ملٹی کلر کا خوبصورت فراک پہن رکھا تھا جس کا دامن گھٹنوں سے ذرا نیچے تھا۔ پیروں میں بلیک سینڈلز اور سفید اسٹاکنگس تھیں جن سے اس کی ٹانگیں اوپر تک چھپی ہوئی تھیں۔ اس لڑکی کی نظر شاید کمزور تھی۔ آنکھوں پر سفید شیشوں والا چشمہ لگا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش اگرچہ خاصے دل فریب تھے لیکن اپنے آپ کو مزید پرکشش بنانے کے لئے اس نے چہرے پر میک اپ کی تہ بھی بٹھا رکھی تھی۔ سرخ ہونٹ اور ٹھوڑی پر دائیں طرف تل اس کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ اس کی ناک میں دائیں طرف نتھنی کی طرح کالا دھاگا پڑا ہوا تھا۔ دھاگے کے آس پاس کی ناک کسی قدر سرخ نظر آرہی تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ناک حال ہی میں چھدوائی گئی تھی۔ کانوں میں بھی سونے کی بالیاں تھیں اور ماتھے پر اگایا جاسکتا تھا کہ اس خوبصورت نوعمر لڑکی اور اس کے دراز قامت ساتھی کا تعلق کسی ہندو خاندان سے ہے۔

اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ سنگاپور سینٹرل ریلوے اسٹیشن پر خاصی گہما گہمی تھی۔ کوالالمپور جانے والی ٹرین تیار کھڑی تھی۔ ٹرین کی روانگی میں صرف دو منٹ رہ گئے تھے اور اس پلیٹ فارم پر کچھ افراتفری بھی نظر آرہی تھی۔ لوگ اپنی اپنی بوگیوں کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔

سفاری سوٹ والا وہ شخص لڑکی کا ہاتھ پکڑے داخلی گیٹ سے ذرا آگے ایک جگہ پر کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اسے شاید کسی کی تلاش تھی لیکن جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا' اس کے چہرے پر تشویش کے آثار ابھرنے لگے تھے اور پھر ایک پستہ قامت آدمی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس کے چہرے پر رونق سی آگئی۔ اس شخص کے لباس اور چہرے سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ ملائیشیا کا رہنے والا ہے۔

"میرے ساتھ آؤ۔ جلدی کرو۔ ٹرین روانہ ہونے والی ہے۔" اس شخص نے قریب آکر انگریزی میں کہا اور دراز قامت شخص کے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لیا۔

سفاری سوٹ والا لڑکی کا ہاتھ پکڑے تیز قدموں سے اس کے پیچھے چلنے لگا۔ اسی لمحے فضا انجن کے وسل سے گونج اٹھی۔ پلیٹ فارم پر افراتفری میں کچھ اور اضافہ ہوگیا۔

وہ آدمی تیسری بوگی میں گھس گیا۔ سفاری سوٹ والے نے پہلے لڑکی کو سوار ہونے میں مدد دی پھر خود بھی اوپر چڑھ گیا اور پھر ٹھیک اسی لمحے ٹرین بھی حرکت میں آگئی۔ ان کے پیچھے ہی دو تین اور مسافر بھی ٹرین میں گھس آئے تھے۔

وہ چند لمحے وہاں کھڑے رہے اور پھر وہ ملائی باشندہ سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے راہداری میں ایک طرف چلنے لگا۔ کچھ اور لوگ بھی اپنی سیٹوں کی تلاش میں ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔

ان کی سیٹیں پانچویں بوگی میں تھیں۔ یہاں کچھ چینی اور ملائیشین مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر ملائیشین عورت اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس نوعمر لڑکی کے پاس آکر بیٹھ گئی اور اس کی کمر میں ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولی۔

"ہیلو۔ کہاں جارہی ہو۔ تم نے فراک تو بہت اچھا پہن رکھا ہے۔"

لڑکی کسمسا کر رہ گئی۔ وہ جواب دینے کے بجائے بے بسی سے سفاری سوٹ والے کی طرف دیکھنے لگی۔ سفاری سوٹ والا ایک جھٹکے سے اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔

"بچی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میڈم۔ پلیز اسے ڈسٹرب مت کرو۔" اس نے کہا اور پھر بچی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے' تم سو جاؤ۔ آؤ میں تمہیں برتھ پر پہنچادوں۔"

ٹرین میں مسافروں کے بیٹھنے کی سیٹیں الگ تھیں اور سونے کے لئے الگ۔ وہ آدمی بچی کو لے کر سامنے والے کمپارٹمنٹ میں آگیا۔ ایک آدمی اور دو عورتیں پہلے ہی اپنی اپنی سیٹوں پر لیٹی ہوئی تھیں۔ اس شخص نے بچی کو سامنے اوپر والے برتھ پر چڑھا دیا۔

"اب نیچے مت اترنا۔ آرام سے سو جاؤ۔"

وہ شخص کمپارٹمنٹ کے سامنے ایسی سیٹ پر بیٹھ گیا جہاں سے

وہ نہ صرف کمپارٹمنٹ کے دروازے پر بلکہ سامنے والے برتھ پر بھی نگاہ رکھ سکتا تھا۔ وہ ملائی باشندہ کچھ دیر سفاری سوٹ والے کے پاس کھڑا سرگوشیوں میں باتیں کرتا رہا پھر راہداری میں نکل کر ٹرین کی آگے والی بوگی کی طرف چلا گیا۔

سات گھنٹے کا سفر تھا۔ صبح پانچ بجے کے قریب ٹرین سیرم بان اسٹیشن پر رکی تو وہی ملائی باشندہ اس کمپارٹمنٹ میں آگیا۔ اس نے سفاری سوٹ والے سے کچھ سرگوشیاں کیں۔ سفاری سوٹ والے نے کمپارٹمنٹ میں سوئی ہوئی بچی کو جگا دیا۔ بچی آنکھیں ملتی ہوئی اس ملائیشین کے ساتھ چلی گئی۔

ٹرین یہاں تقریباً دس منٹ رکنے کے بعد آگے روانہ ہوئی تھی۔ کوالالمپور اب زیادہ دور نہیں تھا۔

دن کی طلوع ہوتی ہوئی روشنی میں کوالالمپور کا ریلوے اسٹیشن بہت خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔ کنگوروں والی محرابیں اور لاتعداد مینار۔ لگتا تھا جیسے وہ ریلوے اسٹیشن نہیں بہت بڑی مسجد ہو۔

ٹرین رکتے ہی سفاری سوٹ والا اپنا سوٹ کیس اٹھائے ٹرین سے اتر آیا۔ رات بھر جاگنے سے اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھوں میں سرخی تیر رہی تھی۔ وہ مسافروں کی بھیڑ میں چلتا ہوا ریلوے اسٹیشن سے باہر آگیا اور ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد وہ ملائیشین بھی اس لڑکی کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔

"ویل مسٹر سنگھ۔" وہ شخص لڑکی کو سفاری سوٹ والے کے حوالے کرتے ہوئے بولا۔ "یہ تمہارا امانت۔ اب تم ہوٹل جاکر آرام کرو۔ مجھے ابھی تمہارے اگلے سفر کے انتظامات کرنے ہیں۔ میں رات گیارہ بجے تمہارے پاس ہوٹل میں پہنچ جاؤں گا۔ اگر آج سارے انتظامات ہوگئے تو ہم رات دو بجے والی ٹرین سے روانہ ہوجائیں گے۔ بصورت دیگر کل کسی ٹرین سے روانگی ہوگی۔"

"شکریہ مسٹر عمر۔" سفاری سوٹ والا ملائیشین سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا اور پھر جیب سے سو سو والے امریکی ڈالر کے چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ رکھ لو۔ اخراجات کے لئے کام آئیں گے۔"

عمر نے نوٹ لے کر جیب میں رکھے۔ لڑکی کے گال پر ہلکی سی چٹکی کاٹی اور ہاتھ ہلاتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد سفاری سوٹ والا اس لڑکی کے ساتھ ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہا تھا۔

میکسم ہوٹل میں ان کے لئے کمرا بک تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی سفاری سوٹ والے نے دروازہ بند کردیا اور دھم سے ایک کرسی پر گر گیا۔

"چاچا۔ اب میں یہ کپڑے اتار دوں۔ مجھے بڑی الجھن ہو رہی ہے۔" لڑکی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے میری ناک اور کان بھی چھدوا دیے ہیں۔ بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔"

"یہ تو معمولی سی تکلیف ہے پتر۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے پتا نہیں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔" وہ شخص بولا۔ "میری طرف دیکھ تیری خاطر میں نے اپنے دھرم سے بغاوت کردی۔ کیسر داڑھی منڈوا دی۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں بابا گرونانک کا کارہوں؟"

وہ شخص پرتاب سنگھ تھا اور وہ لڑکی وجدان۔

"ویسے اب تم پہلے سے اچھے لگ رہے ہو چاچا۔" وجدان نے کہا۔

"ہاں۔ اب میری کھوپڑی میں تھوڑی سی عقل بھی ہے۔" پرتاب سنگھ بولا۔ "اچھا' اب ایسا ہے کہ میں وضو کرکے ناشتا منگواتا ہوں۔ ناشتا کرکے سو جانا۔ آج کا دن آرام کرلو۔ ایک لمبا سفر ہے۔ بنکاک پہنچنے کے بعد ہی تمہارا حلیہ تبدیل جائے گا۔ جب تک ہم ملائیشیا میں ہیں' تمہارا لڑکی بنے رہنا ہمارے مفاد میں ہے۔"

"ٹھیک ہے چاچا۔" وجدان بولا۔ "اب جلدی سے ناشتا لو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے اور نیند بھی آرہی ہے۔ ٹرین ڈھنگ سے سو بھی نہیں سکا تھا۔"

پرتاب سنگھ اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا اور سروس کا ناشتے کے لئے کہہ کر واپس آگیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد ویٹر لے کر آیا تھا۔

ناشتا کرنے کے بعد وہ دن بھر سوئے رہے اور پھر شام پہلے پرتاب سنگھ کی آنکھ کھلی تھی۔ اس سے تھوڑی دیر بعد وجدان بھی جاگ گیا۔

رات کو ٹھیک گیارہ بجے عمر پہنچ گیا۔

"دو بجے کی ٹرین سے تم لوگوں کی روانگی ہے۔" اس نے بتایا۔ "لیکن میں ایک اور بات سے آگاہ کردینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ خطرہ تمہارے تعاقب میں یہاں بھی آگیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" پرتاب سنگھ نے اسے گھورا۔

"آج شام کم اور چی فانگ کو یہاں دیکھا گیا ہے۔" عمر نے بتایا۔ "وہ ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز سے تمہارے بارے میں پوچھ گچھ کرتے پھر رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ یہاں بھی آئے ہوں لیکن یہ کہ کر تمہارے نام سے بک نہیں ہے اس لئے انہیں یہاں سے کچھ معلوم نہیں ہوا ہوگا۔ بہرحال' ٹرین ٹھیک دو بجے روانہ ہوگی۔ تم اس وقت سے چند منٹ پہلے اسٹیشن پر پہنچ جانا۔ میں تمہیں ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب ملوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم پہنچ جائیں گے۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔

"کم یہاں بھی پہنچ گیا۔ اب کیا ہوگا چاچا؟" وجدان نے عمر کے جانے کے بعد کہا۔

"کچھ نہیں ہوگا پتر۔" پرتاب سنگھ نے اسے تسلی دی۔ "وہ ہمیں پہچان نہیں سکے گا۔ یہاں تک ہمارے پیچھے آیا ہے تو مجھے پہچان نہیں سکے گا۔ یہاں تک ہمارا تعاقب کرے گا۔ یہاں تو میں اس کا یقین ہے کہ بنکاک تک ہمارا تعاقب کرے گا۔ یہاں تو میں اس سے نمٹ لیں گے۔"

کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن بنکاک میں اس سے نمٹ لیں گے۔"

وجدان خاموش بیٹھا رہا۔ وہ اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

ٹھیک ایک بجے وہ اپنے کمرے سے نکل آئے۔ پرتاب سنگھ نے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر دے دی اور سوٹ کیس اٹھا کر ہوٹل کے دروازے سے باہر آگیا۔ دروازے سے آگے سڑک تک چھ مرکزی دروازے تھیں جن پر چکنی ٹائلز لگی ہوئی تھیں۔ وہ جیسے ہی سات سیڑھیاں تھیں جن پر چکنی ٹائلز لگی ہوئی تھیں۔ وہ جیسے ہی دروازے سے باہر نکلے' ایک ٹیکسی سامنے آکر رکی اور اس ٹیکسی میں سے کم اور چی فانگ کو اترتے دیکھ کر وجدان کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"ڈرو نہیں۔ آرام سے چلتے رہو۔" پرتاب سنگھ نے سرگوشی کی۔

کم اور چی فانگ ٹیکسی سے اتر کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ انہیں لمحہ بہ لمحہ قریب آتے دیکھ کر وجدان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جارہی تھیں پھر اچانک چکنے ٹائل پر اس کا پیر پھسلا اور وہ نیچے گر گیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

کم اس وقت بالکل اس کے سامنے تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر وجدان کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا دیا اور اس کا رخسار ہولے سے تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

"خیال سے بے بی۔ تمہیں چوٹ بھی لگ سکتی ہے۔"

وجدان کو سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جو اسے موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا اور کئی مرتبہ اس پر قاتلانہ حملے کرچکا تھا اور اس کی تلاش میں سنگاپور سے یہاں آیا تھا۔ اگر وجدان اپنے اصل حلیے میں ہوتا تو موت کا یہ فرشتہ گال تھپتھپانے کے بجائے اس کی کھوپڑی میں گولی اتارنا پسند کرتا۔

پرتاب سنگھ نے وجدان کا ہاتھ پکڑ لیا اور سیڑھیاں اتر کر بائیں طرف کھڑی ہوئی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ٹیکسی فوراً ہی حرکت میں آگئی۔ وجدان نے مڑ کر دیکھا۔ کم اور چی فانگ ہوٹل کے دروازے میں داخل ہو رہے تھے۔

ٹیکسی مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی ریلوے اسٹیشن کی طرف دوڑنے لگی۔ کوالالمپور کا اپنا ہی رنگ تھا۔ اس وقت اگرچہ رات کا ایک بج چکا تھا لیکن بعض علاقوں میں لگتا تھا جیسے ابھی شام ہوئی ہو۔ بڑی گہما گہمی تھی۔

تقریباً چالیس منٹ بعد وہ ریلوے اسٹیشن کے سامنے پہنچ گئے۔ پرتاب سنگھ نے ٹیکسی اس جگہ رکوائی تھی جہاں عمر نے ملاقات کے لئے کہا تھا۔ عمر حسب وعدہ اس جگہ موجود تھا۔ پرتاب سنگھ نے جب اسے کم اور چی فانگ کے بارے میں بتایا تو عمر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔" وہ بولا۔ "اس نے ہوٹل سے تمہارے بارے میں معلوم کیا ہوگا۔ اسے جب بتایا گیا ہوگا کہ ایک آدمی اور لڑکا تو نہیں بلکہ ایک آدمی اور بارہ تیرہ سال کی ایک لڑکی یہاں آکر ٹھہرے ہوئے تھے تو اسے شبہ ہوجائے گا۔ اس نے تم لوگوں کو ہوٹل سے نکلتے ہوئے دیکھا بھی تھا۔ بدلے ہوئے حلیے کی وجہ سے وہ تم لوگوں کو نہیں پہچان سکا لیکن شبہ ہوتے ہی وہ اسی طرف دوڑ لگا دے گا۔ ہوسکتا ہے' وہ تمہارے پیچھے ہی آرہا ہو۔"

"تو پھر....." پرتاب سنگھ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "آج کا سفر ملتوی کردیا جائے اور کوئی اور موقع تلاش کیا جائے۔ یا بس پکڑی جائے۔"

"بس میں تو تم لوگ آسانی سے پکڑے جاؤ گے۔" عمر نے کہا۔ "ٹرین کے روانہ ہونے میں ابھی چند منٹ باقی ہیں۔ ایک ترکیب ہے میرے ذہن میں کہ کم سے کم سے بھی بچا جائے اور اسی ٹرین پر تمہارا سفر بھی جاری رہ سکے۔"

"وہ کیا.....؟" پرتاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہم ٹیکسی پر' ٹرین سے پہلے تائی پنگ پہنچ جائیں اور وہاں سے ٹرین پر سوار ہوا جائے۔" عمر نے کہا۔ "تقریباً سو میل کا فاصلہ ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ ڈھائی گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"تو پھر سوچ کیا رہے ہو۔ پکڑو کوئی ٹیکسی۔" پرتاب سنگھ بولا۔

"ٹیکسی یہاں سے نہیں پکڑی جائے گی۔ میرے ساتھ آؤ۔" عمر نے اس کا سوٹ کیس اٹھالیا اور تیزی سے ایک طرف چلنے لگا۔ پرتاب سنگھ بھی وجدان کا ہاتھ پکڑے اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

تقریباً پانچ سو گز دور وہ ایک اور ٹیکسی اسٹینڈ پر رک گئے۔ عمر نے ایک ٹیکسی والے سے کچھ بات کی اور پھر وہ تینوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ پرتاب اور وجدان پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے اور عمر آگے ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر۔ وجدان نے سیٹ پر نیم دراز ہوکر پرتاب کی گود میں سر رکھ لیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

عمر کا خیال درست نکلا تھا۔ ان کی ٹیکسی جیسے ہی ایک موڑ گھومی' پرتاب سنگھ نے دائیں طرف سے ایک ٹیکسی تیز رفتاری سے آتے ہوئے دیکھی۔ اس نے کم اور چی فانگ کو دیکھ لیا تھا۔ وہ ٹیکسی تیزی سے ریلوے اسٹیشن کی طرف چلی گئی تھی۔ ٹرین کے روانہ ہونے میں ابھی بارہ منٹ باقی تھے اور پرتاب کو یقین تھا کہ کم اور چی فانگ ٹرین کا کونا کونا چھان ماریں گے۔

ان کی ٹیکسی شہری حدود سے نکل کر تیز رفتاری سے ہائی وے پر دوڑنے لگی۔

فاصلہ سو میل سے بھی کچھ زیادہ ہی تھا۔ وہ ٹرین سے پندرہ منٹ پہلے تائی پنگ اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ ٹرین یہاں تقریباً پانچ منٹ

رکتی تھی۔ وہ پلیٹ فارم کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمر پلیٹ فارم پر گھوم کر ٹرین کو چیک کر رہا تھا اور جب اطمینان ہو گیا کہ کم یا جی فانگ اس ٹرین پر نہیں ہیں تو وہ ٹرین چلنے سے ایک منٹ پہلے اس بوگی میں سوار ہو گئے جہاں ان کی سیٹیں ریزرو تھیں۔

سفر خیریت سے گزر گیا۔ ٹرین دوسرے دن شام چھ بجے کے قریب بنکاک پہنچی تھی۔ ٹرین سے اترتے ہی وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر رامادن روڈ اور پھلن چٹ روڈ سے ہوتے ہوئے سوکھم وٹ روڈ پر آ گئے۔ یہ شہر کا سب سے بڑا اور بارونق شاپنگ ایریا تھا۔ کشادہ سڑک کے دونوں طرف بلند و بالا عمارتیں تھیں۔ لگتا تھا جیسے رنگ برنگی روشنیوں کے سیلاب نے اس علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہو۔ ابھی شام کی ابتدا ہوئی تھی۔ سڑکوں پر ٹریفک کا ازدحام بھی تھا اور پیدل چلنے والوں کا ہجوم بھی۔ کشادہ مرکزی سڑک کے دائیں بائیں لاتعداد چھوٹی سڑکیں اور گلیاں تھیں۔ زیادہ تر رہائشی ہوٹل اور ریسٹورنٹس اس علاقے میں تھے۔

ان کی ٹیکسی سوئے ٹونی فرسٹ اسوک روڈ کی طرف مڑ گئی اور تھوڑا ہی فاصلے طے کر کے ایک اور ذیلی سڑک پر مڑ کر ہوٹل سٹی لاج کے سامنے رک گئی۔

ان کے لئے تیسری منزل پر کمرا پہلے سے بک تھا۔ عمر عبدالرحمٰن، پرتاب سنگھ کے لئے بڑے کام کا آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس نے تمام انتظامات بڑی خوش اسلوبی سے کئے تھے۔ آج کے دور میں پاسپورٹ ویزے کے بغیر ایک ملک سے دوسرے ملک میں داخل ہونا آسان نہیں ہوتا لیکن ان لوگوں نے سنگاپور سے تھائی لینڈ تک کا سفر کیا تھا۔ دو ملکوں کی سرحد پار کی تھی لیکن راستے میں کسی نے ان سے پوچھا تک نہیں تھا۔

اس رات حشونت سنگھ کے مکان پر کم کے آدمیوں کے حملے کے بعد پرتاب سنگھ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ وقت ضائع کئے بغیر وجدان کو لے کر سنگاپور سے نکل جائے گا۔ اس حملے میں کم کے دو آدمی مارے گئے تھے۔ اگلا سارا دن پولیس کے ساتھ معاملات طے کرتے ہوئے گزرا تھا اور اس سے اگلے روز پرتاب سنگھ نے سنگاپور سے نکلنے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ سیدھے سادے طریقے سے جائے گا تو دارا اور کم کے آدمی اسے سنگاپور سے نکلنے بھی نہیں دیں گے۔ وہ دو دن تک معلومات حاصل کرتا رہا اور پھر اپنے ایک پرانے جاننے والے کے ذریعے اسے عمر عبدالرحمٰن کے بارے میں پتا چلا۔ عمر سے ملاقات ایک ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی۔ پرتاب کو اسے پوری بات بتانی پڑی تھی کہ وہ اس طرح چوری چھپے سنگاپور کیوں چھوڑنا چاہتا ہے اور اس طرح بھیس بدلنے کا مشورہ عمر ہی نے دیا تھا۔

پرتاب سنگھ اس مشورے پر سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔ داڑھی اور کیس اس کے دھرم کا حصہ تھا لیکن جب ٹھنڈے دل سے سوچا تو اسے یہ مشورہ ماننا ہی پڑا تھا۔ وجدان کی جان بچانے کے لئے یہ قربانی دینی پڑی اور پھر عمر ہی کے مشورے پر اس نے وجدان کے بھی حلیہ بدل ڈالا۔ اس کی ناک اور کان چھدوائے گئے تھے۔ بہت سٹپٹایا تھا۔ لڑکیوں والا لباس پہننے کے بعد تو وہ بالکل لڑکی لگ رہا تھا۔

کم کو بھی کسی طرح پتا چل گیا تھا کہ وہ سنگاپور فرار ہو رہے ہیں۔ اس نے کوالالمپور تک ان کا پیچھا کیا۔ پرتاب سنگھ سوچتا تھا کہ اگر وہ لوگ ان بدلے ہوئے حلیوں میں نہ ہوتے تو کم اور فانگ انہیں دیکھتے ہی گولیوں سے بھون ڈالتے لیکن وہ انہیں پہچان نہیں سکے تھے اور کم نے تو سیڑھیوں پر نہ صرف وجدان کو سہارا دے کر اٹھایا تھا بلکہ اس کا گال بھی تھپتھپایا تھا۔ وہ اس وقت انہیں نہیں پہچان سکا تھا لیکن ہوٹل سے جب اسے یہ معلوم ہوا ہو گا کہ سنگاپور سے آنے والا ایک آدمی اور بارہ تیرہ سال کی ایک لڑکی یہاں ٹھہرے ہوئے تھے اور وہ ابھی ابھی ریلوے اسٹیشن گئے ہیں تو اسے شبہ ہوا ہو گا اور اس نے ریلوے اسٹیشن کی طرف دوڑا دی تھی مگر اس موقع پر بھی عمر عبدالرحمٰن کی ذہانت کام آئی تھی اور وہ ایک مرتبہ پھر بچ نکلے تھے لیکن پرتاب سنگھ کو یقین تھا کہ کم اور فانگ ان کے پیچھے بنکاک بھی ضرور آئیں گے۔

عمر عبدالرحمٰن ایک ڈیڑھ گھنٹا ان کے پاس کمرے میں رہا تھا۔ اس نے سان پھوتائی ایک شخص کا فون نمبر دیا تھا کہ اگر کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو اس سے رابطہ کر لیا جائے۔

عمر عبدالرحمٰن کے جانے کے بعد پرتاب سنگھ نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور سوٹ کیس میں سے اپنے کپڑے اور شیونگ کٹ نکال کر باتھ روم میں گھس گیا۔ وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد باتھ روم سے نکلا تو اپنے آپ کو تروتازہ محسوس کر رہا تھا۔

"چل بھئی کاکے۔ تو بھی نہا کر کپڑے بدل لے پھر کھانا کھانے چلیں گے۔ بڑی بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے وجدان کو کرسی سے اٹھا کر باتھ روم کی طرف دھکیل دیا۔

"میں نہا کر اپنے کپڑے پہنوں گا چاچا۔" وجدان بولا۔

"نہیں۔ ایک دو دن تمہیں ایسے ہی کپڑے پہننے پڑیں گے میں بندوبست کر رہا ہوں۔ اس کے بعد تو جو کپڑے مرضی آئے پہن لینا۔" پرتاب سنگھ نے یہ کہتے ہوئے سوٹ کیس میں سے ایک اور خوبصورت فراک نکال کر بیڈ پر پھینک دی۔

وہ تقریباً نو بجے ہوٹل سے نکلے۔ قرب و جوار میں واقع ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر انہوں نے کھانا کھایا اور پھر ریسٹورنٹ سے نکل کر وہ ایک طرف چلنے لگے۔ پرتاب نے وجدان کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اس وقت بھی ساری دکانیں کھلی ہوئی تھیں اور سڑکوں پر خاصی رونق تھی۔

وہ مختلف ذیلی سڑکوں پر گھومتے ہوئے سوئے ایون چائی پاٹ آ گئے۔ اس سڑک پر بھی بڑے بڑے اسٹور اور شاپنگ سینٹرز تھے۔ پرتاب ایک جگہ رک گیا۔ سڑک کی دوسری طرف ریڈی میڈ گارمنٹس اور ٹیلرنگ کی ایک بہت بڑی دکان تھی۔ اس دکان کا مالک ایک سکھ تھا۔ اتم سنگھ کئی سال پہلے سنگاپور میں ہوا کرتا تھا۔ اس نے ٹیلرنگ کی دکان کھول لی تھی مگر اسے زیادہ کامیابی وہاں بھی اور وہ بنکاک آ گیا۔ یہاں پہلے اس نے ایک چھوٹی سی نہیں ہوئی اور وہ بنکاک آ گیا۔ یہاں پہلے اس نے ایک چھوٹی سی دکان کھولی تھی اور اب ایک بہت بڑے گارمنٹس اسٹور کا مالک تھا۔ ٹیلرنگ کے حوالے سے بھی وہ بنکاک میں خاصی شہرت رکھتا تھا۔ پرتاب سنگھ اپنے بزنس کے سلسلے میں جب بھی بنکاک آتا، تم سے ضرور ملتا تھا۔ اس وقت بھی اتم سنگھ اس سے بڑے تپاک سے ملا۔

"تم تو کہتے تھے تمہاری کوئی اولاد نہیں۔ یہ لڑکی کون ہے؟" اتم سنگھ نے پوچھا۔

"یہ لڑکی مجھے اپنی اولاد ہی کی طرح عزیز ہے۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا۔ "تم نے ابھی مجھ پر طنز کیا تھا کہ میں نے داڑھی اور کیس کیوں منڈوا دیے ہیں۔ تو یہ سب کچھ اسی کی خاطر ہے اور یہ لڑکی نہیں لڑکا ہے۔"

"کیا؟" اتم سنگھ اچھل پڑا۔

پرتاب سنگھ چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اسے بتانے لگا کہ اس نے اپنی داڑھی اور کیس کی قربانی کیوں دی تھی اور اس لڑکے کا حلیہ تبدیل کیوں کیا تھا اور یہ کہ وہ سنگاپور سے بھاگ کر یہاں کیوں آیا ہے۔

"اوہ۔" اتم سنگھ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ بنکاک میں صرف ایک ایسا شخص ہے جو اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہے۔"

"وہ کون؟" پرتاب سنگھ نے پرامید نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مہاراج وانگ ونگ یائے۔" اتم سنگھ نے جواب دیا۔ "وہ ایک بھکشو ہے لیکن اسے تھائی لینڈ میں موئے تھائی کک باکسنگ پر اتھارٹی سمجھا جاتا ہے اور اس کی عمر اس وقت اگر چہ ستر برس کے قریب ہے لیکن وہ جوانوں سے زیادہ پھرتیلا اور طاقتور ہے۔ بیک وقت لڑنے والے دو چار آدمیوں کو تو وہ خاطر میں نہیں لاتا۔ کئی سال پہلے میں نے بھی موئے تھائی کک باکسنگ کا فن اس سے سیکھا تھا لیکن آج کل اس سے ملنا بہت بڑا مسئلہ ہے۔"

"کیوں؟" پرتاب سنگھ نے اسے گھورا۔

"وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دھرم سیوک بن گیا ہے۔ کئی کئی روز تو وہ ٹمپل سے باہر نہیں نکلتا۔ اس شہر میں اس کے ہزاروں شاگرد ہیں جو موئے تھائی کے نامی گرامی ماسٹر سمجھے جاتے ہیں۔ مہاراج وانگ ونگ یائے سے ملنے کے لئے انہیں بھی کئی کئی روز تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔"

"مجھے بتاؤ وہ کہاں رہتا ہے۔ میں اس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔

"ہولام پھونگ ریلوے اسٹیشن سے ذرا آگے ٹریمٹ ٹمپل ہے۔" اتم سنگھ نے بتایا۔ "بہت بڑا ٹمپل ہے۔ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں بدھا کے پیروکار یہاں آتے ہیں۔ دن کے وقت تو اس سے ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ رات کو کوشش کی جا سکتی ہے۔ تم ایسا کرو، کل اسی وقت میرے پاس آ جانا۔ میں اس کے ایک شاگرد ماسٹر پھوانگ سے بات کروں گا۔ ہو سکتا ہے، اس کی وجہ سے کچھ آسانی ہو جائے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ میں کل آؤں گا۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔

کچھ دیر بعد وہ اتم سنگھ کی دکان سے نکل آئے۔ وجدان تھکا ہوا تھا اور سونا چاہتا تھا۔ پرتاب سنگھ اسے لے کر ہوٹل واپس آ گیا۔

دوسرے دن وہ پھر اتم سنگھ کی دکان پر پہنچ گیا لیکن اسے مایوسی ہی کا سامنا کرنا پڑا۔ اتم سنگھ نے بتایا کہ ماسٹر پھوانگ موئے تھائی کے ایک مقابلے میں حصہ لینے کے لئے چیانگ مائی گیا ہوا ہے اور اس کی واپسی تین دن بعد ہو گی۔

پرتاب سنگھ وجدان کو لے کر دکان سے نکل آیا۔ کچھ ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اس نے کئی مرتبہ محتاط انداز میں اطراف میں دیکھا تھا لیکن بیسیوں لوگوں کی موجودگی میں یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ ان کا تعاقب کون کر رہا تھا۔ پرتاب سنگھ کی چھٹی حس اسے کسی قسم کے خطرے سے آگاہ کر رہی تھی۔ وہ وجدان کو لے کر ہوٹل واپس آ گیا۔

وہ کمرے میں بیٹھا سوچتا رہا۔ ہو سکتا ہے۔ اس کا وہم ہو لیکن رات ایک بجے تصدیق ہو گئی کہ یہ اس کا وہم نہیں تھا۔ کمرے میں ایک طرف رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سن کر وہ اچھل پڑا تھا۔ یہاں اسے کون فون کر سکتا ہے پھر خیال آیا کہ شاید اتم سنگھ نے وانگ ونگ سے ملاقات کا بندوبست کر لیا ہو اور اسے اطلاع دینے کے لئے فون کیا ہو۔ اس نے بیڈ پر سوئے ہوئے وجدان کی طرف دیکھا اور اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"آپ کے لئے کال ہے مسٹر سنگھ۔" یہ ہوٹل کی آپریٹر کی آواز تھی۔

چند لمحے خاموشی رہی اور پھر ایک اور آواز سنائی دی۔ "میں دارا بول رہا ہوں پرتاب سنگھ۔ تم میری نظروں سے چھپ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ کوالالمپور میں کم سے حماقت ہو گئی تھی۔ وہ تمہیں اور وجدان کو شناخت نہیں کر سکا تھا۔ تم نے اس لڑکے کی خاطر اپنے دھرم کے اصولوں کی خلاف ورزی کر کے واقعی بہت بڑی قربانی دی ہے اور تم نے اس کا حلیہ بھی خوب بدلا ہے۔ کم جیسا گھاگ آدمی دھوکا کھا گیا لیکن دیکھ لو، ہم نے تمہیں بنکاک پہنچنے کے دوسرے ہی دن تلاش کر لیا۔"

"تم جو کچھ بھی کرلو لیکن جب تک میں زندہ ہوں' تم اس لڑکے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن مجھے واقعی حیرت ہے تم نے ہمیں تلاش کیسے کرلیا۔" پرتاب سنگھ بولا۔

"بنکاک جیسے شہر میں جہاں انسانوں کا جنگل آباد ہے' کسی کو تلاش کرلینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔" دارا نے جواب دیا۔ "مجھے یقین تھا کہ تم یہاں اپنی ہی برادری کے کسی آدمی سے رابطہ کرنے کی کوشش کرو گے۔ یہاں کم کے تعلقات کام آئے اور اس نے اپنے مقامی دوستوں کی مدد سے بعض سکھوں کی نگرانی شروع کرادی اور اس طرح تم ہماری نظروں میں آگئے۔" چند لمحے خاموشی رہی پھر کہا گیا۔ "میں تمہیں صبح دس بجے کا وقت دے رہا ہوں۔ اگر تم اس لڑکے کو میرے حوالے کردو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ بصورت دیگر تم دونوں کو کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔"

"تم جو کچھ بھی کہہ لو۔ میری لاش پر سے گزر کر ہی تم لڑکے تک پہنچ سکو گے۔" پرتاب سنگھ نے جواب دیا اور مزید کچھ سنے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

اس نے سوچنے میں زیادہ وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ وہ دروازے سے باہر نکل کر ادھر ادھر جھانکنے لگا اور محتاط انداز میں چلتا ہوا راہداری کے موڑ پر پہنچ گیا جہاں نائٹ سروس کا ایک اٹینڈنٹ کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ پرتاب سنگھ نے اسے کندھے سے ہلایا۔ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے اور اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

"کچھ نامعلوم لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ابھی ابھی فون پر دھمکی دی ہے۔ مجھے اس وقت تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" پرتاب سنگھ نے یہ کہتے ہوئے جیب سے بیس امریکی ڈالر کا نوٹ نکال لیا۔

"میں نائٹ سپروائزر کو بتاتا ہوں۔ وہ پولیس کو بلا لے گا۔" اٹینڈنٹ نے کہا۔

"پولیس میری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔ "وہ لوگ سنگاپور سے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ تم میری مدد اس طرح کرسکتے ہو کہ مجھے کسی کی نظروں میں آئے بغیر یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ بتا دو۔ یہ بیس امریکی ڈالر تمہارا انعام۔ ہوٹل کے بل کی فکر مت کرو۔ ایک ہفتے کا ایڈوانس دیا ہوا ہے۔"

اٹینڈنٹ کچھ دیر ہچکچایا پھر اس نے نوٹ لے کر جیب میں رکھ لیا اور اسے وہیں رکنے کا اشارہ کرکے کمرے سے نکل گیا۔ پرتاب سنگھ نے وجدان کو جگا دیا۔ وہ اس طرح جگائے جانے پر کچھ بدحواس سا ہوگیا تھا۔

"موت کے ان فرشتوں نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔" پرتاب سنگھ نے کہا۔ "ہم یہاں سے جارہے ہیں۔ ایک محفوظ جگہ پر۔"

وہ اٹینڈنٹ تقریباً پندرہ منٹ بعد واپس آیا تھا۔

"میرے ساتھ آؤ اور یہ چابی رکھ لو۔" اس نے ایک کی رنگ پرتاب کی طرف بڑھا دیا۔ "پچھلی گلی میں سفید رنگ کی ایک کار کھڑی ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ تمہیں یہاں سے جانے کے لئے کار کی ضرورت پڑے گی۔ میں یہ چابی چرا کر لایا ہوں۔ کار تم کہیں پر چھوڑ دینا اور....."

"خوش کیتا ای۔" پرتاب سنگھ نے چابی لے لی اور اس کا مطلب سمجھتے ہوئے بیس ڈالر کا ایک اور نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" اٹینڈنٹ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

پرتاب سنگھ بھی وجدان کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر آگیا۔ اس اٹینڈنٹ کے پیچھے دبے قدموں مختلف راہداریوں میں چلتے رہے اور بالآخر عقبی زینے سے نیچے آگئے۔ اٹینڈنٹ نے بڑی آہستگی سے دروازہ کھول دیا اور گلی میں آکر چند گز دور کھڑی ہوئی سفید کار کی طرف اشارہ کردیا۔ گلی میں کچھ اور بھی کاریں کھڑی تھیں۔ پرتاب سنگھ محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا وجدان کو تقریباً گھسیٹتا ہوا لے گیا اور کار کا دروازہ کھول کر وجدان کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا اور خود اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کردیا۔

کار گلی سے نکل کر سوکھم وٹ روڈ پر مڑی ہی تھی کہ تقریباً پچاس گز دور کھڑی ہوئی ایک اور کار کا انجن اسٹارٹ ہوا اور پرتاب سنگھ کی کار کے پیچھے لگ گئی۔

پرتاب سنگھ نے اس کار کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنی کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ اس نے بڑی تیزی سے ایکسپریس وے عبور کیا اور پھلن چٹ روڈ پر نکل آیا اور پھر گزشتہ روز ریلوے اسٹیشن سے ٹیکسی پر جن راستوں سے آیا تھا' کار کو انہی راستوں پر گھماتا رہا۔ اگرچہ رات کے دو بج چکے تھے لیکن بعض سڑکوں پر اکا دکا گاڑیوں کی آمدورفت جاری تھی اور پرتاب سنگھ کم از کم دو مرتبہ حادثے کا شکار ہوتے ہوتے بچا تھا۔

فاصلہ اگرچہ بڑھ گیا تھا لیکن وہ کار بدستور تعاقب میں لگی ہوئی تھی۔ ریلوے اسٹیشن سے آگے نکل کر اس نے کار ٹریکٹ روڈ پر موڑ دی اور پھر بڑی تیزی سے اسے ایک تنگ سی گلی میں گھما دیا۔ اس طرح وہ وقتی طور پر تعاقب میں آنے والی کار کو جھانسا دینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

وہ کار کو گھما کر ایک اور گلی میں لے آیا۔ اس طرف بھی ٹریکٹ ٹمپل کا ایک گیٹ تھا۔ اس نے کار روک کر پچھلی سیٹ سے وجدان کو اتارا اور اس کا بازو پکڑ کر گیٹ کی طرف دوڑا۔

وہ موٹی موٹی آہنی سلاخوں والا بہت بڑا گیٹ تھا جو اس وقت بند تھا۔ گیٹ کے اوپر تیز روشنی کا مرکزی بلب جل رہا تھا۔ گیٹ کی بائیں طرف لوہے کی سلاخوں ہی سے ایک تنگ سا راستہ بنا ہوا تھا جس سے بہ مشکل دو آدمی پہلو بہ پہلو گزر سکتے تھے۔ پرتاب سنگھ وجدان کو کھینچتا ہوا اس راستے سے اندر داخل ہوگیا۔

سامنے بہت وسیع و عریض صحن تھا۔ دائیں طرف پیگوڈا کی طرز کی ایک مختصر سی عمارت تھی اور سامنے صحن کے اس پار ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ پرتاب وجدان کو کھینچتا ہوا پہلے دائیں طرف والی عمارت کی طرف دوڑا۔ ٹھیک اسی لمحے تعاقب کرنے والی وہ کار گیٹ کے سامنے رکی اور دو آدمی اتر کر گیٹ کی طرف دوڑے۔ پرتاب سنگھ مؤکر مرکزی عمارت کی طرف دوڑا۔

بھاگ دوڑ کی آوازیں سن کر پہلو والی چھوٹی عمارت کا ایک دروازہ کھلا اور ایک بھکشو مقامی زبان میں چیخنے لگا۔ پرتاب سنگھ اس کے چیخنے کی پروا کئے بغیر مرکزی عمارت کی طرف دوڑتا رہا اور پھر فضا اچانک ہی فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ کئی گولیاں پرتاب سنگھ اور وجدان کے آس پاس سے گزر گئیں۔

مرکزی عمارت کا شیشے والا بلند دروازہ کھل گیا۔ شاید کوئی بھکشو باہر آنا چاہتا تھا مگر فائرنگ کی آواز نے اسے اندر ہی رہنے پر مجبور کردیا۔ پرتاب سنگھ وجدان کو کھینچتا ہوا دروازے میں داخل ہوگیا۔ سامنے چبوترے پر فاسٹنگ بدھا کا بہت بڑا مجسمہ تھا۔

فضا ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ کئی گولیاں پرتاب سنگھ کی پشت میں پیوست ہوگئیں۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی خوفناک تھی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ اس نے وجدان کو اپنے سامنے کھینچ لیا اور پھر اس طرح گرا کہ وجدان اس کے نیچے دب گیا۔ وجدان کے منہ سے بھی ایک خوفناک چیخ نکلی تھی۔

فائرنگ رک گئی۔ صحن میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر بڑی عجلت میں کار کے روانہ ہونے کی آواز سنائی دی۔

وجدان پرتاب سنگھ کی لاش کے نیچے دبا ہوا چیخ رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر چیخنے کی کوشش کی مگر آواز اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی چھانے لگی اور اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

وجدان کو جب دوبارہ ہوش آیا تو اس کا سر ایک بوڑھے آدمی کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ ہوچی منہ کی طرح کی داڑھی' مونچھوں کی جگہ بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے چند بال' رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی اور اس بوڑھے شخص کی آنکھوں میں عجیب سی کشش تھی۔

وہ مہاراج وانگ ونگ یائے تھا۔

وانگ ونگ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے وجدان کو گود میں اٹھا لیا اور بدھا کے مجسمے کے سامنے سے ہوتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔ وجدان عجیب سی نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

○☆○

مارشل آرٹ
کراٹے
ابتدا سے بلیک بیلٹ تک کی مشقیں
ان لوگوں کے لئے جو تنہا یا کسی ایک ساتھی کے ساتھ کراٹے سیکھنا چاہتے ہیں۔
اردو میں پہلی بار کراٹے سکھانے کی ایک مکمل اور آسان کتاب
قیمت 40 روپے
ڈاک خرچ 23 روپے
کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں
خط و کتابت کا پتہ
مکتبہ نفسیات
پوسٹ بکس 8769 رحمان مینشن زاہد ریاض کالونی اگا پورچہ گرومندر کراچی 74200
فون: 5802552-5865313 فیکس: 5802561
کتابوں کی قیمتیں فی الفور شرح مبادلہ میں کسی بھی وقت تبدیل ہوسکتی ہے
kitablat@hotmail.com
kitablat1970@yahoo.com

چند منٹ پہلے جو کچھ ہوا تھا وہ وجدان کو دہلا دینے کے لیے کافی تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ اسے ابھی تک پوری طرح یہ ادراک نہیں ہو سکا تھا کہ اس پر کیا بیت چکی ہے۔ اسے تو بس اتنا یاد تھا کہ پرتاب سنگھ اسے لے کر دوڑتا ہوا مپل میں گھس گیا تھا۔ طویل صحن میں دوڑتے ہوئے اس نے اپنے عقب میں دوڑتے ہوئے قدموں، کسی کے چیخنے اور پھر فائرنگ کی آوازیں سنی تھیں۔ پرتاب سنگھ اسے لے کر مپل کے اندرونی مرکزی دروازے میں داخل ہو گیا تھا اور فضا ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ پرتاب سنگھ نے اسے اپنے سامنے کھینچ لیا تھا اور پھر چیختا ہوا اس طرح گرا تھا کہ وجدان اس کے نیچے دب گیا تھا۔ وہ خوف و دہشت سے بُری طرح چیخ رہا تھا اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی چھاتی چلی گئی تھی اور اب ہوش میں آنے پر اس نے اپنے آپ کو ایک بوڑھے کی آغوش میں پایا تھا۔

وہ مہاراج وانگ ونگ یائے تھا جو اسے گود میں اٹھائے مہاتما بدھ کے مجسمے والے چبوترے کے پیچھے ایک تنگ سی راہداری میں چل رہا تھا۔ اپنے آپ کو ایک پُراسرار بوڑھے کی آغوش میں پا کر وجدان کے ذہن پر ایک بار پھر خوف غالب آنے لگا۔ اس بوڑھے کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور مقناطیسی کشش تھی۔ وجدان اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا چاہتا تھا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ لگتا تھا، اس پُراسرار بوڑھے کی نظریں اس کی روح کی گہرائیوں تک میں اتری جا رہی ہوں۔

مہاراج وانگ ونگ یائے ایک اور راہداری میں داخل ہو کر ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔ اس نے پیر کی ٹھوکر سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے دروازے پر ہلکی ہلکی ٹھوکریں ماریں مگر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا۔ چند لمحے توقف کے بعد بوڑھے نے قدرے زور سے ٹھوکریں ماریں۔ اس مرتبہ نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور دروازہ کھل گیا۔

وہ ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ عمر مائیں تیئس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ گہری نیند سے جاگی تھی۔ آنکھوں میں سرخی اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے گیروے رنگ کی ایک چادر جسم کے اوپر والے حصے پر اس طرح لپیٹ رکھی تھی کہ اوپر کے دونوں سرے گردن کے پیچھے گرہ میں بندھے ہوئے تھے جبکہ نیچے والے سرے کمر پر بندھے ہوئے تھے۔ اس طرح اس کے جسم کا سامنے کا حصہ پوری طرح چھپ گیا تھا۔ جسم کے نچلے حصے پر ایسی ہی ایک چادر لنگی کی طرح لپٹی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ سرخ آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی اور ذہن پر بھی غالباً غنودگی سی طاری تھی لیکن اس بوڑھے کو دیکھ کر اس کی نیند غائب ہو گئی۔ اس نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دونوں ہاتھ آگے باندھ لیے اور اس کے سامنے جھک گئی۔

مہاراج وانگ ونگ یائے نے تیز لہجے میں کچھ کہا۔ وہ اگلے دم سیدھی ہو گئی اور کچھ کہے بغیر وجدان کو بوڑھے کی گود سے لینے کے لیے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے۔

وجدان کے حواس کسی قدر بحال ہو رہے تھے۔ اس نے بوڑھے کی آغوش میں منتقل ہونے کے بجائے ایک پیر نیچے لٹکا دیا اور بوڑھے کی گود سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ بوڑھے نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر آہستگی سے نیچے اتار دیا۔ اس نے اجنبی زبان میں نرم لہجے میں کچھ کہا مگر وجدان ایک لفظ بھی نہ کچھ سکا۔ مہاراج نے لڑکی کی طرف دیکھ کر پھر تیز لہجے میں کچھ کہا اور واپس مڑ گیا۔

لڑکی چند لمحے مہاراج وانگ ونگ یائے کو جاتے ہوئے دیکھ رہی پھر اس نے وجدان کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر کھینچ لیا اور دروازہ بند کر دیا۔ وجدان متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ کمرا خاصا وسیع تھا۔ چھت بہت اونچی اور دیواریں بالکل سپاٹ تھیں۔ ایک دیوار کے قریب تین چار فٹ اونچا چبوترا بنا ہوا تھا۔ اس کی لمبائی چوڑائی ڈیڑھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ چبوترے پر مہاتما بدھ کا تقریباً ایک فٹ اونچا ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایش ٹرے نما ایک بہت خوب صورت ٹرے رکھی ہوئی تھی جس میں لوبان یا اس سے ملتی جلتی کوئی چیز سلگ رہی تھی۔ کمرے کی فضا میں بھینی بھینی سی مہک پھیلی ہوئی تھی۔

کمرے کی ایک دیوار کے قریب فرش پر ایک چادر بچھی ہوئی تھی۔ دیوار کے قریب ایک چھوٹا سا ریک استادہ تھا جس میں چند کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان چیزوں کے سوا کمرے میں کچھ اور نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ لڑکی پاتونگ راہبہ تھی۔ وہ وجدان کا ہاتھ پکڑے ہوئے اسے فرش پر بچھی ہوئی چادر کے قریب لے آئی اور دلچسپ نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگی اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔ وجدان کا فراک خون آلود تھا۔ بانہوں اور ٹانگوں پر بھی خون لگا ہوا تھا۔

پاتونگ اس کی بانہوں اور ٹانگوں کو چھو کر دیکھنے لگی پھر اس کے پورے جسم کو ٹٹول ڈالا۔ کسی موقع پر بھی وجدان نے تکلیف کا اظہار نہیں کیا تھا۔ پاتونگ کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی۔ وہ زخمی نہیں تھا۔ اس کے لباس، بانہوں اور ٹانگوں پر خون کہیں اور سے لگا تھا۔

وجدان نے بھی پہلی مرتبہ اپنے لباس اور جسم پر خون کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی تیر گئی اور پھر یکایک اسے یاد آ گیا کہ گولیاں چلی تھیں اور پرتاب سنگھ چیختا ہوا اس کے اوپر گر ہو گیا تھا۔ وہ یقیناً زخمی ہوا تھا اور یہ خون اسی کا تھا۔ وہ پُراسرار بوڑھا اسے تو یہاں اٹھا لایا تھا لیکن پرتاب سنگھ کے بارے میں اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کس حال میں تھا۔ وہ زندہ تھا یا...

وجدان کانپ کر رہ گیا تھا۔ اس سے آگے وہ نہیں سوچ سکا تھا۔

پاتونگ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی اور اسے دونوں بانہوں سے پکڑ کر بڑی دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وجدان نے لڑکیوں والا لباس پہن رکھا تھا۔ ناک میں نتھ تھی۔ وجدان نے لڑکیوں والی بالیاں بھی۔ گوری چٹی کالے دھاگے کی نتھنی بھی تھی اور کانوں میں بالیاں بھی۔ گوری چٹی رنگت، چہرے کے دل فریب نقوش اور سرخ ہونٹ۔ وہ اسے لڑکی ہی سمجھ رہی تھی اور اسے یہ سمجھنے میں بھی دیر نہیں لگی تھی کہ اس کا تعلق کسی ہندوستانی فیملی سے تھا۔ بنکاک میں بڑی تعداد میں ہندوستانی آباد تھے۔ اس نے بہت سی ایسی ہندوستانی لڑکیوں کو دیکھا تھا جن کی ناک میں اس طرح کی کالے دھاگے کی یا سونے اور چاندی کی نتھنی ہوتی تھی۔

پاتونگ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے تھائی زبان میں کچھ کہا بھی تھا مگر وجدان ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا اور ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پاتونگ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کتابوں والے ریک کے اوپر دیوار میں بنی ہوئی ایک الماری کھولی۔ چند لمحے الماری کے اندر کچھ دیکھتی رہی پھر گیروے کپڑے کی ایک چادر باہر نکال لی۔ اس نے چادر کو فرش پر ڈال دیا اور وجدان کے فراک کی پیچھے کی زپ کھولنے لگی۔ وجدان کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔ وہ مچل کر مزاحمت کرنے لگا۔ پاتونگ تھائی زبان میں بڑبڑاتے ہوئے فراک کی زپ نیچے کی طرف کھینچتی چلی گئی اور جب اس نے فراک نیچے کھینچا تو اس کے ساتھ چڈی بھی کھنچتی چلی گئی اور پھر پاتونگ چیختی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ چند لمحے متوحش نظروں سے وجدان کو دیکھتی رہی پھر تیزی سے دروازے کی طرف لپکی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ باہر جاتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

وجدان بدحواس سا اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اور چہرے پر ایک بار پھر خوف کے سائے پھیل گئے تھے۔ اس کا راز کھل گیا تھا۔ وہ لوگ اسے اب تک لڑکی سمجھتے رہے تھے اور یہ راز کھلنے کے بعد کہ وہ لڑکی نہیں لڑکا ہے، پتا نہیں وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہاں سے بھاگ جائے۔ اس نے چڈی اوپر کھینچ کر دوبارہ فراک پہن لی لیکن وہ پیچھے کی زپ نہیں لگا سکا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا اور اس نے دروازہ کھول بھی لیا مگر ایک قدم باہر نکلتے ہی رک گیا۔ وہ کہاں جائے گا؟ پرتاب سنگھ کے بارے میں بھی پتا نہیں کہ وہ کس حال میں ہے اور کہاں ہے۔ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ بھیانک موت قدم قدم پر اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ ایسی حالت میں یہی جگہ اس کے لیے محفوظ تھی۔ اس نے ابھی تک صرف اس پُراسرار بوڑھے اور اس لڑکی کو دیکھا تھا۔ ان دونوں کا سلوک مشفقانہ تھا۔ یہ لوگ اس کے دشمن نہیں تھے۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اس کے لیے یہی جگہ سب سے زیادہ محفوظ تھی۔ وہ اندر آ گیا اور آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔

وہ کمرے کے وسط میں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سپاٹ دیواروں پر ایک ہی کہانی لکھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ موت کے فرشتے اس کے تعاقب میں تھے اور وہ اب تک ان سے بچتا رہا تھا۔ پرتاب سنگھ اس پر زندگی کا سایہ بنا ہوا تھا لیکن وہ اب کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ وجدان یہ سب کچھ جاننے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ وہ لڑکی بھی اسے کمرے میں چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ شاید اس بوڑھے کو اس کے بارے میں بتانے گئی تھی۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ ایک غبار سا تھا جو دماغ میں بھرتا جا رہا تھا۔ اس نے چبوترے پر رکھے ہوئے مہاتما بدھ کے مجسمے کی طرف دیکھا۔ بدھ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سے اسے کچھ حوصلہ ملا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا مجسمے کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ بدھ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ شاید اسے یہ پیغام دے رہی تھی کہ زندگی کے مصائب میں گھر کر بھی مسکرانا سیکھو۔

وجدان مجسمے کو دیکھ رہا تھا کہ ہلکی سی آہٹ سن کر پیچھے گھوم گیا۔ پاتونگ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں الجھن کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ قریب آ کر چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے فرش پر بچھی ہوئی چادر پر لے آئی اور کچھ کہتے ہوئے اس کا فراک اتارنے لگی۔ اس مرتبہ وجدان نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور اس مرتبہ چڈی بھی اپنی جگہ سے نہیں سرکی تھی۔

پاتونگ نے خون آلود فراک تہ کر کے ایک طرف رکھ دیا اور اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر لے آئی.... راہداریوں میں گھومنے کے بعد وہ ایک کشادہ باتھ روم میں آ گئے۔ ایک طرف باتھ ٹب بھی تھا جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے اوپر دیوار کے ساتھ ایک شیلف پر چند بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ پاتونگ نے ایک بوتل اٹھا کر سیال کے چند قطرے پانی میں ٹپکائے اور وجدان کی طرف دیکھنے لگی۔

وجدان اس کی نگاہوں کا مطلب تو سمجھ گیا تھا مگر اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ پاتونگ اس کا ہاتھ پکڑ کر باتھ ٹب کے پاس لے گئی۔ پہلے اس کے خون آلود بازو دھلائے اور پھر ٹانگیں۔ وجدان دروازے کی طرف واپس مڑنا چاہتا تھا کہ پاتونگ نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور مسکراتے ہوئے ٹب کی طرف اشارہ کرنے لگی اور پھر وجدان چڈی اتارے بغیر ٹب میں گھس گیا۔ پانی میں بڑی مسحور کن سی مہک تھی۔ وہ پانی میں بیٹھا رہا اور پاتونگ اسے مَل مَل کر نہلاتی رہی اور بالآخر وہ ٹب سے باہر آ گیا۔ پاتونگ کھونٹی پر ٹنگا ہوا بڑا سا تولیا اٹھا کر اس کا جسم رگڑنے لگی۔ وجدان نے اس سے تولیا لے کر جسم پر لپیٹ لیا اور گیلی چڈی اتار کر ٹب کے قریب ہی فرش پر ڈال دی۔ پاتونگ اسے دوبارہ اسی کمرے میں لے آئی اور اس کے

کر گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

وجدان کو سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا مگر پانی کے دو گھونٹ پیتے ہی اس کی حالت سنبھلنے لگی۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور ویران سی نظروں سے مہاراج کی طرف دیکھنے لگا۔

"سچائی وہ چیز ہے جس میں سب سے زیادہ کڑواہٹ ہوتی ہے۔" مہاراج اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اگر ایک مرتبہ یہ کڑوا گھونٹ بھر لیا جائے تو خوب صورت فریب میں لپٹا ہوا جھوٹ اپنا اثر کھو دیتا ہے۔ میں جھوٹ کا فریب دے کر تمہیں پرتاب سنگھ کے زندہ ہونے کی خبر سنا سکتا تھا۔ تمہیں سہارا تو مل جاتا مگر وہ عارضی ہوتا اور جب تمہیں حقیقت کا پتا چلتا تو اس سے زیادہ دکھ ہوتا جس دکھ کا تم اس وقت سامنا کر رہے ہو۔ زندہ رہنے کے لیے ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم سچائی کے ساتھ ایک قدم آگے بڑھاؤ گے تو راستہ کھلتا چلا جائے گا۔"

وجدان کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ مہاراج کی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ اور اگر کوئی بات سمجھ میں آئی تھی تو یہ کہ پرتاب سنگھ ختم ہو گیا تھا۔ ماں باپ کے بعد وہی اس کا سہارا تھا اور اب یہ سہارا بھی اس سے چھن گیا تھا۔

"چاچا پرتاب کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔ آواز میں نقاہت تھی۔

"شاید تم میری بات سمجھے نہیں!" مہاراج نے کہا۔

"میرا مطلب ہے' اس کی لاش کہاں ہے؟" وجدان بولا۔

"اس کی لاش پولیس لے گئی ہے۔" مہاراج وانگ ونگ یائے نے کہا "اس کے لباس سے جو کاغذ برآمد ہوئے ہیں' ان سے پتا چلا ہے کہ پرتاب سنگھ نام کا وہ شخص سنگاپور کا ایک بہت بڑا تاجر تھا۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "فائرنگ کی آواز سن کر اس وقت میں باہر نکلا تھا تو پرتاب سنگھ کی لاش خون میں لت پت تھی۔ اس کی پشت پر لاتعداد گولیاں لگی تھیں۔ تم اس کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ تم بھی مر چکے تھے لیکن جب تمہیں اس لاش کے نیچے سے نکالا گیا تو یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا تھا اسی لیے میں نے تمہیں اندر پہنچا دیا تھا تاکہ بہتا ہوا خون دیکھ کر تمہارے ذہن پر کوئی برا اثر نہ پڑے۔ میرا خیال تھا کہ تمہاری حالت سنبھل جائے گی تو تمہیں پولیس کی تحویل میں دے دیا جائے گا لیکن پاتونگ نے یہ دلچسپ انکشاف کیا کہ تم لڑکی نہیں لڑکے ہو۔ اس انکشاف کے بعد میں نے تمہیں پولیس کی تحویل میں دینے کا فیصلہ بدل دیا۔ میرا خیال ہے معاملہ وہ نہیں جو میں پہلے سمجھ رہا تھا۔ اب سب سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو؟ مقتول سے تمہارا کیا تعلق تھا اور وہ لوگ کون تھے جنہوں نے عبادت گاہ کے تقدس کا خیال بھی نہیں کیا اور یہاں خون بہا کر چلے گئے؟"

"انہوں نے چاچا کو مار دیا۔ وہ مجھے بھی مار دیں گے۔ وہ مجھے مارنا چاہتے ہیں۔" وجدان نے گلوگرفتہ آواز میں کہا۔

"کون ہیں وہ لوگ؟ تم نے کیا بگاڑا ہے ان کا؟" مہاراج نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وجدان نے ہچکی لیتے ہوئے کہا "پتا نہیں کون لوگ ہیں۔ انہوں نے میرے ماں باپ کو بھی مار دیا تھا۔ مجھے بھی مار دینا چاہتے ہیں۔ چاچا پرتاب سنگھ مجھے ان سے بچاتا رہا۔ انہوں نے سنگاپور میں کئی آدمیوں کو قتل کر دیا۔ پولیس بھی میری حفاظت نہیں کر سکی۔ میں جہاں جاتا' وہ لوگ ڈھونڈ لیتے۔ چاچا پرتاب مجھے یہاں لے آیا' بنکاک میں۔"

مہاراج وانگ ونگ یائے کے پاس لے جانا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ ہم مہاراج تک پہنچتے' دشمنوں نے ہمارا سراغ پا لیا اور....." وہ بات پوری نہیں کر سکا۔ ہچکیاں لینے لگا۔

مہاراج وانگ ونگ یائے اس کی بات سن کر چونکے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ وہ چند لمحے گہری نظروں سے وجدان کو دیکھتا رہا پھر بولا "پرتاب سنگھ تمہیں مہاراج کے پاس کیوں لے جانا چاہتا تھا؟"

"اس کا خیال تھا کہ مہاراج ہی ایک ایسا آدمی ہے جو ہمیں دارا اور کم جیسے موت کے فرشتوں سے بچا سکتا ہے۔ اس نے ایک دوست کے ذریعے کوشش کی تھی لیکن پتا چلا کہ مہاراج سے ملنا بہت مشکل ہے۔ اس نے مہاراج کے ایک شاگرد پھونگ سے ملنے کا مشورہ دیا تھا لیکن وہ بھی بنکاک سے باہر گیا ہوا ہے۔"

"دلچسپ۔" مہاراج وانگ ونگ یائے کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا "پرتاب سنگھ کی تو خواہش سے ملاقات کی خواہش پوری نہ ہو سکی مگر تم خوش قسمت ہو موت کا مقابلہ کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے۔ مہاراج وانگ ونگ یائے اس وقت تمہارے سامنے بیٹھا ہے۔"

وجدان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی ہچکیاں رک گئیں۔ اسے یہ بوڑھا پہلے سے زیادہ پُراسرار نظر آ رہا تھا۔

"لارڈ بدھ مت کے بھائی چارے اور امن و آشتی کا درس دیتے ہیں۔ لوگ ان کی تعلیمات کو بھول گئے۔ شیطان کے جال میں پھنس کر اچھائی کو بھول کر برائی کی دلدل میں دھنستے جا رہے ہیں۔ سرحدوں پر خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں اور عبادت گاہوں میں بھی بے گناہوں کے خون کے چھینٹے اچھالے جا رہے ہیں۔" مہاراج بات کرتے کرتے رک گیا پھر وجدان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "مجھے تمہاری باتوں میں سچائی کی مہک محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے تفصیل سے سب کچھ۔ وہ لوگ کون ہیں اور تمہیں کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں اگر تم وانگ ونگ یائے کی نظروں میں بے گناہ ہوئے تو دنیا کی کسی سے بڑی قوت کا ہاتھ بھی تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔ وہ تمہارے سائے سے بھی ڈرنے لگیں گے۔"

وجدان چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر

جسم پر لپٹا ہوا تولیا اتار کر گیروے رنگ کی چادر ساڑی کی طرح اس کے گرد لپیٹ دی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ اس کے قریب ہی فرش پر بچھی ہوئی چادر پر بیٹھ گیا۔

"مسہائی ڈی ریو....؟" پاتونگ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے تھائی زبان میں پوچھا تھا کہ اب وہ کیسا ہے یا کیا محسوس کر رہا ہے۔

وجدان نے سنگاپور میں رہتے ہوئے مینڈرین زبان تو اچھی خاصی.... بولنا سیکھ لی تھی۔ انگلش بھی اچھی طرح بول اور سمجھ سکتا تھا۔ جزیرے پر اردو' ہندی اور پنجابی زبانیں بھی بولی جاتی تھیں۔ وہاں تھائی باشندے بھی موجود تھے لیکن وجدان کا کبھی ان سے واسطہ نہیں پڑا تھا اس لیے وہ تھائی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھتا تھا۔ اس وقت بھی اس کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ پاتونگ نے کیا کہا تھا۔

"کھون چیو آرائی؟ (تمہارا نام کیا ہے؟) پاتونگ نے پوچھا۔

وجدان اس مرتبہ بھی ہونٹوں کی طرح اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پاتونگ نے ایک جملہ اور کہا۔ وجدان اس مرتبہ بھی کچھ نہیں سمجھ سکا۔ پاتونگ کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ وہ کچھ دیر تک اس کے چہرے کو تکتی رہی پھر دروازے پر دستک کی آواز سن کر چونک گئی۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہی بوڑھا تھا جو وجدان کو گود میں اٹھا کر یہاں لایا تھا۔ اسے دیکھ کر نجانے کیوں وجدان پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

مہاراج وانگ ونگ یائے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تھائی زبان میں کچھ کہا لیکن وجدان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں اس سے پوچھنے کی کوشش کر چکی ہوں کہ یہ کون ہے' اس کا نام کیا ہے مگر یہ تھائی زبان نہیں سمجھتا۔" پاتونگ نے مہاراج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ اور اندازِ تخاطب بہت مؤدبانہ تھا۔

"کیا تم انگریزی سمجھ سکتے ہو لڑکے؟" مہاراج وانگ نے وجدان کی طرف دیکھتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

"او... یس!" وجدان جلدی سے بولا "چاچا پرتاب کیسا ہے۔ اسے شاید گولی لگی تھی؟"

"میرے ساتھ آؤ۔" مہاراج..... وانگ یائے نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا پھر پاتونگ سے تھائی زبان میں کچھ کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

وجدان بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر مختلف راہداریوں میں چلتے رہے۔ بعض راہداریاں تو کافی کشادہ تھیں اور بعض تنگ۔ ایک موقع پر وہ پانچ چھ سیڑھیاں بھی اترے تھے اور پھر ایک راہداری کا موڑ گھومتے ہوئے مہاراج نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

وجدان کو اچھی طرح یاد تھا کہ پرتاب سنگھ کے ساتھ وہ کار سے اُتر کر دوڑتا ہوا ایک بہت بڑے واٹ' بدھ خانقاہ میں داخل ہوا تھا۔ اس نے پرتاب سنگھ کے ساتھ گرنے سے پہلے مہاتما بدھ کا ایک بہت بڑا مجسمہ بھی دیکھا تھا لیکن اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کون سی جگہ تھی۔ تہ خانے اور راہداریاں.... اسے اگرچہ ان راہداریوں اور تہ خانے سے خوف سا محسوس ہو رہا تھا لیکن وہ اس بوڑھے کی طرف سے مطمئن تھا کہ وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ بوڑھے کا اب تک کا رویہ دوستانہ تھا اور پاتونگ بھی اس کے ساتھ بڑے ہمدردانہ طریقے سے پیش آئی تھی۔ اسے اپنے ہاتھوں سے نہلایا تھا اور اس کا لباس تبدیل کیا تھا۔

بالآخر وہ ایک کشادہ کمرے میں داخل ہو گئے۔ اس کمرے میں بھی ایک چبوترے پر بدھ کا ایک چھوٹا سا مجسمہ نصب تھا۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ سیاہ پتھروں کا ایک لمبا سا چبوترا تھا جس کے ایک طرف تکیے کی طرح معمولی سا ابھار تھا۔ وجدان کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ چبوترا بیڈ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کی دوسری طرف ریک تھے جو کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ فرش پر ایک چادر بچھی ہوئی تھی۔ بوڑھے نے وجدان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کا بیٹھنے کا انداز یوگا کے اسٹائل (آسن) سے ملتا جلتا تھا اور اس عمر میں بھی اس کی کمر بالکل سیدھی تھی۔ معمولی سا جھکاؤ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"تم کون ہو۔ مجھے یہاں کیوں لائے ہو اور چاچا پرتاب کہاں ہے؟" وجدان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پرتاب غالباً وہ آدمی ہے جو تمہارے ساتھ خانقاہ میں داخل ہوا تھا؟" مہاراج وانگ ونگ یائے نے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ میرا چاچا ہے۔ اسے شاید گولی لگی تھی۔" وجدان بولا۔ "ہاں۔ اسے گولیاں لگی تھیں۔" وانگ ونگ یائے نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا "تمہیں حوصلے سے کام لینا ہوگا لڑکے۔ تمہارا چاچا اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس کا جسم گولیوں سے چھلنی ہو گیا تھا۔"

وجدان سناٹے میں آ گیا۔ ایک لمحے کو تو یوں لگا جیسے اس کا پورا جسم مفلوج ہو گیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی سی نظروں سے بوڑھے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے دماغ میں غبار سا بھرتا جا رہا تھا اور پھر وہ بیٹھے بیٹھے جھولنے لگا۔ اس کی آنکھیں خود بخود بند ہوتی جا رہی تھیں۔ بوڑھے مہاراج وانگ ونگ یائے نے آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیا اور بڑی آہستگی سے فرش پر لٹا کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ پھر اس نے گلاس فرش پر رکھ کر اس کے گال تھپتھپائے۔ وجدان نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے چہرے کی رنگت ایک دم بدل گئی تھی۔ مہاراج نے الماری میں سے ایک بوتل نکال کر اس میں بھرے ہوئے سیال کے چند قطرے پانی میں ملا اسے شروع سے بتانے لگا کہ وہ کون ہے اور اس خوف ناک کہانی کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی تھی۔

"محبت سنگاپور میں رہنا مشکل ہوگیا تو چاچا پرتاب سنگھ بھیس بدل کر مجھے یہاں لے آیا۔ پہلے ہم کوالالپور آئے تھے۔ کم ہماری تلاش میں وہاں بھی پہنچ گیا۔ ہم بال بال بچے تھے۔ اسی رات ہم چوری چھپے کوالالپور سے نکل آئے تھے اور آج رات....." میں خاموش ہوگیا۔ چند لمحے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے مہاراج وانگ ونگ یائے کو دیکھتا رہا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا "آج رات میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ چاچا پرتاب سنگھ نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ اس نے بتایا کہ دارا نے ہمارا سراغ لگالیا ہے اور ٹیلی فون پر دھمکی دی ہے کہ صبح دس بجے سے پہلے پہلے مجھے اس کے حوالے کردیا جائے۔ بصورت دیگر وہ چاچا پرتاب کو بھی ہلاک کردے گا۔ چاچا پرتاب نے ہوٹل کے ویٹر کو کچھ رقم دے کر ایک گاڑی کا انتظام کرلیا تھا۔ ہم چور، چھپے ہوٹل سے فرار ہوئے تھے مگر انہیں پتا چل گیا اور ایک گاڑی ہمارے پیچھے لگ گئی۔ چاچا پرتاب کا خیال تھا کہ اس خانقاہ میں داخل ہوکر ہم ان سے بچ جائیں گے لیکن موت نے چاچا پرتاب سنگھ کو جھپٹ لیا۔ وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ میرے ڈیڈی سے کیا ہوا وعدہ نبھانے کے لیے اس نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ اپنے مذہب تک سے بغاوت کرڈالی تھی۔ اس نے داڑھی اور کیس منڈوا دیے تھے۔ مجھے دارا سے بچانے کے لیے بالآخر اس نے اپنی جان بھی دے دی۔ اس نے میرے مرتے ہوئے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب تک زندہ رہے گا مجھ پر آنچ نہیں آنے دے گا۔ وہ واقعی مجھ پر زندگی کا سایہ بن کر رہا اور اب....." میری آواز گھٹ کر رہ گئی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے اور پھر میں ہچکیوں سے رونے لگا۔

مہاراج وانگ ونگ یائے اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آگیا اور میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"زندگی نام ہی نشیب و فراز کا ہے۔ اچھے برے وقت انسان پر آتے ہی رہتے ہیں۔ دشواریوں پر قابو پانا ہی حوصلہ مندی ہے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ تم کم عمری میں ہی مشکلات کے بھنور میں پھنس گئے ہو اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ تم ایک حوصلہ مند بچے ہو۔ نہیں۔ میں تمہیں بچہ نہیں کہوں گا۔ تم تو ایک بہادر اور دلیر نوجوان ہو۔ اب تم میری پناہ میں آگئے ہو۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ دشمن کا سایہ بھی تمہارے قریب نہیں آسکے گا۔ میں تمہاری ان بانہوں میں فولاد بھردوں گا۔"

"لیکن مہاراج....." میں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "دارا بنکاک میں موجود ہے۔ اگر اس نے مجھے تلاش کرلیا تو.....؟"

"نہیں۔ وہ اب تمہیں تلاش نہیں کرسکے گا۔" مہاراج نے جواب دیا "وہ تمہیں اس وقت تک تلاش نہیں کرسکے گا جب تک میں نہیں چاہوں گا۔"

"کیا میں پرتاب چاچا کو دیکھ سکتا ہوں مہاراج؟" میں نے کہا

"اس کا یہاں کوئی نہیں ہے۔ اس کی آخری رسومات کی کرے گا۔"

"اس کا انتظام ہوجائے گا۔" مہاراج نے کہا "ا بہت ہوچکی ہے۔ پولیس نے پرتاب سنگھ کی لاش اسپتال تھی۔ صبح میں تمہیں اسپتال لے جاؤں گا۔ آخری بار دیکھ کو۔ اب تم سوجاؤ۔ صبح بات کریں گے۔"

وہاں سونے کے لیے فرش ہی تھا جس پر چادر بچھی ہوئی مہاراج وانگ ونگ تو اٹھ کر اس چبوترے پر لیٹ گیا دیکھتے ہی بیڈ تصور کرلیا تھا۔ میں فرش پر بچھی ہوئی چادر پر لیٹ تکیے کے لیے ایک موٹی سی کتاب اٹھا کر سر کے نیچے آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن نیند میری آنکھ سے کوسوں دور تھی۔

دارا کا فون آنے کے بعد جب ہم ہوٹل سے نکلے تھے وقت رات کا ڈیڑھ بجنے والا تھا اور اب مجھے اندازہ نہیں تھا بجا ہوگا۔ کمرے میں نہ تو کوئی گھڑی تھی اور نہ ہی کھڑکی یا دان جس سے باہر کی فضا دیکھ کر وقت کا اندازہ لگایا جاسکتا۔ گردن گھما کر مہاراج کی طرف دیکھا۔ وہ پتھر کے چبوترے پر لیٹے سوگیا تھا۔ اس کے جھریوں بھرے چہرے پر طمانیت بڑی حیرت ہوئی کہ وہ بوڑھا شخص کس طرح اطمینان سے سوگیا تھا۔ مجھے نیند نہ آنے کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی کہ فرش چبھ رہا تھا۔

میں بڑے ناز و نعم میں پلا تھا۔ اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ مجھے ماں باپ کی تمام تر توجہ حاصل تھی۔ انہوں نے میری آسائش اور آرام کا ہر سامان مہیا کررکھا تھا۔ میری ہر خواہش پوری جاتی۔ مجھے ذرا سی تکلیف ہوتی تو وہ دونوں تڑپ اٹھتے۔ مجھے طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ گلی میں سائیکل چلاتے ہوئے گر تھا۔ میرے بازو اور گھٹنوں میں رگڑ لگنے سے خون رسنے لگا تھا۔ حالانکہ زیادہ تکلیف نہیں تھی لیکن ممی بدحواس تھیں۔ وہ فوراً ہی ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھیں۔ ڈاکٹر نے میری رگڑ کھائی کھال پر لال دوا لگا کر ممی کو تسلی دی تھی کہ معمولی بات ہے ایک دن میں ٹھیک ہوجائے گا اور مجھے بھی یاد ہے کہ اس کے کئی روز تک ممی اپنے ہاتھ سے میرا منہ ہاتھ دھلاتی اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی رہی تھیں۔

یہ ماں باپ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ اولاد کی معمولی سی تکلیف نہیں دیکھ سکتے۔ میرے ماں باپ نے میرے بڑے ناز و نخرے اٹھائے تھے اور اب میں ننگے فرش پر پڑا کروٹیں بدلتے ہوئے سونے کی کوشش کررہا تھا۔ مجھے نیند نہ آنے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ میرا دماغ اس وقت منتشر خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ بات بھی ڈھنگ سے نہیں سوچ پا رہا تھا۔ پرتاب سنگھ کا خیال

سسکیاں بھرنے پر مجبور کررہا تھا اور جب دارا اور کم کا خیال آتا تو دکھ تک کانپ اٹھتی۔ میرے خیال میں وہ دنیا کے سفاک ترین روح تھے۔ انہوں نے جس طرح میرے ماں باپ کو قتل کیا تھا، وہ انسان

تنگ سے بازار میں خاصا رش تھا۔

مجھے وہاں کھڑے ہوئے دو منٹ سے زیادہ نہیں ہوئے تھے کہ پاتونگ نے قریب آکر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے ڈائننگ ہال سے باہر لے آئی۔ اس مرتبہ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے جانے کے بجائے ایک اور کمرے میں لے آئی اور یہاں میں مہاراج وانگ ونگ یائے کے ساتھ ایک پولیس آفیسر کو دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ایک لمحے کو تو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ یہ بڈھا کہیں مجھے پولیس کے حوالے تو نہیں کرنا چاہتا لیکن میرا یہ خدشہ بے بنیاد نکلا۔ پاتونگ مجھے اس کمرے میں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ مہاراج نے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پولیس آفیسر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہ انسپکٹر پھوکٹ ہے۔ قتل کیس کا انچارج۔ یہ کم اور دارا کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ وہ کون ہیں اور تمہیں کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ سب کچھ تفصیل سے بتاؤ۔"

مجھے ایک بار پھر اپنے والدین کے قتل سے اب تک کے واقعات تفصیل سے بیان کرنا پڑے۔ میں نے سنگاپور کے انسپکٹر چیانگ شو کے بارے میں بھی بتایا کہ سنگاپور میں وہ اس کیس کو ڈیل کررہا تھا۔

ہم لوگوں میں گفتگو انگریزی میں ہورہی تھی۔ انسپکٹر پھوکٹ کی انگریزی زیادہ اچھی نہیں تھی۔ وہ اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔ بیچ میں تھائی زبان کے الفاظ بھی بول جاتا تھا جس کی وضاحت مہاراج کو کرنی پڑتی۔

ہمارا یہ میٹنگ سیشن تقریباً دو گھنٹوں تک جاری رہا پھر مجھے بتایا گیا کہ اب مجھے اسپتال جانا ہوگا تاکہ میں آخری مرتبہ پرتاب سنگھ کو دیکھ سکوں۔ مہاراج وانگ ونگ یائے نے دروازے کی طرف رخ کرکے کسی کو آواز دی۔ فوراً ایک بھکشو دروازہ کھول کر اندر آگیا اور دونوں ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے جھک گیا۔ مہاراج نے اس سے کچھ کہا اور وہ باہر نکل گیا۔

تقریباً دس منٹ بعد انسپکٹر پھوکٹ تو خانقاہ کے سامنے والے دروازے سے چلا گیا اور مہاراج مجھے لے کر راہداریوں میں گھومتا ہوا سائیڈ اسٹریٹ کے ایک دروازے سے باہر آگیا۔ گلی میں ایک اسٹیشن ویگن کھڑی تھی۔ ایک بھکشو نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور ہم دونوں اندر بیٹھ گئے۔ وین کے شیشے تاریک تھے۔ نہ تو اندر سے باہر دیکھا جاسکتا تھا اور نہ باہر سے اندر۔ ڈرائیور اور پچھلی سیٹوں کے درمیان بھی سیاہ رنگ کا ایک پردہ پڑا ہوا تھا۔ ہمارے بیٹھنے کے فوراً ہی بعد اسٹیشن ویگن حرکت میں آگئی۔

اسٹیشن ویگن چند منٹ بعد ہی سویا پا روڈ پر واقع ایک اسپتال کی عمارت کے سامنے رک گئی۔ ہم جب ویگن سے اترے تو اسپتال کے مرکزی دروازے پر انسپکٹر پھوکٹ اپنے چند ماتحتوں کے ساتھ موجود تھا۔ ہر پولیس والے کے بیلٹ میں ریوالور لٹکا ہوا تھا اور وہ سب بہت محتاط نظر آرہے تھے۔ ہم انسپکٹر کے ساتھ کریم میں داخل ہوگئے۔ راستے میں ملنے والا ہر شخص مہاراج وانگ ونگ یائے کو دیکھ کر جھک رہا تھا۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں مہاراج کا کتنا احترام ہے۔

ہم اسپتال کی مختلف راہداریوں میں چلتے ہوئے مردہ خانے میں آگئے۔ بہت وسیع کمرا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی مجھے یوں لگا جیسے برف خانے میں آگیا ہوں۔ کمرے میں ہلکی سی دھند بھی تھی۔ کمرے کی دیواروں کے ساتھ میز کی درازوں کی طرف بڑے بڑے کیبنٹ بنے ہوئے تھے۔ ہر دراز پر نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔ کمرے میں پہلے سے موجود ایک آدمی نے انسپکٹر پھوکٹ کا اشارہ پاکر ایک دراز کو باہر کھینچ لیا۔ مہاراج نے مجھے اشارہ کیا تو میں دراز کے قریب آگیا اور پھر چادر میں لپٹے پرتاب سنگھ کا چہرہ دیکھ کر میرے ہونٹوں سے کراہ سی خارج ہوگئی۔ میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ میرا محسن، میرا مربی، جس نے قدم قدم پر مجھے سہارا دیا تھا، میری حفاظت کی تھی۔ وہ میرے سامنے مردہ پڑا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل سفید ہورہا تھا۔ ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی جیسے کہہ رہا ہو "دیکھا میں نے اپنی زندگی میں کسی دشمن کو تمہارے قریب نہیں آنے دیا۔ میں نے تمہارے باپ سے کیا ہوا وعدہ پورا کردیا۔ رب راکھا۔"

میں سسکیاں بھرنے لگا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ یہ آنسو اس شخص کو خراج عقیدت پیش کررہے تھے جس نے مجھے دشمنوں سے بچانے کے لیے اپنے دھرم سے بھی بغاوت کر ڈالی تھی۔

مہاراج نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے وہاں سے پیچھے ہٹالیا۔ اٹینڈنٹ نے دراز بند کردی اور ہم مردہ خانے سے باہر آگئے۔ کچھ جذبات کی شدت اور کچھ کمرے کی یخ بستگی کی وجہ سے میں اب بھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ انسپکٹر پھوکٹ ہمیں لے کر ایک دفتر نما کمرے میں آگیا۔

"پرتاب سنگھ اور تم غیر قانونی طور پر اس ملک میں داخل ہوئے تھے۔" انسپکٹر پھوکٹ میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "پرتاب سنگھ تو اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ اور تمہیں مہاراج نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے لیکن تم اس بات کو ذہن نشین رکھو گے کہ لا اینڈ آرڈر کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرو گے۔ ہم اپنی تفتیش جاری رکھیں گے اور پرتاب سنگھ کے قاتلوں کی گرفتاری کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے اور۔۔۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "پرتاب سنگھ سکھ تھا۔ یہاں سکھ بھی بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ میں نے اس کی آخری رسومات کے لیے ان کی ویلفیئر سوسائٹی سے رابطہ کیا ہے لیکن تم نے بتایا تھا کہ پرتاب سنگھ کا کوئی دوست بھی یہاں ہے۔ اس کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟"

"اس کا نام اتم سنگھ ہے۔" میں نے جواب دیا "اس کی ٹیلرنگ اور ریڈی میڈ گارمنٹس کی بہت بڑی دکان ہے لیکن میں

دکان کا پتا نہیں بتا سکوں گا۔"

"پتا بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں سمجھ گیا۔ اتم سنگھ کو شہر کا ہر وہ شخص جانتا ہے جو اچھے کپڑے پہننا چاہتا ہے۔" انسپکٹر پھوکٹ نے کہا اور پھر مہاراج کی طرف مڑ گیا "آپ کو جو زحمت ہوئی اس کے لیے معذرت چاہتا ہوں مہاراج۔" وہ مہاراج کے سامنے جھک گیا۔

انسپکٹر کے ساتھ اسپتال سے باہر آگئے اور اسٹیشن ویگن میں بیٹھ گئے۔ انسپکٹر پھوکٹ اور اس کے ماتحت گیٹ کے پاس رک گئے تھے۔ اسٹیشن ویگن حرکت میں آگئی۔

خانقاہ سے اسپتال جانے میں صرف چند منٹ لگے تھے لیکن واپسی پر ویگن تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک چلتی رہی۔ میں نے ایک دو مرتبہ الجھی ہوئی نظروں سے مہاراج کی طرف دیکھا بھی تھا اور مہاراج نے ہر مرتبہ صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا اور بالآخر اسٹیشن ویگن ایک جگہ رک گئی۔ میرا خیال تھا کہ مہاراج دروازہ کھول کر نیچے اترے گا لیکن وہ اطمینان سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

دس منٹ گزر گئے۔ میں کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا اور پھر کسی اور گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ چند سیکنڈ بعد اسٹیشن ویگن کا دروازہ کھلا۔ سامنے تین چار بھکشو کھڑے تھے۔ وہ سب مہاراج کو دیکھتے ہی جھک گئے۔ مہاراج نے تیز لہجے میں ان سے کچھ کہا اور پھر ایک بھکشو نے آگے بڑھ کر مجھے بازو سے پکڑا اور ویگن سے نیچے اتار لیا۔

چاروں طرف ویرانہ تھا۔ دور دور تک کوئی آبادی تو کیا، کسی ذی روح کا نام و نشان تک نظر نہیں آرہا تھا۔ سڑک کی دوسری طرف بھی ایک چھوٹی بند وین کھڑی تھی۔ اس کی کھڑکیوں کے شیشے بھی سیاہ تھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وین کے پچھلے حصے میں کوئی بیٹھا ہوا تھا یا نہیں لیکن اسٹیئرنگ کے سامنے ایک خوف ناک شکل والا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر بھی بھکشوؤں جیسا گیروے رنگ کا لباس تھا۔ جن بھکشوؤں نے مجھے اسٹیشن ویگن سے اتارا تھا ان میں سے دو کی شکلیں تو بہت ہی خوف ناک تھیں۔ ان سب کے سر گنجے تھے۔ لگتا تھا جیسے کچھ دیر پہلے ہی سروں پر استرا پھروا کر آئے ہوں۔ دھوپ میں ان کے سر چمک رہے تھے۔

یہ صورت حال دیکھ کر میرے دل پر خوف سا طاری ہونے لگا۔ میں خاموش کھڑا متوحش نظروں سے ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ مجھے ان بھکشوؤں کے حوالے کرتے ہوئے مہاراج وانگ ونگ یائے نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ ایک بھکشو اب بھی وین کے دروازے کے سامنے کھڑا بڑے مودبانہ انداز میں اس سے باتیں کررہا تھا پھر وہ بھی پیچھے ہٹ گیا اور اسٹیشن ویگن کا دروازہ بند کردیا۔ اسٹیشن ویگن حرکت میں آئی اور یوٹرن لیتی ہوئی اس طرف چلی گئی جس طرف سے آئی تھی۔

ایک بھکشو نے ابھی تک مجھے بازو سے پکڑ رکھا تھا۔ اسے شاید خدشہ تھا کہ میں کہیں بھاگ نہ جاؤں لیکن میرا بھاگنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس ویرانے میں کہاں جاسکتا تھا۔ دوسرے بھکشو نے وین کا پچھلا دروازہ کھول دیا اور مجھے آگے دھکیلتے ہوئے وہ سب وین میں بیٹھ گئے۔ وین حرکت میں آگئی اور یوٹرن لیتی ہوئی مخالف سمت میں روانہ ہوگئی۔

میرا خیال تھا، ہم اس وقت شہر سے میلوں دور تھے اور کسی آبادی سے ہمارا فاصلہ مزید بڑھتا جارہا تھا۔ میرے دل پر طاری خوف بڑھتا جارہا تھا۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے۔ مہاراج نے مجھے ان کے حوالے کیوں کیا تھا اور یہ لوگ مجھے کہاں لے جارہے تھے۔ ایک انجانا سا خوف اور وسوسے بڑھ رہے تھے لیکن پھر میں نے ان منفی خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا۔ مہاراج وانگ ونگ یائے میرے ساتھ دھوکا نہیں کرسکتا۔ اس نے تو مجھے دشمنوں سے بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ مجھے کسی دشمن کے حوالے کیسے کرسکتا تھا۔

وین تقریباً آدھا گھنٹا اسی سڑک پر چلتی رہی۔ اس دوران میں کسی گاڑی کی آواز سنائی نہیں دی تھی اور پھر وین دائیں طرف مڑ گئی۔ یہ غالباً کچی یا پتھریلی سڑک تھی۔ بہت بری طرح سے جھٹکے لگ رہے تھے۔ میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں بھکشو غالباً میرا دل بہلانے کے لیے ہنس ہنس کر مجھ سے باتیں کررہے تھے لیکن ہنسنے سے ان کے چہرے کچھ اور خوف ناک ہورہے تھے۔ ان کی کوئی بات میرے پلے نہیں پڑ رہی تھی اور میں خاموش بیٹھا سہمی ہوئی نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بالآخر وین ایک جگہ رک گئی۔ ایک بھکشو نے مجھے بازو سے پکڑ کر نیچے اتارا۔ میرا خیال تھا کہ وہ پہلے کی طرح میرا بازو پکڑے رکھے گا لیکن اس نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ میں ان کے قریب کھڑا متوحش نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ جس جگہ وین رکی تھی وہ ایک چھوٹا سا میدان تھا اور اس سے تقریباً سو گز آگے ایک ٹیلے پر ایک خانقاہ نظر آرہی تھی۔ عمارت کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ عرصے سے ویران پڑی تھی۔ چاروں طرف تاحد نگاہ ویرانہ تھا۔ تیز ہوا سے جھاڑیوں کی سرسراہٹ کی آواز ایک عجیب سا تاثر پیدا کررہی تھی۔

وین اس میدان سے گزر کر خانقاہ والے ٹیلے کی پچھلی طرف چلی گئی اور وہ بھکشو مجھے لے کر خانقاہ میں آگئے۔ خانقاہ دو حصوں پر مشتمل تھی۔ ایک حصہ بارہ دری کی طرح کھلا تھا۔ کئی ستون تھے جن کا پلستر جگہ جگہ سے ادھڑا ہوا تھا۔ دوسرا حصہ ایک بڑے ہال پر مشتمل تھا۔ اس میں بھی کئی ستون تھے۔ بڑی بڑی کھڑکیوں سے دھوپ اندر آرہی تھی۔ اس خانقاہ کی پچھلی طرف بھی کوئی عمارت تھی۔

ہال میں پہلے ہی سے دو بھکشو موجود تھے۔ میرے ساتھ آنے والا ایک بھکشو ان سے باتیں کرنے لگا اور پھر وہ بھکشو مجھے لے کر

خانقاہ کی پچھلی طرف آگئے۔ اس طرف نشیب میں چند چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے اور ان کے سامنے ایک اکھاڑا سا بنا ہوا تھا جس کے چاروں طرف موٹے موٹے رسے تنے ہوئے تھے۔

ایک کمرے میں دو بدھ راہبہ عورتیں کھانا تیار کررہی تھیں۔ کمرے کی دیواریں دھوئیں سے کالی ہورہی تھیں۔ کھانا پکانے والے برتن بھی کالے ہوچکے تھے۔ ان عورتوں میں ایک ادھیڑ عمر تھی اور دوسری جوان عورت تھی۔ میرے خیال میں اس کی عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی۔ ان دونوں عورتوں نے اسی طرح کا لباس پہن رکھا تھا جیسا میں نے شہر والی خانقاہ میں پاتونگ کے جسم پر دیکھا تھا۔ ایک چادر لنگی کی طرح بندھی ہوئی تھی اور دوسری چادر نے جسم کا بالائی حصہ ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ دونوں بھکشو مجھے ان عورتوں کے حوالے کرکے چلے گئے۔ جوان عورت مجھے دوسرے کمرے میں لے آئی۔ یہ رہائشی کمرا تھا۔ فرش پر دری بچھی ہوئی تھی اور کچھ اور چیزیں بھی بکھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔

"تم بہت تھکے ہوئے لگتے ہو۔ یہاں آرام کرو۔ میں اپنے کام سے فارغ ہوکر آؤں گی تو تم سے باتیں کروں گی۔" اس عورت نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔

"یہ کون سی جگہ ہے۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ڈرو نہیں۔ تم دوستوں میں ہو۔" عورت نے مسکراتے ہوئے کہا "تمہیں حفاظت کے خیال سے یہاں بھیجا گیا ہے اور یہاں تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم اگر چاہو تو ادھر اُدھر گھوم پھر بھی سکتے ہو۔ ویسے میرا نام پچھی پچھی ہے۔ تم بے تکلفی سے مجھے اس نام سے پکار سکتے ہو۔ اچھا۔ اب تم بیٹھو۔ میں تھوڑی دیر میں آؤں گی۔"

پچھی پچھی مجھے کمرے میں چھوڑ کر باہر چلی گئی۔

ایک گھنٹے بعد پچھی پچھی مجھے آکر لے گئی۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ ہم پیگوڈا کی بارہ دری میں آگئے جہاں ایک بہت بڑی چادر بچھی ہوئی تھی اور تمام بھکشو ایک دائرے کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے سامنے مٹی کا ایک پیالہ اور ایک پلیٹ رکھی ہوئی تھی۔ پلیٹ ذرا گہری تھی اور مٹی ہی کی بنی ہوئی تھی۔ پیالوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔ درمیان میں چادر پر ایک پتیلا رکھا ہوا تھا جو دھوئیں سے کالا ہورہا تھا۔ پتیلے میں دلیے سے ملتی جلتی کوئی چیز بھری ہوئی تھی جس سے بھاپ اڑ رہی تھی۔

پچھی پچھی مجھے ساتھ لے کر بیٹھ گئی اور دوسری عورت بھکشوؤں کے سامنے رکھی ہوئی پلیٹوں میں دلیا ڈالنے لگی۔ میری پلیٹ بھی بھردی گئی۔

دوسرے بھکشو بڑے مزے لے لے کر دلیا کھاتے رہے اور میں اپنی پلیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ پچھی پچھی نے مجھے اشارہ کیا تو میں نے انگلی سے پہلے تو اس دلیے کو چکھا۔ وہ غالباً چاول تھے جس میں مصالحے اور کچھ اور چیزیں بھی ملی ہوئی تھیں۔ ذائقہ اچھا تھا۔ ویسے اگر بھوک لگی ہو تو ذائقے کی پروا کون کرتا ہے۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے ہر چیز انڈیل لی جاتی ہے۔ میں بھی [illegible] گیا۔

کھانے کے بعد کمرے میں آکر پچھی پچھی نے مجھے شربت [illegible] گلاس پلا دیا۔ وہ شربت اگرچہ میٹھا تھا مگر اس کا ذائقہ کچھ [illegible] تھا۔ شربت پینے کے فوراً ہی بعد مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے [illegible] میں وہیں دری پر لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد گہری نیند سو گیا تھا۔

آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا سا تھا لیکن کھلے دروازے سے باہر ہلکی سی دھوپ نظر آرہی تھی۔ سورج اپنا [illegible] کا سفر مکمل کرکے غروب ہونے کی تیاری کررہا تھا۔

مجھے اپنے آپ میں کچھ عجیب سی تبدیلی محسوس ہورہی [illegible] شربت میں شاید کوئی نشہ آور چیز تھی جس سے میں اتنی گہری [illegible] سویا تھا اور سر میں دُکھن اور بھاری پن سا محسوس ہورہا تھا۔ [illegible] نے سر پر ہاتھ رکھا تو اچھل پڑا۔ سر پر ہاتھ رکھتے ہی مجھے پتا چلا کہ میں اپنے آپ میں کیا تبدیلی محسوس کررہا تھا۔ میں نے [illegible] اُدھر دیکھا۔ دیوار پر ایک چھوٹا سا آئینہ ٹنگا ہوا تھا۔ میں نے [illegible] وہ آئینہ اتارا اور دروازے کے قریب جاکر اپنے آپ کو آئینے [illegible] دیکھنے لگا۔ آئینے پر نظر پڑتے ہی میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ [illegible] میں میرا سر اور بھویں مونڈ دی گئی تھیں۔ میں اپنی جگہ پر [illegible] حرکت کھڑا آئینے میں اپنے بدہیئت حلیے کو دیکھتا رہ گیا۔

○☆○

اب یہ بات میری سمجھ میں آگئی تھی کہ مجھے شہر سے [illegible] ویرانے میں واقع اس خانقاہ میں کیوں بھیجا گیا تھا۔ ایک وجہ [illegible] تھی کہ مجھے دشمن کی نگاہوں سے اوجھل رکھا جائے اور نمبر [illegible] مجھے یہاں مارشل آرٹ کی ٹریننگ دی جانے والی تھی تاکہ [illegible] قابل ہوسکوں کہ مجھے اپنی حفاظت کے لیے کسی دوسرے کی [illegible] ضرورت نہ پڑے اور میں اپنی قوت بازو پر بھروسا کرکے [illegible] مقابلہ کرسکوں۔

یوں تو مارشل آرٹس کے بہت سے اسٹائل ہیں۔ ہر [illegible] کسی خاص علاقے سے منسوب ہے اور ہر اسٹائل کا اپنا ایک [illegible] ہے۔ تھائی لینڈ میں کک باکسنگ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل [illegible] اور اسے قومی کھیل کا درجہ بھی حاصل ہے۔ یہاں دوسرے [illegible] کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

موئے تھائی کا اپنا ایک فلسفہ ہے۔ ایک روایت کے [illegible] اس کی ابتدا پندرھویں صدی کے اختتام یا سولھویں صدی [illegible] میں اس وقت ہوئی جب تھائی لینڈ اور برما ایک دوسرے [illegible] پیکار تھے۔ تھائی فوج کا ایک سپاہی برمی فوج کی قید میں چلا [illegible] فوجی کو بارہ برمی فوجیوں کی حفاظت میں ایک ایسی جگہ قید میں [illegible] جہاں دور دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ تھائی سپاہی نے [illegible] فرار کا منصوبہ بنایا اور وہ خالی ہاتھ بارہ مسلح برمی فوجیوں کا مقابلہ کرکے انہیں شکست دے کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

نائے کھانون ٹوم نامی وہ تھائی سپاہی وطن واپس پہنچا تو بہت جلد اس کی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی۔ اسے قومی ہیرو کا درجہ دیا گیا اور شہنشاہ نارے سوآن کے حکم سے نائے کھانون ٹوم کے دایاں ہاتھ لڑائی کے فن کو فوجی تربیت کا ایک لازمی حصہ قرار دیا گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ حربی فن پورے ملک میں پھیل گیا اور اسے باقاعدہ قومی کھیل کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

ایک تھائی میں حریف ایک دوسرے پر آزادانہ حملہ کرتے ہیں۔ ہاتھ یا پیر سے جسم کے کسی بھی حصے پر ضرب لگائی جاسکتی ہے۔ جبکہ کھیل کے دوران میں سر پر ضرب لگانا فاؤل سمجھا جاتا ہے لیکن عام لڑائی میں اس بات کی پروا نہیں کی جاتی کہ حریف کے جسم کے کس حصے پر ضرب لگتی ہے۔ پہلے یہ کھیل واقعی خالی ہاتھ کھیلا جاتا تھا لیکن اب اس میں بہت سی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ کوئی خطرناک ہتھیار اگرچہ اب بھی استعمال نہیں ہوتا لیکن اس قسم کے دستانے خاص طور پر تیار کرائے جاتے ہیں جن سے حریف کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جاسکے۔

اس خانقاہ میں آنے کے دوسرے ہی دن میری ٹریننگ شروع کردی گئی۔ مجھے صبح پانچ بجے جگا دیا گیا۔ پچھی پچھی کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ اس خانقاہ میں صرف ان بھکشوؤں کے لیے کھانا پکانے کے لیے آئی ہوئی ہے لیکن یہ انکشاف میرے لیے خاصا دلچسپ ثابت ہوا کہ وہ بھی موئے تھائی کی ماہر تھی۔ وہ صبح سویرے مجھے اٹھا کر جوگنگ کے لیے لے گئی۔

ننگے پیر پتھریلی زمین پر دوڑنا میرے لیے عذاب بن گیا تھا۔ مگر [illegible] تو کبھی ننگے پیر گھر کے فرش پر بھی نہیں چلا تھا اور یہاں مجھے پتھروں پر دوڑایا جارہا تھا۔ میں زیادہ دور تک اس کا ساتھ نہیں دے سکا اور ایک جگہ رک کر ہانپنے لگا۔ پچھی پچھی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر دوڑنے لگی لیکن اس مرتبہ بھی میں زیادہ دور تک نہیں جاسکا۔

ہم ایک ٹیلے کی دوسری طرف نکل گئے تھے۔ میرا سانس بری طرح پھول گیا تھا۔ میں ایک جگہ بیٹھ کر سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ پچھی پچھی بھی میرے قریب بیٹھ گئی اور مجھے بتانے لگی کہ کسی بھی کھیل کے لیے اسٹیمنا ضروری ہوتا ہے جوگنگ، ہمدبکس اور یوگا جیسی ایکسرسائز سے اسٹیمنا کو مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔

ہم جس جگہ بیٹھے ہوئے تھے اس سے آگے نشیب میں تاحد نگاہ دھان کی کھیت پھیلے ہوئے تھے اور فضا دھان کی مہک سے معطر ہورہی تھی۔ چند منٹ بعد پچھی پچھی نے ایک بار پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آہستہ آہستہ دوڑنے لگی۔

پچھی پچھی کے بارے میں میرا اندازہ درست نکلا۔ وہ پڑھی لکھی خاتون تھی۔ اس نے اپنے کیریر کی ابتدا درس و تدریس سے کی تھی۔ اسکول میں ٹیچر کی ملازمت شروع کرنے کے ساتھ ہی اس نے موئے تھائی کی ٹریننگ بھی شروع کردی تھی۔ پہلے اس نے ایک اور استاد سے تربیت حاصل کی اور پھر مہاراج وانگ ونگ یائے کی شاگردی میں آگئی۔ اس کا شمار وانگ ونگ کے ان چند شاگردوں میں ہوتا تھا جو اس کے بہت قریب تھے۔

وانگ ونگ یائے کا بہت شہرہ تھا۔ اسے پورے ملک میں گرینڈ ماسٹر کا درجہ حاصل تھا۔ موئے تھائی سیکھنے کا شوقین ہر کوئی اس کی شاگردی میں آنا چاہتا تھا لیکن پھر یکایک مہاراج وانگ ونگ یائے کے اطوار بدل گئے اور وہ مذہب کی طرف مائل ہوتا چلا گیا اور بالآخر وہ شہر کی ایک بڑی خانقاہ سے وابستہ ہوگیا۔ وہ خانقاہ سے بہت کم باہر نکلتا تھا لیکن شاگردوں سے اس کا رابطہ قائم تھا۔ اس نے اپنا جیم (تربیت گاہ) اپنے چہیتے شاگرد پھو پھانگ کو سونپ دیا تھا۔

مہاراج وانگ ونگ یائے خانقاہ سے وابستہ ہوا تو پچھی پچھی اسکول کی ملازمت چھوڑ کر واٹ میں آئی اور راہبہ بن گئی۔ وہ کئی سال تک خانقاہ میں آنے والے بدھا کے زائرین کی خدمت کرتی رہی۔ ڈیڑھ دو سال تک وہ دیہی علاقوں میں گھوم کر پھر کر بدھا کی تعلیمات کی تبلیغ کرتی رہی۔ ان تبلیغی دوروں کے دوران میں اسے مارشل آرٹ کی آزمائش کا موقع بھی ملا۔

تبلیغی پارٹیوں سے وابستہ بدھ بھکشو جنگلوں اور ویرانوں میں میلوں پیدل چل کر بستیوں تک پہنچتے تھے۔ کئی کئی روز تک فاقوں سے ناتا رہتا اور دوران سفر میں لٹیروں اور رہزنوں سے بھی واسطہ رہتا۔ ان تبلیغی پارٹیوں سے وابستہ بھکشوؤں کو خاص طور پر مارشل آرٹ کی تربیت دی جاتی تھی تاکہ دوران سفر میں وہ خالی ہاتھ ہوتے ہوئے بھی شیطانی قوتوں کا مقابلہ کرسکیں۔

کچھ عرصہ بعد پچھی پچھی کو ویرانے میں واقع اس خانقاہ میں بھیج دیا گیا جہاں بھکشوؤں کو موئے تھائی کی تربیت دی جاتی تھی۔ پچھی پچھی کو یہاں آئے ہوئے دو سال ہوچکے تھے۔ اور ان دو برسوں میں وہ صرف دو یا تین مرتبہ شہر گئی تھی۔ ان دو عورتوں کے علاوہ وہ چھ بھکشو تھے جو اس خانقاہ سے وابستہ تھے۔ وہ سب کے سب اپنے فن کے ماسٹر تھے اور یہی سب مل کر یہاں آنے والے بھکشوؤں کو موئے تھائی کی تربیت دیتے تھے۔ ایک ہفتہ پہلے ایک گروپ ٹریننگ مکمل کرکے گیا تھا اور آج کل یہ لوگ فارغ تھے لیکن فارغ اوقات میں بھی ان کا اپنا ٹریننگ کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور ان کے معمولات میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

میری ایروبکس، یوگا اور جوگنگ کی تربیت پچھی پچھی کے ذمے تھی جبکہ اسٹریچنگ اور ابتدائی ٹریننگ کا ذمہ سامولی نامی ایک اور بھکشو نے لے لیا تھا۔ سامولی وہی بھکشو تھا جس نے دین میں مہاراج وانگ ونگ سے بات کی تھی۔

مجھے اب خانقاہ میں رہتے ہوئے تین مہینے ہوگئے۔ میری

ٹریننگ کا سلسلہ جاری تھا۔ روزانہ شام کو یہ تمام بھکشو رنگ میں آپس میں بھی مقابلے کرتے تھے۔ وہ سب اپنے فن کے ماسٹر تھے۔ میں رنگ کے باہر بیٹھا بڑی دلچسپی سے ان کے مقابلے دیکھتا۔ بڑا مزہ آتا تھا۔

ان تین مہینوں میں روزانہ باقاعدگی سے میرا سر مونڈا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے احتجاج بھی کیا کہ میرے سر پر بال تو ہیں نہیں' استرا چلانے کا کیا فائدہ مگر سامولی نے مجھے بری طرح ڈانٹ دیا تھا کہ ان معاملات میں مجھے احتجاج کا کوئی حق نہیں ہے۔

مجھے جسم پر چادر لپیٹنا بھی آگیا تھا۔ گنجا سر' مُنڈی ہوئی بھویں اور گیرو لباس۔ میں چھوٹا سا بھکشو ہی لگتا تھا۔ اس عرصے میں' میں نے ان بھکشوؤں سے تھائی زبان کے چند الفاظ بھی سیکھ لیے تھے۔

ایک روز صبح جوگنگ کے بعد میں پھی پھی کے ساتھ ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا کہ فضا اچانک ہی فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی ہم سے چند فٹ دور ایک پتھر پر لگی۔ پتھر کی کرچیاں اڑ کر بکھر گئیں۔ ایک ٹکڑا پھی پھی کی پیشانی پر لگا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر مجھے بازو سے پکڑ کر ڈھلان میں چھلانگ لگا دی اور ہم دونوں دور تک لڑھکتے چلے گئے۔ اس دوران میں دو فائر مزید ہو چکے تھے۔

ٹریننگ کے دوران میں پھی پھی مجھے یہ بھی بتاتی رہتی تھی کہ قوت فیصلہ پر مکمل کنٹرول ہونا چاہیے۔ حریف کسی بھی لمحے کوئی بھی پینترا بدل کر وار کر سکتا ہے۔ دماغ اس قدر حاضر ہو کہ نہ صرف بروقت حملہ روکا جائے بلکہ اس دوران میں یہ بھی فیصلہ کر لیا جائے کہ جوابی کارروائی کس طرح کی جانی چاہیے اور اس وقت پھی پھی نے تو قوت فیصلہ کی ایک بہترین مثال پیش کی تھی۔ پہلا فائر ہوتے ہی اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ گولی کس طرف سے آئی تھی اور اس کے ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ اگلی گولی سے بچنے کے لیے اسے کس طرف چھلانگ لگانی چاہیے۔ اس طرح دوسری گولی چلنے سے پہلے ہی وہ مجھے ساتھ لیتی ہوئی دوسری گولی سے محفوظ ہو گئی تھی۔

ہم ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے بیس پچیس منٹ تک ڈھلان پر لڑھکتے چلے گئے۔ آگے گھنجان جھاڑیاں تھیں جنہوں نے ہمارا راستہ روک لیا تھا۔ جھاڑیاں خاصی اونچی تھیں۔ وہ مجھے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی جھاڑیوں میں گھس گئی اور سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگی۔

ڈھلان پر لڑھکنے سے میرے جسم پر کئی جگہ پتھروں سے رگڑ لگی تھی۔ بعض جگہوں سے کھال چھل گئی تھی اور خون رسنے لگا تھا۔ تکلیف برداشت کرنے کے لیے میں نے ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔ میں نے پھی پھی کی طرف دیکھا۔ اسے بھی کئی جگہ رگڑ لگی تھی اور پیشانی پر جس جگہ پتھر کا ٹکڑا لگا تھا وہاں سے خون رسنے لگا تھا۔

"فائرنگ اس طرف سے ہوئی تھی۔" وہ ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "اور وہ لوگ اس ٹیلے کے پیچھے سے ہوتے ہوئے ہماری طرف آنے کی کوشش کریں گے لہٰذا ہمیں اس طرف سے نکلنا چاہیے۔ ہمارے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ اٹھو۔ ہری اپ۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور میرا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ ہم اونچی جھاڑیوں میں دوڑنے لگے۔ کانٹے دار جھاڑیوں میں دوڑنے سے دونوں کے جسموں پر لپٹی ہوئی چادریں پھٹ گئی تھیں۔ جسم پر مزید خراشیں آ رہی تھیں مگر ہم رکے بغیر دوڑتے رہے۔

دو منٹ میں ہم ٹیلے کے ساتھ ساتھ گھومتے ہوئے کافی دور نکل گئے اور پھر اوپر چڑھنے لگے۔ اچانک ہی پھی پھی کا پیر پھسل گیا اور وہ ڈھلان پر لڑھکتی چلی گئی۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اس لیے میں بھی اس کے ساتھ لڑھکتا رہا۔ پھی پھی کے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی تھی۔

جب ہم سنبھلے تو میں نے اسے سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کی مگر اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے دایاں پیر تھام لیا تھا۔ ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے گر گئی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کے پیر میں موچ آئی تھی اور چلنا تو درکنار' وہ کھڑی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

"تم یہیں بیٹھی رہو' میں اوپر جا کر سامولی یا کسی اور کو بلا کر لاتا ہوں۔" میں نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اگر تم گولی کا نشانہ بن گئے تو....."

"میں اس طرف سے جاؤں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا اور اس سے ہاتھ چھڑا کر جھاڑیوں میں ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ ڈھلان پر چڑھتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا۔ پھی پھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ غالباً جھاڑیوں میں چھپ بیٹھ گئی تھی تاکہ اگر فائرنگ کرنے والے تلاش میں اس طرف آئیں تو وہ کسی کی نظروں میں نہ آ سکے۔

میں گھاٹی پر دوڑ رہا تھا۔ اسی دوران میں فائرنگ کی آواز سنائی دینے لگیں۔ فائرنگ دو طرفہ تھی جس کا مطلب تھا کہ اب پارٹیوں میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ دوسری پارٹی کون ہو سکتی ہے کیونکہ خانقاہ میں رہنے والے بھکشوؤں کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔ ان تین مہینوں کے دوران میں میں نے سوئے کاٹنے والی چھری کے سوا یہاں کوئی ہتھیار نہیں دیکھا تھا۔

میں جب ٹیلے پر پہنچا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ خانقاہ وہاں سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھی اور دو بھکشو آٹومیٹک رائفلیں اٹھائے فائرنگ کرتے ہوئے اس طرف دوڑے جا رہے تھے۔ ان سے پہلے ہم پر فائرنگ ہوئی تھی۔ دوسری طرف سے بھی فائرنگ ہو رہی تھی۔

مجھے اس وقت کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ تین مہینے کی ٹریننگ کا نتیجہ تھا کہ میں کسی قدر نڈر ہو گیا تھا۔ میں بھکشو کو متوجہ کرنے کے لیے چیختا ہوا دوڑتا رہا اور پھر میں

سامولی کو ایک آڑ سے نکلتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل تھی۔ میری آواز سن کر وہ مڑا اور پھر میری طرف دوڑنے لگا۔ دوسرے ٹیلے سے بے تحاشا گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ وہ مجھے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایک پتھر کی آڑ میں لے گیا۔

"پھی پھی کہاں ہے؟" اس نے چیخ کر مگر رک رک کر پوچھا کہ پھی پھی کہاں ہے؟

میں نے گھاٹی کی طرف اشارہ کر دیا اور رک رک کر تھائی زبان کے الفاظ میں اسے بتانے لگا کہ پھی پھی کے پیر میں چوٹ لگی ہے اور وہ چل نہیں سکتی۔ سامولی نے آواز دے کر ایک اور بھکشو کو بلا لیا۔ چیخ کر اس سے کچھ کہا اور مجھے اس کے حوالے کر کے گھاٹی کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ دوسرا بھکشو مجھے ہاتھ سے پکڑے پتھروں کی آڑ میں خانقاہ کی طرف چلنے لگا۔ اس کے سیدھے ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل تھی اور اس کی نظریں سرچ لائٹ کی طرح چاروں طرف گردش کر رہی تھیں۔

وہ مجھے خانقاہ کی بارہ دری میں لے آیا اور پھر ہم دوڑتے ہوئے ہال میں پہنچ گئے۔ وہاں بھی کھڑکی کے قریب ایک بھکشو آٹومیٹک رائفل لیے کھڑا تھا۔ پہلا بھکشو مجھے کھینچتا ہوا ہال کے ایک کونے میں لے گیا جہاں فرش پر چار مربع فٹ کا ایک خلا نظر آ رہا تھا۔ اندر سیڑھیاں تھیں۔ ہم تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے تہ خانے میں آ گئے جہاں سوانا بھالے نام کی دوسری ادھیڑ عمر عورت موجود تھی۔ مجھے سوانا کے سپرد کر کے وہ بھکشو دوبارہ سیڑھیوں کی طرف بھاگ گیا۔

سوانا نے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور پھی پھی کے بارے میں پوچھنے لگی۔ میں نے اسے بتا دیا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

میرے جسم پر جگہ جگہ خراشوں سے خون رس رہا تھا مگر میں اپنی تکلیف بھول کر حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ خانقاہ کے نیچے اس وسیع و عریض تہ خانے کی موجودگی میرے لیے ایک حیرت انگیز انکشاف تھا۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ مشعل جل رہی تھی اور اِدھر اُدھر کچھ ایسی چیزیں پڑی تھیں جنہیں دیکھ دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ تہ خانے کے آخری سرے پر لکڑی کا ایک بھاری دروازہ تھا جو بند تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد سامولی سیڑھیوں پر نمودار ہوا۔ اس نے کندھے پر پھی پھی کو لاد رکھا تھا۔ اندر آ کر اس نے پھی پھی کو فرش پر لٹا دیا اور سوانا سے کچھ کہتا ہوا باہر چلا گیا۔ سوانا' پھی پھی کے چہرے پر جھک گئی اور اس کے پیر کو ٹٹول کر دیکھنے لگی۔ پھی پھی کے چہرے پر کرب کے تاثرات ابھر آئے۔

باہر سے فائرنگ کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں پھر دس منٹ بعد سامولی ایک اور بھکشو کے ساتھ اندر آ گیا۔ اس نے مجھے اور پھی پھی کو بغور دیکھا اور دوسرے بھکشو کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنے لگا۔ وہ بھکشو تہ خانے سے باہر چلا گیا اور دس منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کریم کی دو شیشیاں تھیں۔ اس نے دونوں شیشیاں فرش پر رکھ دیں۔

سامولی نے ایک شیشی اٹھا کر دیکھی پھر اسے رکھ کر دوسری اٹھالی اور اس میں سے گلابی رنگ کی کریم انگلی سے نکال کر پھی پھی کے پیر پر ملنے لگا۔ پھی پھی کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اس طرح مالش کرنے سے بھی اسے تکلیف ہو رہی تھی اور پھر سامولی نے اس کے پیر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔ پھی پھی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ سامولی بڑبڑاتے ہوئے پیر کی مالش کرتا رہا اور پھر اس کے پیر پر کپڑا لپیٹ دیا۔ پھی پھی بتدریج پُرسکون ہوتی چلی گئی۔

اس دوران میں سوانا کریم کی دوسری شیشی اٹھا کر میری طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ میرے جسم پر لاتعداد خراشیں تھیں۔ کئی جگہوں سے کھال چھل گئی تھی۔ شدید جلن ہو رہی تھی لیکن میں اپنی تکلیف ضبط کیے بیٹھا تھا۔ سوانا میرے جسم کے متاثرہ حصوں پر کریم مل رہی تھی۔ جس جگہ کریم لگتی وہاں عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہونے لگتا اور پھر میں بھی پُرسکون ہوتا چلا گیا۔ میرے جسم پر جلن اور درد حیرت انگیز طور پر غائب ہو گیا تھا۔ سوانا اب وہی کریم پھی پھی کے جسم کی خراشوں پر لگانے لگی تھی۔

سامولی وہاں سے اٹھ کر کمرے کے ایک کونے میں چلا گیا تھا جہاں ایک چھوٹی میز پر ریڈیو کی شکل سے ملتا جلتا ایک بکس رکھا ہوا تھا۔ وہ میز کے سامنے فرش پر بیٹھ گیا۔ اس نے پہلے اس بکس میں سے انٹینا کھینچ کر باہر نکالا اور پھر بکس پر لگے ہوئے مختلف ڈائلز کو حرکت دینے لگا۔

وہ ٹرانسمٹر تھا۔ سامولی کسی سے رابطہ کر رہا تھا پھر وہ تقریباً دس منٹ تک ٹرانسمٹر پر کسی سے باتیں کرتا رہا اور بالآخر ٹرانسمٹر بند کر کے ہمارے پاس آ گیا۔ سوانا اور پھی پھی سے چند جملوں کا تبادلہ کرنے کے بعد وہ میری طرف دیکھتا ہوا تہ خانے سے باہر نکل گیا۔ دوسرا بھکشو بھی اسی کے ساتھ ہی تھا۔

میں پھی پھی کے قریب ہی فرش پر دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا لباس بھی میری طرح جھاڑیوں میں الجھ کر پھٹ گیا تھا اور سامنے سے اس کا جسم دو تین جگہوں سے برہنہ ہو رہا تھا۔ پھی پھی نے میری طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"کیا یہ سب کچھ بھی بدھ کی تعلیمات میں شامل ہے؟" میں نے تہ خانے میں پڑی ہوئی رائفلوں اور دوسری چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بدھ نے امن و آشتی اور بھائی چارے کا درس دیا ہے۔" پھی پھی نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا "تحمل' صبر اور

برداشت بھی بدھ کی تعلیمات میں شامل ہیں لیکن یہ بالکل نہیں کہا کہ اپنے آپ کو ظالم کے سامنے ذبح ہونے کے لیے پیش کردو۔ اپنے دفاع کا حق تو دنیا کے ہر مذہب نے دیا ہے۔ جب پانی سر سے گزر جائے تو قوت برداشت بھی جواب دے جاتی ہے۔ صبر کا دامن چھوٹ جاتا ہے اور پھر اپنے آپ کو بچانے اور انسانیت کو شیطانی قوتوں سے بچانے کے لیے ہاتھوں اور پیروں کو حرکت دینی پڑتی ہے۔ یہ ہتھیار ایک طرف انسانیت کی تباہی کا باعث بنتے ہیں تو دوسری طرف تحفظ کا موقع بھی فراہم کرتے ہیں۔ اگر ہمارے پاس اپنے تحفظ کے لیے ہتھیار نہ ہوتے تو وہ لوگ ہم سب کو گولیوں سے بھون دیتے۔"

"وہ کون لوگ تھے؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں اندازہ ہونا چاہیے۔" پھی پھی نے جواب دیا "ہم سے کوئی دشمنی ہوتی تو خانقاہ پر حملہ کیا جاتا لیکن پہلی گولی وہاں چلائی گئی تھی جہاں تم میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔"

میں کانپ کر رہ گیا۔ اس خانقاہ میں رہتے ہوئے میں اپنے دشمنوں کو تو بھول ہی گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کاک میں میری تلاش میں ناکام ہو کر وہ لوگ میرا خیال ذہن سے نکال کر واپس چلے گئے ہوں گے۔ ان کے تصور کے بغیر یہ دن کتنے سکون سے گزرے تھے لیکن شاید میری قسمت میں سکون نہیں لکھا تھا اور انہوں نے بالآخر مجھے ڈھونڈ...نکالا تھا۔ پھی پھی کا کہنا درست تھا۔ یہ حملہ میرے اوپر ہی کیا گیا تھا۔ ان کی چلائی ہوئی پہلی گولی مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر لگی تھی اور دوسری گولی چلنے سے پہلے ہی پھی پھی نے مجھے دھکا دے کر وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو یقیناً وہ مجھے گولیوں سے بھون دیتے۔ بہرحال، کھیل دوبارہ شروع ہو چکا تھا۔

اس صورت حال سے مجھے ایک اندازہ یہ بھی ہوا کہ حملہ کرنے سے پہلے وہ لوگ یا ان کا کوئی آدمی میری نگرانی کرتا رہا تھا۔ میرے معمولات کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ مجھ پر حملہ کرنے کا بہترین وقت وہ ہوگا جب ہم صبح سویرے جوگنگ کے بعد اس جگہ بیٹھ کر کچھ دیر آرام کیا کرتے تھے لیکن خوش بختی ایک بار پھر میری ڈھال بن گئی تھی۔

"سامولی اس ریڈیو پر کس سے بات کر رہا تھا؟" میں نے میز پر رکھے ہوئے بکس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ماسٹر پھوپھانگ سے۔" پھی پھی نے جواب دیا "ہمارا ہیڈ کوارٹر بنکاک میں ہے اور ماسٹر پھو اس کا انچارج ہے۔ اسے صورت حال سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ ہیڈ کوارٹر سے کچھ آدمی یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

ہم میں یہ گفتگو جاری تھی کہ سامولی بیت خانے میں آگیا۔ وہ پہلے سوانا اور پھر پھی پھی سے کچھ باتیں کرتا رہا پھر اس نے جھک کر پھی پھی کو گود میں اٹھالیا اور بیت خانے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ سوانا اور میں بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔ اوپر والی منزل میں کھڑکی کے قریب ایک بدھ بھکشو اب بھی رائفل تھامے کھڑا تھا۔ اس کھڑکی سے نیلوں کی طرف دور دور کا علاقہ نظر آتا تھا۔ ایک بھکشو رہائشی کوارٹرز کے قریب ایک جگہ پوزیشن لیے ہوئے تھا اور تین بھکشو حملہ آوروں کی تلاش میں نیلوں کی طرف گئے ہوئے تھے۔

پھی پھی کو کمرے میں دری پر لٹا دیا گیا اور سامولی اسے ہدایات دیتا ہوا باہر چلا گیا۔ میرے اندازے کے مطابق اس وقت صبح کے آٹھ بجے ہوں گے۔ ہم لوگ سات بجے ناشتا کرتے تھے لیکن آج اس گڑبڑ کی وجہ سے دیر ہو گئی تھی۔ سوانا ناشتا تیار کرنے کے لیے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ ناشتا 'دوپہر کا کھانا' چاول ہی استعمال ہوتے تھے۔ البتہ ہر مرتبہ ذائقہ مختلف ہوتا تھا۔

دس بجے کے قریب دو گاڑیاں وہاں پہنچ گئیں۔ ایک پک اپ تھی جس سے تین آدمی اترے تھے اور دوسری پک اپ کے پچھلے حصے میں بینچوں کی طرح آمنے سامنے سیٹیں لگی ہوئی تھیں۔ اس پک اپ میں چھ آدمی تھے۔ وہ سب نیچے اترے۔ ان میں کوئی بھی بھکشوؤں جیسے لباس میں نہیں تھا۔ کسی نے جینز شرٹ پہنی ہوئی تھی، کسی نے صرف نیکر۔ سب کے بال بے بڑھے ہوئے تھے۔ ان حلیوں میں وہ چھٹے ہوئے بدمعاش لگتے تھے۔ وہ سب مسلح تھے۔ کسی کے پاس رائفل تھی کسی کے پستول اور کسی کے پاس ریوالور۔

میں خانقاہ کی بارہ دری میں کھڑا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ سامولی اور دو بھکشو ان کے استقبال کے لیے وہاں پہنچ گئے تھے۔ سامولی بند ویگن سے اترنے والے ایک دراز قامت آدمی کو گلے لگا رہا تھا۔ اس شخص نے نیلی جینز اور ڈینم کی اوپن شرٹ پہن رکھی تھی جس کے بٹن سامنے سے کھلے ہوئے تھے۔ اس کے بال اگرچہ لمبے تھے لیکن پیچھے کی طرف سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ باریک مونچھیں تھیں اور ٹھوڑی پر چند بال تھے۔ وہی ایک تھا۔ جوان سب میں معقول دکھائی دے رہا تھا۔

وہ لوگ خانقاہ کی طرف آنے لگے تو میں دوڑتا ہوا بارہ دری والے کمرے میں پہنچ گیا اور اسے ان لوگوں کے بارے میں بتانے لگا۔ میں نے دراز قامت اور نسبتاً معقول حلیے والے آدمی کے بارے میں بتایا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"وہ ماسٹر پھوپھانگ ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "مہاراج وانگ ونگ یائے کا نائب اور سب سے زیادہ قابل آدمی۔ وہ ہیڈ کوارٹر کا انچارج ہے۔"

پھی پھی نے پہلے بھی پھوپھانگ کے بارے میں بتایا تھا۔ اب مجھے یاد آگیا کہ جب میں اور پرتاب سنگھ 'اتم سنگھ' کے ساتھ ملاقات کرنے گئے تھے تو اس نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ اگر مہاراج سے ملاقات سے پہلے اس کے نائب پھوپھانگ سے ملا جائے لیکن پھوپھانگ ان دنوں چیانگ مائی گیا ہوا تھا اور اس سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔

چند منٹ بعد باہر سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں دروازے کی طرف دیکھنے لگا اور پھر ماسٹر پھو اور سامولی اندر داخل ہوئے۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر ان دونوں کو بو کیا۔ تھائی' جاپانی اور چینی باشندے جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو تعظیماً جھک جاتے ہیں۔ مارشل آرٹ میں تو اسے ایک بنیادی اصول کی حیثیت حاصل ہے۔ کھلاڑی جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو بو BOW کرتے ہیں۔

ماسٹر پھو ایک بارعب شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے میرا کندھا تھپتھپایا اور پھر پھی پھی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ماسٹر پھو نے کچھ کہا اور وہ دوبارہ لیٹ گئی۔ ماسٹر پھو اس سے باتیں کرتا رہا اور میں دونوں ہاتھ باندھے احتراماً ایک طرف کھڑا رہا۔ ایک بھکشو اور ماسٹر پھو کے ساتھ آئے ہوئے دو آدمی باہر کھڑے تھے۔ تقریباً تیس منٹ بعد ماسٹر پھو باہر نکل گیا۔ باہر کھڑے ہوئے بھکشو نے اندر آکر پھی پھی کو گود میں اٹھالیا اور کمرے سے باہر آگیا۔ پھی پھی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ میں بھی ساتھ چلوں۔ ہم لوگ شہر جا رہے ہیں۔

پھی پھی کو بند ویگن کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا اور میں بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ماسٹر پھو اور ایک اور آدمی ویگن میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور پہلے سے موجود تھا۔

ہماری وین کے پیچھے وہ پک اپ بھی تھی اور اس میں صرف تین آدمی تھے۔ باقی تین آدمیوں کو اس خانقاہ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ وین پتھریلے راستے پر چلتی ہوئی سڑک پر آگئی اور تیز رفتاری سے ایک طرف دوڑنے لگی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم شہر میں داخل ہو گئے۔ وین مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی واٹ ٹریمٹ سے ذرا آگے چائنا ٹاؤن کی طرف گھوم گئی اور ایک تنگ سی گلی میں مڑ کر رک گئی۔ پک اپ بھی چند گز پیچھے رک چکی تھی۔

وہ تنگ سی گلی تھی جس مکان کے سامنے وین رکی تھی۔ اس کا دروازہ گلی کے دوسرے مکانوں کی نسبت زیادہ کشادہ تھا۔ دروازے کے اوپر ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر تھائی اور انگریزی میں مہاراج وانگ ونگ یائے جمنازیم اینڈ موئے تھائی اسٹیڈیم لکھا ہوا تھا۔ اس کے نیچے انٹرنیشنل ہیڈ کوارٹر کے الفاظ بھی لکھے ہوئے تھے۔

ماسٹر پھو وین سے اتر گیا۔ وین رکتے ہی دو آدمی جمنازیم کے دروازے سے باہر آگئے تھے۔ ماسٹر پھو نے ان سے کچھ کہا اور وہ کرپھی پھی کو گود میں اٹھائے ہوئے وین کے قریب آگئے۔ ان میں سے ایک نے جھک کر پھی پھی کو گود میں اٹھالیا اور دوسرے نے میرا بازو پکڑ کر نیچے اتار لیا۔

باہر سے مختصر نظر آنے والا یہ مکان اندر سے بہت وسیع و عریض تھا۔ اس کا ایک حصہ جمنازیم پر مشتمل تھا اور دوسرا اسٹیڈیم پر۔ جمنازیم کے پچھلی طرف رہائشی کمرے تھے۔ اسٹیڈیم میں دائرے کی شکل میں سیڑھیوں کی طرح سیٹیں بنی ہوئی تھیں جہاں تقریباً دو ہزار افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ درمیان میں لکڑی کے تختوں کا چبوترا تھا جس کے چاروں طرف موٹے موٹے رسے تنے ہوئے تھے۔ یہ رنگ تھا جہاں مقابلے ہوتے تھے۔

ہمیں جمنازیم کے پچھلی طرف ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ ایک لکڑی کا تخت تھا جس پر موٹی سی دری بچھی ہوئی تھی۔ دو کرسیاں اور ایک چھوٹی میز تھی۔ پھی پھی کو اس تخت پر لٹا دیا گیا اور میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہمارے ساتھ آنے والے دونوں آدمی کچھ کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔

تقریباً دو گھنٹوں بعد ماسٹر پھو ہمارے کمرے میں آگیا۔ وہ دیر تک پھی پھی سے باتیں کرتا رہا۔ ان کی گفتگو میں کئی مرتبہ میرا نام بھی آیا تھا۔ میں ان کی ساری باتیں تو نہیں سمجھ سکا لیکن مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ میرے ہی بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ماسٹر پھو کے جانے کے بعد پھی پھی نے مجھے بتا بھی دیا کہ وہ میری اب تک کی ٹریننگ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

یہ رہائشی کمرے جمنازیم کے پچھلی طرف تھے۔ کئی کمرے تھے اور یہاں کچھ اور لوگ بھی رہائش پذیر تھے۔ ان کمروں کے آگے وسیع صحن تھا اور اس کے بعد عقبی دیوار خاصی اونچی تھی۔ عقبی گلی میں آمدورفت کے لیے دروازہ بھی تھا جو ہمارے آنے کے بعد لاک کر دیا گیا تھا۔

یہاں دو تین دن ہمیں ریسٹ کا موقع دیا گیا۔ اس دوران میں میرے جسم کی خراشوں پر باقاعدگی سے دوا لگائی جاتی رہی اور پھی پھی کے ٹخنے کی مالش بھی ہوتی رہی۔ تین چار دن بعد میں تو ٹھیک ہو گیا لیکن پھی پھی ابھی چلنے کے قابل نہیں ہو سکی تھی۔ وہ اس پیر پر دباؤ ڈال کر کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔

یہاں آنے کے بعد میرا لباس بدل دیا گیا جس کی مجھے سب سے زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ میری ناک سے نکلنے والا کالا دھاگا تو شروع ہی سے نکال دیا گیا تھا۔ البتہ ایک کان میں سونے کی بالی میں نے خود ہی رہنے دی تھی۔ وہ بالی مجھے اچھی لگتی تھی اور ویسے بھی میں اس بالی کو چاچا پرتاب سنگھ کی یادگار کے طور پر اپنے کان میں رکھنا چاہتا تھا۔

ایک ہفتے بعد میری ٹریننگ کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ اس مرتبہ مجھے ہوچن نامی ایک ماسٹر کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ وہ چینی النسل تھا اور ماسٹر پھو کا معتمد خاص سمجھا جاتا تھا۔ یوں وہ بہت حلیم، ہمدرد اور ہنس مکھ آدمی تھا لیکن ٹریننگ کے دوران میں وہ بالکل ایک مختلف آدمی نظر آتا تھا۔ چہرے پر کرختگی اور لہجے میں

رد مہری۔ جمنازیم میں آنے والے سبھی لوگ اس سے خائف رہتے تھے۔ میرے ساتھ بھی اس کا رویہ دوسروں سے مختلف نہیں تھا لیکن ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ مجھ پر اس کی خاص توجہ تھی۔ ٹریننگ سیشن ختم ہونے کے بعد بھی وہ مجھے پکڑ لیتا اور میری تربیت کا سلسلہ دیر تک جاری رہتا۔

جمنازیم میں شام چھ بجے سے رات دس بجے تک بڑا ہجوم رہتا۔ لگتا تھا جیسے شہر کے سارے نوجوان یہیں پر تربیت حاصل کرنا چاہتے ہوں اور یہ شاید مہاراج وانگ ونگ یائے کے نام کا اثر تھا۔ یہ شہر کا سب سے بڑا جمنازیم تھا۔ سیکڑوں ایسی مشینیں تھیں جن پر مختلف قسم کی ایکسرسائز کی جاتی تھیں اور نوجوانوں کو اپنی باری کے لیے دیر تک انتظار کرنا پڑتا تھا۔

ماسٹر ہوچن جمنازیم بند ہونے کے بعد مجھے پکڑ کر لے آتا اور کم سے کم ایک گھنٹے تک پنچنگ اور ککنگ کی پریکٹس کرواتا۔ ہوا میں معلق وزنی بیگ پر پنچنگ کرتے کرتے میرا جسم پسینے میں شرابور ہو جاتا۔ بازو شل ہو جاتے اور قدم لڑکھڑانے لگتے۔

پنچنگ کی ٹریننگ کا سلسلہ قدرے مختلف اور بڑا کٹھن تھا۔ بیگ پر تین مختلف جگہوں پر دائرے بنے ہوئے تھے۔ مجھے ان دائروں پر پنچ مارنے تھے اور اپنی جگہ سے ہلنا بھی نہیں تھا۔ فرش پر بھی نشان لگے ہوئے تھے اور مجھے اپنے پیران نشانات کی حدود میں ہی رکھنے تھے۔ میں مُکا مارتا کہیں تھا اور لگتا کہیں تھا اور اپنی جگہ سے بھی ہل جاتا تھا۔ میری پنچنگ کی یہ پریکٹس دراصل ایکوریٹ نشانے کے لیے ہی ہو رہی تھی۔

اس ٹریننگ میں' میں بری طرح تھک جاتا تھا اور جب میں سونے کے لیے لیٹتا تو فوراً ہی آنکھیں بند ہو جاتیں۔ صبح پانچ بجے پھر جگا دیا جاتا۔

پھی پھی بھی ٹھیک ہو گئی تھی اور اس نے بھی کام شروع کر دیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ ماسٹر پھو کے آدمی ان لوگوں کو تلاش کر رہے ہیں جنھوں نے ویرانے والی خانقاہ پر ہم پر حملہ کیا تھا' لیکن ابھی تک ان کا کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ یہ تو بہرحال طے شدہ بات تھی کہ وہ حملہ مجھے ختم کرنے کے لیے کیا گیا تھا اور مہاراج وانگ ونگ یائے بہت ناراض تھا کہ وہ لوگ اب تک پکڑے کیوں نہیں گئے تھے۔

ویسے تو مجھے کوئی بھی لباس پہننے کی اجازت تھی لیکن ٹریننگ کے دوران میں نیکر پہنتا تھا اور جسم کے بالائی حصے پر کوئی کپڑا نہیں ہوتا تھا حالانکہ مجھے بنیان پہننے کی اجازت بھی نہیں ہوتی تھی۔ میرے سر پر اب بھی روزانہ باقاعدگی سے اُسترا پھیرا جاتا تھا اور بھویں بھی ہر چند روز بعد صاف کر دی جاتی تھیں۔ ٹریننگ میں شامل میرے ہم عمر لڑکے بھی گنجے ہی تھے۔ یہ تو مجھے بعد میں بتایا گیا کہ ان گنجے لڑکوں کا تعلق کسی نہ کسی خانقاہ سے تھا جنھیں موئے تھائی کی ٹریننگ کے لیے یہاں بھیجا جاتا تھا۔

ایک رات کھانے کے بعد میں ٹہلتا ہوا اسٹیڈیم والے حصے کی طرف نکل گیا۔ اسٹیڈیم میں کسی طرف صرف ایک بتی جل رہی تھی۔ روشنی صرف اس حصے میں تھی جبکہ باقی اسٹیڈیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس اسٹیڈیم میں آمدورفت کے لیے تین گیٹ تھے۔ کوئی بھی گیٹ سات آٹھ فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ ہر گیٹ کے اندر دائیں بائیں چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ ڈریسنگ روم کہلاتے تھے۔

میں ایک گیٹ میں داخل ہو کر اسٹیڈیم کے وسط میں بنے ہوئے لکڑی کے تختوں کے چبوترے پر پہنچ گیا۔ چبوترا تین فٹ اونچا تھا اور اس کے چاروں کناروں پر لکڑی کے پول تھے جن کے درمیان موٹے موٹے رسے بندھے ہوئے تھے۔ میں اس رنگ اور اسٹیڈیم کی سیٹوں کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ایک دن میں بھی یہاں کسی حریف سے مقابلہ کروں گا۔ ٹریننگ حاصل کرتے ہوئے میرے دل میں بھی خواہش مچلتی تھی کہ میں موئے تھائی کا باکسر بنوں۔

میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ سامنے والے گیٹ کے اندر کی طرف ایک سائے کو متحرک دیکھ کر چونک گیا۔ اس طرف تاریکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کارکنوں میں سے کوئی ہو گا لیکن بعد میں مجھے اپنا یہ خیال بدلنا پڑا۔ وہ یہاں کا آدمی ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ میں نے جیسے ہی اس طرف ... دیکھا وہ تاریکی میں چھپ گیا تھا۔

میں دل میں ہلکا سا خوف محسوس کرنے لگا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی یہ خیال ابھر آیا کہ وہ دارا یا کم کا کوئی آدمی ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ اب بھی میری تاک میں ہوں گے اور موقع ملتے ہی حملہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

میں جس طرف جانا چاہتا تھا اس طرف بھی ایک گیٹ تھا لیکن میں ابھی چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ وہ آدمی تاریکی سے نکل کر سامنے آ گیا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اس وقت اسٹیڈیم میں صرف ایک ہی بتی جل رہی تھی اور اس کی بہت مدھم روشنی یہاں تک پہنچ رہی تھی۔ وہ شخص اب رنگ کے دوسری طرف پہنچ گیا تھا۔ مدھم سی روشنی میں اس کے سفید دانت چمک رہے تھے اور چہرہ بڑا خوف ناک لگ رہا تھا۔ وہ رنگ کے دوسری طرف گھومتا ہوا میری طرف آ رہا تھا اور میں اپنے آپ کو اس سے دور رکھنے کے لیے رنگ کے ساتھ گھوم رہا تھا۔

اس نے مسلسل میری طرف بڑھتے ہوئے ایک جملہ کہا تو میں کانپ اٹھا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہاں سے مجھے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اس کی بات کسی حد تک درست تھی۔ اگر میں چلا چلا کر چیخنا بھی شروع کر دیتا تو شاید میری آواز اسٹیڈیم کے باہر کی کانوں تک نہ پہنچ سکتی۔ ویسے میں اس شخص کی ہمت پر داد دیے بغیر بھی نہیں رہ سکا تھا۔ مہاراج وانگ ونگ یائے کا یہ جمنازیم بہت

کی پجارن تھا اور وہ شخص اس کچھار میں گھس آیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ کسی طرح چھپ کر اندر رہ گیا ہو لیکن اس کا یہاں سے بچ نکلنا آسان نہیں ہو گا۔

اس شخص نے کالے رنگ کی پتلون اور سفید ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اور اس سفید ٹی شرٹ کی وجہ سے ہی وہ میری نظروں میں آیا تھا۔ وہ اچانک ہی دوڑ کر دوسری طرف آ گیا۔ اب چبوترے کے اور میرے درمیان رسے حائل تھے۔ اس کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ اس نے چاقو کے ایک سرے پر وہ تھاما اور دوسرے پر میں۔ اس کے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر میں کانپ اٹھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں چیختے ہوئے تماشائیوں کی نشستوں والی سیڑھیوں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ تماشائیوں کی نشستیں لکڑی کے تختوں کی تھیں۔ میرے دوڑنے سے دھب دھب کی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ وہ شخص بھی چیختا ہوا میرے پیچھے دوڑا۔ میں سیڑھیوں پر دوڑتے ہوئے حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا کہ شاید کوئی تو میری آواز سن سکے۔

آخری سیڑھی پر پہنچ کر میں نے دوسری طرف جھانکا۔ اس طرف تقریباً پچاس فٹ نیچے اسٹیڈیم کے پچھلی طرف والی گلی تھی اور اتفاق سے اس وقت گلی سنسان پڑی تھی لیکن میں چیختا رہا کہ شاید کوئی میری آواز سن لے۔

وہ شخص مجھ سے پانچ چھ سیڑھیاں نیچے رک گیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے دانت کچلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایک ایک سیڑھی کر کے اوپر آتا رہا۔ میں نے چند لمحے اس کی طرف دیکھا اور پھر بیرونی منڈیر کے ساتھ ساتھ اس تختے پر بھاگنے لگا۔ بیرونی منڈیر تین فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی اور مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ میں کہیں باہر کی طرف نہ گر جاؤں۔

وہ شخص مجھ سے تین سیڑھیاں نیچے میرے متوازی دوڑ رہا تھا اور پھر مجھ سے ذرا آگے نکل کر وہ بھی اوپر آ گیا۔ میں نے رک کر ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا اور پھر دوڑتا ہوا سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ شخص بھی میرے پیچھے تھا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے سر پر پہنچ چکا ہے تو میں اچانک ہی نیچے بیٹھ گیا اور وہ شخص جیسے ہی قریب پہنچا' میں نے بڑی پھرتی سے ایک ٹانگ آگے پھیلا دی۔ وہ شخص میری ٹانگ میں الجھا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اور سیڑھیوں پر لڑھکتا چلا گیا۔

میں موقع پا کر دوسری طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ شخص کئی سیڑھیاں نیچے جا کر سنبھلا تھا لیکن اسے غالباً اچھی خاصی چوٹیں لگی تھیں اور اب چاقو بھی اس کے ہاتھ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ سیڑھیوں پر اس گیٹ کی طرف دوڑتا چلا گیا جہاں سے میں اندر داخل ہوا تھا اور اب وہ شخص میرا راستہ کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ میں اس سے پہلے وہاں پہنچ گیا اور گیٹ کھول کر باہر نکل آیا۔

باہر آتے ہی مجھے پتا چل گیا کہ اس شخص میں اتنی ہمت کیسے پیدا ہوئی تھی کہ وہ اکیلا شیروں کی کچھار میں گھس آیا تھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے نصف درجن ساتھی اور تھے اور یہاں معرکہ گرم تھا۔ مجھے اپنے آدمیوں میں ماسٹر ہوچن بھی نظر آ گیا جو ایک حریف سے بھڑا ہوا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنے حریف کے سر پر زوردار کک لگائی۔ وہ شخص الٹ کر گرا۔ اس کا سر دیوار سے ٹکرایا اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

ماسٹر ہوچن نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ میری طرف دوڑا اور میرا ہاتھ پکڑ کر جمنازیم والے حصے کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ مجھے ایک کمرے میں بند کر کے وہ واپس دوڑ گیا اور پھر میرے کمرے کا دروازہ تقریباً ایک گھنٹے بعد کھلا تھا۔ جمنازیم میں پولیس بھری ہوئی تھی۔ حملہ آوروں میں سے ایک آدمی مارا گیا تھا۔ اس کی گردن ٹوٹ گئی تھی اور ایک زخمی حالت میں پکڑا گیا تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے مجھے اسٹیڈیم میں گھیرنے کی کوشش کی تھی۔

جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا' اس وقت ماسٹر پھو جمنازیم میں موجود نہیں تھا۔ سارا معاملہ ماسٹر ہوچن نے سنبھالا تھا۔ پولیس اپنی کارروائی میں مصروف تھی اور ماسٹر ہوچن اس زخمی کو ایک کمرے میں لے گیا تھا اس کے ساتھ دو شاگرد اور بھی تھے لیکن ان میں سے کسی کو ہاتھ پیر ہلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ زخمی خود ہی فر فر بولنے لگا تھا۔

اس کا نام پھوکیٹ تھا اور وہ بازار کا تھرڈ ریٹ غنڈا تھا اور بلیک ٹائیگر نامی ایک بڑے غنڈے کے لیے کام کرتا تھا۔ بلیک ٹائیگر نے اس کی خدمات صرف دو روز پہلے حاصل کی تھیں اور دس ہزار بھات پر معاملہ طے ہوا تھا۔ اس کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے۔ وہ لوگ باقاعدہ منصوبہ بنا کر یہاں آئے تھے۔ ان کی پلاننگ یہ تھی کہ مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکیں تو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ وہ لوگ دو دن سے جمنازیم میں آ رہے تھے اور آج انہیں موقع مل گیا تھا۔ ان سب کے پاس چاقو اور خنجر وغیرہ تھے۔ پروگرام یہ تھا کہ پھوکیٹ مجھے گھیرنے کی کوشش کرے گا اور اگر کسی نے مداخلت کی تو اس کے ساتھی مزاحمت کریں گے۔ اتفاق سے میں گھومتا ہوا اسٹیڈیم میں آ گیا تھا اور پھوکیٹ میرے پیچھے لگ گیا تھا جبکہ اس کے ساتھی اسٹیڈیم کے باہر جمنازیم کے دوسرے حصوں میں موجود تھے۔

اس وقت میرا خیال تھا کہ میری چیخوں کی آواز کوئی نہیں سنے گا لیکن اسٹیڈیم کے باہر میری چیخیں سن لی گئی تھیں۔ ماسٹر ہوچن فوراً ہی حرکت میں آ گیا تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ میں کہاں پر ہوں۔ دو تین آدمی اِدھر اُدھر دوڑا دیے تھے اور پھر پھوکیٹ کے آدمیوں سے تصادم ہو گیا تھا۔ پھوکیٹ اور اس کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ وہ لوگ مجھے وہاں سے لے جانے یا موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر میں نہ چیختا تو شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے لیکن میری چیخوں نے بازی پلٹ دی تھی۔

پولیس نے پھوکیٹ کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ وہ مجھے بھی

اپنے ساتھ پولیس اسٹیشن لے جانا چاہتے تھے لیکن ماسٹر ہوچن اڑ گیا تھا کہ مہاراج کی اجازت کے بغیر وہ مجھے لے جانے کی اجازت نہیں دے گا اور مہاراج وانگ ونگ یائے سے الجھنا پولیس کے چھوٹے افسروں کے بس کی بات نہیں تھی۔

بہرحال یہ بات مہاراج وانگ ونگ یائے تک پہنچ گئی تھی کہ مجھے جمنازیم سے اغوا یا قتل کی کوشش کی گئی تھی۔ پہلے شہر سے باہر واقع خانقاہ پر حملہ کیا گیا تھا اور اب جمنازیم میں گھس کر کوئی کارروائی کرنا گویا اس کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ بہرحال پتا چل گیا تھا کہ ان حملہ آوروں کی پشت پر بلیک ٹائیگر تھا۔ بلیک ٹائیگر کو وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔

بلیک ٹائیگر بہت اونچا بدمعاش تھا۔ اس کا ایک باقاعدہ گروہ تھا جو مختلف حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس نے یہاں امریکی مافیا سسٹم اپنا رکھا تھا۔ ایک گروہ منشیات کے بزنس کو کنٹرول کرتا تھا اور دو سرا طوائفوں کے کاروبار کی نگرانی کرتا۔ اس طرح تمام شعبے بٹے ہوئے تھے۔

اس معاملے میں بلیک ٹائیگر کے ملوث ہونے پر مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دارا نے اس سے رابطہ کرلیا تھا۔ اس کے ذریعے مجھے یا تو اغوا کرانا چاہتا تھا یا مروا دینا چاہتا تھا۔

بلیک ٹائیگر کا گروہ اگرچہ بہت طاقت ور تھا لیکن مہاراج وانگ ونگ یائے کی طاقت اس سے کہیں زیادہ تھی۔ اسے عام شہریوں کی اخلاقی حمایت بھی حاصل تھی۔ اس کے شاگردوں کی تعداد ان گنت تھی۔ اس کے معمولی سے اشارے پر لوگ کٹ مرنے کو بھی تیار ہوجاتے۔ لیکن مہاراج خون خرابا نہیں چاہتا تھا اس نے بلیک ٹائیگر کو پیغام بھجوا دیا کہ وہ دارا یا کم کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لے اور اس شہر کا امن و امان برباد نہ کرے لیکن بلیک ٹائیگر شرافت کی زبان سمجھنے والا نہیں تھا۔ جو آدمی مہاراج کا پیغام لے کر گیا تھا' اس کی واپسی ایمبولینس پر ہوئی تھی۔

مہاراج وانگ ونگ یائے نے ماسٹر پھو کو سگنل دے دیا۔ ماسٹر پھو بھی اگرچہ مہاراج کی طرح دنگا فساد نہیں چاہتا تھا لیکن اس نے بھی ایک کوشش ضرور کی تھی کہ یہ معاملہ خیر وعافیت سے طے ہوجائے لیکن پھر اسے اس بات کا یقین کرلینا پڑا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے اور اس طرح بلیک ٹائیگر اور ماسٹر پھو میں ایک خوف ناک جنگ چھڑ گئی اور یہ جنگ میری وجہ سے شروع ہوئی تھی۔

جمنازیم میں روزانہ سیکڑوں لوگ آتے۔ ہر سنڈے نائٹ کو اسٹیڈیم میں کک باکسنگ کے مقابلے ہوتے تھے جنہیں دیکھنے کے لیے کثیر تعداد میں لوگ آتے تھے اور کسی پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی تھی۔ اس واقعے کے بعد جمنازیم میرے لیے غیر محفوظ ہوگیا تھا۔ اس لیے مجھے وہاں سے فیلا فیلا چائی روڈ کے پہلو میں واقع ایک عمارت میں منتقل کردیا گیا۔ یہ گنجان آبادی والا علاقہ تھا۔ یہاں کی آبادی اگرچہ ملی جلی تھی لیکن اکثریت ہندوؤں کی تھی اور اس علاقے میں ایک چھوٹا سا مندر بھی تھا۔

مجھے لمبوترہ مینشن نام کی جس چھ منزلہ عمارت میں رکھا گیا تھا وہ بھی ایک ہندو کی ملکیت تھی۔ دو دو اور تین تین کمروں کے فلیٹ تھے۔ فلیٹ کیا مرغیوں کے دڑبے تھے جن میں انسان رہنے پر مجبور تھے۔ آمدورفت کے لیے دو تنگ سے زینے اور ایک لفٹ تھی۔ لفٹ اکثر خراب رہتی تھی۔ زینوں پر اس قدر غلاظت بکھری رہتی تھی کہ آتے جاتے ابکائیاں آنے لگتی تھیں۔

ہمارا تین کمروں پر مشتمل فلیٹ دوسری منزل پر تھا۔ زینے کے سامنے کے رخ پر تو تنگ سی گلی تھی اور پچھلی طرف جہاں صبح سے رات تک ایک ہنگامہ سا رہتا تھا۔ مجھے حیرت اس پُرہنگام علاقے میں لوگ کس طرح زندگی گزارتے تھے۔

میرے ساتھ دو آدمیوں کو بھیجا گیا تھا۔ مجھے فلیٹ میں لانے کے بعد ایک آدمی واپس چلا گیا اور دوسرے کو وہیں رہنا تھا۔ فلیٹ میں دو ہندو عورتیں رہائش پذیر تھیں۔ ایک ادھیڑ عمر اور دوسری جوان۔ وہ دونوں بہنیں تھیں۔ جوان عورت کی عمر کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ میں اسے مہاراج کے جمنازیم میں ایک دو مرتبہ دیکھ چکا تھا۔ اس روز باتوں میں انکشاف ہوا تھا۔ نام کی وہ خوب صورت عورت ماسٹر پھو کی شاگرد تھی اور علاقے میں ٹریننگ سینٹر چلا رہی تھی۔ اس کی بڑی بہن شانی ویٹ روڈ کے ایک بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور پر ملازم تھی۔ وہ رات اور واپسی رات کو ہوتی لیکن میرے آنے کے بعد وہ اپنے جاننے والے کے ہاں منتقل ہوگئی تھی۔

تین دن نہایت سکون سے گزرے۔ کوشلیا کا اب زیادہ گھر پر ہی گزرتا۔ وہ میرا بہت خیال رکھتی۔ سنگاپور سے بعد مجھے پہلی مرتبہ یہاں انڈین کھانے' کھانے کو ملے۔ کوشلیا خود گوشت نہیں کھاتی تھی لیکن اس روز اس نے میرے لیے طور پر گوشت کا سالن تیار کیا تھا جو بہت لذیذ تھا۔

دن میں دو تین مرتبہ ماسٹر پھو ٹیلی فون پر صورت حال کرلیا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے بھی اس سے بات کی تھی میں نے اسے یہ بتایا کہ میں یہاں بور ہو رہا ہوں تو اس نے کہا تھا کہ دو چار روز میں مجھے کسی اور جگہ منتقل کردیا جائے گا بوریت نہ ہو۔

میرے کمرے کی کھڑکی بازار کی طرف کھلتی تھی۔ میں اس کھڑکی کے سامنے دیر پردہ پڑا رہتا لیکن شام کا اندھیرا بعد میں کمرے کی بتی بجھا کر کھڑکی میں کھڑا ہوجاتا اور باہر دیکھتا رہتا۔

مجھے اس فلیٹ میں رہتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا دوران میں فلیٹ کے دروازے کی طرف بھی نہیں گیا تھا ساتھ جو محافظ بھیجا گیا تھا' وہ داخلی دروازے کے

کمرے میں بیٹھا رہتا تھا۔ اس کے ایک طرف چھوٹا سا کچن تھا اور دوسری طرف باتھ روم۔ آگے دو کمرے تھے۔ ایک کمرے میں رات کو میں سوتا تھا اور دوسرے میں کوشلیا۔ میرے کمرے میں باتھ روم بھی تھا۔

ایک چھوٹا سا باتھ روم دونوں کمروں کے دروازے اندر سے بند رات کو سوتے وقت دونوں کمروں کے بیچ میں بھی ایک دروازہ کرلیے جاتے تھے۔ ان دونوں کمروں کے بیچ میں بھی ایک دروازہ خاصا کھلا رہتا تھا۔

اس رات کوشلیا دیر تک میرے کمرے میں بیٹھی باتیں کرتی رہی اور جب نیند سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں تو وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں بستر پر لیٹ گیا۔ فوراً ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

میں شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ ایک حسین اور جوان عورت مجھ سے لپٹی جارہی تھی۔ کبھی وہ میری پیشانی پر بوسے دیتی اور کبھی گالوں پر۔ اس کے ہاتھ مسلسل حرکت میں تھے۔ میرے پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔ ایک لطیف سے احساس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ایسا احساس میں نے زندگی میں پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا اور پھر اس حسین عورت نے اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر جما دیے اور مجھے بھینچنے لگی۔ میرا سانس گھٹنے لگا۔ میں اپنے آپ کو اس عورت کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کے لیے کسمسانے لگا لیکن اس نے بڑی سختی سے مجھے دبوچ رکھا تھا۔

اپنے آپ کو اس عورت کے شکنجے سے چھڑانے کی جدوجہد میں میری آنکھ کھل گئی اور پھر میں کانپ کر رہ گیا۔ وہ کوئی خواب نہیں تھا۔ ایک خوف ناک حقیقت تھی۔ کوشلیا مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے بدن پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ میں اسے ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ارے۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔" کوشلیا نے سرگوشی کی۔

"یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کررہی ہیں۔" میں ہکلایا "میری نظروں میں آپ کا بہت احترام ہے۔ میں تو۔۔۔"

"مجھے اپنی بہن یا آنٹی سمجھتے ہو۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا۔" اس نے میری بات کاٹ دی "یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ رشتے صرف خون کے ہوتے ہیں۔ باقی سب فریب ہے۔ جس شخص نے سب سے پہلے میری عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ وہ عمر میں مجھ سے تیس سال بڑا تھا اور مجھے بیٹی کہتا تھا۔ میں کسی رشتے کو نہیں مانتی۔ تم مجھے آنٹی کہو یا بیٹی لیکن میں تمہیں صرف اور صرف ایک مرد سمجھتی ہوں جو میری خواہش پوری کرسکتا ہے۔ اب تم خاموشی سے وہ کرتے رہو جو میں کہوں۔"

"نہیں نہیں۔" آواز میرے حلق میں اٹک رہی تھی "پلیز! مجھے چھوڑ دو۔ مجھے کسی ایسے کام کے لیے مت کہو جسے میں برا سمجھتا ہوں اور جس کے بارے میں' میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم بچے نہیں ہو۔ بھرپور نوجوان ہو۔" کوشلیا نے کہا۔ اس کی گرم گرم سانسیں میرے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں "تم کچھ نہیں جانتے۔ یہی تو میں بتانا چاہتی ہوں کہ زندگی کیا ہے۔ زندگی کی اصل رنگینیاں اب تک تمہاری نگاہوں سے اوجھل رہی ہیں اور میں تمہیں ان سے متعارف کرانا چاہتی ہوں۔ آؤ۔ مجھ سے دور مت ہٹو۔ دیکھو۔ میری طرف دیکھو۔۔۔۔"

"نہیں۔" میں نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑا لیا اور بیڈ سے اتر کر کھڑکی کے قریب آگیا۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔

کوشلیا بھی میرے پیچھے آکر کھڑی ہوگئی۔ اس نے دونوں ہاتھ میرے کندھوں کے اوپر سے آگے لٹکا دیے اور میری پشت سے چپک کر کھڑی ہوگئی۔

"تم زندگی کی ایک بہت بڑی نعمت کو ٹھکرا رہے ہو۔ یاد رکھو۔ اگر تم نے انکار کیا تو اس کا نتیجہ۔۔۔۔"

"پلیز!" میں نے اس کی بات کاٹ دی "آپ میرے پاس سے ہٹ جائیے ورنہ میں رومیو کو آواز دے کر بلا لوں گا۔" رومیو اس محافظ کا نام تھا جو باہر والے کمرے میں سو رہا تھا۔

یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ وہ مجھے چھوڑ کر الگ ہوگئی۔ اس نے مجھے بانہوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا اور میری طرف دیکھنے لگی۔ کسی کی نظروں میں ایسی سرد مہری میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"تم اپنی زبان بند رکھو گے۔" اس کی سرگوشی میں بھی دھمکی پوشیدہ تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے میرے بازو چھوڑ دیے اور پیر پٹختے ہوئے اندرونی دروازے سے گزر کر اپنے کمرے میں بیڈ پر جا گری۔

میں بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑا رہ گیا۔ میری عجیب کیفیت تھی۔ دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے اور پورے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ جسم کے مسام پسینہ اگل رہے تھے اور سانس تیز ہو رہی تھی۔ میں نے کھڑکی کا پردہ ہٹا دیا اور تازہ ہوا میں لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔

میں نے اپنے بارے میں پہلے کبھی نہیں سوچا تھا لیکن اب کوشلیا کے اس طرز عمل نے میرے دماغ میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ کیا میں واقعی اتنا بڑا ہوگیا تھا کہ عورتیں مجھ سے اس قسم کی توقعات وابستہ کرسکیں؟ میں تو اپنے آپ کو بچہ ہی سمجھتا تھا اور کبھی ایسی کوئی بات نہیں سوچی تھی۔ میں نے کئی عورتوں کو نیم برہنہ بھی دیکھا تھا۔ سنگاپور میں تو حارہ کاشی کے ساتھ لپٹ کر سوتا رہا تھا لیکن میرا ذہن کبھی پراگندہ نہیں ہوا تھا۔ حارہ کاشی کی آغوش میں مجھے ہمیشہ سکون ملا تھا۔ اس کے سینے سے لپٹ کر میں نے ہمیشہ مامتا کی گرمی محسوس کی تھی۔ کئی مہینوں تک خانقاہ میں بھی بھی کے ساتھ رہا تھا۔ وہ کوشلیا سے زیادہ جوان اور حسین تھی اور رات کو میں اکثر

اسی کے ساتھ لپٹ کر سویا کرتا تھا لیکن میرے ذہن میں کبھی کوئی شیطانی خیال نہیں آیا تھا۔ کوشلیا کے ساتھ رہتے ہوئے بھی دل میں کبھی ایسی کوئی بات نہیں آئی تھی لیکن آج کوشلیا نے جو حرکت کی تھی' اس نے مجھے اپنے بارے میں بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا اور یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میری کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں۔

میں نے مڑ کر دیکھا۔ کوشلیا اپنے بیڈ پر بے لباس آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا منہ دوسری طرف تھا۔ اس کے کپڑے میرے بیڈ پر پڑے ہوئے تھے۔ میں چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس کے کپڑے اٹھا کر دبے قدموں اس کے کمرے میں آگیا۔ کپڑے اس کے بیڈ پر رکھ دیے' چادر اٹھا کر اس کے جسم پر ڈال دی اور دوبارہ کھڑکی کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔

عمارت کے پیچھے کی وہ سڑک جہاں دن بھر زندگی کے ہنگامے جاری رہتے تھے اور لوگوں کی ہاہو میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی' اس وقت سنسان پڑی تھی۔ میری آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔ دور کسی کلاک نے تین بجے کا اعلان کیا تو میں نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کوشلیا اسی پوزیشن میں اپنے بستر پر پڑی تھی۔

میں کھڑکی سے ہٹ کر اپنے بیڈ پر آگیا اور آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرنے لگا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ دماغ میں اب بھی ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے میں نے کسی کلاک ٹاور سے چار بجنے کے گھنٹے کی آواز بھی سنی تھی اور پھر نجانے کب میری آنکھیں بند ہوگئیں۔

صبح جب آنکھ کھلی تو کوشلیا میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ وہ میرے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے پیار سے مجھے جگا رہی تھی۔

"اٹھ جاؤ۔ دس بج چکے ہیں۔ تمہاری وجہ سے میں نے ابھی تک ناشتا بھی نہیں کیا۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

اس نے مزید جھک کر میری پیشانی پر بوسہ دیا تو میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں ڈر گیا تھا کہ کہیں وہ اس سے آگے نہ بڑھ جائے لیکن پھر کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر مجھے اطمینان سا ہوا۔

"رات کو جو کچھ بھی ہوا' اسے بھول جاؤ۔" کوشلیا نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی "نجانے مجھے کیا ہوگیا تھا۔ مجھے معاف کردو ڈیئر اور بھول جاؤ سب کچھ۔ مجھے یقین ہے کہ تم کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کروگے۔"

"میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔" میں کہتے ہوئے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔

کوشلیا بظاہر اپنے کیے پر نادم تھی لیکن میں محتاط رہنے لگا تھا۔ جبکہ اس کے رویے سے لگتا تھا جیسے میری چاپلوسی کررہی ہو۔

دو دن اور گزر گئے۔ اس دوران میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی۔ تیسرا دن بھی گزر گیا۔ اس رات میں اور کوشلیا باتیں کررہے تھے کہ سیڑھیوں کی طرف سے شور سا سنائی دیا۔ دونوں چونک گئے۔ شور کی آواز نیچے سے آرہی تھی۔ کوشلیا نے اشارے پر رومیو دروازہ کھول کر فلیٹ سے باہر نکل گیا اور حال معلوم کرنے کے لیے سیڑھیاں اترنے لگا لیکن پھر وہ سے مڑ کر دوڑتا ہوا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ بدحواسی میں کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ کوشلیا دوڑ کر دروازے کے قریب اسی لمحے رومیو اسے دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا اور چیخ کہنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے دھڑ سے دروازہ بند کردیا اور وہ دونوں بھاری فرنیچر کھینچ کر دروازے کے سامنے

"وجدان۔ وہ لوگ آگئے۔ کسی جگہ چھپ جاؤ۔" کوشلیا اور اس نے دیوار پر ٹنگی ہوئی ایک تلوار اتار لی۔ اس تلوار آگے سے بالشت بھر چوڑا تھا اور اندر کی طرف سے خم کھاتا بتدریج چوڑائی کم ہوتی چلی گئی تھی۔

یہ سموارئی تھی۔ زمانہ قدیم میں یہ دونوں تلوار جنگ لے بہت کارگر اور اہم ہتھیار سمجھی جاتی تھی لیکن اب تو نمائش و آرائش کے لیے رہ گئی تھی۔ تاہم مارشل آرٹس کھیلوں میں تلوار اور سائی قسم کے کچھ اور قدیم ہتھیار استعمال ہوتے تھے۔ رومیو نے بھی ہولسٹر سے اپنا ریوالور نکال لیا تھا۔

میرے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ اس چھوٹے فلیٹ میں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ باتھ روم میں یا کسی نیچے چھپنے کی کوشش کرنا ایسا ہی تھا جیسے کبوتر بلی کو دیکھ کر آنکھیں کرلے اور سمجھے کہ میں محفوظ ہوں۔

بھاگ دوڑ اور شور کی آوازیں اب اوپر آتی جارہی تھیں مجھے حیرت بھی تھی کہ اگر کوئی ہمارے فلیٹ پر حملہ کرنے آرہا انہیں نیچے روکنے والے کون تھے اور پھر کوشلیا سے مجھے سوال کا جواب مل گیا۔ ماسٹر پھو کے دو آدمی ہر وقت نیچے موجود رہتے تھے اور حملہ آوروں کا انہی سے تصادم ہوگیا تھا۔

ہنگامہ اب ہماری سیڑھی سے نیچے والی لینڈنگ پر ہو اچانک دو فائر ہوئے اور اس کے ساتھ ہی ایک بھیانک چیخ سنائی دی تھی۔

"تم اپنے کمرے کے باتھ روم میں گھس کر دروازہ اندر بند کرلو۔" کوشلیا چیخی۔ وہ تلوار کو دونوں ہاتھوں میں سنبھال دروازے کے ایک طرف کھڑی ہوگئی تھی اور رومیو سنبھالے دوسری طرف دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہوگیا تھا۔

وہ لوگ اوپر پہنچ گئے تھے۔ بلڈنگ میں رہنے والے عورتوں کے چیخنے کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں ہمارے فلیٹ کا دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ ساتھ ہی خائی زبان میں چیخ چیخ کر کچھ کہا جارہا تھا۔

"وجدان۔ بھاگ جاؤ یہاں سے۔" کوشلیا میری طرف دیکھ کر چیخی۔

باہر سے فائر کی آواز سنائی دی۔ گولی دروازے کے تالے پر چلائی گئی تھی اور پھر یوں لگا جیسے دروازہ توڑنے کی کوشش کی جارہی ہو۔ میں بھاگ کر اپنے کمرے میں آگیا اور باتھ روم میں گھستے گھستے رک کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا اور پھر لپک کر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔

میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ باتھ روم والی سائڈ پر دیوار کے ساتھ ڈرین پائپ تھا جو بلڈنگ کے اوپر سے نیچے تک چلا گیا تھا۔ میں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھ گیا اور بائیں طرف لٹک کر ایک ہاتھ سے اس ڈرین پائپ کو پکڑ لیا اور کھڑکی کی چوکھٹ سے دوسرا ہاتھ بھی چھوڑ دیا۔ میں دونوں ہاتھوں سے ڈرین پائپ کو پکڑے تیزی سے نیچے پھسلنے لگا۔ فلیٹ کے دروازے پر زور آزمائی کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔

پہلی منزل کی کھڑکی سے ذرا نیچے بجلی کے تار تھے..... میں بڑی احتیاط سے ان تاروں سے بچتا ہوا نیچے آیا اور پھر کڑک کی ہلکی سی آواز سن کر مجھے سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس جگہ ڈرین پائپ کا ایک جوڑ تھا اور پائپ کو دیوار کے ساتھ سہارا دینے والا بریکٹ ایک طرف سے ٹوٹا ہوا تھا۔ میرے بوجھ سے دوسرے بریکٹ کی کیل بھی نکل رہی تھی اور پائپ آہستہ آہستہ دیوار سے پیچھے ہٹ رہا تھا۔

میں نے گردن موڑ کر نیچے دیکھا۔ اس وقت اگرچہ سوا گیارہ بج رہے تھے مگر بازار میں اب بھی رونق تھی۔ روشنیوں سے بازار جگمگا رہا تھا۔ بہت سی دکانوں کے اوپر دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے کینوس کے سائبان تنے ہوئے تھے۔ میرے نیچے والی دکانوں پر بھی سائبان تنے ہوئے تھے۔

اسی دوران میں سڑک پر ایک راہ گیر نے مجھے دیکھ لیا اور وہ اوپر اشارہ کرتے ہوئے شور مچانے لگا۔ فلیٹ سے دو گولیاں چلنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ میں نے پھر نیچے دیکھا اور اس سے پہلے کہ پائپ پوری طرح اپنی جگہ چھوڑ دیتا' میں نے پائپ کو چھوڑ دیا۔

میں نچلی کے سائبان کو ساتھ لیتا ہوا نیچے گرا۔ سائبان میں ہلکا سا تناؤ ہونے کی وجہ سے مجھے چوٹ نہیں لگی تھی البتہ اس دکان کے سامنے کھڑے ہوئے دو تین آدمی سائبان کی لپیٹ میں آگئے اٹھ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ میں سنبھلتے ہی سے فائر ہوا۔ گولی سڑک پر کھڑی ہوئی ایک کار کی ونڈ اسکرین پر لگی تھی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور دوڑتا ہوا ایک گلی میں گھس گیا۔

میں رکا نہیں۔ گلیوں ہی گلیوں میں دوڑتا رہا۔ ایک تاریک گلی میں ٹھوکر کھا کر گرا۔ میرے گھٹنے پر چوٹ لگی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ کھڑا گھٹنا سہلاتا اور کراہتا رہا۔ اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگوں۔ میں اس شہر میں بالکل اجنبی تھا۔ مجھے جہاں بھی لے جایا گیا تھا بند گاڑیوں میں۔ مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ کون سا راستہ کس طرف جاتا ہے۔ اپنے آپ کو یکا و تنہا اور بے سہارا محسوس کرکے میرے دل میں ہوک سی اٹھی۔ کیا مجھ جیسا کوئی بدقسمت اس دنیا میں ہوگا جس کے ماں باپ کو اس کی آنکھوں کے سامنے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو اور وہ موت کے فرشتوں سے بچنے کے لیے بھاگا پھر رہا ہو۔

میں کچھ دیر دیوار کے ساتھ کھڑا مضروب گھٹنا سہلاتا رہا اور پھر لنگڑاتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔ میں اس سڑک سے ابھی زیادہ دور نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ مجھے تلاش کرتے ہوئے ان گلیوں میں بھی آنکلیں گے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ رومیو اور کوشلیا کا کیا حشر ہوا ہوگا لیکن اتنا جانتا تھا کہ اگر میں ان کے ہاتھ لگ گیا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

میں ایک گلی کے موڑ پر پہنچا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔ بائیں طرف کی گلی سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آرہا تھا۔ میں پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اور پھر چند گز پیچھے جاکر ایک مکان کے سامنے تھڑے کے پیچھے چھپ گیا۔ اس طرف مکانوں کے ساتھ ساتھ ایک گندی نالی تھی۔ گھروں کا گندہ پانی اس نالی میں گرتا تھا اور بعض گھروں کے دروازوں کے سامنے اس طرح کے سیمنٹ کے چبوترے بنے ہوئے تھے کہ نالی بھی ان کے نیچے سے رواں تھی اور گھروں میں آمدورفت کے لیے بھی کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔

میں اس چبوترے کے پیچھے دبک کر قدموں کی آوازیں سننے لگا اور پھر خاموشی چھاگئی۔ میں نے جھانک کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ وہ شخص مجھ سے صرف بیس گز کے فاصلے پر تھا۔ اس نے کالی پتلون اور سفید شرٹ پہن رکھی تھی جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ بال گردن تک لمبے تھے اور سر پر سرخ بینڈ لگا ہوا تھا۔ اس وقت میری کیفیت واقعی اس کبوتر جیسی تھی جس نے بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلی ہوں۔

میرے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہوگئی تھی۔ جسم پسینے میں تر ہونے لگا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ گلی سنسان تھی۔ اگر آمدورفت ہوتی تو یقیناً کسی نہ کسی کی نظروں میں آجاتا۔ چند سیکنڈ بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے پھر گردن نکال کر دیکھا۔ وہ آدمی دوسری طرف جارہا تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اگر وہ اس گلی میں آجاتا تو میں پکڑا جاتا۔

قدموں کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔ میں چبوترے کی آڑ سے نکل کر دبے قدموں چلتا ہوا موڑ پر آگیا اور جھانک کر دیکھنے لگا۔ بائیں طرف تقریباً پچاس گز آگے وہ ایک اور آدمی کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ دونوں سامنے والی گلی کی طرف مڑ گئے۔ میں بھی اس گلی سے نکل کر دوسری گلی کی طرف دوڑا۔ اسی لمحے مجھے چیخنے کی آواز سنائی

دی۔ انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا اور وہ دونوں چیختے ہوئے میرے پیچھے دوڑ پڑے۔

میں جان توڑ کر اس گلی میں دوڑ رہا تھا۔ جوگنگ اور ایروبکس کی ٹریننگ میرے کام آگئی تھی۔ مجھے دوڑتے ہوئے ذرا بھی دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔ پکڑے جانے کا خوف مجھے مزید تیز دوڑنے پر اکسا رہا تھا۔

دو تین گلیوں میں دوڑتا ہوا میں ایک اور کشادہ بازار میں آگیا اور سڑک عبور کر کے ایک اور گلی میں داخل ہوگیا۔ چند گز آگے ایک نائٹ کلب تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میرا تعاقب کرنے والے نظر نہیں آرہے تھے۔ میں کلب میں گھس گیا۔

دروازے میں گھستے ہی ایک آڑ میں کھڑے ہو کر میں اپنے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا اور پھر مختصر سی ڈیوڑھی گھوم کر میں مرکزی ہال کی طرف آگیا۔

ہال کی ساری میزیں بھری ہوئی تھیں۔ فضا میں تمباکو کی بو رچی ہوئی تھی۔ سامنے اسٹیج پر عورتوں کی باکسنگ کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ مختصر سے لباس میں دو جوان لڑکیاں تھیں جو ایک دوسرے پر تابڑ توڑ حملے کر رہی تھیں اور ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ شور مچا رہے تھے۔

کوشلیا نے مجھے بتایا تھا کہ بنکاک میں خواتین میں بھی کک باکسنگ کے مقابلے ہوتے ہیں۔ نائٹ کلبوں میں بھی خواتین کے ان مقابلوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ نچلے درجے کے نائٹ کلبوں کا بزنس عورتوں کے ان باکسنگ کے مقابلوں پر چلتا ہے۔

یہ بھی کوئی ایسا ہی نچلے درجے کا کلب تھا لیکن میں اس ہال میں نہیں رکا۔ دیوار کے ساتھ تیز تیز چلتا ہوا ایک دروازے میں داخل ہوگیا۔ آگے ایک تنگ سی راہداری تھی۔ جس کے اختتام پر ایک اور دروازہ تھا۔ میں وہ دروازہ کھول کر جیسے ہی اندر داخل ہوا، میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ بڑی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے متلی سی ہونے لگی۔ اس ہال کے ایک کونے میں کم روشنی کا صرف ایک بلب جل رہا تھا۔ پورا ماحول نیم تاریک تھا۔ میں جیسے ہی آگے بڑھا کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے کسی کے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی تھی۔ سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ فرش پر کئی لوگ آڑے ترچھے پڑے ہوئے تھے۔ ہال میں پھیلی ہوئی شدید ناگوار بو کی وجہ میری سمجھ میں آگئی۔ وہ سب لوگ نشہ کر کے اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ نیم تاریک ماحول میں کہیں کہیں مدھم سی چنگاریاں بھی سلگتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ وہ حشیش کے سگریٹ پی رہے تھے۔

میں دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہا اور پھر اپنے عقب میں وہی دروازے کی آواز سن کر چونک گیا جس سے گزر کر میں یہاں تک آیا تھا۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا اور میں بڑی پھرتی سے فرش پر ایک ایسے آدمی کے قریب لیٹ گیا جس کے نہ صرف منہ سے بلکہ لباس سے بھی بڑی ناگوار بو آرہی تھی۔ میں نے فرش پر گر کر عقل مندی کی تھی کیونکہ اس کی پینٹ اور سفید شرٹ والا وہ آدمی ہال میں داخل ہوا جس کے سر پر سرخ رنگ کا بینڈ لپٹا ہوا تھا۔ اس کا سیدھا ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا۔ غالباً اس نے پستول جیب میں ڈال لیا تھا۔

وہ چند لمحے دروازے کے قریب کھڑا رہا اور پھر آگے نشے میں دھت لوگوں کو ٹھوکریں مارنے لگا۔ ساتھ ہی وہ کچھ بھی کہہ رہا تھا۔ ایک آدمی کو ٹھوکر لگی تو اس نے بڑی غلیظ گالی دی۔ وہ غنڈا بھی گالیاں بکتا ہوا آگے بڑھ گیا اور پھر وہ واپس چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں دو تین منٹ تک فرش پر ادھ موا پڑا رہا۔ فرش پر اس طرح پڑے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ یہاں ایک پنڈلی گیلی ہو رہی ہے۔ شاید فرش پر پانی گرا ہوا تھا۔ ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا تو مجھے ابکائی سی آگئی۔ میرے ساتھ جو آدمی لیٹے بدہوش پڑا تھا، اس کی پتلون گیلی ہو رہی تھی۔ مجھے کراہیت آنے لگی۔ میں نے اپنی نیکر سے ہاتھ صاف کیا اور گھٹنوں کے رینگتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرف عقبی گلی نکلنے کا کوئی راستہ ضرور ہوگا۔

ہال کے اختتام پر ایک تنگ سی راہ داری تھی۔ میں راہداری میں گھستا چلا گیا۔ آگے یہ راہداری دائیں طرف مڑتی تھی۔ جبکہ بائیں طرف اوپر جانے کے لیے لکڑی کا ایک تنگ زینہ تھا۔ میں راہداری میں مڑنا ہی چاہتا تھا کہ اس طرف قدموں کی آواز سن کر بڑی پھرتی سے زینے کے پیچھے چھپ گیا۔ ایک آدمی راہداری میں مڑگیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی اس کی آواز سنائی دی۔ وہ اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"پہلے وہ لوگ آئیں جنہیں سگریٹ چاہئیں۔ اس کے بعد انجکشن والے آئیں۔ رقم ہر ایک کے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ ایک بھات بھی کم ہوا تو کچھ نہیں ملے گا۔"

میں بڑی آہستگی سے زینے کے پیچھے سے نکلا۔ ٹھیک اسی لمحے ہال کی طرف سے ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے سارے موالی ایک ہی مرتبہ اس آدمی پر جھپٹ پڑے ہوں۔ میں زینے کے پیچھے سے نکل کر سامنے راہداری میں جانے کے بجائے غیر ارادی طور پر لکڑی کے زینے پر چڑھتا چلا گیا۔ زینے کے اختتام پر ایک مختصر سی راہ داری تھی۔ اس راہداری میں آمنے سامنے ایک ایک کمرا تھا اور ایک دروازہ بالکل سامنے تھا۔ سامنے والا دروازہ کسی کمرے کا نہیں تھا کیونکہ اوپر کھلا آسمان نظر آرہا تھا۔

دائیں بائیں دونوں کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ بائیں طرف والے کمرے میں تاریکی تھی جبکہ دائیں طرف والے کمرے میں روشنی تھی۔ سامنے نیلے رنگ کا دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ اندر سے باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا اس دروازے کے قریب پہنچ گیا اور ذرا سا پردہ سرکا کر

جھانکنے لگا۔ وہ دفتر نما کمرا تھا۔ سامنے والی کرسی پر نیلی شرٹ میں ملبوس ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ دائیں طرف صوفہ چیئر پر بُلڈاگ کی شکل والا ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ دونوں طرف جبڑوں پر اس کا گوشت لٹکا ہوا تھا۔ اس کے سامنے دوسری صوفہ چیئر پر بیٹھے ہوئے آدمی کو دیکھ کر مجھے سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ چی فانگ تھا۔ میری ماں کا قاتل!

ٹھیک اسی لمحے نچلے ہال کی طرف سے دو گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ دفتر میں بیٹھے ہوئے وہ تینوں آدمی چونک گئے۔ نیلے سوٹ والا اور چی فانگ اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ میں نے پردہ چھوڑ دیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر میں بڑی تیزی سے سامنے والے کمرے میں گھس گیا۔

○☆○

وہ دونوں کمرے سے نکل کر تیزی سے زینہ اترتے چلے گئے۔ لکڑی کی سیڑھیوں پر ان کے قدموں کی دھڑدھڑ کی آواز سنائی دیتی رہی۔ اسی دوران میں ایک اور گولی چلنے کی آواز سنائی دی تھی۔ میں نے دروازے کی آڑ سے جھانک کر دیکھا تو وہ تیسرا بھاری بھرکم آدمی بھی سامنے والے کمرے سے نکل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریوالور کسی کھلونے کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا تو اس کے بوجھ سے تختے چرچرا رہے تھے۔

وہ جیسے ہی سیڑھیوں سے غائب ہوا میں کمرے سے نکل کر تیزی سے اس تیسرے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ لاک بھی تھا اور اس سے ذرا اوپر بولٹ بھی لگا ہوا تھا۔ پہلے میں نے لاک کی ناب اوپر اٹھا دی۔ کھٹ کی ہلکی سی آواز ابھری۔ زنگ آلود بولٹ ذرا ٹائٹ تھا۔ اسے کھولنے میں کسی قدر دشواری پیش آرہی تھی۔ میرے دل کی دھڑکن بڑی تیز تھی اور میرا ہاتھ بھی کچھ کانپ رہا تھا اور پھر جب میں نے سیڑھیوں پر بھاری قدموں کی آواز سنی تو میرا دل بھی کانپ اٹھا۔ غالباً وہی موٹا آدمی واپس آرہا تھا۔ وہ سیڑھی کے تختے پر قدم رکھتا تو پہلے دھب کی آواز ابھرتی پھر تختہ چرچرانے لگتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت میرے اور موت کے درمیان تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ گولی کسی بھی لمحے میری پشت میں پیوست ہوجائے گی۔ وہ بُلڈاگ کسی بھی لمحے اوپر آسکتا تھا۔

میں نے کنڈے کو ایک زوردار جھٹکا دیا۔ کھٹ کی آواز سے بولٹ کھل گیا۔ آواز کچھ زیادہ ہی ابھری تھی۔ دھکا دیتے ہی دروازہ کھل گیا۔ دوسری طرف نیچے جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ ان سیڑھیوں کے اختتام پر بھی ایک دروازہ نظر آرہا تھا۔

میں نے مڑ کر دیکھا تو سیڑھیوں پر مجھے اس بُلڈاگ کی کھوپڑی نظر آئی۔ اگلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی وہ دروازہ کھلا ہوا دیکھ سکتا تھا میں مڑ کر بڑی تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ اوپر سے مجھے چیخنے کی آواز سنائی تھی۔ اس شخص کی آواز بھی بُلڈاگ جیسی ہی تھی۔

ابھی چار پانچ سیڑھیاں باقی تھیں کہ میں نے چھلانگ لگائی۔ تقریباً چھ فٹ لمبا فرش اور پھر دروازہ تھا اور یہ غنیمت تھا کہ دروازے میں بولٹ نہیں تھا صرف آٹومیٹک لاک تھا۔ میں نے ناب اوپر اٹھا کر ہینڈل گھما دیا اور دروازہ کھولتے ہوئے پیچھے دیکھا۔ وہ بھاری بھرکم آدمی اوپر والے دروازے کے قریب پہنچ اور غالباً فائر کرنے کے لیے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا رہا تھا۔ میں دروازے کے باہر چھلانگ لگا دی۔ ٹھیک اسی لمحے فائر ہوا اور دروازے کے ایک پٹ کو توڑتی ہوئی نکل گئی۔

میں نے سنبھل کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ ایک تنگ اور گلی تھی۔ بائیں طرف تقریباً سو گز کے فاصلے پر روشنی آرہی تھیں۔ اس طرف بازار تھا۔ میں نے اسی طرف دوڑ لگا دی۔

میں اس گلی کے سرے پر پہنچا ہی تھا کہ کلب کی پچھلی والے اس عقبی دروازے سے دو آدمی باہر نکلے۔ وہ گلی میں لمحے کو رکے پھر ایک تو مخالف سمت میں دوڑتا چلا گیا اور دوسرا میری طرف آنے لگا۔ میں سڑک پر آکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دوسری طرف ایک عورت کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ وہ کار کا انجن اسٹارٹ کرچکی تھی اور اسے گیئر میں ڈال رہی تھی۔ کار جیسے ہی حرکت میں آئی میں نے دوڑ کر سڑک پار کی اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ اس عورت نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"پلیز! گاڑی مت روکو۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے عورت کی طرف دیکھتے ہوئے دینے والے لہجے میں کہا۔

میری حالت دیکھ کر اس عورت کو شاید مجھ پر ترس آگیا۔ اس نے سنبھل کر اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے کار کی رفتار بڑھا دی۔ کچھ دور جا کر اس نے سائڈ میں لگے ہوئے عقبی منظر پیش والے آئینے میں دیکھا۔ میں بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھا قدرے محتاط انداز میں پچھلی ونڈ اسکرین سے دیکھ رہا تھا۔ گلی میں شخص سڑک پر آگیا تھا۔ وہ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر سمت میں ایک ریسٹورنٹ کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ اس کے میرے منہ سے بے اختیار اطمینان کا سانس نکل گیا۔

کار تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی وائرلیس روڈ پر اگرچہ وہاں سے کافی دور نکل آئے تھے لیکن میں سیٹ پر دبکا رہا خیال میں ابھی خطرہ دور نہیں ہوا تھا۔ اگر انہوں نے موٹر یا کاروں پر میری تلاش شروع کردی تو یہ کار ان کی نظر آسکتی تھی۔

وائرلیس روڈ کے ایک طرف وسیع و عریض لم فینی اور دوسری طرف لم فینی ہاکنگ اسٹیڈیم۔ اس وقت رات بجنے والا تھا اور پارک سنسان پڑا تھا۔ اسٹیڈیم والی سائڈ

سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا اس لیے اس عورت نے کار کی رفتار خاصی تیز رکھی تھی۔ لیکن آگے راما فور روڈ کے چوراہے پر رفتار کم کرنی پڑی۔ سامنے دو متوازی سڑکیں تھیں۔ ایک سیتھوم فوہوڈ اور دوسری سیتھوم تائی روڈ۔ یہ دونوں سڑکیں چائنا ٹاؤن ریور کی طرف چلی جاتی تھیں۔

راما فور روڈ پار کرکے اس عورت نے کار سیتھوم تائی روڈ پر ڈال دی اور سامنے لگے ہوئے آئینے کا زاویہ درست کرتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

میں سیٹ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کار اس وقت سینٹ لوئس اسپتال کے سامنے سے گزر رہی تھی۔

"کرائے کھون....." وہ آئینے میں مجھے دیکھتے ہوئے بولی "کھون چیو آر ائی؟ تم کون ہو۔ تمہارا نام کیا ہے؟

"وائی چان چیو وجدان۔" میں نے اپنا نام بتا دیا اور رک رک کر بتانے لگا کہ ہمارے فلیٹ پر کچھ غنڈوں نے حملہ کردیا تھا اور میں ان سے جان بچا کر بھاگ نکلا تھا لیکن وہ میرے تعاقب میں تھے۔ اگر وہ مجھے اپنی کار میں بیٹھنے کی اجازت نہ دیتی تو وہ غنڈے مجھے شاید اب تک قتل کرچکے ہوتے۔ مجھے اس طرح اٹک اٹک کر بولتے دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی کہ میں تھائی نہیں ہوں۔ میرا چہرہ بھی اس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ میں ہندوستانی یا اسی خطے کے کسی اور ملک کا باشندہ ہوں۔ بنکاک میں بہت سے ہندوستانی آباد تھے۔ اور مجھے بھی ہندوستانی سمجھ لینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ میں نے اس عورت کو اپنے بارے میں تفصیل سے سب کچھ بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

ناسکن برج سے دریا پار کرکے کار دنگ تھان بوری روڈ پر آگئی اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد سوئے وتانا کی طرف مڑ گئی۔ یہ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ اس کے دونوں طرف بنگلے بنے ہوئے تھے اور پھر ایک نہر کا پل پار کرتے ہی کار ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔ اس عورت نے کار کا انجن چلتا چھوڑ دیا اور نیچے اتر کر بنگلے کا گیٹ کھولنے لگی اور پھر وہ دوبارہ کار میں آکر بیٹھ گئی اور کار کو اندر لیتی چلی گئی۔

میں پورچ میں کار سے اتر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ عورت باہر کا گیٹ بند کرنے چلی گئی تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ عورت یہاں اکیلی رہتی تھی۔ بنگلے کا لان بہت بڑا تھا اور اسی حساب سے رہائشی حصہ بھی تھا۔

برآمدے والا دروازہ بھی چابی لگا کر ہی کھولا گیا تھا۔ اندر لے آئی۔ کمرا بہت وسیع اور شان دار فرنیچر سے آراستہ تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک کارنس پر بدھ کا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ دیواروں پر خوب صورت فریموں میں کچھ رنگین تصویریں بھی آویزاں تھیں۔

وہ عورت مجھے دیکھ رہی تھی اور میں اس عورت کو۔ اس نے گھٹنوں سے اوپر ہلکے نیلے رنگ کا اسکرٹ اور اسی رنگ کا بلاؤز پہن رکھا تھا۔ شہد کی رنگت کے بال مردانہ اسٹائل میں کٹے ہوئے تھے۔ گلے میں سونے کی چین تھی جس میں ایک چھوٹا سا خوب صورت لاکٹ بھی جھول رہا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر تیس یا بتیس سال رہی ہوگی اور وہ بڑی حسین عورت تھی۔

میری حالت اس وقت بڑی ابتر ہو رہی تھی۔ گلی میں دوڑتے ہوئے گھٹنے پر رگڑ لگنے سے کھال چھل گئی تھی۔ خون تو نہیں نکلا تھا لیکن وہ جگہ سرخ ہو رہی تھی۔ میں اس وقت نیکر اور شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ نائٹ کلب کے ہال میں اس نشئی کے ساتھ لپٹنے سے میرے کپڑے گندے ہوگئے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت مجھے اپنے آپ سے بھی کراہت محسوس ہو رہی تھی۔

اس کا نام تھائی وانگ تھا۔ وہ چند لمحے مجھے دیکھتی رہی اور پھر مجھے ایک اور کمرے میں لے آئی۔ یہ بیڈ روم تھا۔ اس نے اندر کا ایک اور دروازہ کھول کر مجھے اشارہ کیا۔ میں جھجکتا ہوا اس دروازے میں داخل ہوگیا۔ وہ باتھ روم تھا۔ میں نے دروازہ بھیڑ دیا اور کپڑے اتار کر شاور کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ ٹھنڈا پانی اس وقت مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ میں دیر تک نہاتا رہا۔ تقریباً بیس منٹ بعد دروازہ کھل گیا اور میں بدحواس سا ہو کر دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔

"اگر نہا چکے ہو تو یہ تولیا لپیٹ کر باہر آجاؤ۔" تھائی وانگ نے کہتے ہوئے گلابی رنگ کا ایک تولیا آگے بڑھا دیا۔

اس کے ہاتھ سے تولیا لیتے ہوئے میں ایک بار پھر گڑبڑا گیا۔ باتھ روم کی سامنے والی دیوار میں قد آدم آئینہ لگا ہوا تھا اور تھائی وانگ دروازے میں کھڑی مجھے اس آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے تولیا اپنے جسم پر لپیٹ لیا اور دروازہ بند کردیا اور آئینے میں دیکھنے لگا۔

میں اب واقعی سنگاپور والا وجدان نہیں رہا تھا جسے بچہ سمجھا جاتا تھا۔ ان چند مہینوں کے دوران میں نہ صرف میرا قد بڑھا تھا بلکہ جسم میں بھی کچھ تبدیلیاں محسوس ہو رہی تھیں۔ سینہ چوڑا اور بازوؤں کے مسل ابھرے ہوئے نظر آرہے تھے۔ یہ شاید پچھلے چند مہینوں کی بھاگ دوڑ، مشقت اور موئے تھائی کی کٹھن ایکسرسائز اور پریکٹس کا نتیجہ تھا کہ میں جسمانی اعتبار سے اپنی عمر سے کہیں بڑا اور جوان لگ رہا تھا۔ گزشتہ کئی روز سے میرے سر پر اُسترا نہیں پھرا تھا۔ سر اور بھوؤں پر بھی کچھ بال نظر آرہے تھے۔

میں نے جسم پونچھ کر تولیا اچھی طرح لپیٹ لیا۔ پہلے دروازہ تھوڑا سا کھول کر جھانکا اور پھر باہر آگیا۔ تھائی وانگ کمرے میں نہیں تھی۔ باتھ روم سے نکلتے ہوئے میں اپنے کپڑے بھی اٹھا لایا تھا۔ اور نیکر پہنتے ہی لگا تھا کہ تھائی وانگ کمرے میں داخل ہوئی۔

"گندے کپڑے دوبارہ پہن رہے ہو۔ ایک طرف ڈال دو انہیں۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی "لو..... فی الحال یہ پہن لو۔ صبح کوئی بندوبست کروں گی۔" اس نے ایک نیکر اور بنیان بیڈ پر ڈال دی۔ میں نے نیکر اٹھالی اور اس کے باہر جانے کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ اپنی جگہ پر کھڑی میری طرف دیکھتی رہی۔ میں نیکر اور بنیان اٹھا کر باتھ روم میں گھس گیا۔ اور جب باہر نکلا تو تھائی وانگ اس وقت بھی کمرے میں کھڑی تھی اور عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں نے تمہارے لیے کافی بنائی ہے۔ آؤ..... دوسرے کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔" وہ مجھے اشارہ کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

ہم نشست گاہ میں آگئے۔ کافی ٹیبل پر دو مگ رکھے ہوئے تھے جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ میں اس وقت واقعی کافی یا چائے جیسی چیز کی طلب محسوس کر رہا تھا۔ میں نے صوفے پر بیٹھ کر ایک مگ اٹھالیا اور گرم گرم کافی کی چسکیاں لینے لگا۔ تھائی وانگ بھی کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم نے بتایا تھا کہ کچھ غنڈوں نے تمہارے فلیٹ پر حملہ کیا تھا اور وہ تمہیں قتل کرنا چاہتے تھے۔" تھائی وانگ نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے کہا "ان غنڈوں کی تم سے کیا دشمنی ہے اور وہ تمہیں کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں۔"

میں خاموش رہا۔ سوچ رہا تھا کہ اسے اصل بات بتاؤں یا کوئی فرضی کہانی سنا دوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ مصیبت کے وقت یہ میرے کام آئی تھی۔ مجھے اپنی کار میں وہاں سے نکال لائی تھی۔ اب تک میرے ساتھ اس کا سلوک ہمدردانہ رہا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

"مجھے اپنا دوست سمجھو۔" مجھے خاموش پاکر وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی "تم مجھ پر بھروسا کرسکتے ہو۔ اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔ میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گی۔"

میں چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اسے شروع سے سب کچھ بتا دیا۔ میں اس شہر میں اجنبی تھا۔ مجھے کسی ہمدرد کی ضرورت تھی۔ مجھے رہنے کے لیے ٹھکانا بھی چاہیے تھا اور تحفظ بھی۔ مہاراج وانگ ونگ یائے اگرچہ میری حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ مجھے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا اور دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے میری تربیت بھی شروع کر رکھی تھی لیکن میرے دشمنوں کو پتا چل گیا تھا کہ میں اس کی تحویل میں ہوں اور مجھ پر حملے شروع ہوگئے تھے۔ دارا..... کم اور چی فانگ اس شہر میں موجود تھے۔ انہوں نے شہر کے سب سے بڑے بدمعاش کی خدمات حاصل کرلی تھیں۔ مہاراج اور بلیک ٹائیگر کے گروہ میں ٹھن گئی تھی۔ بلیک ٹائیگر کے غنڈے تین مرتبہ مجھ پر قاتلانہ حملے کرچکے تھے اور تینوں مرتبہ میں بال بال بچا تھا۔ آج رات تو میں پوری طرح [illegible] گھیرے میں آگیا تھا۔ اگر میں کھڑکی کے راستے فلیٹ سے نکلنے میں کامیاب نہ ہوپاتا تو یقیناً مارا جاتا۔ کوشلیا اور رومیو کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ ان کا کیا حشر ہوا تھا۔ فلیٹ سے فرار ہونے کے بعد میں پناہ لینے کے لیے ایک نائٹ کلب میں گھس گیا تھا اور وہاں چی فانگ کو دیکھ کر میری روح فنا ہوگئی تھی۔ اس نائٹ کلب میں چی فانگ کی موجودگی سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ اس نائٹ کلب سے اس کا کوئی تعلق ضرور ہے۔

ان حالات میں، میں مہاراج کے جمنازیم کا رخ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میری وجہ سے قتل وغارت ہوتی رہے اور بے گناہ مارے جاتے رہیں۔ میں چند روز کے لیے کسی ایسی جگہ رہنا چاہتا تھا جہاں کسی کو میرے بارے میں معلوم نہ ہوسکے اور اتفاق سے مجھے تھائی وانگ مل گئی تھی۔ اس لیے میں نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔

"بلیک ٹائیگر بہت بڑا بدمعاش ہے۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولی "تھائی لینڈ کے سفاک ترین آدمی اس کے گروہ میں شامل ہیں۔ کسی انسان کی زندگی ان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ان کی وجہ سے آئے دن شہر میں ہنگامے ہوتے رہتے ہیں۔ پولیس بھی ان کے سامنے بے بس نظر آتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مہاراج وانگ ونگ اس سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے۔ اسے عوام کی اخلاقی حمایت بھی حاصل ہے۔ لوگ اس کے اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہوجائیں گے۔ مہاراج کے پاس بھی دنیا کے بہترین فائٹر ہیں مگر مہاراج نے انہیں ہمیشہ امن و آشتی اور عدم تشدد کی تعلیم دی ہے۔ مہاراج لارڈ بدھا کا سچا پیرو کار ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ مہاراج کے آدمی قتل وغارت گری کرسکیں گے۔"

"میں بھی قتل و غارت نہیں چاہتا۔" میں نے جواب دیا "لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس صورت حال میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں یہاں بالکل اجنبی ہوں۔ کسی کو نہیں جانتا۔ میرے پاس تو رہنے کا کوئی ٹھکانا بھی نہیں ہے۔"

"تم اپنے آپ کو بے یار و مددگار مت سمجھو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری ہر ممکن مدد کروں گی۔ میں یہاں اکیلی رہتی ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ کچھ عرصہ یہاں رہو اور جب حالات کچھ بہتر ہوجائیں تو خاموشی سے اس شہر سے نکل جاؤ۔ میں اس سلسلے میں بھی تمہاری مدد کرسکتی ہوں۔ ہوسکتا ہے اس دوران میں تمہارے دشمن بھی مایوس ہوکر یہاں سے چلے جائیں۔"

"میرا خیال ہے انہوں نے مایوس ہونا نہیں سیکھا۔" میں تلخی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میں اپنے والدین کے قتل کا واحد چشم دید گواہ ہوں۔ ان لوگوں کو شناخت کرسکتا ہوں۔ اگر معاملہ صرف قتل کا ہوتا تو وہ لوگ خود کہیں غائب ہوجاتے اور میرا پیچھا چھوڑ

دیتے۔ لیکن چاچا پرتاب سنگھ نے مجھے بتایا تھا کہ دارا دراصل سنگاپور میں ایک سینڈیکیٹ قائم کرنا چاہتا ہے۔ آسٹریلیا کی طرف سنگاپور میں ایک سینڈیکیٹ کے لیے وہ سنگاپور کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنانا چاہتا ہے بیرون ملک سے زندہ ہوں اس کے لیے مستقل خطرہ بنا رہوں گا اور میں جب تک زندہ ہوں اس کے لیے مستقل خطرہ بنا رہوں گا اس لیے وہ ہر قیمت پر مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اگر اس کے لیے وہ ہر قیمت پر مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اگر بات صرف قتل تک ہوتی تو وہ یہاں تک میرا پیچھا نہ کرتا۔ اس کے علاوہ۔"

"اس کے علاوہ کیا؟" مجھے خاموش پاکر اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"میرے والد جب پاکستان میں تھے تو انہوں نے دارا کے باس کا پانچ کروڑ روپے مالیت کا سونا چھپا دیا تھا۔ ہوسکتا ہے دارا کو کسی طرح بھنک مل گئی ہو کہ وہ سونا ابھی تک محفوظ ہے۔ اس وقت اس سونے کی مالیت دگنی ہوچکی ہوگی اور وہ اس سونے کا پتا بھی چلانا چاہتا ہوگا۔"

سونے والی بات سن کر تھائی وانگ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

"ٹھیک ہے مسٹر وجدان۔ تم اطمینان سے یہاں رہو۔ یہاں تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا اور میں کوشش کروں گی کہ تمہیں تمہارے دشمنوں سے بچا کر کہیں دور بھیج دوں جہاں وہ تم تک نہ پہنچ سکیں اور میرا خیال ہے اب سو جانا چاہیے۔"

میں نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ تین بجنے والے تھے۔ وہ مجھے ایک بیڈ روم میں لے آئی۔

"آج سے یہ تمہارا کمرا ہے۔" اس نے کہا "کسی خوف و خدشے کے بغیر آرام سے سو جاؤ۔" اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ اپنے بیڈ روم میں چلی گئی اور میں بستر پر لیٹ گیا لیکن مجھے دیر تک نیند نہیں آسکی۔ میں کوشلیا اور رومیو کے بارے میں سوچتا رہا۔ مہاراج اور مسٹر پھو کو بھی یقیناً فلیٹ پر حملے کا پتا چل گیا ہوگا۔ مجھے غائب پاکر وہ لوگ پریشان تو ضرور ہوئے ہوں گے اور مجھے تلاش بھی کررہے ہوں گے۔

میں رات کو اگرچہ دیر سے سویا تھا مگر صبح جلدی آنکھ کھل گئی۔ تھائی وانگ مجھ سے پہلے ہی جاگ چکی تھی۔ کچن سے برتنوں کی آواز سن کر میں اس طرف چلا آیا۔ وہ ناشتے کی تیاری کررہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔ "اچھا ہوا تم جاگ گئے۔ میں ناشتا تیار کررہی ہوں۔ تم بھی جلدی سے تیار ہو کر آجاؤ۔"

میں وہاں رکے بغیر اپنے کمرے میں آکر باتھ روم میں گھس گیا اور پندرہ بیس منٹ بعد جب باہر نکلا تو وہ لاؤنج میں کافی ٹیبل پر ناشتا سجائے بیٹھی میرا ہی انتظار کررہی تھی۔ پہلے جب میں کچن میں آیا تھا تو تھائی وانگ پر توجہ نہیں دی تھی لیکن اب جو دیکھا تو اپنے آپ میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ وہ پنڈلیوں سے اوپر تک کھلے پائنچے کی پاجامہ قسم کی کوئی چیز پہنے ہوئے تھی۔ اوپر اوپن شرٹ تھی جس کے اوپر والے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ وہ میرے بالکل سامنے بیٹھی تھی اور جب نوالہ منہ میں ڈالنے کو آگے جھکتی تو میری نظریں بے اختیار اس کی طرف اٹھ جاتیں۔

ناشتے میں خاگی یا ڈوسائی اور ڈبل روٹی تھی۔ یہ انڈے کا آملیٹ تھا جس میں گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے، پیاز، مٹر شامل تھے۔ شاید شکر بھی ڈالی گئی تھی کیونکہ ذائقے میں ہلکی سی مٹھاس تھی۔ یہ ڈش یقیناً مزے دار تھی لیکن میری توجہ بٹ گئی تھی اور میں ناشتے سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہورہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تھائی وانگ نے جان بوجھ کر قمیص کے بٹن کھول رکھے تھے کیونکہ میں نے نوٹ کیا تھا کہ وہ بھی بار بار کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

خدا خدا کر کے ناشتا ختم ہوا۔ تھائی وانگ اپنے کمرے میں چلی گئی اور تقریباً ایک گھنٹے بعد تیار ہو کر باہر نکلی۔

"میں اپنے آفس جارہی ہوں۔ میری واپسی چھ بجے ہوگی۔" وہ میری طرف دیکھ کر رک رک کر کہنے لگی "تم بنگلے میں آزادی سے گھوم پھر سکتے ہو۔ اگر ٹیلی فون کی گھنٹی بجے تو تم کال ریسیو نہیں کرو گے۔ ذاتی طور پر مجھ سے ملنے کے لیے کوئی نہیں آتا اس لیے کسی کے آنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ میں آؤں گی تو گیٹ کا تالا اپنی چابی سے کھول لوں گی۔ فریج میں انڈے وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔ ڈبل روٹی بھی موجود ہے۔ اپنی پسند کا کھانا بنا کر کھالینا۔" وہ مجھے کافی دیر تک ہدایات دیتی رہی اور پھر میز پر سے اپنا وینٹی بیگ اور چابیوں کا گچھا اٹھا کر باہر چلی گئی۔

میں اپنی جگہ پر بیٹھا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ تھائی وانگ نے کار سے اتر کر خود ہی گیٹ کھولا اور کار باہر لے جا کر بند بھی کردیا تھا۔ میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آکر بیڈ پر لیٹ گیا۔ میں تقریباً رات بھر جاگا تھا۔ صبح جلدی اٹھ گیا تھا۔ بیڈ پر لیٹنے کے تھوڑی ہی دیر بعد میری آنکھ لگ گئی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سن کر میں جاگ گیا۔ میں بیڈ سے اتر کر لاؤنج کی طرف لپکا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا مگر لاؤنج میں داخل ہوتے ہی میں یکایک رک گیا۔ مجھے تھائی وانگ کی ہدایت یاد آگئی تھی کہ "تم کال ریسیو نہیں کرو گے" فون کی گھنٹی بجتی رہی اور میں دیکھتا رہا پھر فون خاموش ہوگیا۔ میں نے کھڑے کھڑے کندھے اچکا دیے۔

صبح میں نے ڈھنگ سے ناشتا نہیں کیا تھا اور اب بھوک لگ رہی تھی حالانکہ ابھی صرف بارہ ہی بجے تھے۔ میں کچن میں آگیا۔ صبح کا تھوڑا سا خاگی یا ڈوسائی بچا ہوا تھا۔ میں نے انڈے کا یہ آملیٹ گیس ہیٹر پر گرم کیا اور ڈبل روٹی کے ساتھ کھا گیا۔

پیٹ کی آگ بجھانے کے بعد میں گھوم پھر کر بنگلے کا جائزہ لینے

"تمہارے لیے ایک اہم خبر ہے۔" وہ میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"وہ کیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گزشتہ رات تم نے مجھے اپنے بارے میں جو کہانی سنائی تھی اس پر اگرچہ مجھے یقین آگیا تھا لیکن میں اپنے طور پر بھی تصدیق کرلینا چاہتی تھی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "میں نے آج دفتر میں کوئی کام نہیں کیا۔ سارا کام اپنی اسسٹنٹ کو سونپ دیا اور خود تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی۔ میں رات ڈیڑھ بجے گئی تھی۔ وہاں سے تمہارے اس بیان کی تصدیق ہوگئی کہ چند مہینے پہلے رات کے وقت ایک آدمی کو گولیاں مار کر قتل کیا گیا تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ سنگاپور کا ایک سکھ بزنس مین تھا۔ جو غیر قانونی طور پر بنکاک آیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک نو عمر لڑکی تھی جو معجزانہ طور پر اس فائرنگ سے بچ گئی تھی لیکن بعد میں اس لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں سنا گیا تھا لیکن تم نے مجھے بتایا تھا کہ۔"

"وہ لڑکی میں تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "چاچا پرتاب سنگھ مجھے لڑکی کے بھیس میں سنگاپور سے لے کر آیا تھا۔ میرے کان میں اس بالی کو دیکھ رہی ہو۔" میں نے دائیں کان میں بالی کو چھوا "یہ اس وقت کی یادگار ہے اور میں اسے اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں نے تم پر کوئی شبہ نہیں کیا۔" وہ مسکرائی "مہاراج وانگ وانگ پائے کے کیمپ سے تعلق رکھنے والے ایک آدمی سے اس امر کی تصدیق ہوگئی کہ وہ لڑکی دراصل ایک لڑکا تھا جیسے چند روز وہاں ٹریننگ میں رکھنے کے بعد شہر سے باہر ایک خانقاہ میں بھیج دیا گیا تھا جہاں بھکشوؤں کو موئے تھائی کی تربیت دی جاتی ہے۔ یہ سارے ہنگامے اس لڑکے کے لیے ہورہے ہیں۔ کل رات بلیک ٹائیگر کے پانچ آدمیوں نے فیلا فیلا چائی روڈ کے اس فلیٹ پر حملہ کیا تھا جہاں تم چھپے ہوئے تھے۔ تم تو وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے مگر وہاں دو آدمی مارے گئے۔ ایک آدمی بلیک ٹائیگر کا اور دوسرا مہاراج کا جو اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ تمہاری حفاظت کے لیے گلی کی نگرانی کررہا تھا۔"

"اور وہ عورت..... میرا مطلب ہے کوشلیا؟" میں نے پوچھا۔

"اسے بلیک ٹائیگر کے آدمی اٹھا کر لے گئے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ اسے یرغمال بنا کر مہاراج کو بلیک میل کریں گے اور تمہیں اپنی تحویل میں لینے کا مطالبہ کریں گے۔" اس نے کہا۔

"کیا تمہارے خیال میں مہاراج ان کے دباؤ میں آسکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" تھائی وانگ نے نفی میں سر ہلایا "مہاراج ایک سچا اور کھرا آدمی ہے۔ اس نے سچائی کو جان کر تمہیں اپنی پناہ میں لیا تھا۔ وہ اپنا گردن کٹوا دے گا مگر کسی کے دباؤ میں نہیں آئے گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ کوشلیا نام کی اس عورت کو بھی ان کے چنگل سے چھڑا لے گا۔ ویسے میری معلومات کے مطابق گزشتہ رات کے واقعے کے بعد آج صبح ماسٹر پھو نے خانقاہ میں جا کر مہاراج سے ملاقات کی تھی اور اس سے تمام تر اختیارات کے ساتھ بلیک ٹائیگر کے خلاف کارروائی کرنے کی اجازت حاصل کرلی ہے اور میرا خیال ہے کہ ایک دو دن میں ان دونوں پارٹیوں کے درمیان خوف ناک جنگ چھڑنے والی ہے اور میں دعوے سے کہتی ہوں کہ اس میں زیادہ نقصان بلیک ٹائیگر کا ہوگا۔"

"اور میرا خیال ہے تم نے اس نائٹ کلب کے بارے میں بھی معلوم کیا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ فطری بات ہے بلکہ سب سے پہلے میں اسی طرف گئی تھی۔" تھائی وانگ نے بتایا "وہ ایک تھرڈ کلاس نائٹ کلب ہے جہاں نشے بازوں کو منشیات فراہم کی جاتی ہے اور نیم عریاں عورتوں میں کک باکسنگ کے مقابلے کرائے جاتے ہیں۔ لوگ دراصل باکسنگ کے مقابلے نہیں' ان عورتوں کی فحش حرکتیں دیکھنے کے لیے ایسے کلبوں میں جاتے ہیں۔ تماشائیوں کا تعلق بھی نچلے طبقے سے ہوتا ہے۔ ایسے نائٹ کلبوں میں آئے دن اس قسم کے ہنگامے ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن گزشتہ رات والے ہنگامے کی بنیاد تم تھے۔ تمہارا تعاقب کرنے والوں نے تمہیں کلب میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پہلے انہوں نے اس ہال کو چیک کیا جہاں باکسنگ کا مقابلہ ہورہا تھا پھر وہ اس ہال میں آگئے جہاں موالی نشے میں دھت پڑے ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تم بھی انہی میں گھس کر کہیں چھپ گئے ہو۔ پہلے انہوں نے دو ہوائی فائر کیے تھے تاکہ وہاں پڑے ہوئے نشئی اٹھ کر خارجی دروازے کی طرف بھاگیں اور تمہیں تلاش کرکے پکڑلیں لیکن فرش پر پڑے ہوئے ایک نشئی نے اس غنڈے کو گولی ماردی جس نے ہوائی فائر کیے تھے اور اس طرح وہاں اچھا خاصا ہنگامہ ہوگیا جس میں دو آدمی مارے گئے تھے۔ تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تم کلب کے عقبی راستے سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔"

"اور اس سے زیادہ خوش قسمتی یہ ہے کہ وہاں سے نکلتے ہی مجھے تم مل گئی تھیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تھائی وانگ خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی۔ ہم شام کا اندھیرا پھیلنے تک لان میں بیٹھے رہے اور پھر اندر آگئے۔ لاؤنج میں ٹیلی فون کی طرف دیکھتے ہوئے مجھے اچانک ہی ایک خیال آیا اور میں نے کہا۔ "کیا ٹیلی فون پر مہاراج سے رابطہ ہوسکتا ہے؟"

"مہاراج سے تو نہیں البتہ ماسٹر پھو سے بات کی جاسکتی ہے۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں جمنازیم کا نمبر موجود ہوگا۔" تھائی وانگ نے کہا "لیکن تم اس سے کیا بات کرنا چاہتے ہو؟"

"میں اسے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں خیریت سے ہوں اور محفوظ جگہ پر ہوں۔ اس کے علاوہ اسے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ چی اٹھا کر دیکھنے لگا۔

ان تصویروں کو دیکھتے ہوئے میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی اور پھر مجھے یوں لگا جیسے میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ غنودگی سی طاری ہورہی تھی۔ جسم ایک دم ڈھیلا پڑگیا۔ پلکیں کے بوجھ سے جھکی جارہی تھیں۔ کوشش کے باوجود میں آنکھیں نہ رکھ سکا اور اسی طرح نیم دراز نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کتنی دیر سویا تھا۔ اپنے آہٹ سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ تھائی وانگ میری گود میں البم اٹھا رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے آپ سے شرمندگی محسوس کرنے لگا جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے گیا ہوں۔ میری گود میں لڑکیوں کی تصویروں والا البم دیکھ سوچ رہی ہوگی۔

"میں وقت سے پہلے آگئی۔" وہ مسکراتے ہوئے "سوجاؤ۔ میں تو تمہیں چادر اوڑھانے لگی تھی۔"

"اوہ نہیں۔" میں بیڈ سے اتر گیا "بیٹھے بیٹھے یہ البم دیکھ کہ آنکھ لگ گئی۔ تم نے مجھے آزادی سے گھومنے پھرنے کی اجازت دی تھی لیکن شاید مجھے اس کمرے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو "میں نے کوئی اعتراض تو نہیں کیا۔" وہ چند لمحے خاموش رہی بولی "آؤ۔ دیکھو۔ میں تمہارے لیے کیا لائی ہوں۔"

میں اس کے ساتھ لاؤنج میں آگیا۔ صوفے پر دو تین رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک بنڈل اٹھا کر کھولا تو جینز کی پینٹ اور ڈینم کی شرٹ تھی۔ دوسرے پیکٹ میں بھی کپڑے تھے۔ البتہ تیسرا پیکٹ اس نے نہیں کھولا۔

"یہ کپڑے پہن کر دیکھو۔ میں اندازے سے لائی ہوں مجھے امید ہے کہ تمہیں فٹ آئیں گے۔" تھائی وانگ نے کہا۔

میں کپڑے اٹھا کر اپنے کمرے میں آگیا اور دروازہ بند کر باری باری پتلونیں پہن کر دیکھنے لگا۔ مجھے تھائی وانگ کے اندا کی داد دینی پڑی۔ پتلونیں بالکل فٹ تھیں۔

میں نے ایک پینٹ شرٹ پہن لی اور باقی کپڑے بیڈ پر چھو باہر آگیا۔ لاؤنج میں لگی ہوئی گھڑی کو دیکھا تو ساڑھے چار تھے۔

"کیسا گزرا آج کا دن؟" تھائی وانگ نے مسکراتے ہو میری طرف دیکھا۔

"تقریباً سوتے ہوئے۔" میں نے جواب دیا۔

"بہت اسمارٹ لگ رہے ہو۔" اس کے ہونٹوں کی مسکرا گہری ہوگئی۔

میں جھینپ کر رہ گیا۔ کچھ دیر بعد ہم لان میں آمنے گارڈن چیئرز رکھی ہوئی تھیں۔

فانگ کو کہاں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ کل رات میں نے اسے نائٹ کلب کے دفتر میں دیکھا تھا۔" میں نے کہا۔

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھا کر نمبر تلاش کرنے لگی۔ تقریباً دس منٹ بعد اس نے ایک نمبر الگ کاغذ پر لکھ لیا اور ڈائریکٹری بند کرکے فون کا ریسیور اٹھالیا۔ میں نے وہ نمبر پڑھنے کی کوشش کی مگر وہ تھائی ہندسوں میں تھا۔

تھائی وانگ نے وہ نمبر ملایا۔ کال غالباً فوراً ہی ریسیو کرلی گئی تھی۔ وہ تھائی زبان میں کسی سے باتیں کرتی رہی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کسی بات پر ضد کررہی ہو پھر خاموش ہوگئی۔ تقریباً دو منٹ بعد وہ پھر بولنے لگی۔ اس مرتبہ اس کا انداز بالکل بدلا ہوا تھا۔ جیسے وہ اپنے مخاطب کے لہجے سے مرعوب ہوگئی ہو۔ اس کی باتوں میں ایک مرتبہ میرا نام بھی آیا تھا اور پھر اس نے ریسیور میری طرف بڑھادیا۔

"ماسٹر پھو سے بات کرو۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

فون پر میری آواز سنتے ہی ماسٹر پھو جیسے چونک گیا تھا۔ وہ مجھے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر بولا۔

"ایک نمبر نوٹ کرو اور دو منٹ بعد اس نمبر پر رنگ کرنا۔"

وہ انگریزی میں نمبر لکھوانے لگا۔ ریسیور پر کچھ اور آوازیں بھی آرہی تھیں۔ یہ غالباً جمنازیم کے دفتر کا نمبر تھا اور دفتر میں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے اور ماسٹر پھو ان کی موجودگی میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کاغذ پر وہ نمبر نوٹ کرکے ریسیور رکھ دیا اور تھائی وانگ کو بتانے لگا۔

ٹھیک دو منٹ بعد تھائی وانگ نے ریسیور اٹھا کر وہ نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی فون ریسیو کرلی گئی۔ تھائی وانگ نے ایک جملہ کہا اور ریسیور میری طرف بڑھادیا۔

"ہم تمہارے لیے بہت پریشان تھے۔ تم کہاں ہو؟" ماسٹر پھو نے میری آواز سن کر کہا۔

"میں بالکل محفوظ جگہ پر ہوں۔" میں نے کہا اور گزشتہ رات کے واقعے کی تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں' میں نے کہا "فلیٹ سے فرار ہونے کے بعد میں نے جس نائٹ کلب میں پناہ لینے کی کوشش کی تھی' اس کے دفتر میں چی فانگ کو دیکھ کر مجھے وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا لیکن جب میں وہاں سے فرار ہوا تو اس بل ڈاگ کی شکل والے آدمی نے مجھ پر گولی چلائی تھی لیکن میری شکل وہ بھی نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ میں دروازے سے باہر نکل چکا تھا۔"

"بہت اہم خبر ہے۔" ماسٹر پھو نے کہا "اس نائٹ کلب کا نام بتاؤ اور چی فانگ کا حلیہ بھی۔"

میں نے تھائی وانگ سے کلب کا نام پوچھ کر بتادیا اور چی فانگ کا حلیہ بتانے لگا۔ ہم تقریباً آدھے گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔ ماسٹر پھو بار بار پوچھ رہا تھا کہ میں یہاں محفوظ ہوں یا نہیں۔ میں نے اسے بتادیا کہ تھائی وانگ ایک بالکل غیر متعلق عورت ہے۔ کسی نے مجھے اس کے ساتھ آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے کسی کو شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ میں یہاں ہوں اور یہاں مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

اس کے بعد ماسٹر پھو' تھائی وانگ سے بھی کافی دیر تک باتیں کرتا رہا پھر تھائی وانگ نے ریسیور رکھ دیا۔

"تم نے اسے یہاں کا پتا یا فون نمبر تو نہیں بتایا؟" میں نے پوچھا۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں۔" تھائی وانگ مسکرائی اور کچن کی طرف چلی گئی۔

میں اپنی جگہ پر بیٹھا صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے سوچنے لگا کہ کیا ماسٹر پھو... چی فانگ' دارا اور کم تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائے گا؟

○☆○

مجھے تھائی وانگ کے اس بنگلے میں رہتے ہوئے تین دن ہوچکے تھے۔ اس دوران میں دو مرتبہ ماسٹر پھو سے فون پر میری بات ہوئی تھی اور تین دنوں کے دوران میں کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ البتہ ماسٹر پھو نے یہ بتایا تھا کہ چوشلیا کی رہائی کے لیے کوشش جاری ہے اور روز کلب کی نگرانی بھی کی جارہی ہے لیکن چی فانگ کے حلیے کا کوئی شخص ابھی تک نظروں میں نہیں آیا۔

تھائی وانگ معمول کے مطابق صبح ناشتے کے بعد چلی جاتی۔ اس کی واپسی پانچ اور چھ بجے کے درمیان ہوتی تھی۔ اس نے اب تک اپنے بارے میں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کرتی کیا ہے اور نہ ہی میں نے البم میں لگی ہوئی ان تصویروں کے بارے میں کچھ پوچھا تھا جن کے بارے میں ایک بات کا اندازہ تھا کہ اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ وہ عالی شان بنگلا' قیمتی اور شان دار فرنیچر اور شان دار کار رکھتی تھی۔ گھر میں کوئی ملازم نہیں تھا اور نہ ہی کسی کی آمد و رفت تھی۔ گھر کے سارے کام وہ خود کرتی تھی اور ممکن ہے میری وجہ سے اس نے اپنے ملنے والوں کو یہاں آنے سے منع کردیا ہو۔

وہ چوتھا دن تھا۔ شام کے چھ بج گئے تھے اور خلاف معمول تھائی وانگ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ حالانکہ وہ چھ بجے سے پہلے پہنچ جایا کرتی تھی۔ میں نے کوئی زیادہ توجہ نہیں دی۔ کسی کام کی وجہ سے لیٹ ہوگئی ہوگی لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا رہا' میری پریشانی بڑھتی رہی۔

آٹھ بج گئے۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے ابھرنے لگے تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ بلیک ٹائیگر کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گئی ہو۔ اس رات جب میں نائٹ کلب سے بھاگا تھا اس کی کار میں سوار ہوا تھا تو تقریباً پچاس گز آگے ایک گلی نما دکان کی دکان کھلی ہوئی تھی اور کار اسی دکان کے سامنے سے گزری تھی۔ جبکہ میرے تعاقب میں آنے والا ایک آدمی ایک

سڑک پر دس کر مخالف سمت میں ایک ریسٹورنٹ کی طرف دوڑ گیا تھا۔

ان لوگوں نے میری تلاش تو جاری رکھی ہوگی اور اب میں سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے ان لوگوں نے اس گل فروش سے بعد میں پوچھا ہو اور اس نے تھائی وانگ کی کار کے بارے میں بتادیا ہو اور آج وہ کار ان کی نظروں میں آگئی ہو اور اس طرح تھائی وانگ ان کے ہتے چڑھ گئی ہو۔ ایسی صورت میں میرے لیے بھی خطرہ ہوسکتا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آرام سے بیٹھا تھائی وانگ کی واپسی کا انتظار کرتا رہوں یا بھاگنے کی تیاری شروع کردوں۔

یکایک میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ ماسٹر پھو کو صورت حال سے آگاہ کرنا چاہیے۔ اس کا فون نمبر تو میرے پاس موجود تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں اٹھ کر ٹیلی فون والے کمرے میں آگیا اور میں نے فون کا ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ گیٹ کے باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ ایک منٹ بعد گیٹ کھلا اور تھائی وانگ کو دیکھ کر میرے چہرے پر طمانیت سی آگئی۔

تھائی وانگ اندر داخل ہوئی تو اسے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کا چہرہ مضمحل سا لگ رہا تھا جیسے تھکن سے چُور ہو۔

"کیا ہوا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ٹھیک ہوں۔ پریشانی کی بات نہیں۔" تھائی وانگ نے جواب دیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

مجھے پریشانی تو تھی۔ وہ جب بھی باہر سے آتی کافی دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہتی تھی لیکن آج میری بات کا مختصر سا جواب دے کر اپنے کمرے میں گھس گئی اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد لباس تبدیل کرکے باہر آئی تھی۔ کھلے پائنچوں کا پاجامہ اور اوپن شرٹ۔ گھر میں وہ یہی لباس پہنتی تھی۔

اس وقت نو بج رہے تھے۔ وہ کسی ریسٹورنٹ سے کھانا لے کر آئی تھی۔ بنڈل کھول کر اس نے کھانا پلیٹوں میں نکال لیا۔ اس نے بے رغبتی سے ایک دو لقمے لیے تھے اور پھر اٹھ گئی تھی۔

"لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"جسم ٹوٹ رہا ہے۔" اس نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا "کھا کر میرے کمرے میں آجانا۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

تقریباً دس منٹ بعد میں اس کے کمرے میں آیا تو وہ اپنے بیڈ پر پڑی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ گئی اور دیوار کے ساتھ استادہ الماری کو ٹٹولنے لگی۔ الماری کے پیچھے ایک دروازہ تھا۔ وہ دروازہ کھول کر مجھے اشارہ کرتے ہوئے اندر داخل ہوگئی۔

میں کئی مرتبہ تھائی وانگ کے بیڈ روم میں آیا تھا مگر الماری کے پیچھے اس دروازے کا انکشاف پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ یہ کمرا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور ایک دیوار کے ساتھ سنگل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ سامنے والی دیوار میں ایک ہشمی الماری تھی کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا۔

میں جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا' تھائی وانگ نے دروازہ بند کردیا اور میری طرف دیکھنے لگی۔ چہرہ مضمحل ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی جیسے شکار کو گھیرنے کے بعد شکاری کی آنکھوں میں چمک آجاتی ہے۔ تھائی وانگ کے یہ طور دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ مجھے کوشلیا یاد آگئی۔ جس نے رات کو سوتے میں میرے ساتھ زیادتی کی کوشش کی تھی۔ میں جب سے یہاں آیا تھا یہ بات تو میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ تھائی وانگ جب گھر میں ہوتی تو عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہتی تھی لیکن اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جس سے مجھے چوکنا ہونا پڑتا لیکن اس وقت میں کچھ گڑبڑ سا گیا تھا۔

تھائی وانگ نے الماری کھول کر ہنٹر نکالا تو میرے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہوگئی۔ میں وحشت زدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ میں نے کمرے سے نکل جانے کا ارادہ کیا لیکن میری نیت کو بھانپتے ہوئے وہ دروازے کے سامنے آگئی اور ہنٹر کو مخصوص انداز میں پکڑ کر میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

"قمیص اتارو۔" اس کی آواز میں عجیب سی سرسراہٹ تھی۔

"مم.... میں سمجھا نہیں۔" میں ہکلا کر رہ گیا۔

"میں کہتی ہوں قمیص اتارو۔" اس مرتبہ اس کی آواز میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ہنٹر والے ہاتھ کو اس طرح جھٹکا دیا کہ کمرا سڑاک کی آواز سے گونج اٹھا۔ میں دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور خاموشی سے قمیص اتار دی۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ اس کے لیے کھلونا نہیں بنوں گا اور اگر اس نے حد سے بڑھنے کی کوشش کی تو مزاحمت کروں گا اور اگر زیادہ ہی گڑبڑ ہوئی تو یہاں سے بھاگ نکلوں گا۔

میں نے قمیص اتار کر قالین پر پھینک دی۔ تھائی وانگ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر اس نے ہنٹر میرے سامنے پھینک دیا۔

"ہنٹر اٹھاؤ اور مجھے مارو۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی "میں دیکھ رہی ہوں۔ تمہارے بازوؤں میں بڑی طاقت ہے۔ مجھ پر اس وقت تک ہنٹر برساتے رہو جب تک تم خود نڈھال نہ ہوجاؤ۔"

میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ مجھے جو خدشات تھے۔ وہ بے بنیاد نکلے۔ یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ اس کی یہ فرمائش سن کر میرا

ذہن بری طرح الجھ گیا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ میں اس کی پٹائی کیوں کرتا۔ اس نے میرا کیا بگاڑا تھا۔ وہ تو میری محسن تھی۔ اس نے مجھے موت کے منہ سے بچایا تھا۔ میں اس پر ہاتھ کیسے اٹھا سکتا تھا۔ چہ جائیکہ وہ مجھے ہنر سے پیٹنے کو کہہ رہی تھی۔ میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"میری قوت برداشت جواب دے رہی ہے۔" اس کی آواز بدلی ہوئی تھی "جلدی کرو۔ ہنر اٹھالو اور میری کھال ادھیڑ دو۔"

میں اب بھی خاموش کھڑا متوحش نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرا خیال ہے اس کا دماغ خراب ہوگیا تھا۔ کوئی ذی ہوش انسان یہ خواہش نہیں کرسکتا تھا کہ ہنر سے اس کی کھال ادھیڑ دی جائے۔

"میرا خیال ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تھائی وانگ۔" بالآخر میں نے مدھم لہجے میں کہا "بہتر ہوگا تم ڈاکٹر کے پاس چلی جاؤ۔ یا مجھے نمبر بتاؤ۔ میں فون کرکے ڈاکٹر کو بلالیتا ہوں۔"

"میرا علاج ڈاکٹر نہیں' تمہارے یہ مضبوط بازو ہیں۔" اس نے آگے بڑھ کر میرے دونوں بازو پکڑ لیے پھر اس نے جھک کر قالین پر پڑا ہوا ہنر اٹھا کر میرے سیدھے ہاتھ میں تھمادیا "اب دیر مت کرو۔ شروع ہوجاؤ۔"

اس نے اپنی قمیص بھی اتار کر پھینک دی اور دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑی ہوگئی۔ اس نے دونوں ہاتھ دیوار پر ٹکا لیے تھے۔ میں اس کی طرف دیکھ کر کانپ اٹھا۔ اس کی پیٹھ پر لاتعداد سرخ دھاریاں سی نظر آرہی تھیں۔ میں ہنر ہاتھ میں لیے بے حس و حرکت کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے چند سیکنڈ انتظار کیا اور پھر میری طرف گھوم گئی۔ اس کی آنکھوں میں اچانک ہی سرخی ابھر آئی۔ میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ میں نے عورت کو ہمیشہ ماں کے روپ میں دیکھا تھا لیکن اس رات کو شلیا نے اپنی بے ہودہ حرکت سے میرے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی تھی کہ عورت ماں کے علاوہ کچھ اور بھی ہوتی ہے۔ وہ اگرچہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی لیکن میرا ذہن پراگندہ ہوگیا تھا اور اب تھائی وانگ کو اس حالت میں سامنے کھڑے دیکھ کر میں ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

تھائی وانگ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر اچانک ہی اس نے میرے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ تھپڑ اس قدر زوردار تھا کہ میں لڑکھڑا کر رہ گیا۔

"میں تمہیں غلط سمجھی تھی۔" وہ غرائی "تم مرد نہیں ہو۔ تمہیں شاید کسی گدھی نے جنم دیا تھا۔ بزدل...."

میرا دماغ گھوم گیا۔ اس نے اگر صرف تھپڑ مارنے پر اکتفا کیا ہوتا تو میں چپ رہتا لیکن اس نے میری ماں کو گالی دی تھی۔ میں اپنی ماں کو دنیا کی عظیم ترین ہستی سمجھتا تھا اور اس گالی نے میرے ضبط کے سارے بندھن توڑ دیے تھے۔ تھائی وانگ نے دوسرا تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا لیکن میں نے بائیں ہاتھ سے کلائی پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر نیچے گری۔ سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک بار پھر بزدلی کا طعنہ دیا۔ مرتبہ میرا دایاں ہاتھ حرکت میں آگیا۔

چمڑے کی پتلی پٹیوں کا بٹا ہوا ہنر سڑاک سے اس کی پشت پر لگا۔ وہ کراہ اٹھی۔ میں نے دوسرا وار کیا۔ اس مرتبہ ہنر پشت پر لگا۔ اس نے ایک سسکاری سی بھری اور الٹے پاؤں رہی جس سے میرا اشتعال بڑھتا رہا اور میں غصے میں سنسناتا ہنر اس پر برساتا رہا۔ وہ قالین پر لوٹتی رہی اور میں اسے بناتا رہا۔ اس کی پشت اور پیٹ پر لاتعداد خونی سرخ دھاریاں آئی تھیں۔ وہ قالین پر لوٹتی رہی اور میں اس پر ہنر برساتا رہا۔ ضرب پر وہ اس طرح سسکاریاں بھر رہی تھی جیسے اس مار سے اندوز ہو رہی ہو اور بالآخر وہ لوٹتی ہوئی میرے قدموں میں اس کے دونوں ہاتھ میرے پیروں پر تھے۔ وہ اب بھی سسکا رہی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا۔ ہنر پھینک دیا میں پیر پٹختا ہوا اس کمرے سے نکل گیا۔

اپنے کمرے میں آکر میں بیڈ پر گر گیا۔ میرا جسم ہولے ہو کانپ رہا تھا اور دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وانگ نے جب ماں کی گالی دی تھی تو اس وقت میرا دل تو چاہا میں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں لیکن میں نے اپنا غصہ طرح اتارا تھا کہ اس کی کھال ادھیڑ کر رکھ دی تھی۔

میں اپنے بستر پر لیٹا یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ میں تھائی بہت احترام کرتا تھا۔ وہ میری نظروں میں ایک ایسا مقام جس کا درجہ بہت ارفع و اعلیٰ ہوسکتا تھا لیکن اپنی اس حرکت میری نظروں سے گر گئی تھی۔ میرے دل سے اس کا احترام تھا اور اسے بھی میں کوشلیا جیسی عورتوں کے زمرے میں لگا تھا' نوجوان' خوب رو اور صحت مند مردوں کو دیکھ کر جن ٹپکنے لگتی ہے اور اپنے شہوانی جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتیں۔ وانگ کی اس بیہودہ حرکت کے بعد میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب نہیں رہوں گا۔

یکایک میرے ذہن میں آیا کہ ماسٹر پھو کو صورت حال سے کرکے اسے بتا دینا چاہیے کہ اب میں یہاں نہیں رہ سوچتے ہوئے اٹھ کر لاؤنج میں آگیا اور ٹیلی فون کا ریسیور نمبروں والے بٹن دبانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا گیا۔ ریسیور میں ٹون کی مخصوص آواز سنائی نہیں دے میں نے کریڈل کو دو تین مرتبہ دبایا۔ تار کو ہلا جلا کر دیکھا فون ڈیڈ ہی رہا۔ میں نے ریسیور پٹخ دیا اور دوبارہ اپنے کمرے آگیا۔

میرے دماغ میں ابھی تک سنسناہٹ ہو رہی تھی اور کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔ میں کھڑکی کھول کر کھڑا ہوگیا اور تازہ ہوا لینے لگا۔ اس وقت دُور کہیں کلاک ٹاور نے بارہ بجے کا اعلان کیا۔ گھڑیال کی آواز دیر تک فضا میں گونجتی ہوئی سی محسوس ہوئی تھی۔

میں جب سے تھائی وانگ کے ہاں آیا تھا عام طور پر گیارہ بجے تک سوجاتا تھا اور صبح میری آنکھ بھی جلدی کھل جاتی تھی لیکن آج کے واقعے کے بعد میری نیند اڑ گئی تھی۔

مجھے نہیں معلوم کہ میں کب تک کھڑکی کے سامنے کھڑا رہا پھر کھڑکی کھلی چھوڑ کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ میں نے کمرے کی بتی بجھادی تھی اور اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح نیند آجائے تو اس ذہنی کرب سے نجات ملے لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور ذہنی اذیت بڑھتی جارہی تھی۔

میں اس وقت کھڑکی کی طرف منہ کیے لیٹا ہوا تھا کہ اپنے کندھے پر ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ محسوس کرکے چونک گیا۔ ظاہر ہے وہ تھائی وانگ کے علاوہ اور کون ہوسکتا تھا۔ میں نے توجہ نہیں دی اور خاموش لیٹا رہا۔

"ناراض ہو؟" تھائی وانگ کی مدھم سی آواز میری سماعت سے ٹکرائی "تم نے یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟"

"مجھے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اپنے کندھے پر سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا "تم نے میری ماں کو گالی دی تھی۔ میں صبح ہوتے ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"وہ میری غلطی تھی اور میں تم سے اس غلطی کی معافی مانگنے آئی ہوں۔" تھائی وانگ نے جواب دیا "تم جیسے نوجوان کو جنم دینے والی کوئی معمولی عورت نہیں ہوسکتی' اس کا رتبہ بہت عظیم ہے۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے قابل اعتراض الفاظ استعمال کرکے تمہیں دکھ پہنچایا اور تمہارے جذبات کو ٹھیس پہنچائی جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ میں وہ سب کچھ نہ کہتی تو تمہیں غصہ نہ آتا اور تم میری پٹائی نہ کرتے۔"

"کیا۔۔۔؟" میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تمہارا کردار تمہاری ماں کی تربیت کی دلالت کرتا ہے۔" تھائی وانگ نے کہا "اگر کوئی اور نوجوان ہوتا تو مجھے برہنہ دیکھ کر بھوکے بھیڑیے کی طرح مجھے بھنبھوڑ ڈالتا مگر تمہارے ذہن میں وہ سب کچھ نہیں تھا جو دوسرے نوجوان ایسے موقعوں پر سوچتے ہیں۔ نہ ہی میرے ذہن میں کوئی ایسا گندہ خیال تھا۔ تمہاری شرافت اور کردار کی عظمت کا اندازہ تو میں نے پہلے ہی روز لگالیا تھا جب تم مجھ سے نظریں چرا رہے تھے۔ تمہاری ماں کی شان میں وہ گستاخانہ الفاظ میں نے اس لیے کہے تھے کہ تم میں اشتعال پیدا ہو اور تم اس ہنر سے میری کھال ادھیڑ دو۔"

"کیا۔۔۔ آخر کیوں؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کمرے کی بتی اگرچہ بجھی ہوئی تھی لیکن راہداری سے آنے والی روشنی اتنی کافی تھی کہ ہم ایک دوسرے کو باآسانی دیکھ سکتے تھے۔ اس نے جسم پر چادر اوڑھ رکھی تھی۔

"اب پوچھا ہے تم نے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟" ان کے ہونٹوں پر خفیف مسکراہٹ آگئی "آؤ۔ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ مجھے امید ہے کہ میری بات سننے کے بعد تمہارے دل میں میرے خلاف پیدا ہونے والی نفرت ختم ہوجائے گی۔"

وہ مجھے ہاتھ سے پکڑ کر لاؤنج والے کمرے میں لے آئی۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ بنیان پہنے ہوئے تھا اور قمیص تو شاید میں اسی کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔

"یہ بازو واقعی بہت مضبوط اور طاقت ور ہیں۔" وہ میرے دونوں بازو تھپتھپاتے ہوئے بولی "اور مجھے یقین ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں فولاد بھرتا جائے گا اور تمہارا کوئی دشمن ایک ہاتھ کی مار بھی نہیں سہہ سکے گا۔"

"تم مجھے کچھ اور بتانے کے لیے یہاں لائی تھیں۔" میں نے کہتے ہوئے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ دو بجنے والے تھے۔

"وہی بتانے جارہی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میز پر سے کریم کی ایک شیشی اٹھا کر میرے ہاتھ میں تھمادی "پہلے یہ کریم میرے جسم پر لگادو۔ جب تم ہنر سے میری پٹائی کررہے تھے تو بہت مزہ آرہا تھا۔ اب تکلیف ہورہی ہے۔ یہ کریم لگانے سے تکلیف کچھ کم ہوجائے گی۔"

وہ جسم سے چادر اتار کر قالین پر اوندھی لیٹ گئی۔ اس کا بدن دیکھ کر میں کانپ اٹھا۔ ہنر کی ضربوں کے لاتعداد نشان تھے۔ بعض سے خون رس رہا تھا اور بعض جگہ نیل پڑ گئے تھے۔ میں اس کے زخموں پر کریم لگانے لگا۔ اس کے منہ سے کبھی سسکاری سی نکل جاتی اور کبھی وہ کراہ اٹھتی۔ وہ اس وقت بھی میرے سامنے برہنہ تھی۔ لیکن میرے ذہن میں کوئی شیطانی خیال نہیں تھا۔

وہ اٹھ کر قالین پر دو زانو ہو کر بیٹھ گئی اور جسم پر چادر لپیٹ لی۔ میں بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"جب میرے والدین کا انتقال ہوا تو میں چودہ سال کی تھی اور ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھی۔" تھائی وانگ میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی "میرا باپ مرتے وقت مجھے میرے چچا کے سپرد کرگیا تھا۔ وانگ دراصل میرے والد کا سوتیلا بھائی تھا۔ اس نے مجھے اپنی سرپرستی میں تو لے لیا لیکن اس کی نظریں میرے باپ کی چھوڑی ہوئی جائداد پر تھیں۔ شہر کی گنجان آبادی میں ایک فلیٹ' اور تقریباً تین لاکھ بھات کا بینک بیلنس' میرا باپ الیکٹرونک انجینئر تھا۔ اس کی موت فیکٹری میں ڈیوٹی کے دوران میں ایک حادثے میں ہوئی تھی اور کمپنی نے بھی اس کے مرنے کے بعد گراں قدر معاوضہ دیا تھا۔

"میرا چچا ہوانگ ایک غریب آدمی تھا۔ اس کی غربت میں اس کا اپنا ہاتھ تھا۔ اس نے کبھی تک کر کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اس کی

بیوی ایک فیکٹری میں ملازم تھی اور اسی کی تنخواہ پر گزارہ تھا۔ چچا کو شراب اور جوئے کی عادت بھی تھی۔ وہ چچی کی تنخواہ کی رقم بھی چھین کر اپنی عیاشی میں اڑا دیتا۔ کبھی کبھی وہ ہمارے ہاں آجاتا تھا کہ میرا باپ اس کی تھوڑی بہت مدد کردیا کرتا تھا۔

"میرے باپ کو فیکٹری میں حادثہ پیش آیا تو وہ شدید زخمی ہوا تھا اور شاید اسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ زندہ نہیں بچے گا اس لیے اس نے چچا ہوانگ کو میرا سرپرست مقرر کردیا تھا۔ اس کے علاوہ ہمارا کوئی اور قریبی رشتے دار تھا بھی نہیں۔ حادثے کے تین دن بعد میرا باپ مرگیا۔

"چچا ہوانگ نے چند روز تک تو شرافت دکھائی پھر اپنے اصل رنگ میں آگیا۔ میرے باپ کا بینک بیلنس چند ہفتوں میں ختم ہوگیا۔ باپ کے مرنے کے بعد فیکٹری سے جو معاوضہ ملا تھا' وہ بھی شراب اور جوئے میں اڑا دیا۔ میری چچی پہلے تو روک ٹوک کرتی رہی پھر وہ بھی اس کے رنگ میں رنگتی چلی گئی۔

"ہمارا فلیٹ بہت بڑا تھا۔ جب نقد سرمایہ ختم ہوگیا تو چچی اور چچا مجھے شہر کے نہایت گندے علاقے میں واقع اپنے دو کمروں کے فلیٹ میں لے آئے اور مجھے کہا کہ ہمارے والا فلیٹ کرائے پر دے دیا گیا ہے۔ اس کی آمدنی سے گھر کے اخراجات چلاتے رہیں گے۔ مجھ سے کچھ کاغذات پر دستخط بھی کروائے گئے تھے لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ چچا نے ہمارا فلیٹ اونے پونے بیچ دیا ہے اور اس سے ملنے والی رقم بھی تین چار مہینوں میں اڑا دی گئی۔

"گھر میں فاقے ہونے لگے تو میری تعلیم کا سلسلہ منقطع کردیا گیا اور مجھے مجبور کیا جانے لگا کہ میں کہیں نوکری کرکے رقم کماؤں۔ چچا اور چچی مجھے بری طرح پیٹتے رہتے تھے۔ مجھے ایک ریسٹورنٹ میں ویٹریس کی نوکری مل گئی۔ تنخواہ تو کم تھی لیکن گاہکوں سے بخشش میں روزانہ اچھی خاصی رقم مل جاتی تھی۔ جب میں گھر آتی تو چچی میری تلاشی لے کر ساری رقم چھین لیتی۔ اس کا خیال تھا کہ میں کچھ رقم چھپاتی بھی ہوں۔ وہ مجھے بری طرح پیٹ دیتی اور میں روزانہ اس کی مار کی عادی ہوچکی تھی۔

"چودہ پندرہ سال کی عمر بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ ریسٹورنٹ میں آنے والے گاہکوں کا خیال تھا کہ میں صرف یہاں نوکری نہیں کچھ اور بھی کرتی ہوں۔ بعض گاہک مجھ سے گستاخ مذاق کرتے اور بعض زیادہ سے زیادہ ٹپ دے کر مجھے اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے۔ میں بڑی مشکل سے وقت کاٹ رہی تھی۔

"ایک مرتبہ چچی اور چچا مجھے کنچن بوری لے گئے۔ یہ بنکاک کے شمال میں ایک سو میل کے فاصلے پر ایک خوب صورت ہل اسٹیشن ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ ایک ہفتے کی چھٹیاں منانے کے لیے کنچن بوری جارہے ہیں۔ اس خوب صورت شہر میں انہوں نے رہائش کے لیے جو کاٹیج لیا تھا' وہ شہر سے تقریباً چھ کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ چاروں طرف سے سبزے اور اونچے درختوں میں گھرا ہوا وہ کاٹیج بڑا شان دار اور قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا۔ چچی اور چچا کی مالی حیثیت ایسی نہیں تھی کہ وہ اس قسم کا کاٹیج کرائے پر لے سکتے۔ بنکاک سے روانگی سے ایک دن پہلے انہوں نے میرے لیے چند نئے کپڑے بھی خریدے تھے اور مجھے اس پر بھی حیرت ہوئی تھی۔

"وہ دن اور وہ رات ہم نے بڑے خوشگوار ماحول میں گزاری تھی۔ دوسرے دن شام سے کچھ پہلے ایک شان دار کار ہمارے کاٹیج کے سامنے آکر رکی۔ ڈرائیور کے علاوہ اس کار میں صرف ایک آدمی تھا۔ سات فٹ کے قریب قد اور بھاری ڈیل ڈول۔ مجھے تو وہ جن زاد ہی لگا تھا۔ چچی اور چچا سٹنگ روم میں بیٹھے دیر تک اس سے رازدارانہ انداز میں گفتگو کرتے رہے۔

"شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ میں اس وقت باتھ روم میں تھی کہ مجھے کار کے روانہ ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں نے شکر ادا کیا کہ وہ دیو قامت شخص چلا گیا ہے کیونکہ اسے دیکھ کر ہی مجھے وحشت ہوتی تھی لیکن جب میں باتھ روم سے نکلی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ شخص تو نشست گاہ میں بیٹھا ہوا تھا اور چچی اور چچا غائب تھے۔ میں خارجی دروازے کی طرف بڑھی تو اس شخص نے بتایا کہ وہ دونوں جاچکے ہیں۔ میں سٹپٹا سی گئی۔ چچی اور چچا مجھے اکیلے چھوڑ کر کیسے جاسکتے ہیں۔ جب یہ انکشاف ہوا کہ چچی اور چچا مجھے کوچیانگ نامی اس شخص کے ہاتھ فروخت کرگئے ہیں تو میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ پہاڑیوں میں بل کھاتے ہوئے راستے پر کار کے انجن کی آواز ابھی سنائی دے رہی تھی۔ میں کاٹیج سے نکل کر بھاگی تو اس دیو قامت کوچیانگ نے مجھے پکڑ لیا۔

"یہ تو مجھے بعد میں پتا چلا کہ کوچیانگ سے میرے سودے کی بات کئی روز سے چل رہی تھی اور چچا ہوانگ وقتاً فوقتاً اس سے چھوٹی موٹی رقمیں بھی لیتا رہا تھا اور بالآخر پروگرام بنا کر وہ دونوں مجھے دھوکے سے یہاں لے آئے اور مجھے اس کے حوالے کرکے چلے گئے۔ آخری قسط کے طور پر انہیں صرف دس ہزار بھات ملے تھے۔ یہ کاٹیج بھی کوچیانگ کا تھا۔

"اس رات مجھ پر جو بیتی ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی۔ شہر سے دور ویرانے میں میری چیخیں سننے والا کوئی نہیں تھا۔ میں آخری لمحے تک مزاحمت کرتی رہی۔ کوچیانگ نے ہنٹر سے میری کھال ادھیڑ ڈالی تھی۔ یوں تو میں چچی اور چچا سے مار کھاتی رہتی تھی لیکن اس رات ہنٹر کی مار پہلی مرتبہ کھائی تھی۔

"پندرہ دن تک میرے ساتھ یہی کچھ ہوتا رہا۔ کوچیانگ پہلے ہنٹر سے مجھے پیٹتا اور پھر بھیڑیوں کی طرح مجھے نوچنے لگتا۔ میں بھاگنے کا موقع تلاش کرتی رہی لیکن اس نے میری نگرانی کے لیے شہر سے ایک ہٹی کٹی عورت کو بلا لیا تھا۔ وہ شکل سے ہی حرافہ لگتی تھی۔ سائے کی طرح میرے ساتھ لگی رہتی۔

"سولھویں شب مجھے موقع مل گیا۔ کوچیانگ شراب کا عادی

تھا لیکن اس رات اس نے کچھ زیادہ ہی چڑھالی تھی اور وہ نشے میں دھت ہوگیا تھا۔ اس طرح مجھے اس کے پستول پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے چھ کی چھ گولیاں اس کے سینے میں اتار دیں۔ موقع کمرے سے باہر نکلی تو میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر نگران میں جب کمرے سے چیختی ہوئی بھاگ کھڑی ہوئی۔ میں پہاڑیوں میں اس بل کھاتے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے کسی نہ کسی طرح شہر پہنچ گئی اور سیدھے آپ کو پولیس کے حوالے کردیا۔

"مگر ان عورت اور میری چچی بھاگ پکڑے گئے تھے۔ کیس چلا اور مجھے سات سال کی سزا ہوئی جبکہ چچی اور چچا کو مختلف الزامات میں طویل مدت کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔ جیل میں بھی میرے ساتھ کوئی قابل تعریف سلوک نہیں ہوا۔ میں نہ صرف قیدی عورتوں سے پٹتی رہتی بلکہ جیل کی ایک وارڈن میری پٹائی کرتی رہتی۔ اسے شاید مجھ سے خدا واسطے کا بیر ہوگیا تھا۔ وہ جب تک دن میں ایک مرتبہ مجھے پیٹ نہ لیتی اسے چین نہیں آتا تھا اور میں بھی اس پٹائی کی عادی ہوگئی تھی۔"

تھائی وانگ خاموش ہوگئی۔ میں بھی خاموش بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی کہانی سن کر مجھے واقعی اس سے ہمدردی ہوگئی تھی۔

"جیل سے نکلنے کے بعد میں جس طرح وقت سے لڑتی رہی وہ ایک طویل داستان ہے۔" تھائی وانگ کہہ رہی تھی "چچا اور چچی جیل میں ہی مرگئے تھے اور مجھے ان کے مرنے کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ میں اب آزاد تھی۔ میں نے اپنے قدم جمانے کے لیے بڑی تگ ودو کی۔ آج میں ایک کامیاب بزنس وومن ہوں لیکن ماضی میں میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا' اس نے مجھے اذیت پسند بنا دیا۔ میرا جسم مار کا عادی ہوچکا ہے۔ جب تک میں تشدد کا نشانہ نہ بنوں مجھے چین نہیں آتا۔ بڑی عمر کے مردوں پر مجھے بھروسا نہیں ہے۔ میں تمہاری عمر کے نوجوانوں کو پیسے کا لالچ دے کر ان سے یہ کام لیتی ہوں۔ ہنٹر سے پٹائی کے بعد جب تک جسم میں جلن رہتی ہے مجھے سکون ملتا ہے اور صبح جیسے جلن کم ہوتی جاتی ہے' میری بے چینی میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ جب میرے جسم پر کوڑے پڑتے ہیں تو تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ مجھے کتنا حظ اور سکون ملتا ہے۔ آج کی یہ پٹائی چار چھ روز کے لیے کافی ہے۔"

میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ پٹائی اس کے لیے گویا ایک طرح کا نشہ تھا۔ جیسے جیسے اس کا اثر زائل ہونا شروع ہوگا' اس کی بے چینی بڑھنے لگے گی۔

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے تین بج رہے تھے۔ اسے بھی شاید وقت کا خیال آگیا تھا۔ وہ اپنے جسم پر لپٹی ہوئی چادر سنبھالتی ہوئی اٹھ گئی۔

"مجھے امید ہے کہ اب تم نے مجھے معاف کردیا ہوگا۔" وہ میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی "تمہیں برا بھلا کہنے کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ تمہیں اشتعال دلایا جائے اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ میں تمہارے ان خیالات کے سامنے بند باندھنا چاہتی تھی جو مجھے برہنہ دیکھ کر تمہارے ذہن میں آسکتے تھے۔ میرے خیال میں اب تمہارے دل میں کوئی ایسی بات نہیں رہنی چاہیے۔"

میں اس کی بات کا جواب دیے بغیر اپنے کمرے میں گھس گیا اور بستر پر لیٹ کر دیر تک تھائی وانگ کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کی کہانی واقعی افسوس ناک تھی۔ اس کے ساتھ ظلم ہوا تھا اور میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ میرے ماں باپ کو میری آنکھوں کے سامنے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور میں اپنی جان بچانے کے لیے چھپتا پھر رہا تھا۔ میرے دشمن موت کے فرشتوں کی طرح میرے تعاقب میں لگے ہوئے تھے۔ میں جہاں بھی پناہ لیتا' چند روز بعد وہ مجھے ڈھونڈ نکالتے۔ کیا میں زندگی بھر اسی طرح بھاگتا رہوں گا؟

تھائی وانگ کے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہوا تھا لیکن اس نے حالات کا مقابلہ کیا تھا اور آج وہ سکون کی زندگی بسر کررہی تھی۔ اس نے اپنے دشمنوں کو ختم کردیا تھا۔ مجھے بھی ایسا ہی کرنا ہوگا۔ اس طرح چھپ کر زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔

میں رات کے آخری پہر سویا تھا۔ آنکھ کھلی تو دن کے بارہ بج رہے تھے۔ گھر میں خاموشی تھی۔ میرا خیال تھا کہ تھائی وانگ صبح اپنے دفتر جاچکی ہوگی۔ اس نے مجھے نہیں جگایا ہوگا کہ میں اپنی نیند پوری کرلوں۔ جاگ جانے کے بعد بھی میں دیر تک بستر پر پڑا رہا اور پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔

آدھے گھنٹے بعد جب میں اپنے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف جانے لگا تو تھائی وانگ کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے میری نگاہ بے اختیار اندر کی طرف اٹھ گئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور تھائی وانگ بستر پر اوندھی پڑی تھی۔ چادر اس کے جسم پر سے ہٹی ہوئی تھی۔ اس کی پشت پر کوڑے کی ضربوں کے نشان دور ہی سے نظر آرہے تھے۔ میں غیر ارادی طور پر کمرے میں گھس گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر مجھے افسوس ہوا تھا۔ میں نے رات کو غصے میں کچھ زیادہ ہی دھنائی کر ڈالی تھی۔

تھائی وانگ بے حس و حرکت پڑی تھی۔ میں نے دو تین آوازیں دیں مگر کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے ہولے سے ہلایا مگر وہ بے حس و حرکت پڑی رہی۔ مجھے تشویش ہونے لگی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ.... میں نے سر جھٹک دیا۔ رات ساڑھے تین بجے تک تو وہ بیٹھی باتیں کرتی رہی تھی۔ میں نے اس کے کندھے کو جھنجھوڑ دیا۔ اس نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں تو مجھے قدرے اطمینان ہوا۔

ایک گھنٹے بعد ہم دونوں ناشتا کررہے تھے۔ تھائی وانگ ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی کہ تشدد اور اذیت کا نشانہ بننے کے بعد بھی اس کے معمولات میں کبھی فرق نہیں آیا تھا اور یہ شاید

پہلا موقع تھا کہ وہ اس طرح بے سُدھ پڑی رہی تھی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ میں نے قوت بازو کچھ زیادہ ہی استعمال کر ڈالی تھی۔

اس روز وہ اپنے دفتر نہیں گئی۔ بستر پر اوندھی پڑی رہی۔ میں کبھی اس کے پاس بیٹھ جاتا اور کبھی اِدھر اُدھر گھومنے لگتا۔

دوسرے روز وہ دفتر گئی تو معمول کے مطابق چھ بجے سے پہلے ہی واپس آگئی۔ اس نے آتے ہی اعلان کر دیا تھا کہ ہم آج رات کا کھانا گھر سے باہر کسی ہوٹل میں کھائیں گے۔

جب ہم گھر سے نکلے تو رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ میرے دل میں ہلکا سا خوف بھی تھا۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تو...! لیکن تھائی وانگ نے مجھے تسلی دی کہ ہر شخص تو مجھے نہیں پہچانتا۔ دو چار آدمی ہی مجھے پہچانتے ہوں گے اور ضروری نہیں تھا کہ جہاں ہم جائیں وہاں ان میں سے کوئی موجود ہو۔

کار متوسط رفتار سے مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی اور میں محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔ پورا شہر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ہمارے سفر کا اختتام راجہ پراپرٹیز روڈ پر واقع عالی شان اندرا رینجیت ہوٹل کے پارکنگ لاٹ پر ہوا۔ اس ہوٹل کا سالا تھائی ریسٹورنٹ روایتی تھائی کھانوں کی وجہ سے خاص شہرت رکھتا تھا یہاں گاہکوں کا دل بہلانے کا بھی معقول بندوبست تھا۔ رات ساڑھے آٹھ بجے کے بعد اسٹیج پروگرام شروع ہو جاتا تھا جس میں سیام کے قدیم روایتی رقص پیش کیے جاتے تھے۔ اس ہوٹل میں صرف وہی لوگ آسکتے تھے جن کی جیبیں کرنسی نوٹوں سے بھری ہوئی ہوں۔ عام آدمی کا اس طرف سے گزر نہیں تھا۔

ہم دیر تک کھانے، مشروبات اور رقص سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اس دوران میں 'میں واقعی بھول گیا تھا کہ میری جان کے دشمن پورے شہر میں مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ہم گیارہ بجے ریسٹورنٹ سے نکلے اور جیسے ہی پارکنگ میں کار کے قریب پہنچے تھائی وانگ ٹھٹک گئی۔ کار کے دائیں طرف کے دونوں ٹائر فلیٹ تھے۔ ہم کار کے سامنے سے گھوم کر دوسری طرف آگئے۔ اس طرف کے دونوں ٹائر بھی فلیٹ تھے۔ مجھے اپنی گردن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ کار کے چاروں ٹائر فلیٹ ہونا محض اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔ پسینوں کی ہوا جان بوجھ کر نکالی گئی تھی۔ میری چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجادی۔

میری طرح تھائی وانگ بھی متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ پھر ہم دونوں نے بیک وقت ہوٹل کے سامنے والی سڑک پر دوسری طرف اس شخص کو دیکھ لیا تھا جو بجلی کے کھمبے سے ٹیک لگائے کھڑا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس نے سفید پینٹ اور سفید ہی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جس پر سامنے کے رخ پر کوئی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ گلے میں سرخ اسکارف بندھا ہوا تھا۔

"مسٹر وجدان۔" تھائی وانگ میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی "اندر چلو۔ ہم اس طرف سے نہیں جاسکتے۔"

"میں نے بھی سرخ اسکارف والے اس آدمی کو دیکھ لیا ہے۔" میں نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا "لیکن فکر مت کرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

تھائی وانگ نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

"گڈ! تم واقعی دلیر نوجوان ہو۔ اگر تم میں واقعی ایسا جوہر پیدا ہو تا رہا تو وہ لوگ واقعی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

اس نے اگرچہ میری حوصلہ افزائی کی تھی لیکن میں جھنجھنا گیا۔ میں نے اس سے ساتھ ہونے والی بات ایسے کہہ دی تھی جیسے خطرہ مجھے نہیں اسے ہے اور میں اس کی حفاظت کے لیے ساتھ آیا ہوں۔

ہم دونوں دوبارہ ریسٹورنٹ میں گھس گئے لیکن وہاں رکے نہیں۔ میزوں کے درمیان چکراتے ہوئے دوسرے دروازے سے ہوٹل کے اندرونی حصے کی طرف نکل گئے۔ تھائی وانگ یقیناً یہ بھی یہاں آتی رہتی تھی۔ اسے ہوٹل کے راستے معلوم تھے۔ مختلف راستوں سے گھومتے ہوئے پچھلی طرف آگئے۔ ہوٹل کا ایک دروازہ سوئے اندرا والی سائڈ پر بھی تھا لیکن تھائی وانگ جیسے ہی باہر نکلی ٹھٹک کر رک گئی۔ اس طرف بھی گلی میں چند گز کے فاصلے پر اسی حلیے سے ملتا جلتا ایک آدمی کھڑا ہوا تھا۔ اس کے گلے میں اسکارف نہیں تھا البتہ سر پر پیلے رنگ کا ایک الاسٹک بینڈ لپٹا ہوا تھا۔ تھائی وانگ میرا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے پیچھے مڑ گئی۔

مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے ہم ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہ ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر کا کمرا تھا۔ سوئچ بورڈ کے سامنے دو خوب صورت لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک تو فون پر کسی سے بات کر رہی تھی اور دوسری نے بات ختم کر کے سوئچ بورڈ پر لگا پلگ آف کیا تھا۔ وہ گردن گھما کر ہماری طرف دیکھنے لگی۔

"مجھے ایک فون کرنا ہے۔ ایمرجنسی ہے۔" تھائی وانگ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"لابی میں پبلک بوتھ لگے ہوئے ہیں اور اس وقت دونوں فارغ ہیں۔" لڑکی نے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"ایمرجنسی ہے پلیز!" تھائی وانگ نے کہا "ہمیں جان کا خطرہ ہے۔ ہم لابی میں نہیں جاسکتے۔"

"پولیس کو فون کرنا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں۔ پلیز۔ مجھے فون کر لینے دو۔ وہ لوگ ہماری تلاش میں یہاں آگئے تو..."

"یہ ڈائرکٹ لائن ہے۔" لڑکی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ایک ٹیلی فون سیٹ آگے سرکا دیا "فون کر کے تم لوگ فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔"

تھائی وانگ نے ریسیور اٹھالیا اور نمبر پریس کرنے لگی۔ ریسیو ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ اس کی باتوں سے

اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ماسٹر پھو کو اس صورت حال سے آگاہ کر رہی تھی پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور بیرونی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ماسٹر پھو پندرہ منٹ میں یہاں پہنچ جائے گا۔ اس وقت تک ہمیں ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر یہیں کہیں وقت گزارنا ہے۔ آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔"

اس نے ٹیلی فون آپریٹر کا شکریہ ادا کیا اور ہم دونوں اس کمرے سے نکل آئے۔ دو راہداریوں میں گھوم کر ہم لابی کی طرف نکل آئے لیکن تھائی وانگ فوراً ہی پیچھے مڑ گئی اور ایک اور راہداری میں ہوتے ہوئے ایک زینے پر چڑھ گئی۔ زینے کے اختتام پر ایک فلور تھا۔ تھائی وانگ نے مجھے اشارہ کیا اور ہم دوڑتے ہوئے کارنر کے ایک کمرے میں گھس گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی تھائی وانگ نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

خاصا وسیع و عریض کمرا تھا۔ کسی لائبریری کی طرح بڑے بڑے ریکس بنے ہوئے تھے لیکن ان ریکس میں کتابوں کے بجائے تہ کیے ہوئے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ چادریں، پردے، تولیے، غلاف، میز پوش اور اسی قسم کی چیزیں تھیں۔ تھائی وانگ نے کمرے کی بتی بجھا دی اور ہم ان ریکس کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک کھڑکی کے قریب آکر رک گئے۔

یہ کھڑکی مین روڈ کی طرف تھی اور یہاں سے نہ صرف ہوٹل کا گیٹ بلکہ اس کے سامنے کی سڑک بھی نظر آرہی تھی۔ سرخ اسکارف والا وہ بدمعاش اب بھی سڑک کے دوسری طرف بجلی کے کھمبے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔ میں کھڑکی کے ایک طرف کھڑا شیشے سے جھانک کر دیکھ رہا تھا اور پھر دو کاریں مخالف سمت سے آکر بیک وقت گیٹ کے سامنے رکی تھیں، ایک کار سے ماسٹر پھو کو اترتے دیکھ کر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی لیکن دوسرے ہی لمحے دوسری کار سے چی فانگ کو اترتے دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے۔ ماسٹر پھو کی کار سے بھی دو اور آدمی اتر آئے تھے۔

اور پھر وہاں جو کچھ بھی ہوا، اسے میں جنگ کا نام ہی دوں گا۔ ماسٹر پھو اور چی فانگ پہلے ایک دوسرے کو للکارتے رہے اور پھر بھیڑیوں کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ ان دونوں کے ساتھ آنے والے بھی آپس میں بھڑ گئے تھے۔

ہوٹل کی انتظامیہ نے گیٹ بند کرا دیا تھا۔ لان میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے، وہ بھی اٹھ کر اندر چلے گئے تھے۔ ریسٹورنٹ وغیرہ کے دروازے بھی بند کر دیے گئے تھے۔

میں دم بخود سا کھڑا سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ماسٹر پھو اور چی فانگ کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے دو پہاڑ آپس میں ٹکرا گئے ہوں۔ وہ چیختے چنگھاڑتے ہوئے ایک دوسرے پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ چی فانگ کو میں نے پہلے لڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا تھا جب اس نے میری ماں کو قتل کیا تھا۔ وہ جس بے رحمی سے میری ماں پر خنجر سے وار کر رہا تھا، وہ منظر میں آج تک نہیں بھول سکا پھر وہ موت کا سایہ بن کر میرے تعاقب میں لگا تھا اور آج میں اسے لڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کا انداز دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ بھی اپنے فن کا ماسٹر تھا۔

چی فانگ کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ وہ ماسٹر پھو کو فلائنگ کک مارنا چاہتا تھا۔ ماسٹر پھو نے اس کے دونوں پیر پکڑ کر پیچھے اچھال دیا۔ چی فانگ قلابازی کھاتا ہوا پیروں کے بل گرا اور فوراً ہی سنبھل گیا لیکن ماسٹر پھو نے اسے مزید سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے یوں حرکت کی جیسے پنچ مارنا چاہتا ہو لیکن اس کی لیفٹ کک پوری قوت سے چی فانگ کی ٹھوڑی کے نیچے نرخرے پر لگی اور وہ ڈکراتا ہوا پیچھے الٹ گیا اور پھر ماسٹر پھو نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اسپن، راؤنڈ ہاؤس اور بیک کِکس چی فانگ پر برستی رہیں لیکن ایک موقع پر چی فانگ نے ماسٹر کی کک روک لی اور اسے پیچھے اچھال دیا۔ ماسٹر پھو الٹ کر پیچھے گرا مگر اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

چی فانگ نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چٹلون کا پائنچہ اوپر اٹھایا اور پنڈلی پر چمڑے کے فیتے سے بندھا ہوا خنجر نکال لیا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر میری آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی۔

ماسٹر پھو نے چی فانگ کے خنجر والے ہاتھ پر کک لگانے کی کوشش کی مگر چی فانگ اس داؤ کو بھانپ گیا۔ اس نے جوابی وار کرنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ ماسٹر پھو نے اپنے آپ کو بچا لیا مگر اس کے ساتھ ہی اس کا پیر پھسل گیا اور وہ پشت کے بل گر گیا۔ ماسٹر پھو نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن عین اس وقت چی فانگ کا ایک آدمی ماسٹر پھو کے ایک آدمی کا پنچ کھا کر ماسٹر پھو کے اوپر گرا اور اس نے موقع ملتے ہی ماسٹر پھو کے دونوں بازو گرفت میں لے لیے۔

چی فانگ بڑی تیزی سے آگے بڑھا اور چنگھاڑتے ہوئے خنجر پوری قوت سے ماسٹر پھو کے سینے میں اتار دیا۔ چی فانگ نے خنجر کا دوسرا وار کرنے کے لیے ہاتھ اوپر اٹھایا۔ ماسٹر پھو کے بازو اس بدمعاش کی گرفت میں تھے۔ اس نے دونوں پیر زمین پر ٹکا کر پوری قوت استعمال کرتے ہوئے برج بنایا اور اس طرح اچھلا کہ وہ بدمعاش اچھل کر دور جا گرا۔ ماسٹر پھو اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے سینے سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے چی فانگ کا دوسرا وار روکنے کی کوشش کی مگر لڑکھڑا گیا۔ خنجر دوسری مرتبہ اس کے سینے میں پیوست ہو گیا۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ٹانگیں ہولے ہولے کانپنے لگیں۔ ماسٹر پھو زخمی ہونے کے باوجود چی فانگ کی طرف بڑھ رہا تھا اور چی فانگ پے در پے اس پر خنجر کے

دار کر رہا تھا اور پھر میں نے ماسٹر پھو کو سڑک پر گرتے ہوئے دیکھا۔

اسی لمحے وہاں ایک اور کار آکر رکی اور چار پانچ آدمی نیچے اترے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ چی فانگ کے آدمی تھے یا ماسٹر پھو کے۔

تھائی وانگ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے دروازے کی طرف کھینچنے لگی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کا ہاتھ بھی کانپ رہا تھا۔ ہم اس کمرے سے نکل کر راہداری میں دوڑنے لگے۔ راہداری میں کچھ لوگوں سے آمنا سامنا بھی ہوا۔ وہ سب خوف زدہ نظر آرہے تھے۔ ہم اسی تنگ سے زینے سے اتر کر راہداریوں میں ہوتے ہوئے ہوٹل کے پچھلے دروازے کی طرف آگئے۔ میں نے باہر جھانک کر دیکھا۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ اس طرف ہوٹل کی نگرانی کرنے والا بدمعاش بھی غالباً ہوٹل کے سامنے والے رخ پر چلا گیا تھا۔

میں تھائی وانگ کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آیا اور ہم دوڑتے ہوئے سونگ فور کی طرف مڑ گئے اور دوسری طرف کے مین روڈ پر آگئے۔ سامنے ہی ایک ٹک ٹک کھڑا تھا۔ ہم دونوں رکشے سے ملتی جلتی اس سواری میں بیٹھ گئے۔

"راماون روڈ۔ ہری اپ!" تھائی وانگ چیخی۔

ٹک ٹک فوراً ہی حرکت میں آگیا۔ تھائی وانگ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ راماون روڈ پر ٹک ٹک چھوڑ کر ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ سیام اسکوائر کے قریب وہ ٹیکسی چھوڑ کر ہم ایک اور ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور اس طرح ٹیکسیاں بدلتے ہوئے ہم ناکن برج پر پہنچ گئے۔ آخری ٹیکسی ہم نے بیوری روڈ پر چھوڑ دی تھی اور وہاں سے آگے پیدل ہی آئے تھے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی تھائی وانگ نے دروازے اس طرح لاک کر لیے جیسے وہ ہمارے تعاقب میں آرہے ہوں۔

تھائی وانگ بری طرح خوف زدہ تھی۔ اس نے اپنی ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے پستول نکال لیا تھا۔

ہماری وہ رات جاگتے ہوئے گزری تھی۔ خوف زدہ میں بھی تھا۔ ماسٹر پھو کے انجام نے میری روح تک کو تڑپا کر رکھ دیا تھا۔ وہ میری وجہ سے چی فانگ جیسے سفاک آدمی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا۔

تھائی وانگ کی کار اندرا ریجنٹ ہوٹل کے پارکنگ میں کھڑی تھی لیکن دوسرے دن صبح بھی وہ گھر سے نہیں نکلی۔ اس نے تمام دروازوں کو تالے لگا رکھے تھے۔

شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں اور تھائی وانگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ تھائی وانگ اٹھ کر فون کے قریب چلی گئی اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔

"تم کون ہو؟ تمہارا میری کار سے کیا تعلق ہے۔ جب چاہوں گی، لے آؤں گی۔"

میں نے تھائی وانگ کو ماؤتھ پیس میں کہتے سنا اور پھر دوسری طرف سے جو کچھ بھی کہا گیا تھا۔ اسے سن کر تھائی وانگ کے دھواں ہوگیا تھا۔ چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ میں جلدی سے اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا ہوا.... کس کا فون تھا؟" میں نے پوچھا۔

"انہوں نے کار کے نمبر سے میرا ایڈریس معلوم کر لیا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ تم یہاں ہو۔" تھائی وانگ نے گھٹی ہوئی آواز حلق میں اٹک رہی تھی "وہ.... وہ لوگ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتے ہیں۔"

مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ماسٹر پھو دھماکے سے ہو رہے تھے۔ میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر میری زبان سے چپک کر رہ گئی تھی۔

○☆○

میں سکتے کی سی کیفیت میں کھڑا تھائی وانگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی ٹیلی فون اسٹینڈ کے قریب اس طرح کھڑی تھی جیسے ہو گئی ہو۔ اسٹینڈ سے نیچے لٹکا ہوا ٹیلی فون کا ریسیور رگلاک کی طرح جھول رہا تھا۔ ریسیور میں کوئی آواز ابھر رہی تھی۔ صرف آواز تھی۔ میرے لیے ان الفاظ کے معنی یا مفہوم خفیہ تھا۔ وہ صرف آواز تھی۔ جیسے موت کی چاپ!

تھائی وانگ کی آنکھیں خوف سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔ چہرہ اس طرح سفید پڑ گیا تھا جیسے اس کے جسم میں گردش والے خون کے سرخ سیل اچانک ہی ناپید ہو گئے ہوں۔ زبان گنگ ہو گئی تھی۔ قوت گویائی تو میری بھی سلب ہو چکی تھی مجھے تو یوں لگا تھا جیسے ایک لمحے کو زمین کی گردش رک گئی ہو کائنات پر سکوت طاری ہو گیا ہو اور زندگی کنجیر سناٹے میں ڈوب گئی ہو اور پھر اچانک یہ سکوت اور سناٹا ٹوٹ گیا۔

"ف.... وج.... دان...." تھائی وانگ کے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے کپکپاتی ہوئی سی آواز نکلی تو میں بھی جیسے ہوش میں آگیا "وہ لوگ.... کسی بھی وقت یہاں پہنچ جائیں گے۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ ہری اپ....!"

مجھے اس کی ہمت کی داد دینی پڑی۔ یہ فون کال گویا موت کی کال تھی جس نے ایک لمحے کو ہم دونوں کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ تھائی وانگ نے بڑی سرعت سے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ وہ ایک دم حرکت میں آگئی تھی۔

میں بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے ساتھ بیڈ روم میں آگیا تھا۔ اس نے الماری کھول کر کرنسی نوٹوں کے کچھ بنڈل اپنے بیگ میں ڈالے۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے ہاتھ نمایاں طور پر لرز رہے تھے۔ الماری میں ترتیب رکھے ہوئے کپڑے اور دوسری چیزیں نیچے گر گئی تھیں لیکن شاید اسے اس بات کی پروا نہیں تھی۔ الماری سے ہٹ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے قریب آئی اور ہاری ہاری سارے دراز باہر کھینچ لیے لیکن شاید اسے مطلوبہ چیز نہیں مل رہی تھی۔ اس پر خوف کے ساتھ اب جھنجلاہٹ بھی طاری ہو رہی تھی۔

"میں نے یہیں رکھا تھا۔ پتا نہیں کہاں غائب ہو گیا۔" وہ...

"کیا چیز تلاش ہے؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"پستول!" وہ بولی "میں نے چیک کر کے یہیں رکھا تھا۔ کسی دراز میں۔"

"پستول تمہارے تکیے کے نیچے ہے۔" میں نے کہا۔

تھائی وانگ نے تکیہ اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا اور جھپٹ کر پستول اٹھا لیا۔

"اب نکل چلو یہاں سے۔ وہ کسی بھی وقت آسکتے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے تیزی سے دروازے کی طرف گھوم گئی۔

بیڈ روم سے نکل کر میں نے لاؤنج کی طرف قدم بڑھایا تو اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"ادھر نہیں۔" اس کا لہجہ اب سرگوشیانہ تھا "ہو سکتا ہے کوئی آدمی بنگلے کی نگرانی کر رہا ہو۔ اس طرف.... ہم پچھلے دروازے سے نکلیں گے۔"

میں اس کے ساتھ دوسری طرف مڑ گیا اور پھر راہداری میں گھوم کر ہم عقبی دروازے کے قریب آگئے۔ اس نے بیگ میرے حوالے کر دیا جسے میں نے کندھے پر لٹکا لیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں پستول تھا اور بائیں ہاتھ سے وہ بڑی آہستگی سے دروازے کا بولٹ گرا رہی تھی۔ گھر کی تمام بتیاں کھلی چھوڑ دی گئی تھیں تاکہ اندھیرا ہو جانے پر کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔

بڑی احتیاط سے دروازہ کھول کر ہم باہر آگئے۔ اس طرف کھلی جگہ پر چند درخت تھے اور ان سے آگے تقریباً سات فٹ اونچی باؤنڈری وال تھی۔ میں دن میں ایک دو مرتبہ اس طرف بھی آچکا تھا اور ایک مرتبہ تو میں نے دیوار پر سے جھانک کر بھی دیکھا تھا۔ اس دیوار کے دوسری طرف ایک کشادہ گلی تھی لیکن اس بنگلے کے عین سامنے کوئی بنگلا وغیرہ نہیں تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ تھائی وانگ کے بنگلے کے پہلو سے گزرنے والی نہر میں اس جگہ کسی قدر خم تھا۔

ہم دونوں عقبی دروازے سے نکل کر درختوں میں باؤنڈری وال کی طرف چلنے لگے۔ موت کے فرشتے جب تعاقب میں لگے ہوئے ہوں تو معمولی سی آہٹ بھی دہلا دیتی ہے۔ درختوں کے نیچے خشک پتے بکھرے ہوئے تھے۔ پیروں کے نیچے دبنے سے چرچراہٹ کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ تھائی وانگ بہت محتاط انداز میں قدم اٹھا رہی تھی اور بار بار پیچھے دیکھ رہی تھی۔

دیوار تقریباً سات فٹ اونچی تھی۔ تھائی وانگ کے لیے اوپر چڑھنا آسان نہیں تھا۔ پہلے میں دیوار پر چڑھ گیا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچ لیا۔ ابھی ہم دیوار کے دوسری طرف کودنے کے لیے پر تول ہی رہے تھے کہ بنگلے کے گیٹ کی طرف سے دھب کی آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

تھائی وانگ نے چیخ روکنے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ اس کا یہ خیال بالکل درست نکلا تھا کہ وہ لوگ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتے تھے۔ دھب کی اس آواز کا مطلب تھا کہ کوئی آدمی بنگلے کی سامنے والی دیوار سے اندر کودا تھا۔

"جلدی کرو پلیز.... وہ لوگ آگئے ہیں۔" تھائی وانگ کی آواز کپکپا رہی تھی۔

خوف سے میری بھی گھگی بندھی ہوئی تھی لیکن میں اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے تھائی وانگ کا ایک ہاتھ پکڑ کر اسے دیوار کی دوسری طرف لٹکا دیا اور پھر خود بھی دونوں ہاتھ

ڈاکٹر ساجد امجد کی تحقیق، تخلیق اور تنقید چار عظیم شاعروں کی کہانیاں

مضبوط جلد

خدایانِ سخن

خوبصورت سرورق

میر غالب مومن اور داغ

* ان چار "خدایانِ سخن" کی زندگی سے وابستہ چونکا دینے والے راز!

صفحات 320

قیمت 200 روپے * ڈاک خرچ 25 روپے

طلبہ اور شائقین ادب کے لئے بے حد دلچسپ اور معلومات افزا کتاب

کتابیات پبلی کیشنز
وحدت کالونی، لاہور روڈ، آفس آباد، گوجرانوالہ
فون: 5802551 فیکس: 5802552-5896313
kitabiat1970@yahoo.com

پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

دیوار پر جما کر نیچے لٹک گیا اور بڑی آہستگی سے نیچے اتر گیا۔ اگر میں چھلانگ لگاتا تو دھب کی آواز کسی کو متوجہ کر سکتی تھی۔

اس وقت اگرچہ آٹھ ہی بجے تھے لیکن اس طرف گلی میں کوئی نہیں تھا۔ بنگلوں میں روشنیاں زندگی کا ثبوت فراہم کر رہی تھیں۔ ایک دو بنگلوں کے سامنے کاریں بھی کھڑی تھیں۔ ہم دونوں نے دیوار سے اتر کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر سامنے کی طرف دوڑنے لگے۔

"اس طرف۔" تھائی وانگ ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "اس طرف پیدل آمدورفت کے لیے نہر پر لکڑی کا ایک پُل ہے۔ وہ پُل پار کر کے چاروئے ناکھن روڈ کی طرف نکل سکتے ہیں۔"

ہم دونوں نہر کی طرف مڑ گئے۔ بنگلوں اور نہر کے درمیان تقریباً چھ فٹ چوڑی پٹی تھی۔ اس کچے راستے پر عام طور پر پیدل یا سائیکل سوار لوگ ہی آیا جایا کرتے تھے۔ یا کبھی کبھار موٹر سائیکل والے بھی یہ راستہ استعمال کرتے تھے۔ ذرا آگے نہر پر لکڑی کے تختوں کا ایک پُل تھا جس کی چوڑائی چار فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے دونوں طرف نیچے اوپر بانس کے دو دو ڈنڈوں کی ریلنگ بھی لگی ہوئی تھی۔ یہ پُل دراصل پیدل آمدورفت کے لیے ہی بنایا گیا تھا۔ تاکہ نہر کے دوسری طرف جانے کے لیے سڑک والے پُل کا طویل فاصلہ طے نہ کرنا پڑے۔

کچے راستے پر دوڑتے ہوئے ہمیں دھب دھب کی آوازیں سنائی دیں۔

"تیز بھاگو۔" تھائی وانگ چیخی "وہ لوگ بنگلے کی دیوار کود کر باہر آ گئے ہیں۔"

میں تو تیز بھاگ رہا تھا لیکن خود تھائی وانگ ہی پیچھے تھی۔ میں نے مڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے بھی اپنے ساتھ تیز دوڑانے لگا۔ ہم دونوں ننگے پیر تھے' اس لیے کچی زمین پر دوڑنے سے زیادہ آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

ہم لکڑی والے پُل کے قریب پہنچ گئے۔ پیچھے سے شور کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ایک آدمی تھائی زبان میں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"ادھر۔ ان بنگلوں میں دیکھو اور تم نہر کی طرف جاؤ۔ جلدی کرو۔ اگر وہ نکل گئے تو ٹائیگر ہم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"تھائی وانگ۔" میں پُل کے قریب رک گیا "اگر ہم دوڑتے رہے تو پکڑے جائیں گے۔ اس وقت ہمارے لیے محفوظ ترین جگہ یہ پُل ہے۔ اس کے نیچے چھپ کر ہم ان کی نظروں سے بچ سکتے ہیں۔"

میری بات تھائی وانگ کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا اور پُل کے بالکل ساتھ نہر میں اتر گئی۔ اس کے فوراً ہی بعد میں بھی بڑی آہستگی سے پانی میں اتر گیا اور تھائی وانگ کو اپنے ساتھ لیتا ہوا پُل کے نیچے پہنچ گیا۔ میں نے بیگ کا اسٹریپ گردن میں پھنسا کر اسے کندھے پر لٹکا لیا تھا۔ تھائی وانگ نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا رکھا تھا۔ جیسے ہی ہم پُل کے نیچے پہنچے، تھائی وانگ نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر گردن گھمائی تو ایک آدمی کچے راستے پر دوڑتا ہوا نظر آیا۔

ہم دونوں نہر کے کنارے کے ساتھ لگے پُل کے نیچے کھڑے رہے۔ اس جگہ پانی میرے سینے کے برابر پہنچ رہا تھا۔ میں نے بائیں ہاتھ سے پُل کے تختوں کے نیچے ایک لکڑی کو پکڑ رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ تھائی وانگ کی کمر کے گرد لپیٹ کر اسے اپنے ساتھ لگائے تھا۔ اس نے بھی ایک ہاتھ سے آگے والی لکڑی کو تھام رکھا تھا۔

چند سیکنڈ بعد دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز دوبارہ سنائی دینے لگی۔ اس لمحہ یہ قریب آتی جا رہی تھی اور پھر وہ آدمی پُل پر پہنچ گیا۔ اب دھڑکی آواز ہمارے سروں پر سے گزر گئی۔

پُل کے نیچے گہری تاریکی تھی۔ اگر وہ شخص پُل کے نیچے جھانکنے کی کوشش بھی کرتا تو شاید ہم تاریکی میں اسے نظر نہ آتے لیکن ہم اپنی جگہ پر بے حس و حرکت سانس روکے کھڑے رہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ آدمی پُل پر دوڑتا ہوا بنگلوں کی طرف واپس چلا گیا۔ کچے راستے پر اس کے قدموں کی ہلکی آواز بھی بتدریج معدوم ہوتی چلی گئی۔

اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے تھائی وانگ کانپنے لگی ہو اور پھر اس کے منہ سے عجیب ڈری ڈری سی آوازیں بھی نکلنے لگیں۔

"کیا ہوا؟" میں نے سرگوشی میں پوچھا "سردی لگ رہی ہے کیا؟"

"اس..... اسنیک....." اس کے منہ سے بمشکل آواز نکل سکی "مم..... میری گردن پر..... اسنیک..... (سانپ) لپٹ گیا ہے۔"

میں نے ایک جھٹکے سے اس کی کمر سے ہاتھ ہٹا لیا اور پھر دوسرا ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر بڑھانے لگا۔ میرا دل بھی خوف سے کانپ رہا تھا۔ اس کی گردن پر لپٹے ہوئے سانپ نے مجھے ڈس لیا تو؟ اس سے آگے میں کچھ نہیں سوچ سکا۔ ڈیڈی سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ کوبرا سانپ کے سانپ زیادہ خطرناک اور زہریلے ہوتے ہیں۔

سانپ کا خوف بھی عجیب ہوتا ہے۔ آدمی رائفل کی گولی کا سامنا کر سکتا ہے لیکن سانپ سے ڈسے جانے کا تصور ہی بڑا خوفناک ہوتا ہے۔ یہ خوف میرے دل پر بھی طاری ہو رہا تھا لیکن میرا ہاتھ آہستہ آہستہ تھائی وانگ کے شانے پر رینگتا ہوا گردن پر پہنچ گیا اور پھر میں نے سانپ کو گرفت میں لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

وہ کسی جھاڑی کی لچک دار شاخ تھی جو نجانے کہاں سے پانی میں بہتی ہوئی آ رہی تھی اور تھائی وانگ کی گردن سے لپٹ گئی تھی۔

"سانپ نہیں۔ جھاڑی تھی۔" میں نے کہتے ہوئے وہ جھاڑی

پھینک دی اور پھر پُل پر قدموں کی آواز سن کر چونک گیا [illegible] کوئی آ رہا ہے۔" میں نے سرگوشی کی۔

[illegible] قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ایک [illegible] اور ایک مرد تھا جو دوسری طرف سے آئے تھے اور باتیں [illegible] پُل پر سے گزر گئے تھے۔

[illegible] "وہ لوگ ہمیں بنگلوں کی طرف ڈھونڈ رہے ہیں۔" تھائی [illegible] سرگوشی کی "اور اب میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے [illegible]"

[illegible] تھائی وانگ کو چھوڑ دیا اور آہستہ آہستہ کنارے کے [illegible] حرکت کرتا ہوا پُل سے باہر جھانکنے لگا۔ بنگلوں کی طرف سے [illegible] کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ لوگ غالباً زبردستی بنگلوں [illegible] میں کر ہمیں تلاش کر رہے تھے۔ وہ یقیناً یہی سمجھ رہے ہوں [illegible] اپنے بنگلے سے بھاگ کر ہم نے کسی اور بنگلے میں پناہ لے [illegible] ہیں محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بڑی آہستگی سے [illegible] نکل آیا اور تھائی وانگ کو بھی باہر کھینچ لیا۔

[illegible] پانی نچوڑ رہا تھا۔ میں اس وقت عجیب سی کیفیت میں [illegible] تھا۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہو رہا تھا۔ اب تک نجانے کتنے [illegible] مارے جا چکے تھے۔ ماسٹر پھو کا حشر میں نے اپنی آنکھوں سے [illegible] تھا اور اب انہوں نے تھائی وانگ کا بھی سراغ لگا لیا تھا جس [illegible] مجھے پناہ دے رکھی تھی۔ اگر ہم دونوں بنگلے میں ان کے ہاتھ [illegible] جاتے تو نجانے ہمارا کیا انجام ہوتا۔

اگرچہ اصل ٹارگٹ میں تھا لیکن نجانے میرے ذہن میں یہ [illegible] کیوں سمائی تھی کہ مجھے تھائی وانگ کی حفاظت کرنی چاہیے۔ [illegible] لیے اس مصیبت میں پھنسی تھی اور اس کی حفاظت کی [illegible] داری بھی اب مجھ پر ہی عائد ہوتی تھی اور پھر میں نے غیر [illegible] طور پر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم پُل پار کر کے دوسری طرف [illegible] دوسری طرف ایک تنگ سی سڑک تھی جو آگے جا کر [illegible] ناکھن روڈ سے جا ملتی تھی۔

[illegible] کپڑوں سے ابھی تک پانی دھار کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ ہم [illegible] چلے تھے کہ تقریباً پچاس گز آگے والے موڑ سے ایک [illegible] سائیکل اس طرف مڑتی ہوئی نظر آئی۔ اس موٹر سائیکل کو دیکھ [illegible] میرے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال ابھرا۔ میں نے تھائی [illegible] کی طرف دیکھا۔ اس کے ذہن میں بھی غالباً کوئی ایسی ہی بات [illegible] گی۔ اس نے مجھے اشارہ کیا اور میں بڑی پھرتی سے سڑک سے [illegible] کر جھاڑیوں میں دبک گیا۔

تھائی وانگ سڑک کے بیچ میں کھڑی ہو گئی۔ اس نے پستول [illegible] ہاتھ پشت پر رکھ لیا اور دوسرے ہاتھ سے موٹر سائیکل کو رکنے [illegible] اشارہ کرنے لگی۔ موٹر سائیکل اس کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ [illegible] نکلے۔ موٹر سائیکل سوار پر پستول تان لیا۔

"اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو بائیک اسٹینڈ پر کھڑی کر کے خاموشی سے اس طرف دوڑ لگا دو۔ اگر تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلی تو گولی مار دوں گی۔"

موٹر سائیکل سوار دبلا پتلا سا ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ پستول دیکھ کر وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے نیچے اتر کر موٹر سائیکل اسٹینڈ پر کھڑی کر دی اور منہ سے آواز نکالے بغیر جھاڑیوں میں دوڑتا چلا گیا۔

میں جھاڑیوں سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔ تھائی وانگ نے پستول پاجامے کی جیب میں ٹھونس لیا اور موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کک لگانے لگی۔ میں اس دوران میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا اور پھر مجھے ایک غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔

فضا اچانک ہی روشن ہو گئی تھی۔ میں نے چونک کر دیکھا تو کانپ کر رہ گیا۔ نہر کے دوسری طرف تھائی وانگ کی کوٹھی سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ غالباً پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی تھی۔ تھائی وانگ ایک لمحے کو سکتے کی سی کیفیت میں بے حس و حرکت موٹر سائیکل پر بیٹھی رہی پھر وہ موٹر سائیکل سے اتر گئی اور جیب سے پستول نکال لیا۔

"میں..... میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ ایک ایک کو ختم کر دوں گی۔" اس کے منہ سے خوفناک غراہٹ نکلی۔

میں چونک گیا اور دوسرے ہی لمحے میں بھی سیٹ سے اتر گیا۔ موٹر سائیکل دوسری طرف الٹ گئی۔ تھائی وانگ پُل کی طرف دوڑ رہی تھی۔ میں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

"کہاں جا رہی ہو۔ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" میں اسے روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

"انہوں نے میرا گھر جلا دیا..... سب کچھ راکھ کر ڈالا۔ میں ان سب کو ختم کر دوں گی۔" وہ چیخی۔

"پاگل مت بنو تھائی وانگ۔ ہوش کے ناخن لو۔" میں نے بھی چیخ کر کہا "وہ تمہیں دیکھتے ہی گولیوں سے بھون دیں گے۔ یا تمہیں اٹھا کر جلتی ہوئی آگ میں پھینک دیں گے۔"

تھائی وانگ چیختے ہوئے اپنے آپ کو میری گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتی رہی۔ اپنا بنگلا آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں دیکھ کر اس پر جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ میں نے اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑا کر رہ گئی۔

"پاگل مت بنو۔" میں نے کہا "اس وقت اس طرف جانا خودکشی کے مترادف ہے۔ ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ البتہ وہ ہم دونوں کو ہلاک کر دیں گے۔ عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔ تمہارے گھر کی بربادی کا بدلہ ہم ان سے ضرور لیں گے۔ ہم زندہ رہے تو ایسے کئی مواقع ملیں گے۔ اس وقت یہاں سے نکلو۔"

تھائی وانگ وحشت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ زوردار تھپڑ کھانے کے بعد میری بات شاید اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

"اب یہاں کھڑے کھڑے وقت ضائع مت کرو۔ کچھ لوگ اس طرف آرہے ہیں۔ جلدی کرو۔" میں نے کہا۔

تین چار آدمی بنگلوں کے ساتھ نہر کے کچے راستے پر دوڑتے ہوئے پُل کی طرف آرہے تھے۔ تھائی وانگ نے پستول پھر جیب میں ڈال لیا اور موٹر سائیکل سیدھی کی اور کک لگا کر اسے اسٹارٹ کردیا۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے گیئر میں ڈال کر موٹر سائیکل کو واپس موڑا اور اس کی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بنگلے سے اٹھنے والے شعلے اب آسمان سے باتیں کررہے تھے اور لوگوں کے شور کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

تھائی وانگ موٹر سائیکل چلانے میں بڑی ماہر ثابت ہوئی تھی۔ رفتار بہت تیز تھی۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا اس کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ اس کی بغلوں سے نکال کر اس کے سینے پر لپیٹ رکھے تھے۔ میرے کندھے پر لٹکا ہوا بیگ کبھی ایک طرف جھول جاتا اور کبھی دوسری طرف۔

چاروئے ناکھن روڈ تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ وہاں سے اس نے موٹر سائیکل کرونگ تھیپ برج کی طرف موڑ لی۔ دریا کے پُل پر اس وقت ٹریفک زیادہ تھا لیکن تھائی وانگ بڑی مہارت سے موٹر سائیکل کو گاڑیوں کے بیچ سے گھماتی ہوئی نکال رہی تھی۔

پُل پار کرکے اس نے موٹر سائیکل کو نیو روڈ کی طرف موڑ دیا اور پھر مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی پین روڈ پر آگئی اور پھر اینڈین ٹمپل کے عقب میں ایک گلی میں موٹر سائیکل روک لی۔ اس گلی میں کئی کئی منزلہ مکان تھے اور زیادہ آبادی ہندوستانیوں کی تھی اور ان میں اکثریت ہندوؤں کی تھی اور یہی وجہ تھی کہ یہاں ایک بہت بڑا مندر بھی تھا۔

اس وقت ساڑھے نو بجے تھے۔ کشادہ گلی میں کچھ بچے کھیل رہے تھے لیکن کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ وہ سب اپنے کھیل میں مشغول رہے۔ تھائی وانگ نے موٹر سائیکل کا انجن بند کردیا اور نیچے اتر کر ایک مکان کی بیل بجادی۔ میں موٹر سائیکل پر ہی بیٹھا رہا۔ پیر میں نے دونوں طرف زمین پر ٹکا لیے تھے۔ تھائی وانگ کا کاٹن کا پاجامہ تو تقریباً سوکھ گیا تھا لیکن میری جینز کی پتلون کے پائنچوں سے ابھی تک پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

کال بیل بجانے کے تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی کوئی عورت تھی۔ تھائی وانگ نے اس سے کوئی بات کی اور مڑ کر مجھے اشارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ پوری طرح کھل گیا۔ میں سیٹ سے اتر کر موٹر سائیکل کو کھینچتا ہوا اندر لے گیا۔ مکان کے دروازے کے سامنے غالباً سائیکل لانے لے جانے کے لیے سیمنٹ کا ایک چھوٹا سا ریمپ بنا ہوا تھا جس وجہ سے مجھے موٹر سائیکل اندر لانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

دروازہ کھولنے والی ایک بوڑھی ہندو عورت تھی۔ سفید کاٹن کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ وہ دوسری طرف منہ کرکے کسی سے آواز دے رہی تھی۔

ہمارے اندر آنے کے چند سیکنڈ بعد ہی ایک کمرے کا دروازہ کھل گیا اور اس کمرے سے برآمد ہونے والی عورت کو نجانے کیوں میں کچھ عجیب سا محسوس کرنے لگا۔

کھلتی ہوئی گندمی رنگت کی مالک دراز قامت اور انتہائی حسین تھی۔ گلابی رنگ کی ساڑی بھی اس پر خوب جچ رہی تھی۔ اس کی ہرنی جیسی سیاہ آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک تھی۔ ماتھے پر بندیا بھی ستارے کی طرح چمک رہی تھی۔ کمرے سے نکلنے کے بعد وہ حیرت سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ درمیان میں کشادہ صحن تھا اور اطراف میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ دیوار کے ساتھ اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ اوپر بھی اسی طرح کے کمرے تھے لیکن صحن نہیں تھا۔ کمروں کے آگے برآمدے اور بالکونیاں تھیں۔ یہ ڈبل اسٹوری مکان مجموعی طور پر چوکور تھا اور پر مشتمل تھا لیکن میرے خیال میں اس وقت ان دو عورتوں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں تھا۔

"ہیلو تھائی!" وہ خوب صورت عورت آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"کیا ہوا؟ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اور یہ کون ہے؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کمرے میں چلو۔ سب کچھ بتاتی ہوں لیکن..... بندو کو باہر بھیج دو۔" تھائی وانگ نے جواب دیا۔ اس کا یہ کہنا کہ یہ باہر [redacted] اراز کرنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ یہ سمجھ لو کہ یہاں آیا۔" تھائی وانگ نے آخری الفاظ اس بوڑھی عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔ اس نے تو کچھ دیکھا ہی نہیں۔" اس خوب صورت عورت نے کہا "آؤ۔ اوپر چل کر بیٹھتے ہیں۔"

تھائی وانگ نے مجھے بھی اشارہ کردیا اور ہم اوپر آگئے۔ جو کھولا گیا تھا' بیڈ روم تھا۔ بستر بہت آرام دہ تھا۔ بیڈ کے ساتھ ایزی چیئر کی طرح ایک لمبی سی کرسی بھی تھی جس پر لیٹا جاسکتا تھا۔ دو کرسیاں اور تھیں۔ بیڈ سائڈ ٹیبل پر میک اپ کا سامان ہونے والی مختلف چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ میرے لیے زیادہ حیرت کی بات وہ تصویریں تھیں جو دیواروں پر خوب صورت فریموں میں لگی ہوئی تھیں۔ دو تصویریں نیم عریاں لباس میں خوب صورت لڑکیوں کی تھیں اور ایک تصویر میں عورت کے ساتھ مرد بھی تھا۔ دونوں نیم عریاں لباس میں تھے۔

اس قسم کی لڑکیوں کی نیم عریاں تصویریں میں نے فوٹو کے گھر میں بھی دیکھی تھیں اور یہاں بھی۔ مجھے حیرت تھی کہ گھروں میں ایسی گندی تصویریں کیوں لگائی جاتی ہیں۔

ابھی طلع یاد تھا کہ ایک مرتبہ ڈیڈی ایک میگزین لے کر آئے تھے۔ اس میگزین میں بھی ایسی ہی تصویریں تھیں۔ اس روز میں وہ میگزین دیکھ رہا تھا کہ ممی نے میرے ہاتھ سے چھین لیا۔ اس کے بعد نہ تو مجھے میں وہ میگزین دکھائی دیا اور نہ ہی ڈیڈی کبھی اور میگزین لے کر آئے لیکن یہاں ایسی تصویریں بڑے شوق سے لگائی گئی تھیں۔

اس کمرے میں آنے کے بعد تھائی وانگ نے ہمارا تعارف بھی کرادیا۔ وہ خوب صورت عورت جانگی دیوی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر تھی اور اس علاقے میں اس کا ایک کلینک بھی تھا۔

"میرا خیال ہے پہلے تم لوگوں کو اپنے حلیے درست کرلینے چاہئیں۔" جانگی دیوی نے کہا اور الماری میں سے ایک لنگی اور کرتہ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی "یہ باتھ روم ہے۔ تم نہا کر کپڑے تبدیل لو۔ ہم دوسرے کمرے میں تمہارا انتظار کریں گے۔"

دونوں اس کمرے سے چلی گئیں۔ میں نے کندھے پر لٹکا ہوا بیگ اتار کر بیڈ پر ڈال دیا اور دروازہ بند کرکے باتھ روم میں گھس گیا۔

تھوڑے عرصے بعد باتھ روم سے نکلا تو اپنے آپ کو بالکل تروتازہ محسوس کررہا تھا۔ لنگی اور کرتہ بھی مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ بالکل ڈھیلا ڈھالا۔ گھر میں ڈیڈی کو بھی اکثر یہ لباس پہنے دیکھا کرتا تھا۔ اس لباس میں اپنے آپ کو بہت اپنی محسوس کرتا ہے۔

میں نہیں جانتا تھا کہ جانگی دیوی سے تھائی وانگ کا کیا تعلق تھا لیکن ہم دونوں موت کے منہ سے نکل کر بھاگے تھے اور ہمیں کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی۔ جہاں کم سے کم دو تین دن تک سکون سے رہ سکیں اور آئندہ کے بارے سوچ سکیں۔ تھائی وانگ مجھے لے کر یہاں آئی تھی جس کا مطلب تھا کہ اسے جانگی دیوی پر مکمل اعتماد ہوگا۔

میں کرسی پر بیٹھا صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہم واقعی موت کے جبڑوں سے نکلے تھے۔ اگر ہمیں بنگلے سے نکلنے میں چند لمحوں کی بھی تاخیر ہوجاتی تو اس وقت وہاں ہماری لاشیں پڑی ہوتیں۔ ہم تو ان کے ہاتھ نہیں آئے تھے لیکن انہوں نے تھائی وانگ کے بنگلے کو آگ لگا دی تھی۔ اس بنگلے میں لاکھوں کا سامان ہوگا۔ ہر چیز قیمتی تھی۔ اس نے یہ گھر بنانے میں بڑی محنت کی تھی۔ گھر سے وہ آشیانہ جس کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ماں کی آغوش پھیلا آرام اور سکھ ملتا ہے لیکن اب وہاں کچھ نہیں رہا تھا۔ سب کچھ جل کر راکھ ہوچکا تھا اور مجھے اس کا بہت دکھ ہوا تھا اور میں نے یہ عہد کرلیا تھا کہ اس بربادی کا انتقام ضرور لوں گا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میری آنکھوں کے سامنے ماسٹر پھو کی بہت کانسٹرابھر آیا۔ اسے کس بے دردی سے قتل کیا گیا تھا۔ ان کو قتل کیا گیا تھا لیکن انہوں نے دوسرے ہی دن ہوٹل میں رہ جانے والی تھائی وانگ کی کار سے ہمارا پتا چلا لیا تھا۔

تھائی وانگ آج صبح سے گھر سے باہر نہیں گئی تھی۔ اس کے ہاں نہ تو اخبار آتا تھا اور نہ ہی دن بھر کسی سے رابطہ ہوا تھا۔ اس لیے مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ شہر کی صورت حال کیا تھی۔ ویسے یہ بات تو میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ ماسٹر پھو کے قتل پر مہاراج وانگ ونگ یائے خاموش نہیں بیٹھا رہا ہوگا۔ ماسٹر پھو اس کا بہت خاص آدمی تھا۔ میں یہ سب کچھ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ کیا ہوا تھا۔

یکایک مجھے بھوک کا احساس ہونے لگا۔ دوپہر کو بھی میں نے کھانا بڑی بے دلی سے کھایا تھا اور اس وقت ہم شام کی چائے پی رہے تھے جب وہ فون کال آئی تھی اور اس وقت سے اب تک بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ زندگی کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ پیٹ کا خیال کسے آتا لیکن اب جائے پناہ ملی تھی تو بھوک بھی احساس دلانے لگی تھی۔

میں نے کرسی سے اٹھ کر باہر جانے کے لیے جیسے ہی دروازہ کھولا' ٹھٹک کر رک گیا۔ بوڑھی ہندو ساتھ والے کمرے کے دروازے سے کان لگائے کھڑی تھی۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا اس لیے وہ مجھے نہیں دیکھ سکی تھی۔ میں نے آہستگی سے دروازہ بند کردیا۔

میرے دل میں انجانا سا خوف سر ابھارنے لگا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کمرے میں جانگی دیوی اور تھائی وانگ موجود تھیں اور ہندو چوری چھپے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ ہندو کی اس حرکت نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا اور میں فوری طور پر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہ بوڑھی ہندو عورت قابل اعتماد نہیں تھی اور ہمارے لیے خطرے کا باعث بن سکتی تھی اور تھائی وانگ کو اس سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔

دو تین منٹ بعد میں نے دوبارہ دروازہ کھولا۔ اس مرتبہ جان بوجھ کر آواز پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور جب میں باہر نکلا تو ہندو سیڑھی کی طرف جارہی تھی۔ میں نے ساتھ والے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو دروازہ کھل گیا۔

"آؤ۔ ہم تمہارا ہی انتظار کررہے تھے۔" جانگی نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن پھر تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "میرا خیال ہے پہلے کھانا کھالیں پھر اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

ہم لوگ نیچے ڈرائنگ روم میں آگئے۔ ٹیبل زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس پر چُنا ہوا کھانا دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ کھانا بازار سے منگوایا گیا تھا اور اس میں گوشت بھی تھا۔ ہم ابھی کھانا کھا ہی رہے تھے کہ ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کی عمر اٹھارہ انیس سال رہی ہوگی۔ سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ جینز کی پینٹ اور سُرمئی رنگ کی ٹی شرٹ جس پر ہالی ووڈ کے فلم اسٹار وین ڈیم کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ اس کی داہنی

کلائی میں سیاہ چمڑے کا تقریباً تین انچ چوڑا بینڈ تھا جس پر ڈرائنگ پنوں جیسی اسٹیل کی کیلیں لگی ہوئی تھیں۔ اپنے اس حلیے سے وہ کوئی سڑک چھاپ غنڈا ہی لگتا تھا۔ تھائی وانگ کو تو شاید وہ پہلے ہی سے جانتا تھا۔ اس لیے اس پر اس نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ البتہ مجھے وہ بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور میں اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا تھا۔

"موٹر بائیک میں نے لم فینی باکسنگ اسٹیڈیم کے پارکنگ ایریا میں چھوڑ دی ہے دیدی۔" بالآخر وہ جانگی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "پولیس خود ہی اس کے مالک کا سراغ لگالے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔ ضرورت ہوگی تو تمہیں بلالوں گی۔" جانگی نے کہا اور وہ میری طرف دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔

کھانے کے بعد ہم اوپر آگئے۔ میں تو اسی کمرے میں آگیا اور وہ دونوں ساتھ والے کمرے میں چلی گئیں۔ میں بستر پر لیٹا اس نئی صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔ بوڑھی بندو کے رویے نے میرے دل میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کردیے تھے اور پھر غنڈوں جیسے حلیے والا وہ نوجوان۔ میرے ذہن میں الجھن بڑھتی جارہی تھی۔ پتا نہیں میں اپنے آپ کو یہاں غیر محفوظ کیوں سمجھ رہا تھا۔ میں تھائی وانگ سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے اس کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔

میں جیسے جیسے سوچتا گیا میری الجھن بڑھتی گئی۔ دماغ میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ میں بیڈ سے اٹھ کر قالین پر دبے قدموں چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور اس کے ساتھ ہی میرے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ بوڑھی بندو دوسرے کمرے کے دروازے سے کان لگائے کھڑی تھی۔ اس کا رخ اس وقت بھی دوسری طرف تھا۔ میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر سوچا کہ آگے بڑھ کر اسے گرفت میں لے لوں۔ اس طرح رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر وہ تابھی دے گی کہ چھپ کر ان کی باتیں کیوں سن رہی ہے اور میرے خدشات کی تصدیق بھی ہوجائے گی۔

لیکن اس سے پہلے کہ میں اپنی اس سوچ کو عملی جامہ پہناتا سیڑھیوں پر قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور آہستگی سے دروازہ بند کردیا اور کھڑکی کی طرف آگیا۔ کھڑکی کے سامنے نیلے رنگ کا دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے پردے کا کنارہ سرکا کر باہر جھانکا۔ غنڈوں جیسے حلیے والا وہی نوجوان سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑا اشارہ کررہا تھا۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی بندو میرے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف چلی گئی اور پھر وہ دونوں سیڑھیاں اتر کر میری نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

میں نہیں جانتا تھا کہ اس بدہیت نوجوان اور بوڑھی بندو میں کیا رشتہ تھا لیکن مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ دونوں ہمارے خلاف کوئی سازش کررہے تھے۔ میرے حواسے [illegible] دنوں سے ہنگامے ہورہے تھے۔ ہوسکتا ہے کبھی [illegible] بندو کی موجودگی میں جانگی دیوی کو میرے بارے میں [illegible] جب ہم یہاں آئے تھے تو بندو سمجھ گئی ہو کہ میں [illegible] نے وہ موٹر سائیکل بھی اسی نوجوان کے ہاتھ کہیں [illegible] یہ بات تو اس غنڈے نے میرے سامنے ہی بتائی تھی [illegible] بائیک لم فینی اسٹیڈیم کے پارکنگ ایریا میں چھوڑ آیا تھا۔

میرے دل میں خدشات بڑھتے جارہے تھے اور میرا [illegible] کہ ہمیں یہاں رات گزارنا مشکل ہوجائے گا۔ میں [illegible] ہمیں جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے لیکن [illegible] تھائی وانگ سے بات کرنا ضروری تھا۔

میں نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ [illegible] بج رہے تھے۔ مزید انتظار کرنا اب میرے لیے ممکن نہیں [illegible] اٹھ کر باہر آگیا۔ ساتھ والے کمرے کے دروازے کی طرف [illegible] ہوئے میں نے بالکونی کی ریلنگ سے نیچے جھانک کر دیکھا [illegible] بندو اس وقت مکان کے دروازے سے باہر جارہی تھی [illegible] کی سفید ساری کا پلو ہی دیکھ سکا تھا۔ میں نے مڑ کر [illegible] دروازے پر بہت ہلکی سی دستک دی۔ چند سیکنڈ کے بعد [illegible] کھل گیا۔ وہ تھائی وانگ تھی۔ اس نے جانگی دیوی کا [illegible] خوابی کا لباس پہن رکھا تھا جو کھلے پائنچے والے پاجامے [illegible] ڈھیلی بشرٹ پر مشتمل تھا۔ جانگی دیوی بیڈ پر نیم دراز تھی [illegible] اس کی ٹانگوں پر سے اس طرح ہٹی ہوئی تھی کہ میں [illegible] اس کی طرف نظریں اٹھانے کی ہمت نہ کرسکا لیکن جانگی [illegible] پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"اوہو۔ میں تو سمجھی تھی کہ تم سوگئے ہو۔" تھائی وانگ [illegible] میرے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نیند نہیں آرہی۔" میں نے جواب دیا۔ اس کے [illegible] دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ [illegible] باتیں کرتے ہوئے روتی رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ [illegible] ہوئی تھیں۔

"شاید اکیلے بیٹھے بور ہورہے ہو۔ آجاؤ۔ یہیں آجاؤ۔ [illegible] ایسی باتیں نہیں کررہے۔" یہ الفاظ جانگی دیوی نے کہے [illegible] اب سیدھی ہوکر بیٹھ گئی تھی۔

میں کمرے میں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھائی [illegible] جانگی کے ساتھ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی [illegible] درست نکلا۔ وہ دونوں اسی موضوع پر باتیں کررہی تھیں [illegible]

"میں سمجھتی ہوں تم نے اسے سہارا دے کر بہت [illegible] ہے۔" جانگی دیوی نے تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے [illegible] کا اشارہ میری طرف تھا "میں جانتی ہوں تم نے وہ [illegible] محنت سے بنایا تھا جو جل کر راکھ ہوگیا لیکن میں صابر [illegible]

طمع جانتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ جب اسے پتا چلے گا کہ تمہارا سب کچھ اس لڑکے کی وجہ سے برباد ہوا ہے تو وہ تمہارا نقصان پورا کرے گا۔"

"مجھے اپنے نقصان کی پروا نہیں۔" تھائی وانگ نے کہا "جب میں اسے اپنے گھر لے کر آئی تھی تو مجھے اسی وقت اندازہ ہوگیا تھا کہ اسے پناہ دے کر میں نے دنیا کے سفاک ترین انسانوں سے دشمنی مول لے لی ہے۔ میں جانتی تھی کہ وہ ایک نہ ایک دن مجھے بھی ڈھونڈ نکالیں گے لیکن میرے دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔"

"مجھے تم دونوں سے ہمدردی ہے۔" جانگی دیوی نے کہا "بہت اچھا کیا کہ تم یہاں آگئیں لیکن میں سمجھتی ہوں کہ تمہارا زیادہ دن یہاں رہنا بھی ممکن نہیں ہے۔ آج کی رات تو گزار لو۔ کل شام کے بعد میں تم لوگوں کو نانتھابوری والے مکان میں بھیج دوں گی۔ وہاں تم لوگ کسی خوف و خدشے کے بغیر چند روز آرام سے رہ سکو گے۔ اچھا۔ اب میں چلتی ہوں۔ تم لوگ بھی سو جاؤ۔ اب صبح ملاقات ہوگی۔"

جانگی دیوی اٹھ کر چلی گئی۔ ہم دونوں بھی اس کے ساتھ ہی کمرے سے باہر آگئے اور بالکونی کی ریلنگ کے قریب کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ نچلے آنگن میں پہنچ کر اس نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلایا اور ایک کمرے میں چلی گئی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد میں نے غنڈوں جیسے حلیے والے اس نوجوان کو بھی دیکھا تھا جو ایک کمرے سے نکل کر ہماری طرف دیکھتا ہوا باہر چلا گیا تھا۔

"یہ کون ہے؟" میں نے تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں پوچھا۔

"یہ بندو کا نواسہ ہے۔" تھائی وانگ نے بتایا "بندو کی بیٹی اندرا بہت بدقسمت واقع ہوئی تھی۔ اس کا شرابی شوہر اسے بہت مارتا تھا۔ وہ جُوا بھی بہت کھیلتا تھا۔ راجو کی پیدائش کے بعد ایک روز وہ اپنی بیوی کو بھی جُوئے میں ہار گیا۔ راجو اس وقت بہت چھوٹا تھا۔ پانچ چھ مہینے کا۔ اس کی ماں نے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کرلی۔ اس کے باپ کو پولیس نے پکڑ لیا لیکن وہ جیل سے بھاگنے کی کوشش میں پولیس کی گولی کا نشانہ بن کر ختم ہوگیا۔ راجو کو اس کی نانی بندو نے پالا ہے لیکن وہ اچھا لڑکا نہیں ہے آوارہ لوگوں کے ساتھ پھرتا ہے۔"

"اور بندو کون ہے؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"جانگی کی ملازمہ۔" تھائی وانگ نے جواب دیا "اس نے جانگی کو گود میں کھلایا ہے۔ جانگی، راجو کو پسند نہیں کرتی مگر بندو کی وجہ سے اسے رکھا ہوا ہے۔"

"کیا تمہارے خیال میں یہ لوگ قابل اعتماد ہیں۔ جانگی کو تم کب سے جانتی ہو؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"کئی سال سے۔" تھائی وانگ نے جواب دیا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی "یہاں کھڑے ہو کر ایسی باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔ آؤ..... اندر آؤ۔" میں اس کے ساتھ کمرے میں آگیا۔ دروازہ میں نے جان بوجھ کر کھلا رہنے دیا تھا "تمہیں ان کے بارے میں کیا شبہ ہے۔ جانگی میری قابل اعتماد دوست ہے۔ وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔"

"لیکن بندو اور اس کا نواسہ راجو ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کررہے ہیں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا اور پھر اسے بوڑھی بندو کے بارے میں بتانے لگا کہ وہ کس طرح چھپ کر ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔ میں نے اسے راجو کے بارے میں بھی خدشات سے آگاہ کردیا۔

"وجدان....." وہ اچانک ہی مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کی آواز ایک دم بھرا گئی تھی۔ میں نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اسے اپنے سے الگ کیا "ہم کہاں جائیں" وہ گلوگرفتہ سی آواز میں بولی "جب ہم وہاں سے بھاگے تھے تو مجھے یہی ایک پناہ گاہ نظر آئی تھی۔ اس لیے میں یہاں آگئی لیکن تم نے جو کچھ بتایا ہے، وہ بھی غلط نہیں ہوسکتا۔ جانگی دیوی کے خلوص میں کوئی شبہ نہیں۔ وہ ہمیں دھوکا نہیں دے سکتی لیکن راجو..... اس پر واقعی بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ ہم جس حالت میں یہاں آئے تھے وہ سمجھ گیا ہوگا کہ ہم کسی افتاد میں مبتلا ہیں۔ ہماری باتیں سن کر بندو نے اسے بتادیا ہوگا کہ تم کون ہو۔ راجو کو میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ وہ نہ اپنی نانی کے کنٹرول میں ہے اور نہ جانگی دیوی کے۔ ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اس وقت بھی کسی جوڑ توڑ میں مصروف ہو۔ اس کا بار بار باہر آنا جانا مجھے بھی شبہات میں مبتلا کررہا ہے۔ اس میں ایسی بے چینی اور ایسا اضطراب میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ بہرحال، ہمیں آج رات تو یہاں گزارنی ہی ہے۔ میں صبح ہی جانگی سے بات کروں گی کہ ہمیں کسی طرح نانتھابوری والے مکان میں بھیج دے اور ان دونوں کو پتا نہ چلنے دے کہ ہم کہاں گئے ہیں۔"

"کل صبح کیوں؟" میں نے کہا "آج رات ہی کیوں نہیں۔ ہمیں رات ہی میں کسی وقت یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ راجو اور بندو کی پراسرار سرگرمیوں سے مجھے شبہ ہے کہ آج رات ہی کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔"

"فکر مت کرو۔" وہ بولی "اتنی جلدی کچھ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی یہاں آیا تو....." اس نے جھک کر بستر پر پڑا ہوا ایک پستول اٹھا دیا اور پھر ایک جھٹکے سے سیدھی ہوگئی "مم..... میرا پستول کہاں گیا؟ میں جب نہانے گئی تھی تو یہیں رکھا ہوا تھا اور جب ہم کھانا کھانے کے لیے نیچے گئے تھے تو پستول میں نے یہیں چھوڑ دیا تھا۔ اس تکیے کے نیچے۔"

"اس کا مطلب ہے میرے خدشات بے بنیاد نہیں ہیں۔" میں نے کہا "ہوسکتا ہے پستول بندو یا راجو نے اس وقت غائب کیا ہو جب ہم کھانا کھا رہے تھے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" تھائی وانگ نے کہا۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے "یہاں رہنا ہمارے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ ہمیں رات ہی کو یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"میرے ساتھ آؤ۔ دوسرے کمرے میں۔" میں نے اسے اشارہ کیا۔

کمرے سے نکل کر میں نے بالکونی سے نیچے جھانکا۔ بالکونی کے نیچے کسی جگہ زیرو کا بلب جل رہا تھا۔ صحن میں بہت مدھم روشنی تھی۔ میں نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر بریڈ سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا تھائی وانگ کا بیگ اٹھایا تو چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ یہاں آنے کے بعد وہ بیگ میں نے اس ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور اس کے بعد اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا لیکن اب جو بیگ اٹھایا تو وہ مجھے بہت ہلکا لگا۔ میں نے زپ کھولی تو میرے خدشے کی تصدیق ہو گئی۔ اپنے بنگلے سے فرار ہونے سے پہلے تھائی وانگ نے میرے سامنے اس بیگ میں کرنسی نوٹوں کے کئی بنڈل رکھے تھے اور اب وہ سارے بنڈل غائب تھے۔ تھائی وانگ کے ذاتی استعمال کی چند چیزیں اور کچھ ریزگاری رہ گئی تھی۔ میں نے کھلا ہوا بیگ تھائی وانگ کے سامنے کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی پھیل گئی۔

"اب ایک منٹ بھی یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔" میں نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے کہا "تھوڑی دیر پہلے ہم نے راجو کو باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ واپس آئے تو اکیلا نہ ہو اس لیے ہمیں اس کی واپسی سے پہلے ہی یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

"ایک منٹ۔ مجھے سوچنے دو۔" تھائی وانگ بولی۔

"سوچنے کا وقت نہیں ہے تھائی وانگ۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "اگر تم جانکی دیوی سے کوئی شکایت کرنا چاہتی ہو تو بیکار ہے۔ تم پہلے ہی بتا چکی ہو کہ راجو کسی کے کنٹرول میں نہیں ہے۔ میں تو اس کا حلیہ دیکھ کر ہی چونک گیا تھا اور مجھے اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ اب دیر مت کرو۔ وہ کسی بھی وقت واپس آ سکتا ہے۔"

اس وقت ڈیڑھ بج رہا تھا۔ تھائی وانگ نے کمرے سے نکل کر بالکونی سے نیچے جھانکا وہاں خاموشی تھی۔ وہ مجھے اشارہ کرتے ہوئے بالکونی میں رینگنے کے ساتھ ساتھ ایک طرف چلنے لگی۔ میں بھی اس کے پیچھے دبے قدموں چلتا رہا۔ اس طرف بالکونی کے آخر میں چھت پر جانے کے لیے تنگ سی سیڑھیاں تھیں۔ ہم دبے قدموں سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔

سیڑھیوں پر تاریکی تھی اور ان کے اختتام پر دروازہ تھا جو بند تھا۔ میں دروازے کو ٹٹولنے لگا۔ دو پٹ کے اس دروازے پر اوپر زنجیر لگی ہوئی تھی۔ میں نے بڑی احتیاط سے زنجیر ہٹائی اور پھر اچانک ہی زنجیر میری انگلیوں سے پھسل کر دروازے پر لگی۔ کھٹ کی ہلکی سی آواز ابھری لیکن یہ آواز بھی سناٹے میں بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔

میں ایک لمحے کو سانس روکے کھڑا رہا پھر آہستگی سے دروازہ کھول دیا اور ہم دونوں چھت پر آ گئے۔ دائیں بائیں چار چار چھوٹے مکان تھے۔ گلی کے رخ پر تقریباً تین فٹ اونچی منڈیر تھی اور پچھلی طرف ایک سنگل اسٹوری مکان تھا۔ یعنی اس مکان سے ایک منزل نیچے۔ لیکن بارہ چودہ فٹ نیچے اترنا آسان نہیں تھا۔ میں صورت حال کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ سیڑھیوں والے دروازے سے ایک سایہ نمودار ہوا۔ وہ بندو تھی اور اس کے ہاتھ میں ہینڈل تھا۔

"رک جاؤ۔ اگر تم لوگوں نے چھت سے کودنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گی۔" بندو غرائی "تم لوگ سمجھتے تھے کہ آسانی سے بھاگ جاؤ گے۔ میں تو اپنے کمرے میں بیٹھی بھی تم لوگوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔"

"بندو۔" تھائی وانگ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ ہم بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ کمرے میں گھٹن سی ہو رہی تھی۔ ہم تو ہوا کھانے کے لیے اوپر آ گئے تھے اور تم نے ہم پر یہ پستول کیوں تان رکھا ہے؟"

"اب تم دونوں اس وقت تک پستول کی زد پر رہو گے جب تک راجو نہیں آ جاتا۔" بندو نے کہا "تم دونوں نیچے چلو۔ کسی کے منہ سے آواز نکلی تو بلا دریغ گولی مار دوں گی۔" وہ دروازے سے ایک طرف ہٹ گئی۔

پہلے میں دروازے سے گزر کر سیڑھیوں پر آ گیا اور پھر تھائی وانگ آگے بڑھی لیکن اس نے اچانک ہی پلٹ کر بڑھیا پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ بندو کے لیے غیر متوقع تھا۔ اس کی انگلی سے پستول کا ٹریگر دب گیا۔ گولی سیڑھیوں کی چھت پر لگی تھی۔ تھائی وانگ نے اسے دوسرا فائر کرنے کا موقع نہیں دیا اور کلائی مروڑ کر پستول چھین کر چھت پر پھینک دیا۔ میں نے جھپٹ کر پستول اٹھا لیا۔ تھائی وانگ بندو سے لپٹ گئی۔ اس نے ایک ہاتھ سے بندو کا منہ دبا رکھا تھا تاکہ وہ شور نہ مچا سکے اور پھر وہ دونوں نیچے گر کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئیں۔

میں پستول لیے سیڑھیوں پر کھڑا رہا۔ میرا خیال تھا کہ فائر کی آواز سے جانکی جاگ گئی ہو گی لیکن شاید وہ گہری نیند میں تھی اور اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ تھائی وانگ بندو کے سینے پر سوار تھی اور دونوں ہاتھوں سے اس کا نرخرہ دبا رکھا تھا۔ بندو بری طرح مچل رہی تھی لیکن تھائی وانگ نے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک وہ بے حس و حرکت نہیں ہو گئی۔

اور پھر اسی لمحے گلی میں ایک گاڑی رکنے کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ میں دوڑ کر چھت کی گلی والی منڈیر کی طرف پہنچ گیا اور جھانک کر دیکھا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ راجو ایک اور غنڈے کے ساتھ کار سے اتر رہا تھا۔ میں دوڑ کر تھائی وانگ کے

قریب پہنچ گیا۔

"راجو آ گیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور بدمعاش بھی ہے۔" میں نے کہا... "جلدی کرو۔ اس مکان کی چھت پر چھلانگ لگا دو۔"

لیکن بارہ چودہ فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگانے کا مطلب تھا کہ اپنی ہی کوئی ہڈی تڑوا لی جاتی۔ اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ میں نے پستول تھائی وانگ کو تھما دیا۔ پہلے سیڑھیوں کا دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈا لگایا اور پھر بندو کی ساری کھولنے لگا۔ بندو بے ہوش تھی یا مر چکی تھی۔ ساری کھینچنے سے وہ بھی فرش پر لوٹتی گئی۔

ساری کھول کر اس کا ایک سرا میں نے منڈیر سے باندھ دیا اور دوسرا سرا پچھلے مکان کی طرف لٹکا دیا۔ تھائی وانگ منڈیر پر چڑھ کر دوسری طرف لٹک گئی اور ساری کے سہارے آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی۔

اسی وقت سیڑھیوں پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر یوں لگا جیسے دھڑ سے کمروں کے دروازے کھولے گئے ہوں اور پھر راجو کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ تھائی زبان میں چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا اور پھر اوپر والی سیڑھیوں پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

میں منڈیر پر چڑھ کر ساری سے لٹک گیا اور بڑی تیزی سے نیچے پھسلنے لگا۔ میں نے نیچے والی چھت پر پیر رکھا ہی تھا کہ اوپر سیڑھیوں کا دروازہ پیٹنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ لگتا تھا جیسے دروازہ توڑ دیا جائے گا۔

اس طرف ساتھ ساتھ دو تین مکان سنگل اسٹوری میں تھے۔ ہم ایک مکان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے مکان کی چھت پر آ گئے اور پھر ہمیں نیچے اترنے کا راستہ بھی مل گیا۔ ہم گلیوں میں دوڑتے ہوئے اینٹین ٹمپل کی طرف نکل آئے۔

سڑک پر سناٹا تھا۔ مندر بہت بڑا تھا۔ آگے کی طرف بہت کشادہ برآمدہ تھا جس کی چھت کو بڑے بڑے ستونوں نے سہارا دے رکھا تھا۔ شام کے وقت تو یہاں بہت ساری بتیاں روشن ہوتی ہوں گی لیکن اس وقت صرف ایک بتی جل رہی تھی جس کی روشنی سامنے سڑک پر پڑ رہی تھی۔ مندر سے آگے کچھ دکانیں تھیں۔ ان دکانوں پر زیادہ تر وہ چیزیں فروخت ہوتی تھیں جو مندر میں چڑھاوے ..... کے طور پر چڑھائی جاتی تھیں۔

ہم جانکی دیوی کے گھر سے تو بھاگ آئے تھے لیکن اب ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جائیں۔ راجو اور اس کا ساتھی ہمارے تعاقب میں تھے اور مجھے یقین تھا کہ ہم بہت جلد پکڑے جائیں گے۔ دکانوں کے ساتھ دو ٹیلی فون بوتھ دیکھ کر میری آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ماسٹر پھوک کے جمنازیم فون کر کے اطلاع دو۔ ماسٹر ہوچن وہاں موجود ہو گا۔ وہ ہماری مدد کو آ سکتا ہے۔" میں نے تھائی وانگ سے کہا۔

تھائی وانگ فوراً ہی ایک فون بوتھ کی طرف لپکی۔ اس نے پستول میرے حوالے کر دیا اور بیگ لے کر بوتھ میں داخل ہو گئی۔ اس نے بیگ میں سے کچھ سکے نکالے اور پھر فون نمبر ملانے لگی۔ میں بوتھ کے باہر کھڑا محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

تقریباً دو منٹ بعد تھائی وانگ ٹیلی فون بوتھ سے باہر آ گئی۔

"ماسٹر ہوچن نے کال ریسیو کی تھی۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے اسے یہاں کا پتا سمجھا دیا ہے۔ وہ اپنے آدمی لے کر تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ جائے گا۔"

میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک کار تیز رفتاری سے اس سڑک پر مڑی۔ بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز فضا میں پھیل گئی۔ ڈرائیور شاید موڑتے ہوئے کار کی تیز رفتاری پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ کار موٹر پر ایک دکان کے بند شٹر سے ٹکرا گئی۔

"یہ وہی ہیں۔" میں نے تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "بھاگو۔ اس طرف..... مندر کے برآمدے میں۔"

ہم دوڑتے ہوئے مندر کے برآمدے میں آ گئے۔ یہاں بڑے بڑے ستون ہمیں وقتی طور پر پناہ دے سکتے تھے۔ ہم ایک ستون کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

راجو اور اس کا ساتھی کار سے اتر کر گلی میں اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔ راجو کا ساتھی تو مندر کے سامنے سے گزرتا ہوا آگے نکل گیا اور راجو برآمدے میں آ گیا۔ وہ ایک ایک ستون کے پیچھے دیکھ رہا تھا۔ بہت محتاط تھا وہ۔

ہم جس گول ستون کے پیچھے چھپے ہوئے تھے، وہ اتنے محیط میں تھا کہ اگر میں اور تھائی وانگ مل کر بھی کوشش کرتے تو ہماری بانہوں کی لپیٹ میں نہیں آ سکتا تھا لیکن اس کے پیچھے ایک ہی جگہ کھڑے رہنا حماقت ہی ہوتی۔ راجو کی پوزیشن دیکھتے ہوئے ہم بھی پلٹر کے ساتھ ساتھ گھوم رہے تھے۔ اچانک چکنے فرش پر میرا پیر پھسل گیا اور میں دھڑام سے پشت کے بل نیچے گرا۔ میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ راجو ایک دم اچھل کر میرے سامنے آ گیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے وحشیانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ اس کا چہرہ بہت بھیانک لگ رہا تھا۔ وہ خنجر لہراتا ہوا میری طرف لپکا۔ مجھے موت آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس نے خنجر والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور وار کرنے کے لیے نیچے جھکا۔ میں نے اس کے وار سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیا تھا لیکن اسی لمحے فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔

تھائی وانگ کی چلائی ہوئی گولی راجو کے سینے میں لگی۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر گر گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ سینے پر تھا جہاں گولی لگی تھی۔ وہ چند سیکنڈ کٹے ہوئے درخت کی طرح

لراتا رہا اور پھر تو را کر نیچے گرا۔ میں اس دوران میں اپنی جگہ پر پڑا دہشت زدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس کے خون کے کچھ چھینٹے میرے لباس اور چہرے پر بھی پڑے تھے۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اور کُرتے کی آستین سے چہرے کا خون پونچھنے لگا۔ اس وقت مجھے بڑی کراہت سی محسوس ہو رہی تھی۔

یہ غنیمت تھا کہ ٹیلی فون بوتھ سے نکلتے ہی تھائی وانگ نے میرے ہاتھ سے پستول لے لیا تھا۔ اگر وہ پستول میرے پاس ہوتا تو شاید میں اسے سلیقے سے استعمال نہ کرپاتا کیونکہ یہ ہتھیار میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ ہاتھ میں لیا تھا۔

تھائی وانگ میرا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف دوڑی۔ ہم سیڑھیاں اتر کر سڑک پر دوڑنے لگے اور اس کار کے پیچھے جا کر چھپ گئے جو دکان کے شٹرسے ٹکرا کر رک گئی تھی۔ راجو کا ساتھی بھی فائر کی آواز سن کر پہلے مندر کے برآمدے میں گھسا تھا پھر اس نے ہمارے پیچھے دوڑ لگا دی تھی۔

ہم کار کے پیچھے کھڑے تھے اور وہ بدمعاش ہمارے سامنے کار کے دوسری طرف۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی میں چونک گیا۔ یہ وہی بدمعاش تھا جسے ہم نے اندرا رنجیت ہوٹل کے گیٹ کے سامنے نمگرانی کرتے دیکھا تھا۔

"تم لوگ بچ نہیں سکتے۔ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردو۔" وہ خنجر والا ہاتھ لہراتے ہوئے غرایا۔

"بھاگ جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں گولی ماردوں گی۔" تھائی وانگ نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھالیا۔

لیکن لگتا تھا پستول کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا' کار کی پچھلی سیٹ پر ایک ہاکی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے پھرتی سے جھک کر وہ ہاکی اٹھالی۔ تھائی وانگ کے ہاتھ سے ایک خون ہو چکا تھا اور میں سمجھ گیا کہ اب وہ گولی چلانے میں ہچکچا رہی تھی لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ گولی چلانے سے دریغ نہیں کرے گی۔

میں ہاکی پکڑ کر کار کے اوپر سے گھوم کر سامنے آگیا۔ اس بدمعاش کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ آگئی۔ میں نے ہاکی سے اس پر حملہ کردیا لیکن وہ نہ صرف اس حملے سے بچ گیا بلکہ اس نے بھی مجھ پر جوابی وار کیا تھا۔ خنجر نے میرے بازو سے کُرتہ چیر دیا۔ میں محتاط ہوگیا۔ وہ تربیت یافتہ اسٹریٹ فائٹر تھا اور میں اناڑی بلکہ یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ میں اس طرح کسی کے مقابلے پر آیا تھا اور یہ میری زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔

میں نے پھر اس پر حملہ کیا۔ وہ اس مرتبہ بھی بچ گیا لیکن میں نے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس پر دوسرا حملہ کیا۔ اس مرتبہ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ ہاکی اس کے بائیں کندھے کی ہڈی پر لگی۔ وہ بلبلا اٹھا لیکن میں نے اگلا وار کیا تو اس نے بڑی پھرتی سے ایک ہاتھ سے ہاکی پکڑلی اور دوسرے ہاتھ سے خنجر کا وار کردیا۔ میں بڑی پھرتی سے نیچے بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ہاکی کو بھی زوردار جھٹکا دیا تھا۔ وہ میرے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل پیچھے گرا۔

میں اس سے پہلے ہی سنبھل گیا اور اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس پر پے در پے ہاکی سے وار کرنے لگا۔ وہ زمین پر لوٹ لوٹ کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کررہا تھا۔

"مارو..... اور مارو....." تھائی وانگ چلّا رہی تھی "مارو اسے۔ ختم کردو۔" وہ ہاتھ میں پستول لیے کبھی ایک طرف ہوجاتی اور کبھی دوسری طرف۔

میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں اس قسم کی لڑائی کا ماہر بن گیا تھا اور میں اس بدمعاش سے زیادہ بہادر تھا۔ مجھے تو لڑنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا تھا لیکن جب موت تعاقب میں ہو تو بہت سی باتیں کچھ میں آجاتی ہیں۔ میرے اندر بھی اس وقت حوصلہ پیدا ہوگیا تھا اور وہ جھجک دور ہوگئی تھی جو شریف لوگوں کو لڑائی جھگڑوں سے دور رکھتی تھی۔

پہلے فائر اور پھر شور کی آوازیں سن کر مندر کے دو تین پجاری ذیلی دروازہ کھول کر باہر آگئے تھے۔ اس گلی میں دکانوں کے اوپر رہائشی مکان تھے۔ ان لوگوں نے بھی آوازیں سنی ہوں گی۔ لوگ نیند سے بیدار ہوگئے ہوں گے لیکن باہر کوئی نہیں آیا تھا۔ البتہ بعض لوگ کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے۔

اسی دوران میں کھلی چھت والی ایک جیپ بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ وہاں آکر رکی۔ ماسٹر ہوچن اور اس کے ساتھ تین اور آدمی چھلانگیں لگا کر جیپ سے اترے۔ صورت حال دیکھ کر ماسٹر ہوچن نے اپنے آدمیوں کو دور ہی روک لیا۔

"شاباش۔" ماسٹر ہوچن چیخا "مارو..... اور مارو..... سر پر۔ زور سے۔" ماسٹر ہوچن چیخا۔

اور پھر وہ سب چیخ چیخ کر میرا حوصلہ بڑھانے لگے۔ میں نے رنگ میں مقابلوں کے دوران میں کھلاڑیوں کے حمایتیوں کو اس طرح چیختے ہوئے دیکھا تھا۔ رنگ کے باہر بیٹھے ہوئے تماشائی اس طرح چیخ چیخ کر اپنے پسندیدہ کھلاڑی کا حوصلہ بڑھاتے تھے اور وہ جوش و خروش سے اپنے حریف پر حملے کرتا تھا۔

میں جوش کی حد پھلانگ کر جنون کی حدود میں داخل ہوگیا تھا اور پھر جب ماسٹر ہوچن کے آدمیوں نے بڑی مشکل سے مجھے گرفت میں لے کر جیپ میں ڈالا تھا تو میں اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے چیخ رہا تھا۔

"چھوڑ دو مجھے۔ ماسٹر پھو کو مارنے والوں میں یہ بھی شامل تھا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ہوچن کے آدمی مجھے گرفت میں لیے ہوئے تھے اور پھر تھائی وانگ نے مجھے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ آواز میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ میں بتدریج پرسکون ہوتا گیا اور جب اپنے آپ کو سنبھال کر سیدھا ہوا تو جیپ تیز رفتاری سے ایک سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

○☆○

وہ میرے ہاتھوں ہونے والا پہلا قتل تھا۔ اس میں شبہ نہیں وہ میرے ہاتھوں کچھ بھی کیا تھا' اپنے دفاع میں کیا تھا۔ اپنے آپ کو بچانے کے لیے کیا تھا۔ دنیا کا کوئی بھی قانون اور کوئی بھی معاشرہ اپنے کو ذاتی دفاع کا حق استعمال کرنے سے روک نہیں سکتا۔ یہ حق تو جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے کہ جب کوئی دوسرا جانور غلط تو جانور ہوتا ہے تو حملے کی زد میں آنے والا جانور نہ صرف اپنے حملہ آور ہوتا ہے کی کوشش کرتا ہے بلکہ حملہ آور کو نقصان بھی پہنچاتا ہے اپنے کو بچانے کی کوشش کرسکے اور انسان تو پھر انسان ہے۔ آخر اس کے شر سے محفوظ رہ سکے اور انسان تو پھر انسان ہے۔ اشرف المخلوقات۔ خدا نے اس مخلوق اشرف کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے اور اس نے اپنے آپ کو دوسروں کے شر سے محفوظ رکھنے اور انہیں نقصان پہنچانے کے لاکھوں ہتھکنڈے ایجاد کرلیے ہیں۔ اگر کوئی بلا اشتعال اور بلا کسی معقول وجہ کے دوسرے پر حملہ کرے..... تو وہ جارح اور ظالم کہلاتا ہے اور دوسرا فریق مظلوم جس کا ساتھ دوسرے لوگ بھی دیتے ہیں اور اس کے حق میں آواز اٹھاتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو مظلوم ہی سمجھتا تھا۔ میں نے کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی تھی۔ کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا لیکن وہ لوگ میری جان کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ مجھے صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے تھے۔ میں مظلوم تھا اور اس لیے لوگ میرا ساتھ دینے پر تیار ہوجاتے تھے۔

راجا پرتاب سنگھ نے مجھ پر ظلم ہوتے دیکھا تھا۔ مجھے ان لوگوں سے بچانے کے لیے اس نے اپنی جان دے دی۔ مہاراج رانگ ونگ یائے کو میری سچائی کا یقین آگیا۔ اس نے مجھے اپنی پناہ میں لے لیا اور میری تربیت کرنے لگا تاکہ میں اپنے دشمنوں سے خود نمٹ سکوں۔ اس کا ایک بہترین آدمی ماسٹر پھو میری حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا۔ تھائی وانگ نے مجھے اپنی پناہ میں لیا تھا۔ وہ ایک کمزور عورت تھی اور یہ جانتی تھی کہ اس کا انجام کیا ہوسکتا ہے لیکن اس نے ہاتھ نہیں کھینچا۔ اس کے بنگلے کو جلا کر راکھ کردیا گیا اور میری جان بچانے کے لیے اسے ایک ایک انسان کے خون سے ہاتھ رنگنے پڑے۔ ایک طرف اس قدر خلوص اور چاہت تھی کہ کوئی میرے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہا تھا اور دوسری طرف لالچ اور ہوس نے کسی کو اس قدر اندھا کردیا تھا کہ وہ گھر آئے ہوئے مہمانوں کو بھی دشمن کے حوالے کرنے کو تیار ہوگیا تھا۔

یہ بھی مقام شکر تھا کہ مجھے راجو اور اس کی نانی بندو پر شبہ ہوگیا تھا اور ہم بروقت وہاں سے نکل آئے تھے۔ اگر سوچنے میں کچھ وقت گزار دیا جاتا تو شاید میں یہ سب کچھ بتانے کے لیے زندہ نہ ہوتا۔

اگر میرے ہاتھوں راجو کے ساتھی کی موت میرے لیے بھی حیرت ہوئی تھی..... وہ ایک تربیت یافتہ اسٹریٹ فائٹر تھا۔ میں نے اُسے اندرا ہوٹل کے سامنے لڑتے ہوئے بھی دیکھا تھا اور مجھے حیرت تھی کہ وہ میرے ہاتھوں کیسے مارا گیا تھا۔ کیا اس میں اس کی کوئی غلطی تھی یا میرے اندر اتنی طاقت آگئی تھی کہ میں اس پر حاوی ہوگیا تھا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ بہت سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ڈر اور خوف ہی انسان کو بزدل بنا دیتا ہے۔ ہاتھوں پیروں کی طاقت سلب کرلیتا ہے اور مفلوج کرکے رکھ دیتا ہے۔ خوف زدہ آدمی چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کرسکتا لیکن اگر کسی میں حوصلہ پیدا ہوجائے اور وہ خوف پر غالب آجائے تو بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

یہی سب کچھ میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔ میں جسمانی طور پر کمزور نہیں تھا لیکن خوف نے مجھے بزدل بنا دیا تھا۔ میں اپنے دشمنوں کا نام سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگتا تھا لیکن اس بدمعاش کو موت کے گھاٹ اتار کر میں نے ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس خوف سے چھٹکارا پانے اور میرے اندر حوصلہ پیدا کرنے میں تھائی وانگ کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس غنڈے سے لڑائی کے دوران میں تھائی وانگ چیخ چیخ کر جس طرح میرا حوصلہ بڑھاتی رہی تھی' وہ مجھے اب بھی یاد ہے۔ بہرحال' اس واقعے سے میرے اندر جو حوصلہ پیدا ہوا تھا' میں اسے ناقابل شکست بنا دینا چاہتا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں آگئی تھی کہ زندہ رہنے کے لیے صرف جسمانی طاقت ہی نہیں' حوصلے اور عزم و ہمت کی بھی ضرورت ہوتی ہے' بزدل آدمی نہیں جی سکتا۔

اس رات ماسٹر ہوچن مجھے جمنازیم میں لے آیا تھا۔ یہاں آتے ہی اس نے فون پر مہاراج کو صورت حال سے آگاہ کردیا اور اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ماسٹر ہوچن مجھے اور تھائی وانگ کو لے کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اس بندوبین میں ہمارے ساتھ تین آدمی اور بھی تھے۔ وین بنکاک کی حدود سے نکل کر ناتھا بوری کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑنے لگی۔

شہر سے تقریباً بیس میل نکلنے کے بعد ماسٹر ہوچن نے وین ایک کچی سڑک پر موڑ لی۔ اس سڑک پر پہلے تو دونوں طرف دھان کے کھیت تھے اور پھر جنگل کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جنگل بتدریج گنجان ہوتا جارہا تھا۔ تقریباً پانچ میل کا فاصلہ مزید طے کرنے کے بعد وین ایک کھلی جگہ پر رک گئی۔

میں وین سے اتر کر حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایک بہت بڑا میدان تھا جس کے چاروں طرف گنجان جنگل تھا۔ میدان کے ایک طرف چند جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔ صرف ایک جھونپڑے میں مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی جبکہ باقی جھونپڑے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وین رکنے کے چند سیکنڈ بعد ہی ایک طرف سے غراتی ہوئی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اس طرف جھاڑیوں میں کوئی آدمی چھپا ہوا تھا اور غراتی ہوئی آواز میں تھائی زبان میں کہہ رہا تھا۔

"تم سب جم میری رائفل کی زد پر ہو۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

ماسٹر ہوچن نے اس طرف سر گھما کر دیکھا اور وہ آدمی جھاڑیوں سے نکل کر دوڑتا ہوا قریب آگیا اور ماسٹر ہوچن کے سامنے جھک گیا۔

"اس وقت تمہیں یہاں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے ماسٹر۔ یہ کون ہیں؟" اس شخص نے کہتے ہوئے تھائی وانگ اور میری طرف دیکھا۔

"مہمان ہیں۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "ہانگ سو۔ کو جگاؤ۔ میں زیادہ دیر یہاں نہیں رکوں گا۔"

اس شخص نے ایک بار پھر بو کیا اور ایک جھونپڑے کی طرف دوڑ گیا اور پھر چند منٹ میں ہی جھونپڑے میں سوئے ہوئے سب لوگ جاگ گئے۔ ہم ایک کشادہ جھونپڑے میں آگئے جس کے فرش پر چٹائی بچھی ہوئی تھی۔

ماسٹر ہوچن' ہانگ سو کو میرے بارے میں بتا رہا تھا اور ہانگ سو۔ اس طرح ..... بار بار گردن ہلا رہا تھا جیسے ساری باتیں اس کی سمجھ میں آرہی ہوں۔ وہ بار بار میری طرف بھی دیکھ رہا تھا۔

ماسٹر ہوچن اپنے آدمیوں کو لے کر صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس چلا گیا۔ ہانگ سو۔ ہم دونوں کو ایک چھوٹے جھونپڑے میں لے آیا۔ یہاں بھی چٹائی بچھی ہوئی تھی اس نے تھائی وانگ سے کچھ کہا اور باہر چلا گیا۔

"رات ختم ہونے والی ہے۔" تھائی وانگ نے چٹائی پر بیٹھتے ہوئے کہا "سو جاؤ۔ باتیں صبح ہوں گی۔"

میں بھی اس سے ذرا ہٹ کر چٹائی پر لیٹ گیا۔ تکیے کی جگہ پتھر تھے جن پر پیال یا اسی سے ملتی جلتی کسی پودے کی بہت باریک شاخیں لپٹی ہوئی تھیں۔ پوری رات بھاگ دوڑ میں گزری تھی۔ نیند کی شدت سے آنکھوں میں جلن سی ہو رہی تھی لیکن کھردری چٹائی پر دیر تک نیند نہیں آسکی اور جب آنکھ لگی تو پھر کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔

میں دوپہر تک سوتا رہا۔ تھائی وانگ مجھ سے پہلے جاگ گئی تھی لیکن وہ بھی جھونپڑے ہی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اٹھ کر جھونپڑے سے باہر آگیا۔

مجھے سب کچھ عجیب سا لگا۔ دس بارہ جھونپڑے تھے۔ ان کے سامنے کھلا میدان جہاں بیس بائیس آدمی مختلف قسم کی ایکسرسائز میں مصروف تھے۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ بھی ایک ٹریننگ کیمپ تھا جہاں بھکشوؤں کو موئے تھائی کی تربیت دی جاتی تھی۔

ایک بھکشو مجھے دیکھتے ہی اس طرف آگیا۔ میں گنجے سر والے بھکشو کو آدمی ہی سمجھا تھا لیکن جب وہ قریب آیا تو انکشاف ہوا کہ وہ مرد نہیں عورت تھی۔ اس نے پہلے میری طرف دیکھا پھر جھونپڑے میں جھانکتے ہوئے تھائی وانگ سے کچھ کہا۔ تھائی وانگ بھی باہر آگئی۔ ہم اس عورت کے ساتھ ایک اور جھونپڑے میں آگئے۔

کھانے میں ہمیں چاولوں کا وہی مسالے والا دلیا دیا گیا جو پہاڑیوں والے پگوڈا میں بھی کھا چکا تھا۔

وہ دن میری آزادی کا دن تھا۔ میں اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ جھونپڑوں کے پچھلی طرف تقریباً تیس گز کے فاصلے پر ایک نہر بھی بہہ رہی تھی جس کا پاٹ آٹھ دس فٹ سے کم نہیں تھا۔ نہر پر ایک جگہ درخت کا ایک تنا رکھا ہوا تھا جو پل کا کام دے رہا تھا۔

اُس دن میں آزادی سے اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ یہ جگہ بہت محفوظ تھی لیکن میں نے جنگل میں دو مختلف جگہوں پر بندوق آدمیوں کو بھی دیکھا تھا جو آٹومیٹک رائفلیں اٹھائے ہوئے تھے۔

شام سے پہلے کھانا کھا کر کچھ بھکشو تو اپنے اپنے جھونپڑوں میں چلے گئے اور کچھ میدان میں ایک دائرے کی صورت میں بیٹھ باتیں کرنے لگے۔ میں تھائی وانگ کے ساتھ جھونپڑے کے سامنے بیٹھا ہوا تھا کہ ہانگ سو بھی آگیا اور ہمارے سامنے آلتی پالتی مار بیٹھ گیا۔

ہانگ سو کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ آبادی سے دور اس جگہ میں رہتے ہوئے بھی وہ بہت باخبر آدمی تھا۔ شہر کے حالات سے اسے پوری واقفیت تھی۔ اس کی باتوں سے یہ سنسنی خیز انکشاف بھی ہوا کہ ماسٹر پھو کے قتل کے بعد اگلے روز مہاراج کے آدمیوں نے ٹائیگر میں ٹائیگر کے کئی ٹھکانوں پر حملے کیے تھے اور ان حملوں میں ٹائیگر کے کم از کم تین آدمی مارے گئے تھے۔ ٹائیگر اور مہاراج کے آدمیوں میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی تھی۔ جس کی وجہ سے پورے شہر میں کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ عام شہری خوف زدہ تھے۔ دن کے وقت بھی لوگ اندر اندر شہر کے نائٹ کلب ویران ہوگئے تھے کیونکہ ہر ہنگامے کی ابتدا اکثر نائٹ کلب سے ہی ہوتی تھی۔ لوگوں نے ہفتہ کلبوں میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ شہر کی انتظامیہ بالکل بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔ پولیس کمشنر دونوں پارٹیوں میں راضی نامہ کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور مہاراج نے مطالبہ کیا تھا کہ ماسٹر پھو کے قاتلوں کو اس کے حوالے کر دیا جائے وہ ٹائیگر کو معاف کر دے گا لیکن ٹائیگر اس کے لیے تیار نہیں تھا۔

"گزشتہ رات تمہارے ہاتھوں جو دو آدمی مارے گئے تم جانتے ہو وہ کون تھے؟" ہانگ سو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جواب کا انتظار کیے بغیر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "وہ ٹائیگر گروہ کے تھے۔ ان میں شانگ' ٹائیگر کا خاص آدمی تھا جسے تم نے مار ڈالا۔" اس نے انگلی سے میری طرف اشارہ کیا "کسی کو بھی سے اس کام کی توقع نہیں تھی۔ شانگ کے بارے میں کہا جاتا کہ وہ ٹائیگر کے گروہ کا سب سے خطرناک آدمی تھا۔ صاحب تمہارے اس کارنامے سے بہت خوش ہیں۔ شانگ کی موت

بعد ٹائیگر طوفان کھڑا کر دے گا۔ شہر میں تمہارے لیے خطرات ہو سکتے ہیں اسی لیے تمہیں یہاں بھیج دیا گیا ہے۔ تاکہ تمہاری طاقت کے ساتھ ساتھ کم سے کم وقت میں تمہاری تربیت مکمل کی جائے اور تمہاری ان بانہوں میں فولاد بھر دیا جائے۔" اس نے میرے دونوں بازو پکڑ کر مسل دیئے "تم خوش قسمت ہو کہ مہاراج جیسے نہم اس قدر مہربان ہیں۔ ہم جیسے لوگ تو ان کے قریب جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ گزشتہ رات دو آدمی ہمارے ہاتھوں مارے گئے ہیں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے ماسٹر ہوچن نے سب کچھ بتا دیا تھا۔" ہانگ سو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "دو مرتبہ تمہاری ٹریننگ شروع کی گئی اور دونوں مرتبہ ادھوری رہ گئی لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ یہ ہمارا محفوظ ترین کیمپ ہے۔ کسی مداخلت کا اندیشہ نہیں ہے۔ کل سے میں خود تمہاری ٹریننگ شروع کروں گا۔ مہاراج کا حکم ہے کہ تین مہینے کے اندر اندر تمہیں پوری طرح تیار کر دیا جائے۔"

"اور مجھے کیا کرنا ہوگا؟" تھائی وانگ نے پوچھا۔

"تمہیں بھی حفاظت کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے۔" ہانگ سو نے جواب دیا "اگر چاہو تو تم بھی ٹریننگ لے سکتی ہو۔ ویسے تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ تم چاہو تو کھانا پکانے میں نیشا اور جانگی کا ہاتھ بٹا سکتی ہو۔ اب تم لوگ آرام کرو۔ صبح ملاقات ہوگی۔"

ہانگ سو چلا گیا اور ہم دیر تک وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ باتوں کے لیے ہماری زبانیں تو چل ہی رہی تھیں' ہمارے دونوں ہاتھ بھی مسلسل حرکت میں تھے۔ مچھروں کی اس قدر بہتات تھی کہ انہیں مارنے کے لیے دونوں ہاتھوں کو مسلسل حرکت میں رکھنا ضروری تھا۔

ان مچھروں کی وجہ سے رات کو نیند بھی بڑی مشکل سے آسکی تھی۔ صبح چھ بجے مجھے جگا دیا گیا۔ یہ غنیمت تھا کہ مجھے پہلے کی طرح بھکشوؤں جیسا لباس نہیں پہنایا گیا بلکہ ایک نیکر دے دی گئی تھی اور پھر میری ٹریننگ کا نیا دور شروع ہوگیا۔

یہ ٹریننگ پہلے سے زیادہ سخت تھی اور لگتا تھا کہ ہانگ سو واقعی تین مہینوں میں مجھے تیار کر دے گا۔ جوگنگ' ایروبکس' یوگا' اسٹریچنگ' گلنگ' پنچنگ میری ابتدائی ٹریننگ کا حصہ تھے۔ یہ کوئی جمنازیم نہیں تھا۔ نہ ہی یہاں ایکسرسائز کے لیے جدید مشینیں تھیں لیکن ٹریننگ کا معیار کسی طرح بھی کسی جدید جمنازیم سے کم نہیں تھا۔ ایکسرسائز مشینوں کا کام جنگل کے درختوں سے لیا جا رہا تھا۔ پنچنگ بیگز بھی درختوں کی موٹی شاخوں سے لٹکے ہوئے تھے اور گلنگ کے لیے بھی درختوں ہی سے کام لیا جاتا تھا۔

ایک مہینہ گزر گیا۔ صبح سے شام تک کی مشقت مجھے بری طرح تھکا دیتی۔ رات کا کھانا کھاتے ہی میں اس طرح سو جاتا کہ صبح سے پہلے مجھے کوئی ہوش ہی نہ رہتا۔ موٹے موٹے مچھر رات بھر میرا خون چوستے رہتے مگر مجھے پتا نہ چلتا۔

تھائی وانگ بھی کبھی کبھی بھکشوؤں کے ساتھ یوگا' ایروبکس اور اسٹریچنگ وغیرہ میں شامل ہو جاتی لیکن اس میں کوئی باقاعدگی نہیں تھی۔ اس کا زیادہ وقت نیشا اور جانگی کے ساتھ کھانا وغیرہ تیار کرنے میں گزرتا تھا۔ کھانا وہی چاول کا دلیا جو ذائقے دار بنانے کے لیے مختلف طریقوں سے تیار کیا جاتا تھا۔ جس طرح کی ہم مشقت کر رہے تھے اس کے پیش نظر یہ کھانا بالکل ناکافی تھا لیکن حیرت کی بات تھی کہ جسم کی توانائیاں بحال رکھنے کے لیے چاولوں کا یہ دلیا تمام ضروریات پوری کر رہا تھا۔ اس دلیے کے علاوہ رات کو سونے سے پہلے مجھے ایک گلاس شربت بھی پینے کو دیا جاتا تھا۔ گاڑھا سا یہ شربت بہت خوش ذائقہ تھا اور میرا خیال ہے جڑی بوٹیوں سے تیار کیے ہوئے اس شربت میں کوئی ایسی بات تھی جو جسم کی توانائی بحال رکھے ہوئے تھے اور غالباً رلیے میں جو مسالے ڈالے جاتے تھے۔ ان میں بھی کوئی ایسی چیز شامل ضرور ہوتی تھی۔

ایک مہینے بعد میری ٹریننگ کا نیا مرحلہ شروع ہوا۔ ریت کا ایک بہت بڑا ڈھیر تھا۔ ہانگ سو نے مجھے حکم دیا کہ میں اس ڈھیر پر اس وقت تک پنچنگ کرتا رہوں جب تک مجھے رکنے کو نہ کہا جائے۔ یہ بھی حکم تھا کہ میرا بازو کہنی تک ریت کے اندر جانا چاہیے۔ میں نے بڑے جوش و خروش سے ریت کے اس ڈھیر پر پنچ مارا۔ میرا بازو کہنی تک اندر دھنستا چلا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یوں لگا جیسے میں نے اپنا ہاتھ دہکتی ہوئی بھٹی میں داخل کر دیا ہو۔ ریت بہت گرم تھی۔ میں نے ہانگ سو کی طرف دیکھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔ اس کا مطلب تھا میں اپنی مشق جاری رکھوں۔ انکار کی مجال نہیں تھی۔ میں نے دوسرے ہاتھ کا پنچ مارا۔

شروع کے دو چار پنچ مارنے سے مجھے انگلیوں کی پوروں سے لے کر کہنی تک جلن محسوس ہوئی' لگتا تھا جیسے میری کھال جھلس رہی ہو لیکن اس کے بعد تو گویا مجھ پر جنون سا طاری ہوگیا۔ میں ریت کے ڈھیر پر پنچ مارتا رہا۔ میرا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے ریت کی تپش میرے پورے جسم میں سرایت کر رہی ہو۔

دس منٹ بعد ہانگ سو نے مجھے ہاتھ روک لینے کا حکم دیا اور پھر وہ میرے دونوں ہاتھ اور بازو دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

مجھے اس رات نیند نہیں آسکی۔ دونوں ہاتھ اور بازو جیسے سلگ رہے تھے۔ شام کو جب تھائی وانگ نے میرے ہاتھ اور بازو دیکھے تھے تو دہل گئی تھی۔

"کیا یہ تمہارے ساتھ ظلم نہیں ہو رہا؟" وہ میرے ہاتھ اور بازو سہلاتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہ تو محنت ہے۔ اگر میں محنت نہیں کروں گا تو یہ فن کیسے سیکھوں گا۔ دشمن کا مقابلہ کیسے کروں گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" تھائی وانگ نے کہا "کامیابی محنت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔"

تپتی ہوئی ریت پر میری پریکٹس کئی روز تک جاری رہی اور اس کے بعد ایک اور مرحلہ آیا جو اس سے زیادہ خطرناک تھا۔ اب مجھے کانچ کے ٹکڑوں پر پنچنگ کرنی تھی۔ شیشے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا ڈھیر گرم ریت سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ ہانگ سو میرے قریب کھڑا تھا۔ اس نے مجھے سمجھایا کہ کانچ کے ٹکڑوں کے اس ڈھیر پر پنچ کس طرح مارا جائے۔ غلط پنچ ہاتھ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

موئے تھائی میں زیادہ اہمیت پنچنگ اور کِکنگ کو دی جاتی ہے۔ اس لیے ان دونوں چیزوں کی پریکٹس پر بھی زیادہ زور دیا جاتا..... اس پریکٹس سے یہ بات بھی میری سمجھ میں آرہی تھی کہ کس طرح کم سے کم طاقت استعمال کرکے حریف کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔

موئے تھائی کے علاوہ مجھے مارشل آرٹس کے بعض دوسرے اسٹائلز کے بھی مخصوص داؤ پیچ سکھائے جارہے تھے۔ ہر ہفتے کسی نہ کسی بھکشو کے ساتھ میری اسپیرنگ بھی ہوتی جس میں مجھے بتایا جاتا کہ حریف پر کس طرح حملہ آور ہونا چاہیے اور حریف کے حملے سے کس طرح بچا جاسکتا ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ انسانی جسم میں کتنے اور کون کون سے پریشر پوائنٹس ہوتے ہیں اور کس پریشر پوائنٹ پر کس طرح وار کرکے کیا نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ہانگ سو نے مجھے یہ بھی سمجھایا کہ اگر خالی ہاتھ کسی حریف سے آمنا سامنا ہوجائے تو وہاں کسی بھی ایسی چیز کو ہتھیار یا طاقت کے سرچشمہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے جسے اٹھانا بھی ممکن نہ ہو۔ مثلاً آس پاس موجود کوئی درخت یا دیوار۔ مجھے اگر حریف پر فلائنگ کک لگانی ہے اور وہ مجھے اس کا موقع نہیں دے رہا تو ایسے موقع پر مجھے چاہیے کہ میں دوڑتا ہوا دیوار کی طرف جاؤں اور فلائنگ کک کے انداز میں اچھل کر کم از کم چار فٹ اوپر دونوں پیر دیوار سے لگا کر دیوار کو پوری قوت سے دھکیلوں اور پلٹ کر اپنے حریف پر فلائنگ کک لگاؤں۔ اس ٹیکنیک سے میرے حملہ آور ہونے کی قوت دگنی ہوجائے گی اور حریف کو ایسی کاری ضرب لگے گی کہ اس کے لیے اٹھنا ممکن نہیں رہے گا۔

اس روز میں دن بھر یہی پریکٹس کرتا رہا لیکن مجھے کوئی خاص کامیابی نہیں ہوسکی تھی۔

اس رات میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ مجھے یوں لگا جیسے کوئی مجھے کندھے سے پکڑ کر ہلا رہا ہے۔ میں نے بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدل لی لیکن دوسرے ہی لمحے پھر کسی نے مجھے کندھے سے پکڑ کر ہلا دیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں لیکن تاریکی میں کچھ نظر نہیں آیا۔

البتہ ہلکی ہلکی کراہوں نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اپنے کندھے پر رکھا ہوا ہاتھ ٹٹول کر محسوس کرلیا کہ وہ تھائی وانگ کا ہے۔ وہ بری طرح کراہ رہا تھا۔

"کیا ہوا تھائی۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" میں نے فکرمند لہجے میں پوچھا۔

"میری حالت بگڑ رہی ہے۔" وہ کراہا "میں کئی روز سے یہ تکلیف برداشت کررہا ہوں لیکن اب قوتِ برداشت جواب دیتی جارہی ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے کہا اور پھر چونک گیا۔ تھائی وانگ نے میرے دونوں بازو پکڑ لیے اور انگلیاں مسلز میں گاڑنے کی کوشش کررہا تھی لیکن میری دن رات کی مشقت اور پریکٹس نے میرے مسلز پتھر کی طرح کردیے تھے۔ تھائی وانگ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں نے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اسے کیا تکلیف ہے۔ میں نے تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے اس پر ہنٹر برسائے تھے۔ اسے پندرہ سولہ دن بعد پٹائی کی ضرورت تھی اور مجھے حیرت تھی کہ دو مہینے تک وہ کیسے خاموش رہا تھا۔ شاید صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے وہ برداشت کرتا رہا تھا اور اب غالباً اس کی قوتِ برداشت جواب دیتی جارہی تھی۔

"مطلب تم سمجھتے ہو۔" تھائی وانگ نے کہا "اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا پلیز.....!"

"صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کرو تھائی۔" میں نے سرگوشی کی "سب لوگ سو رہے ہیں۔ آواز سن کر انہیں جاگیں گے اور ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے۔ رات گزار لو کسی طرح۔ صبح سب سے پہلے تمہارا کام کروں گا۔"

رات کا باقی حصہ کس طرح گزرا، میں اسے لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ تھائی وانگ کی وجہ سے میں ایک لمحے کو بھی نہیں سو سکا تھا۔ صبح پانچ بجے سے پہلے ہی ہم اٹھ کر جھونپڑوں سے باہر آگئے۔ اس وقت سناٹا تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے جھونپڑوں میں سو رہے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ اس کیمپ کی نگرانی کرنے والے کہیں کہیں موجود ہوں گے۔

تھائی وانگ کی حالت واقعی قابلِ رحم تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا جھونپڑوں کے پیچھے نہر کی طرف لے آیا۔ نہر کے قریب پہنچ کر میں نے ایک درخت کی جھکی ہوئی ٹہنی توڑ لی۔ تھائی وانگ گھٹنوں کے بل جھک کر بیٹھ گیا اور میں اپنی پشت پر چھڑی سے ضربیں لگانے لگا۔ وہ پہلے تو کراہتی رہی پھر اس کے منہ سے سسکاریاں سی نکلنے لگیں۔

وہ زمین پر اوندھ گئی۔ میں نے چھڑی ایک طرف پھینک دی اور تھائی وانگ کے قریب جھک کر دیکھنے لگا۔ چھڑی کے کچھ دھار دار نشان اس کے کندھوں پر پڑے تھے جس سے کندھوں پر سرخ دھاریاں نمایاں تھیں۔

"تم ٹھیک ہو تھائی؟" میں نے ہولے سے پوچھا۔

"ہاں..... میں ٹھیک ہوں۔" وہ کراہا۔ اس کی حالت اس شرابی جیسی تھی جو نشے میں دھت ہو رہا ہو "تم نے اگرچہ ہلکی ضربیں لگائی ہیں مگر..... تمہارے بازوؤں میں بڑی طاقت آگئی ہے۔ تم جاؤ..... میں آجاؤں گی۔"

مگر میں نے واپس جانے کے بجائے نہر میں چھلانگ لگا دی۔ تقریباً سارے ہی بھکشو صبح یا شام کو اس نہر میں نہایا کرتے تھے۔ آج میں سب سے..... پہلے آیا تھا۔ نہر زیادہ گہری نہیں تھی۔ پچھلے چند روز کے دوران میں اس نہر میں مجھے تیرنا بھی سکھایا گیا تھا۔ میں نہاتے ہوئے بار بار تھائی وانگ کی طرف دیکھ رہا تھا وہ کنارے پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔

اس دوران میں دو بھکشو نہر کی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ دونوں مشتبہ نظروں سے کبھی مجھے اور کبھی تھائی وانگ کو دیکھ رہے تھے۔ میں پانی سے نکل آیا۔ تھائی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اسے سہارا دے کر چلاتا ہوا جھونپڑوں کی طرف آگیا۔ تھائی وانگ چٹائی پر اوندھی لیٹ گئی۔ میں جانتا تھا کہ وہ کئی گھنٹے اسی طرح پڑی مار کا خلا اٹھاتی رہے گی۔

اس روز ہانگ سو مجھے پکڑ کر الگ لے گیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اسے ان دونوں بھکشوؤں نے کچھ بتایا ہوگا لیکن بات کچھ اور نکلی۔ ان دونوں بھکشوؤں نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا بلکہ کیمپ کی نگرانی کرنے والے محافظ نے مجھے تھائی وانگ کی پٹائی کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ہانگ سو کے پوچھنے پر مجھے ساری بات بتانی پڑی۔

"اوہ۔" ہانگ سو کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "اب تم فکر مت کرو۔ میرے پاس اس کا علاج ہے۔ وہ ٹھیک ہوجائے گی اور پھر اسے پٹائی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

اس روز مجھے ایک اور کرتب سکھایا جانے لگا۔ میں اسے کرتب ہی کہوں گا لیکن درحقیقت یہ بھی کک کا ایک اسٹائل تھا۔ اس کا تعلق تائی کوانڈو سے تھا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ موئے تھائی میں کچھ دوسرے بین الاقوامی اسٹائلز کی بعض کارآمد ٹیکنیک بھی اپنائی جارہی تھی اور کورین تائیکوانڈو کی سمرسالٹ نام کی یہ ٹیکنیک بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ اس ٹیکنیک میں دوڑتے ہوئے اچھلنے کے ساتھ قلابازی کھاتے ہوئے بلندی پر رکھی ہوئی کسی چیز کو کک لگائی جاتی تھی۔

اس کی پریکٹس میں مجھے بارہ دن لگے اور تیرھویں دن میں کیمپ کے تمام لوگوں کے سامنے اس کا مظاہرہ کرکے داد وصول کررہا تھا۔

ایک بھکشو بالکل سیدھا کھڑا تھا۔ اس کے کندھوں پر دوسرا بھکشو کھڑا ہوگیا۔ اس نے دستے کی طرف سے ایک خنجر دانتوں میں دبا رکھا تھا۔ خنجر کی نوک پر ایک نیبو پھنسا ہوا تھا۔ میں تقریباً پندرہ فٹ دور سے دوڑتا ہوا آیا۔ مخصوص نشان پر پہنچ کر اچھلا اور ہوا میں قلابازی کھاتے ہوئے کک لگائی اور پیر کے انگوٹھے سے خنجر کی نوک پر لگے ہوئے نیبو کو ہوا میں اچھال دیا۔ خنجر اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں تھا۔ وہ بھکشو بھی اپنے ساتھی کے کندھوں پر اسی طرح کھڑا رہا۔

میرے اس کامیاب مظاہرے پر بھکشوؤں نے مجھے کندھوں پر اٹھالیا۔ میں کامیابیوں کے راستے پر گامزن رہا۔ میری اس کامیابی کی سب سے زیادہ خوشی تھائی وانگ کو تھی۔ اگر کسی کٹھن مرحلے پر میں ہمت ہارنے لگتا تو وہ میری حوصلہ افزائی کرتی۔ مجھے آگے بڑھانے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔

بریکنگ بھی مارشل آرٹس کی پریکٹس میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ مجھے اس میں بھی مہارت حاصل ہوگئی تھی اور میں چار چار انچ کی اینٹیں اوپر رکھی ہوئی دو پختہ اینٹوں کو کھڑی ہتھیلی سے بڑی آسانی سے توڑ لیتا تھا۔ ناریل توڑنا تو میرے لیے کھیل بن گیا تھا۔

روزانہ شام کو میری اسپیرنگ ہوتی۔ کبھی ایک، کبھی دو اور کبھی تین تین آدمیوں سے لڑا دیا جاتا۔ میری ٹریننگ کا مقصد محض اسپورٹس مین کے طور پر فن سیکھنا نہیں تھا بلکہ مجھے ایک مکمل جنگ جو بنایا جارہا تھا تاکہ میں عملی زندگی میں اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرسکوں۔

اسپیرنگ کے دوران میں بلنگ YELLING پر زور دیا جاتا۔ مارشل آرٹس کے تمام اسٹائلز میں بلنگ پر بھی خاص توجہ دی جاتی ہے۔ حریف پر حملہ آور ہوتے وقت حلق پھاڑ کر چیخنے کا مقصد نہ صرف حریف پر دہشت طاری کرنا ہوتا ہے بلکہ اس طرح اپنے اندر کا جذبہ بھی ابھرتا ہے۔

میری ٹریننگ کو تین مہینے ہوگئے تھے۔ ہانگ سو میری ٹریننگ سے مطمئن تھا اب زیادہ زور اسپیرنگ پر تھا۔ میرے مقابلے روزانہ باقاعدگی سے کرائے جارہے تھے اور ہانگ سو میری اس ڈیمانسٹریشن سے مطمئن تھا اور پھر ایک روز اطلاع ملی کہ مہاراج وانگ ونگ یائے اگلے روز یہاں آرہا ہے۔

کیمپ میں کھلبلی سی مچ گئی۔ مہاراج کبھی یہاں نہیں آیا تھا۔ ٹریننگ کیمپوں کے معائنے کے لیے ہمیشہ ماسٹر پھوہی جایا کرتا تھا۔ ماسٹر پھو اب نہیں رہا تھا اور شاید یہ ذمے داری اب ماسٹر ہوجن کو سونپ دی جائے لیکن یہ اطلاع ہانگ سو کے لیے بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی کہ مہاراج خود یہاں آرہے ہیں اور شاید وہ ان کے آنے کا مطلب بھی سمجھ گیا تھا۔

مہاراج دوسرے روز سہ پہر چار بجے کے قریب کیمپ میں پہنچا تھا۔ اس کے ساتھ ماسٹر ہوجن اور دو آدمی بھی تھے۔ ہانگ سو نے مہاراج کے استقبال کی تمام تیاریاں مکمل کر رکھی تھیں۔ مہاراج کے آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کیمپ میں ٹریننگ حاصل کرنے والوں کی کارکردگی کے مظاہرے شروع ہوگئے۔

میری باری بھی آگئی۔ میرے فن کے مظاہرے کا آغاز کاتا

سے شروع ہوا اور سمر سالٹ پر ختم ہوا۔ کاتا زدراصل وہ مختلف اسٹانس ہوتے ہیں جنہیں فائٹ میں بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اسٹانسز سے ہی کراٹے کا زحریف پر حملہ آور ہونے کی اگلی پوزیشن بناتا ہے۔

آخر میں مقابلے تھے۔ کھیل میں عام طور پر بیلٹ کلر اور ویٹ کے حساب سے باؤٹ ہوتے ہیں لیکن اس کیمپ میں بیلٹ کلر کا کوئی تصور نہیں تھا البتہ ٹریننگ کے دوران میں اسپیرنگ میں ویٹ کا کسی حد تک خیال رکھا جاتا تھا۔ مقابلے ہوتے رہے اور ان میں حصہ لینے والے دوسروں سے داد حاصل کرتے رہے۔ آخر میں میری باری تھی۔ میرے باؤٹ میں جس شخص کو میرے مقابلے پر لایا گیا' اسے دیکھ کر سب ہی چونک گئے تھے۔

وہ تھنگ چو تھا۔ اس کیمپ کا سب سے طاقت ور اور خطرناک بھکشو۔ اس کا قد چھ فٹ کے لگ بھگ تھا۔ عمر بتیس کے قریب رہی ہوگی۔ اس کا جسم اگرچہ دبلا پتلا تھا لیکن وہ چیتے کی طرح طاقت ور اور پھرتیلا تھا۔ ٹریننگ کے دوران میں بھی کیمپ کے دوسرے لوگ عام طور پر اس سے دور ہی رہا کرتے تھے۔

نمائشی مقابلوں میں عام طور پر ہیڈ گیئر استعمال کیے جاتے تھے تاکہ سر پر چوٹ نہ لگے لیکن میرے باؤٹ میں کچھ مختلف طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ ہم دونوں کو نہ تو ہیڈ گیئرز دیے گئے اور نہ ہی باکسنگ گلوز۔ اس سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ میرے حریف تھنگ چو نے ہاتھوں پر رسیاں لپیٹی ہوئی تھیں۔ بان جیسی کھردری رسیوں پر چھوٹی چھوٹی گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ موئے تھائی کے مقابلوں میں حریف کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے لیے بڑے عجیب وغریب ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے تھے۔ گلوز میں کوئی ایسی سخت چیز چھپالی جاتی جس سے حریف کو زیادہ چوٹ لگتی لیکن یہ سب کچھ چوری چھپے ہوتا تھا اور یہاں تو صورت حال مختلف تھی۔ تھنگ چو نے ہاتھوں پر گرہوں والی جو رسیاں لپیٹ رکھی تھیں' وہ سب کی نظروں میں تھیں جبکہ میں خالی ہاتھ تھا۔

میں نے مہاراج کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی الجھن سی نظر آرہی تھی اور تھائی وانگ کے چہرے پر تو خوف کے تاثرات نمایاں طور پر نظر آرہے تھے لیکن میں خوف زدہ نہیں تھا۔ مجھے اپنے آپ پر بھروسا تھا۔

ریفری کے فرائض ایک سینئر انجام دے رہا تھا۔ میں اپنے حریف کے سامنے کھڑا تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو بو کیا اور ریفری کا اشارہ ملتے ہی مقابلہ شروع ہوگیا۔ تھنگ چو میرے سامنے اچھل رہا تھا۔ اس نے اچانک ہی کک لگانے کے لیے پیر اٹھایا۔ میں نے الٹے ہاتھ کی کلائی سے اس کی کک روکی اور بڑی پھرتی سے اس کا پنج روکنے کے لیے سیدھا ہاتھ بھی اٹھا دیا۔ اس نے جیسے ہی پیر اٹھایا تھا' میں سمجھ گیا تھا کہ اس کا اصل داؤ کک نہیں پنچ ہوگا جسے میں نے بڑی کامیابی سے روکا تھا۔

تھنگ چو پے در پے حملے کر رہا تھا اور میں زیادہ تر مدافعت ہی کرتا رہا۔ کبھی کبھار ایک آدھ حملہ بھی کر دیتا جسے وہ کامیابی سے روک لیتا۔ میں اپنی طرف سے مدافعت کے ساتھ اسے اشتعال بھی دلانا چاہتا تھا اور میں اپنے اس مقصد میں کامیاب رہا۔

ہمارا یہ مقابلہ پانچ راؤنڈز کا تھا۔ پہلے دو راؤنڈز میں وہ تین پوائنٹ لے گیا۔ تیسرے راؤنڈ میں اس پر تھکن کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ اب میں نے مدافعت کی پالیسی ترک کر کے جارحانہ انداز اختیار کرلیا۔

تھنگ چو نے ایک حملہ کیا تو میں نے اس کا پنچ کلائی پر روکا اور اس کے ساتھ ہی الٹی فلا بازی کھا گیا۔ ایسا کرتے ہوئے میرا کک اس کی ٹھوڑی کے نچلے حصے پر لگی اور وہ پیچھے الٹ گیا اور پھر تو میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پے در پے اس پر حملے کرتا رہا۔ اس راؤنڈ میں مجھے دو پوائنٹ ملے۔

یہ رنگ کوئی باقاعدہ رنگ نہیں تھا۔ اس کے اطراف میں رسے بھی تنے ہوئے نہیں تھے۔ اکھاڑے کی طرح تھا جس کے چاروں طرف سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور میں نے محسوس کیا تھا کہ زیادہ ہمدردیاں تھنگ چو کے ساتھ تھیں۔ میرے حق میں بھی چند آوازیں اٹھ رہی تھیں اور سب سے نمایاں آواز تھائی وانگ کی تھی۔

چوتھے راؤنڈ میں مجھے مزید دو پوائنٹ ملے۔ پانچویں راؤنڈ میں یہ مقابلہ فری اسٹائل میں تبدیل ہوگیا تھا۔ تھنگ چو نے تمام قواعد وضوابط کو نظر انداز کر دیا تھا۔ میرے' اب تک مقابلے پر لگے رہنے سے وہ شاید اپنی توہین محسوس کرنے لگا تھا اور ہر قیمت پر مجھے شکست دینا چاہتا تھا۔

یہ واقعی اسٹریٹ فائٹ تھی جس میں کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہوتا۔ بس حریف کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تھنگ چو نے دائیں ہاتھ کا دھوکا دے کر بائیں پنچ کا وار کیا۔ میں نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی مگر اس کا پنچ میرے کندھے پر لگا۔ ہاتھ پر لپٹی ہوئی کھردری رسیوں اور گرہوں کی وجہ سے میرے کندھے کی کھال چھل گئی لیکن میں نے اپنے حواس بحال رکھے اور اشتعال میں آنے کے بجائے ہوش وحواس میں رہتے ہوئے مقابلہ جاری رکھا۔ تھنگ چو مجھ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے پنچ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو میں طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ میرے دائیں پیر نے ایر اس کی بغل کے نیچے لگا۔ وہ پیچھے ہٹا تو میری لیفٹ کک اس کے دائیں پہلو میں لگی اور پھر تو میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پنچ کک.... پنچ کک.... وہ بری طرح لڑکھڑا رہا تھا اور جب اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تو میں ایک بار پھر ہوا میں اچھلا اور پوری قوت سے فلائنگ کک اس کے سینے پر ماری۔ وہ لڑکھڑا کر گرا۔ میں اس نے اٹھنے میں بھی دیر نہیں لگائی تھی۔ میں بجلی کی سی سرعت سے

جھکا۔ میرا ایک ہاتھ اس کی گردن پر تھا اور دوسرا پیچھے پر۔ میں نے پوری قوت استعمال کرتے ہوئے اسے اپنے سر کے اوپر اٹھالیا اور کک لگا کر ایک طرف اچھال دیا۔ وہ تماشائیوں میں گرا۔ اس کے حامی اس کی حوصلہ افزائی کے لیے چیخ رہے تھے۔ میں اس کے قریب کھڑا اس کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ ریفری نے گنتی شروع کر دی تھی۔ تھنگ چو نے دو مرتبہ اٹھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ ریفری نے چیخ کر دس کہا اور پھر میرا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔

میں یہ مقابلہ جیت گیا تھا۔ مہاراج ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ تھائی وانگ چیختی ہوئی اکھاڑے میں آگئی اور والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔ میرے حمایتیوں نے شور مچاتے ہوئے مجھے کندھوں پر اٹھالیا اور پھر مہاراج کے سامنے لے جاکر زمین پر اتار دیا۔ میں نے مہاراج' ماسٹر ہوچن اور ہانگ سو کو بو کیا۔ مہاراج نے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہانگ سو۔" وہ میرے استاد کی طرف دیکھتے ہوئے بولے "ہم نے بہت خوش ہوئے۔ ایک سال کی ٹریننگ تین مہینوں میں۔ مجھے تم پر فخر ہے۔"

"مجھے اپنے اس شاگرد پر فخر ہے مہاراج۔" ہانگ سو نے بو کرتے ہوئے کہا "یہ سب اس کی محنت کا نتیجہ ہے۔ میرا خیال تھا اتنی مختصر مدت میں یہ کچھ بھی نہیں سیکھ پائے گا لیکن اس نے کسی موقع پر بھی مجھے مایوس نہیں کیا۔ بڑی محنت کی ہے اس نوجوان نے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "تھنگ چو میرے کیمپ کا سب سے سینئر اور سب سے خطرناک آدمی ہے۔ یہ اسٹریٹ فائٹنگ میں بھی عملی طور پر حصہ لے چکا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا چھ مہینے پہلے تو آپ ہی نے بعض خاص ہدایات کے ساتھ اسے یہاں بھیجا تھا۔ ان چھ مہینوں کے دوران میں اس نے یہاں بھی بہت کچھ سیکھا ہے لیکن اس نوجوان نے تھنگ چو کو جس طرح ناک آؤٹ کیا ہے' وہ بھی آپ نے دیکھ لیا۔ اب یہ نوجوان کسی سے مار نہیں کھائے گا۔" اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔

اپنی ٹریننگ پر مہاراج کا تبصرہ سن کر میں پھولے نہیں سمایا تھا۔ یہ میری زندگی کی پہلی فائٹ تھی جس میں' میں نے اپنے سے کہیں زیادہ تجربہ کار اور طاقت ور حریف کو ناک آؤٹ کر دیا تھا۔

میری ٹریننگ مکمل ہوگئی تھی اس لیے میرے وہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں اس رات مہاراج کے ساتھ ہی بنکاک واپس آگیا اور ظاہر ہے تھائی وانگ بھی ہمارے ساتھ تھی اور مجھے تھائی وانگ پر حیرت تھی۔ ان تین مہینوں کے دوران میں وہ صرف ایک بار خوشگوار تاثر دیتا ہوا تھا کہ مجھ سے تھائی وانگ کی حالت جاننے سے بعد ہانگ سو اسے ایک مخصوص ایکسرسائز کرواتا رہا تھا اور ہمارے واپس آنے سے پہلے اس نے تھائی وانگ کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ کچھ عرصے تک یہ ایکسرسائز جاری رکھے۔

ہم رات نو بجے کے قریب شہر میں داخل ہوئے تھے اور پھر مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے واٹ ٹریمٹ پہنچ گئے۔ یہ وہی خانقاہ تھی جہاں پر تاب سنگھ کو قتل کیا گیا تھا اور مہاراج وانگ ونگ یائے نے مجھے اپنی پناہ میں لیا تھا۔ ہم عقبی راستے سے خانقاہ میں داخل ہوئے تھے لیکن خانقاہ میں موجود تمام بھکشوؤں کو پتا چل گیا کہ مہاراج واپس آگئے ہیں۔ مجھے اور تھائی وانگ کو پاتونگ کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ پاتونگ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے ساتھ حیرت کے تاثرات بھی نمایاں تھے۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم وہی ہو جسے چند مہینے پہلے نہایت خستہ حالت میں یہاں میرے پاس لایا گیا تھا۔ کیسا قد نکالا ہے تم نے۔" پاتونگ نے آگے بڑھ کر مجھے دونوں بانہوں سے پکڑلیا اور پھر وہ چونک گئی۔ میرے بازو کے مسل ٹٹولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی "تم پر مہاراج کی محنت ضائع نہیں گئی اور مجھے لگتا ہے مہاراج بہت جلد تمہیں کوئی اہم ذمے داری سونپ دیں گے۔"

"تمہیں کیسے اندازہ ہوا کہ مہاراج مجھے کوئی ذمے داری سونپ دیں گے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دو دن پہلے وہ ماسٹر ہوچن سے باتیں کر رہے تھے اور میں نے اس سے کچھ اندازہ لگالیا تھا۔" پاتونگ نے جواب دیا۔

"تمہیں یہاں کے حالات کا کچھ علم ہے۔ شہر میں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بہت کچھ۔" پاتونگ نے جواب دیا "وہ ہندو لڑکی تھی نا کوشلیا جس کے فلیٹ میں تم چند روز رہے بھی تھے۔"

"ہاں مجھے یاد ہے۔ کوشلیا کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ کیا اسے ٹائیگر کی قید سے چھڑالیا گیا ہے؟" میں نے کہا۔

"وہ تو ندار نکلی۔" پاتونگ نے جواب دیا "اس کے فلیٹ پر حملہ اس کی غداری کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس نے کسی طرح ٹائیگر تک یہ پیغام پہنچا دیا تھا کہ تم اس کے فلیٹ میں ہو اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ تمہاری حفاظت کے لیے کیا انتظامات کیے گئے ہیں۔ ٹائیگر کے آدمیوں نے موقع ملتے ہی اس کے فلیٹ پر حملہ کر دیا تھا۔ تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تم وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے اور وہ ٹائیگر کے آدمیوں کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ بعد میں یہی تاثر دیا گیا کہ ٹائیگر کے آدمی اسے اٹھا کر لے گئے ہیں اور اس کی رہائی کے بدلے تمہیں ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ انکشاف تو بعد میں ہوا تھا کہ یہ سب کچھ ایک سازش کے تحت ہوا تھا۔"

"وہ اب کہاں ہے۔ میرا مطلب ہے کوشلیا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔ کوشلیا کے بارے میں سوچتے ہوئے میرا دماغ گھوم رہا

تھا۔ وہ رات مجھے اچھی طرح یاد تھی جب اس نے مجھ سے اپنی ہوس کی آگ بجھانے کی کوشش کی تھی اور میرا خیال ہے اس کے بعد ہی اس نے کسی طرح ٹائیگر کے آدمیوں سے رابطہ کرکے میرے بارے میں بتایا ہوگا۔ کوشلیا جوان اور حسین عورت تھی۔ اگر وہ کسی مرد کو اشارہ بھی کردے تو وہ اس کے قدموں پر لوٹنے لگے گا۔ میرے بارے میں بھی شاید اس نے یہی سوچ لیا تھا اور بے لباس ہو کر میرے بستر پر آگئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اسے برہنہ دیکھ کر میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھوں گا اور وہ اپنی مرضی کے مطابق مجھ سے اپنی خواہش پوری کرے گی لیکن میں نے اسے دھتکار دیا تھا اور مجھ سے انتقام لینے کے لیے اس نے ٹائیگر کے آدمیوں سے مل کر مجھے مروانے کی سازش کی تھی لیکن خوش قسمتی سے میں توبچ گیا تھا لیکن اس کا راز بھی بالآخر فاش ہوگیا تھا۔

"اس کا ٹریننگ سینٹر بند ہوچکا ہے۔" پاتونگ کہہ رہی تھی "آج کل وہ ایک تھرڈ کلاس نائٹ کلب میں فائٹ کے پروگرام کررہی ہے۔ ماسٹر ہوچن تو اسے ٹھوانا چاہتا تھا لیکن مہاراج نے منع کردیا۔ وہ ایک غدار عورت کے لیے اپنے کسی آدمی کی زندگی داؤ پر لگانا نہیں چاہتا۔ مہاراج کا خیال ہے کہ کوشلیا ایک روز خود ہی اس کے قدموں پر آگر گر جائے گی۔"

"ہوں۔" میں ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

"ایک بات اور۔" پاتونگ نے کہا "ٹائیگر کے آدمی تم دونوں کو بڑی سرگرمی سے تلاش کررہے ہیں۔ اس کے دو آدمی تم دونوں کے ہاتھوں مارے جاچکے ہیں۔ اس نے مہاراج سے بھی مطالبہ کیا تھا کہ تم دونوں کو اس کے حوالے کردیا جائے۔ تمہیں شاید ایک دو دن سے زیادہ اس ٹمپل میں نہ رکھا جائے اس لیے جہاں بھی جاؤ ذرا محتاط رہنا۔"

"اور کچھ.....؟" میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"اور یہ کہ اب تم نہالو۔ عجیب حلیہ ہورہا ہے تمہارا۔" پاتونگ نے کہا "تمہیں ہاتھ روم دکھاؤں۔" اس کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

"نہیں..... میں خود ہی چلا جاؤں گا۔" میں نے کہا اور اس وسیع و عریض کمرے سے باہر نکل گیا۔

پاتونگ کا خیال درست نکلا تھا۔ دوسرے دن شام کے بعد مجھے اور تھائی وانگ کو کلانگ روڈ کے قریب ایک بہت بڑے واٹ (خانقاہ) میں بھیج دیا گیا۔ اس خانقاہ سے متصل ایک بہت بڑا میدان تھا اور اس کے قریب ہی واچٹونوٹن کک باکسنگ اسٹیڈیم تھا۔ یہ شہر کا دوسرا سب سے بڑا اسٹیڈیم تھا۔ اس خانقاہ میں بھکشوؤں اور راہباؤں کے لیے الگ رہائشی کوارٹرز تھے اور وہاں کسی غیر متعلق شخص کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ رہائشی کوارٹرز کا ایک راستہ تو خانقاہ کے اندر سے تھا اور دوسرا پچھلی طرف ایک تنگ سی گلی میں۔ یہ دروازہ عام طور پر بند ہی رہتا تھا۔

یہاں ہمیں الگ الگ دو کمرے دیے گئے تھے۔ ماسٹر ہوچن ہمارے ساتھ آیا تھا یہاں بھی راہبوں اور راہباؤں کو کک باکسنگ کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔ مجھ سے پہلے جو ٹرینر تھا اسے اس اسٹیڈیم اور جگہ بھیج دیا گیا تھا اور سب بھکشوؤں کو بتا دیا گیا تھا کہ کچھ عرصہ انہیں ٹریننگ میں دوں گا۔ ماسٹر ہوچن نے انہیں میرا نام ماسٹر ہوا بتایا تھا۔

میرے خیال میں میرا تعارف کراتے وقت اس کے ذہن میں کوئی نام نہیں آسکا تھا اس لیے ہا ہی بتا دیا تھا اور یہ نام مجھے پسند آیا تھا۔ مجھے یہاں بھیجنے کی ایک وجہ میری سمجھ میں آگئی۔

اس خانقاہ میں مہاتما بدھ کا سونے کا ایک بہت بڑا مجسمہ تھا جس کے گرد لوہے کا مضبوط جنگلا لگا ہوا تھا۔ دن میں دو مرتبہ اس جنگلے کا دروازہ کھولا جاتا اور زائرین مجسمے کو چھو کر سکون قلب حاصل کرتے اور اپنے عقیدے کے مطابق دعائیں مانگتے۔ اس مجسمے کی حفاظت کے خیال سے یہاں کے بھکشوؤں کو موئے تھائی کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔ یوں تو میں سمجھ گیا تھا کہ یہاں کا بھکشو برسٹر فائٹر تھا لیکن ماسٹر کے خیال میں انہیں ایکٹو رکھنے کے لیے مجھ جیسے آدمی کی ضرورت تھی۔

جنگل والے کیمپ سے آنے کے بعد میں نے آئینے میں اپنا حلیہ دیکھا تھا تو چونک گیا تھا۔ وہاں تین مہینوں میں صرف ایک مرتبہ قینچی کے ساتھ بڑی بے ترتیبی سے میرے بال کاٹے گئے تھے جو اب بڑھ کر گردن تک پہنچ گئے تھے۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ قینچی ہی سے اپنے بال خود ہی کاٹ لوں لیکن پھر کچھ سوچ کر انہیں چھوڑ دیا تھا۔ ان بے تحاشا بڑھے ہوئے بالوں کی وجہ سے میرا حلیہ بڑی حد تک بدل گیا تھا اور بدلا ہوا حلیہ میرے لیے ضروری تھا۔

ایک دو دن تو میں خانقاہ تک محدود رہا پھر ایک روز کسی کو بتائے بغیر باہر نکل گیا۔ حفاظت کے لیے میں نے اپنے لباس میں ایک خنجر چھپا لیا تھا۔ میں اس روز بہت دیر تک شہر کے مختلف علاقوں میں گھومتا رہا۔ میں پہلی مرتبہ اس شہر میں اکیلا باہر نکلا تھا۔ راستوں کا علم نہیں تھا۔ بس منہ اٹھائے گھومتا رہا۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ کچھ راستوں سے واقفیت ہوگئی اور پھر ایک بازار میں چلتے چلتے میں ایک دکان کے سامنے رک گیا۔ دکان کے شوکیس میں ایسی چیزیں سجی ہوئی تھیں جو عام طور پر تھیٹروں میں استعمال ہوتی ہیں۔ نقلی بالوں کی وگیں، نقلی مونچھیں اور ماسک وغیرہ۔

میں دکان میں داخل ہوگیا۔ میں نے اپنے لیے ایک فرنچ کٹ داڑھی پسند کی جسے دکان دار نے بڑی نفاست سے میرے چہرے پر چپکا دیا۔ اس داڑھی کو کسی اضافی چیز کے بغیر آسانی سے نوچا نہیں جاسکتا تھا۔ دکان دار نے سیاہ شیشوں والی عینک بھی چپکا اور اتارا جاسکتا تھا۔ دکان دار نے سیاہ شیشوں والی عینک بھی میری آنکھوں پر لگا دی اور جب میں نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو اچھل پڑا۔ میں خود بھی اپنے آپ کو نہیں پہچان سکا تھا۔ میں نے قیمت ادا کی اور یہ دونوں چیزیں جیب میں ڈال کر دکان سے باہر آگیا۔

میں نے روز نائٹ کلب کے قریب اس ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر چائے بھی پی جس کے قریب سے میں تھائی وانگ کی گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہاں اس وقت بہت سے گاہک تھے اور ہوسکتا ہے یہاں ٹائیگر کا کوئی آدمی بھی موجود ہو لیکن کسی نے مجھے نہیں پہچانا تھا۔

ریسٹورنٹ سے نکل کر میں ایک ٹک ٹک میں بیٹھا اور گولڈن پارس ہوٹل کے سامنے اتر گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہاں سے میں پیدل ہی جاؤں گا۔ مجھے اس طرح آزادی سے گھومنا پھرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس وقت میرے دل میں کوئی ڈر خوف بھی نہیں تھا لیکن کچھ ہی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ میرا پیچھا کیا جارہا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ایک غنڈے کو بھی میں نے ایک ٹک ٹک سے اترتے ہوئے دیکھا تھا۔ بڑی سڑک پار کرکے میں ایک تنگ سی گلی میں گھس گیا اور بڑی پھرتی سے ایک دیوار کی آڑ میں ہوگیا۔ وہ دن کا وقت تھا لیکن اتفاق سے اس وقت وہ گلی سنسان پڑی تھی۔ وہ توقع جیسے ہی گلی میں مڑا میں نے برق رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر چھلانگ لگا دی اور اس کے منہ پر گھونسا مارنا ہی چاہتا تھا کہ اس کی شکل دیکھ کر میرا ہاتھ رک گیا اور میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

وہ ماسٹر ہوچن کا آدمی تھا۔

یہ انکشاف میرے لیے خاصا دلچسپ ثابت ہوا کہ مہاراج کے کہنے پر ماسٹر ہوچن نے میری نگرانی شروع کر رکھی تھی۔ انہیں شاید پہلے ہی سے یقین ہوگا کہ میں واٹ سے باہر نکلنے کی کوشش کروں گا اس لیے میری نگرانی شروع کردی گئی تھی۔ کوئی نہ کوئی آدمی ہر وقت واٹ کے آس پاس موجود رہتا تھا اور اس شخص نے واٹ سے نکلتے ہی میرا تعاقب شروع کردیا تھا لیکن میری نظروں میں اس وقت آیا جب میں گھوم پھر کر واپس آرہا تھا اور میں نے موقع ملتے ہی اسے چھاپ لیا تھا۔

ایک جگہ بند ہو کر بیٹھے رہنا میرے لیے مشکل ہوگیا تھا۔ میں کچھ نہ کچھ کرنا چاہتا تھا۔ ویسے میں اکثر اوقات کی تنہائی میں سوچا کرتا تھا کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے۔ میرے ماں باپ کو سنگاپور میں میری نظروں کے سامنے قتل کردیا گیا تھا پھر وہ میری جان کے بھی دشمن ہوگئے۔ چاچا پرتاب سنگھ مجھے ان سے بچانے کے لیے بنکاک لے آیا اور میری جان بچانے کی کوشش میں وہ خود مارا گیا۔ اس کی موت کے بعد میں مہاراج وانگ ونگ یائے کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ مجھے بہت بڑا مارشل آرٹسٹ بنانا چاہتا تھا تاکہ میں اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرسکوں۔ میرے وہ دشمن بھی شاید آہنی اعصاب کے مالک تھے جو اب تک میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ جبکہ میرے خیال میں انہیں تو بہت پہلے میرا پیچھا چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ انہیں تو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ میں تو خود اپنی جان کے خوف سے بھاگا پھر رہا ہوں۔ انہیں کیا نقصان پہنچاؤں گا لیکن شاید صورتِ حال ایسی نہیں تھی جیسا میں سوچ رہا تھا۔ واقعات کا ایک ایسا تسلسل بنتا گیا جس سے وہ اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے رہے۔ پہلے سنگاپور کی پولیس میری حفاظت کے ساتھ ساتھ انہیں بھی تلاش کرتی رہی پھر پرتاب سنگھ مجھے بنکاک لے آیا اور میں مہاراج کی تحویل میں آگیا۔ مہاراج کے بارے میں وہ بھی جانتے ہوں گے۔ انہیں زیادہ خطرہ محسوس ہوا اور اس نئی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے انہوں نے ٹائیگر جیسے آدمی کی خدمات حاصل کرلیں جس کا انڈر ورلڈ پر ہولڈ تھا۔

اور پھر ان کے ہاتھوں مہاراج کا بہترین آدمی ماسٹر پھوما مارا گیا۔ اس طرح دونوں پارٹیوں میں تصادم شروع ہوگیا۔ تھائی وانگ ایک بالکل غیر متعلق عورت تھی۔ اس کا قصور صرف یہ تھا کہ اس نے مجھے پناہ دی تھی۔ میری وجہ سے اس کا سب کچھ تباہ ہوگیا تھا اس کی اپنی زندگی بھی داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ وہ اگر چاہتی تو مجھے چھوڑ کر کسی اور شہر جاسکتی تھی لیکن اس نے مجھے نہیں چھوڑا۔ میں جب بھی تھائی وانگ کے بارے میں سوچتا مجھے بڑا افسوس ہوتا۔

مجھے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ دارا اور کم وغیرہ واپس جاچکے تھے یا ابھی تک بنکاک ہی میں موجود تھے۔ میرے اصل دشمن تو وہی تھے اور مجھے ان سے انتقام لینا تھا۔ میرے ماں باپ کو میری آنکھوں کے سامنے قتل کیا گیا اور میں وہ منظر کبھی نہیں بھول سکتا۔ مجھے ہر صورت میں دارا اور چی فانگ وغیرہ سے انتقام لینا تھا۔ اس کے لیے چاہے مجھے دنیا کے آخری سرے تک ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ اب تو میں ان سے بچنے کے لیے بھاگا پھر رہا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ ایک وقت وہ بھی آئے گا جب یہ مجھ سے چھپتے پھریں گے اور انہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ اس سے پہلے مجھے اپنے آپ کو پوری طرح تیار کرنا تھا۔ ہانگ سو کی تربیت نے اگرچہ مجھے ماسٹر بنا دیا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ تربیت ہی کافی نہیں تھی۔ مجھے تجربے کی ضرورت تھی۔ ابھی اور کٹھن مراحل سے گزرنا تھا۔

میں اپنے آپ کو ٹائیگر کے معاملات میں الجھانا نہیں چاہتا تھا لیکن اس سے کترایا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے دو آدمی ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے اور وہ میری تلاش میں تھا اور کبھی تو میں سوچتا کہ اچھا ہے۔ اس طرح تجربہ بھی حاصل ہوگا۔

اس روز میں نے پھر باہر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں رات تقریباً آٹھ بجے اپنے کمرے میں تیاری کررہا تھا۔ میرے بال اتنے لمبے تھے کہ میں نے انہیں پیچھے سمیٹ کر چٹیا بنالی اور ٹھوڑی پر فرنچ کٹ داڑھی چپکا کر آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگا۔ سیاہ شیشوں والا چشمہ لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ داڑھی لگانے سے ہی میرا چہرہ بہت بدل گیا تھا۔ یوں بھی رات کے وقت سیاہ شیشوں والا چشمہ مشکوک بنا سکتا تھا۔

میرا قد پانچ فٹ کے قریب تھا۔ مارشل آرٹ کی کٹھن ٹریننگ نے میری جسمانی نشوونما پر بھی بڑا اثر ڈالا تھا۔ میں اپنی عمر سے کہیں زیادہ لگنے لگا تھا اور فرنچ کٹ داڑھی تو میرے چہرے پر بہت اچھی لگ رہی تھی۔ میں آئینے میں اپنا جائزہ لے رہا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر پیچھے مڑا۔ وہ تھائی وانگ تھی۔ وہ میری شکل دیکھتے ہی اچھل پڑی۔

"تک..... کون ہو تم اور....."

میرے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ اس داڑھی سے تھائی وانگ بھی مجھے نہیں پہچان سکی تھی۔ میری آواز سن کر وہ ایک بار پھر اچھل پڑی۔

"اوہ۔" اس کے منہ سے حیرت زدہ سی آواز نکلی "یہ..... یہ کیا۔ میرا مطلب یہ داڑھی..... شام کو تو نہیں تھی۔"

میں نے مسکراتے ہوئے داڑھی اتار دی اور پھر آئینے کی طرف رخ کرکے اسے دوبارہ چپکا لیا۔

"میں باہر جا رہا ہوں۔ تاکہ صورتِ حال کا جائزہ لے سکوں۔ یہاں بیٹھے بیٹھے تو میرا دم گھٹنے لگا ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے ٹائیگر کے آدمی تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے تمہیں دیکھ لیا تو....."

"تم مجھے نہیں پہچان سکیں تو کوئی اور کیسے پہچانے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" اس نے کہا۔

"تاکہ تمہارے ساتھ ہونے سے مجھے بھی پہچان لیا جائے۔" میں نے کہا "پریشان مت ہو۔ میں نے اپنی حفاظت کرنا سیکھ لیا ہے۔ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔"

میں بڑی مشکل سے اسے سمجھا سکا تھا۔ اس رات میں نے واٹ سے باہر جانے کے لیے واٹ کا عقبی چھوٹا دروازہ استعمال کیا تھا۔ تھائی وانگ اس دروازے تک میرے ساتھ آئی تھی اور میں نے واپس آنے کا راستہ بھی تلاش کرلیا تھا۔

گلیوں ہی گلیوں میں گھومتا ہوا میں واٹ سے بہت دور گولڈن ہارس ہوٹل کے قریب سڑک پر نکل آیا اور اسٹینڈ پر کھڑے ہوئے ایک ٹک ٹک پر بیٹھ گیا اور ڈرائیور کو روز کلب چلنے کا کہہ کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

روز نائٹ کلب میں بڑی رونق تھی۔ پہلی مرتبہ جب میں یہاں آیا تھا تو اس وقت میری اپنی جان پر بنی ہوئی تھی۔ میں تو چھپنے کی جگہ تلاش کررہا تھا اور اس کلب کے بارے میں ٹھیک سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ اب پہلی مرتبہ اس کلب کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ یہ واقعی تھرڈ کلاس قسم کا کلب تھا۔ یہاں زیادہ تر وہ لوگ آتے تھے جن کا تعلق نچلے طبقے سے تھا۔ دن بھر محنت مزدوری کرنے کے بعد رات کو تھوڑا سا وقت سستی عیاشی میں گزار لیتے تھے اور اس سستی عیاشی میں ہی ان کی جیبیں خالی ہوجاتی تھیں۔

اس روز بھی میں نے دیکھا تھا اور اب تو مجھے ٹھیک طرح سے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ کلب منشیات کا بہت بڑا اڈا تھا۔ مرکزی ہال اور ان گاہکوں کے لیے مخصوص تھا جو کافی چائے، کولڈ ڈرنکس اور شراب وغیرہ پینے کے ساتھ اسٹیج پروگرام سے لطف اندوز ہوتے تھے اسٹیج پر کبھی ڈانس کا پروگرام ہوتا اور کبھی عورتوں کی کک باکسنگ کا۔ دوسرا ہال ان لوگوں کے لیے تھا جو منشیات استعمال کرتے تھے۔

میں نے کلب میں داخل ہوکر اِدھر اُدھر دیکھا۔ بہت سی میزیں بھری ہوئی تھیں۔ نیم عریاں لباس میں فاحشہ عورتیں بھی بڑی تعداد میں موجود تھیں جو کسی نہ کسی طرح گاہکوں کی جیبوں کا بوجھ ہلکا کرنے میں مصروف تھیں۔

اسٹیج پر اس وقت ایک رقاصہ تھرک رہی تھی۔ میں میزوں کے درمیان چلتا ہوا ایک کونے والی خالی میز پر بیٹھ گیا۔ نیم عریاں لباس میں ایک ویٹریس فوراً ہی میرے سامنے آکھڑی ہوئی۔ میں نے اسے کافی کے لیے کہہ دیا اور ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔

پہلی مرتبہ جب میں یہاں آیا تھا تو چی فانگ کو اس کلب میں دیکھا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میرا اور اس کا آمنا سامنا اس کلب میں ہوگا۔ ویٹریس کافی لے کر آئی تو اس نے مجھ سے پہل بھی وصول کرلیا۔ اس کلب کی روایت شاید یہی تھی۔ چیز سرو کرنے کے ساتھ ہی پیل وصول کرلیا جاتا۔

میں کافی کی چسکیاں لے رہا تھا کہ ایک عورت بڑی بے تکلفی سے میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی عمر پینتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس نے اگر بھونڈے انداز میں میک اپ نہ کر رکھا ہوتا تو چہرہ پُرکشش ہوسکتا تھا۔ اس کا لباس اور حرکات و سکنات سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس کا تعلق کس طبقے سے ہوسکتا ہے۔ وہ جب میز پر ذرا سا آگے کو جھکی تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

"اس کلب میں شاید پہلی مرتبہ آئے ہو۔" وہ میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"میں اس کلب میں ہی نہیں بنکاک میں بھی پہلی مرتبہ آیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ..... اس کا مطلب ہے کہ اکیلے ہو اور تمہیں ایک دوست کی بھی ضرورت ہوگی۔ وقت گزارنے کے لیے۔ کسی کلب میں آدمی اکیلا ہو تو بڑی بورِیت ہوتی ہے۔ میں تمہاری بورِیت دور کرسکتی ہوں۔" وہ بولی۔

"وہ کس طرح؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جس طرح تم چاہو گے۔" اس نے معنی خیز لہجے میں جواب

دیا۔ "لیکن پہلے میرے لیے کچھ پینے کو تو منگواؤ۔ حلق خشک ہورہا ہے۔" اور پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے ویٹریس کو بلا کر اپنے لیے شراب منگوالی اور اس کا بل مجھے ہی دینا پڑا تھا۔

اس کا نام شائی وان تھا۔ اس کی باتوں سے مجھے جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ وہ اندر کی کچھ باتیں بھی جانتی تھی اور اس سے بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔ باتیں کرتے ہوئے ایک آدمی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس کا رخ ہماری میز کی طرف ہی تھا۔ وہ جیسے جیسے قریب آرہا تھا، میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جارہی تھی۔ وہ ٹائیگر کا آدمی تھا۔ میں نے اپنے آپ کو آنے والی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار کرلیا۔

وہ ہماری میز کے قریب آکر رک گیا۔ پہلے گھورتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا پھر شائی وان کی طرف جھک کر اس کے کان میں کچھ کہا اور واپس چلا گیا۔ اس کے چند ہی منٹ بعد شائی وان بھی اٹھ کر چلی گئی۔ اس کی واپسی تقریباً پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہورہا تھا۔

"حرامی! اپنے آپ کو پتا نہیں کیا سمجھتا ہے۔" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بڑبڑائی۔

"کون۔ کس کی بات کررہی ہو؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ٹائیگر۔" اس نے کہا "اپنے آپ کو اس شہر کا مالک سمجھ بیٹھا ہے۔ یہ ایک دن کتے کی موت مرے گا۔"

"ٹائیگر تو سنا ہے یہاں کا بہت بڑا بدمعاش ہے۔" میں نے کہا "لیکن تمہارا اس سے کیا تعلق؟"

"وہ کلب میں آنے والی مجھ جیسی ہر عورت سے ٹیکس لیتا ہے۔" شائی وان نے جواب دیا "تم سے کچھ ملے نہ ملے لیکن اس کے گرگے مجھ سے سو بھات ہتھیا لیں گے۔"

"میں تمہیں سو بھات دے دوں گا۔ ویسے تم اس کلب میں کب سے آرہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کئی سال ہوگئے۔" شائی وان نے جواب دیا "ٹائیگر پہلے ایسا نہیں تھا۔ اس نے ہمیں کبھی نہیں چھیڑا تھا لیکن جب سے وہ حرامی دو چینی یہاں آئے ہیں اور مہاراج کا سینئر ماسٹر پھوان کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اس وقت سے وہ زیادہ ہی پھیل گیا ہے۔ ہیروئن اور عورتوں کی کمائی سے اس کا دماغ کچھ زیادہ ہی خراب ہوگیا ہے لیکن میرا خیال ہے اس کے دن اب گنے جاچکے ہیں۔ مہاراج کے آدمی اس کی تاک میں ہیں۔ یہ کسی نہ کسی دن کتے کی موت مارا جائے گا۔"

شائی وان کی باتیں مجھے چونکا دینے کے لیے کافی تھیں۔ خصوصاً دو چینیوں کے تذکرے سے تو میرے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہوگئی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کم اور چی فانگ کی بات کررہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اندر کی بہت سی باتیں جانتی تھی۔ وہ اس وقت ٹائیگر کے خلاف غصے میں تھی اور اس سے بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا لیکن میرے خیال میں یہاں ایسی باتیں کرنا مناسب نہیں تھا۔

"ابھی تم نے کہا تھا کہ تم میری بورِیت دور کرسکتی ہو؟" میں نے کہا۔

"ہاں لیکن یہاں نہیں۔" وہ بولی "اگر یہاں رہے تو یہ لوگ تمہیں بھی پریشان کریں گے۔ آؤ چلیں۔"

میں اس کے ساتھ کلب سے باہر آگیا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی ایک ٹیکسی کی طرف بڑھ گئی۔

پچھلی سیٹ پر وہ میرے اوپر جھکی ہوئی بیٹھی تھی اور مجھے اپنے جسم میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ ٹیکسی راما نائن روڈ سے ہوتی ہوئی رائل سٹی ایونیو کی طرف مڑ گئی اور تقریباً پانچ منٹ تک مختلف سڑکوں پر گھومنے کے بعد ایک کشادہ گلی میں ایک کانیج کے سامنے رک گئی۔ اس گلی میں دونوں طرف خوب صورت کانیج بنے ہوئے تھے۔ میں نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور شائی وان کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ کانیج کا دروازہ شائی وان نے اپنی چابی سے کھولا تھا۔

تین کمروں کا ایک مختصر سا کانیج تھا۔ ایک دروازہ عقبی گلی میں بھی کھلتا تھا۔ وہ مجھے نشست گاہ میں لے آئی۔ فرنیچر اوسط درجے کا تھا۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی میرے ساتھ اس طرح بیٹھ گئی کہ اس کا بوجھ میرے اوپر تھا۔ میں اس سے بچنے کی کوشش کررہا تھا اور وہ میرے اوپر جھکی جارہی تھی۔ میرے جسم کے مسام پسینہ اگلنے لگے۔

"تم ٹائیگر اور ان دو چینیوں کے بارے میں کچھ بتا رہی تھیں۔" میں نے صوفے سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ان حرامیوں کی بات چھوڑو۔ اس وقت اپنی بات کرو۔" وہ بھی صوفے سے اٹھ گئی۔ اسے کرسی کی طرف آتے دیکھ کر میں دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم تو مجھ سے اس طرح ڈر رہے ہو جیسے میں تمہیں کھا جاؤں گی۔" وہ میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"وہ..... دراصل بات یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ اس لیے آیا ہوں کہ تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"صرف باتیں کرنے کے لیے۔" اس نے مجھے گھورا "کیا صرف باتیں کرنے کے لیے رقم خرچ کررہے ہو۔ باتیں تو وہاں بھی ہوسکتی تھیں۔"

"رقم کی فکر مت کرو۔ تمہیں پورا معاوضہ ملے گا لیکن جو باتیں میں کرنا چاہتا ہوں وہاں نہیں ہوسکتی تھیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری باتیں دوسرے بھی سن لیتے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ کیا باتیں کرنا چاہتے ہو؟" اس نے مجھے

گھورا۔

"ٹائیگر کے ساتھ دو چینی کون ہیں؟" میں نے کہا اور پھر ان دونوں کا حلیہ بھی بتا دیا "کیا ان میں سے ایک کا نام چی فانگ اور دوسرے کا کم ہے؟"

"ہاں شاید یہی نام ہیں مگر تم انہیں کیسے جانتے ہو؟" شائی وان نے کہا۔

"وہ دونوں سنگاپور سے بھاگے ہوئے ہیں۔" میں نے جواب دیا "وہاں ان دونوں کے ہاتھوں کئی بے گناہ ہلاک ہو چکے ہیں۔ پولیس ان کی تلاش میں تھی۔ وہ دونوں بھاگ کر یہاں آ گئے۔"

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ وہ دو آدمیوں کے تعاقب میں یہاں آئے تھے۔ ان میں ایک مارا گیا اور دوسرا لاپتا ہے۔ ان چینیوں نے اس سلسلے میں ٹائیگر سے رابطہ کیا تھا کیونکہ انہیں پتا چل گیا تھا کہ جس نوجوان کی انہیں تلاش ہے' وہ مہاراج کی پناہ میں ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس نوجوان کی وجہ سے مہاراج کا خاص آدمی ماسٹر پھو بھی مارا گیا تھا اور پھر وہ نوجوان ٹائیگر کے دو آدمیوں کو مار کر غائب ہو گیا۔ ٹائیگر غصے میں پاگل ہو رہا ہے۔ اسے اس نوجوان کی تلاش ہے مگر... تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"تھائی لینڈ ان تین ممالک میں سے ہے جو گولڈن ٹرائی اینگل بناتے ہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم جانتی ہو۔ دنیا میں سب سے زیادہ ہیروئن اس خطے میں پیدا ہوتی ہے اور اسی حوالے سے تھائی لینڈ ہیروئن اور دیگر منشیات کے اسمگلروں کی جنت ہے۔ سنا ہے یہاں بہت سے انٹرنیشنل سینڈیکیٹس کام کر رہے ہیں اور ہم بھی اسی بستی گنگا میں ہاتھ دھونے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ تم مجھے میرے سینڈیکیٹ کا نمائندہ کہہ سکتی ہو۔ میں یہاں صرف یہ جائزہ لینے آیا ہوں کہ ہمیں یہاں قدم جمانے کا موقع مل سکتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ میں آج ہی یہاں آیا ہوں اور سب سے پہلے مجھے ٹائیگر ہی کے بارے میں معلوم ہوا ہے۔ سنا ہے انڈرورلڈ پر اس کا کنٹرول ہے اور میرے خیال میں تم اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔ میں نے تم پر بھروسا کر کے یہ ساری باتیں کی ہیں۔ اگر تم اس کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرو تو میں تمہیں معقول مالی فائدہ پہنچا سکتا ہوں۔" میں خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ منشیات کی اسمگلنگ اور گولڈن ٹرائی اینگل کے بارے میں مجھے کیمپ کے بھکشوؤں سے بہت سی باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ یہ بھکشو لوگ تھائی لینڈ' برما' لاؤس' ویت نام' چین اور ہندوستان میں آزادی سے گھومتے رہتے تھے۔ سرحدیں ان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھیں۔ یہ لوگ بہت کچھ دیکھتے تھے۔ بہت کچھ سنتے تھے لیکن اپنی زبانیں اور آنکھیں بند رکھتے تھے۔ ان معاملات سے قطعی لاتعلق تھے۔ یہ صرف بدھ کی تعلیمات کا پرچار کرتے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ ان علاقوں میں سفر کرتے ہوئے ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی تھی اور انہیں کوئی روک ٹوک پیش نہیں آتی تھی۔ میری بات سن کر شائی وان کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی تھی۔

"یہاں بہت ساری سینڈیکیٹ کام کر رہی ہیں۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "لیکن انہیں دوسرے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ صرف ٹائیگر ایک ایسا آدمی ہے جس نے چاروں طرف ٹانگیں پھیلا رکھی ہیں۔ یہ ہیروئن اسمگل نہیں کرتا۔ اس نے ہیروئن اور دیگر منشیات کی سپلائی کے لیے شہر میں کئی اڈے قائم کر رکھے ہیں۔ منشیات کے علاوہ وہ دوسرے بھی بہت سے ناجائز دھندے کرتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو شہر بھر کے غنڈے اس کے کنٹرول میں تھے لیکن جب سے مہاراج سے ان بن شروع ہوئی ہے' کچھ لوگ اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ وہ مہاراج سے ڈرتے ہیں۔ اس کا ساتھ چھوڑنے والے اگرچہ مہاراج کے ساتھ بھی نہیں ملے۔ وہ لڑائی جھگڑوں میں دونوں سے الگ رہنا چاہتے ہیں۔ مہاراج سے ان بن کی وجہ سے ٹائیگر کے کاروبار پر بھی برا اثر پڑا ہے لیکن وہ ضدی آدمی ہے۔ مہاراج کے سامنے جھکے گا نہیں۔"

"ان دو چینیوں کے ساتھ ایک تیسرا آدمی بھی آیا تھا۔" میں نے اسے دارا کا حلیہ بتایا "کیا وہ بھی ٹائیگر کے ساتھ ہے؟"

"وہ سنگاپور چلا گیا ہے لیکن سنا ہے ٹائیگر کے ساتھ مل کر ایک الگ ریکٹ بنانا چاہتا ہے۔ وہ اسی سلسلے میں سنگاپور واپس چلا گیا ہے۔ چند روز میں آ جائے گا۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اس نے ٹائیگر کو اس نوجوان کی تلاش کے لیے ایک بڑی رقم دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جب تک وہ نوجوان زندہ ہے یا اس کی گرفت میں نہیں آ جاتا اس وقت تک وہ سکون سے کام نہیں کر سکتا۔"

"کم اور چی فانگ۔ میرا مطلب ہے وہ دونوں چینی کہاں ہوتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کم کا تو پتا نہیں لیکن چی فانگ کو اکثر ٹائیگر کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ پہلے اس نے روز کلب کو اپنا اڈا بنا رکھا تھا لیکن آج کل اس کا زیادہ وقت نائٹ ہیون کلب میں گزرتا ہے۔" شائی وان نے جواب دیا۔

"سنا ہے مہاراج کی ایک بہت قریبی شاگرد بھی ٹائیگر سے مل گئی تھی۔" میں نے پوچھا۔

"اوہ۔ تم شاید کوشلیا کی بات کر رہے ہو۔" شائی وان نے کہا "وہ ہندوستانی لڑکی آج کل اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ مہاراج سے غداری کر کے اس نے اپنے آپ کو موت کا شکار کر لیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ٹائیگر اسے بہت بڑا انعام دے گا لیکن اب وہ اسے منہ نہیں لگاتا۔ البتہ ٹائیگر نے اسے اپنے ایک کلب میں کک باکسنگ کے مقابلوں کی اجازت دے دی ہے۔ اس

اس نے کوشلیا سے ہمدردی نہیں اپنے فائدے کو مدنظر رکھا تھا۔ کوشلیا ایک اچھی کلب باکسر ہے۔ جوان اور حسین ہے۔ لوگ اسے دیکھنے کے لیے نائٹ کلب جاتے ہیں۔"

میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ دوسرے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی۔ وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور میں اس کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ اس نے ٹائیگر اور دارا وغیرہ کے بارے میں کچھ ایسی باتیں بتائی تھیں جو رنگ کے باہر کا آدمی نہیں جان سکتا۔ ایک لمحے کو مجھے یہ بھی شبہ ہوا کہ میرے ساتھ دھوکا تو نہیں ہو رہا۔ شائی وان نے ایسی باتیں کس قدر آسانی سے مجھے بتا دی تھیں لیکن پھر میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ ایسی شکاری عورتوں کو صرف پیسے کا لالچ ہوتا ہے۔ وہ مجھے موٹی اسامی سمجھ کر میرے قریب آئی تھی۔ اس کا مقصد میری جیب سے زیادہ سے زیادہ رقم نکلوانا تھا اور میری باتوں سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ مجھ سے اچھی خاصی رقم بٹور لے گی اور اس لیے وہ میری ساری باتوں کا جواب دیتی چلی گئی تھی۔

دوسرے کمرے کا دروازہ ذرا سائڈ پر تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ شائی وان مجھے نظر نہیں آئی البتہ اس کی بہت مدھم سی آواز سنائی دے رہی تھی لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد میں اپنے کندھوں پر ہاتھوں کا دباؤ محسوس کر کے چونک گیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ شائی وان تھی جو صوفے کے پیچھے سے میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر اب لباس نام کے دو نہایت مختصر سے چیتھڑے تھے۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنا چاہی لیکن وہ کچھ اور جھک گئی اور اس کے دونوں ہاتھ میرے سینے پر آ گئے۔ میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر ہٹانے کے لیے جھٹکا دیا تو وہ صوفے کے اوپر سے ہوتی ہوئی میرے اوپر آن گری۔

شائی وان کی اس حرکت سے میں بری طرح بدحواس ہو گیا تھا اور اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ مجھے لائی ہی اسی مقصد کے لیے تھی۔ اس کا اسے معاوضہ لینا تھا لیکن اس کے ساتھ آنے کا میرا مقصد یہ نہیں تھا۔ مجھے اس سے بہت سی باتیں معلوم ہو گئی تھیں اور میرا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

میرا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ میں اس سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ قہقہے لگاتی ہوئی مجھ سے لپٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اچھا۔ میں چلتا ہوں۔" میں نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیے۔ "پھر ملوں گا تم سے۔"

"ابھی تم کیسے جا سکتے ہو۔" شائی وان مجھ سے لپٹ گئی "میں جس کام کا معاوضہ لیتی ہوں وہ پورا کرتی ہوں۔ میں ان عورتوں میں سے نہیں ہوں جو گاہک کی جیب سے رقم نکلوا لیتی ہیں لیکن اسے اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتیں۔ میں... میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی... آؤ نا۔"

"نہیں۔" میں نے اس کے دونوں بازو جھٹک کر اپنے سے الگ کر دیا۔ "اب مجھے چلنا چاہیے پھر ملاقات ہو گی تم سے۔"

دھب کی آواز سن کر میرا جملہ ادھورا رہ گیا۔ یہ آواز میرے عقب سے آئی تھی اور صاف لگا تھا کہ کوئی دیوار سے کودا تھا۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ برآمدے والا دروازہ کھلا تھا۔ کسی نے دروازے میں معمولی سی جھری پیدا کر کے باہر جھانکا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

دو آدمی باہر کی دیوار کود کر اندر آئے تھے اور ان میں سے ایک فانگ تھا۔ میں نے دروازہ بند کر کے بولٹ چڑھا دیا اور شائی وان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

اب مجھے صورتِ حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ مجھے بڑی خوب صورتی سے بے وقوف بنایا گیا تھا۔ باتوں میں داخل ہونے کے بعد غالباً مجھ پر کسی قسم کا کاشہ ہو گیا تھا اور شائی وان ایک پلانک کے تحت میری میز پر آئی تھی اور جب وہ اسے ہلا کر لے گیا تھا تو شاید اسے کچھ ہدایات دی گئی تھیں۔ آکر شائی وان ٹائیگر کو گالیاں بکنے لگی تھی اور میں واقعی اس جو اس کے سامنے کھلتا چلا گیا اور پھر طے شدہ منصوبے کے وہ مجھے یہاں لے آئی تھی اور میں اس سے باتوں میں سب چلا گیا۔ میں نے اگرچہ صاف طور پر اپنے بارے میں نہیں لیکن میں جس طرح ٹائیگر، کم، چی فانگ اور کوشلیا وغیرہ میں کرید کرید کر پوچھ رہا تھا۔ اس سے شائی وان کو یقین ہو میں وہی ہوں جس کی ان لوگوں کو تلاش ہے اور جب فون بجی تھی تو وہ فون سننے کے لیے اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ فانگ نے میرے بارے میں پوچھا ہو گا اور اس نے قدرتی تھی کہ میں وہی ہوں اور اب چی فانگ اپنے ایک اور ساتھ یہاں پہنچ چکا تھا۔

میں جانتا تھا چی فانگ ایک بہت زبردست مارشل آ ہے۔ وہ بہت سفاک آدمی تھا۔ میں نے اس کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا تھا اور پھر اس نے جس طرح ماسٹر پھو گھاٹ اتارا تھا، وہ بھیانک منظر بھی مجھے یاد تھا۔

میں نے شائی وان کی طرف دیکھا۔ وہ مجھ سے چند فاصلے پر بڑے مطمئن انداز میں کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں خیز مسکراہٹ تھی۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر پینٹ کے پائنچے کے اندر پنڈلی پر چمڑے کے فیتے خنجر نکال لیا۔ میرے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر اس کی وحشت سی ابھر آئی اور وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگی۔

"مجھے ایسے لوگوں سے سخت نفرت ہے جو جھوٹ اور دوسروں کو فریب دیتے ہیں۔" میں نے آگے بڑھ

کر کہا۔ "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔ تم نے مجھے بے وقوف بنان

اب کاٹیج میں نہ صرف دھواں پوری طرح بھر گیا تھا بلکہ شعلے بھی بڑی تیزی سے پھیل رہے تھے۔ جلتی ہوئی لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز دلوں پر مزید دہشت طاری کررہی تھی۔ باہر سے شور کی آوازیں بھی مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔

شائی وان خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ میرے قریب رہنے کی کوشش کررہی تھی۔ آگ کی تپش اس کے جسم کو جھلسانے لگی تھی۔ خوف زدہ میں بھی تھا کہ اگر باہر نکلنے کا راستہ نہ مل سکا تو میں بھی جل کر راکھ ہوجاؤں گا۔

نشست گاہ کے دائیں طرف ایک تنگ سی راہداری تھی۔ میں بڑی تیزی سے راہ داری میں داخل ہوگیا۔ اس کے اختتام پر چھوٹا سا کچن تھا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ کچن ہی میں عقبی گلی کا دروازہ بھی تھا۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر بولٹ گرا دیا۔ دروازہ کھولنے کے لیے اسے باہر کی طرف دھکا دیا لیکن دروازہ آدھے انچ سے زیادہ نہیں کھلا۔ میرے لیے یہ انکشاف بڑا سنسنی خیز تھا کہ دروازے کے باہر کی طرف ایک آٹھ انچ چوڑا اور تقریباً ایک انچ موٹا تختہ لگا کر کیلیں ٹھونک دی گئی تھیں اور یہ کارروائی غالباً اس وقت کی گئی تھی جب کلب میں شائی وان نے مجھے باتوں میں لگا رکھا تھا۔

کچن کی ایک چھوٹی کھڑکی صحن کی طرف بھی کھلتی تھی اور اس کھڑکی میں بھی شعلے لپک رہے تھے۔ کچن میں دھواں بھرا ہوا تھا۔ شائی وان گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی۔ کھانستے کھانستے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ دھواں میرے پھیپھڑوں میں بھی داخل ہورہا تھا۔ آنکھوں اور ناک سے پانی بہنے کے علاوہ دھوئیں سے میرا سانس بھی گھٹنے لگا تھا۔

میں نے سوچنے میں وقت ضائع نہیں کیا اور کندھے سے دروازے پر ٹکریں مارنے لگا۔ چھ سات ٹکریں مارنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ تختے کے ایک طرف کی کیلیں اپنی جگہ چھوڑ رہی ہیں۔

راہداری میں بچھے ہوئے قالین نے بھی آگ پکڑلی تھی اور اس طرف سے بھی شعلے کچن میں پہنچ رہے تھے۔ شائی وان ایک دیوار کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ آگ کی تپش اور کھانسی سے وہ بد حال ہورہی تھی۔ میں نے دروازے پر ٹکریں مارنے کا عمل جاری رکھا اور بالآخر ایک طرف سے تختے نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ دروازہ کھل گیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ شائی وان اپنی جگہ پر پڑے پڑے زمین پر اوندھ گئی تھی۔ اب وہ کھانس بھی نہیں رہی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ بے ہوش ہوچکی ہے۔ اس نے مجھے موت کے جال میں پھنسایا تھا۔ پہلے میں نے سوچا کہ اسے یہیں پڑا رہنے دوں۔ اس کی سزا یہی ہونی چاہیے کہ اسے جل کر راکھ ہونے دیا جائے لیکن میرے ضمیر نے گوارا نہیں کیا۔ میں نے جھک کر پہلے اسے ہلا جلا کر دیکھا اور پھر کندھے پر اٹھالیا۔ پیر کی ٹھوکر سے میں نے دروازہ پوری طرح کھول دیا اور پھر باہر نکل گیا۔

لوگوں کا ہجوم مکان کے سامنے والے رخ پر تھا۔ شور کی آوازیں اسی طرف سے آرہی تھیں۔ عقبی گلی میں بھی لوگ جمع ہونے لگے تھے۔ میں دروازے سے باہر نکل کر دو تین قدم چلا تھا کہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی اور اس کے ساتھ ہی میرے کندھے پر لدی ہوئی شائی وان کے جسم میں ہلکا سا جھٹکا لگا تھا۔ اسے جسم کے کسی حصے میں گولی لگی تھی۔ میں رکے بغیر چلتا رہا اور پھر یکے بعد دیگرے دو فائر اور ہوئے لیکن یہ فائر سمت سے ہوئے تھے اور ان کا نشانہ میں نہیں تھا۔ یہ فائر شخص پر چلائی گئی تھیں جس نے مجھ پر فائر کیا تھا۔ فائرنگ سے گلی میں موجود لوگ اِدھر اُدھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں تیزی سے دوڑتا ہوا میرے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"اس طرف' اس گلی میں بھاگو۔" وہ ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخا۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ میرا ہمدرد ہے۔ میں تیز دوڑتا ہوا اس تنگ سی گلی میں گھوم گیا۔ میں نے ایک ہاتھ سے شائی وان کو سنبھال رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں خنجر تھا۔

پچھلی گلی سے ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی ایک خوف ناک چیخ بھی گونجی تھی اور اس کے چند سیکنڈ بعد میرا وہ ہمدرد دوڑتا ہوا اس گلی میں آگیا۔ گلی کے کنارے پر ایک ٹک ٹک کھڑا تھا۔

"جلدی بیٹھو۔" میرا ہمدرد چیختا ہوا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

میں نے پہلے بے ہوش شائی وان کی ٹک ٹک میں ڈالا اور پھر خود بھی سوار ہوگیا۔ اس دوران میں ٹک ٹک اسٹارٹ ہوکر میرے میں آچکا تھا۔

ابھی بارہ بھی نہیں بجے تھے۔ سڑکوں پر ٹریفک تھا۔ ہمدرد بڑی مہارت اور تیز رفتاری سے ٹک ٹک چلا رہا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ہم کرسٹل ہوٹل کے قریب سے ہوتے ہوئے سانگ کھرو روڈ پر پہنچ گئے۔ ٹک ٹک ایک بہت بڑے پھاٹک کے سامنے رکا۔ چند سیکنڈ بعد گیٹ کھلا اور ٹک ٹک اندر داخل ہوئی۔ میرا وہ ہمدرد بڑی پھرتی سے نیچے اترا اور کچھ چیختا ہوا ایک طرف بھاگ گیا۔

میں نے نیچے اتر کر شائی وان کو اٹھانا چاہا تو ایک شخص آگیا اور اس نے شائی وان کو کندھے پر اٹھالیا۔ وہ ہوا وہاں آگیا اور اس نے شائی وان کو کندھے کے قریب سے ریوالور سے چلائی ہوئی گولی اس کے کندھے کے قریب سے ہوتے ہوئے تھی۔ اگر اس کا بازو زد میں نہ آتا تو وہ گولی میری گردن سے ٹکراتی۔ جو شخص مجھے وہاں سے نکال کر لایا تھا' وہ گائیڈ تھا۔

ماسٹر ہوچن نے میری نگرانی پر لگا رکھا تھا۔ اس نے ڈاٹ سے نکلتے ہی فوراً تعاقب شروع کردیا تھا۔ اس نے ٹک ٹک کا انتظام پہلے ہی سے کر رکھا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ کہیں آنے جانے کے لیے میں کسی ٹک ٹک یا ٹیکسی پر ہی سفر کروں گا اور پھر روز کلب سے جب کسی ٹیکسی پر شائی وان کے ساتھ روانہ ہوا تو اسے شبہ ہوگیا تھا۔ اس نے ٹک ٹک پر ہمارا تعاقب شروع کردیا اور جب ہم گلی میں اس کاٹیج کے سامنے ٹیکسی سے اتر گئے تو اس نے اپنا ٹک ٹک گلی کے دوسری طرف روک لیا تھا۔ اس نے چی فانگ اور دوسرے نوجی کو اس مکان میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

پھر کاٹیج کو آگ لگتے دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ چی فانگ مجھے زندہ جلا دینا چاہتا ہے۔ وہ کاٹیج کے سامنے والے رخ سے میری کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اس طرف چی فانگ اور اس کا ساتھی موجود تھے۔ وہ اپنا ٹک ٹک لے کر پچھلی گلی میں آگیا۔ اس طرف بھی چی فانگ کے دو آدمی موجود تھے جن میں سے ایک کو تو وہ گھسیٹتا ہوا ایک تاریک گلی میں لے گیا تھا اور اس کا گلا گھونٹ کر لاش گلی میں پھینک دی تھی اور جب دوبارہ اس گلی میں پہنچا تو اس وقت میں بے ہوش شائی وان کو کندھے پر لادے عقبی دروازے سے نکل رہا تھا۔ چی فانگ کے دوسرے آدمی نے مجھ پر گولی چلا دی تھی۔ اس موقع پر گائنگ نے جوابی فائرنگ کرکے مجھے تحفظ فراہم کیا اور مجھے دوسری گلی میں بھیج کر فائرنگ کرتا ہوا چی فانگ کے آدمی کے پیچھے دوڑا تھا۔ چی فانگ کے آدمی کو گولی لگی تھی۔ گائنگ کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ زندہ بچ گیا تھا یا مرگیا تھا۔ وہ بہرحال مجھے وہاں سے نکال لایا تھا۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ بنگلا کس کا تھا۔ شائی وان کو ایک میز پر لٹا دیا گیا تھا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔ اس کے بازو کے زخم سے خون بہہ رہا تھا اور ایک آدمی اسے ہوش میں لانے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ جس طرح شائی وان کو طبی امداد دے رہا تھا اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کوئی ڈاکٹر تھا۔

گائنگ دوسرے کمرے میں فون پر کسی سے بات کررہا تھا پھر اس نے فون بند کردیا اور مجھے لے کر باہر آگیا۔ پورچ میں ایک کار کھڑی تھی۔ اس نے مجھے کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ چند سیکنڈ بعد ہی کار بنگلے سے نکل کر تیز رفتاری سے مختلف سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ ہمارے اس سفر کا اختتام اسی ڈاٹ پر ہوا تھا جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ مجھے ڈاٹ کے سامنے کار سے اتار کر کچھ کہے بغیر چلا گیا۔

ڈاٹ کے رہائشی حصے میں سناٹا تھا۔ بعض کمروں میں روشنی ہورہی تھی مگر دروازے بند تھے۔ کچھ بھکشو رات کو دیر تک اپنی مخطوطہ کتب کے مطالعے میں مصروف رہتے تھے۔ میرا کمرا اوپر والی منزل پر تھا۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر دبے قدموں گیلری میں چلتا ہوا اپنے کمرے کے سامنے پہنچا تو دروازہ بند تھا مگر اندر روشنی ہورہی تھی۔ میں نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔

تھائی وانگ میرے بستر پر سو رہی تھی۔ اس وقت رات کا ڈیڑھ بجا تھا۔ میں نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا اور کرسی پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا اور پھر ہلکی سی آہٹ سن کر تھائی وانگ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ کہنیاں ٹیکتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے بہت تھکی ہوئی ہو۔ چہرہ ستا ہوا تھا' میں نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ شاید نیند کی وجہ سے وہ سست ہورہی تھی۔

"یہ..... یہ تمہارا حلیہ کیا ہورہا ہے۔" وہ جیسے چونک گئی "کوئی گڑبڑ.....؟"

میں جواب دینے کے بجائے اٹھ کر آئینے میں دیکھنے لگا۔ میری فرنچ کٹ داڑھی غائب تھی اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ لباس اور چہرے پر دھوئیں کے کچھ اثرات بھی نظر آرہے تھے۔ چہرے پر ایک دو جگہ سیاہ دھبے سے نظر آرہے تھے۔ دونوں ہاتھوں پر بھی دھبے تھے۔

"اوہ۔" میں نے کہا "ہاں گڑبڑ ہوگئی تھی۔ چی فانگ نے ایک کاٹیج میں مجھے زندہ جلانے کی کوشش کی تھی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔

"وہ لڑکی کہاں ہے؟" تھائی وانگ نے میرے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"اس بنگلے میں جہاں گائنگ مجھے لے کر گیا تھا۔" میں نے جواب دیا "مجھے پتا نہیں وہ زندہ ہے یا مرچکی ہے لیکن میرے خیال میں اگر وہ زندہ ہے تو اس سے چی فانگ اور ٹائیگر وغیرہ کے بارے میں کچھ معلوم کیا جاسکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے اس لڑکی کے بارے میں مہاراج کو اطلاع دی دی گئی ہوگی۔" تھائی وانگ نے کہا "اگر وہ زندہ بچ گئی تو مہاراج کے لیے کارآمد ثابت ہوگی۔"

ہم ابھی باتیں کررہی رہے تھے کہ باہر مختلف آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے کمرے سے نکل کر دیکھا تو تین چار آدمی سیڑھیوں پر آرہے تھے۔ ان میں سب سے آگے ماسٹر ہوچن تھا۔ جسے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس وقت اس کی آمد بلا مقصد نہیں ہوسکتی تھی۔

ماسٹر ہوچن جیسے ہی قریب پہنچا' میں نے اسے بولکیا اور کمرے میں داخل ہونے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ ماسٹر ہوچن کمرے میں آگیا جبکہ باقی آدمی باہر ہی رک گئے تھے۔ ماسٹر ہوچن میرے سامنے کھڑا مجھے گھور رہا تھا پھر وہ میرے دونوں بازو پکڑ کر مسلسٹو ٹولنے لگا۔

"بہت خوب!" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ میں نے اس کی آواز میں ہلکا سا طنز محسوس کرلیا تھا "مجھے خوشی ہے کہ تم میں اتنی ہمت اور اتنا حوصلہ تو پیدا ہوا کہ کسی کو للکار سکو۔ تم نے کچھ داؤ پیچ بھی سیکھ لیے ہیں اور تمہارے بازوؤں میں اتنی طاقت بھی ہے کہ بیک وقت دو تین حریفوں کا مقابلہ کرسکو لیکن تمہارا یہ اپر چیمبر بالکل خالی

ہے۔" اس کا اشارہ میرے سر کی طرف تھا "طاقت کے ساتھ کھوپڑی بھی استعمال کرنی پڑتی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عقل سے بالکل عاری ہو گئے ہو۔ شہر میں گھومنے پھرنے کی حد تک تو معاملہ ٹھیک تھا لیکن شیروں کی کچھار میں گھس کر تم نے بہت بڑی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ میں نے شیروں کی کچھار کے الفاظ اس لیے استعمال کیے ہیں کہ اپنے گھر میں بلی بھی شیر بن جاتی ہے۔ روز کلب ٹائیگر کا سب سے مضبوط گڑھ ہے اور تم اکیلے وہاں گھس گئے تھے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا "میں تمہارے جذبات سے بہت اچھی طرح واقف ہوں دوست لیکن اس طرح کی حماقتیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ اپنے دشمن کو کبھی بھی کمزور یا بے وقوف مت سمجھو۔ ٹائیگر اور چی فانگ جیسے دشمن پر وار کرنے سے پہلے پلاننگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا ہم نے تم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تمہارا انتقام ضرور لیں گے۔ کیا مہاراج نے تم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ تمہیں اس قابل بنا دیں گے کہ تم خود اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکو۔ اس میں شبہ نہیں کہ تمہیں اس قابل بنا دیا گیا ہے کہ تم کسی حریف کا مقابلہ کر سکو لیکن اس میں تجربے کی ضرورت ہے جو ابھی تمہارے پاس نہیں ہے۔ اس طرح ان کا سامنا کر کے تم اپنی جان خطرے میں ڈال رہے ہو۔ تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ مہاراج تمہارے بارے میں کس قدر فکر مند رہتے ہیں۔ اگر ہم سے ایسی غلطی ہوئی ہوتی تو مہاراج ہماری کھال کھنچوا دیتے لیکن تمہارا معاملہ مختلف ہے۔ مہاراج تمہیں بہت چاہتے ہیں۔ وہ تمہیں کچھ بنانا چاہتے ہیں اس لیے تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو سمیٹ کر رکھو۔ جب مناسب وقت آئے گا تو ہم خود تمہیں آگے کریں گے۔ یہ مہاراج کا حکم ہے کہ اب تم اجازت کے بغیر اس واٹ سے باہر نہیں نکلو گے۔"

میں خاموش کھڑا ماسٹر ہوچن کی باتیں سنتا رہا۔ اس نے کچھ بھی غلط نہیں کہا تھا۔ اگر میں نے اس موقع پر اپنی من مانی شروع کر دی تو نقصان میرا ہی ہوگا۔ ان کا کچھ نہیں بگڑے گا اور پھر یہ بھی عین ممکن ہے کہ میری ان حرکتوں کی وجہ سے مہاراج اپنا ہاتھ کھینچ لے اور میں اکیلا رہ جاؤں۔ میں نے ماسٹر ہوچن سے وعدہ کر لیا کہ آئندہ اجازت کے بغیر اس واٹ سے باہر نہیں نکلوں گا۔

ماسٹر ہوچن نے دروازے کی طرف رخ کر کے کسی کو آواز دی۔ ایک آدمی فوراً ہی اندر آگیا۔ ماسٹر نے تیز لہجے میں کچھ کہا۔ وہ آدمی مجھے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر لے گیا اور گیلری میں فرش پر بٹھا کر قینچی سے میرے بال کاٹنے لگا۔ میں گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ میرے سر پر اس طرح قینچی چلاتا رہا جیسے گدڑیے کے بال اتارے جاتے ہیں۔

ماسٹر ہوچن مجھے مزید ہدایات دینے کے بعد چلا گیا۔ میں جب کمرے میں داخل ہوا تو تھائی وانگ مجھے دیکھ کر بے اختیار قہقہے لگانے لگی اور میں نے جب آئینہ دیکھا تو میرا دل چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دوں۔ میرا سر ایسا تھا جیسے بنجر زمین پر ہل چلا دیا گیا ہو۔

اس دن کے بعد میں کئی روز تک واٹ سے باہر نہیں نکلا۔ معمول کے مطابق دن گزرتے رہے لیکن اس دوران میں میں نے ایک بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ تھائی وانگ روز بروز کاہل اور سست ہوتی جا رہی تھی۔ کبھی تو وہ بے جان سی پڑی رہتی اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بھی نظر آنے لگے تھے۔ جب میں کیمپ سے روانہ ہوئے تھے تو ماسٹر ہانگ سونے تھائی وانگ کو ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی ایکسرسائز جاری رکھے۔ یہاں آکر وہ چند روز تک تو یہ ایکسرسائز کرتی رہی تھی پھر اس میں ناغے ہوتے چلے گئے اور اب تو کئی روز سے اس نے ایکسرسائز نہیں کی تھی اور میرا خیال تھا کہ یہ سستی اور کاہلی ایکسرسائز نہ کرنے کا نتیجہ تھا۔ جب تک ایکسرسائز کرتی رہی تھی' اس نے ایک بار بھی اذیت پہنچانے کی بات نہیں کی تھی لیکن اب میں سوچ رہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت مجھ سے ایسی فرمائش کر سکتی تھی۔

میں نے ایک بات خاص طور سے یہ بھی نوٹ کی تھی کہ وہ روزانہ شام کے وقت خانقاہ کے اس حصے میں چلی جاتی تھی جہاں زائرین آیا کرتے تھے۔ میں اس وقت بھکشوؤں کو ٹریننگ دینے میں مصروف رہتا تھا اس لیے کبھی یہ نہیں جان سکا تھا کہ وہ اس طرف کیوں جاتی ہے۔ کبھی تو واپس آنے کے بعد وہ پہلے کی طرح چاق و چوبند نظر آنے لگتی اور کبھی اس کے چہرے پر بے پناہ مایوسی دکھائی دیتی۔

اور پھر ایک روز وہ آدھی رات کو مجھے اپنے کمرے میں لے گئی۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور بستر کے نیچے چھپائی ہوئی ایک پلاسٹک کی چھڑی میری طرف پھینک دی اور قمیص اتار کر بنیان اور نیکر میں لیٹ گئی۔ میرے پاس اس کی پٹائی کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ پٹتی رہی اور سسکاریاں بھرتی رہی اور پھر میں اسے چھوڑ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

چند روز اور گزر گئے۔ عام طور پر پٹنے کے بعد تھائی وانگ چند روز تک ہشاش بشاش اور چاق و چوبند رہتی تھی لیکن اس مرتبہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ زیادہ تر افسردہ اور مضمحل سی رہنے لگی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے مزید گہرے ہو گئے تھے اور گال پچک سے محسوس ہونے لگے۔ میں اس کے لیے فکر مند ہونے لگا تھا۔ بڑی حسین عورت تھی لیکن اس کا حسن غارت ہونے لگا تھا۔ میں یہی سمجھ رہا تھا کہ اسے اپنا گزرا ہوا وقت یاد آرہا ہے۔ وہ شاہی ٹھاٹ باٹ کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی لیکن میری وجہ سے دوسروں کی محتاج تھی۔ اس کی آزادی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ کسے کے گرگے موت کے فرشتوں کی طرح اس کی تاک میں تھے۔

پتہ چلے سے باہر نکلتے ہی ماری جائے گی اور شاید یہی غم اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ ایک روز میں نے کچھ پوچھنے کی کوشش کی تو وہ ٹال گئی۔ اس سے اگلے روز میں نے اسے عجیب سی کیفیت میں مبتلا پایا۔ وہ باتیں کرتے کرتے ہوئے وہ بار بار اپنی انگلیاں منہ میں ڈال رہی تھی۔ مجھے یہ باتیں

ہیں۔ تھائی وانگ نے اسی سے کوئی چیز لی تھی جسے وہ اپنے لباس میں چھپا کر واپس آگئی۔"

میں اچھل پڑا۔ تھنگ چو وہی بھکشو تھا جسے میں نے جنگل والے کیمپ کے مقابلے میں ناک آؤٹ کردیا تھا۔ میں تو اسی رات مہاراج کے ساتھ کیمپ سے واپس آگیا تھا اور بعد میں پتا چلا تھا کہ دوسرے روز تھنگ چو نے بھی طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کرکے کیمپ چھوڑ دیا تھا۔ اس کے دو تین روز بعد میں نے اسے ایک مرتبہ اس خانقاہ میں بھی دیکھا تھا۔

"وہ بڑا کینہ پرور اور کمینہ آدمی ہے۔" بوڑھا بھکشو کہہ رہا تھا "مجھے یاد ہے۔ اسے کم از کم دو مرتبہ مہاراج سے سزا بھی مل چکی ہے۔ سنا ہے تم نے کیمپ میں اسے بڑی عبرت ناک شکست دی تھی۔ تھائی وانگ بھی تو وہاں تھی۔ ہوسکتا ہے یہ عادت اسے وہیں سے پڑی ہو۔"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سرہلایا "میں سمجھ گیا معاملہ کیا ہے۔ اب تم ایک اور کام کرو۔ تم ابھی اور اسی وقت ماسٹر ہوچن کے پاس چلے جاؤ اور اس سے کہو کہ میں فوری طور پر اس سے ملنا چاہتا ہوں اور ایک بات ذہن میں رکھنا۔ کسی کو اس بات کا پتا نہ چلے۔"

بھکشو چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔

میرا دماغ گھوم رہا تھا۔ تھنگ چو واقعی بہت کمینہ اور کینہ پرور ثابت ہوا تھا۔ وہ اپنی شکست کو نہیں بھولا تھا۔ میں تو اس مقابلے کو کھیل ہی سمجھا تھا لیکن اس نے مقابلے کے دوران میں بھی کچھ اس طرح سے مجھ پر حملے کیے تھے جیسے حقیقی لڑائی لڑ رہا ہو اور مجھے ہر قیمت پر شکست دینا چاہتا ہو اور جب میرے ہاتھوں ناک آؤٹ ہوا تو اسے اپنی توہین سمجھا۔ اس نے دوسرے ہی روز کیمپ چھوڑ دیا۔ وہ شاید مجھ سے بدلہ لینے کے لیے موقع کی تاک میں تھا۔ مجھ پر وار کرنے کا تو موقع نہیں مل سکا البتہ تھائی وانگ اس کے ہتھے چڑھ گئی۔ اس نے تھائی وانگ کو ہیروئن کا عادی بنا دیا۔ اس طرح وہ مجھ سے اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

میں ذہنی طور پر اس قدر اپ سیٹ ہوچکا تھا کہ میں نے کلاس ڈس مس کردی اور اپنے کمرے کی طرف آگیا۔ تھائی وانگ کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں رک گیا۔ دروازہ بند تھا اور اندر بتی جل رہی تھی۔ یہ ڈوپٹ کا دروازہ تھا۔ تختوں میں بہت معمولی سی جھری تھی۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو کانپ اٹھا۔ تھائی وانگ بیڈ پر مردوں کی طرح پڑی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں بازو اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔ سانس تیز ہونے کی وجہ سے اس کے سینے کا زیر و بم دور سے ہی نظر آرہا تھا۔ بیڈ کے قریب چھوٹی میز پر چاندی جیسے کاغذ کا ایک ٹکڑا پلاسٹک کی اسٹرا جیسی ایک نلکی، ماچس اور سفید پلاسٹک کی ایک پڑیا پڑی ہوئی تھی۔

میں نے دروازے کو دھکا دیا۔ اندر سے کنڈا لگا ہوا تھا۔ میں نے دستک دینے کے ساتھ ہی جھری سے آنکھ لگا دی۔ تھائی وانگ بمشکل بیڈ سے اٹھی۔ اس نے پلاسٹک والی پڑیا اٹھا کر تکیے کے نیچے چھپا دی۔ دوسری چیزیں بیڈ کے نیچے پھینک دیں اور دروازہ کھول کر دوبارہ بیڈ پر جا گری۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کیا ہوا تمہیں؟" میں نے پوچھا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے سونے دو۔ جاؤ۔ تم بھی سو جاؤ۔" تھائی نے جواب دیا۔ اس کی آواز گہرے کنویں میں سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"تھائی وانگ۔" میں کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گیا "اب مجھ سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے پتا چل گیا ہے کہ تمہاری یہ حالت کیوں اور کیسے ہوئی۔ تم جو زہر اپنے خون میں شامل کررہی ہو، وہ تمہیں آہستہ آہستہ موت کی طرف لے جا رہا ہے لیکن میں تمہیں اس طرح مرنے نہیں دوں گا۔"

"تت..... تم جھوٹ بولتے ہو..... مم..... میں..... میں نے کوئی زہر نہیں پیا۔" اس نے رک رک کر جواب دیا۔ ہیروئن کا اثر دکھا رہا تھا۔

"یہ..... یہ کیا ہے؟" میں نے تکیے کے نیچے سے پڑیا نکال لی "کیا تم نہیں جانتیں کہ یہ ایسا زہر ہے جو ایک دن تمہیں موت کی نیند سلا دے گا۔ جس روز تھنگ چو نے تمہیں پڑیا دی تھی، تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔ کیا تمہارے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے تمہیں ہیروئن کا عادی بنا کر موت کے منہ میں دھکیلنا چاہتا ہے۔ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔ بولو۔ جواب دو۔"

"تو..... تم..... کون ہوتے ہو..... مجھ سے..... پوچھنے والے۔ ہاں....."

میں نے اسے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھایا اور اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کردیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ وہاں بستر پر گر گئی۔ اسے تھپڑ مارنے کا افسوس بھی ہوا۔ وہ اپنے حواس میں نہیں تھی اور میں جانتا تھا کہ جب وہ ہوش میں آئے گی تو اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کرے گی۔

"مجھے..... سونے دو..... جاؤ..... تم جاؤ۔" وہ رک رک کر بولی۔

میں نے اس کا تکیہ اٹھا کر دیکھا۔ کھلی ہوئی پڑیا کے علاوہ ایک اور پیک شدہ پڑیا بھی تھی۔ میں نے دونوں پڑیاں جیب میں ڈال لیں۔ بیڈ کے نیچے سے ماچس، اسٹرا اور وہ کاغذ بھی نکال لیا۔ فوائل پیپر تھا جو درمیان میں دونوں طرف سے کالا ہوا تھا۔ چیزیں لے کر کمرے سے باہر آگیا اور دروازہ بھیڑ کر باہر کھڑا ہوگیا۔ یہ بلاک کچھ اس طرح بنا ہوا تھا کہ اوپر نیچے دونوں طرف زینے تھے اور کمروں کے سامنے تقریباً چار فٹ لمبی بالکنی تھی۔ اس طرح کسی کمرے تک پہنچنے کے لیے کسی بھی زینے سے آیا جاسکتا تھا۔

تقریباً چالیس منٹ بعد ماسٹر ہوچن آگیا۔ اس کے ساتھ وہ بوڑھا بھکشو بھی تھا جسے میں نے بھیجا تھا۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا اور ہیروئن کی پڑیاں اور اسٹراد غیرہ اس کے حوالے کردیے۔

اندر آکر ماسٹر ہوچن نے تھائی وانگ کو دیکھا۔ وہ اس وقت بالکل بے سدھ پڑی تھی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" ماسٹر ہوچن نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ ٹھیک ہوجائے گی لیکن ہمیں کل ہی تھنگ چو کا بندوبست کرنا ہوگا۔ میں تھائی وانگ کو لے جا رہا ہوں۔ کل دن میں کسی وقت تم سے ملوں گا۔" اس نے بوڑھے بھکشو کو اشارہ کیا۔

بھکشو آگے بڑھا تو میں نے اسے اشارے سے روک دیا اور خود آگے بڑھ کر تھائی وان کو کندھے پر اٹھالیا۔ چند روز پہلے تک وہ بڑی صحت مند عورت تھی لیکن ہیروئن کے استعمال نے اسے کھوکھلا کردیا تھا۔ اس کا وزن آدھا بھی نہیں رہ گیا تھا۔ میں اسے لے کر سیڑھیوں سے اترا تو کچھ اور بھکشو بھی اس طرف آگئے تھے اور حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

بوڑھے بھکشو نے عقبی دروازہ کھول دیا۔ باہر گلی میں ماسٹر ہوچن کی وین کھڑی تھی۔ میں نے تھائی وانگ کو وین میں ڈال دیا۔ ماسٹر کے اشارے پر وہ بوڑھا بھکشو بھی وین میں بیٹھ گیا۔ ماسٹر ہوچن نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

وین حرکت میں آکر دور ہوتی چلی گئی اور میں وہیں کھڑا اس کی عقبی سرخ بتیوں کو دیکھتا رہا۔ میری آنکھوں میں نمی آگئی تھی۔

وہ شام کا وقت تھا۔ واٹ میں اس وقت زائرین کا ہجوم تھا۔ اس وقت اس آہنی جنگلے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا جس میں مہاتما بدھ کا سونے کا مجسمہ نصب تھا۔ خالص سونے کا یہ ٹھوس استادہ مجسمہ تقریباً آٹھ فٹ بلند تھا اور اس کا محیط اتنا تھا کہ میں اسے اپنی بانہوں کی لپیٹ میں نہیں لے سکتا تھا۔ اس مجسمے کی تیاری میں کئی من سونا استعمال ہوا تھا۔

میں اور ماسٹر ہوچن گیٹ سے ذرا ہٹ کر ایک ایسی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے جہاں سے ہم تو گیٹ کے آس پاس تمام لوگوں کو دیکھ سکتے تھے لیکن ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ماسٹر ہوچن نے اپنے کچھ آدمی گیٹ کے اندر اور باہر پھیلا رکھے تھے۔ بتیاں جلے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹا ہوچکا تھا اور وہاں روشنی اتنی تھی کہ اگر سوئی بھی گرتی تو اسے آسانی سے تلاش کیا جاسکتا تھا۔

اور پھر وہ نظر آگیا، تھنگ چو۔ اس نے بھکشوؤں والا گیروے رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ گلے میں کپڑے کا ایک تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ وہ گیٹ سے کچھ فاصلے پر دیوار کے قریب کھڑا ہوگیا۔ اکا دکا لوگ اس کے قریب آکر رکتے۔ ہاتھ ملاتے اور پھر الگ ہوجاتے۔

ماسٹر ہوچن نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے ایک طرف چلا گیا اور پھر چند منٹ بعد ہی دو آدمی تھنگ چو کے قریب پہنچ گئے۔ تھنگ چو نے شاید ان میں سے کسی کو پہچان لیا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنے لباس میں چھپا ہوا پستول نکال کر ہوائی فائر کردیا اور ایک طرف بھاگنے کی کوشش کی مگر وہ دونوں آدمی اس سے لپٹ گئے اور چند سیکنڈ کے اندر ہی وہاں پانچ چھ آدمی اور پہنچ گئے۔ تھنگ چو کے ہاتھ سے پستول چھن چکا تھا۔ اسے گھیرنے والے اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کررہے تھے۔

فائر کی آواز سے وہاں بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ زائرین خوف زدہ ہو کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے لیکن جب پتا چلا کہ فائر کرنے والا پکڑا گیا ہے تو لوگ پُرسکون ہوگئے۔ اسی دوران میں ایک بند وین وہاں آکر رکی۔ تھنگ چو کو اٹھا کر وین میں ڈال دیا گیا اور وین تیزی سے وہاں سے روانہ ہوگئی۔ صورتِ حال معمول پر آگئی تھی ایسا لگتا تھا جیسے وہاں کچھ ہوا ہی نہیں۔

"میرے ساتھ آؤ۔" ماسٹر ہوچن نے کہتے ہوئے مجھے اشارہ کیا۔ ہم دونوں واٹ کے اندر آگئے اور مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک بوڑھا راہب آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ ہم اس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ بوڑھا اس قدر کمزور اور دُبلا پتلا تھا کہ اس کی ہڈیاں واضح طور پر گنی جاسکتی تھیں۔ ماسٹر ہوچن نے مؤدبانہ لہجے میں کچھ کہا۔ بوڑھے نے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا اور سیدھا ہاتھ آشیرباد دینے والے انداز میں اوپر اٹھا دیا۔

بوڑھے کی آنکھوں میں عجیب متضاد کشش تھی۔ کوشش کے باوجود میں اس سے نظریں نہیں چُرا سکا تھا۔ بوڑھا براہِ راست میری آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی اور گردن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں اور پھر اچانک مجھے یوں لگا جیسے سب کچھ میری نظروں سے اوجھل ہوگیا ہو۔ صرف وہ دو آنکھیں تھیں جو مجھے اپنے سامنے نظر آرہی تھیں۔

پھر اچانک مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ میں جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ بوڑھے نے میرے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں۔ میں شاید ایک لمحے کو کہیں گم ہوگیا تھا۔ میں نے سر جھکائے ہوئے بوڑھے کی طرف دیکھا۔ وہ اب میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ ماسٹر ہوچن سے کچھ کہہ رہا تھا۔ میں اگرچہ تھائی زبان اب اچھی طرح بول اور سمجھ لیتا تھا لیکن وہ بوڑھا نجانے کس زبان میں بات کررہا تھا۔ ایک بھی لفظ میری سمجھ میں نہیں آسکا۔

ماسٹر ہوچن نے مجھے اشارہ کیا تو میں اٹھ گیا۔ میرے دماغ میں اب بھی دھماکے ہورہے تھے۔ اس کمرے سے نکل کر راہداریوں میں چلتے ہوئے بھی میں محسوس کررہا تھا کہ وہ دو آنکھیں میرا

تعاقب کر رہی ہیں۔

ماسٹر ہوچن دوبارہ میرے کمرے میں آگیا اور دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ مجھے اس بوڑھے کے پاس کیوں لے کر گیا تھا۔ وہ بوڑھا بھی بڑا پُراسرار ثابت ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی ایسی بات تھی جس نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میرے جسم پر ابھی تک چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں اور دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔

بدھ مت کے پیروکاروں کے بارے میں وقتاً فوقتاً بڑے عجیب وغریب اور حیرت انگیز انکشافات ہوتے رہتے تھے۔ مہاتما بدھ نے دنیا کو تج کر بڑی کٹھن زندگی گزاری تھی ان کا زیادہ وقت ریاضت اور فاقوں میں گزرا۔ ان کے پیروکار بھی ایسی باتوں کو ترجیح دیتے تھے جن سے نفس پر قابو پانے میں مدد ملتی ہو۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ریاضت اور روحانیت سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیا بھر کی دولت خرچ کرکے بھی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ میں نے بڑی بڑی ہستیوں کو زندگی کے کٹھن ترین مرحلوں سے گزرتے دیکھا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح سونا بھٹی میں تپ کر کندن بن جاتا ہے اسی طرح انسان کی روح بھی ریاضت اور نفس کشی کے مرحلے سے گزر کر نکھر جاتی ہے۔

میں نے مہاراج وانگ ونگ یائے کو بھی دیکھا۔ جو پتھر پر سوتا تھا اور اب یہ پُراسرار بوڑھا جو زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ ان کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ اپنے لیے دنیا کی ہر آسائش مہیا کرسکتے تھے لیکن یہ فاقے کرتے اور کھردری زمین پر سوتے تھے۔

میں ماسٹر ہوچن سے اس بوڑھے کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا لیکن دل کی بات زبان پر نہ لاسکا اور نہ ہی ماسٹر ہوچن نے خود کچھ بتایا۔ وہ اور باتیں کرتا رہا۔ اس نے بتایا کہ شائی وان بچ گئی تھی۔ وہ اگرچہ مجھے مروانے کی سازش میں شریک تھی مگر اسے چھوڑ دیا گیا تھا اور یہ اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ جہاں چاہے جاسکتی ہے لیکن اس نے جانے سے انکار کردیا تھا۔ شائی وان کا کہنا تھا کہ چونکہ ٹائیگر نے اسے بھی زندہ جلا دینے کی کوشش کی تھی اس لیے اب وہ اس کے پاس واپس نہیں جائے گی بلکہ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ واپس گئی تو ٹائیگر اسے مروا دے گا۔ وہ اسی بنگلے میں رہ رہی تھی اور اس نے ٹائیگر اور چی فانگ کے بارے میں کچھ سنسنی خیز انکشافات بھی کیے تھے مگر مہاراج نے ابھی تک ٹائیگر کے خلاف کسی کارروائی کا حکم نہیں دیا تھا۔

میں تھائی وانگ کے بارے میں زیادہ فکر مند تھا۔ ماسٹر ہوچن نے مجھے تسلی دی کہ وہ ٹھیک ہوجائے گی تاہم اس کے علاج اور مکمل طور پر صحت یاب ہونے میں کئی دن لگیں گے۔

ماسٹر ہوچن کے جانے کے بعد میں اپنے کمرے میں بیٹھا رہا۔ اس رات میں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ میں تھائی وانگ کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ میری محسنہ تھی اور مجھے سب سے زیادہ عزیز تھی۔ اس نے مجھے اس وقت پناہ دی تھی جب موت کے ہرکارے میرے تعاقب میں لگے ہوئے تھے۔ وہ اگر چاہتی تو مجھے ان لوگوں کے حوالے کرکے نہ صرف اپنے آپ کو بچا سکتی تھی بلکہ انعام بھی حاصل کرسکتی تھی لیکن اس نے اپنے آپ کو لٹا دیا۔ وہ خود بیوہ ہوگئی لیکن مجھے بچا کر لے آئی۔ ٹھاٹ کی زندگی بسر کرنے والی وہ عورت میرے ساتھ خوف کے سائے میں دربدر کی ٹھوکریں کھا رہی تھی۔

یہ تو میں سمجھ گیا تھا کہ مجھ سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے تمنگ چو نے کسی طرح تھائی وانگ کو اپنے جال میں پھنسا کر ہیروئن کا عادی بنا دیا تھا لیکن میرے خیال میں بات یہیں تک محدود نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میرے خلاف کوئی بڑی سازش تیار کی گئی تھی جس میں تمنگ چو شامل تھا۔ تمنگ چو اب ماسٹر ہوچن کے قبضے میں آگیا تھا۔ وہ معلوم کرلے گا کہ اصل قصہ کیا ہے؟

تھائی وانگ نے آج تک میرے لیے جو کچھ کیا تھا میں اسے زندگی کے آخری لمحوں تک نہیں بھول سکتا تھا۔ میری زندگی اس کی مرہونِ منت تھی۔ میرے اور تھائی وانگ کے بیچ ایک ایسا رشتہ استوار ہوچکا تھا جسے میں کوئی نام نہیں دے سکتا تھا اور شاید یہ وہی انجانا رشتہ تھا جس نے مجھے اس قدر جذباتی کردیا تھا اور میں نے اس کے منہ پر تھپڑ بھی مار دیا تھا۔ ماسٹر ہوچن نے اگرچہ مجھے تسلی دی تھی کہ وہ ٹھیک ہوجائے گی۔ لیکن میں نے طے کرلیا تھا کہ اگر تھائی وانگ کو کچھ ہوگیا تو میں ان لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا جو اس کے ذمے دار تھے۔

تھائی وانگ کے بارے میں سوچتے ہوئے میری ذہنی رو بہک گئی اور اب میں اس پُراسرار بوڑھے کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ کون تھا اور ماسٹر ہوچن مجھے اس کے پاس کیوں لے کر گیا تھا اور ان دونوں نے آپس میں کیا باتیں کی تھیں۔

اس رات میں تقریباً جاگتا ہی رہا تھا۔ کبھی کرسی پر بیٹھ جاتا اور کبھی اٹھ کر باہر آجاتا۔ صبح چار بجے کے قریب میں بستر پر لیٹا تھا اور نیند مجھے اس وقت آئی تھی جب صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔

میں صبح اور شام کو ٹریننگ کلاس لیا کرتا تھا لیکن اس روز پڑا سوتا رہا اور کسی نے مجھے جگایا بھی نہیں۔ میری آنکھ گیارہ بجے کے قریب کھلی تھی اور پھر میرا سارا دن بوریت اور بیزاری میں گزرا تھا۔ تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا۔ ماسٹر ہوچن کی طرف سے تھائی وانگ کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی تھی اور نہ ہی تمنگ چو کے بارے میں کچھ پتا چلا تھا۔ میں تھائی وانگ کے بارے میں پریشان تھا۔ پتا نہیں وہ کس حال میں ہوگی۔

اور پھر اس رات آٹھ بجے کے قریب ماسٹر ہوچن کا آدمی گانگ آگیا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ ہم دونوں رات کے اس حصے سے باہر نکلے جہاں زائرین کی آمد ورفت تھی۔ مرکزی گیٹ کے بائیں طرف تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ٹرک کھڑا تھا۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور پھر وہ ٹرک تیز رفتاری سے مختلف سڑکوں پر دوڑنے لگا۔

گانگ مجھے راما سکس روڈ پر واقع راما تھیبوڈی اسپتال لے آیا۔ راستے میں گانگ نے بتایا کہ یہ ٹرک اس کا ہے۔ یہی اس کی روزی کا وسیلہ ہے۔ وہ دو سال پہلے شوقیہ طور پر موئے تھائی کی ریڈی کے لیے مہاراج کے جمنازیم میں آیا تھا اور اپنی کارکردگی کی بنا پر بہت جلد ماسٹر پھو کے مقربین میں شامل ہوگیا۔ ماسٹر پھو کے بعد اب وہ ماسٹر ہوچن کا خاص آدمی سمجھا جاتا تھا۔

اسپتال کی دوسری منزل پر ایک راہداری کے آخری کمرے کے سامنے رک کر گانگ نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی پھر ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا اور میرے لیے راستہ چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ میں اندر داخل ہوا تو وہ بھی میرے پیچھے ہی اندر داخل ہوگیا اور دروازہ بند کردیا۔

میں دو قدم آگے بڑھ کر رک گیا تھا۔ سامنے ہی بیڈ پر تھائی وانگ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر ہلکے نیلے رنگ کی ایک چادر پڑی ہوئی تھی۔ بیڈ کے قریب ہی کرسی پر نرس بیٹھی تھی۔

تھائی وانگ نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی آگہی اور پھر آنسو اس کے رخساروں پر لڑھکنے لگے۔ اس نے نظریں جھکالیں۔ میں اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ یہ کہا جاسکتا تھا کہ اس لعنت پر قابو پالیا گیا تھا جو اسے بتدریج موت کی طرف لے جارہی تھی۔ موت کا یہ سفر ابھی ابتدائی مرحلے میں تھا اور اس کے راستے میں بند باندھ دیا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ دھبے غائب ہو رہے تھے۔ پچکے ہوئے گال بھی اب کچھ بھرے بھرے سے لگ رہے تھے اور ان میں کچھ سرخی نظر آنے لگی تھی۔

"تھائی وانگ!" میں نے ہولے سے اسے پکارا۔

تھائی وانگ نے جھکا ہوا چہرہ اوپر اٹھایا۔ اشک بار آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور پھر دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ میں نرس اور گانگ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔ تھائی وانگ والہانہ انداز میں میرے گالوں اور پیشانی پر بوسے دے رہی تھی اور میں کچھ عجیب سا سکون محسوس کر رہا تھا۔

"سوری وجدان۔" وہ میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی "دراصل میں....."

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی اور دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے "تمہیں احساس ہوگیا ہے یہی کافی ہے۔"

میں تقریباً ایک گھنٹے تک وہاں بیٹھا رہا۔ اس دوران میں ڈاکٹر بھی ایک مرتبہ کمرے میں آچکا تھا۔ اس نے بتایا کہ تھائی کو کم از کم دو ہفتے اور اسپتال میں رہنا پڑے گا۔ تھائی سے مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ تاہم وہ جب بھی اس موضوع کی طرف آتی، میں اسے ٹوک دیتا۔

اسپتال سے باہر آتے ہوئے میں نے محسوس کیا تھا کہ ماسٹر ہوچن کے کچھ آدمی مختلف حلیوں میں اِدھر اُدھر موجود تھے اور یقیناً اسپتال کے اندر بھی کوئی موجود ہوگا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تھائی وانگ کو لاوارث نہیں چھوڑا گیا تھا۔

گانگ کا ٹک ٹک سڑک کے دوسری طرف پارکنگ لاٹ پر کھڑا تھا۔ ہم سڑک پار کر رہے تھے کہ گانگ اس طرح رک گیا جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔

"تم چل کر ٹک ٹک میں بیٹھو۔ میں آتا ہوں۔" گانگ نے کہا اور مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دوبارہ اسپتال میں داخل ہوگیا۔ پارکنگ میں داخل ہو کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ استقبالیہ کاؤنٹر کے سامنے کھڑا کسی ادھیڑ عمر عورت سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ عورت اسپتال کی یونی فارم پہنے ہوئے تھی اور ظاہر ہے اسپتال کی ملازمہ ہی تھی۔ میں ٹک ٹک کے قریب جاکر کھڑا ہوگیا۔ ابھی مجھے وہاں کھڑے ہوئے چند ہی سیکنڈ گزرے تھے کہ ایک آدمی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ پارکنگ میں کھڑی ہوئی کاروں میں کہیں سے نکل کر آیا تھا اور اس کا رخ میری ہی طرف تھا اور پھر دوسری طرف سے بھی ایک آدمی نمودار ہوا۔ اب مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کون تھے۔

وہ دونوں طرف سے اس طرح قریب آرہے تھے کہ میرے اِدھر اُدھر نکلنے کا راستہ بند ہوگیا تھا۔ ان میں سے ایک نے کالی پینٹ اور کالی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جبکہ دوسرے کے جسم پر نیلی جینز کی پینٹ اور سفید شرٹ تھی جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ گلے میں پڑی ہوئی سونے کی چین نظر آرہی تھی۔

وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئے۔ یہاں تک آتے آتے ان دونوں نے چاقو نکال لیے تھے۔

"کیا خیال ہے مسٹر۔" سفید شرٹ والے نے کہا "پارکنگ کے ساتھ سڑک پر ہماری گاڑی کھڑی ہے۔ سفید رنگ کی۔ ہمارے ساتھ شرافت سے چلتے ہوئے اس میں بیٹھو گے یا تمہاری آنتیں نکال کر اس جگہ پھیلا دی جائیں۔"

"نہ تو میں تمہارے ساتھ گاڑی میں بیٹھوں گا اور نہ میری آنتیں نکالنے کی تمہاری حسرت پوری ہوگی۔" میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا "میں اتنا ترنوالہ نہیں ہوں جسے آسانی سے حلق سے اتارا جاسکے۔"

"ہمیں معلوم ہے تم بار بار بچتے رہے ہو۔" کالی شرٹ والا بولا "لیکن اس مرتبہ قسمت تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔ ہمیں معلوم ہے کہ تمہاری دوست اس اسپتال میں زیرِ علاج ہے۔ ہم ایک ہفتے سے اس اسپتال کی نگرانی کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین تھا کہ تم یہاں ضرور آؤ گے اور بالآخر تم آ ہی گئے۔ اب تم یہاں سے زندہ نہیں

جاسکو گے۔ اب تمہاری لاش کا پوسٹ مارٹم اسی اسپتال میں ہوگا۔" اس نے خاموش ہو کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور پھر وہ دونوں پنجے تلے قدم اٹھاتے ہوئے میری طرف بڑھے۔

میں بالکل خوف زدہ نہیں تھا۔ اگر چند مہینے پہلے اس طرح گھیرے میں آجاتا تو اتنی دیر میں میری پتلون یقیناً گیلی ہو چکی ہوتی لیکن اب میں بزدل نہیں رہا تھا۔ میرے اندر حوصلہ' قوت اور خود اعتمادی تھی اور میں اس قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

وہ دونوں چیختے ہوئے مجھ پر حملہ آور ہوئے۔ میں ان سے زیادہ بلند آواز میں چیختا اور اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے پوری قوت سے اچھلا۔ میں زمین سے تقریباً چھ فٹ اوپر اٹھا تھا اور پھر میرے پیر سامنے والی کار کی چھت پر ٹکے تھے۔ وہ دونوں اپنی جھونک میں ٹک سے ٹکرا گئے تھے۔ وہ سنبھل کر تیزی سے مڑے۔ اس دوران میں' میں نے ییل YELL کرتے ہوئے کار سے چھلانگ لگا دی۔ نیچے آتے ہوئے میرا ایک پیر سفید شرٹ والے کے سینے پر اور دوسرا کالی شرٹ والے کے کندھے پر لگا تھا۔ وہ دونوں چیختے ہوئے ڈھیر ہو گئے۔ ان میں سے ایک فوراً ہی اٹھ گیا۔ میں اس سے پہلے ہی سنبھل چکا تھا۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا کر چاقو سے وار کیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے بائیں کلائی اس طرح آگے کر دی کہ اس کی کلائی میری کلائی سے ٹکرائی۔ اس کے ساتھ ہی میں بڑی پھرتی سے ایک پیر پر گھوم گیا۔ اسپن کک اس کے جبڑے پر لگی اور وہ بلبلاتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ اس دوران میں کالی شرٹ والا اٹھ گیا تھا۔ وہ چاقو لہراتا ہوا میری طرف بڑھا۔ اس نے حملہ کیا تو میں نے بائیں ٹانگ سے اس کا وار روکا اور ساتھ ہی اس کے جبڑے پر گھونسا رسید کر دیا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ جبڑے پر گھونسا لگنے سے وہ لڑکھڑا گیا تھا۔ سنبھلنے کا موقع دیے بغیر میں نے اسے ایک اور اسپن کک رسید کر دی۔ وہ پشت کے بل گرا۔ میں نے بھی اس پر چھلانگ لگا دی لیکن میں نے اس پر چھلانگ اس طرح لگائی تھی کہ میرا سر اس کے سینے پر لگا اور میں الٹی قلابازی کھاتا ہوا دوسری طرف پہنچ گیا۔ وہ بری طرح چیخ اٹھا تھا لیکن اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس وقت اس کی پشت میری طرف تھی۔ میں تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے بازو کندھوں کے قریب سے گرفت میں لے کر پیچھے کی طرف مروڑنے لگا۔ اس کی پشت میرے سینے سے ملی ہوئی تھی۔ اور میں اس کے بازوؤں پر دباؤ بڑھا رہا تھا۔ اس طرح اس کے کندھوں کے جوڑ اکھڑ سکتے تھے۔

اچانک اپنے پیچھے دہاڑنے کی آواز سن کر میں اپنے حریف کو اسی طرح گرفت میں لیے ہوئے تیزی سے گھوم گیا۔ سفید شرٹ والا چیختے ہوئے چاقو سے حملہ آور ہو رہا تھا۔ اس نے حملہ تو میری پشت پر ہی کیا تھا مگر میں نے گھوم کر گرفت میں لیے ہوئے حریف کو سامنے کر دیا تھا۔ سفید شرٹ والے کا چاقو دستے تک اس کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی خوف ناک تھی۔

میں نے اب بھی اسے گرفت میں لے رکھا تھا اور وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ بالکل اسی طرح ان لوگوں نے ماسٹر پھو کے سینے پر خنجروں کے وار کیے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ان کا اپنا ایک آدمی مارا گیا تھا۔

حملہ آور بری طرح بدحواس ہو گیا تھا۔ وہ چند لمحے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر چاقو اپنے ساتھی کے سینے ہی میں چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کا رخ پارکنگ سے باہر سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی اس سفید کار کی طرف تھا جس میں وہ مجھے اغوا کر کے لے جانا چاہتے تھے۔

کالی شرٹ والا ابھی تک میری گرفت میں تڑپ رہا تھا۔ میں نے اسے نیچے پھینک دیا اور سفید شرٹ والے کے پیچھے دوڑا۔ ٹھیک اسی لمحے گانگ بھی چیختا ہوا اس کار کی طرف دوڑ رہا تھا۔

سفید شرٹ والا کار میں بیٹھ چکا تھا۔ انجن اسٹارٹ کرنے میں بھی ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ میں ابھی چند گز دور تھا لیکن کار حرکت میں آچکی تھی۔ گانگ قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے چھلانگ لگائی مگر کار سے ٹکرا کر گر گیا۔ کار بڑی تیزی سے آگے نکل گئی۔ میں دوڑ کر قریب پہنچ گیا اور گانگ کو سہارا دے کر اٹھایا۔ اسے زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی۔

"بھاگ گیا۔" گانگ اپنی سیدھی ٹانگ جھٹکتے ہوئے بولا "ہاتھ میں آجاتا تو اس کی گردن مروڑ دیتا۔"

"ایک بھاگ گیا مگر دو سرا دُھر پڑا ہوا ہے۔" میں نے پارکنگ کی طرف اشارہ کیا اور پھر گانگ اس لاش کو دیکھ کر اچھل پڑا تھا۔ وہ میری طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں۔" میں نے اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے ان دونوں میں سے کوئی ایک میرے ہاتھوں مارا جاتا مگر اتفاق سے یہ اپنے ہی ساتھی کے ہاتھوں مارا گیا۔ چاقو سے وار تو مجھ پر ہی کیا گیا تھا مگر یہ میری ڈھال بن گیا اور میری موت کو اس نے اپنے سینے سے لگا لیا۔"

"میرے ساتھ آؤ.... جلدی۔" گانگ نے کہا۔

ہم دونوں اسپتال میں گئے۔ استقبالیہ کاؤنٹر والے لاؤنج میں موجود دو تین آدمیوں نے دروازوں کے شیشوں سے ہماری لڑائی کا منظر دیکھا ہو گا لیکن انہیں شاید یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ ایک لاش گر چکی ہے۔ اس لیے ان لوگوں کی طرف سے کوئی خاص ردِعمل ظاہر نہیں ہوا تھا۔ گانگ نے استقبالیہ کاؤنٹر پر رکھا ہوا ٹیلی فون ایک طرف سرکایا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ لائن فوراً ہی مل گئی تھی۔ وہ کچھ دیر تیز تیز لہجے میں باتیں کرتا رہا اور پھر کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی ہوئی ادھیڑ عمر عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنے لگا۔

اس عورت نے میرے کپڑوں پر خون کے چھینٹے بھی دیکھ لیے تھے۔ وہ یکایک بدحواس سی ہو گئی۔ وہ دیوار پر لگے ہوئے انٹر کام کا رسیور اٹھا کر تیز لہجے میں کسی سے بات کرنے لگی پھر اس نے رسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھنے لگی۔

گانگ مجھے اشارہ کرتا ہوا لفٹ کی طرف دوڑا۔ یہاں تین لفٹیں تھیں اور اس وقت تینوں اوپر تھیں۔ ہم لفٹ کا انتظار کرنے کے بجائے زینے کی طرف دوڑے۔

تھائی وانگ بیڈ پر نیم دراز تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور بیٹھی ہوئی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔ دھڑے دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ بڑا گئی اور تھائی وانگ نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ نرس کی وردی میں ملبوس لڑکی گھبرا گئی۔

"ہم تمہارے لباس پر خون دیکھ کر بدحواس سی ہو گئی۔"

"ہم تھوڑا سا پیدل چل سکتی ہو؟" گانگ نے اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر کہا۔

"ہاں۔ میں پیدل چل سکتی ہوں۔" تھائی وانگ اٹھتے ہوئے بولی۔ اس نے غالباً صورتِ حال کا اندازہ لگا لیا تھا "یہ..... یہ کیا..... ٹھیک ہو؟" اس نے میرے کپڑوں پر خون کے دھبوں کی طرف اشارہ کیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا "یہ جگہ اب تمہارے لیے محفوظ نہیں رہی اس لیے تمہیں یہاں سے لے جا رہے ہیں۔"

دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے تھائی وانگ کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ میں نے لپک کر اسے کندھے پر لاد لیا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ نرس پھٹی پھٹی سی نظروں سے یہ سب کچھ دیکھتی رہ گئی۔ ہم نے نیچے آنے کے لیے بھی لفٹ کا انتظار نہیں کیا۔ گانگ زینے پر مجھ سے آگے تھا۔

لابی میں بیٹھے ہوئے لوگ ہمیں دیکھ کر گڑبڑا سے گئے۔ وہ بچے شاید دو فٹنے کسی مریض کو اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔ گانگ کے ہاتھ میں خنجر نے انہیں کچھ اور بھی ڈرا دیا تھا۔

گانگ نے مجھے دروازے کے اندر ہی رکنے کا اشارہ کیا اور خود لڑھکتا ہوا باہر نکل گیا۔ ڈیڑھ منٹ بعد اس کا ٹک ٹک گیٹ کے سامنے پہنچ گیا۔ میں گیٹ سے نکل کر دوڑتا ہوا سڑک پر آگیا۔ پہلے تھائی وانگ کو سیٹ پر ڈالا اور پھر خود بھی اچک کر سوار ہو گیا۔ اس دوران میں ٹک ٹک حرکت میں آچکا تھا۔

ہمیں دوبارہ اسی واٹ میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں ماسٹر ہوچن پہلے سے موجود تھا۔ ہم اس کمرے میں جمع تھے جہاں تھائی وانگ کو لٹایا گیا تھا۔ گانگ ماسٹر ہوچن کو اس واقعے کی تفصیل بتا رہا تھا۔

"ویری گڈ۔" ماسٹر ہوچن میری طرف دیکھ کر مسکرایا "یہ لاش تمہاری طرف سے ٹائیگر کے لیے دوسرا تحفہ ہو گی اور اس لاش کو یہ پیغام بھی مل جائے گا کہ تم پر ہاتھ ڈالنا اب اتنا آسان نہیں رہا۔ اسے رپورٹ مل چکی ہو گی اور اس وقت وہ پاگلوں کی طرح سر پٹخ رہا ہو گا۔"

"تھینک یو ماسٹر۔" میں نے اس کی تعریف پر بوکھلاتے ہوئے کہا "لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ جب میں اسپتال کے گیٹ سے باہر نکلا تھا تو میں نے آس پاس دو تین ایسے آدمی بھی دیکھے تھے جن کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ ہمارے آدمی ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی میری مدد کو نہیں آیا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" ماسٹر ہوچن مسکرایا "ہمارے آدمی وہاں موجود تھے لیکن انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ تم بہت خوب صورتی سے اپنے حریفوں کا مقابلہ کر رہے ہو اس لیے وہ تم سے دور ہی رہے۔ اگر تمہیں کوئی خطرہ ہوتا تو وہ لوگ تم تک پہنچنے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں کرتے۔ گانگ سے پہلے مجھے ان آدمیوں کی طرف سے رپورٹ مل چکی تھی۔ یہ تمہاری پہلی باقاعدہ فائٹ تھی۔ تمہاری کامیابی پر مجھے خوشی ہوئی اور مہاراج کو جب اطلاع ملے گی تو وہ بھی بہت خوش ہو گا۔"

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ لوگ چلے گئے اور میں دیر تک تھائی وانگ سے باتیں کرتا رہا۔ صبح ایک جوان اور خوب صورت عورت تھائی وانگ کے لیے دوائیں لے کر پہنچ گئی۔ وہ نرس تھی اور اسے اس وقت تک یہاں رہنا تھا جب تک تھائی وانگ ٹھیک نہ ہو جاتی۔

تین دن بعد رات نو بجے کے قریب ایک بھکشو نے آکر بتایا کہ ایک عورت مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ مجھے حیرت بھی ہوئی۔ وہ عورت کون ہو سکتی ہے۔ میں اس بھکشو کے ساتھ واٹ کے اس حصے میں آگیا جہاں زائرین کی آمد و رفت رہا کرتی تھی لیکن اس وقت وہاں اِکا دُکا لوگ ہی تھے۔ مرکزی گیٹ کے باہر دونوں طرف گنجان پودے اور قد آور درخت تھے۔ بھکشو نے دائیں طرف اشارہ کیا۔ چند گز دور ایک درخت کے نیچے تاریکی میں ایک عورت چادر لپیٹے کھڑی تھی۔

میرے ساتھ کوئی دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔ میں محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگا۔ اس عورت نے اپنا چہرہ بھی چادر میں چھپا رکھا تھا لیکن میں جیسے ہی قریب پہنچا' اس نے چہرے سے چادر ہٹا لی۔ میں اس کا چہرہ دیکھ کر اچھل پڑا۔

وہ کوشلیا تھی۔

"میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر یہاں آئی ہوں۔ تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"کہو کیا بات ہے۔" میں نے خشک لہجے میں پوچھا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔" وہ بولی "مہاراج سے غداری کر کے میں نے واقعی حماقت کی تھی۔ میں تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔ اگر مہاراج بھی مجھے معاف کر دیں تو میں انہیں ایک بہت بڑی سازش سے آگاہ کر سکتی ہوں۔" کوشلیا نے کہا۔

"کوئی نئی سازش؟" میں نے اسے گھورا۔

"میں اپنے کیے پر نادم ہوں وجدان۔ میری بات کا یقین کرو۔" اس نے کہا "میں اب کسی سازش میں شریک نہیں ہوں بلکہ مہاراج کو ایک خطرناک سازش سے آگاہ کرکے اپنے گناہوں کا اوپائے کرنا چاہتی ہوں۔ میں ماسٹر ہوچن یا کسی اور کے پاس بھی جاسکتی تھی لیکن میں جانتی ہوں کہ مہاراج تمہاری بات نہیں ٹالیں گے۔"

"وہ سازش کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ سازش اس فیل سے متعلق ہے۔ اگر تفصیل جاننا چاہتے ہو تو گیارہ بجے فلائی اسکائی ریسٹورنٹ میں ملو لیکن اس وقت تمہیں یہ ضمانت دینا ہوگی کہ مہاراج نے مجھے معاف کردیا ہے۔" کوشلیا نے کہا۔

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم میرے خلاف کوئی نئی سازش نہیں کررہیں۔" میں نے اسے گھورا۔

"میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں۔" کوشلیا بولی "میں اپنی غلطی پر اب تک پچھتا رہی ہوں۔ ٹائیگر نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے روز کلب کا پارٹنر بنا دے گا لیکن اس نے میرے ساتھ دھوکا کیا۔ دو وقت کی روٹی کمانے کے لیے کلبوں میں کک باکسنگ کے مقابلوں میں مجھے اپنے آپ کو برہنہ کرنا پڑتا۔ میں اب تک بہت ذلت اٹھا چکی ہوں۔ اتفاق سے مجھے اس سازش کا پتا چل گیا تھا۔ میں اکیلی کچھ نہیں کرسکتی لیکن تم....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر میرے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی "پلیز! میرا ساتھ دو وجدان۔ مجھے تباہ ہونے سے بچالو۔"

مجھے اس کے لہجے میں سچائی کی کچھ جھلک نظر آرہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "میں مہاراج سے بات کرتا ہوں۔ اگر انہوں نے گیارہ بجے تم سے ملاقات کی اجازت دے دی تو سمجھو تمہارے لیے معافی کا کوئی راستہ نکل سکتا ہے لیکن اگر میں گیارہ بجے وہاں نہیں پہنچا تو سمجھ لینا کہ....."

"ایسی صورت میں صبح شہر کی کسی سڑک پر میری لاش ملے گی۔" کوشلیا نے میری بات کاٹ دی "میں چلتی ہوں۔ اب میری زندگی اور موت تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

اس نے اپنا چہرہ چادر میں لپیٹ لیا اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے مخالف سمت میں چلی گئی۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر میں بھی مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واٹ کے گیٹ میں داخل ہوگیا۔

میں رہائشی حصے کے مہتمم کے کمرے میں آگیا جہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا۔ مہتمم وہی بوڑھا بھکشو تھا جسے میں پہلے بھی ایک مرتبہ ماسٹر ہوچن کے پاس بھیج چکا تھا۔ وہ اس وقت کمرے میں موجود نہیں تھا۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر ماسٹر ہوچن کا نمبر ملایا اور رابطہ قائم ہونے پر اسے کوشلیا کے بارے میں بتانے لگا۔

"ہولڈ رکھو۔ میں دوسرے فون پر مہاراج سے بات کرتا ہوں۔" ماسٹر ہوچن نے میری بات سننے کے بعد کہا۔

میں ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا۔ مجھے ماسٹر ہوچن کی آواز سنائی دیتی رہی۔ وہ مہاراج سے بات کررہا تھا۔ چند منٹ بعد وہ مجھے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے وجدان۔ کچھ دیر میں گانگ تمہارے پاس بھیج دی جائے گا۔ تم اس کے ساتھ فلائی اسکائی ریسٹورنٹ پہنچو۔ میرے کچھ آدمی تم سے پہلے ہی وہاں پہنچ جائیں گے اگر یہ عورت کی کوئی سازش ہوئی تو کوئی زندہ بچ کر نہیں جائے گا۔"

"اوکے۔ میں ٹھیک گیارہ بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔" میں کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

کمرے میں آکر میں نے تھائی وانگ کو بتا دیا کہ کس جگہ جارہا ہوں۔ سوا دس بجے کے قریب گانگ بھی پہنچ گیا اور اس کچھ ہی دیر بعد ہم وہاں سے روانہ ہوگئے۔ گانگ اس وقت بھی ٹرک نہیں سیاہ رنگ کی کار لے کر آیا تھا۔

مجھے اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ماسٹر ہوچن اسے بتا دیا تھا کہ کہاں جانا ہے۔ کار مختلف سڑکوں پر گھومتی سوکھم وٹ روڈ پر آگئی۔ گانگ ڈرائیونگ کرتے ہوئے مجھے بھی نظر آرہا تھا۔ اس کی نظریں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ نے کار سوئے فور کی طرف موڑی۔ اس کے ساتھ ہی سوئے اسٹریٹ تھی۔ اس سڑک پر یونان کا سفارت خانہ بھی سفارت خانے کے پیچھے ایک اور گلی میں مڑنے طے کرنے کے بعد ایک جگہ رک گئی۔ سامنے فلائی ریسٹورنٹ تھا۔

گانگ کار ہی میں بیٹھا رہا۔ میں نیچے اتر کر ریسٹورنٹ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ایک آدمی نے میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ریسٹورنٹ کے دائیں طرف والی سیڑھیوں پر چلے جاؤ۔"

میں نے چلتے چلتے اپنا رخ بدل لیا اور دروازے میں داخل ہونے کر سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ میں نے گانگ کو بھی کار سے اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ شاید کچھ الجھن میں مبتلا ہوگیا تھا کہ پروگرام کے مطابق مجھے ریسٹورنٹ میں جانا تھا۔

ریسٹورنٹ کے اوپر ایک میز بورڈ کا دفتر تھا۔ جہاں اس کے علاوہ ایک ادھیڑ عمر تھائی عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ کوشلیا چہرے پر ڈر اور خوف کے تاثرات نمایاں طور پر نظر آرہے تھائی عورت گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور کوشلیا کے قریب صوفے پر گیا۔ اگر یہاں میری موت کا بندوبست کیا گیا تھا تو گانگ کے ساتھی بھی مجھے نہیں بچا سکتے تھے۔ ان کے آنے سے میرا خاتمہ ہوچکا ہوتا۔

کوشلیا نے اشارہ کیا۔ وہ عورت اٹھ کر دوسرے کمرے

میں چلی گئی۔

"کیا بات ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے کوشلیا کی طرف دیکھا "اس واٹ کے خلاف کیا سازش ہورہی ہے؟"

پہلے میں مہاراج کی بات سننا چاہتی ہوں۔ کیا کہا ہے انہوں نے؟" کوشلیا نے کہا۔

"اگر تمہاری بات درست نکلی تو مہاراج نہ صرف تمہیں معاف کردیں گے بلکہ تمہاری پہلی پوزیشن بھی بحال کردی جائے گی نہیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا جائے گا۔" میں نے جواب دیا۔

کوشلیا چند لمحے خاموش رہی اور پھر سرگوشیوں میں اس سازش کے بارے میں بتانے لگی۔ اس کی باتیں سن کر میرا دماغ گھوم گیا تھا۔

"کب ہوگا؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"ایک ہفتے کے اندر اندر۔" کوشلیا نے جواب دیا "لیکن مجھے یقین ہے کہ آخر انہیں شبہ ہوگیا تو وہ مجھے مار ڈالیں گے۔"

"تم چند روز کے لیے کہیں روپوش ہوجاؤ۔" میں نے کہا "ماسٹر ہوچن کا فون نمبر تمہارے پاس ہے۔ ایک ہفتے بعد ان سے رابطہ کرلینا۔ تمہیں صورتِ حال سے آگاہ کردیا جائے گا۔"

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد میں جب اس دفتر سے باہر نکلا تو سیڑھیوں پر ایک اور آدمی کے ساتھ کھڑا باتیں کررہا تھا۔ میں ان کے قریب سے گزرتا ہوا سیڑھیاں اتر کر باہر آگیا اور گانگ کی کار میں بیٹھ گیا۔ چند سیکنڈ بعد گانگ بھی آگیا۔

"ماسٹر ہوچن کے پاس چلو۔" میں نے کہا۔

چائنا ٹاؤن میں واقع جمنازیم میں پہنچ کر میں نے ماسٹر ہوچن کو سب کچھ بتا دیا۔ وہ مجھے لے کر فوراً ہی واٹ ٹریمٹ میں مہاراج وانگ دنگ بائے کے پاس پہنچ گیا۔ میری بات سننے کے بعد مہاراج کافی دیر خاموش رہے اور پھر کچھ ہدایات دینے کے بعد ہمیں رخصت کردیا۔

دوسرے دن واٹ میں چند بھکشوؤں کا اضافہ ہوگیا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ مہاراج کے آدمی تھے جنہیں خاص طور سے یہاں بھیجا گیا تھا۔

اب میں زیادہ تر اس خانقاہ میں گھومتا رہتا تھا۔ ماسٹر ہوچن ایک مرتبہ مجھے اس پُراسرار بوڑھے کے پاس لے کر گیا تھا لیکن اب میں اپنے طور پر گھومتا رہتا۔ تہ خانے اور پُراسرار راستے مجھے حیران کیے دے رہے تھے۔ اگلے روز میں نے ایک ایسا راستہ بھی دریافت کرلیا جو واٹ کے نیچے ایک نالے سے جا ملتا تھا۔

یہ نالا بہت کشادہ تھا۔ درمیان میں چار پانچ فٹ چوڑی جگہ پر گندا پانی بہہ رہا تھا۔ اطراف میں پتھروں کا پختہ فرش تھا۔ کہیں کہیں کائی جمی تھی اور کہیں کیچڑ تھی۔ واٹ کے اس پُراسرار راستے کی پگڈنڈیاں نالے کے اندر تک چلی گئی تھیں۔ انہیں باقاعدہ پگڈنڈیاں نہیں کہا جاسکتا تھا۔ لوہے کے موٹے موٹے سریے نالے کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ میں ان آہنی سیڑھیوں سے اتر کر نالے میں آگیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں کسی بہت بڑی سرنگ میں آگیا ہوں۔ یہ سرنگ اتنی بڑی تھی کہ اس میں ایک بڑا ٹرک آسانی سے چل سکتا تھا۔ دیواروں کے ساتھ اوپر ٹیلی فون اور بجلی کے کیبلز لگے ہوئے تھے۔ آس پاس کے علاقوں کو بجلی اور ٹیلی فون کے کنکشن نالے میں لگے ہوئے انہی کنکشن سے دیے جاتے تھے۔ واٹ میں بھی بجلی اور ٹیلی فون کے کنکشن یہیں سے تھے۔

میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا اور پھر اچانک چونک گیا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ سرنگ نما نالا واٹ کے کمپاؤنڈ کے نیچے سے گزر رہا تھا۔ اور اس کمپاؤنڈ میں مہاتما بدھ کا سونے کا وہ مجسمہ نصب تھا جس کے گرد لوہے کا جنگلا لگا ہوا تھا۔

میں تقریباً آدھا گھنٹا اس نالے کا جائزہ لیتا رہا پھر واپس آگیا اور وہ راستہ اسی طرح بند کردیا۔

وہ کوشلیا سے ملاقات کے بعد پانچواں دن تھا۔ اس وقت شام کے سات بجے تھے۔ واٹ میں زائرین کا رش تھا۔ اچانک ہی شور سن کر میں چونک گیا۔

"لوگو۔ دیکھو۔" ایک آدمی چیختے ہوئے کہہ رہا تھا "لارڈ بُدھا میں زندگی کی حرارت پیدا ہورہی ہے۔ آؤ۔ دیکھو۔ لارڈ بُدھا کا معجزہ دیکھو۔" تیزی سے آگے بڑھا۔ لوگ لوہے کے جنگلے میں داخل ہو کر مجسمے کو چھو چھو کر دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ عقیدت کے تاثرات۔

میں لوگوں کو اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا جنگلے میں داخل ہوگیا اور مجسمے کو چھو کر دیکھا۔ اس میں واقعی حرارت پیدا ہورہی تھی۔ میں جنگلے سے باہر آگیا۔ مہاراج کے بھیجے ہوئے محافظ بھکشو جنگلے کے چاروں طرف پھیل گئے تھے۔ واٹ کے بھکشو مارے عقیدت کے سجدہ ریز ہوئے جارہے تھے۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ میں نے ممی اور ڈیڈی کے ساتھ ایک فلم دیکھی تھی۔ جس میں چور ایک بینک سے سونے کا ذخیرہ لوٹنے کے لیے بینک کے نیچے نالے میں گھس کر بہت ہی عجیب وغریب طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

یہ خیال آتے ہی میں نے ایک بھکشو کو ساتھ لیا اور واٹ کے اندر مختلف راہداریوں میں دوڑتا ہوا اس خفیہ راستے کے سامنے پہنچ گیا جو نالے کی طرف کھلتا تھا اور پھر میں نے جیسے ہی وہ راستہ کھولا میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

وہ چار آدمی تھے۔ جو ایک جگہ پر کھڑے تھے۔ ان میں ایک ڈرل مشین جیسی کسی مشین سے نالے کی چھت میں سوراخ کررہا تھا اور اوپر سے سونے کے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر بچھی ہوئی ایک چادر پر گر رہے تھے۔ اس آدمی کا چہرہ تو میں نہیں دیکھ سکا لیکن باقی تین آدمیوں کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

ان میں ایک ٹائیگر تھا۔ دوسرا چی فانگ اور تیسرا دارا!

چی فانگ کے ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل تھی اور ان دونوں کے

ہاتھوں میں ریوالور۔ اب مجھے چوتھے آدمی کے بارے میں بھی اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ لباس اور قد سے میں نے اسے بھی پہچان لیا تھا۔ وہ کم تھا۔

کم لکڑی کے ایک اسٹول پر کھڑا دونوں ہاتھوں سے کسی ڈرل مشین جیسی وہ مشین چلا رہا تھا۔ مشین کی آواز بہت ہلکی تھی اور پھر آواز بند ہوگئی۔ کم نے سوئچ آف کردیا تھا۔ اور پھر وہ اسٹول سے اُتر آیا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ کچھ گھوم گیا تھا۔ اب اس کا رخ میری طرف تھا اور پھر یکایک دو یوں بے حس و حرکت ہوگیا جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

اور پھر مجھے اپنی گردن پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ کم براہِ راست میری آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

وہ چند لمحے صدیوں پر بھاری ثابت ہوئے۔

کم براہِ راست میری آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نجانے ایسی کیا بات تھی کہ میں کوشش کے باوجود اپنی نظروں کا زاویہ نہیں بدل سکا تھا۔ میں نے ایک ایسے بے حد زہریلے سانپ کے بارے میں سن رکھا تھا جو اپنے شکار کو ڈسنے سے پہلے پھنکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ شکار جب اس کی طرف دیکھتا ہے تو گویا اپنی موت کے پروانے پر خود ہی مہر ثبت کردیتا ہے۔ سانپ کی آنکھوں کی کشش کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ وہ پلک جھپکنا بھول جاتا ہے اور دماغ سن ہوجاتا ہے۔ اس میں اتنی سکت نہیں رہتی کہ جسم کے کسی حصے کو حرکت دے سکے اور وہ ناگ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر شکار کو اس طرح ڈستا ہے کہ اس کے منہ سے آواز تک نہیں نکلتی۔ سریع الاثر زہر اس سرعت سے خون میں پھیلتا ہے کہ اگلا سانس لینے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔

کم بھی ایسا ہی زہریلا ناگ تھا جس نے کئی بے گناہ لوگوں کو ڈسا تھا۔ وہ مجھے بھی ڈسنا چاہتا تھا اور عرصے سے میرے پیچھے لگا ہوا تھا اور آج ہمارا آمنا سامنا ہوگیا تھا۔ خدا کی پناہ... اس کی نظروں میں کیسی سرد مہری تھی۔ کتنی سفاکی تھی۔ ایسی سفاکی تو میں نے... خوں خوار درندوں کی آنکھوں میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ میرا دماغ سن ہو رہا تھا اور جسم جیسے پتھر کے مجسمے میں ڈھل گیا تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنا چاہی لیکن پیر اس قدر بھاری ہو رہے تھے کہ کوشش کے باوجود انہیں حرکت نہیں دے سکا۔

کم پتلون اور چمڑے کی بغیر آستین کی جیکٹ پہنے ہوئے تھا جس کے سامنے کے سارے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ڈرل مشین تھی۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے ڈرل مشین چھوڑ دی جو دھب کی آواز کے ساتھ اس کے پیر کے قریب گری اور یہ دھب کی آواز ہی مجھے ہوش میں لے آئی تھی۔ کم نے پھنکتے ہوئے بیلٹ میں اڑسے ہوئے پستول کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

فائر کی آواز سرنگ میں گونج سی پیدا کرتی چلی گئی۔ گولی میرے سر سے چند انچ کے فاصلے سے گزرتی ہوئی دیوار میں لگی۔ میں نے بڑی پھرتی سے ایک طرف چھلانگ لگادی۔ ٹائیگر اور دارا وغیرہ نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اور پھریوں لگا جیسے وہاں بھونچال آگیا ہو۔ فائنگ کی آٹومیٹک رائفل سے نکلنے والی گولیوں نے سامنے والی دیوار کو چھلنی کردیا تھا۔

میں اس دیوار کی آڑ میں تھا جس پر اس خفیہ راستے کو کھولنے اور بند کرنے کے لیے بٹن لگا ہوا تھا۔ وہ بٹن مجھ سے تقریباً [illegible] کے فاصلے پر تھا اور درمیان میں وہ کھلا ہوا راستہ تھا جس سے [illegible] نالے کی دیوار میں سیڑھیوں کے طور پر لگے ہوئے سریوں [illegible] جاسکتا تھا۔ بٹن دبانے کے لیے مجھے اس کھلے ہوئے راستے [illegible] سامنے سے گزر کر دوسری طرف جانا پڑتا جو ممکن نہیں تھا۔ [illegible] گولیوں سے بھون دیا جاتا لیکن اس راستے کو کھلا بھی نہیں [illegible] جاسکتا تھا۔ میں اس خوفناک حقیقت سے پوری طرح واقف تھا [illegible] اگر ان وحشی درندوں کو اندر آنے کا موقع مل گیا تو وہ قیامت [illegible] دیں گے۔ واٹ میں اس وقت بیسیوں زائرین موجود تھے۔ ان [illegible] جانوں کا نقصان ہوسکتا تھا۔ کئی بے گناہ مارے جاتے۔

میں دیوار کے ساتھ دبکا کھڑا رہا اور پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی نالے کی سیڑھیوں پر چڑھ رہا ہے۔ میں باہر جھانکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ البتہ میں نے پوری توجہ اس آہٹ پر مرکوز رکھی جو سیڑھیوں پر پیر رکھنے سے پیدا ہو رہی تھی۔ وہ آہٹ بہت ہلکی تھی لیکن مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی شخص بہت احتیاط سے اوپر آرہا ہے۔

میں خالی ہاتھ تھا اور ہر طرح کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ مجھے پہلے ایک ہاتھ نظر آیا پھر رائفل کی نال دکھائی دی اور اچانک اس رائفل نے شعلے اگلنا شروع کردیے۔ جو کوئی بھی تھا اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر فائرنگ کی تھی۔ میں نے بھی اپنے آپ کو بالکل تیار کرلیا اور پھر فائرنگ بند ہونے پر میں ایک دم سامنے آگیا۔

وہ چی فانگ تھا جس کا چہرہ اس خلا کے بالکل سامنے تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے سیڑھی کا سریا پکڑ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں رائفل تھی۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا لیکن میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے تھوبڑے پر زوردار کک لگادی اور اس کے ساتھ ہی اچھل کر خلا کے دوسری طرف اس جگہ پہنچ گیا جہاں دیوار پر وہ بٹن لگا ہوا تھا۔

چی فانگ کے منہ سے چیخ نکلی۔ وہ آٹھ دس فٹ کی بلندی سے نیچے گرا۔ گرتے ہوئے اس کی انگلی نے ٹریگر دبا دیا تھا۔ رائفل کی نال سے نکلنے والی گولیاں نالے کی چھت پر لگیں۔ ٹائیگر اور دارا وغیرہ نے یہ صورتِ حال دیکھتے ہی فائرنگ شروع کردی۔ کچھ گولیاں اندر سامنے والی دیوار پر لگیں۔ ان میں سے کوئی سیڑھیوں کی طرف دوڑا بھی تھا لیکن میں وہ بٹن دبا چکا تھا۔ چند سیکنڈ میں وہ خفیہ راستہ بند ہوگیا۔

میں اس دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ میرا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ میرا انفارمیشن

کے بھائیک جبڑوں کے دہانے پر پہنچ گیا تھا اور قسمت نے اس بار بھی میرا ہی ساتھ دیا تھا۔

میرا اور چی فانگ کا پہلی مرتبہ آمنا سامنا ہوا تھا۔ وہ میری ماں کا قاتل تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ وہ کس طرح میری ماں پر خنجر کے وار کرتا رہا تھا۔ میری ماں کی بھیانک چیخیں اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

یوں تو میں نے کئی مرتبہ چی فانگ کو دیکھا تھا لیکن اس طرح آمنا سامنا پہلی بار ہوا تھا اور مجھے خوشی تھی کہ میں نے اپنے اس دشمن پر پہلی مرتبہ کاری ضرب لگائی تھی۔ ممکن ہے اسے زیادہ نقصان نہ پہنچا ہو لیکن میں نے پہلی بار براہِ راست اس پر حملہ کیا تھا اور اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا تھا اور یہ میرے لیے ایک اچھا شگون تھا۔ اگر وہ خالی ہاتھ ہوتا یا میرے پاس بھی اس قسم کا اسلحہ ہوتا تو یقیناً صورتِ حال کچھ مختلف ہوتی۔

میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا ہانپ رہا تھا اور مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ نالے کی طرف سے دیوار پر گولیاں برسائی جارہی تھیں۔ دیوار خاصی موٹی تھی لیکن گولیاں لگنے سے ہلکی سی دھمک میں بھی محسوس کررہا تھا۔

یہ سب کچھ دو منٹ سے بھی کم وقت میں ہوا تھا لیکن لگتا تھا جیسے صدیاں بیت گئی ہوں اور پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ میرے بھیجے ہوئے بھکشو کے ساتھ دو اور بھکشو دوڑے آرہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں تھیں اور یہ ان بھکشوؤں میں سے تھے جنہیں میری رپورٹ ملنے کے بعد مہاراج نے خاص طور پر اس واٹ میں بھیجا تھا۔

"وہ لوگ نالے کے اندر ہیں۔" میں نے چیخ کر کہا "کسی کو دوسری طرف سے نالے کے اندر بھیجو۔ تاکہ انہیں بھاگنے کا موقع نہ مل سکے۔"

"چار آدمی تناؤ روڈ کی طرف سے نالے میں جاچکے ہیں۔" الفا میں سے ایک نے جواب دیا "انہیں اس طرف سے بھی گھیرنے کی کوشش کی جائے گی لیکن اس طرف سے بھی کور کرنا ضروری ہے تاکہ انہیں بھاگنے کا موقع نہ مل سکے۔"

دیوار کے دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی اور پھر فائرنگ کی آوازیں دوبارہ سنائی دینے لگیں لیکن اس مرتبہ گولیاں اس دیوار پر نہیں برسائی جارہی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ دو پارٹیوں میں فائرنگ کا تبادلہ ہو رہا ہے۔

کرونگ نامی ایک مسلح بھکشو نے مجھے اور میرے ساتھ بیٹھے بھکشو کو وہاں سے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

"یہ راستہ کیسے کھلے گا؟" کرونگ نے پوچھا۔

"وہ بٹن دبا دو گے تو دیوار... کا یہ حصہ سلائڈنگ ڈور کی طرح اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا۔" میں نے اشارے سے بتایا۔

کرونگ نے ایک بار پھر اشارہ کیا۔ میں اور دوسرا بھکشو دیوار کی آڑ میں ہوگئے۔ کرونگ نے بٹن دبا دیا۔ وہ اور اس کا ساتھی دونوں طرف پوزیشن سنبھال کر کھڑے ہوگئے تھے۔ دیوار کا ایک حصہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے ہٹنے لگا۔

نالے میں فائرنگ کی آوازیں اب واضح ہوگئیں۔ کرونگ اور اس کے ساتھی نے بھی فائر کھول دیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد لگا جیسے کم اور اس کے ساتھی پسپائی اختیار کررہے ہوں۔ تناؤ روڈ کی طرف سے نالے میں داخل ہونے والے محافظ فائرنگ کرتے ہوئے قریب آگئے تھے۔ کرونگ نے اپنے ساتھی کو اسی جگہ رکنے کو کہا اور خود نالے میں اتر گیا۔

میرے خیال میں اب سامنے آنے میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر نیچے جھانکا۔ کرونگ اور ایک اور محافظ رائفلیں تانے اس جگہ کھڑے تھے۔ جہاں کم وغیرہ اپنی کچھ چیزیں چھوڑ گئے تھے لیکن وہ چادر وہاں نہیں تھی جس پر میں نے سونے کے ٹکڑے گرتے ہوئے دیکھے تھے۔ دوسرے محافظ نالے میں بائیں طرف فائرنگ کرتے ہوئے کافی آگے نکل گئے تھے۔ فائرنگ کی آوازیں بھی اب نالے میں بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

میں سیڑھیاں اترنے کے بجائے چھلانگ لگا کر نالے میں اتر گیا۔ دس بارہ فٹ اونچی جگہ تھی۔ نیچے ہلکی سی کیچڑ تھی۔ میرا پیر پھسلا لیکن میں فوراً ہی سنبھل گیا۔ کرونگ اور دوسرا محافظ میری طرف دیکھ رہے تھے۔

کیچڑ میں میرا پیر ایک بار پھر پھسلا۔ اس مرتبہ سنبھلتے ہوئے میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ جس جگہ میں کھڑا تھا وہاں آس پاس خون کے چھینٹے نظر آرہے تھے یا تو چی فانگ کو گرنے سے ایسی چوٹ لگی تھی جس سے خون بہہ نکلا تھا اور یا کوئی فائرنگ میں زخمی ہوا تھا۔ میں آگے بڑھنے لگا۔ کرونگ یا دوسرے محافظ نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ یقیناً میری حیثیت سے واقف تھے۔

اس جگہ لکڑی کے ایک اسٹول کے علاوہ ایک ڈرل مشین، ہتھوڑی، گول ریتی اور ایک چھینی پڑی ہوئی تھی۔ ان سے کچھ فاصلے پر موٹر کی ایک بیٹری تھی جس کے ساتھ ایک سوئچ بورڈ بھی لگا ہوا تھا۔ کچھ تبدیلیاں کرکے اس بیٹری کو اس قابل بنایا گیا تھا کہ اس سے ڈرل مشین چلائی جاسکے۔ دیوار کے ساتھ ننگا ہوا ایک طاقت ور بلب بھی اسی بیٹری سے روشن تھا۔

میں جھک کر اس ڈرل مشین کو دیکھنے لگا۔ اس کے آگے نوک دار بٹ نہیں تھی بلکہ چھینی کی طرح ایک انچ ... چوڑی بٹ لگی ہوئی تھی۔ اس کا آگے والا حصہ خاصا تیز تھا۔ اس سے وہ مجسمے کے اندر کا سوناکاٹ رہے تھے۔ زمین پر کنکریٹ وغیرہ کے ٹکڑے بھی بکھرے ہوئے تھے۔ جن میں سونے کے کچھ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور ذرات بھی چمک رہے تھے۔ ان کا منصوبہ واقعی خوف ناک تھا۔ پہلے انہوں نے نالے کی چھ سات انچ موٹی چھت کاٹی ہوگی اور پھر اوپر رکھے ہوئے مجسمے کے بیس تک پہنچے ہوں گے۔ ان

کا منصوبہ غالباً یہی تھا کہ اندر سے سونا نکال کر مجسمے کو کھوکھلا کردیا جائے لیکن ڈرل مشین چلنے سے مجسمہ گرم ہوگیا تھا۔ ہوسکتا ہے مجسمے کے گرم ہوجانے کو لوگ لارڈ بدھا کا معجزہ ہی سمجھتے۔ وہ مارے عقیدت کے مجسمے کے سامنے سجدہ ریز ہوتے رہتے اور ٹائیگر وغیرہ مجسمے کے اندر کا سارا سونا نکال کر رفوچکر ہوجاتے لیکن میری ذہانت نے ان کا منصوبہ ناکام بنا دیا۔ وہ تھوڑا سا سونا لے جاسکے تھے۔ جو میرے خیال میں چند کلو سے زیادہ نہیں تھا۔ اگر وہ رات کو ایسے وقت' جب واٹ زائرین کے لیے بند کردیا جاتا ہے' اپنے منصوبے پر عمل کرتے تو یقیناً اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے تھے۔

ٹائیگر وغیرہ کے تعاقب میں جانے والے محافظ واپس آگئے تھے۔ پورے شہر کے نیچے اس قسم کے سرنگ نما نالوں کا جال بچھا ہوا تھا اور وہ لوگ کسی طرف غائب ہوگئے تھے۔ میرے حکم پر واپس آنے والے محافظوں نے بھی سرنگ کے دونوں طرف پوزیشن سنبھال لی تاکہ اگر کوئی سرنگ میں..... داخل ہونے کی کوشش کرے تو اس سے نمٹا جاسکے۔ محافظوں نے بلا چون وچرا میرے حکم کی تعمیل کی تھی۔ جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ میرے بارے میں انہیں جو ہدایات دی گئی تھیں' وہ بہت واضح تھیں۔

یہ خبر زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکی۔ خانقاہ میں زائرین کا ہجوم تھا۔ یہ خبر پھیلتے ہی کھلبلی سی مچ گئی۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر مہاراج بھی پہنچ گئے اور پولیس کی بھاری نفری بھی۔ پولیس نے فوراً ہی خانقاہ کو زائرین سے خالی کروالیا اور چاروں طرف پوزیشن سنبھال لی۔ کچھ پولیس والوں نے نالے والی سرنگ میں پوزیشن سنبھال لی تھی اور لاتعداد پولیس والے شہر کے نیچے سرنگوں کے اس جال میں پھیل گئے تھے اور میرے خیال میں یہ بیکار تھا۔ چی فانگ اور ٹائیگر جیسے لوگوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اب تک کسی نالے میں چھپے ہوں گے جبکہ مجھے یقین تھا کہ وہ نالے سے نکل کر کسی محفوظ مقام پر پہنچ چکے ہوں گے۔

پولیس کے اعلیٰ ترین افسران نے بھی وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ بنکاک میں واقع تمام بڑی بڑی خانقاہوں کے راہب بھی پہنچ چکے تھے اور اپنے اپنے انداز میں غم وغصے کا اظہار کررہے تھے۔

اخبار نویسوں اور فوٹو گرافروں کی بڑی تعداد بھی وہاں موجود تھی۔ سرنگ کے اندر فوٹو گرافر چھت کے اس حصے کی تصویریں کھینچ رہے تھے جسے کاٹا گیا تھا۔ ان تمام چیزوں کی تصویریں بھی کھینچی گئیں جن سے چھت کاٹنے میں مدد لی گئی تھی۔ میری بھی لاتعداد تصویریں کھینچی گئیں۔ مختلف پوز مختلف اسٹائلز میں۔ مہاراج کے ساتھ اور تمام بڑی بڑی خانقاہوں کے راہبوں کے ساتھ۔ بڑے بڑے راہب میرے ساتھ تصویر کھنچوانے میں فخر محسوس کررہے تھے کیونکہ میں ہی وہ شخص تھا جس کی ذہانت سے ان کا لارڈ بدھا لٹنے اور کھوکھلا ہونے سے بچ گیا تھا۔

مہاراج بڑے فخر سے اخبار نویسوں کو میرے بارے میں بتا رہا تھا۔ اخبار نویس مجھ سے بھی طرح طرح کے سوالات کررہے تھے۔ مجھے یہ شبہ کیسے ہوا؟ میں ان کے سوالات کے جواب دیتا اور تصویریں بھی بنواتا رہا۔ میں نے انہیں ان چاروں کے بارے میں بتا دیا۔

اس سارے ہنگامے میں رات آدھی ہوگئی۔ رات کو فوری طور پر زائرین کے لیے بند کردیا گیا تھا اور نالے والی سرنگ میں بھی پولیس کا بھاری پہرا بٹھا دیا گیا تھا۔ ان کے ساتھ مہاراج کے بھی کچھ محافظ تھے۔

مہاراج مجھ سے بہت خوش تھا۔ خوشی مجھے بھی تھی۔ میں ان کے کسی کام تو آیا۔ حقِ نمک تو ادا کیا۔ مجھے زیادہ خوشی اس بات کی بھی تھی کہ میں نے بدھ کے پیروکاروں کو گمراہ ہونے سے بچالیا تھا۔ اگر میری ذہانت کام نہ آتی تو وہ لوگ مجسمے کے گرم ہونے کو مہاتما کا معجزہ ہی سمجھتے اور اس طرح نئی نئی بدعتیں پیدا ہوتیں اور شاید یہ انکشاف کبھی نہ ہوتا کہ مجسمہ کھوکھلا ہوچکا ہے اور مہاتما میں پیدا ہونے والی گرمی چوروں کی پیدا کردہ تھی۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ مہاراج اور کئی بڑے بڑے بھکشو واٹ ہی میں تھے۔ البتہ مہاراج نے مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ میں خانقاہ والے حصے سے نکل کر رہائشی حصے میں داخل ہوا تو نیم تاریکی میں دو ہیولے دیکھ کر ٹھٹک گیا اور پھر میں نے انہیں پہچان لیا۔ ایک تھائی وانگ تھی اور اس کے ساتھ اس کی نرس۔

تھائی وانگ مجھے دیکھتے ہی دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی "تم نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے وجدان۔" وہ میری پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بولی "تم شاید اسے کوئی معمولی بات سمجھتے ہوگے لیکن یہ تمہارا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ جسے ہماری قوم کبھی نہیں بھولے گی۔ کاش! میں وہ منظر دیکھ سکتی جب مہاراج اور بنکاک کے بڑے بڑے بھکشو تمہاری پیشانی پر بوسے دے رہے تھے۔"

"تو تم وہاں آجاتیں۔" میں نے کہا۔

"مجھے آنے نہیں دیا گیا۔" تھائی وانگ نے مایوسانہ لہجے میں جواب دیا "میں تو کب سے یہاں کھڑی تھی کہ تم آؤ تو تمہیں اس کارنامے پر مبارک باد دوں۔"

"مبارک باد میں نے وصول کرلی۔ اب کمرے میں چلو۔ اگر تھکن چڑھ گئی تو طبیعت خراب ہوجائے گی۔"

میں اس کا ہاتھ پکڑ کر رہائشی حصے کی طرف چل پڑا۔ نرس بھی ہمارے ساتھ تھی۔ جب ہم روشنی میں پہنچے تو بہت سے بھکشوؤں نے مجھے گھیر لیا۔ وہ شاید میرے ہی انتظار میں وہاں کھڑے تھے اور سب بڑی عقیدت مندانہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ دو تین بوڑھے بھکشوؤں نے آگے بڑھ کر میری پیشانی پر بوسے بھی دیے تھے۔

میں تھائی وانگ والے کمرے ہی میں آگیا تھا۔ وہ نجانے کب سے میرے انتظار میں وہاں کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار واضح طور پر نظر آرہے تھے۔

"اب تم لیٹ جاؤ۔" میں نے کہا "اگر تمہاری طبیعت خراب ہوگئی تو بڑا مسئلہ ہوجائے گا۔"

"میں تم سے سب کچھ تفصیل سے سننا چاہتی ہوں۔ تم بھی میرے قریب بیٹھ جاؤ۔" تھائی وانگ نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

میں بیڈ کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ نرس بھی ایک طرف کھڑی میری باتیں سن رہی تھی۔ میں انہیں بتا رہا تھا کہ جب بدھ کے مجسمے کے گرم ہونے والا شور مچا تو مجھے اچانک ہی اس فلم کا خیال آگیا تھا جو میں نے بہت عرصہ پہلے ممی اور ڈیڈی کے ساتھ سنگاپور میں دیکھی تھی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد میں انہیں بدھ کے واقعات کی تفصیل سنانے لگا۔

"جانتے ہو تم نے اس قوم پر کیا احسان کیا ہے؟" تھائی وانگ نے میرے خاموش ہونے پر کہا اور پھر وہی عقیدت والے خدشے کا اظہار کیا جس کا خیال مجھے بھی آیا تھا "اس سے ایک نئی بدعت پیدا ہوجاتی۔ طرح طرح کے شوشے چھوڑے جاتے اور لوگ لارڈ بدھا کی اصل تعلیمات کو بھول کر ایک نئی راہ پر چل نکلتے جس سے فاہر ہے انتشار ہی کو ہوا ملتی۔"

"یہی خیال میرے ذہن میں بھی آیا تھا۔" میں نے جواب دیا "لیکن سونے کی چوری کے انکشاف سے یہ طے ہوگیا کہ وہ کوئی معجزہ نہیں تھا۔"

"مجھے ایک اور خیال آرہا ہے۔" تھائی وانگ نے کہا "اتفاق سے آج وہ چاروں بیک وقت تمہارے سامنے آگئے۔ صورتِ حال نہایت سنگین ہونے کے باوجود تم نے بڑی حوصلہ مندی کا ثبوت دیا۔ وہ چی فانگ پر تمہارا پہلا حملہ تھا جسے وہ ہمیشہ یاد رکھے گا لیکن اس کے ساتھ ہی اب تمہیں زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"ہاں۔ اب مجھے واقعی محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔" میں نے کہا "یم' دارا اور چی فانگ کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ انہیں کوئی نہیں جانتا لیکن ٹائیگر کو بنکاک کا بچہ بچہ جانتا اور پہچانتا ہے۔ جہاں تک غنڈہ گردی اور بدمعاشی کا معاملہ ہے لوگ اس سے ضرور دبتے ہیں۔ ہر شریف آدمی غنڈوں اور بدمعاشوں سے بدکتا ہے لیکن یہ معاملہ مختلف ہے۔ بات مذہب کی ہے۔ کوئی شرابی' زانی اور بدکار آدمی بھی لارڈ بدھا کی توہین برداشت نہیں کرے گا۔ وہ ٹائیگر کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔ اس کے جسم کا ریشہ ریشہ کر ڈالیں گے۔"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ ٹائیگر کسی کے ہاتھ آسکے گا۔" میں نے کہا "اسے بھی اس بات کا احساس ہوگا کہ اسے شناخت کرلیا گیا ہے۔ وہ روپوش ہوجائے گا اور جب معاملہ ٹھنڈا پڑجائے گا تو نکل آئے گا اپنی کمین گاہ سے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تھائی وانگ! بات دراصل یہ ہے کہ اس دنیا کے لوگ' خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب یا فرقے سے ہو' فطرت میں بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات کسی معمولی بات پر اس طرح بھڑک اٹھیں گے کہ قتل وغارت سے بھی باز نہیں آتے اور بعض اوقات بڑی سے بڑی بات بھی ان کے سر پر سے گزر جاتی ہے اور ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ لوگ کسی بات پر اشتعال میں آکر اس طرح بھڑک اٹھتے ہیں جیسے پوری دنیا کو جلا کر راکھ کرڈالیں گے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے ان کا جوش وجذبہ ماند پڑجاتا ہے اور بالآخر وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں۔ مذہب ایک ایسا شعبہ ہے جس کی آڑ لے کر لوگوں کو قتل و غارت پر اکسایا جاسکتا ہے۔ میرے خیال میں یہ چوری کی واردات تھی۔ ان کا مقصد سونا حاصل کرنا تھا۔ لارڈ بدھا کی توہین کا تو انہوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ لوگ اسے لارڈ بدھا کی توہین سمجھیں گے اور کچھ گڑبڑ پھیلانے کی کوشش بھی کریں گے۔ سیاست داں اور شرپسند لوگ اس موقع سے فائدہ بھی اٹھائیں گے لیکن میرا خیال ہے کہ مہاراج اور بنکاک کی دوسری خانقاہوں کے بڑے بڑے راہب اس آگ کو زیادہ نہیں بھڑکنے دیں گے۔ میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد وہ بھی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ ایک محض چوری کی واردات تھی اور اس سے قانونی طریقوں سے ہی نمٹا جائے گا۔"

"وہ لوگوں کے بھڑکے ہوئے جذبات کے آگے کیسے بند باندھ سکیں گے؟" تھائی وانگ نے کہا۔

"وہ سمجھ دار لوگ ہیں۔ روحانی پیشوا ہیں۔ لارڈ بدھا کی تعلیمات کا پرچار کرتے ہیں۔ لوگ ان کی بہت سی باتیں مانتے ہیں۔ شاید یہ بات بھی مان لیں۔" میں نے کہا۔

"تو گویا تمہارے خیال میں اس معاملے کو مذہبی ایشو نہیں بنانا چاہیے۔" تھائی وانگ نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"بالکل نہیں۔" میں نے جواب دیا "یہ چاروں ایسے آدمی ہیں جن کا شاید کوئی مذہب نہیں ہے۔ دولت ہی ان کا دھرم ہے۔ یہ زر کی پوجا کرنے والے لوگ ہیں۔ تم شاید بھول گئی ہو کہ انہوں نے میرے ماں باپ کو کیوں قتل کیا تھا۔ میرے باپ نے برسوں پہلے انہیں بھاری مالی نقصان پہنچایا تھا پھر دارا ہیروئن کی اسمگلنگ کا ریکٹ قائم کرنے کے لیے سنگاپور آیا تھا۔ وہاں اس نے میرے باپ کو دیکھ لیا۔ اس کے ذہن میں لازمی طور پر یہ بات آئی تھی کہ میرا باپ ان کے راستے کی رکاوٹ بنے گا۔ اس نے کرائے کے قاتلوں کے ذریعے میرے باپ کو راستے سے ہٹا دیا اور پھر میں ان کی نظروں میں آگیا۔ میں ان کے جرم کا چشم دید گواہ تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ جب تک میں زندہ رہوں گا' ان کے لیے خطرہ بنا رہوں گا۔ وہ مجھے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے اور میں ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہوا یہاں تک آگیا۔ اصولی طور پر وہ میرے دشمن ہیں۔ انہوں نے یہ جو کچھ بھی کیا ہے میری دشمنی ہی میں کیا ہے لیکن ان کا منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکا۔ ان کا منصوبہ صرف سونا

چُرانا نہیں تھا۔"

"تو پھر.....؟" تھائی وانگ نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا

"وہ اس کیس میں مجھے پھنسانا چاہتے تھے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب! تمہیں کس طرح پھنسانا چاہتے تھے۔" اس نے مجھے گھورا۔

"وہ سمجھ گئے تھے کہ جب تک میں مہاراج کی پناہ میں ہوں وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ مجھے مہاراج کی نظروں سے گرانے کے لیے انہوں نے یہ سازش تیار کی تھی۔ یہ سازش دراصل دارا کے ذہن کی پیداوار تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کامیاب ہوگئے تو ایک طرف انہیں لاکھوں ڈالر مالیت کا سونا مل جائے گا اور دوسری طرف مہاراج مجھے دھکے دے کر نکال دے گا یا ہو سکتا ہے میرے لیے کوئی ایسی اذیت ناک سزا بھی تجویز کردے جسے میں برداشت نہ کرسکوں لیکن مجھے اس سازش کا بروقت پتا چل گیا تھا اور میں نے مہاراج کو اس سے آگاہ کردیا تھا؟"

"کیسی سازش؟" تھائی وانگ کی آنکھوں کی الجھن بڑھ گئی تھی۔

"شینو۔" میں نے نرس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے آج رات کھانا نہیں کھایا تھا۔ کچن میں اس وقت شاید کھانے کو تو کچھ نہ ملے۔ البتہ چائے کا سارا سامان وہاں موجود ہوگا۔ اگر تم میرے لیے ایک کپ چائے بنانے کی زحمت کرو تو میں تمہارا بہت شکر گزار رہوں گا۔"

"چائے میں بھی بیوں گی۔ کھانا تو میں نے بھی نہیں کھایا تھا۔" تھائی وانگ نے کہا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ میں..... چائے کے بہانے نرس کو وہاں سے ہٹانا چاہتا تھا۔ نرس کے جانے کے بعد وہ میری ...طرف دیکھتے ہوئے بولی "ہاں۔ اب بتاؤ۔ وہ کیا سازش تھی؟"

"تمہیں یاد ہے، ایک روز شام کے بعد کوشلیا خانقاہ کے باہر مجھ سے ملنے آئی تھی اور پھر رات گیارہ بجے میں اس سے ملنے کے لیے گیا تھا۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ تم نے واپس آکر بتایا تھا کہ وہ مہاراج سے معافی مانگنا چاہتی ہے اور اس کے لیے تمہیں وسیلہ بنا رہی تھی کیونکہ مہاراج تمہاری بات مان لیتے۔" تھائی وانگ نے کہا۔

"ہاں۔ میں نے تمہیں یہی بتایا تھا اور یہ بات درست بھی تھی۔ مہاراج نے مجھے سختی سے منع کردیا تھا کہ اصل بات تمہیں بھی نہ بتاؤں۔" میں نے کہا۔

"اور وہ اصل بات کیا تھی؟" تھائی وانگ نے پوچھا۔

"کوشلیا ان دنوں ٹائیگر کے رحم و کرم پر تھی اور اس کی اجازت سے کسی نائٹ کلب میں کک باکسنگ کے شو کرکے دو وقت کی روٹی کما رہی تھی۔" میں نے تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا "پندرہ روز پہلے دارا نے کوشلیا کو دیکھ لیا۔ وہ ہندوستانی لڑکی بڑے تیکھے نقوش کی مالک ہے۔ مردوں کے لیے اس میں بڑی چاشنی ہے۔"

"مگر تم تو اسے ٹھکرا کر بھاگے تھے۔" تھائی وانگ مسکرایا۔

"ہاں۔ میں اسے نعوذ سمجھتا ہوں۔ بہرحال۔" میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "دارا نے ٹائیگر سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ ٹائیگر اس رات کوشلیا کو لے کر اس بنگلے پر پہنچ گیا جہاں دارا رہائش پذیر تھا۔ وہاں کم اور پری فانگ بھی موجود تھے۔ کوشلیا ان کے لیے کھلونا بن گئی۔ وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے شراب پلاتی رہی اور پھر اسی دوران میں دارا نے یہ منصوبہ ان تینوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس منصوبے کے مطابق وہ میرے نام سے ایک مکان کرائے پر لیتے اور سونا چوری کرکے اس کا کچھ حصہ اس مکان مالک کو پہنچا دیتے پھر کسی ذریعے سے مجھے اس مکان تک لایا جاتا۔ اس مقصد کے لیے غالباً کسی لڑکی کو استعمال کیا جاتا پھر مہاراج کو اطلاع دے دی جاتی کہ میں نے بعض لوگوں کے ساتھ مل کر بدھا کے مجسمے کا سونا چُرا لیا ہے۔ مہاراج مجھے اس مکان میں اس لڑکی اور سونے کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑ لیتے۔ وہاں ایک دو آدمی بھی ان کے قابو آجاتے جو یہ گواہی دیتے کہ یہ سازش میں نے ہی کی تھی کیونکہ میں تھائی لینڈ سے بھاگنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد دارا وغیرہ کو مجھے راستے سے ہٹانے کے لیے کچھ نہ کرنا پڑتا۔ مہاراج ہی میرا قصہ تمام کردیتے۔" میں خاموش ہو کر گہرے سانس لینے لگا۔ یہ تفصیل بتاتے ہوئے مجھے خود اپنے آپ میں سنسنی کی سی کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔

"جب وہ لوگ یہ منصوبہ بنا رہے تھے تو کوشلیا انہیں جام پر جام بھر کر پلا رہی تھی۔ مہاراج سے غداری کرکے وہ پچھتا رہی تھی کیونکہ ٹائیگر سے اسے ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ملا تھا۔ وہ خاموشی سے یہ باتیں سنتی رہی۔ اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ان کی باتوں میں دلچسپی لے رہی ہے۔ ویسے اس کے ذہن میں یہ خیال ضرور آیا تھا کہ اگر وہ مہاراج کو اس سازش سے آگاہ کردے تو اسے معافی مل سکتی ہے۔

"اگلے روز شام کے بعد وہ اس واٹ کے باہر چوری چھپے مجھ سے ملی اور کہا کہ اگر مہاراج اسے معاف کردیں تو وہ انہیں اس واٹ کے خلاف ایک خوفناک سازش سے آگاہ کرسکتی ہے۔ میں مہاراج سے بات کرنے کے بعد رات گیارہ بجے فلائی اسکائی ریسٹورنٹ کے اوپر ایک میٹنگ بیورو کے دفتر میں اس سے ملا اور کوشلیا نے مجھے اس سازش سے آگاہ کیا۔ کوشلیا سے اس ملاقات کے بعد میں مہاراج کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے اس سازش کی تفصیل سے آگاہ کردیا۔ کوشلیا یہ نہیں بتا سکی تھی کہ مہاراج کے مجسمے کا سونا چُرانے کا طریقۂ کار کیا ہوگا۔ واٹ میں مجسمے کی حفاظت کا بندوبست کردیا گیا لیکن اس سرنگ کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا تھا۔ وہ تو اتفاق ہے کہ میرے ذہن میں وہ بات آگئی تھی۔ اس طرح ان کی دونوں سازشیں ناکام ہوگئیں۔ سونا چُرانے کی بھی اور مجھے پھنسانے کی بھی۔ مہاراج اور دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ دارا

زیادہ سے زیادہ چار پانچ کلو سونا نکالنے میں کامیاب ہوسکے تھے وہ اپنے ساتھ لے گئے۔"

"تو یہ بات ہے۔" تھائی وانگ نے گہرا سانس لیا "کوشلیا کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" میں نے جواب دیا "میں نے اسے ٹائیگر کو مشورہ دیا تھا کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ اگر ٹائیگر کو پتا چل گیا تو اسے قتل کردیا جائے گا۔ میں نے اسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ ایک بنے بعد ماسٹر ہوچن سے فون پر رابطہ کرلے۔ میں نہیں جانتا وہ اس وقت کہاں ہوگی۔"

تھائی وانگ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ نرس شینو چائے لے کر اندر داخل ہوئی۔ اس نے ایک چھوٹی ٹرے میں دو مگ رکھے ہوئے تھے ایک مگ مجھے دے دیا اور ٹرے تھائی وانگ کے سامنے بیڈ پر رکھ دی۔

"اگر میری ضرورت نہ ہو تو میں جاؤں۔ مجھے نیند آرہی ہے۔" شینو نے تھائی وانگ اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تیر رہی تھی۔

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ آرام کرو۔" تھائی وانگ نے کہا۔

نرس شینو کے جانے کے بعد ہم چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے دھیمے لہجے میں باتیں کرتے رہے۔ تھائی وانگ جماہیاں لینے لگے اور میرا دماغ بھی نیند سے بوجھل سا ہو رہا تھا۔ میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا اور بستر پر لیٹتے ہی مجھے نیند آگئی۔

صبح تھائی وانگ نے مجھے جھنجوڑ کر جگایا۔ اس وقت آٹھ بجے تھے میں چار بجے کے لگ بھگ سویا تھا۔ چار گھنٹوں میں نیند پوری نہیں ہوگئی تھی۔ اس طرح جگائے جانے پر دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" میں تقریباً چیخ اٹھا تھا۔

"یہ دیکھو۔ یہ کیا ہے؟" تھائی وانگ بولی۔ اس کے لہجے میں خوف محسوس ہوا تھا۔

میں چند لمحے آنکھیں ملتا رہا۔ نظروں کے سامنے کچھ دھند سی تھی۔ تھائی وانگ کے ہاتھ میں دو اخبار تھے۔ ان اخباروں کی ہیڈ لائنز پر نظر پڑتے ہی میں اچھل پڑا۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔

مہاتما بدھ کے مجسمے سے سونے کی چوری کی خبر رات ہی کو بنگلاک میں آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی تھی۔ لوگوں کو یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ یہ واردات ٹائیگر نے اپنے بعض نامعلوم ساتھیوں کے ساتھ مل کر کی تھی۔ لوگوں نے رات ہی کو ہنگامے شروع کردیے تھے۔ ایسے تین نائٹ کلب جلا دیے گئے تھے جن کے بارے میں شبہ تھا کہ وہ ٹائیگر کی ملکیت ہیں۔ پولیس اور شرپسندوں کے درمیان بھرپور جھڑپیں ہوتی رہی تھیں جن میں تین آدمی مارے گئے تھے اور کئی زخمی ہوئے تھے۔

ہنگاموں کے علاوہ بدھ کے مجسمے سے سونے کی چوری کی خبریں بھی نمایاں طور پر شائع کی گئی تھیں۔ میری..... تصویریں بھی چھپی تھیں۔ میں اپنی تصویر کو دیر تک دیکھتا رہا۔ اخبار نے میرے بارے میں بہت کچھ لکھا تھا۔ مجھے ہیرو قرار دیا گیا تھا۔ اگر میں ذہانت سے کام نہ لیتا تو ٹائیگر اور اس کے ساتھی مجسمے سے سارا سونا نکال کر لے جاتے۔ اخبار کی اطلاع کے مطابق ٹائیگر اور اس کے ساتھی مجسمے میں سے تقریباً دس کلو سونا نکال لے گئے تھے۔

"دیکھا..... دیکھا تم نے۔" تھائی وانگ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم اسے چوری کی معمولی واردات سمجھتے تھے۔ رات کو ہنگاموں میں تین آدمی مارے گئے ہیں۔ یہ ہنگامے اور بڑھیں گے اور لوگ مارے جائیں گے۔ لوگ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ٹائیگر اور اس کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتار دیتے۔"

"اصل لوگ ہاتھ نہیں آئیں گے اور بے گناہ مارے جائیں گے۔" میں نے کہتے ہوئے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور بستر سے اٹھ گیا۔

اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد میں تھائی وانگ کے ساتھ بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔ ناشتے کے دوران میں بھی ہماری گفتگو کا موضوع یہی تھا۔ اسی دوران میں مجھے یہ اطلاع ملی کہ شہر میں اس وقت بھی ہنگامے ہو رہے تھے۔ مہاراج اور دوسرے بڑے بڑے راہب لوگوں کو ہنگاموں سے روکنے کے لیے پورے شہر میں پھیل گئے تھے۔

ایک طرف شہر میں ہنگامے ہو رہے تھے اور دوسری طرف ایک اور دلچسپ صورتِ حال دیکھنے میں آئی۔ میں اس وقت تھائی وانگ کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ واٹ کے مرکزی دروازے کی طرف سے شور کی آواز سنائی دی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد کرونگ دوڑتا ہوا ہمارے کمرے میں آگیا۔ اس کے ہاتھ میں آٹو میٹک رائفل تھی اور چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"کیا بات ہے۔ یہ شور کیسا ہے؟" میں نے کرونگ سے پوچھا۔

"واٹ کے سامنے سیکڑوں لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ وہ اپنے اس محسن کو دیکھنا چاہتے ہیں جس نے لارڈ بُدھا کو کٹنے سے بچایا تھا۔" کرونگ نے کہا "میرے ساتھ چلو۔ تمہیں شو فانگ نے بلایا ہے۔"

شو فانگ اس واٹ کا مہتمم تھا۔ میں نے تھائی وانگ کی طرف دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ تھائی وانگ بھی میرے ساتھ جانے کو تیار ہوگئی۔ ہم اندرونی دروازے سے ہوتے ہوئے شو فانگ کے کمرے میں پہنچ گئے۔ شو فانگ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے انداز میں بے چینی اور اضطراب نمایاں تھا۔ اس نے پہلے مجھے اور پھر تھائی وانگ کی طرف دیکھا۔ اس کی نظروں اور چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اسے یہ صورتِ حال پسند

نہیں آئی تھی۔

"باہر کچھ لوگ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "وہ تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے سامنے دیوتا بننے کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ یہاں کچھ اور خرافات شروع ہو جائیں۔ تم صرف دو منٹ ان کے سامنے رکو گے اور واپس چلے آؤ گے اور ان کے سامنے کوئی بھاشن دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ امید ہے تم میری باتوں کا خیال رکھو گے۔"

شوفانگ کی یہ باتیں میرے لیے خلافِ توقع نہیں تھیں۔ جب مجھے اس خانقاہ میں بھیجا گیا تھا' اس سے اگلے ہی روز میں نے شوفانگ کا رویہ محسوس کر لیا تھا۔ یہاں میری تقرری کو شاید وہ اپنے معاملات میں مداخلت سمجھتا تھا لیکن میں نے ان باتوں پر کبھی توجہ نہیں دی تھی اور میرے خیال میں شوفانگ کے دل میں میرے بارے میں کوئی خدشات تھے تو وہ بے بنیاد تھے۔ اتنا عرصہ خانقاہوں میں اور بھکشوؤں کے ساتھ رہتے ہوئے ایک بات میری سمجھ میں آئی تھی کہ یہاں بھی ایک دوسرے کے خلاف سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ ہر شخص اپنا درجہ بڑھانے اور دوسرے کو گرانے کے چکر میں رہتا تھا لیکن میرا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں نہ تو کوئی بھکشو تھا اور نہ ہی اس حیثیت سے کوئی مذہبی مقام حاصل کرنے کی خواہش تھی مگر شوفانگ شاید یہ سمجھتا تھا کہ میں اس کی جگہ لینا چاہتا ہوں لیکن میرے دل میں ایسی کوئی تمنا نہیں تھی۔ میں تو ایک غریب الوطن اور بے سہارا آدمی تھا جو اپنے آپ کو دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر رہا تھا اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے مہاراج جیسے شخص کا سہارا مل گیا تھا۔ میں صرف اپنے آپ کو حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرنا چاہتا تھا۔ اس کے سوا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

میں نے تھائی وانگ کو اشارہ کیا اور کرونگ کے ساتھ شوفانگ کے کمرے سے نکل گیا۔ مختلف راہداریوں میں گھومتے ہوئے جب ہم مرکزی ہال سے نکل کر کمپاؤنڈ میں آئے تو سامنے کا منظر دیکھ کر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ کمپاؤنڈ کے بڑے گیٹ کے سامنے ہزاروں لوگ جمع تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں' مرد بھی اور بچے بھی۔ پھولوں کے گلدستے تقریباً ہر ایک کے ہاتھ میں نظر آرہے تھے۔ گیٹ کے اندر اور باہر بھی مسلح پولیس والے موجود تھے جو لوگوں کو گیٹ سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

کرونگ کے کہنے پر میں ذیلی دروازے سے نکل کر گیٹ کے سامنے پتھر کے ایک چبوترے پر کھڑا ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر لوگوں کا جوش و خروش بڑھ گیا۔ ان کے نعروں سے فضا گونج رہی تھی۔

میرے ساتھ تھائی وانگ بھی تھی اور پولیس والوں نے ہمیں گھیرے میں لے رکھا تھا۔ لیکن لوگ آگے بڑھے چلے آرہے تھے۔ وہ قریب سے مجھے دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی نظروں میں عقیدت تھی۔ اپنے لیے لوگوں کی یہ عقیدت اور یہ جوش و خروش دیکھ کر میرے دماغ میں سنسنی سی ہو رہی تھی۔ میں جسے چھوٹی سی واردات سمجھتا رہا تھا۔ وہ دراصل کوئی معمولی سی واردات نہیں تھی۔ وہ معمولی سی واردات دراصل لارڈ بدھا پر حملہ ناکام بنا کر میں نے ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ میں کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دے رہا ہوں لیکن اب اپنے سامنے یہ جمِ غفیر دیکھ کر مجھے بھی احساس ہونے لگا تھا کہ میں نے واقعی کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا مگر میں نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا تھا۔ اپنا چھوٹا سا فرض ادا کیا تھا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ یہ جو ہجوم تھا' اس کا ذمے دار میں تھا۔ نہ میں اس خانقاہ میں موجود ہوتا نہ داراو غیرہ مجسمے کے سونے کی چوری کا منصوبہ بناتے۔

میرے سامنے چبوترے پر اور اس کے اردگرد گلدستوں کا ڈھیر بلند ہوتا جا رہا تھا۔ لوگ مجھ پر عقیدت کے پھول نچھاور کر رہے تھے۔ صرف پھول ہی نہیں قیمتی چیزیں بھی میرے قدموں میں ڈھیر کر رہے تھے۔ عورتوں نے اپنے زیور اتار کر میرے قدموں میں ڈال دیے تھے۔ مرد اپنی کلائیوں پر بندھی ہوئی گھڑیاں' انگوٹھیاں نذرانے کے طور پر مجھے پیش کر رہے تھے۔

یہ صورتِ حال میرے لیے دلچسپ بھی تھی اور سنسنی خیز بھی۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک معمولی سا کام انجام دے کر لاکھوں دلوں کا محبوب بن جاؤں گا۔

خانقاہ کے مہتمم شوفانگ نے مجھے صرف دو منٹ کا وقت دیا تھا لیکن مجھے اس چبوترے پر کھڑے ہوئے ایک گھنٹا ہو چکا تھا۔ لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ تین چار بھکشو چبوترے کے آس پاس نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے موجود تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ بدھا کے مجسمے والے جنگلے کے قریب کھڑا ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے میں اس کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ میری اس سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ میں اسے کوئی دکھ نہیں پہنچانا چاہتا تھا اس لیے اب میں نے وہاں سے ہٹنے کا فیصلہ کر لیا اور تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"شوفانگ نے مجھے صرف دو منٹ دیے تھے۔ اب ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔"

"میں بھی دیکھ رہی ہوں۔" تھائی وانگ مسکرائی "شوفانگ کا خون جلا رہا ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور۔ کھڑے رہنے دو اسے۔"

"میرا خیال ہے یہ اچھی بات نہیں ہے۔" میں نے کہا "میں نہیں سمجھتا۔ میں بلاوجہ شوفانگ کو ناراض کرنا مناسب نہیں دشمنوں کی تعداد میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔"

"اس میں دشمنی کی کیا بات ہے؟" تھائی وانگ بولی۔

"تم نے اس کی باتوں سے اندازہ نہیں لگایا۔" میں نے جواب دیا "وہ اس واٹ کا مہتمم ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ یہاں اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا مقبولیت حاصل کرے۔ اسے یہ بھی اندیشہ ہے کہ شاید میں اس کے اختیارات چھیننا چاہتا ہوں۔ جبکہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مجھے تو یہاں صرف بھکشوؤں کو مارشل آرٹ کی ٹریننگ دینے کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن مہاراج نے کچھ اضافی ذمے داریاں سونپ دیں۔ یہی بات غالباً شوفانگ کو ناگوار گزری ہے لیکن میں بات کو آگے نہیں بڑھانا چاہتا اور واقعی مجھے ہیرو بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" تھائی وانگ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "اگر تم اس طرح پیچھے ہٹنا چاہتے ہو تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

میں چبوترے سے اترنا ہی چاہتا تھا کہ ایک جوان اور خوب صورت لڑکی لوگوں کے ہجوم کو چیرتی ہوئی آگے بڑھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں ایک بہت بڑا گلدستہ اٹھا رکھا تھا۔ لوگ گلدستے چبوترے پر اور اس کے آس پاس رکھتے ہوئے چلے جا رہے تھے لیکن وہ لڑکی شاید گلدستہ میرے ہاتھ میں دینا چاہتی تھی۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے نیلے رنگ کا منی اسکرٹ اور بلاؤز پہن رکھا تھا۔ عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ میں تھائی وانگ کے ساتھ چبوترے کی سیڑھی کی طرف بڑھ گیا۔

"کھورخاؤ!" وہ لڑکی چیخی "ایکسکیوزمی۔"

میں رک گیا۔ وہ لڑکی لوگوں کو اِدھر اُدھر ہٹاتی ہوئی آگے آگئی اور گلدستہ میری طرف بڑھا دیا۔

"خوب کھن..... شکریہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے گلدستہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اس لڑکی کے چہرے پر اس طرح طمانیت آگئی جیسے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑی میری طرف دیکھتی رہی اور پھر لوگوں کے ہجوم میں راستہ بناتی ہوئی واپس چلی گئی۔

میں تھائی وانگ کے ساتھ چبوترے سے اتر آیا۔ تین چار بھکشو اب بھی وہ چیزیں سمیٹنے میں مصروف تھے جو لوگوں نے میری خدمت میں نذرانے کے طور پر پیش کی تھیں اور اِدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں۔

گیٹ کے ذیلی دروازے کے دائیں بائیں دو مسلح پولیس والے کھڑے تھے۔ قریب سے گزرتے ہوئے میں نے وہ گلدستہ ایک پولیس والے کے ہاتھ میں دے دیا جسے اس نے آہنی جنگلے کی سلاخوں میں پھنسا کر اٹکا دیا۔ گیٹ کے سامنے اب بھی سیکڑوں لوگ جمع تھے۔

میں سونے کے مجسمے والے جنگلے کے قریب سے گزرا تو وہاں کھڑا ہوا شوفانگ بڑی ناگوار سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ تھائی وانگ تو اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی تھی مگر میں نے چہرے سے کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔

ہم دونوں خانقاہ والے حصے سے نکل کر رہائشی حصے کی طرف آگئے اور پھر اسی وقت وہ کان پھاڑ دینے والا دھماکا سنائی دیا جو میرے قدم لڑکھڑا گئے۔ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کے باوجود میں کر سکا اور نیچے گرا۔ تھائی وانگ بھی گر چکی تھی۔

دھماکے کے فوراً ہی بعد آہ و بکا اور چیخوں کا شور سنائی دینے لگا۔ میرے حواس مختل ہو گئے تھے۔ کانوں میں سائیں سائیں کی آوازیں گونج رہی تھیں جیسے تیز آندھی چل رہی ہو۔ ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ چند لمحوں تک تو میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ ہوا کیا ہے۔ میں اچانک میں جیسے ہوش میں آگیا۔ چیخوں کی آوازیں میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھائی وانگ زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ خوف و دہشت سے اس کی آنکھیں پھٹی پڑ رہی تھیں۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ میرے پیچھے مت آنا۔" میں چیخا ہوا خانقاہ کی طرف دوڑا۔

ایک عجیب قیامتِ صغرا کا منظر میرے سامنے تھا۔ کیا زخمی تین چار بھکشو فرش پر پڑے تڑپ رہے تھے۔ گیٹ کے پاس تین پولیس والوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور ذیلی دروازے کے قریب جو دو پولیس والے کھڑے تھے ان کے جسموں کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ جسمانی اعضا اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ گیٹ کے باہر بھی کچھ لاشیں پڑی تھیں۔ ان میں دو بھکشوؤں اور..... گیارہ سال کے ایک بچے کی لاش بھی تھی۔

کچھ دیر پہلے یہاں بڑا روح پرور منظر تھا۔ بدھ کے عقیدت مند اپنے محسن کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے پُرجوش نعرے لگا رہے تھے۔ مذہبی گیت گا رہے تھے مگر اب چیخم دھاڑ مچی ہوئی تھی۔ آہ و بکا کی آوازیں تھیں۔ عجیب افراتفری تھی۔ سیکڑوں لوگ بھاگنے کی کوشش میں ایک دوسرے کے اوپر گر پڑے تھے۔

ہر طرف خون ہی خون بکھرا ہوا تھا۔ گوشت کے لوتھڑے دیواروں سے چپکے ہوئے تھے جن سے خون ٹپک رہا تھا۔ گیٹ کھلے طور پر تباہ ہو گیا تھا۔ سونے کے مجسمے والے جنگلے کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ شوفانگ جنگلے کے قریب فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے ایک بازو سے خون بہہ رہا تھا۔

یہ روح فرسا منظر دیکھ کر میں کانپ اٹھا۔ جو محافظ اور پولیس والے زخمی ہونے سے بچ گئے تھے، انہیں اس خوف ناک سانحے نے ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔ میری طرح شاید ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا تھا اور پھر اچانک ایک بھکشو چیخ اٹھا۔ یہ کرونگ تھا۔

"لوگوں کو یہاں سے ہٹاؤ۔ زخمیوں کو اٹھاؤ۔ وہ مر رہے ہیں۔"

کرونگ بھی زخمی تھا لیکن اس نے اپنے حواس بحال رکھے

دوسرے محافظ اور پولیس والے بھی حرکت میں آگئے۔ میں بھی شریک ہو گیا اور ہم زخمیوں کو اٹھانے لگے اور پھر کچھ ہی دیر بعد باہر سے سائرن کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لگتا تھا جیسے ساری پولیس کاروں اور ایمبولینسوں نے اس طرف کا رخ کر لیا ہو اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس کے اردگرد کے علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ امدادی پارٹیوں نے کام شروع کر دیا۔ لاشوں اور زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر ایمبولینسوں میں ڈالا جانے لگا۔

ایک بار پھر شہر کی تمام خانقاہوں کے راہب اور پولیس کے اعلیٰ افسران پہنچ گئے۔ صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ مجھے بم سے اڑانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ماہرین نے یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ وہ بم کس جگہ پر پھٹا تھا۔

میری نظروں کے سامنے نیلے لباس والی اس خوب صورت لڑکی کا چہرہ گھوم گیا جس نے سب سے آخر میں مجھے گلدستہ دیا تھا اور وہ گلدستہ میں نے ذیلی دروازے کے قریب کھڑے ہوئے ایک پولیس کانسٹیبل کو تھما دیا تھا جسے اس نے جنگلے کی سلاخوں میں پھنسا دیا تھا۔ بم اس گلدستے میں تھا۔ سب سے زیادہ وہی جگہ متاثر ہوئی تھی اور اس ذیلی دروازے کے قریب کھڑے ہوئے دونوں پولیس والوں کے جسموں کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

ایک ایک لمحہ میری نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ نیلے لباس والی وہ خوب صورت لڑکی کس طرح ہجوم کو چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس نے مجھے آواز دے کر روکا تھا اور گلدستہ میرے ہاتھ میں دینے کے بعد اس کے چہرے پر طمانیت سی آگئی تھی۔ وہ پلاسٹک کے ایک خوب صورت گلدان میں تھا۔ مجھے وہ گلدستہ دوسرے گلدستوں کی نسبت قدرے وزنی محسوس ہوا تھا لیکن اس وقت میں نے خیال نہیں کیا تھا اور اب بات سمجھ میں آرہی تھی کہ اس لڑکی نے وہ گلدستہ خاص طور پر میرے ہاتھ ہی میں کیوں دیا تھا۔ اس گلدستے میں بم چھوٹا مگر نہایت طاقت ور ہتھیار تھا۔

اگر وہ گلدستہ چند منٹ اور میرے ہاتھ میں رہتا تو میرے جسم کے پرخچے اڑ جاتے۔ لیکن قسمت نے ایک بار پھر میرا ساتھ دیا تھا۔ میں بچ گیا تھا مگر کئی بے گناہ مارے گئے تھے۔

مہاراج بھی صورتِ حال کو سمجھ گئے تھے۔ اس وقت وہاں بڑے بڑے راہبوں میں یہ بحث بھی چھڑ گئی تھی کہ یہ مذہبی جنگ ہے یا بدھ کے مجسمے سے سونا چرایا گیا اور پھر واٹ میں یہ خون خرابہ لیکن مہاراج وانگ دنگ پائے بڑی مشکل سے ان راہبوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ یہ کوئی مذہبی جنگ نہیں ایک دہشت گرد گروہ کی مجرمانہ سرگرمیاں ہیں۔ جو صرف اور صرف مجھے ہی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ گلدستہ خاص طور پر میرے ہاتھ میں دیا گیا تھا تاکہ میری زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

اس واٹ کو دور دور تک پولیس کی بھاری نفری نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ واٹ کے نیچے نالے میں بھی پولیس کی بھاری نفری موجود تھی۔ شام تک وہاں سے ملبا ہٹا دیا گیا اور خون میں لت پت دیواریں اور فرش بھی دھو دیا گیا۔

شام کو میں تھوڑی دیر کے لیے تھائی وانگ کے پاس آگیا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور بڑی نڈھال سی لگ رہی تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ آئی تھی جس سے اس کی طبیعت مزید خراب ہو گئی تھی۔ شینو نام کی وہ نرس اپنے کام کے سلسلے میں بڑی فرض شناس واقع ہوئی تھی۔ اس نے بڑی مہارت سے تھائی وانگ کو سنبھال رکھا تھا۔

صبح ناشتے کے بعد سے اب تک میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس صورتِ حال میں کھانے پینے کا ہوش ہی کسے رہا تھا۔ تھائی وانگ اور شینو بھی بھوکی بیٹھی رہی تھیں۔ اس وقت شینو نے عقل مندی یہ کی کہ کچن سے چائے بنوانے کے علاوہ کھانے پینے کی کچھ چیزیں بھی لے آئی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد میں دوبارہ واٹ میں آگیا جہاں مہاراج کے علاوہ چند اور راہب بھی موجود تھے۔ بم دھماکے سے خانقاہ کی بجلی اور ٹیلی فون کی لائنیں بھی متاثر ہوئی تھیں جنہیں درست کر دیا گیا تھا اور اس وقت کچھ ایسے ماہرین بھی موجود تھے جو اس بات کا جائزہ لے رہے تھے کہ مہاتما بدھ کے سونے کے مجسمے کو کھلی جگہ سے ہٹا کر مرکزی ہال میں کس جگہ رکھا جائے۔

رات دس بجے کے قریب میں کمرے میں آیا تو مہاراج بھی میرے ساتھ تھا۔ تھائی وانگ مہاراج کو دیکھ کر بیٹھ گئی۔ مہاراج کے کھانے کا بندوبست بھی وہیں کر دیا گیا تھا۔ ہم تینوں بلکہ چاروں نے وہیں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ نرس شینو بھی ہمارے ساتھ تھی کھانے کے بعد شینو کو وہاں سے ہٹا دیا گیا اور مہاراج مجھ سے وہ باتیں کرنے لگا جو دوسروں کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تمام صورتِ حال تمہارے سامنے ہے۔" مہاراج کہہ رہا تھا "تم نے ان کا سونے کی چوری والا منصوبہ ناکام بنا دیا تھا۔ یہ اس کا ردِعمل ہے کہ آج تمہیں بم سے اڑا دینے کی کوشش کی گئی لیکن ہمیشہ کی طرح تم اس مرتبہ بھی بچ گئے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ تم سچائی پر ہو اور سچائی کو کبھی شکست نہیں دی جا سکتی لیکن اس کے ساتھ ہی تمہارے لیے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ تم پر پہلے سے زیادہ شدت سے حملے ہوں گے اور کل رات سے اب تک جو صورتِ حال سامنے آئی ہے، اس سے میں نے یہ بھی اندازہ لگایا ہے کہ اندرونی طور پر بھی تمہارے خلاف کچھ سازش ہو رہی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہاں تمہیں کوئی نقصان پہنچے اس لیے میں نے فوری طور پر تمہیں یہاں سے ہٹانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"مجھے اپنے خلاف اس اندرونی سازش کا کچھ اندازہ ہو رہا ہے۔" میں نے مہاراج کے خاموش ہونے پر مسکراتے ہوئے کہا

"شوفانگ کو مجھ سے جو نفرت پیدا ہوگئی ہے اس کی ایک جھلک میں نے آج صبح اس کی آنکھوں میں دیکھ لی تھی اور آج شام کو تو اس نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ اس واٹ میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کا ذمے دار میں ہوں۔ وہ کھل کر تو نہیں کہہ سکا لیکن اس کی خواہش ہے کہ میں جلد سے جلد یہاں سے چلا جاؤں۔"

"شوفانگ کینہ پرور آدمی ہے۔" مہاراج نے کہا "لارڈ بُدھا کی تعلیمات ہمیں ایک دوسرے سے محبت اور رواداری کا درس دیتی ہیں لیکن تم شاید ابھی ان باتوں کو نہ سمجھ سکو۔ سیاست کی طرح مذاہب میں بھی دھوکا' ریاکاری' فریب اور منافقت پیدا ہو چکی ہے۔ کسی ایک ہی فرقے کے مذہبی پیشوا ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے موقع کی تاک میں رہتے ہیں۔ یہی سب کچھ ہمارے ہاں بھی ہو رہا ہے۔ بعض اندرونی سازشیں ہمارے اس مذہب کو کمزور کر رہی ہیں۔ اگر تم مطالعہ کرو گے تو تمہیں پتا چلے گا کہ لارڈ بُدھا نے ہندومت کو ترک کرکے اس مذہب کی بنیاد رکھی تھی جس کا مقصد سچائی اور رواداری کا پرچار ہے۔ لارڈ بُدھا کی تعلیمات قتل' چوری' زنا' جھوٹ' نشہ' عیش و عشرت اور دنیاوی جاہ و حشم کی طلب سے روکتی ہیں لیکن آج یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ریاضت' فاقہ کشی اور ریاکاری کو اس نے اپنا وتیرہ بنا لیا ہے۔ وہ بظاہر تو بھکشو ہے لیکن رئیسوں جیسی زندگی بسر کرتا ہے۔ اس نے اپنے کمرے کو عشرت کدہ بنا رکھا ہے۔ وہ سازشی ذہن کا مالک ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ خود تمہارے خلاف کچھ نہیں کر سکتا لیکن لالچ میں آکر کسی کا آلۂ کار بن سکتا ہے اس لیے میں نے تمہیں یہاں سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہاں رہتے ہوئے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ ویسے بھی تمہاری تربیت کا کچھ حصہ باقی ہے اور میں چاہتا ہوں اس دوران میں تم اپنی وہ تربیت بھی مکمل کرلو۔"

"اب مجھے کہاں جانا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"میرے آدمی تمہیں لینے کے لیے آدھی رات کے بعد پہنچ جائیں گے۔" مہاراج کہتے ہوئے اٹھ گئے۔

اور جب میں نے ان کے لیے کمرے کا دروازہ کھولا تو باہر گیلری میں دروازے کے قریب ہی ایک بھکشو کو دیکھ کر چونک گیا۔ نجانے مجھے یہ احساس کیوں ہو رہا تھا کہ وہ چھپ کر ہماری باتیں سن رہا تھا لیکن پھر یہ خیال ذہن سے نکال دیا۔ کسی کو چھپ کر ہماری باتیں سننے کی کیا ضرورت تھی اور پھر یہ بھکشو تو میرا شاگرد تھا' وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے ہم دونوں کو دیکھ کر بو کیا اور مؤدبانہ انداز میں ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

مہاراج کے جانے کے بعد میں دوبارہ تھائی وانگ کے کمرے میں آگیا۔ نرس شینو اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ تھائی وانگ نے اپنے کپڑے اور دوائیں وغیرہ ایک بیگ میں پیک کرلی تھیں۔ میں بھی اپنا بیگ پیک کرکے اس کمرے میں لے آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد نرس شینو بھی اپنا بیگ لے کر اس کمرے میں آگئی۔ تھائی وانگ اگرچہ اب پہلے سے بہت بہتر تھی۔ وہ دوائیں خود استعمال کرسکتی تھی۔ اب اگرچہ اسے نرس کی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ مہاراج نے اس سلسلے میں کوئی خاص ہدایت نہیں دی تھی اس لیے اگر شینو ہمارے ساتھ جاری رہتی تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

رات دو بجے مہاراج کے آدمی ہمیں لینے کے لیے پہنچ گئے۔ ان میں ایک گانگ تھا اور دوسرا چیانگ۔ موخرالذکر پہلے بھی آیا تھا۔ گانگ کو دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ جان پہچان کا آدمی تو ہے۔

عقبی گلی والے دروازے کے سامنے سیاہ رنگ کی ایک وین کھڑی تھی۔ ہم تینوں کو وین کے پچھلے حصے میں بٹھا دیا گیا۔ چیانگ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور گانگ اس کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔

شہر کی سڑکیں سنسان تھیں۔ کسی سڑک پر کوئی اِکّا دُکّا گاڑی نظر آجاتی۔ چیانگ وین کو مختلف سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔ میرا خیال تھا وہ اس بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ تعاقب تو نہیں ہو رہا پھر مطمئن ہو کر اس نے گاڑی ایک کشادہ سڑک پر موڑ لی۔ یہی سڑک آگے جا کر ہائی وے تھری سے جا ملتی تھی۔ چند کلومیٹر ہائی وے پر مشرق کی طرف سفر کرنے کے بعد وین جنوب کی طرف ایک اور ہائی وے پر مڑ گئی۔

سڑک کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں جن پر سبزے اور درختوں کی بہتات تھی۔ تقریباً دو گھنٹے اس ہائی وے پر سفر کرنے کے بعد وین پہاڑیوں میں ایک اور تنگ سی سڑک پر مڑ گئی۔ یہ کوئی باقاعدہ سڑک نہیں تھی۔ ایک تنگ سا پتھریلا راستہ تھا جو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں بل کھاتا ہوا چلا گیا تھا۔ وین کی رفتار بہت ہلکی تھی اور پھر تقریباً چالیس منٹ بعد وین ایک جگہ رک گئی۔ گانگ اشارہ کرتا ہوا نیچے اتر گیا۔ شینو اور تھائی وانگ اونگھ رہی تھیں۔ میں نے جھنجوڑ کر دونوں کو جگا دیا اور ہم نیچے اتر آئے۔ وین کے قریب کھڑا اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اوپر کسی جگہ مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی۔

وہ پہاڑی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ اوپر چڑھنے کے لیے ایک تنگ سا راستہ تھا جو چٹان کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ چیانگ آگے آگے اس کے پیچھے شینو' تھائی وانگ اور میں۔ آخر میں گانگ تھا۔ اس نے کندھے پر آٹومیٹک رائفل لٹکا رکھی تھی۔ اس تنگ سے راستے کا اختتام تقریباً دو سو فٹ اوپر ایک مسطح جگہ پر ہوا تھا۔ یہ خاصا وسیع میدان تھا جس کے ایک طرف کوئی کاٹیج یا مکان تھا۔ ایک دو کھڑکیوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ روشنی جو نیچے سے نظر آتی تھی اس تنگ سے راستے کے اختتام پر ایک بلب کی تھی جو شاید راستے کی نشان دہی کے لیے جلایا گیا تھا۔

چیانگ برآمدے میں پہنچ کر دروازے کو زور زور سے دھڑ دھڑانے لگا۔ دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ وہ ایک دبلی پتلی جوان لڑکی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں میں نیند کی خماری تھی۔ وہ غالباً سو رہی تھی اور دروازہ دھڑ دھڑانے کی آواز پر جاگ گئی تھی۔

"دروازہ آرام سے نہیں کھٹکھٹا سکتے تھے۔ تمہیں کال بیل کا بٹن نظر نہیں آیا تھا۔" لڑکی کے لہجے میں ناگواری تھی۔ وہ گانگ کو مخاطب کر رہی تھی۔

"دوسری مس بٹرفلائی۔" گانگ نے معذرت آمیز لہجے میں کہا "رات کا آخری پہر ہے' میں سمجھا تھا تم گہری نیند سو رہی ہوگی۔ اس لیے۔"

"ٹھیک ہے۔" مس بٹرفلائی نے اس کی بات کاٹ دی "اب اندر آگئے ہو یا باہر ہی کھڑے باتیں کرتے رہو گے۔"

ہم اندر آگئے۔ رات کی تاریکی میں باہر سے اس مکان کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا لیکن اندر سے یہ خاصا کشادہ مکان غالباً پانچ چھ کمرے تھے۔ ایک وسیع و عریض ہال اس کے علاوہ مس بٹرفلائی نے اندر آکر ساری بتیاں جلا دی تھیں۔ میں نے ہال کی ایک دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے پانچ بجنے والے تھے۔

"جو کمرا پسند آئے قبضہ کرلو۔" گانگ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ اندر بیڈ پر ایک ادھیڑ عمر عورت سو رہی تھی۔ میں نے وہ دروازہ بند کردیا اور دوسرے کمرے میں آگیا اور اپنا بیگ ایک کرسی پر پھینک دیا۔ تھائی وانگ اور شینو نے بھی ایک ایک کمرے پر قبضہ کرلیا تھا۔

صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ تب پتا چلا کہ گانگ اور چیانگ یہاں سے جا چکے تھے۔ دوسرے کمروں میں دو دوسرے آدمی دکھائی دیے تھے۔ ان میں سے کسی کی عمر بھی تیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ ایک کلین شیو تھا۔ دوسرے کی گھنی مونچھیں چوہے کی دم کی طرح ہونٹوں کے کناروں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ دونوں کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ ایک نے ہیڈ بینڈ سے بالوں کو پیچھے باندھ رکھا تھا اور دوسرے کے بال گردن پر بکھرے ہوئے تھے۔ پیشانی پر بالوں کو روکنے کے لیے ہیڈ بینڈ لگایا ہوا تھا۔ دونوں نے ہوائی قمیص اور جینز پہن رکھی تھیں۔ اپنے حلیوں سے وہ ٹرک چھاپ غنڈے ہی لگتے تھے۔ میں جب سے مہاراج کی رہائش گاہ پر آیا تھا ایسے ہی لوگوں سے واسطہ پڑتا رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ ان کے لوگ بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔

مس بٹرفلائی کے ساتھ دوسری ادھیڑ عمر عورت میں بھی بڑی کشش تھی۔ ہمارے لیے ناشتا اسی نے بنایا تھا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ انہیں ہمارے بارے میں پہلے ہی سے بتا دیا گیا تھا۔ باہر بیٹھے ہوئے ان دونوں آدمیوں کے بارے میں تو میں سمجھ گیا تھا کہ انہیں ہماری حفاظت کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن مس بٹرفلائی اور مس رتانا نے اپنے بارے میں بتانے سے گریز کیا تھا۔

وہ مسلح میدان فٹ بال گراؤنڈ کے برابر تھا۔ وہ مکان بھی خاصا بڑا تھا۔ اس سے ذرا ہٹ کر دو یا تین کمروں پر مشتمل ایک اور کاٹیج تھا۔ اس میدان کے چاروں طرف گنجان درخت تھے جو گویا چار دیواری کا کام دے رہے تھے۔ ایک راستہ وہ تھا جس طرف سے ہم آئے تھے اور دوسرا راستہ اس چٹان کے دوسری طرف تھا۔ یہ راستہ خاصا کشادہ تھا اور اس سے گاڑی بھی آسکتی تھی۔ اوپر لوہے کے پائپوں کا گیٹ لگا ہوا تھا۔ اس قسم کا گیٹ چٹان کے دامن میں بھی تھا تاکہ کوئی غیر متعلق گاڑی اس راستے پر نہ آسکے۔ چٹان کے دوسری طرف نشیب میں تقریباً دو میل کے فاصلے پر دور تک چان بوری شہر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ سمندر کا ساحل تھا جو خم کھاتا ہوا اس چٹان کے دوسری طرف تقریباً دو سو گز کے فاصلے سے جنوب کی طرف چلا گیا تھا۔

بڑی خوب صورت جگہ تھی اور محفوظ بھی۔ مہاراج نے اسی لیے صرف دو آدمیوں کو یہاں بھیجا تھا۔ بجلی کے علاوہ یہاں ٹیلی فون کی لائن بھی موجود تھی۔ اس روز ناشتا کرنے کے بعد ہم اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔ دونوں محافظ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے ہمارے پیچھے آنے کی کوشش نہیں کی تھی البتہ ان کی نظریں ہمارا تعاقب کرتی رہی تھیں۔

دوپہر سے کچھ دیر بعد ایک بوڑھا آدمی بھی وہاں پہنچ گیا۔ میرے خیال میں اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دُبلا پتلا سا۔ ٹھوڑی پر چند بال جنہیں داڑھی کہا جا سکتا تھا۔ چند بال ہونٹوں کے کناروں پر بھی تھے جن پر مونچھوں کا شائبہ ہوتا تھا۔ اس کا نام پکولا تھا اور یہ عجیب سا نام تھا۔ جبکہ حلیے کے اعتبار سے میرے خیال میں اس کا نام نیولا ہونا چاہیے تھا۔ وہ اس تنگ سے راستے سے آیا تھا جس راستے سے رات کو ہم آئے تھے۔ چٹان پر چڑھتے ہوئے ہمارا تو سانس پھول گیا تھا لیکن وہ بالکل تازہ دم لگ رہا تھا جیسے اس بلندی کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا ہو۔

پکولا کو مہاراج نے یہاں بھیجا تھا تاکہ میری تربیت کا اگلا مرحلہ مکمل ہو جائے اور وہ مرحلہ تھا چھری کی پریکٹس۔ اور اگلے روز میری پریکٹس شروع ہوگئی۔ مجھے صبح سویرے ہی جگا دیا گیا اور پکولا مجھے چھری کے بارے میں لیکچر دینے لگا۔

چھری ہر جاندار کے اندر وہ پوشیدہ قوت ہے جسے اگر دریافت کرلیا جائے تو ناقابلِ یقین قوت کا ایسا خزانہ حاصل کیا جا سکتا ہے جس کی

خواہش سب ہی لوگ کرتے ہیں۔ ایک کمزور ترین آدمی اپنے سے کئی گنا طاقت ور آدمی کی ہڈیوں کا سرمہ بنا سکتا ہے۔ آنکھوں میں وہ پُراسرار قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ نظروں کے اشارے پر بڑی سے بڑی اور وزنی چیز کو اس کی جگہ سے ہلایا جاسکتا ہے۔ دماغی قوت ایسے ایسے کارنامے انجام دیتی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن آج تک دنیا میں بہت کم لوگ اپنے اندر چی کی یہ پُراسرار قوت بیدار کرسکے ہیں کیونکہ اس کے لیے بڑی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔

چی کی قوت کا اندازہ سانپ سے لگایا جاسکتا ہے۔ سانپ.... زمین پر رینگنے والا معمولی سا کیڑا۔ جس کا جسم اس قدر کمزور ہوتا ہے کہ اسے آسانی سے مسلا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے اندر چی کی یہ پُراسرار قوت موجود ہے اور وہ اس سے کام لیتا ہے۔ سانپ کے زہر سے قطع نظر، سانپ اگر بھاری بھرکم اور طاقت ور پہلوان کی ٹانگ سے لپٹ جائے تو ٹانگ کی ہڈی توڑ دیتا ہے۔

انسان میں بھی چی کی یہ پُراسرار قوت بدرجہ اتم موجود ہے لیکن ننانوے فی صد لوگ اس سے واقف ہی نہیں ہیں اور جو واقف ہیں، وہ اسے بیدار کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور جو کوشش کرتے ہیں ان میں لاکھوں میں ایک ایسا ہوگا جسے کامیابی نصیب ہوتی ہو۔

پکولا مجھے بتا رہا تھا کہ چی کی اس پُراسرار قوت کو کس طرح اندر سے ابھارا جاتا ہے۔ اس نے مجھے یوگا کے ایک اسٹائل میں بٹھا دیا۔ آلتی پالتی مار کر۔ دونوں ہاتھ سامنے گھٹنوں پر اور کمر بالکل سیدھی، گردن اکڑی ہوئی۔ وہ خود بھی اسی پوسچر میں تھا اور مجھے مخصوص انداز میں سانس لینے کو بتا رہا تھا۔

مارشل آرٹس کی تربیت کے دوران میں بہت سی کٹھنائیاں برداشت کرچکا تھا لیکن اس پوزیشن میں تو آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں بیٹھ سکا۔ میری تختے کی طرح اکڑی ہوئی کمر خود بخود جھکنے لگی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ ابھی میری یہی تربیت جاری تھی۔ ابھی میرا پوسچر پرفیکٹ نہیں ہوسکا تھا۔ اس سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر یہ تربیت کس قدر کٹھن ثابت ہوگی۔

اس روز شام کو ٹریننگ ختم ہونے کے بعد میں نے ایک سوال کیا تو پکولا نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"آج کے دور میں تو میں کسی کے بارے میں نہیں جانتا۔ اٹھارہ بیس سال پہلے امریکا کے چیمبرلین نامی قصبے میں کیری نام کی ایک ایسی لڑکی موجود تھی جو اس قسم کی پُراسرار قوتوں کی مالک تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر کیری کے بارے میں بتانے لگا۔

کیری کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا۔ باپ جرائم پیشہ، شرابی اور جواری تھا۔ ماں کٹر قسم کی مذہبی عورت تھی۔ کیری کے باپ کا انتقال ہوا تو وہ اس وقت صرف تین سال کی تھی۔ بدصورت ہونے کے ساتھ اسے دوسری محرومیوں کا بھی احساس تھا جس نے اس چھوٹی سی عمر میں ہی اسے چڑچڑا بنا دیا تھا۔ ہم عمر بچوں سے زیادہ بدمزاج اور چڑچڑی تھی۔ وہ معمولی معمولی باتوں پر چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیتی۔ ہر وقت منہ پھلائے رکھتی۔ ہر کسی سے لڑنے کو تیار رہتی۔ ہر کسی کو پلٹ کر جواب دیتی۔

چی کی یہ پُراسرار قوت ہر انسان کے اندر موجود ہوتی ہے لیکن اسے حاصل کرنے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ پُراسرار قوت کیری میں بھی تھی لیکن کیری کو اس کے لیے کوئی محنت نہیں کرنی پڑی۔ اسے یہ قوت خود بخود حاصل ہوگئی تھی اور اس کا ظہور بھی محض اتفاق سے ہوا تھا۔

اس روز وہ اپنی ماں کے ساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اس سے تھوڑی دیر پہلے وہ اپنی ماں کے ہاتھوں بری طرح پٹ چکی تھی۔ چائے پیتے ہوئے کیری کے دل میں خواہش ابھری کہ کاش اس کی ماں کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھوٹ جائے اور اس کے کپڑوں کا بیڑا غرق ہوجائے۔ اس نے کپ کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے چائے کا کپ ماں کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اس کے نئے کپڑوں کا ستیاناس ہوگیا۔

کیری چونک گئی۔ اس کی خواہش پوری ہوگئی۔ اسے احساس ہوگیا کہ اس کی آنکھوں میں کوئی ایسی قوت موجود ہے جس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتی ہے۔ وہ اس قوت کو ابھارنے کے لیے پریکٹس کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں اتنی قوت پیدا ہوچکی تھی کہ وہ اپنی نظروں سے بھاری سے بھاری چیز کو اس کی جگہ سے کئی فٹ اوپر اٹھا دیتی۔ بھاری مسہری کو ہاتھ لگائے بغیر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتی۔

اور پھر کیری کو اپنے اندر موجود ایک اور پُراسرار قوت کا احساس ہوا۔ یہ قوت اس کے دماغ میں تھی۔ وہ اپنی سوچ سے ایسے کام لے سکتی تھی جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایک روز ماں سے ڈانٹ پڑی تو اس نے اپنی سوچ سے کام لے کر اپنے مکان کی چھت پر پتھروں کی بارش کروا دی۔ لطف کی بات تو یہ تھی کہ پڑوس کے کسی مکان پر ایک پتھر بھی نہیں گرا تھا۔

کیری کی یہ صورتِ حال لوگوں سے چھپی نہیں رہ سکی۔ کیری کے بارے میں عجیب و غریب افواہیں پھیلنے لگیں۔ نفسیات اور مختلف علوم کے ماہرین چیمبرلین نامی اس قصبے میں پہنچنے لگے۔ کیری کے طبی معائنے اور نفسیاتی تجزیے ہوتے رہے لیکن ماہرین کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔

کیری جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی، اس کی اس پُراسرار قوت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ بدصورت ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں اس کا مذاق اڑاتے۔ اسکول میں بھی وہ اس مذاق کا نشانہ بنتی رہتی جس سے اس کے دل میں دوسروں کے لیے نفرت بڑھتی رہی۔

۱۹۷۹ء میں اسکول کی سالانہ تقریب تھی۔ بہت بڑا ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کیری اسٹیج پر تھی۔ اسے اسکول کی طرف سے بہت بڑا اعزاز ملنے والا تھا۔ دوست اس کا مذاق اڑا رہے تھے اور جب ایک لڑکے نے اس پر رنگ کی بالٹی انڈیل دی تو اس کی برداشت جواب دے گئی۔ کیری نے اپنے اندر کی اس پُراسرار قوت کو بھرپور انداز میں استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس کے خیال میں اب وقت آگیا تھا کہ قصبے کے لوگوں سے اپنی توہین کا بدلہ لیا جائے۔

ہال میں لاتعداد آرائشی بتی قمقمے لگے ہوئے تھے۔ کیری نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ بجلی کے تار ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ ایک کونے میں آگ لگی تو کھلبلی مچ گئی۔ لوگ بدحواس ہو کر دروازوں کی طرف دوڑے لیکن تمام دروازے بند ہوگئے۔ آگ پھیل رہی تھی۔ چیختے چلاتے ہوئے لوگ بدحواسی میں ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

کیری ایک دروازے کے سامنے پہنچی تو دروازہ خود بخود کھل گیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی باہر آگئے لیکن پھر فوراً ہی دروازہ بند ہوگیا۔ ہال میں آگ پھیلتی جارہی تھی۔

آگ نے عمارت کو پوری طرح لپیٹ میں لے لیا۔ لوگ دروازے اور کھڑکیاں توڑ کر باہر نکل رہے تھے۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی اس کی طرف دوڑ رہی تھیں۔

کیری کی نفرت نقطۂ عروج پر تھی۔ اس کی نظریں اور دماغی قوت پوری طرح کام کررہی تھی۔ اسکول کی عمارت کے آس پاس تمام ہائیڈرنٹ ٹوٹ گئے تھے۔ پانی سڑکوں پر پھیل رہا تھا۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کو آگ بجھانے کے لیے پانی نہیں مل سکا۔ آگ دوسری عمارتوں تک پھیل گئی تھی۔

پورے قصبے میں بجلی کے تار ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ پانی کی پائپ لائنیں پھٹ گئی تھیں۔ آگ اور پانی.... قصبے کی سڑکوں پر پانی تھا اور آگ عمارتوں کو لپیٹ میں لے رہی تھی۔ قیامتِ صغرا کا منظر تھا۔ چیختے چلاتے ہوئے لوگ پناہ کی تلاش میں ادھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ آس پاس کے قصبوں میں فائر بریگیڈ کی گاڑیاں طلب کرلی گئی تھیں مگر آگ پھیلتی گئی۔

چیمبرلین قصبہ راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ ساٹھ افراد موت کا شکار ہوئے تھے اور سیکڑوں زخمی ہوئے تھے۔ قصبے سے کچھ دور ایک ٹیلے پر کیری کی لاش بھی ملی تھی۔ اس کی موت دماغ کی نس پھٹ جانے سے واقع ہوئی تھی۔

"چی کی قوت بڑی خوف ناک ہے۔" پکولا کہہ رہا تھا۔ "کیری نے یہ قوت خود بخود ابھر کر آئی تھی لیکن اس نے اسے منفی انداز میں استعمال کیا۔ جس نے ایک قصبے کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا لیکن اگر اس قوت کو مثبت انداز میں استعمال کیا جائے تو اس سے بڑے بڑے کام لیے جاسکتے ہیں۔"

میری تربیت کا سلسلہ جاری رہا۔ جب میں سانس روک کر بیٹھتا تو بعض اوقات یوں لگتا جیسے پھیپھڑے پھٹ جائیں گے۔ اب میں پینتیس چالیس منٹ تک بالکل سیدھا بیٹھ سکتا تھا۔

اس دوران میں مجھے یہ بھی اطلاع ملی کہ شونانگ کو واٹ سے نکال دیا گیا تھا۔ وہ اس واٹ کا مہتمم تھا۔ یہاں لاکھوں ڈالر کے نذرانے جمع ہوتے تھے اور ان سب کا حساب رکھنا اس کی ذمے داری تھی۔ واٹ میں رونما ہونے والے ان واقعات کے بعد واٹ کا حساب بھی چیک کیا گیا تو بڑی بے قاعدگیوں کا انکشاف ہوا۔ جس بنا پر اسے واٹ سے نکال دیا گیا تھا۔

مزید ایک ہفتہ گزر گیا۔ تھائی وانگ اب پوری طرح صحت یاب ہوچکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پہلے جیسی چمک اور رخساروں پر سرخی آگئی تھی۔

اس روز شام کے کچھ بعد ہم برآمدے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ گھاٹی والے راستے سے دو آدمی اوپر آگئے۔ ان کے حلیے بھی ہمارے ان دو آدمیوں سے مختلف نہیں تھے جو پہلے سے یہاں موجود تھے۔ ان میں سے ایک کو میں نے پہچان لیا۔ وہ رنگونی تھا۔ اسے میں نے عرصہ پہلے مہاراج کے جمنازیم میں دیکھا تھا۔

"مہاراج نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو فوری طور پر یہاں سے ہٹا کر دوبارہ بنکاک پہنچا دیا جائے۔" رنگونی نے مجھے بوکرتے ہوئے کہا۔

"آج صبح فون پر مہاراج سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے تو ایسا کوئی پروگرام نہیں بتایا تھا۔" میں نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ پروگرام اچانک ہی بنا ہے۔" رنگونی نے جواب دیا "دراصل ٹائیگر کو تمہارے اس ٹھکانے کا پتا چل گیا ہے۔ وہ آج رات کسی وقت یہاں حملہ کرسکتے ہیں اس لیے تم لوگوں کو یہاں سے ہٹانا بہت ضروری ہے۔ اگر تمہیں مجھ پر کوئی شبہ ہو تو فون پر مہاراج سے تصدیق کرسکتے ہو۔"

میں چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کمرے میں آگیا جہاں فون رکھا ہوا تھا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر نمبر ملانا چاہا تو پتا چلا کہ فون ڈیڈ ہے۔ میں نے دو تین مرتبہ کریڈل ٹیپ کیا لیکن لائن میں جان پیدا نہیں ہوئی۔ میں ریسیور رکھ کر باہر آگیا اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم رنگونی کے ساتھ اس تنگ سے چٹانی راستے پر اتر رہے تھے۔

وہ نیلے رنگ کی بند وین تھی جس کے شیشوں پر سیاہ شیٹس لگی ہوئی تھیں۔ وین کے اندر سے ہم تو باہر دیکھ سکتے تھے لیکن باہر سے اندر نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک اور آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ رنگونی کا ساتھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور رنگونی پچھلے حصے میں ہمارے ساتھ۔

وین چان بوری شہر سے ہوتے ہوئے ہائی وے پر آگئی اور پھر ہائی وے تھری پر مڑ کر تیز رفتاری سے بنکاک کی طرف دوڑنے لگی۔

تقریباً دو گھنٹے بعد ہم بنکاک شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ وین ڈکنری مونومنٹ کے قریب سے ہوتی ہوئی روٹھن روڈ کی طرف مڑگئی اور پھر کچھ ہی دیر بعد سوئے ایری ون پر گھوم کر ایک کانچ کے سامنے رک گئی۔ ہارن بجانے پر گیٹ کھل گیا اور وین اندر آکر پورچ میں رک گئی۔

وین سے اترتے ہوئے مجھے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ رنگوٹی کے دونوں ساتھی باہر ہی رک گئے تھے جبکہ رنگوٹی ہمیں لے کر ایک کمرے میں آگیا۔ یہ وسیع و عریض کمرا قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک دیوار پر بڑے سے فریم میں نیم عریاں عورت کی تصویر آویزاں تھی۔ اس تصویر کو دیکھ کر میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا اور جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ مہاراج کا تعلق کسی ایسی جگہ سے نہیں ہو سکتا تھا جہاں اس طرح کا پُر آسائش و قیمتی فرنیچر ہو اور کسی عورت کی ایسی عریاں تصویر لگی ہوئی ہو۔ جسے دیکھتے ہی پسینہ آنے لگے۔

"تم لوگ آرام سے بیٹھو۔" رنگوٹی نے باری باری ہم تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ماسٹر ہوچن یہاں موجود ہے میں اسے بلا کر لاتا ہوں۔"

رنگوٹی کمرے سے نکل گیا۔ میں' نرس شینو اور تھائی وانگ کی طرف دیکھنے لگا۔ شینو کو تو شاید کچھ اندازہ نہیں تھا لیکن تھائی وانگ کی آنکھوں میں الجھن کے تاثرات نمایاں تھے۔ شاید وہ بھی وہی کچھ سوچ رہی تھی جو میرے ذہن میں تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور تین آدمی اندر داخل ہوئے۔ ایک رنگوٹی تھا' دوسرا اس کا وہی ساتھی تھا جو ہمارے ساتھ آیا تھا اور تیسرے کو دیکھ کر میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

وہ خانقاہ کا معزول مہتمم.... شوفانگ تھا۔

○☆○

میرے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ ہمارے ساتھ دھوکا ہوا تھا بلکہ میں دھوکا کھا گیا تھا۔ رنگوٹی کو عرصہ پہلے میں نے مہاراج کے جنازیم میں دیکھا تھا اور پہاڑی والے مکان پر اسے دیکھ کر یہی سمجھا تھا کہ وہ اب بھی مہاراج کے کیمپ میں ہے لیکن یہ بھول گیا تھا کہ یہاں وفاداریاں تبدیل ہوتے دیر نہیں لگتی' پیسے کے لیے لوگ اپنے آپ کو بیچ دیتے ہیں۔

شوفانگ نے بڑی ہوشیاری کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے ایک ایسے آدمی کو بھیجا تھا جس پر شبہ نہ کیا جا سکے اور اس سے پہلے ٹیلی فون کی لائن کہیں سے کاٹ دی گئی تھی۔ رنگوٹی نے بڑے اعتماد سے کہا تھا کہ ٹیلی فون پر مہاراج سے تصدیق کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ٹیلی فون پر رابطہ نہیں ہو سکے گا۔

میں اپنے آپ میں اس وقت سے کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا جب ہم ان کے ساتھ پہاڑی والے مکان سے روانہ ہوئے تھے اور تھائی وانگ بھی غالباً کسی ایسی ہی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی اور اب شوفانگ ہمارے سامنے کھڑا تھا۔

اس کے جسم پر لباس تو وہی بھکشوؤں والا تھا۔ پیلے کپڑے کے تین ٹکڑے۔ ایک جسم کا نچلا حصہ ڈھانپنے کے لیے دوسرا درمیانی حصے کے لیے۔ تیسرا جسم کے اوپر والے حصے کو چھپانے کے لیے ہر وقتِ ضرورت سر کو بھی ڈھانپ سکے۔ بھکشو عام طور پر بہت سستی قسم کا کپڑا استعمال کرتے ہیں لیکن شوفانگ اور بعض دوسرے بھکشوؤں کے جسم پر میں نے ہمیشہ قیمتی کپڑا دیکھا تھا۔ جو تانبا جیسا رنگ وغیرہ استعمال کرنا بھی بھکشوؤں کے لیے ممنوع تھا لیکن شوفانگ کے پیروں میں اس وقت سیاہ مخمل کے خوب صورت سلیپر نظر آرہے تھے۔

اس کے ہونٹوں پر بڑی کھردری سی مسکراہٹ اور چہرے پر خباثت تھی۔ میں اسے دیکھتے ہی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ شینو اور تھائی وانگ نے بھی میری تقلید کی تھی۔ ان دونوں کے چہروں پر خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔ شینو کو بھی اب صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔

"مہاراج کے چہیتے!" شوفانگ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا "تم اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے تھے اور وہ مہاراج! وہ تو اپنے آپ کو واقعی مہاراج سمجھ بیٹھا ہے۔ چند غنڈوں کو اپنے اردگرد جمع کر کے وہ اپنے آپ کو بہت طاقت ور سمجھنے لگا ہے۔ شاید وہ بھول گیا ہے کہ تنکے پر دہلا بھی ہوتا ہے۔ لیکن آج کے بعد اس کا راج پاٹ ختم ہو جائے گا۔ میں اسے اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردوں گا اور تم.... تمہیں تو ایسی سزا ملے گی کہ نہ مر سکو گے اور نہ ہی جی سکو گے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے شوفانگ۔" میں نے کہا "تم یہ سمجھتے تھے کہ میں تمہاری جگہ لینا چاہتا ہوں لیکن میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں بھکشو نہیں ہوں۔ میرا تو تمہارے مذہب سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسی صورت میں' میں تمہاری جگہ کیسے لے سکتا تھا۔ مجھے تو یہاں صرف بھکشوؤں کی مارشل آرٹ کی ٹریننگ کے لیے بھیجا گیا تھا۔ میرا وات کے معاملات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"یہی تو افسوس کی بات ہے کہ ایک ایسے شخص کو ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس کا ہمارے دھرم سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔" شوفانگ نے کہا "میں جانتا ہوں۔ مہاراج کو بھی اس دھرم سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ وہ ہماری دھرتی کو نسل پر حاوی ہو رہا ہے تاکہ بنکاک کی تمام خانقاہوں پر قبضہ کر سکے۔ یہ خانقاہیں عبادت گاہیں نہیں سونے کی کانیں ہیں۔ یہاں روزانہ کروڑوں بھات کے نذرانے چڑھائے جاتے ہیں اور مہاراج سونے کی ان

کانوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اگر اس میں سے تھوڑا سا حصہ وصول کر لیا تو اسے ناگوار گزرا اور دھرمی کونسل کے ذریعے مجھے برطرف کروا دیا۔ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا۔ اگر تم نہ ہوتے تو میرا یہ سلسلہ چلتا رہتا اور وہ منصوبہ بھی ناکام نہ ہوتا جس پر میں نے بڑی محنت کی تھی مگر تمہاری مداخلت سے ساری محنت پر پانی پھر گیا۔"

"کون سا منصوبہ؟" میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"لارڈ بدھا کے مجسمے سے سونا چرانے کا منصوبہ۔" شوفانگ نے کہا "وہ منصوبہ دراصل میرا ہی تھا۔ میں نے ہی ٹائیگر کو اس کے نقشے وغیرہ فراہم کیے تھے تاکہ انہیں نالے میں ٹھیک جگہ پر پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ ہم میں ففٹی ففٹی معاملہ طے ہوا تھا۔ اگر وہ مجسمے کے اندر کا سارا سونا نکال کر لے جاتے تو اس میں سے آدھا مجھے ملتا لیکن کچھ اس کے آدمیوں کی حماقت اور کچھ تمہاری چالاکی کی وجہ سے یہ منصوبہ ناکام ہو گیا اور پھر دوسرے روز میں نے ہی ٹائیگر کو اطلاع بھجوائی تھی کہ تم وات کے گیٹ کے سامنے کھڑے عقیدت مندوں کو درشن دے رہے ہو۔ وہ گدھ اس نے تمہیں بھجوایا تھا جس میں طاقت ور ٹائم بم نصب تھا۔ خیال ہی نہیں یقین تھا کہ بم پھٹے گا تو تمہارے جسم کے چیتھڑے اڑ جائیں گے مگر تم ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی بچ گئے اور اس کے دو تین دن بعد وات کے حساب میں بے قاعدگیوں کی وجہ سے مجھے بھی برطرف کر دیا گیا۔ میں مہاراج سے انتقام لینے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے پہلے بھی میرے ساتھ بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ مہاراج کو شاید یہ شبہ ہو گیا تھا کہ وات میں رہتے ہوئے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی جائے گی اس لیے تمہیں وہاں سے ہٹا دیا گیا لیکن پورے بارہ دن کی کوشش سے میں نے پتا چلا لیا کہ تم کہاں ہو اور اب دیکھ لو.... تم میرے سامنے کھڑے ہو۔"

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ مہاراج نے اس روز ٹھیک ہی کہا تھا کہ شوفانگ بہت کینہ پرور اور سازشی آدمی تھا۔ یہ انکشاف میرے لیے واقعی بڑا سنسنی خیز تھا کہ بدھا کے مجسمے سے سونے کی چوری کا منصوبہ اس نے بنایا تھا۔ تھائی وانگ کے ساتھ رہتے ہوئے میں بدھ مت اور خصوصاً بھکشوؤں کے بارے میں تھوڑا بہت جان چکا تھا۔ بدھا کا پیروکار کوئی بھی شخص بھکشو بن سکتا تھا۔ اس کے لیے ذات پات یا رنگ و نسل کی کوئی قید نہیں۔ البتہ چند شرائط پر پورا اترنا اس کے لیے ضروری ہے۔ باپ کا قاتل نہ ہو اور چھوت چھات کی کسی بیماری میں مبتلا نہ ہو۔ بھکشو بن جانے کے بعد بھی اس کے لیے چند باتوں پر کاربند رہنا ضروری ہوتا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ محنت مزدوری یا کوئی اور کام دھندا نہ کرے۔ لوگوں کی کمائی پر عیش کرے یعنی کھانا مانگ کر کھائے۔ بلکہ عورت کا خیال بھی دل میں نہ لائے' رقص و موسیقی سے دور رہے' کوئی نشہ آور چیز استعمال نہ کرے اور دوپہر کے بعد کھانا نہیں کھائے' اونچی اور آرام دہ جگہ پر مت بیٹھے اور کسی سے بھیک میں بھی سونا چاندی قبول نہ کرے۔

میں طویل عرصے سے بھکشوؤں کے ساتھ رہ رہا تھا۔ بہت کم ایسے بھکشو دیکھے تھے جو واقعی ان راہبانہ اصولوں پر عمل پیرا تھے۔ جبکہ اکثریت ایسے بھکشوؤں کی دیکھنے میں آئی تھی جو بڑے دھڑلے سے ان اصولوں یا بدھا کی تعلیمات کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ میں ٹریننگ کے دوران میں کیمپوں میں بھکشوؤں کے ساتھ رہا تھا۔ وہاں بہت سے بھکشو ایسے تھے جو دوپہر کے بعد رات کا کھانا بھی کھاتے تھے اور جھوٹ بھی بڑے دھڑلے سے بولتے تھے۔

اور شوفانگ۔ اس میں تو بدھ مت کے یہ تمام شرعی عیب موجود تھے۔

"مجھے حیرت ہے۔" میں نے شوفانگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم لارڈ بدھا کے پیروکار ہو' راہب ہو۔ تمہیں تو تارک الدنیا ہونا چاہیے۔ ان سب چیزوں سے تمہارا کیا سروکار اور پھر بدھا کے مجسمے سے سونے کی چوری۔ کیا یہ گناہ نہیں؟"

"گناہ!" شوفانگ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "یہ کہاں کا انصاف ہے کہ دوسرے لوگ تو عیش کریں۔ ان کے پاس دنیا کی ہر آسائش موجود ہو۔ وہ خوب صورت عورتوں سے دل بہلائیں اور ہم فاقے کریں۔ ہم عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھیں تو اسے گناہ سمجھا جائے۔ اور پھر یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ منوں کے حساب سے سونا اس طرح ضائع کر دیا جائے۔ لارڈ بدھا کو سونے کی ضرورت نہیں۔ اس کی آتما یہ دیکھنے کے لیے نہیں آئے گی کہ اس کا مجسمہ سونے میں ڈھالا گیا ہے یا کسی پتھر سے تراشا گیا ہے۔ سونے کی ضرورت تو ہم جیسے لوگوں کو ہے تاکہ اس سے زندگی کی آسائشیں حاصل کی جا سکیں۔ میں نے یہ سونا حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ کامیاب نہیں ہو سکا کوئی بات نہیں لیکن اب مجھے ایسا ایک اور موقع مل گیا ہے کہ اس سونے کی مالیت سے کئی گنا زیادہ رقم حاصل کر سکتا ہوں۔"

"کوئی اور شیطانی منصوبہ۔" میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اسے میری ذہانت کہو۔" شوفانگ کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آگئی۔ "تمہاری وجہ سے ٹائیگر کو بھی بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے اور پھر اس کے دوستوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے ان کے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ وہ دنیا کے ایک سرے سے تمہارا پیچھا کرتے ہوئے آئے ہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ تم ان کے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہو۔ وہ تمہارے سر کی منہ مانگی قیمت دے سکتے ہیں۔ میں آج رات ہی ٹائیگر کو پیغام بھجوا دوں گا کہ تم میرے قبضے میں ہو۔ مجھے تمہاری منہ مانگی قیمت مل جائے گی۔ میں نے اتنی دولت جمع کر رکھی ہے کہ میری آنے والی

چار پانچ نسلیں بھی کوئی کام کئے بغیر عیش کر سکتی ہیں۔ تمہاری قیمت وصول کرتے ہی میں ہندوستان چلا جاؤں گا۔ وہاں کے مندروں میں بھی بڑے بڑے جگادری پنڈت پڑے ہیں۔ دو چار سے تو میرا رابطہ بھی ہے۔ میں نے یہاں سے نکلنے کے تمام انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔"

"لیکن شاید تم ایسا نہ کر سکو۔" میں نے کہا "مہاراج کو اب تک پتا چل گیا ہوگا کہ ہمیں اغوا کر لیا گیا ہے۔ وہ تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالے گا اور پھر تم ٹائیگر اور اس کے ساتھیوں کو نہیں جانتے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ میں تمہارے قبضے میں ہوں' وہ تمہاری زندگی کا چراغ گل کر دیں گے۔"

"میں ایسا بے وقوف بھی نہیں ہوں کہ اسے دعوت دے کر یہاں بلا لوں۔" شوفانگ نے کہا "اس سے بات چیت دوسرے ذرائع سے ہوگی اور تمہیں اس کے حوالے اس وقت کیا جائے گا جب وہ مطلوبہ رقم میری بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا دے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر کہنے لگا "مجھے تمہاری وجہ سے وقت سے پہلے یہاں سے بھاگنے کا پروگرام بنانا پڑا۔ مجھے واٹ کے مجسمے کا سونا حاصل نہ کر سکنے کا افسوس رہے گا۔ اس وقت میرا دل تو یہ چاہ رہا ہے کہ تمہارے ٹکڑے کر کے کتوں کے آگے ڈال دوں لیکن میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا کیونکہ اس طرح تمہاری قیمت کم ہو جائے گی۔ البتہ تمہاری یہ دوست۔" اس نے تھائی وانگ کی طرف دیکھا "اس دوران میں میرا دل بہلا سکتی ہے۔ اس کو دیکھ کر نجانے کیوں میرے دل میں گدگدی سی ہونے لگتی ہے۔ صرف میں ہی نہیں۔ اس واٹ کے چند اور بھکشوؤں کی نیت بھی ڈانواں ڈول ہو رہی تھی۔ اگر یہ ساری گڑبڑ نہ ہوتی تو ہم لوگ کسی رات واٹ کے تہ خانے ہی میں اس کی دعوت اڑاتے لیکن آج یہ صرف میرا دل بہلائے گی۔"

تھائی وانگ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ وہ مجھ سے تین چار قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ ہمارے درمیان شیشے کے ٹاپ والی ایک کافی نیبل حائل تھی۔ شوفانگ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا تھائی وانگ کے سامنے پہنچ گیا۔ رگمونی اور اس کے ساتھی نے رائفلیں تان لیں۔

شوفانگ کی نظریں تھائی وانگ کے چہرے پر مرکوز تھیں اور پھر اس نے اچانک ہی ہاتھ بڑھا کر تھائی وانگ کے گریبان کو زوردار جھٹکا دیا۔ قمیص کے سارے بٹن ٹوٹ گئے اور وہ سامنے سے برہنہ ہو گئی۔

"تت..... تم شیطان..... اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔" تھائی وانگ چیخی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے شوفانگ کے منہ پر تھوک دیا تھا۔

شوفانگ نے اچانک ہی اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ تھپڑ اس قدر زوردار تھا کہ تھائی وانگ چکرا کر پشت کے بل صوفے پر گر گئی۔ شوفانگ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ چہرے پر درندگی سی آ گئی۔ وہ کپڑے کے پلو سے اپنے چہرے پر سے تھوک صاف کرنے لگا۔

"میری زندگی میں بہت سی لڑکیاں آئی ہیں۔ اپنے آپ کو سپرد کر دینے والی بھی اور تم جیسی خود سر بھی لیکن کسی میں اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ میرے منہ پر تھوک سکے۔ میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تم میرے پیروں کے تلوے چاٹنے پر مجبور ہو جاؤ گی لیکن میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ کوموo۔" اس نے آخری لفظ رگمونی کے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "رادھو کو بلاؤ اور اسے یہ خانے والے کمرے میں پہنچا دو۔"

کوموo جس آدمی کا نام تھا۔ اس نے آواز دے کر رادھو نامی اس آدمی کو بلا لیا جس نے گیٹ کھولا تھا۔ وین ہمیں یہاں چھوڑنے کے بعد واپس چلی گئی تھی مجھے اس بات کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ شوفانگ کے علاوہ اس کانیج میں صرف تین آدمی اور تھے۔ رگمونی' کوموo اور رادھو۔

شینو ایک طرف کھڑی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ موجودہ صورتِ حال سے اسے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ اس کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوگا جو تھائی وانگ کے ساتھ ہونے جا رہا تھا۔ وہ آنے والے لمحات کے تصور ہی سے کانپ رہی تھی۔

کوموo اور رادھو نے تھائی وانگ کو بانہوں سے پکڑ لیا اور اسے دروازے کی طرف کھینچنے لگے۔ تھائی وانگ پوری طرح مزاحمت کر رہی تھی مگر ان مسٹنڈوں کے سامنے اس کی پیش نہیں گئی اور وہ اسے گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔

"اس کا کیا کرنا ہے؟" رگمونی نے شینو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ آج رات بھر کے لیے تم تینوں کی ہے۔" شوفانگ نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا "لیکن پہلے اسے بھی تہ خانے میں پہنچانا ہوگا۔" اس نے میری طرف اشارہ کیا "اس لڑکی کے ساتھ میں جو کچھ بھی کروں گا' اس کی موجودگی میں کروں گا۔"

میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ وہ واقعی شیطان تھا۔ میں نے شینو کی طرف دیکھا۔ خوف کی شدت سے اس کا چہرہ اس طرح سفید پڑ گیا تھا جیسے جسم کا سارا خون نچڑ گیا ہو۔ میں نے مضمحل نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ شوفانگ اور میرے بیچ میں کافی نیبل حائل تھی۔ رگمونی بائیں طرف پانچ چھ قدم کے فاصلے پر رائفل تانے کھڑا تھا۔ اگر وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے تو شاید مجھے کوئی کارروائی کرنے کا موقع مل جاتا لیکن اس وقت جو صورتِ حال تھی' اس کے پیشِ نظر میرے لیے کوئی موقع نہیں تھا۔

کوموo اور رادھو تھائی وانگ کو چھوڑ کر آ گئے۔ شوفانگ کے اشارے پر ان دونوں نے شینو کو گرفت میں لے لیا اور رگمونی نے مجھے رائفل کی زد پر لے کر وہاں سے چلنے کا اشارہ کیا۔

ہم اس کمرے سے نکل کر ایک شان دار بیڈ روم میں آئے۔ اس کی اندرونی دیوار اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی اور اس جگہ دیوار میں خلا نظر آ رہا تھا۔ تہ خانے کا وہ وسیع و عریض کمرا بھی بہت شان دار تھا۔ دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف شان دار ڈبل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ ایک باتھ اٹیچڈ تھا۔ دو تین صوفہ سیٹ بھی پشت والی کرسیاں تھیں۔ ایک مونوگرام ٹیبل تھی اور دیواروں پر عریاں تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں بھی ایسی تھیں کہ شیطان بھی دیکھ کر شرما جائے۔ اس کمرے میں ہر وہ چیز موجود تھی جو کسی عیاش آدمی کے کمرے میں ہونا چاہیے تھی۔

تھائی وانگ سیدھی پشت والی ایک کرسی سے بندھی ہوئی تھی۔ شوفانگ نے رگمونی سے رائفل لے کر مجھے زد میں لے لیا اور رگمونی کو اشارہ کیا۔ اس نے مجھے دوسری کرسی پر بٹھا کر باندھ دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" اس نے رگمونی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ضرورت ہوئی تو تمہیں طلب کر لوں گا۔ میری اجازت کے بغیر اندر آنے کی کوشش مت کرنا۔"

رگمونی اوپر چلا گیا۔ تہ خانے کا راستہ خود بخود بند ہو گیا تھا۔

"یہ کانیج میں نے اپنی مرضی سے تعمیر کروایا تھا۔" شوفانگ بولا "چند وفادار کتوں کے سوا کسی کو اس کے بارے میں علم نہیں ہے۔ اس کانیج میں ایسے ایسے کمالات ہیں کہ تمہیں دیکھ کر حیرت ہوگی لیکن میں تمہیں کانیج دکھانے کے لیے نہیں لایا۔ اس وقت تو میں ایک ایسی چیز دکھاؤں گا کہ تم دونوں کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔"

اس نے ڈریسنگ ٹیبل کی اوپر والی دراز کھولی۔ اس میں رکھا ہوا پستول میرے علاوہ تھائی وانگ نے بھی دیکھ لیا تھا لیکن اس نے پستول نہیں نکالا۔ ریموٹ کنٹرول جیسی کوئی چیز نکال کر اس نے دراز بند کر دی۔ ریموٹ کنٹرول کا رخ ایک دیوار کی طرف کر کے اس نے بٹن دبا دیا۔ دیوار کا چار مربع فٹ کا ایک ٹکڑا شٹر کی طرح اوپر اٹھ گیا۔ اس خلا میں ایک خوب صورت ٹی وی ٹرالی رکھی ہوئی تھی۔ ٹی وی کے ساتھ ہی ایک ٹیلی فون سیٹ بھی تھا۔ اس نے ٹرالی باہر کھینچی اور ٹیلی فون اٹھا کر قریب ہی ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

"شوفانگ بول رہا ہوں مسٹر ٹائیگر۔" وہ ماؤتھ پیس میں بولا "مجھے افسوس ہے ہمارا وہ منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا لیکن حالات درمیان ایک اور ڈیل ہو سکتی ہے۔" وہ چند لمحے خاموش رہ کر دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر بولا "گڈ۔ تم سمجھ دار ہو۔ میں تمہاری ہی بات کر رہا ہوں۔ وہ اس وقت میرے قبضے میں ہے۔ ٹھیک ہے سودا ہو سکتا ہے۔ کل صبح گیارہ بجے میرا آدمی تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ اس سے معاملہ طے ہو جائے گا۔ وہ جو فیصلہ بھی تمہارا ہوگا۔ گڈ..... تو پھر کل صبح گیارہ بجے میرے آدمی کا انتظار کرنا۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے میری طرف دیکھنے لگا "تم آج کی رات میرے مہمان ہو۔" وہ بولا "مجھے امید ہے کہ کل یہ سودا ہو جائے گا اور تمہیں کل شام تک تمہارے ان دوستوں کے حوالے کر دیا جائے گا جو عرصے سے تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"اس میں شبہ نہیں کہ میں اس وقت تمہارے قبضے میں ہوں لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارا یہ شیطانی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکے گا۔" میں نے کہا۔ میں بالکل خوف زدہ نہیں تھا اور نجانے مجھے یہ یقین کیوں تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

میرے ہاتھ کرسی کی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور میں اپنی کلائیوں کو مسلسل حرکت دے رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ہاتھوں کو اس طرح حرکت دینے سے نائیلون کی رسی ڈھیلی ہو جائے گی اور مجھے کچھ کرنے کا موقع مل جائے گا۔

اس میں بھی شبہ نہیں کہ شوفانگ شیطان سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔ جو شخص راہب بن کر اپنے دھرم کو دھوکا دے سکتا ہے اس سے کسی بھی بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس نے ٹرالی کے نچلے حصے میں رکھے ہوئے وی سی آر پر ایک ویڈیو کیسٹ لگا کر ٹی وی آن کر دیا۔ اسکرین پر چند لمحے ژرّات سے جھلملاتے رہے اور پھر فلم شروع ہو گئی۔

جذبات کو بھڑکانے والی نہایت شرمناک فلم تھی۔ مرد اور عورت شیطانی کھیل کھیل رہے تھے۔ میں نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کر لیں۔ وہ تھائی وانگ کی کرسی کی پشت پر پہنچ کر رک گیا اور پشت پر بندھے ہوئے اس کے ہاتھ کھولنے لگا۔

وہ تھائی وانگ کو بانہوں کے شکنجے میں جکڑ کر آگے لے آیا اور دھکا دے کر بیڈ پر گرا دیا۔ تھائی وانگ نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو شوفانگ نے اسے گرفت میں لے لیا۔ شوفانگ اس سے کہیں زیادہ طاقت ور تھا مگر تھائی وانگ مزاحمت کرتی رہی۔ اس مزاحمت میں اس کی قمیص پھٹ کر جسم سے الگ ہو گئی۔ وہ اوپر سے بالکل برہنہ ہو گئی تھی۔

میں اپنے ہاتھوں کو مسلسل حرکت دے رہا تھا لیکن رسی کی گرہیں کسی طرح ڈھیلی ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ رسی کی رگڑ سے میری کلائیوں میں تکلیف ہونے لگی تھی لیکن میں نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ میرا جسم پسینے میں تر ہو رہا تھا۔

تھائی وانگ' شوفانگ کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ اس نے اچانک ہی شوفانگ کی ٹانگوں کے بیچ میں ضرب لگائی۔ شوفانگ بلبلاتا ہوا بیڈ پر الٹ گیا۔ تھائی وانگ اسے دھکیلتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ جیسے ہی بیڈ سے اترنے لگی' شوفانگ نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

میرے ہاتھ اگرچہ کرسی کی پشت پر بندھے ہوئے تھے مگر پیر آزاد تھے اور یہ رگمونی کی بہت بڑی غلطی تھی کہ اس نے میرے پیر کرسی کے پایوں کے ساتھ نہیں باندھے اور اب میں نے اس کی

اس غلطی سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں اس طرح اٹھ کر کھڑا ہوگیا کہ کمر دُہری تھی۔ میں قریب پہنچا تو شوفانگ مجھے دیکھ کر میری طرف لپکا۔ میں بڑی تیزی سے گھوم گیا۔ کرسی کا پایہ اس کے گھٹنے کی ہڈی پر لگا۔ وہ بلبلا اٹھا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ایک اور وار کیا۔ اس مرتبہ کرسی کا پایہ اس کے دائیں بازو کی کہنی پر لگا۔ انسانی جسم کے یہ دو ایسے پریشر پوائنٹ تھے کہ ان پر لگنے والی معمولی سی چوٹ بھی تڑپا دیتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ تھائی وانگ نے گھٹنے کی ایک اور ضرب اس کی ٹھوڑی پر لگا دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف لپکی تھی۔

شوفانگ کو صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ ہوگیا تھا۔ وہ اپنی تکلیف بھول کر تھائی وانگ کی طرف لپکا لیکن میں اس کے راستے میں آگیا۔ میرے ہاتھ کرسی کی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور کرسی میری پشت پر تھی جس سے میری کمر دہری ہورہی تھی لیکن میری ٹریننگ کام آرہی تھی۔ کمر دہری ہونے کے باوجود مجھے تکلیف کا احساس نہیں ہورہا تھا۔ میں ایک بار پھر پوری قوت سے گھوم گیا۔ اس مرتبہ کرسی کا پایہ اس زور سے اس کے کولھے پر لگا کہ پایہ بھی ٹوٹ گیا۔ شوفانگ بلبلاتا ہوا منہ کے بل گرا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کررہا تھا مگر تھائی وانگ کو اس مرتبہ ڈریسنگ ٹیبل تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔ اس نے بڑی عجلت میں دراز کھول کر پستول نکال لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے دراز میں رکھا ہوا ایک خنجر بھی اٹھالیا تھا۔

شوفانگ اٹھنے کی کوشش کررہا تھا۔ تھائی وانگ نے اس کے منہ پر زوردار ٹھوکر ماری۔ وہ پیچھے الٹ گیا۔ تھائی وانگ اچھل کر میری پشت پر پہنچ گئی اور میری بغلیں کاٹنے لگی۔ دو دھاری خنجر خاصا آبدار تھا۔ ایک ہی جھٹکے میں رسیاں کٹ گئیں۔ میں نے رسیوں اور کرسی کو اپنے جسم سے الگ کیا اور کلائیاں مسلنے لگا۔ تھائی وانگ نے پستول میرے ہاتھ میں تھمادیا۔

شوفانگ اٹھنے کی کوشش کررہا تھا مگر خنجر بکف تھائی وانگ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں دہشت سی ابھر آئی اور وہ قالین پر گھسٹتا ہوا آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔

"بس! شوق پورا ہوگیا۔" تھائی وانگ اس کے سامنے رک گئی "ابھی تو کھیل شروع بھی نہیں ہوا تھا۔ دیکھو۔ کتنا خوب صورت ہے میرا جسم۔ مجھے دیکھ کر تمہارے دل میں گدگدی ہونے لگتی ہے نا۔ اب پیچھے کیوں ہٹ رہے ہو۔ آؤ۔ کھیلو نا میرے جسم سے۔ ڈر کیوں رہے ہو۔ آؤ میرے عاشق..... میں تمہارے سامنے ہوں۔ پیچھے مت ہٹو۔ اپنی حسرت پوری کرلو۔"

شوفانگ کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹی پڑ رہی تھیں اور پھر اچانک ہی وہ چیخ چیخ کر رگمونی اور کوموعو کو پکارنے لگا۔ تھائی وانگ نے ٹی وی کا فل والیوم کھول دیا تاکہ اس کے چیخنے کی آواز یہ خانے سے باہر نہ جاسکے۔

میں تھائی وانگ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جنونی کیفیت میں مبتلا ہورہی تھی۔ وہ جو کچھ کرنے جارہی تھی، میں اسے سمجھ تو نہیں سکتا تھا۔ شوفانگ نے جیسے ہی اٹھنے کی کوشش کی، تھائی وانگ بجلی کی طرح جھپٹی۔ دو دھاری خنجر شوفانگ کے پیٹ میں پیوست ہوگیا۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا اٹھا۔ تھائی وانگ نے خنجر کھینچا تو پیٹ سے خون کی دھار بھی بہہ نکلی۔

"میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گی۔" وہ غرائی "تمہیں اس قابل بھی نہیں چھوڑوں گی کہ اپنے آپ کو زندہ لاش شمار کرسکو۔"

وہ جنونی انداز میں اس کے بازوؤں اور ٹانگوں پر پے در پے خنجر کے وار کرتی رہی۔ شوفانگ کے جسم سے خون کی دھاریں بہتی رہیں اور وہ چیختا رہا اور پھر تھائی وانگ نے جب اس کے جسم کے نچلے حصے پر بندھا ہوا کپڑا کھینچ کر الگ کیا تو میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے لیکن دوسرے ہی لمحے میں کانپ اٹھا۔ تھائی وانگ نے خنجر کے ایک ہی وار سے اس کی مردانگی کو تراش کر اکھاڑ پھینکا تھا۔

"ان زخموں سے تم مروگے نہیں۔ ڈاکٹر تمہیں بچالیں گے۔" وہ اس کے منہ پر تھوکتے ہوئے بولی "تم زندہ رہوگے اور زندگی کے آخری لمحے تک یہ یاد رکھوگے کہ تمہارا یہ حال اس کمزور اور بے بس عورت نے کیا تھا جسے تم پامال کرنا چاہتے تھے۔ میں چاہوں تو ایک ہی وار سے تمہاری شہ رگ کاٹ کر تمہیں موت کے گھاٹ اتار سکتی ہوں لیکن میرے خیال میں موت سزا نہیں بلکہ نجات کا باعث بنتی ہے۔ سزا تو وہ ہے جسے زندگی کی آخری سانس تک یاد رکھا جائے۔ تم جب تک زندہ رہوگے اس سزا کو یاد رکھوگے۔"

شوفانگ جان دار آدمی تھا۔ اتنے زخم کھانے کے باوجود بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ تھائی وانگ نے ایک بار پھر اس کے منہ پر ٹھوکر اور مکّا مجھے اشارہ کیا۔ ہم دونوں بہت محتاط انداز میں دروازے سے باہر آگئے۔ تھائی وانگ جسم کے بالائی حصے سے برہنہ تھی لیکن اسے شاید اپنی برہنگی کا احساس نہیں تھا۔ اس پر اب بھی جنون سا طاری تھا۔

ہم محتاط انداز میں دبے قدموں آگے بڑھتے رہے۔ ایک کمرے سے دبی دبی چیخوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ رگمونی ہوا تھا لیکن دونوں پنوں کے بیچ میں تقریباً آدھے انچ کی جھری میں نے جھانک کر دیکھا۔ وہ تینوں اس کمرے میں تھے۔ کی زوردار ٹھوکر سے دروازہ کھول دیا اور اچھل کر اندر وانگ بھی میرے ساتھ تھی۔

"بس۔ اب کھیل ختم ہوگیا۔ چھوڑ دو اسے۔" میں نے کہا۔ پستول اس وقت بھی میرے ہاتھ میں تھا۔

وہ تینوں شینو کو چھوڑ کر اچھل پڑے۔ ان کی رائفلیں طرف پڑی ہوئی تھیں۔ رگمونی نے اس طرف چھلانگ

یوں سے پہلے ہی حرکت میں آگیا۔ میں کھڑے کھڑے طاقت ور کی طرح ہوا میں اچھلا۔ ہوا ہی میں لٹو کی طرح گھوما اور پنڈلی زوردار اسپن کک رگمونی کے منہ پر لگی۔ وہ بلبلاتا ہوا الٹ کر گرا۔ اس کی ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔

اب کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو ہاتھوں یا پیروں کو نہیں دوں گا صرف ایک انگلی کو حرکت دوں گا۔" میں نے ہتھیلی سے اشارہ کیا۔

تھائی وانگ نے جلدی سے آگے بڑھ کر ایک رائفل اٹھالی اور ان تینوں کو زد میں لے لیا۔ خنجر اس نے وہیں پھینک دیا تھا۔ شینو دوڑ کر ہماری طرف آگئی۔ وہ لوگ اسے ابھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے تھے۔ اس کے جسم کا بالائی حصہ تھائی وانگ کی طرح برہنہ تھا اور نوچ کھسوٹ کے نشان نظر آرہے تھے۔

ان میں صرف کوموعو کے جسم پر لباس تھا۔ رگمونی اور راوھو بے لباس تھے۔ میں نے تھائی اور شینو کو اشارہ کیا۔ انہوں نے راوھو اور رگمونی کی شرٹس اٹھا کر پہن لیں۔

ہمارا تو تم تینوں کو بھی ایسی ہی ملنی چاہیے جو شوفانگ کو دی گئی ہے لیکن ہم تم لوگوں کے گندے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتے۔" میں نے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تم لوگوں کو اس لیے زندہ چھوڑا جارہا ہے کہ پولیس کو اپنے اور شوفانگ کے کالے کرتوتوں کی تفصیل بتاسکو۔ رگمونی!" میں نے اس کی طرف دیکھا "وہ اس الماری کے اوپر کچھ رسیاں نظر آرہی ہیں۔ پہلے اپنے ان دونوں ساتھیوں کو باندھو پھر تمہاری باری آئے گی۔"

رگمونی نے بلا چون و چرا الماری پر رکھی ہوئی رسیاں اتاریں اور راوھو اور کوموعو کو باندھنے لگا۔ رگمونی کو میں نے خود باندھا اور پھر ہم اس کمرے میں آگئے جہاں ہمیں سب سے پہلے لایا گیا تھا۔ وہاں ٹیلی فون بھی رکھا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے مہاراج کو اطلاع دی جائے۔" میں نے تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ ایک اور جگہ میرے ذہن میں ہے اور میرا خیال ہے وہاں ہم زیادہ محفوظ رہ سکتے ہیں۔" تھائی وانگ نے کہا اور فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگی۔ اس وقت رات کا ایک بج چکا تھا۔ دوسری طرف سے کال ریسیو کرنے میں تقریباً آدھے منٹ لگے تھے۔ تھائی وانگ تقریباً تین منٹ تک بات کرتی رہی۔ اس نے فون پر جو ہم نہیں سمجھ پائے تھے، سن کر میں بری طرح اچھل پڑا تھا۔

فون کا کیڈل ٹیپ کرکے اس نے پولیس کا نمبر ملایا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" وہ لائن ملنے پر مختصر سی تمہید باندھتے ہوئے بولی "اس کا نیچ کا نمبر بھی نہیں بتا سکتی۔ البتہ یہ بتاسکتی ہوں کہ اس کا گیٹ کھلا ہوا اور تمام بتیاں جلتی ہوئی ملیں گی۔"

اس نے فون بند کردیا۔ ہم نے پستول اور رائفل وہیں پھینک دی اور باہر آگئے۔ پورچ میں سفید رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔

"تم گیٹ کھولو۔ میں کار باہر نکالتی ہوں۔" تھائی وانگ کہتے ہوئے کار کا دروازہ کھولنے لگی۔

ادھر اس نے انجن اسٹارٹ کیا ادھر میں نے گیٹ کھول دیا۔ وہ کار کو ریورس گیئر میں باہر لے آئی۔ میں نے گیٹ کھلا چھوڑ دیا اور شینو کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ شینو ابھی تک کپکپا رہی تھی۔ وہ میرے ساتھ جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی اور اپنا سارا بوجھ میرے اوپر ڈال رکھا تھا۔ میں نے ایک بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کردیا اور اس کا بازو ہولے ہولے تھپتھپانے لگا۔

کار تیز رفتاری سے مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی اور پھر وہ کار ہم نے راما ون روڈ پر سیام اسکوائر کے قریب چھوڑ دی۔ اس سے ذرا آگے رات بھر کھلے رہنے والے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے ایک ٹیکسی مل گئی۔

یہ ٹیکسی بھی ہم نے سیتھون روڈ پر برما کے سفارت خانے سے کچھ فاصلے پر چھوڑ دیا اور وہاں سے پیدل چلتے ہوئے پین روڈ پر مڑگئے۔ شینو اب بڑی حد تک اپنے آپ پر قابو پاچکی تھی۔ وہ زندگی کے خوفناک ترین تجربے سے دوچار ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں یقیناً یہ بات رہی ہوگی کہ بے آبرو کرنے کے بعد اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور ظاہر ہے اس خوف کا تھوڑا بہت اثر تو اب بھی باقی تھا اور اسی لیے وہ تھائی وانگ کے ساتھ چپکی ہوئی چل رہی تھی۔

پین روڈ پر چلتے ہوئے ہم ایک اور گلی میں مڑگئے اور پھر ہندوؤں کے مندر کے سامنے سے گزر کر ہم دوسری گلی میں گھوم گئے۔ اس طرف مڑتے ہوئے میں اس جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں ٹائیگر کا ایک آدمی میرے ہاتھوں مارا گیا۔

ہم تینوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور پھر کچھ ہی دیر بعد تھائی وانگ، جانکی دیوی کے مکان کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔

دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ تھائی وانگ نے شوفانگ کے کاٹیج سے فون کرکے جانکی دیوی کو بتا دیا تھا اور وہ ہمارے انتظار میں جاگ رہی تھی اسی لیے پہلی مرتبہ ہلکی سی دستک دینے پر ہی دروازہ کھل گیا تھا۔

دوبارہ اس گھر میں قدم رکھتے ہوئے میں ایک عجیب..... سی کیفیت محسوس کررہا تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں موت ہمارے سروں پر پہنچ گئی تھی اور ہم اس کے پنجوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اگر اس روز ہمیں چند منٹ کی بھی تاخیر ہوجاتی تو آج ہم دوبارہ اس چوکھٹ پر قدم رکھنے کے لیے زندہ نہ ہوتے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں میری اور اپنی جان بچانے کے لیے تھائی وانگ نے جانکی دیوی کی ملازمہ بندو کو گلا گھونٹ کر ہلاک کردیا تھا اور اس

وقت تھائی وانگ بھی اندر داخل ہوتے ہوئے وہ سب کچھ سوچ رہی تھی جو میرے ذہن میں تھا۔

جانکی دیوی اور تھائی وانگ اس طرح پُرجوش انداز میں گلے ملی تھیں جیسے بچھڑی ہوئی سگی بہنیں طویل عرصے بعد ملی ہوں پھر جانکی دیوی شینو کو دیکھ کر بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"او..... شینو۔ تم..... تم ان کے ساتھ کیسے؟" وہ کہتے ہوئے شینو سے لپٹ گئی۔

جانکی دیوی ڈاکٹر تھی اور شینو نرس۔ ان دونوں کا تعلق ایک ہی شعبے سے تھا۔ ایک دوسرے کو اس طرح پہچان لینا کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔

"اس کی قسمت بھی پھوٹ گئی ہے۔" تھائی وانگ نے مسکراتے ہوئے کہا "ہمارے ساتھ یہ بھی موت سے آنکھ مچولی کھیل رہی ہے۔"

"آؤ۔ اندر کمرے میں آجاؤ۔" جانکی دیوی نے کہا "لگتا ہے تم لوگ کسی بہت ہی سنگین قسم کی صورتِ حال سے نکل کر آرہے ہو۔ تم لوگ کمرے میں بیٹھو میں چائے بنا کر لاتی ہوں اور تم کیسے ہو مسٹر وجدان۔" آخری الفاظ اس نے میری طرف دیکھ کر کہے۔

میں نے سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔ جانکی دیوی کچن کی طرف چلی گئی اور ہم تینوں اس کمرے میں آگئے جو نشست گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ جانکی دیوی گھر میں اکیلی ہی تھی لیکن نجانے کیوں میں اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کررہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ بعد جانکی دیوی چائے بنا کر لے آئی۔

"اس روز جو کچھ ہوا' مجھے اس کا افسوس ہے۔" جانکی دیوی نے تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "راجو کے بارے میں تو میں جانتی تھی کہ وہ بدھ ازم اور اوباش ہے۔ اس کا ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا جن کا پیشہ ہی راہزنی اور لوٹ مار تھا۔ ایک مرتبہ تو میں نے بھی راجو کو سمجھا کر پرہا کروادیا تھا لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ قتل و غارت جیسی وارداتوں میں بھی ملوث ہوگا۔ سب سے زیادہ دکھ تو مجھے بندو کے بارے میں جان کر ہوا تھا۔ وہ بڑھیا قبر میں پیر لٹکائے بیٹھی تھی لیکن لالچ میں آکر اس نے میری ساری نیکیاں بھی بھلا دیں۔ ایسے بے ضمیر لوگوں کا انجام تو یہی ہونا چاہیے تھا۔"

"اور تمہارے ساتھ کیا ہوا؟" تھائی وانگ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا "میرا مطلب ہے ہمارے جانے کے بعد تمہیں ٹائیگر نے تو پریشان کیا ہوگا۔"

"ٹائیگر نے اور پولیس نے بھی۔" جانکی دیوی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ٹائیگر مُصر تھا کہ میں نے تم لوگوں کو پناہ دی تھی۔ کیونکہ اس رات راجو' ٹائیگر کے ایک نائٹ کلب گیا تھا اور وہاں سے ایک آدمی کو لے کر واپس آیا تھا اور اس کے بعد وہ سب کچھ ہوا تھا جس کی اسے توقع نہیں تھی۔ راجو نے وہاں ایک اور [illegible] کو بتایا تھا کہ میرے گھر میں دو ایسے افراد چھپے ہوئے [illegible] ٹائیگر کو تلاش ہے اور ٹائیگر اس بات کو بنیاد بنا کر مجھ سے [illegible] کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے میرے [illegible] تلاشی بھی لی تھی لیکن یہاں سے ایسی کوئی چیز نہیں ملی تھی [illegible] تم لوگوں کی موجودگی ثابت ہوتی۔ تم دونوں کے کپڑے میں [illegible] کر راکھ گنز میں بہادی تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر [illegible] جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "پولیس کو بھی میں نے یہی بیان [illegible] کہ ایک عورت اور ایک نوجوان لڑکا زبردستی میرے گھر میں گھس [illegible] آئے تھے۔ انہوں نے اسلحے کی زور پر ہمیں یرغمال بنالیا تھا۔ [illegible] کسی طرح باہر نکلنے کا موقع مل گیا لیکن اس کے واپس آنے سے پہلے ہی ان لوگوں نے بھاگنے کی کوشش کی۔ بندو نے انہیں [illegible] چاہا تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ بعد میں راجو اور اس کا [illegible] بھی انہی کے ہاتھوں مارے گئے۔ تم لوگوں کو روکنے کی کوشش میں [illegible] میں بھی زخمی ہوئی تھی۔ میری ٹانگ میں گولی لگی تھی۔"

"کیا۔" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا "کیا ٹائیگر اور پولیس نے تمہارے اس جھوٹ پر یقین کرلیا تھا۔"

"جھوٹ نہیں۔ یہ سچ تھا۔" جانکی دیوی نے کہا "میں نے اپنے پستول سے اپنی ٹانگ میں گولی ماری تھی اور زخم سے وہ گولی نکال کر اسپتال میں نکالی گئی تھی۔" اس نے ساری اور پیٹی کوٹ اٹھا کر ٹانگ پر سے ہٹا دیا۔ ران پر زخم کا نشان موجود تھا جو زیادہ پرانا نہیں تھا۔ جلد کے زخم والے حصے پر گلابی بین نمایاں تھا۔

میں نے نظریں اٹھا کر تھائی وانگ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ میری طرح وہ بھی خاصی متاثر ہوئی آرہی تھی۔

"اپنے آپ کو گولی مار کر میں نے تم لوگوں پر کوئی احسان نہیں کیا تھا۔" جانکی دیوی کہہ رہی تھی "اس کا سب سے زیادہ فائدہ مجھے ہی ہوا تھا۔ مجھے دونوں طرف سے پریشان تو کیا گیا تھا لیکن بالآخر میری بات پر یقین کرکے میرا پیچھا چھوڑ دیا گیا تھا۔ اگر میں نے اپنے آپ کو گولی نہ ماری ہوئی تو نہ ٹائیگر اور نہ ہی پولیس میرا پیچھا چھوڑتی۔ ٹائیگر تو شاید مجھے زندہ نہ چھوڑتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "اب اس گھر میں تم لوگوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ اس گلی میں رہنے والا کوئی بچہ بھی تم لوگوں کو نہ دیکھ سکے اور یہ زرا مشکل کام ہوگا۔"

"بس۔ ایک دو دن کی بات ہے۔" تھائی وانگ نے کہا "پولیس اس کا کیس میں پہنچ چکی ہوگی۔ ہوسکتا ہے آج ہی رات ٹائیگر کی تلاش میں بھی چھاپے مارے جائیں اور ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے پولیس مہاراج سے بھی رابطہ کرے۔ ایک دو دن بعد معاملہ ٹھنڈا ہوگا تو ہم مہاراج سے رابطہ

کریں گے۔ وہ یقیناً ہمارے لیے کوئی مناسب بندوبست کردیں گے۔"

"لیکن اس مرتبہ میں مہاراج کے پاس نہیں جانا چاہتا۔" میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "مہاراج پھر مجھے کسی واٹ تک محدود کردیں گے اور میں پھر اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگوں گا۔ میرا خیال ہے اس دوران ہم کوئی ایسا بندوبست کرلیں گے کہ محفوظ بھی رہیں اور آزادی سے نقل و حرکت بھی کرسکیں۔"

"ایسی صورت میں میرے پاس ایک تجویز ہے۔" جانکی دیوی نے کہا "دریا کے اس پار وانگ ونگ پائے روڈ پر میرا ایک مکان ہے۔ تمہیں یاد ہے میں نے وہ مکان تقریباً چھ سال پہلے خریدا تھا۔ پہلے تو میرا خیال تھا کہ میں خود وہاں منتقل ہوجاؤں گی لیکن پھر وہ کرائے پر دے دیا تھا۔ تقریباً ایک مہینہ پہلے وہ مکان خالی ہوا ہے۔ کچھ مرمت اور رنگ و روغن وغیرہ کی وجہ سے وہ مکان خالی پڑا ہے۔ اس مرتبہ میرا ارادہ یہی ہے کہ وہاں اپنی ایک اور دوست کے اشتراک سے بیوٹی پارلر کھولوں گی لیکن اگر تم لوگ چاہو تو اس مکان میں رہ سکتے ہو۔ وہ مکان محفوظ بھی ہوگا اور تم لوگوں کو کوئی تکلیف بھی نہیں ہوگی۔"

"یہ تو اور اچھی بات ہے۔" تھائی وانگ بولی "ایسی صورت میں کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم کل ہی وہاں منتقل ہوجائیں۔"

"کل شام کے بعد۔" جانکی دیوی نے کہا "کل دن میں ضرورت کی چیزیں وہاں پہنچادوں گی۔ اور پھر شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد تم لوگوں کو لے چلوں گی لیکن ابھی تم نے کسی کانیج پر پولیس کے چھاپے کی بات کی تھی۔ کیا قصہ ہے؟"

"یہی اصل بات ہے جو میں تمہیں بتانا بھول گئی تھی۔" تھائی وانگ نے کہا اور پھر اسے اس واقعے کی تفصیل سے آگاہ کرنے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی "فون میں نے تمہیں وہیں سے کیا تھا لیکن اس وقت کچھ بتانے کا موقع نہیں تھا۔"

"بھگوان جانے اسے کس بات کی سزا مل رہی ہے۔" جانکی دیوی میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "یہ تو ایسا ہے کہ اسے دل میں چھپا کر رکھا جائے اور وہ کم بخت اس کی جان کے گاہک ہورہے ہیں۔"

"سن رہے ہو وجدان۔" تھائی وانگ نے شوخ نگاہوں سے میری طرف دیکھا "اس نے تو اپنے دل میں تمہارے لیے اتنی جگہ پیدا کرلی۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ان کی محبت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ ان کی باتوں سے میرا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

"اچھا۔ اب ایسا ہے کہ اس وقت تین بجنے والے ہیں۔" جانکی دیوی دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "اب تم لوگ آرام کرو۔ باقی باتیں صبح ہوں گی۔"

ہم لوگ اس کمرے سے نکل آئے۔ اس مکان کے گراؤنڈ فلور پر بھی چار پانچ کمرے تھے اور ہر کمرا بیڈ روم کے طور پر آراستہ تھا۔ پچھلی مرتبہ اوپر والے کمرے دیکھے تھے۔ وہ بھی تمام بیڈ رومز تھے۔ جانکی دیوی یہاں رہتی تو اکیلی تھی پھر اتنے سارے آراستہ بیڈ رومز۔ لگتا تھا جیسے یہ کوئی ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس ہو۔

ایک کمرا مجھے دے دیا گیا۔ اس کے ساتھ والا نرس شینو کو۔ تھائی وانگ جانکی دیوی کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ میں نے دروازہ بند کرکے نائٹ بلب جلالیا اور بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں پچھلے چند گھنٹوں کے درمیان رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ شوفانگ نے کس ہوشیاری سے ہمیں چان بوری کے پہاڑی کانیج سے اغوا کرایا تھا۔ ہم ایک بار پھر موت کے جال میں پھنس گئے تھے۔ شوفانگ واقعی انسان نہیں شیطان تھا۔ وہ اپنے دھرم کو بھی دھوکا دے رہا تھا۔ اگر ان کا بدھا کے مجسمے سے سونا چرانے کا منصوبہ کامیاب ہوجاتا تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس میں کسی بھکشو کا ہاتھ ہوگا۔

ہم لوگ ایک بار پھر موت کا حصار توڑ کر بھاگ نکلے تھے اور ہماری کامیابی تھائی وانگ کی مرہونِ منت تھی۔ صورتِ حال نہایت سنگین ہونے کے باوجود اس نے بڑی ہمت کا ثبوت دیا تھا۔ اس سے ایک اور بات واضح ہوگئی تھی کہ عورت کو تو ہمیشہ کمزور سمجھا گیا تھا لیکن جب اس کے اندر کی عورت جاگتی ہے تو وہ بپھری ہوئی شیرنی بن جاتی ہے اور پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے انتقام سے روک نہیں سکتی۔ تھائی وانگ نے شوفانگ سے اپنی توہین کا انتقام جس طرح لیا تھا' وہ بہت ہی بھیانک تھا۔ اگر شوفانگ پولیس کے آنے تک زندہ رہا ہوگا تو اس نے ضرور بتایا ہوگا کہ اس کی یہ حالت کس نے کی تھی۔

میرے ذہن میں مہاراج کا خیال ابھر آیا۔ اسے بھی ہمارے اغوا کا پتا چل ہی گیا ہوگا۔ اس کے آدمی ہمیں چان بوری اور بنکاک میں تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔ مہاراج نے میری خاطر بہت سے لوگوں کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔ میں اکثر یہ سوچتا تھا کہ میرے اندر آخر ایسی کیا بات تھی کہ مہاراج مجھ سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ وہ مجھے کیا بنانا چاہتا تھا۔ میری حفاظت کے لیے تو وہ اب تک اپنے کئی آدمی مروا چکا تھا اور پھر خانقاہ کے گیٹ پر بم دھماکا۔ مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن میں بچ گیا تھا اور اس دھماکے میں گیارہ بے گناہ ہلاک اور کئی زخمی ہوگئے تھے۔

بم دھماکے کا خیال آتے ہی اس لڑکی کا چہرہ میری نظروں میں گھوم گیا۔ کیسی چمک تھی اس کی آنکھوں میں اور کتنی معصومیت تھی اس کے چہرے پر لیکن اس کی معصومیت کتنے بے گناہوں کی موت کا باعث بنی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ کہیں نہ کہیں اس لڑکی سے سامنا ضرور ہوگا۔

اس لڑکی کے بارے میں سوچتے ہوئے میرے ذہن میں کوشلیا کا خیال ابھر آیا۔ کوشلیا اگر مجھے کم اور ٹائیگر کے سونے کی چوری کے منصوبے کے بارے میں نہ بتاتی تو ان کا منصوبہ ضرور کامیاب ہو جاتا لیکن اب وہ کہاں تھی۔ اس نے ماسٹر ہوچن سے رابطہ کیا تھا یا نہیں۔ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا تھا کہ وہ زندہ بھی تھی یا اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز سن کر چونک گیا۔ کسی نے انگلی سے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ میرے خیال میں تھائی وانگ ہوگی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا مگر باہر کوئی نہیں تھا۔ اس دوران میں دستک کی آواز دوبارہ ابھری اور یہ آواز میرے اور شینو کے کمروں کے درمیان والے دروازے سے ابھری تھی۔ میں نے باہر کا دروازہ بند کر دیا اور بیچ والے دروازے کا بولٹ آہستگی سے گرا دیا۔ دروازہ فوراً ہی کھلا اور شینو میرے کمرے میں آگئی۔

"مجھے کمرے میں اکیلے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "باہر کا دروازہ کھول کر تھائی وانگ والے کمرے میں جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ میں نے سوچا شاید تم جاگ رہے ہو۔"

"نیند تو مجھے بھی نہیں آرہی تھی لیکن اس کی وجہ کسی قسم کا خوف نہیں۔ بس سوچوں نے دماغ کو گھیر رکھا ہے۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔" میں نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

درمیان کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا گیا۔ شینو والے کمرے میں ٹیوب لائٹ جل رہی تھی اور اس کی روشنی اس کمرے میں بھی آرہی تھی۔ شینو کرسی پر بیٹھ گئی اور میں بھی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔

"تم جانگی دیوی کو کیسے جانتی ہو؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "اور کیا تمہارے خیال میں اس پر بھروسا کیا جا سکتا ہے؟"

"ہاں۔ جانگی دیوی ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد عورت ہے۔" شینو نے جواب دیا "میں اسے بہت عرصے سے جانتی ہوں۔ ان دنوں میں نے نرسنگ کا امتحان پاس کیا تھا اور مجھے ملازمت کی تلاش تھی۔ دو مہینوں کی جستجو کے بعد مجھے جانگی دیوی کے کلینک میں ملازمت مل گئی۔ ان دنوں اس کا کلینک سام سین روڈ پر بیشتل لاجبریری کے قریب ہوا کرتا تھا۔ وہ ایک بڑی کامیاب ڈاکٹر تھی۔ خصوصاً ان خواتین میں اسے بڑی مقبولیت حاصل تھی جو اپنے گناہوں کے بوجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ ایسی مریضوں میں زیادہ تعداد نوجوان لڑکیوں کی ہوا کرتی تھی جو اپنے بوائے فرینڈز کی ہوس کا شکار ہو جاتیں اور جب مہینے ڈیڑھ مہینے بعد انہیں پتا چلتا کہ ان کی نام نہاد محبت نے انہیں کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے تو وہ جانگی دیوی کے کلینک کا رخ کرتیں اور جانگی دیوی معقول فیس لے کر انہیں اس مصیبت سے نجات دلا دیتی۔ یہ اگرچہ غیر قانونی کام تھا لیکن جانگی دیوی اسے برا نہیں سمجھتی تھی۔ اس سلسلے میں اس کا اپنا ایک نظریہ تھا۔

"ایک روز جانگی دیوی پکڑی گئی۔ ایک ایسی لڑکی اس کے پاس آئی تھی جو اس سے پہلے کسی اور ڈاکٹر کے پاس جا چکی تھی اور کیس بگڑ چکا تھا۔ جانگی نے صورتِ حال کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے پہلے تو کیس لینے سے انکار کر دیا لیکن اس لڑکی کی ماں جانگی کے قدموں پر گر گئی۔ وہ بھی ہندو تھی۔ کچھ اپنے دھرم کی وجہ سے اور کچھ اس بڑھیا کی منت و سماجت کی وجہ سے جانگی دیوی کا دل پسیج گیا اور اس نے وہ کیس لے لیا۔

"کیس پہلے ہی بہت بگڑ چکا تھا۔ جانگی دیوی نے لڑکی کو اس کے پیٹ میں پلنے والے گناہ سے تو نجات دلا دی لیکن خود اس لڑکی کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اسے اسپتال لے جانا پڑا اور اس طرح یہ بات پولیس تک پہنچ گئی۔ اسپتال میں اس لڑکی کی جان تو بچ گئی لیکن جانگی دیوی قانون کی زد میں آگئی۔ لڑکی کی بوڑھی ماں نے' جو پہلے جانگی کے قدموں پر گر کر گڑگڑائی تھی' جانگی دیوی کے خلاف بیان دیا۔ اس طرح جانگی دیوی پر پابندی لگا دی گئی کہ وہ پانچ سال تک میڈیکل پریکٹس نہیں کرے گی۔ اگر اس نے خلاف ورزی کی تو اس کی میڈیکل کی ڈگری ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دی جائے گی۔ میں چونکہ جانگی دیوی کی معاونت کرتی تھی اس لیے مجھ پر بھی دو سال کے لیے پابندی لگا دی گئی۔"

"اوہ۔" میں اس کے خاموش ہونے پر بولا "اس کا مطلب ہے کہ جانگی دیوی لالچی عورت ہے۔ وہ یہ غیر قانونی کام پیسے کے لیے کرتی تھی اور کوئی لالچی انسان کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"نہیں۔" شینو نے نفی میں سر ہلایا "جانگی لالچی عورت نہیں ہے۔ میں نے کہا تھا نا کہ اس سلسلے میں اس کا اپنا ایک نظریہ ہے۔ شہر میں بیسیوں ایسے ڈاکٹر ہیں جو یہ غیر قانونی کام کرتے ہیں اور وہ ایسی عورتوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھاری معاوضہ وصول کرتے ہیں اور بعض ڈاکٹر تو اپنی مریضوں کو بلیک میل کرنے ہیں لیکن جانگی دیوی ایسی نہیں تھی۔ وہ بہت معمولی فیس وصول کرتی اور اس نے کبھی اپنی کسی مریض کو بلیک میل بھی نہیں کیا۔"

"برائی آخر برائی ہی ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ جانگی دیوی اسے برائی نہیں' بھلائی سمجھتی تھی۔ بہرحال' میڈیکل پریکٹس پر پابندی لگنے کے بعد اس نے اپنا پرانا مکان میں مساج پارلر کھول لیا۔ میں نے یہاں چند مہینے کام کیا تھا پھر چھوڑ کر چلی گئی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی "مساج یا مالش تھائی لینڈ کی ایک قدیم روایت ہے لیکن اب اسے ایک کاروبار بنا لیا گیا ہے۔ لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے اخبارات اور جرائد میں طرح طرح کے اشتہارات شائع کرائے جاتے ہیں۔ ان اشتہارات میں خوب صورت لڑکیوں اور لڑکوں کی تصاویر بھی شائع کی جاتی ہیں۔ یہ بڑا منافع بخش کاروبار ہے۔

اس میں حسین لڑکیوں اور نوعمر خوب صورت لڑکوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ مساج کی آڑ میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کی اخلاق اجازت نہیں دیتا۔ اس کاروبار پر حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔ ایک گھٹیا ترین رہائشی ہوٹل سے لے کر بڑے بڑے فائیو اسٹار اور ڈیلکس ہوٹلوں میں بھی مساج پارلر موجود ہیں۔ شہر کی ہر سڑک اور گلی کوچے میں تمہیں مساج پارلرز کے بورڈ نظر آئیں گے۔ ان پارلرز کی آڑ میں فحاشی کا کاروبار عروج پر ہے۔

"جانگی دیوی نے بھی اپنی ایک دوست کی شراکت سے اِس مکان میں ایسا ہی ایک مساج پارلر کھولا تھا۔ جانگی صرف سلیپنگ پارٹنر تھی جبکہ سارا بزنس اس کی دوست نے سنبھالا ہوا تھا۔ یہ کمرے تم نے دیکھے ہوں گے۔ تمام کمرے اس مقصد کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ ان کمروں میں لگی ہوئی نیم عریاں تصویریں اس دور کی یاد دلاتی ہیں۔ مساج پارلرز میں ایسی تصویریں اس لیے لگائی جاتی ہیں کہ گاہک زیادہ سے زیادہ تسکین حاصل کر سکے۔ گاہک کو پہلے تصویروں کے البم دکھائے جاتے ہیں۔ وہ مساج کے لیے اپنی پسند کی لڑکی یا لڑکے کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان پارلرز کے گاہکوں میں بڑی تعداد میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ کچھ عورتیں تو لڑکیوں ہی کو پسند کرتی ہیں جبکہ اکثریت ایسی عورتوں کی ہے جو مساج کے لیے نوعمر اور خوب رو لڑکوں کا انتخاب کرتی ہیں۔ جیسے..... جیسے تم....."

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے بات کرتے ہوئے نظریں پھیر لی تھیں لیکن اچانک ہی میرے دماغ میں ایک جھماکا سا ہوا۔ تھائی وانگ اذیت پسند تھی۔ اس نے خود ہی بتایا تھا کہ اذیت کے لیے وہ نوعمر لڑکوں کو زیادہ پسند کرتی ہے۔ یہ خدمت وہ مجھ سے بھی کئی مرتبہ لے چکی ہے۔ مجھے اچانک ہی ایک اور خیال آیا۔ میں نے تھائی وانگ کے بنگلے میں خوب صورت لڑکیوں کی نیم عریاں تصویریں اور وہ البم دیکھے تھے جن میں لڑکیوں اور لڑکوں کی لاتعداد تصویریں لگی ہوئی تھیں۔

"تھائی وانگ کے بارے میں جانتی ہو۔ کیا وہ بھی کوئی مساج پارلر چلاتی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے بارے میں' میں کچھ نہیں جانتی۔" شینو نے جواب دیا "اس سے میری پہلی ملاقات اسپتال ہی میں ہوئی تھی جہاں اسے ہیروئن کے علاج کے لیے داخل کرایا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اسے بھی کبھی ایسا شوق رہا ہو لیکن تمہارے بارے میں اس کے خیالات بہت مختلف ہیں۔"

"مثلاً؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"اس نے مجھے بتایا تھا۔" شینو مسکراتے ہوئے بولی "پہلی مرتبہ جب اس نے تمہیں اپنی گاڑی میں دیکھا تھا تو اس نے یہی سمجھا تھا کہ ایک اچھا جان دار لونڈا ہاتھ لگ گیا ہے۔ وہ یہی سوچ کر تمہیں اپنے گھر لے آئی تھی لیکن پھر یہ بات وہ بھی نہیں سمجھ سکی کہ تمہارے بارے میں اس کے خیالات کیوں بدل گئے تھے۔ پہلی مرتبہ جب اس نے اپنے کپڑے اتار کر ہنٹر تمہارے ہاتھ میں دیا تھا تو اس کا خیال تھا کہ تم بھی وہی کچھ کرو گے جو تمہاری عمر کے لڑکے کرنا چاہتے ہیں۔ یہ عمر کا وہ حصہ ہوتا ہے جب ذہن آسانی سے بہک جاتا ہے اور شہوانی جذباتی غالب آجاتے ہیں مگر تم مختلف ثابت ہوئے اور تمہارا یہی کردار اسے پسند آیا۔ اس کے بعد بھی کئی ایسے مواقع آئے کہ وہ تمہارے سامنے بے لباس ہوئی لیکن تم نے اپنے جذبات کو بے قابو نہیں ہونے دیا۔ اس وجہ سے وہ تمہیں پسند کرتی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز سمجھتی ہے۔"

"یہ سب کچھ تمہیں اس نے خود بتایا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنے آپ میں ایک عجیب سنسنی سی کی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

"ہاں۔" شینو کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی "میں کئی روز سے اس کے ساتھ ہوں۔ ہم راتوں کو دیر تک جاگ کر باتیں کرتے رہتے تھے۔"

"اب پھر ذرا جانگی کے بارے میں بات کرتے ہیں۔" میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ جانگی دیوی نے اپنا مساج والا بزنس بند کر دیا ہے۔ یہ کاروبار اتنا منافع بخش ہے تو اس نے اسے ختم کیوں کر دیا۔"

"چند مہینے پہلے اس کا میڈیکل لائسنس بحال کر دیا گیا تھا اور اس پر سے پابندی ہٹا لی گئی تھی۔" شینو نے جواب دیا "یہ بزنس اس نے اپنی ایک دوست کے مشورے سے شروع تو کر دیا تھا مگر اسے پسند نہیں تھا۔ اس لیے وہ کچھ دور دور ہی رہی تھی۔ اپنی میڈیکل پریکٹس پر سے پابندی ہٹتے ہی اس نے یہ بزنس ختم کر دیا اور اس علاقے میں ایک چھوٹا کلینک کھول لیا۔ اس نے مجھے اپنے کلینک میں لانا چاہا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا کیونکہ میں اسپتال میں ملازمت کر رہی تھی۔"

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" میں نے پوچھا "پھر اس اسپتال میں...؟"

"نہیں۔" شینو نے انکار میں سر ہلا دیا "اب میں اسپتال واپس نہیں جا سکتی۔ ٹائیگر کے آدمیوں نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا ہے۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں اسپتال تو کیا یہ شہر ہی چھوڑ دینا چاہتی ہوں تاکہ ان کی نظروں میں نہ آسکوں۔"

"مگر ٹائیگر کے آدمیوں کو تو ہم اس کانچ میں رسیوں سے باندھ آئے تھے۔ اب تک تو پولیس نے انہیں آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا ہوگا۔ وہ تمہارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔"

"ٹائیگر بہت طاقت ور ہے۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔" شینو نے کہا "خانقاہ میں جو کچھ ہوا' اس سے قطع نظر وہ اب بھی پوری طرح فارم میں ہے۔ وہ اپنے آدمیوں کو چھڑا لے گا۔ اگر نہ بھی چھڑا سکا تو اس کے پاس اور بھی بہت سے آدمی ہیں۔ میں کئی روز سے تھائی وانگ کے ساتھ ہوں۔ ان لوگوں کو یقیناً میرے بارے

میں پتا چل گیا ہوگا۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے اور میں زندگی بھر تم لوگوں کے ساتھ رہ نہیں سکتی۔ اب مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔"

"کہاں جاؤ گی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چیانگ رائے۔" شینو نے جواب دیا "تھائی لینڈ کے شمال میں برما کی سرحد کے قریب یہ ایک قدیم شہر ہے۔ بنکاک سے تقریباً آٹھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع چیانگ رائے جانے کے لیے بس تقریباً گیارہ گھنٹے کا وقت لیتی ہے۔ یوں تو ہوائی جہاز سوا گھنٹے میں پہنچا دیتا ہے لیکن میں ٹرین سے جاؤں گی۔ اس میں اگرچہ وقت زیادہ لگتا ہے مگر کرایہ کم ہے۔ ہوائی جہاز یا ائرکنڈیشنڈ بس کے کرائے کی میں متحمل نہیں ہو سکتی۔"

"کرائے کی تم فکر مت کرو۔ ہم تمہیں ہوائی جہاز کا کرایہ بھی دے دیں گے لیکن کیا تم نے واقعی ہمیں چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟"

"تھائی وانگ پوری طرح صحت مند ہو چکی ہے۔ اسے اب میری ضرورت نہیں ہے۔ ویسے اس احتیاط کی ضرورت ہے کہ اسے دوبارہ نشے کی لت نہ لگ جائے۔ ہیروئن کا نشہ ایک لعنت ہے۔ مریض صحت یاب ہونے کے بعد بھی دوبارہ راغب ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اس بات کا خیال اب تمہیں رکھنا ہے کہ وہ دوبارہ اس لعنت کو اپنے قریب نہ آنے دے۔ وہ تمہارا بہت خیال کرتی ہے۔"

"ٹھیک ہے شینو۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "ویسے اگر تم چاہو تو مہاراج سے کہہ کر تمہارے لیے کوئی دوسرا بندوبست کیا جاسکتا ہے جہاں تمہیں معقول تنخواہ بھی ملے گی اور تحفظ بھی حاصل ہوگا۔"

"نہیں۔ اب مجھے جانا ہی ہوگا۔" شینو نے کہا "چیانگ رائے میں میری بوڑھی ماں ہر مہینے میرے منی آرڈر کا انتظار کرتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ کسی روز اسے منی آرڈر کے بجائے میری موت کی خبر ملے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "ہم کہیں سیٹ ہو جائیں تو دو چار دن میں تمہارے جانے کا بندوبست کرتے ہیں۔" میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے پانچ بجنے والے تھے "اب تم اپنے کمرے میں جاکر سو جاؤ۔ کل دن میں بات کریں گے۔"

"مجھے اپنے کمرے میں ڈر لگ رہا ہے۔ میں یہیں تمہارے بیڈ پر ایک طرف سو جاتی ہوں۔" شینو نے کہا۔

"ڈر کیسا۔ اب تو صبح ہونے والی ہے۔ بیچ کا دروازہ کھلا رہنے دو۔" میں نے کہا۔ دراصل مجھے شینو کو اپنے بیڈ پر سلانے میں کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ صبح تھائی وانگ یا جانگی دیوی اسے میرے بستر پر دیکھیں اور انہیں میرے یا شینو کے بارے میں کوئی غلط بات سوچنے کا موقع ملے۔

وہ بادلِ ناخواستہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے بیچ والا دروازہ پوری طرح کھول دیا تھا۔

میں بستر پر لیٹا پہلے شینو اور پھر تھائی وانگ اور جانگی دیوی کے بارے میں سوچتا رہا۔ شینو نے ان دونوں کے بارے میں بڑے دلچسپ انکشافات کیے تھے۔ جانگی دیوی کے بارے میں شینو کی باتوں سے مجھے یہ اطمینان ہوا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کرے گی اور تھائی وانگ کے بارے میں یہ انکشاف بھی بڑا دلچسپ تھا کہ اس رات وہ مجھے کس مقصد کے تحت اپنے گھر لائی تھی اور اب میرے بارے میں کیا سوچتی تھی۔

دوسرے دن شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہم روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔ جانگی دیوی نے ضرورت کی تمام چیزیں دوسرے مکان میں پہنچا دی تھیں۔ اس کے پاس اپنی گاڑی تھی جسے وہ گھر سے کچھ دور کرائے کے گیراج میں کھڑی کیا کرتی تھی۔ دن میں کئی چکر لگا کر ساری چیزیں اس نے اس گاڑی میں ڈھوئی تھیں۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد اس نے گاڑی کو دروازے کے ساتھ لگا کر کھڑا کردیا۔ گاڑی کے اندر کی لائٹ بجھی ہوئی تھی۔ ہم تینوں بڑی احتیاط سے مکان سے نکل کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ میں، شینو اور تھائی وانگ کے درمیان سینڈوچ بنا بیٹھا تھا۔ جانگی نے مکان کے دروازے کو تالا لگایا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

گاڑی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی چاؤ فرایا ریور پار کرکے لاڈیا روڈ پر آگئی اور کنگ ٹاکسن کے اسٹیچو والے چوراہے سے ہوتی ہوئی وانگ ونگ بائے روڈ پر آگئی۔ سڑک پر اس نام کا بورڈ پڑھ کر مجھے مہاراج یاد آگئے۔ ان کا بھی یہی نام تھا۔

جانگی دیوی نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ ہمارا تعاقب تو نہیں کیا جارہا۔ اس سڑک پر تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد گاڑی دائیں طرف ایک اور سڑک پر مڑگئی۔ یہاں آبادی قدرے چھدری تھی۔ خوب صورت کاٹیج تھے۔ جو ایک دوسرے سے فاصلے پر تھے۔ بالآخر جانگی دیوی نے ایک کاٹیج کے سامنے گاڑی روک لی۔ پہلے نیچے اتر کر گیٹ کھولا اور پھر گاڑی کو اندر لے آئی۔ گاڑی پورچ میں روک کر وہ ایک بار پھر گیٹ کی طرف گئی اور گیٹ بند کرکے واپس آگئی۔

کاٹیج خاصا بڑا تھا۔ تازہ رنگ و روغن کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ دو کمرے ایسے تھے جہاں بیڈ بچھے ہوئے تھے۔ سٹنگ روم میں تین چار کرسیاں اور ایک بڑی کافی ٹیبل پڑی تھی۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ کچن میں ایک چھوٹا فریج اور ضرورت کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ باتھ روم میں بھی ضرورت کی چیزیں موجود تھیں۔ یہ تمام انتظامات آج دن میں جانگی دیوی نے کیے تھے اور اب کئی روز تک کوئی پریشانی نہیں ہو سکتی تھی۔

جانگی دیوی نے آتے ہی کافی بنائی اور ہم سٹنگ روم میں بیٹھ کر چسکیاں لیتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔

"ٹیلی فون موجود ہے۔" جانگی دیوی نے کمرے کے ایک کونے میں اسٹینڈ پر رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہاں میرا زیادہ آنا جانا مناسب نہیں ہوگا لیکن اگر کوئی ایسی ویسی ہوا کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے تو فون کردینا۔"

"ایک دو دن تک تو شاید کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے لیکن ایک اور کام کرنا ہوگا۔" میں نے جانگی دیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا۔؟" جانگی نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"شینو ہمارے حالات سے خوف زدہ ہے۔" میں نے جواب دیا "یہ چیانگ رائے اپنی ماں کے پاس جانا چاہتی ہے۔ اس کے لیے بس کی ٹکٹ اور کچھ رقم کا بندوبست کرنا ہوگا۔ کیا تم اتنی رقم کا بندوبست کرسکو گی؟"

"رقم تو میرے پاس بہت ہے۔" جانگی دیوی نے مسکراتے ہوئے کہا "جب تم لوگ میرے مکان سے بھاگے تھے تو بعد میں بندو نے سامان کی تلاشی لینے پر اس کے سوٹ کیس میں سے کرنسی نوٹوں کے بنڈل ملے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ بندو کے پاس اتنی بڑی رقم کہاں سے آئی۔ وہ رقم میں نے چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ پولیس کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"وہ رقم ہماری ہے۔" تھائی وانگ جلدی سے بولی "جب ہائیجر کے آدمی میرے گھر پر آئے تھے تو وہاں سے بھاگتے ہوئے میں نے جلدی میں کچھ رقم بیگ میں رکھ لی تھی اور تمہارے گھر میں وہ بیگ وجدان کے کمرے میں تھا۔ اس رات ہم تینوں تمہارے کمرے میں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ اس سے تھوڑی دیر پہلے وجدان نے بندو کو چھپ کر ہماری باتیں سنتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس پر وجدان کو کسی گڑبڑ کا شبہ ہوا تھا اور پھر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ میرے کمرے میں تکیے کے نیچے رکھا ہوا پستول اور وجدان کے کمرے میں میرے بیگ میں سے رقم غائب تھی۔ اس کے بعد ہی ہم نے تمہیں بتائے بغیر وہاں سے بھاگنے کا فیصلہ کیا تھا اور بندو نے اسی پستول سے ہمیں چھت پر روکنے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہ۔" جانگی دیوی کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "اس کا مطلب ہے کہ بندو شروع ہی سے اپنے نواسے کی سازش میں شریک تھی۔ بہرحال، وہ رقم میرے پاس جوں کی توں موجود ہے۔ میں تمہیں لادوں گی۔"

"تم کب جانا چاہتی ہو؟" میں نے شینو سے پوچھا۔

"جتنی جلدی ممکن ہو۔" شینو نے کہا۔

"کل تو نہیں۔ میں پرسوں صبح کی فلائٹ سے تمہارے لیے بکنگ کروا دوں گی۔ پہلی فلائٹ صبح سات بجے روانہ ہوتی ہے۔ تم لوگ ساڑھے پانچ بجے تیار رہنا۔ میں تمہیں لینے کے لیے پہنچ جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں تیار ملوں گی۔" شینو نے جواب دیا۔

جانگی دیوی رات گیارہ بجے کے قریب واپس چلی گئی۔

دوسرا دن کاٹیج ہی میں گزرا۔ دن کے وقت تو ہم کمروں سے بھی باہر نہیں نکلے تھے۔ شام کو میں نے ماسٹر ہوچن کو ٹیلی فون کیا۔ وہ میری آواز سن کر غالباً اچھل پڑا تھا۔

"مہاراج تمہارے لیے پریشان ہیں۔ کہاں ہو تم لوگ؟" اس نے کہا۔

"ہم محفوظ ہیں۔" میں نے جواب دیا "مہاراج کو بتا دینا۔ ہم چند روز تک الگ ہی رہنا چاہتے ہیں۔"

"مہاراج تمہارے اس کارنامے پر بہت خوش ہیں اور تمہاری گمشدگی پر پریشان بھی۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "آج کے تمام اخبارات انہی خبروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ بھگشو شوفانگ زندہ بچ گیا ہے اور اس نے اپنے جرائم کا اعتراف کرلیا ہے۔ تھائی وانگ نے اسے جو سزا دی ہے وہ اسے زندگی کے آخری لمحوں تک یاد رکھے گا۔"

"یہ کارنامہ دراصل تھائی وانگ ہی نے انجام دیا تھا۔" میں نے کہا "بہرحال، مہاراج کو بتا دینا کہ ہم خیریت سے ہیں۔ میں دو چار دن بعد رابطہ کروں گا اور ہاں ٹائیگر اور اس کے ساتھیوں کا کیا حال ہے؟"

"پولیس ان کی تلاش میں بھی چھاپے مار رہی ہے لیکن وہ لوگ بھی روپوش ہیں۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا۔

"کوشلیا نے تم سے کوئی رابطہ کیا یا نہیں؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"نہیں۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "خانقاہ میں بم دھماکے کے چند روز بعد اس نے فون کیا تھا لیکن میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ ابھی وہ مزید چند روز تک اپنی پناہ گاہ سے باہر نہ نکلے۔ اس کے چند روز بعد میں نے خود اس کے دیے ہوئے نمبر پر فون کیا تھا لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا اور نہ ہی کوشلیا نے دوبارہ ہم سے رابطہ کیا ہے۔"

میں نے ماسٹر ہوچن سے کوشلیا کا وہ فون نمبر لے لیا اور فون بند کردیا اور پھر تھائی وانگ کو ماسٹر ہوچن سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔

اور پھر اس رات گیارہ بجے کے قریب جانگی دیوی کا فون آگیا کہ اس نے شینو کے لیے صبح سات بجے کی فلائٹ پر سیٹ بک کروالی ہے۔ وہ پانچ بجے اسے لینے کے لیے آئے گی۔ شینو کو بتایا تو وہ بہت خوش ہوئی۔

شینو کو اس رات نیند نہیں آئی تھی بلکہ ہم بھی جاگتے رہے تھے۔ میرے والے کمرے میں سنگل بیڈ تھا جبکہ دوسرے کمرے میں ڈبل بیڈ، شینو اور تھائی وانگ اس بیڈ پر سویا کرتی تھیں اور اس رات ہم تینوں وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔

جانکی دیوی صبح ٹھیک پانچ بجے پہنچ گئی۔ کار کی ڈکی پر ایک بڑا سوٹ کیس بھی تھا جسے وہ اٹھا کر اندر لے آئی۔

"یہ تمہارے لیے ہے شینو۔" اس نے سوٹ کیس کھولتے ہوئے کہا "میں نے اندازے سے تمہارے لیے کچھ کپڑے خرید لیے ہیں اور کچھ تحائف ہیں۔ تمہارے لیے اور تمہاری والدہ کے لیے۔"

شینو بہت خوش ہو رہی تھی۔ وہ ایک ایک چیز اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔ جانکی دیوی نے کپڑے کا ایک تھیلا تھائی وانگ کی طرف بڑھا دیا۔

"وہ ساری رقم اس میں جوں کی توں موجود ہے۔" اس نے کہا۔

تھائی وانگ نے تھیلا کھولا اور نوٹوں کے چند بنڈل نکال کر شینو کے حوالے کردیے۔

"لو یہ رکھ لو۔" وہ بولی "یہ اتنی رقم ہے کہ تم کئی مہینے کام کیے بغیر آرام سے گزار سکتی ہو۔"

فرطِ جذبات سے شینو کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے۔ وہ شاید سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسے یہاں سے اتنی محبت ملے گی۔ وہ تھائی وانگ سے لپٹ گئی۔

"میں تمہارے لیے ناشتا بناتی ہوں۔ ہم آخری بار اکٹھے بیٹھ کر ناشتا کریں گے۔" تھائی وانگ نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اسے اپنے سے الگ کیا۔

شینو اب جانکی دیوی سے لپٹ گئی تھی اور پھر اس نے مجھے بھی گرفت میں لے کر میری پیشانی پر بوسے دیے۔

تھائی وانگ ناشتا بنا کر لے آئی۔ ہم سب نے بیٹھ کر ناشتا کیا اور پھر شینو جانکی دیوی کے ساتھ رخصت ہوگئی۔

ان کے جانے کے بعد میں جو سویا ہوں تو دن کے ساڑھے گیارہ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سے میری آنکھ کھلی تھی۔ میں اپنے کمرے سے نکلا تو تھائی وانگ بھی اپنے کمرے سے نکل رہی تھی۔ ہم دونوں الجھی ہوئی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ کس کا فون ہو سکتا تھا؟

"شاید جانکی کا فون ہو۔" تھائی وانگ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "میں دیکھتی ہوں۔" اس نے ریسیور اٹھالیا اور پھر دوسری طرف کی آواز سن کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی "شینو کا فون ہے۔ چیانگ رائے سے۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر فون پر باتیں کرنے لگی۔

دو تین منٹ بعد اس نے فون بند کردیا اور شینو سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگی۔

میں بھی تھائی وانگ کے ساتھ اس کے کمرے میں آگیا۔ ہم دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر تھائی وانگ کھانا تیار کرنے کے لیے کچن میں چلی گئی۔

ہم تین دن اس کاٹیج میں محدود رہے۔ اس دوران میں ماسٹر ہوچن سے بھی ایک مرتبہ فون پر رابطہ ہوا تھا۔ ان تین دنوں کے دوران میں جانکی دیوی نے بھی ادھر کا رخ نہیں کیا تھا البتہ فون پر رابطہ رکھا تھا۔

اس شام مجھے اچانک ہی کوشلیا کا خیال آگیا۔ میں نے ماسٹر ہوچن سے اس کا فون نمبر لے کر نوٹ کر رکھا تھا۔ میں نے اس نمبر پر فون کیا۔ دیر تک گھنٹی بجتی رہی مگر کال ریسیو نہیں کی گئی۔ پھر فون کے قریب ہی دو ڈائریکٹریاں بھی رکھی ہوئی تھیں اور اتفاق سے ان میں ایک نمبر پکل ڈائریکٹری تھی۔ تھائی وانگ اس ڈائریکٹری میں وہ نمبر تلاش کرنے لگی۔

وہ نمبر اتوتام ڈسٹرکٹ میں سونگ تھری اسٹریٹ پر واقع ایک فلیٹ کا تھا اور یہ ٹیلی فون کسی راجا دتھی کے نام پر تھا۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ راجا دتھی کوئی عورت تھی یا مرد۔ بہرحال تھائی وانگ نے وہ ایڈریس ایک کاغذ پر نوٹ کرلیا۔

"میرا خیال ہے۔ اب ہمیں باہر نکل کر صورتِ حال کا جائزہ لینا چاہیے۔" میں نے تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس طرح ہم کب تک بند ہو کر بیٹھے رہیں گے۔ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔"

"لیکن اس حالت میں ہم باہر نہیں نکل سکتے۔ فوراً پہچان لیے جائیں گے۔" تھائی وانگ نے کہا "ویسے ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔ میں جانکی دیوی کو فون کرتی ہوں۔ وہ کچھ چیزیں لے آئے تو ہم اپنا حلیہ تبدیل کرسکتے ہیں۔"

اور پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ فون کا ریسیور اٹھا کر جانکی دیوی کا نمبر ملانے لگی۔

اس رات گیارہ بجے کے قریب جانکی دیوی مطلوبہ چیزیں لے کر آگئی۔ ان میں ہمارے لیے کپڑے تھے اور کچھ اور چیزیں جنہیں حلیہ تبدیل کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا تھا۔

اس سے اگلے روز رات نو بجے کے قریب ہم اس کاٹیج سے باہر نکلے۔ ہمارے حلیے ایسے تھے کہ ہمیں آسانی سے شناخت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مین اسٹریٹ پر آتے ہی ہمیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے تھائی وانگ نے ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے ہوٹل اندرا رنجیت کا نام لے دیا تھا۔

ٹیکسی ہم نے سوئے اندرا کے موڑ پر چھوڑ دی اور جب ہم ہوٹل کے گیٹ میں داخل ہونے لگے تو گیٹ پر کھڑا ہوا دربان ہمیں دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔ ہم دونوں کے حلیے غیر ملکی ہپیوں جیسے تھے اور اس شہر میں ہپیوں کی کمی نہیں تھی۔

کئی روز بعد ہم نے ڈھنگ کا کھانا کھایا اور مشروبات پیے۔ ہوٹل سے نکل کر کچھ آگے ایک سگریٹ فروش کی دکان تھی۔ تھائی وانگ اس دکان میں داخل ہوگئی اور سگریٹ کا پیکٹ خرید کر

کندھے پر لٹکے ہوئے بیگ سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال لیا۔

دکان میں دو اوباش قسم کے نوجوان کھڑے ہوئے تھے۔ تھائی وانگ کے جسم پر لباس بہت مختصر تھا۔ نیکر بہت اونچی تھی جس سے اس کی ٹانگیں اوپر تک برہنہ ہو رہی تھیں۔ اور بلاؤز بھی بہت مختصر تھا۔ وہ دونوں اوباش ہوس بھری نظروں سے تھائی وانگ کی طرف دیکھ رہے تھے اور جب تھائی وانگ نے بیگ میں سے نوٹوں کا بنڈل نکالا تو ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ ان دونوں کے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا بھی تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ان کی نیتوں میں فتور آگیا ہے۔

ہم دکان سے نکل کر پیدل چلتے ہوئے سونگ تھری اسٹریٹ میں داخل ہوگئے۔ یہ کشادہ گلی تھی جس کے دونوں طرف بلند عمارتیں تھیں۔ ہمیں مطلوبہ عمارت تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

عمارت کے گیٹ پر کوئی دربان وغیرہ نہیں تھا۔ ہم اندر داخل ہو کر دیوار پر لگے ہوئے اس بورڈ کو دیکھنے لگے جس پر فلور وائز فلیٹوں کے نمبر لکھے ہوئے تھے۔ بعض نمبروں کے سامنے نام بھی لکھے ہوئے تھے۔ ہمارا مطلوبہ فلیٹ تیسری منزل پر تھا۔ اس عمارت میں لفٹ تو موجود تھی لیکن وہ خراب تھی۔ لوگ زینوں ہی سے آجا رہے تھے۔ زینے پر آتے جاتے لوگ عجیب سی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔

وہ فلیٹ تیسری منزل کی راہداری کے آخری سرے پر تھا۔ دروازے پر دو مرتبہ دستک دی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ اس دوران میں سامنے والے فلیٹ کا دروازہ کھلا اور ایک عورت باہر نکل کر ہماری طرف دیکھنے لگی۔ اس کے جسم پر ساری دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ہندو تھی۔

"کس سے ملنا ہے۔ یہ فلیٹ کئی روز سے خالی ہے۔ یہاں کوئی نہیں رہتا۔" اس عورت نے باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مس کوشلیا۔ اس نے ہمیں یہی پتا بتایا تھا۔ کئی روز پہلے۔" تھائی وانگ نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ کک باکسنگ والی لڑکی جو نائٹ کلبوں میں پروگرام کرتی تھی۔" اس عورت نے کہا "وہ چند روز یہاں رہی تھی پھر کئی روز پہلے اپنی بہن کے ساتھ چلی گئی۔"

بہن کے نام پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ کوشلیا کی ایک بڑی بہن بھی ہے جو سوکھم وٹ روڈ پر واقع کسی ہوٹل اسٹور پر سیلز گرل کی حیثیت سے کام کرتی تھی۔ مجھے اس اسٹور کا نام یاد آگیا۔

جب ہم اس عمارت سے باہر نکلے تو سگریٹ فروش کی دکان سے ہمارے پیچھے لگنے والے وہ دونوں غنڈے گلی میں موجود تھے۔ میں اندازہ لگا گیا تھا کہ وہ تھائی وانگ کے پاس ایک بڑی رقم دیکھ کر ہمارے پیچھے لگے تھے۔ ان سے نمٹنا زیادہ مشکل نہیں تھا مگر میں کوئی ہنگامہ نہیں چاہتا تھا۔ میں نے تھائی وانگ سے سرگوشی کی اور ہم دوبارہ اس عمارت میں داخل ہوگئے اور کچھ ہی دیر بعد ہم اس عمارت کے عقبی دروازے سے نکل رہے تھے۔ اس طرف چند گز کا فاصلہ طے کرتے ہی ایک خالی ٹیکسی مل گیا۔ ہم نے نک نک پر بیٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ میں پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا رہا مگر وہ غنڈے نظر نہیں آئے۔ شاید وہ اب بھی عمارت کے سامنے والے رخ پر کھڑے تھے۔

سوکھم وٹ روڈ کی ایک ذیلی اسٹریٹ سوئے فائیو پر وہ اسٹور تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ یہ شہر کا سب سے بارونق علاقہ تھا۔ بڑے بڑے اسٹورز اس علاقے میں تھے یہاں ہوٹلوں اور ریستورانوں کی بھی بھرمار تھی۔ اسٹورز تو گیارہ بجے تک بند ہوجاتے تھے مگر ہوٹل اور ریسٹورنٹ رات بھر کھلے رہتے تھے۔ جن کی وجہ سے رات گئے تک یہاں بڑی رونق رہتی تھی۔

وہ اسٹور بند ہو رہا تھا لیکن کوشلیا کی بہن شانتی سے ملاقات ہوگئی۔ اس کی شکل بڑی حد تک کوشلیا سے ملتی جلتی تھی لیکن عمر میں تقریباً دس سال کا فرق تھا۔

"تم لوگ کون ہو۔ کوشلیا سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟" اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف گھورتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔

"اس سے ایک بہت ضروری کام ہے۔ تمہیں نہیں بتا سکتے۔" میں نے کہا۔

"وہ اپنی جان بچانے کے خوف سے چھپتی پھر رہی ہے۔ میں خود اس کے لیے پریشان ہوں۔ مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہوگی۔ ویسے تم لوگوں کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔" اس نے کہا۔

"دیکھو شانتی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "مجھے معلوم ہے کہ چند روز پہلے تم اسے سونگ تھری اسٹریٹ والے فلیٹ سے لے گئی تھیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ ہم اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔"

"کون ہو تم....؟" شانتی چونک گئی۔

"اس کا دوست۔" میں نے جواب دیا۔

"کل بھی ایک آدمی اسے پوچھتا ہوا آیا تھا۔ اس نے بھی اپنے آپ کو کوشلیا کا دوست کہا تھا لیکن میں اس کی باتوں ہی سے سمجھ گئی تھی کہ وہ دوست نہیں ہو سکتا۔ اسے بھی میں نے یہی جواب دیا تھا کہ میں کوشلیا کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔" شانتی نے کہا۔

"میں واقعی اس کا دوست ہوں۔ مہاراج کا آدمی۔" میں نے کہا "اگر تم چاہو تو مہاراج کے جمنازیم میں ماسٹر ہوچن کو فون کرکے میرے بارے میں تصدیق کرسکتی ہو۔ میرا نام وجدان ہے۔"

"وہ.... وجدان۔" وہ ہکلا کر رہ گئی "وہ تم ہو جس کی وجہ سے کوشلیا بھی مصیبت میں مبتلا ہے۔ تمہاری وجہ سے ہی...."

"اور میں ہی اسے اس مصیبت سے نکالنا چاہتا ہوں۔ جس میں وہ خود پھنسی تھی۔ بہرحال' یہاں کھڑے ہو کر باتیں نہیں ہوسکتیں۔ اگر تم کوشلیا کے بارے میں جانتی ہو تو ہمیں بتادو۔" میں نے کہا۔

وہ چند لمحے گہری نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی "مگر تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ سونگ تھری اسٹریٹ والے فلیٹ میں رہ رہی تھی۔"

"چند روز پہلے اس نے ماسٹر ہوچن کو اپنا فون نمبر لکھوایا تھا۔ بعد میں ماسٹر ہوچن نے کئی مرتبہ فون کیا مگر کال ریسیو نہیں کی گئی۔ اس وقت ہم اسی فلیٹ میں گئے تھے۔ سامنے والی پڑوسن نے بتایا کہ کوشلیا کو اس کی بہن لے گئی تھی ہم اس لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔ یقین کرو ہم اس کے دوست ہیں اور مہاراج بھی اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا۔ ہم اس وقت دکان کے باہر کھڑے باتیں کررہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہم تینوں محتاط نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ بھی رہے تھے۔

شانتی چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر اشارہ کرتے ہوئے ایک طرف چل پڑی۔ کچھ دور چلنے کے بعد ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ ہمارا ٹیکسی کا سفر سوئے ٹونٹی ٹو پر ختم ہوگیا۔ ٹیکسی کا کرایہ تھائی وانگ نے ادا کیا۔

وہ بلڈنگ سات منزلہ تھی اور شانتی کا فلیٹ آخری منزل پر تھا۔ ہم لفٹ سے باہر نکل کر شانتی کے پیچھے چلتے ہوئے ایک فلیٹ کے سامنے رک گئے۔ شانتی نے دو مرتبہ بیل بجائی مگر دروازہ نہیں کھلا۔ اس نے اپنے بیگ سے چابی نکال کر تالا کھولا اور دھکا دے کر دروازہ کھول دیا۔

"کوشلیا۔ کہاں ہو تم؟ دیکھو کون آیا ہے۔" وہ آواز دیتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔

تھائی وانگ اور میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی چل رہے تھے۔ مجھے کچھ عجیب سا احساس ہورہا تھا۔ جیسے کوئی گڑبڑ ہو۔ شانتی نے ایک کمرے کا دروازہ کھول دیا اور جیسے ہی بتی جلائی اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔

میں جلدی سے آگے بڑھا اور سامنے کا منظر دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

کوشلیا بیڈ پر اس طرح آڑی ترچھی پڑی ہوئی تھی کہ اس کا ایک پیر نیچے لٹکا ہوا تھا۔ شہ رگ کٹی ہوئی تھی اور ایک خنجر دستے تک سینے میں پیوست تھا۔

کوشلیا کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ موت کے گھاٹ اتارنے سے پہلے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہوگا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پڑ رہی تھیں اور چہرے پر اذیت کے تاثرات منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔

یہ کسی ایک آدمی کا کام نہیں تھا۔ کوشلیا موئے تھائی کی مار تھی۔ وہ ایک یا دو آدمیوں کے قابو میں آنے والی نہیں تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ دو سے زیادہ آدمی تھے۔ افراتفری کی کیفیت میں اسی کمرے میں تھی۔ یہیں پر کچھ چیزیں بکھری ہوئی نظر آرہی تھیں جیسے دھینگا مشتی ہوئی ہو۔

میں نے تھائی وانگ کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد ہوگیا تھا جبکہ شانتی مسلسل چیخ رہی تھی۔ تھائی وانگ شانتی کو سنبھالنے کی کوشش کررہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر کوشلیا کے بازو کو چھو کر دیکھا۔ بازو ٹھنڈا اور اکڑا ہوا تھا جس سے اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ اسے کئی گھنٹے پہلے قتل کیا گیا تھا۔ برہنہ جسم چادر پر بکھرا ہوا خون بھی جم کر سیاہی مائل رنگت اختیار کرچکا تھا۔

شانتی کے چیخنے کی آواز سن کر دروازے پر کچھ لوگ جمع ہوگئے تھے۔ ایک عورت اور دو آدمی اندر آگئے اور یہ منظر دیکھ کر وہ لوگ بھی کانپ اٹھے۔

"آج دن میں یہاں کوئی آیا تھا؟" میں نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ سامنے والے فلیٹ میں رہتی تھی۔

"گیارہ بجے کے قریب تین آدمی آئے تھے۔ میں اس وقت اپنے بچے کو لیے دروازے میں کھڑی تھی۔" اس عورت نے جواب دیا "ان میں سے ایک نے بیل بجائی تھی۔ کوشلیا نے دروازہ کھولا تو وہ چند لمحے کوشلیا سے سرگوشیوں میں باتیں کرنے کے بعد اندر چلے گئے تھے۔ میں نے ان تینوں کو واپس جاتے ہوئے نہیں دیکھا کیونکہ آدھے گھنٹے بعد میں بھی کسی کام سے چلی گئی تھی۔"

دو عورتیں اور اندر آگئیں اور وہ سب شانتی کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگیں جو بری طرح بکھری جارہی تھی۔ میرے خیال میں اب وہاں رکنا ہمارے لیے مناسب نہیں تھا۔ میں نے تھائی وانگ کو اشارہ کیا اور ہم دونوں خاموشی سے باہر آگئے۔

کوشلیا کے قتل کی خبر نہ صرف پوری بلڈنگ میں بلکہ اس گلی میں بھی پھیل گئی تھی۔ لوگ بلڈنگ کے سامنے جمع ہورہے تھے اور کچھ لوگ بلڈنگ کے اندر داخل ہورہے تھے۔ بعض لوگوں نے ہماری طرف بھی دیکھا تھا مگر زیادہ توجہ نہیں دی۔ میں نے تھائی وانگ کو اشارہ کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔ میں جلد سے جلد اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا تاکہ ہم کسی نئی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔

ہم سوئے ٹونٹی ٹو سے نکل کر ایک اور گلی میں گھومتے ہوئے سوئے سکستین پر نکل آئے اور وہاں سے ہمیں ایک ٹک ٹک مل گیا۔

میں ٹک ٹک پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ ڈرائیور کے دائیں طرف باہر کی طرف لگا ہوا عقبی منظر پیش کرنے والا آئینہ میرے سامنے تھا اور میں آئینے میں دیکھ رہا تھا۔ وہ کوئی موٹر سائیکل تھی

جس پر تین افراد سوار تھے۔ ان کی ہیڈ لیمپ کی روشنی آئینے میں نظر آرہی تھی۔ پہلے تو میں سمجھا کہ شاید وہ پولیس کی موٹر سائیکل ہے مگر پھر میں نے سوچا کہ پولیس کی موٹر سائیکل ہمارے پیچھے کیوں آئے گی۔ پھر میں نے سوچا کہ شاید وہ پولیس کی موٹر سائیکل ہمارے پیچھے آرہی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ موٹر سائیکل ہمارے پیچھے ہی ہورہا ہے۔"

تھائی وانگ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے ٹک ٹک کو ایک فلائی اوور پر چڑھے بعد ہی وہ موٹر سائیکل پر دو آدمی تھے اور دونوں ہی چوروں سے چھٹے ہوئے معاش لگ رہے تھے۔ تھائی وانگ نے ٹک ٹک والے کو ایک طرف روکنے کا اشارہ کیا اور ہم سڑک پار کرکے ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہوگئے۔ اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے لیکن اس علاقے میں رونق تھی جیسے ابھی شام اتری ہو۔ اس علاقے میں تنگ و تاریک گلیاں بھی تھیں۔ ایسے علاقے عام طور پر جرائم پیشہ لوگوں کی سرگرمیوں کا مرکز بنے رہتے ہیں۔ رہزنی اور لوٹ مار کی وارداتیں روز کا معمول تھیں۔

ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے ہی ایک میز پر گانگ کو بیٹھے دیکھ لیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اس کے ساتھ دو اور تھے اور ان دونوں کا تعلق مہاراج کے جمنازیم سے تھا۔ گانگ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

"میں یہاں اسی لیے آئی تھی۔" وہ ایک میز کے سامنے کرسی کھینچتے ہوئے بولی "یہ علاقہ چائنا ٹاؤن سے متصل ہے بلکہ اسے بھی چائنا ٹاؤن کا ایک حصہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ وانگ ٹرمنٹ اور مہاراج کا جمنازیم یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ مجھے یقین تھا کہ مہاراج کے کیمپ کا کوئی نہ کوئی آدمی یہاں ضرور نظر آئے گا۔"

تھائی بھی اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ جب ہم ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تھے تو گانگ نے سرسری سی نگاہوں سے ہماری طرف دیکھا تھا۔ اس کے بعد توجہ نہیں دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ہم میں سے کسی کو نہیں پہچان سکا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ ان دونوں غنڈوں نے ہمیں کیسے پہچان لیا تھا جو سوئے ہوئے ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے پھر اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ وہ پہلے ہی سے اس بلڈنگ کی نگرانی کررہے ہوں۔ شاید انہوں نے کوشلیا کی بہن کے ساتھ تھے اس لیے ہمیں مشتبہ سمجھ کر پیچھا کیا گیا تھا اور پھر یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئی کہ کوشلیا کو کس طرح تلاش کرکے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

ٹائیگر کو کسی طرح پتا چل گیا ہوگا کہ اس کے منصوبے کی مخبری کوشلیا نے کی تھی۔ کوشلیا کے غائب ہوجانے سے اس کا شبہ یقین میں بدل گیا ہوگا۔ وہ اسے تلاش کررہے تھے اور پھر کسی طرح انہوں نے کوشلیا کی بہن شانتی کا پتا چلالیا..... صرف ایک روز پہلے دو آدمی کوشلیا کے بارے میں پوچھنے شانتی کے پاس گئے تھے اور شانتی نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور پھر شانتی کی نگرانی کرکے اس کے فلیٹ کا پتا چلالیا گیا تھا اور آج جب شانتی اسٹور پر تھی تو تین آدمی فلیٹ پر پہنچ گئے۔ ہوسکتا ہے انہوں نے کوشلیا کو دوست اور ہمدرد ظاہر کیا ہو جس پر کوشلیا نے انہیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی تھی اور پھر انہوں نے کوشلیا کے ساتھ وہ سب کچھ کیا جو بدمعاشوں کو ایک جوان اور حسین عورت کے ساتھ کرنا چاہیے تھا اور پھر انہوں نے نہایت بے دردی سے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کسی نے کوشلیا کے چیخنے کی آواز نہیں سنی تھی۔ اس کمرے کی حالت بتا رہی تھی کہ اس نے مزاحمت کی ہوگی۔ اس کے چیخنے کی آواز شاید اس لیے نہیں سنی گئی تھی کہ اس کا منہ بند کردیا گیا ہوگا۔

یقیناً سب کچھ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ میں نے سوچتے ہوئے سر ہلا دیا۔ تھائی وانگ نے کافی کا آرڈر دے دیا تھا۔ ویٹریس نے دو مگ ہمارے سامنے رکھ دیے اور ہم دونوں اپنے اپنے مگ اٹھا کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگے۔ اسی دوران میں' میں نے ان دونوں کو ریسٹورنٹ کے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ دونوں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے ہماری میز کی طرف آرہے تھے۔ میں نے گانگ وغیرہ کی طرف دیکھا۔ گانگ کی آنکھوں میں الجھن کے تاثرات نظر آرہے تھے۔ شاید وہ ان دونوں کا انداز دیکھ کر چونک گیا تھا۔

وہ دونوں ہماری میز پر کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔ ان میں ایک کے چہرے پر چیچک سی داڑھی تھی۔ دوسرا کلین شیو تھا۔ داڑھی والے نے اپنی کرسی تھائی وانگ کی طرف گھسیٹ لی اور بڑی بے تکلفی سے اس کی ران پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ سی مسکراہٹ تھی۔

تھائی وانگ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اس میں غصہ بھی تھا اور کچھ خوف بھی شامل تھا۔ اس نے داڑھی والے کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"اگر یہاں بیٹھنا ہے تو شرافت سے بیٹھو ورنہ کسی اور میز پر چلے جاؤ۔" تھائی نے ہولے سے غراتے ہوئے کہا۔

"شرافت۔" اس شخص نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "اب تک تو ہم شرافت کا ثبوت ہی دیتے آئے ہیں ورنہ تم جیسے لوگوں کو تو پہلے ہی روز کچل دینا چاہیے۔"

"کیا بکتے ہو!" تھائی نے خونخوار نظروں سے اس کی طرف

دیکھا "کیا سمجھتے ہو تم ہمیں۔ تمہارا ہم سے کیا تعلق ہے۔ کیا یہاں غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے؟ اگر بدتمیزی کی تو میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گی۔"

"پولیس کے پاس تو شاید تم خود بھی نہیں جانا چاہو گی۔" اس شخص نے کہا "اس لیے کہ پولیس تو پہلے ہی تم لوگوں کی تلاش میں ہے۔ بھکشو شوفانگ موت کی دہلیز سے پلٹ کر آیا ہے۔"

تھائی وانگ کا چہرہ متغیر ہوگیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا۔

"اے مسٹر۔" میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "تم لوگ شرافت سے یہاں سے اٹھو گے.... یا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے۔ ہم ٹورسٹ ہیں۔ ہمارا کسی بھکشو سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔"

"اگر تم یہ ثابت کردو کہ واقعی ٹورسٹ ہو تو ہم خاموشی سے یہاں سے اٹھ کر چلے جائیں گے۔ بصورت دیگر ٹائیگر تم لوگوں کو پاکر بہت خوش ہوگا۔" کلین شیو والے نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"ہم کسی ٹائیگر کو نہیں جانتے۔ تم لوگ شرافت سے اٹھ جاؤ یہاں سے۔" میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کوشلیا کو تو تم ضرور جانتے ہوگے۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا "تم لوگ کوشلیا سے ملنے اس کی بہن کے ساتھ اس کے فلیٹ پر گئے تھے لیکن اس کی لاش دیکھ کر وہاں سے بھاگ نکلے لیکن اب تم بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ بہتر یہی ہے کہ تم لوگ خاموشی سے اٹھ کر ہمارے ساتھ چل پڑو۔ اگر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو تم دونوں کا حشر بھی کوشلیا سے مختلف نہیں ہوگا اور کوشلیا کی لاش تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔"

اب معاملہ مختلف ہوگیا تھا۔ ان کا تجزیہ بہت صحیح تھا۔ وہ ہمیں پہچان گئے تھے۔ کلین شیو والے نے خنجر نکال لیا تھا۔ اس نے خنجر کی نوک اس طرح میرے پہلو سے لگا دی کہ کوئی دوسرا نہ دیکھ سکے۔

"مجھے معلوم ہے تم بہت اچھے فائٹر ہو لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم خودکشی کرنا پسند نہیں کروگے۔" کلین شیو والے نے کہا۔

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ خنجر کی نوک میرے پہلو میں چبھ رہی تھی اور اس کا خیال تھا کہ میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گا لیکن میں نے ٹریننگ کی سختیاں اس لیے نہیں اٹھائی تھیں کہ اپنے آپ کو اس طرح آسانی سے کسی کے حوالے کردوں۔ میں نے دونوں پیر فرش پر جمائے اور پوری قوت سے اپنے آپ کو پیچھے دھکیلا۔ کرسی الٹ گئی۔ میں نے بھی کرسی کے ساتھ ہی فرش پر الٹی قلابازی کھائی تھی۔ کلین شیو والا بڑی پھرتی سے اٹھ گیا لیکن میں اس سے پہلے ہی سنبھل گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر حملہ کرتا، میں نے اچھل کر اس کے سینے پر فلائنگ کک لگائی۔ وہ اچھل کر دوسری میز پر گرا۔ داڑھی والا میرے عقب میں اس وقت میں بھی فرش پر گرا ہوا تھا۔ داڑھی والا بھینسے کی طرح حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا' میں بیٹھے ہی بیٹھے تیزی سے گھوم گیا۔ میرا ایک پیر اس کے گھٹنے کے جوڑ کے پچھلی طرف لگا۔ وہ اچھل کر پشت کے بل گرا۔ اس دوران میں کلین شیو والا دوبارہ حملہ آور ہوچکا تھا' خنجر اس کے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ روکا اور پیر سے اس کی بغل میں زوردار ضرب لگائی۔ وہ اوپر سے الٹ کر دوسری میز سے ٹکرایا۔ اس کا خنجر والا ہاتھ میری گرفت میں تھا۔ میں اس کا ہاتھ چھوڑے بغیر گھوما اور اس کے اس بازو پر کندھے کے قریب زوردار لگائی۔ وہ بلبلا اٹھا۔

داڑھی والا پھر میری طرف لپکا اب اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ میری پشت پر وار کرنا چاہتا تھا۔ میں بڑی پھرتی سے نیچے گیا۔ وہ میرے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا ایک اور میز پر گرا۔

تین میزیں الٹ چکی تھیں۔ گاہکوں میں مرد بھی تھے اور کے ساتھ شکاری قسم کی عورتیں بھی۔ ریسٹورنٹ میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ عورتیں بری طرح چیخ رہی تھیں۔ تھائی وانگ بھی ایک طرف کھڑی چیخ چیخ کر میری حوصلہ افزائی کررہی تھی۔

اب وہ دونوں مقابلے پر کھڑے ہوگئے تھے۔ داڑھی والے نے حملہ کردیا۔ وہ جیسے ہی آگے لپکا' میں بڑی پھرتی سے پشت کے فرش پر گرگیا اور دونوں پیر حملہ آور کے پیٹ پر جما کر اسے پوری قوت سے اچھال دیا۔ وہ قلابازی کھاتا ہوا اچھلی میز پر گرا اور میز سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ میں ابھی فرش پر ہی تھا کہ کلین شیو والے نے حملہ کردیا۔ میں پھرتی سے لوٹ لگا کر ایک طرف ہوگیا۔ وہ منہ کے بل نیچے گرا اور پھر میں نے حرکت کرنے کا دیے بغیر اسے چھاپ لیا۔ میں نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر طرف دہری کردیں۔ بوسٹن کریب کا یہ داؤ بڑے بڑے سورماؤں چیخنے پر مجبور کردیتا ہے۔ وہ تو ایک معمولی سا لڑاکا تھا۔ درد کا پرزور اساد پڑا تو بلبلا اٹھا۔

گانگ اور اس کے ساتھی ابھی تک میز پر بیٹھے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی اس لڑائی میں مداخلت کی کوشش نہیں کی تھی۔

اس دوران میں داڑھی والا بھی سنبھل چکا تھا اور اسی وقت دو اور غنڈے ہاتھوں میں خنجر لیے چیختے ہوئے ہوئے۔ ظاہر ہے کہ انہی کے ساتھی تھے جن سے میں ان نئے آنے والوں کو دیکھ کر گانگ بھی اپنے ساتھیوں ہوا اٹھ گیا۔

"گانگ!" میں چیخا "یہ ٹائیگر کے آدمی ہیں۔ ان

ہارڈالا ہے۔ یہ لوگ بچ کر نہ جانے پائیں۔"

اب تک مجھے پہچان نہیں سکا تھا لیکن میری آواز سن کر اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ اور اس کے ساتھی نئے آنے والے غنڈوں پر ٹوٹ پڑے۔

نے اپنے حریف کی دونوں ٹانگیں اپنی کمر کے گرد لپیٹ اور اسے زمین سے ذرا اوپر اٹھا کر اپنی جگہ پر کھڑے اور پھر میں نے اس کی ٹانگیں چھوڑ دیں۔ وہ چیختا ہوا کر فرش پر گرا۔

اور اس کے ساتھیوں نے میرے حریفوں کے خلاف محاذ لیا۔ اس ریسٹورنٹ میں اب باقاعدہ جنگ چھڑ چکی تھی۔ اب یہاں ہماری ضرورت نہیں رہی۔ نکل چلو۔" میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پچھلے دروازے سے۔" تھائی وانگ نے اشارہ کیا۔

اس کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے پچھلے دروازے کی طرف نکلنے سے پہلے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ اندر گھمسان ہورہی تھی۔ گانگ اور اس کے ساتھیوں کا پلہ بھاری نظر آرہا تھا۔ مجھے وہاں سے نکلنے میں کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی مار نہیں کھائیں گے۔

ہم اس تاریک گلی میں دوڑتے ہوئے دوسری طرف سڑک پر آئے۔ ایک کار گلی کے موڑ پر آہستہ ہوئی تو تھائی وانگ نے اسے آگے بڑھ کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ کار رک گئی۔ اس میں ایک ہی آدمی تھا۔ تھائی وانگ نے مجھے اشارہ کیا اور خود اگلی سیٹ پر چلی گئی۔

"ہمیں وائٹ آرچڈ اسپتال جانا ہے۔ ایمرجنسی ہے پلیز۔" وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے لہجے میں بولی۔ وائٹ آرچڈ اسپتال اسی طرف جانے والی تھی۔ اس طرف کار کا رخ تھا۔

اور پھر اس سے پہلے کہ وہ آدمی کوئی جواب دیتا' تھائی وانگ نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا اور اس آدمی کو بازو سے پکڑ کر نیچے گھسیٹ لیا۔ یہ سب کچھ اس آدمی کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا' تھائی وانگ نے اسے دھکا دے کر دور گرا دیا اور بڑی پھرتی سے اسٹیئرنگ سنبھالنے بیٹھ گئی۔ اس دوران میں بھی پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر میں بیٹھ چکا تھا۔ انجن اسٹارٹ ہی تھا۔ تھائی نے گیئر میں ڈال کر ایک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

ہم نے پکہرا پیٹ روڈ پر برج کے قریب چھوڑ دی۔ وہاں تک پیدل چلتے ہوئے وانگ ونگ یائے روڈ پر اپنے کالنج والی گلی میں آگئے۔

میں داخل ہوتے ہی تھائی وانگ بیڈ پر ڈھیر ہوگئی۔ اس کے جذبات میں اس نے سب کچھ برداشت کرلیا تھا لیکن اب ان سنگین لمحات کے اثرات ظاہر ہونے لگے تھے۔ اس کے چہرے پر پیلاہٹ سی آگئی اور جسم ہولے ہولے کانپنے لگا جیسے سردی لگ رہی ہو۔

"کیا ہوا تھائی۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" میں نے پوچھا میرے لہجے میں بھی تشویش تھی۔

"کوشلیا کی لاش..... انہوں نے کس بے رحمی سے اسے قتل کیا تھا۔" اس کے ہونٹوں پر بھی کپکپاہٹ تھی "اور تمہیں کس طرح ان دونوں نے گھیر لیا تھا۔ اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو....." وہ خاموش ہوکر چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر اس نے اٹھ کر والہانہ انداز میں مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور میری پیشانی اور رخساروں پر بوسے دینے لگی۔

میں اس کی آغوش میں سمٹ گیا۔ اس کی آغوش کی گرمی سے مجھے عجیب سا سکون مل رہا تھا۔ عورت کسی بھی روپ میں ہو' محبوبہ ہو یا بیوی ہو' مرد کو اس میں ماتا کی جھلک نظر آجاتی ہے اور اس کی آغوش میں سما کر بڑا سکون سا محسوس کرتا ہے۔ یہی کیفیت اس وقت میری بھی تھی۔ میرا تھائی وانگ سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ نہ وہ میری ماں تھی نہ بیوی اور نہ محبوبہ۔ وہ عورت تھی۔ اس میں ماتا تھی اور میں تھائی وانگ کی آغوش میں ماتا کی اس گرماہٹ کو محسوس کررہا تھا۔

کئی منٹ گزر گئے یا شاید کئی صدیاں بیت گئیں۔ تھائی وانگ نے مجھے اپنے سے الگ کردیا۔ چند لمحے میرے چہرے کو دیکھتی رہی پھر میری پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بولی۔

"تم میرے کون ہو وجدان۔ میرا تم سے کیا رشتہ ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ کوئی رشتہ نہیں۔ لیکن میں تمہیں اپنے وجود کا حصہ کیوں سمجھنے لگی ہوں۔"

"انسانیت کا رشتہ سب سے مقدس اور عظیم ہوتا ہے۔" میں نے جواب دیا "یہی رشتہ انسان کو انسان بناتا ہے۔ اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو انسان' انسان نہیں رہتا۔ حیوان بن جاتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" تھائی وانگ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی "انسانیت کا یہ رشتہ ہی ہمیں ایک دوسرے کے قریب رکھے ہوئے ہے۔"

میں جواب دینے کے بجائے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات اور آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک ابھر آئی تھی۔ شاید اس کے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا تھا۔ ذہن سے وہ دھند چھٹ گئی تھی جس نے اسے کسی الجھن اور کشمکش میں مبتلا کر رکھا تھا۔

مجھے اس رات نرس شینو نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ مجھے وہ رات یاد تھی جب میں اپنی جان بچانے کے لیے روز کلب سے بھاگا تھا اور سڑک پر پہنچ کر اس کی کار میں پناہ لی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا تھا اور پھر کچھ پوچھے بغیر کار کو وہاں سے بھگا لے گئی تھی۔

اس نے کتنی سچائی سے شینو کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ مجھے کس نیت سے وہاں سے لے کر آئی تھی۔ اس کے ساتھ رہتے ہوئے ایک دو دن تو میں نے بھی محسوس کرلیا تھا۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا کرتی تھی اور پھر وہ میرے سامنے برہنہ ہوگئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید میں کوئی حرکت کروں گا۔ میرے سفلی جذبات مجھے کچھ کرنے پر مجبور کریں گے مگر میں اس کے جسم پر کوڑے برسا کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ ایسا ہوا تھا لیکن وہ موقع کبھی نہیں آیا تھا جس کا شاید اسے انتظار تھا۔

تھائی وانگ طویل عرصے سے شاید اسی ذہنی کشمکش میں تھی کہ میرے ساتھ کون سا رشتہ استوار کرے اور آج اس کے دماغ پر چھائی ہوئی دھند چھٹ گئی تھی۔ اس کا ذہن صاف ہوگیا تھا۔

"تھائی!" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آج شاید تمہیں بھی سکون مل گیا ہے۔ تمہاری بے قراری میں ٹھہراؤ آگیا ہے۔ تمہارے چہرے کی طمانیت اور آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے کہ....."

"ہاں۔ مجھے واقعی قرار آگیا ہے۔" اس نے بات کاٹتے ہوئے میرے دونوں ہاتھ تھام لیے "میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ آج میں اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی ہوں۔" وہ چند لمحے خاموش ہوئی پھر اٹھتے ہوئے بولی "تم یہیں بیٹھو۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔ ہم چائے پئیں گے اور دیر تک باتیں کریں گے۔ بہت ساری باتیں۔"

"تم چائے بناؤ۔ میں ذرا ماسٹر ہوچن کو فون کرکے معلوم کروں کہ ادھر کی صورتِ حال کیا ہے۔" میں بھی بیڈ سے اٹھ گیا۔

تھائی کچن کی طرف چلی گئی اور میں سٹنگ روم میں آگیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ میں نے کرسی پر بیٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ اس وقت اگرچہ ڈیڑھ بجنے والا تھا مگر کال فوراً ہی ریسیور کرلی گئی۔ وہ ماسٹر ہوچن ہی تھا۔

"تم کہاں ہو۔" وہ میری آواز سنتے ہی چیخا "گانگ نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس نے تمہیں ان دونوں بدمعاشوں سے لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ کاش! میں بھی تمہاری وہ' فائٹ دیکھ سکتا لیکن وجدان۔ کیا یہ تمہاری حماقت نہیں۔ اس طرح تو تم اپنے آپ کو کسی مصیبت میں پھنسالو گے۔"

"میں زندگی کے کچھ تجربات کرنا چاہتا ہوں ماسٹر۔" میں نے جواب دیا "فی الحال کسی ایسی سنگین صورتِ حال سے میں خود بھی بچنا چاہتا ہوں لیکن یہ محض اتفاق تھا کہ ان سے ٹکراؤ ہوگیا۔ دراصل میں تھائی وانگ کے ساتھ کوشلیا کی تلاش میں نکلا تھا۔ ہم اس کے ٹھکانے تک پہنچ گئے تھے لیکن اسے قتل کیا جاچکا تھا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں' میں کہہ رہا تھا "ان دونوں نے وہیں سے ہمارا تعاقب کیا تھا۔ کوشلیا کو شاید دن میں کسی وقت قتل کیا گیا تھا اور میرا خیال ہے اس وقت سے اس بلڈنگ کی نگرانی کی جارہی ہوگی۔ کوشلیا نے چونکہ سونے کی چوری کے منصوبے کا راز مجھے بتایا تھا اس لیے انہوں نے سوچا ہوگا کہ اس کے قتل کی خبر سن کر شاید میں وہاں آؤں گا۔ میرا وہاں پہنچنا محض ایک اتفاق تھا۔ وہ مجھے یا تھائی پہچان نہیں سکے تھے۔ انہوں نے محض شبے کی بنا پر ہمارا تعاقب کیا تھا۔ تھائی مجھے اس ریسٹورنٹ میں لے گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہم وہاں سے انہیں دھوکا دے کر نکل سکیں گے۔ وہاں گانگ اپنے دو آدمیوں کے ساتھ موجود تھا۔ ان کی موجودگی بھی اتفاقیہ تھی لیکن انہیں دیکھ کر میرا حوصلہ بڑھا تھا۔ ہم نے اس قدر پرفریب حلیہ بدلا ہوا تھا کہ گانگ بھی مجھے نہیں پہچان سکا تھا۔ وہ تو میری آواز سن کر متوجہ ہوا تھا۔"

"اگر گانگ وغیرہ نہ ہوتے تو جانتے ہو کیا ہوتا۔" ماسٹر ہوچن نے کہا۔

"اگر گانگ مجھے نظر نہ آتا تو ہم عقبی دروازے سے نکل جاتے اور کسی نہ کسی طرح ان سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے۔" میں نے جواب دیا۔

"کچھ دیر پہلے مہاراج کو بھی تمہارے بارے میں رپورٹ مل چکی ہے۔ انہیں اگرچہ تمہاری قوتِ بازو پر پورا بھروسا ہے لیکن وہ تمہارے لیے پریشان ہیں کہ کہیں دھوکے میں نہ مارے جاؤ۔" ماسٹر ہوچن نے کہا۔

"صرف چند روز اور ماسٹر۔" میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ وہ ٹرے لیے کچن سے نکل رہی تھی "میں ایک دو دن بعد دوبارہ رنگ کروں گا ماسٹر۔"

"وش یو گڈ لک بوائے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا اور میں نے ریسیور رکھ دیا۔

میں تھائی والے کمرے میں آگیا۔ تھائی نے ٹرے بیڈ پر رکھ کر اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ ٹرے میں رکھے ہوئے گلاس سے بڑی خوشگوار خوشبو اٹھ رہی تھی۔ وہ چائے کے بجائے کوئی اور ڈرنک لے آئی تھی۔

تھائی ابھی تک وہی کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ مختصر سی بنیان اور مختصر سا بلاؤز۔ وگ اس کے سر پر بھی تھی اور میرے سر پر بھی۔ دراصل انہی وگوں نے ہمارے حلیے اس حد تک بدلے تھے کہ گانگ بھی ہمیں نہیں پہچان سکا تھا۔ میں نے اپنی وگ اتار کر کرسی پر پھینک دی۔ تھائی کو بھی وگ کا خیال آگیا۔ اس نے بھی وگ اتار پھینکی اور اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

تھائی جس انداز میں میرے سامنے بیٹھی تھی وہ بڑا شرانگیز تھا۔ میرے دل میں اگرچہ کبھی اس کے بارے میں ایسا کوئی خیال نہیں آیا تھا لیکن نظروں کو قابو میں رکھنا میرے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے شاید میری بے چینی کو بھانپ لیا تھا۔ وہ اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی اور چند منٹ بعد باہر نکلی تو میرے منہ سے اطمینان کی سانس نکل گئی۔ اس نے سلیپنگ سوٹ پہن لیا تھا۔ ایک بار پھر میرے سامنے بیٹھ گئی اور اپنا کپ اٹھا کر کافی کی چسکیاں لینے لگی۔

ہم چند لمحے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ تھائی وانگ اپنے بارے میں وہ باتیں بتانے لگی جو اس نے پہلے کبھی نہیں بتائی تھیں۔

"میں نے زندہ رہنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلے۔" وہ کہہ رہی تھی "میں نے میرے بنگلے میں لڑکیوں کی نیم عریاں تصویریں اور البم دیکھے ہوں گے۔ دراصل پانچ سال پہلے میں نے شہر میں ایک مساج پارلر کھولا تھا۔ پہلے میں اکیلی تھی پھر دو لڑکیاں اور رکھ لیں۔ کاروبار بڑھتا گیا تو میرے پاس لڑکیوں اور لڑکوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ انہی دنوں جانگی دیوی نے بھی اپنی کسی دوست کے ساتھ مل کر اپنے مکان میں مساج پارلر کھول لیا تھا۔ میں نے اپنا ذاتی مساج پارلر بند کردیا اور شہر کے دوسرے بڑے بڑے مساج پارلرز کو لڑکے اور لڑکیاں سپلائی کرنے لگی۔ میں نے سوکھم وٹ روڈ جیسے مہنگے علاقے میں اپنا دفتر کھول رکھا تھا۔ بڑی کمائی ہے اس بزنس میں۔ میں نے بھی خوب دولت کمائی۔ بنکاک کے ویسٹرن یونین بینک میں میرے اکاؤنٹ میں آج بھی خطیر رقم موجود ہے لیکن موجودہ حالات میں' میں اپنے بینک کا رخ نہیں کرسکتی۔

"اس بزنس میں کمائی ہے تو پریشانیاں بھی بہت ہیں۔ کبھی پولیس پریشان کرتی ہے کبھی سرپھرے گاہک اور کبھی کام کرنے والے لڑکے اور لڑکیاں۔ میں بہت عرصے سے یہ کام چھوڑنے کا پروگرام بنا رہی تھی لیکن کوئی اور کام میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ چند مہینے پہلے جانگی دیوی کا میڈیکل پریکٹس کا لائسنس بحال کردیا گیا تو اس نے اپنا مساج پارلر بند کرکے دوبارہ کلینک کھول لیا اور پھر اس کے کہنے پر میں نے بھی اپنا بزنس کسی اور کو فروخت کردیا۔ میرا خیال تھا کہ میں ٹریول ایجنسی کھولوں گی۔ کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد میں نے اپنی ایک دوست کے اشتراک سے ٹریول ایجنسی کھول لی۔ دراصل اس کے پاس لائسنس موجود تھا اور سرمایہ میں نے لگایا تھا۔ مجھے اس دفتر میں جاتے ہوئے چند ہی ہفتے ہوئے تھے کہ تم سے ملاقات ہوگئی اور سب کچھ ختم ہوگیا۔"

"مجھے افسوس ہے۔" میں نے ندامت کا اظہار کیا کیونکہ اس کا سب کچھ میری ہی وجہ سے ختم ہوا تھا۔

"لیکن مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔" تھائی وانگ نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "مجھے تم جیسا انسان مل گیا ہے۔" لبوں پر مسکراہٹ جاری رکھتے ہوئے بولی "یوں تو یہ شہر انسانوں کا جنگل ہے لیکن مجھے انسانیت کہیں نظر نہیں آئی۔ ہر شخص نے اپنے آپ پر مفاد کا لبادہ چڑھا رکھا ہے۔ جھوٹ' دھوکا اور ریاکاری لوگوں کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ دیانت' خلوص اور لگاؤ مجھے کسی میں نظر نہیں آیا۔ میں نے بہت دھوکے کھائے ہیں۔ قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے کے باوجود میں اپنے آپ کو ایسے لوگوں سے دور نہیں رکھ سکی۔ میں نے اپنی دولت بھی لٹائی اور عزت بھی لیکن مجھے دھوکے اور فریب کے سوا کچھ نہیں ملا۔ جس مرد سے میں نے ذرا بے تکلفی سے بات کی' اس نے پہلی فرصت میں مجھے اپنے بستر کی زینت بنانے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ ایک ادھیڑ عمر بھکاری جسے میں نے ترس کھا کر کھانا کھلانے کے لیے اپنے گھر میں بلالیا تھا وہ بھی کھانے کو نظر انداز کرکے مجھ پر جھپٹ پڑا۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید میں نے اپنے جنسی جذبات کی تسکین کے لیے اسے گھر میں بلایا ہے۔ ہر شخص کی نظروں میں ہوس ہے۔ دولت کی ہوس' جنس کی ہوس....." وہ خاموش ہوکر گہرے گہرے سانس لینے لگی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "پھر تم مجھے ملے۔ میں تمہیں کسی اور نیت سے لائی تھی مگر تم دوسروں سے مختلف ثابت ہوئے۔ یقین کرو میں ایسے شرمناک لباس کبھی نہیں پہنتی لیکن تمہارے سامنے نہ صرف ایسے ادھورے لباس پہنے بلکہ برہنہ تک ہوگئی مگر شاید تمہارے اندر برف کی سل رکھی ہوئی ہے جو ذرا بھی نہیں پگھلی۔ ایسے موقعوں پر میں نے ہمیشہ تمہاری آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں دیکھیں اور تمہاری یہ نفرت' جسے میں ہی محسوس کرسکتی تھی' مجھے کشاں کشاں تمہاری طرف کھینچتی چلی گئی۔ مجھے تمہارے اور قریب لے آئی اور یہ مجھے یقین ہوگیا کہ تم ہی وہ ہستی ہو جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں اپنا سب کچھ کھو کر بھی تمہیں کھونا نہیں چاہتی تھی لیکن میرا ذہن شدید الجھن کا شکار تھا۔ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ کس ناتے تمہیں اپنے ساتھ رکھوں یا کس رشتے کا سہارا لے کر تمہارے ساتھ رہوں لیکن آج تم نے میری یہ الجھن حل کردی۔ جو گتھی میں کئی مہینوں کے ذہنی کرب سے بھی نہ سلجھا سکی' وہ تم نے چند لفظوں میں سلجھا دی۔ انسانیت کا رشتہ۔ واقعی بہت عظیم ہے۔ یہ رشتہ۔ قومیت' مذہب' رنگ و نسل کوئی بھی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔ اپنے اور تمہارے بیچ یہ رشتہ مجھے پسند آیا۔ اب مجھے واقعی کسی چیز کا افسوس نہیں ہے حتیٰ کوئی دکھ ہے مجھے اپنے گھر کے راکھ ہوجانے کا۔ اب میں تم سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتی لیکن اگر کبھی تم نے اپنا راستہ بدلنے کی کوشش کی تو وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

"نہیں تھائی۔" میں نے جواب دیا "میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ تم نے اس رات مجھے موت کے منہ سے بچایا۔ میری خاطر اپنا سب کچھ تباہ و برباد کرڈالا اور آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہیں بہایا۔ میری خاطر اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا رکھی ہے تم نے۔ تم بہت عظیم ہو۔ تمہارے پاس رہ کر تو مجھے ایسا سکون ملتا ہے جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ میں تم سے الگ کیسے رہ سکوں گا۔"

تھائی میری طرف دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی اور پھر وہ باتیں کرتی رہی اور میں سنتا رہا۔ اس نے خالی گ اور

ٹرے اٹھا کر کرسی پر رکھ دیے تھے۔ اور وہ نیم دراز ہوگئی تھی۔ میں نے بھی ایک تکیہ اپنے سر کے نیچے رکھ لیا اور آڑا ہو کر بیڈ کے ایک حصے پر نیم دراز ہو کر اس کی باتیں سنتا رہا۔ رات اختتام پذیر تھی۔ مجھ پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ تھائی کی آواز میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ یہ آواز کسی کنوئیں کی گہرائی سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور پھر میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

میری آنکھ کھلی تو کھڑکی سے دھوپ اندر آرہی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھائی وانگ میرے پیروں پر سر رکھے سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی طمانیت اور بڑی معصومیت تھی۔

میں نے بڑی آہستگی سے پیر ہٹا کر اس کے سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا اور اٹھ کر باتھ روم میں آگیا۔ اس وقت دوپہر کے بارہ بج چکے تھے۔ میں ایک کرسی پر بیٹھا اونگھتے ہوئے ذہن سے سوچ رہا تھا کہ کیا میری زندگی کا صرف یہی ایک مقصد رہ گیا ہے۔ چھپ چھپ کر زندہ رہنا تو کوئی زندگی نہیں تھی۔ میں کتنا بھی بہادر سہی مجھے یہ اعتراف بہرحال کرنا ہی پڑا کہ میرے دل میں وہ خوف اب بھی موجود تھا جس نے مجھے پابند کر رکھا تھا۔ اگر کوئی خوف نہ ہوتا تو آزادی سے گھومتا پھرتا۔ کوئی کام کرتا۔ اپنی تعلیم جاری رکھتا اور زندگی کی رنگینیوں میں دلچسپی لیتا۔

میں کرسی پر شاید بیٹھا یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ پیروں کی ہلکی سی چاپ سن کر چونک گیا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ تھائی وانگ تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سرخی تھی۔ مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ میری وجہ سے یہ بھی اپنا سب کچھ کھو بیٹھی تھی اور اس کی آزادی بھی سلب ہوگئی تھی۔

تھائی چند لمحے وہاں کھڑی میری طرف دیکھتی رہی پھر اس نے بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بنایا اور کچن میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔

وہ دن بھی اسی طرح گزرا۔ کبھی اونگھتے ہوئے کبھی باتیں کرتے ہوئے اور کبھی اسکربل اور ڈرافٹ جیسے گیم کھیلتے ہوئے لیکن اب مجھے ان چیزوں سے بھی زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی۔

میں اس شام بھی گھر سے نکلنا چاہتا تھا مگر ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ وگ سے میرا حلیہ بدل گیا تھا اور اب میں اس حلیے میں بھی باہر نہیں جا سکتا تھا۔ مجھے ایک نئے گیٹ اپ کی ضرورت تھی مگر یہاں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے میں اپنا حلیہ بدل سکتا۔ اتفاق سے پانچ بجے کے قریب جانکی دیوی کا فون آگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آج کے اخبارات میں کوشلیا کے قتل اور چائی روڈ پر ایک ریسٹورنٹ میں ہنگامے کی خبر شائع ہوئی تھی۔ پولیس کو ان دو ہندوؤں کی تلاش تھی جو مقتولہ کوشلیا کی بہن شانتی کے ساتھ اس کے فلیٹ پر آئے تھے اور بعد میں ریسٹورنٹ میں ہونے والے ہنگامے میں بھی یہی دونوں ملوث تھے۔ جھگڑا انہی کی وجہ سے ہوا تھا لیکن بعد میں یہ دونوں غائب ہوگئے۔

"کیا شانتی کا بھی کوئی بیان اخبار میں چھپا ہے اور کیا اس کے بیان میں میرا نام بھی شامل ہے؟" میں نے جانکی دیوی سے پوچھا۔

"بیان تو شائع ہوا ہے مگر تمہارا نام نہیں ہے۔" جانکی دیوی نے جواب دیا "اس نے صرف یہ کہا ہے کہ وہ اسٹور سے چھٹی لے کر نکل رہی تھی کہ ایک ہپی نوجوان اور ایک عورت اسے مل گئی۔ انہوں نے کہا تھا کہ ان کے پاس پیسے نہیں ہیں' انہیں رات گزارنے کے لیے جگہ کی ضرورت ہے۔ اس ہپی عورت نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر وہ رات کو فٹ پاتھ یا کسی پارک میں سوئیں گے تو پولیس یا غنڈے اور بدمعاش انہیں پریشان کریں گے۔ شانتی کے بیان کے مطابق وہ محض انسانی ہمدردی کی بنا پر ان ہپیوں کو اپنے فلیٹ پر لے آئی تھی مگر کوشلیا کی لاش دیکھ کر وہ خوف زدہ ہوگئے تھے اور بتائے بغیر وہاں سے چلے گئے تھے۔ شانتی کے بیان میں کہیں بھی تمہارا ذکر نہیں ہے۔"

میں جانکی دیوی سے اخبار میں شائع ہونے والی خبروں کے حوالے سے کچھ اور باتیں پوچھتا رہا اور پھر اسے ان چیزوں کے بارے میں بتا دیا جن کی مجھے ضرورت تھی۔

جانکی دیوی رات گیارہ بجے کے قریب آئی تھی۔ وہ میری مطلوبہ چیزیں کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی لے آئی تھی جن کی مجھے کسی وقت بھی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

اگلے روز شام کو جب میں تیار ہونے لگا تو تھائی وانگ بھی میرے ساتھ جانے کو تیار ہونے لگی لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔

"آج میں اکیلا ہی جاؤں گا۔" میں نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔" اس نے مجھے گھورا "اگر کسی مصیبت میں پھنس گئے تو؟"

"وہ مصیبت تم سے زیادہ بڑی نہیں ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بدستور تھی۔

"میں.... میں مصیبت ہوں۔" وہ چیخی' اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سوچ سکتا وہ چیل کی طرح مجھ پر جھپٹی۔

میں اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے اپنا دفاع نہیں کر سکا۔ تھائی نے مجھے کرسی سے گھسیٹ کر قالین پر گرا دیا اور میرے سینے پر سوار ہو کر پنجے میرے چہرے کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔ سچ بتاؤ کیا میں واقعی تمہارے لیے مصیبت ہوں۔"

"ہاں۔ بہت بڑی مصیبت۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "دیکھو۔ یہ مصیبت کس طرح میرے سینے پر سوار ہے۔" میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیے۔ وہ میرے سینے سے اتر گئی "بات یہ ہے تھائی۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا "اگر تم میرے ساتھ ہوگی تو میں آزادی سے نقل و حرکت نہیں کر سکوں گا اور اس طرح

ہو سکتا ہے ہم واقعی کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔"

بات شاید تھائی کی سمجھ میں آگئی تھی۔

"میں تمہارے لیے فکرمند رہوں گی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں محتاط رہوں گا۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور تیاری کرنے لگا۔

اس مرتبہ میں نے اپنا جو حلیہ بنایا' وہ سڑک چھاپ غنڈوں جیسا تھا۔ گردن پر بکھرے ہوئے بال جنہیں پیشانی پر سے ہٹانے کے لیے الاسٹک کا ہیڈ بینڈ لگا لیا تھا۔ الاسٹک کا سیاہ رنگ کا تین انچ چوڑا ایک بینڈ میری دائیں کلائی پر بھی تھا۔ دائیں رخسار پر زخم کا ایک نشان بھی بنا لیا تھا اور ناک کے قریب بائیں طرف ایک تل بھی نظر آرہا تھا۔ جسم پر نیلے رنگ کی کھلے پائنچوں کی پتلون اور چمڑے کی بغیر آستین کی جیکٹ تھی جس کے اوپر کے دو بٹن میں نے کھلے رکھے تھے تاکہ میرے گلے میں پڑی ہوئی سنہری چین واضح طور پر نظر آسکے۔ دائیں پنڈلی پر میں نے چمڑے کے فیتے سے خنجر بھی باندھ لیا تھا۔

یہ حلیہ بدلنے میں تھائی وانگ نے بھی میری بڑی مدد کی تھی اور پھر چند قدم دور ہٹ کر وہ گہری نظروں سے میرا تنقیدی جائزہ لینے لگی۔

"اگر تم اس گیٹ اپ میں میرے سامنے آتے تو شاید میں بھی تمہیں نہ پہچان سکتی۔ ویسے اس وقت تو تم واقعی چھٹے ہوئے بدمعاش لگ رہے ہو۔" تھائی وانگ نے کہا اور اپنے بیگ میں سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دیا "ویسے تو غنڈے اور بدمعاش قسم کے لوگ جیب سے پیسہ خرچ کرنے کے بجائے لوگوں سے چھین جھپٹ کر ہی کھاتے ہیں لیکن میں چاہتی ہوں تم اپنی جیب سے خرچ کرو۔"

کالج سے نکل کر میں پیدل چلتا ہوا مین روڈ پر آگیا اور وہاں سے ٹیکسی میں بیٹھ کر سب سے پہلے اسی ریسٹورنٹ میں پہنچا جہاں گزشتہ رات لڑائی ہوئی تھی۔ وہاں اس وقت بھی مہاراج کے کیمپ سے تعلق رکھنے والے دو تین لڑکے موجود تھے جو مجھے وہاں کی حیثیت سے اچھی طرح جانتے تھے اور میں نے انہی کی میز پر بیٹھ کر کافی پی تھی۔ وہ مجھے نہیں پہچان سکے تھے۔ دراصل یہاں آنے کا میرا مقصد بھی یہی تھا۔ میں یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ میرے گیٹ اپ میں کوئی خامی تو نہیں رہ گئی تھی۔

ریسٹورنٹ سے نکل کر میں ایک ٹیکسی پر سوار ہوا اور سوکھم وٹ روڈ پہنچ گیا۔ یہاں بڑے بڑے ہوٹل اور نائٹ کلب تھے۔ میں غنڈوں والے اس حلیے میں کسی بڑے نائٹ کلب یا ہوٹل میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایسی کوئی کوشش بھی کرتا تو مجھے روک دیا جاتا۔ میری منزل تو وہ نائٹ کلب تھا جہاں نچلے درجے کے لوگ اور مجھ جیسے غنڈے ہی آسکتے تھے۔ میری لینڈ نائٹ کلب ٹائیگر کی ملکیت

عورتوں کی نفسیات

— عورتوں کی قسمیں
— عورت اور محبت
— عورت اور شادی
— عورت اور دوستی

اور بہت کچھ.....!

ان عورتوں کیلئے جو خود کو سمجھنا چاہتی ہیں اور ان حضرات کیلئے جو عورتوں کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

قیمت 45 روپے
ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

خط و کتابت کا پتہ
مکتبہ نفسیات
پوسٹ بکس 8460 رضوان چیمبرز ظفر پلازہ ایم اے جناح روڈ کراچی 74200
فون: 5802561 فیکس: 5802562-5866313
کتابوں کی قیمتیں اور ڈاک خرچ میں تبدیلی ہو سکتی ہے 14-8-2001

kitablat@hotmail.com
kitablat1970@yahoo.com

تو نہیں تھا لیکن اس کی نگرانی میں چل رہا تھا۔ یہاں عورتوں کے کک باکسنگ کے مقابلے بھی ہوتے تھے۔ یہ مقابلے شام آٹھ بجے ہی شروع ہو جاتے اور رات دو بجے تک جاری رہتے تھے۔

سوئے فائیو پر فیڈرل ہوٹل سے کچھ فاصلے پر واقع میری لینڈ نائٹ کلب میں اس وقت زیادہ رش نہیں تھا۔ کئی میزیں خالی پڑی تھیں۔ اسٹیج پر کک باکسنگ کا مقابلہ جاری تھا۔ دو ادھیڑ عمر عورتیں تھکی ہوئی بلیوں کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹ رہی تھیں۔ ان کے جسموں پر اگرچہ لباس برائے نام ہی تھے لیکن ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو تو شاید ان سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

مجھے وہاں بیٹھے ہوئے ابھی دو منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک آدمی بڑی بے تکلفی سے میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی عمر تیس چوبیس سال رہی ہوگی۔ کسی قدر دراز قامت' بال چڑیا کے گھونسلے کی طرح بکھرے ہوئے' کلین شیو' گلے میں سیاہ ڈوری اور سامنے کا ایک دانت ٹوٹا ہوا۔ اس نے جینز اور بغیر آستین کی دھاری دار بنیان پہن رکھی تھی۔ اس کا جسم گٹھا ہوا اور بازوؤں کے مسل ابھرے ہوئے تھے۔ وہ کچھ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

"ہیلو باس!" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"ہیلو۔" میں نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ پہلے تو میں اسے اپنی میز پر بیٹھتے دیکھ کر چونکا تھا لیکن اب مجھے احساس ہونے لگا کہ اس شخص سے مجھے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔

"لگتا ہے تمہارا دھندا خوب چل رہا ہے۔" وہ میرا جائزہ لیتے ہوئے بولا "یہاں دھندا تو سب کا ہی چل رہا ہے۔ ایک میں ہی ٹھوکریں کھا رہا ہوں۔"

"کیا کام کرتے ہو؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کوئی بھی کام ملے کر سکتا ہوں۔" اس نے جواب دیا "ویسے میں موٹر مکینک ہوں۔ پتا یا میں اچھا خاصا کام چل رہا تھا۔ ایک دوست کے بہکانے پر یہاں آگیا۔ وہ سالا چوری کے جرم میں پکڑا گیا اور میں دربدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہوں۔"

"شاید تمہیں واپسی کا کرایہ چاہیے۔" میں نے کہا۔ بہت سے ہڈ حرام قسم کے لوگ پیسے بٹورنے کے لیے دوسروں کے سامنے اپنے آپ کو مظلوم بنا کر پیش کرتے ہیں۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا "میں اپنے ساتھ ناکامی اور نامرادی کی داستان لے کر واپس نہیں جانا چاہتا۔"

"چائے یا کافی پیو گے۔" میں نے پوچھا۔

"میں نے کل رات سے کھانا نہیں کھایا۔" اس کے لہجے میں ندامت بھی تھی اور افسردگی بھی۔

میں نے ایک بار پھر غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی باتوں میں اور اس کے چہرے پر سچائی کی جھلک نظر آرہی تھی۔

"ویٹر پس آرہی ہے۔ جو کھانا چاہو منگوالو۔" میں نے کہا۔

"یہاں نہیں۔" اس نے کہا "یہ نائٹ کلب ہے تو قمر گلاس مگر یہاں کے ریٹ زیادہ ہیں۔ ادھر ایک ریسٹورنٹ ہے سستا کھانا ملتا ہے۔"

میں ایک لمحے کو ٹھٹکا۔ وہ مجھے یہاں سے اٹھا کر کہیں اور لے جانا چاہتا تھا۔ کسی گڑبڑ کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن میں نے بہرحال رسک لینے کا فیصلہ کرلیا اور ہم میری لینڈ نائٹ کلب سے نکل کر ایک درمیانے درجے کے ریسٹورنٹ میں آگئے اور پھر مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس نے نہایت سستے قسم کے کھانے کا آرڈر دیا تھا۔ حالانکہ ایسے موقع پر جب بل دوسرے کی جیب سے ادا ہونا ہو' اچھی سے اچھی اور مہنگی چیز منگوانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ میں نے ویٹر پس کو بلا کر اس کا آرڈر کینسل کردیا اور بڑھیا قسم کے کھانے کا آرڈر دے دیا۔

کھانا کھانے کے بعد کافی بھی پی گئی۔ وہ میرا بے حد احسان مند نظر آرہا تھا۔

"میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ اگر آج بھی مجھے کھانا نہ ملتا تو شاید....."

"میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "کسی کو ایک وقت کا کھانا کھلا دینا کوئی ایسی بات نہیں ہوتی۔"

"میں تو اسے احسان سمجھتا ہوں اور ہمت ہوئی تو کبھی اس بوجھ کو اتارنے کی کوشش کروں گا۔" اس نے کہا۔

میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال گزرا۔ ماسٹر کے رنگ سے باہر بھی مجھے کسی ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو قابلِ بھروسا ہو اور باہمت بھی اور مجھے یہ شخص پسند آیا تھا اور اس مختصر سی ملاقات میں' میں نے اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی۔ اگر اسے مناسب طریقے سے ڈیل کیا جائے تو یہ میرے لیے جان بھی دے سکتا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے۔ کہاں رہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"نام رامن پرساد ہے اور رہائش فٹ پاتھ پر۔" اس نے جواب دیا۔ اس کے ہونٹوں پر زخمی سی مسکراہٹ آگئی تھی "ایک مہینہ پہلے پتا یا سے یہاں آیا تھا۔ دو چار دن ہوٹل میں رہا پھر فٹ پاتھ پر آگیا۔"

"دوستی کرو گے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"دوستی۔" اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی "اس کا مطلب سمجھتے ہو؟"

"اس کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ میں نے تمہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کی۔ تم ایک سچے اور کھرے انسان ہو۔" میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

اس نے بڑی گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"دوستی کے نام پر جان بھی چلی جائے تو مجھے افسوس نہیں

ہوگا۔" اس نے کہا۔ رامن پرساد بُدھ کا پیروکار تھا۔ اسے دھرم سے زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ وہ ایک سیدھا سادہ آدمی تھا جس نے زندگی کے چند اصول وضع کر رکھے تھے۔ جن پر وہ عمل پیرا تھا۔

"فی الحال یہ اپنے پاس رکھو۔" میں نے جیب سے کئی نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیے "آج کی رات کسی ہوٹل میں بسر کرو۔ کل مجھے اسی جگہ پر ملنا میں تمہیں کچھ اور رقم دوں گا۔ اپنے لیے کچھ کپڑے خرید لینا اور کسی فلیٹ کا بھی بندوبست کرلینا۔" وہ بُت بنا میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا "تم تو دوستی میں جان بھی دینے کو تیار ہو اور میں تو نہیں کاغذ کے یہ چند ٹکڑے دے رہا ہوں۔"

رامن پرساد نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

"آؤ۔ اب یہاں سے چلیں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ہم ایک بار پھر میری لینڈ نائٹ کلب میں آگئے۔ اس وقت ہالوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اسٹیج پر فائٹنگ کا مظاہرہ کرنے والی لڑکیاں بھی دوسری تھیں۔

"یہاں کچھ نہیں ہے باس۔" رامن پرساد نے کہا "آؤ۔ میں تمہیں ایک ایسی جگہ لے چلوں کہ ساری زندگی یاد کرو گے۔"

ہم میری لینڈ سے نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ رامن پرساد نے ڈرائیور کو ٹاکسن برج کی طرف چلنے کو کہا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"جب میں پتا یا سے یہاں آیا تھا تو میرا وہ دوست مجھے اس جگہ لے گیا تھا۔ وہاں بعض چیزیں دیکھ کر تمہیں حیرت ہوگی۔"

نیا ریور کے ٹاکسن برج سے وہ کالج زیادہ دور نہیں تھا جہاں ہم رہائش پذیر تھے۔ لیکن میں نے رامن پرساد کو نہیں بتایا۔

ٹیکسی دریا کے کنارے سڑک پر رک گئی۔ سنگریلا اور اورینٹل ہوٹل کے درمیان وہ ایک بہت بڑا پرائیویٹ گیسٹ ہاؤس تھا۔ گیسٹ ہاؤس کے نام کا نیون سائن بھی روشن تھا۔ ایک بہت بڑا رقبہ چار دیواری نے گھیر رکھا تھا جہاں درختوں کی بہتات تھی۔

میں نے رامن پرساد کو یہ نہیں بتایا تھا کہ میری لینڈ جیسے گھٹیا نائٹ کلب میں میرا جانے کا مقصد کیا تھا۔ اس کے ساتھ یہاں میں اسی لیے چلا آیا تھا کہ میں اس کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

گیسٹ ہاؤس کا بڑا ہال کچھ عجیب ہی منظر پیش کر رہا تھا۔ لگتا تھا میں کسی پرستان میں آگیا ہوں۔ نوجوان اور خوب صورت دوشیزائیں ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔ ان کے جسموں پر لباس برائے نام ہی تھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ گیسٹ ہاؤس عیاشی کا بہت بڑا اڈا تھا۔ ایک لمحے کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ میں نے رامن پرساد پر بھروسا کرکے غلطی تو نہیں کی۔ ایسا تو نہیں کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہو اور ایک فرضی کہانی سنا کر مجھے اعتماد میں لے کر دھوکے سے یہاں لے آیا ہو؟ لیکن بہرحال اب تو میں یہاں آہی گیا تھا۔ اوکھلی میں سر دے دیا تھا۔ اب موسلوں کا انتظار تھا۔

وہاں بیٹھے ہوئے دس منٹ سے زیادہ نہیں ہوئے تھے کہ اندرونی دروازے سے ایک آدمی کو برآمد ہوتے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ وہ وارا تھا۔ میرا اصل دشمن جس نے جنم کی بلائیں میرے پیچھے لگا رکھی تھیں۔ اس کے جسم پر بہترین سوٹ تھا۔ بائیں طرف بغل کے نیچے کچھ ابھار سا نظر آرہا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ بغلی ہولسٹر تھا جو کوٹ کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر میں اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا اور رامن پرساد نے میری بے چینی کو محسوس کرلیا تھا۔

"کیا بات ہے باس۔ تم اس لمبے آدمی کو دیکھ کر پریشان کیوں ہو رہے ہو؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں پوچھا۔

"اوہ۔ کچھ نہیں۔" میں نے کہا پھر جُوا کھیلنے کا فیصلہ کرلیا "اسے دیکھ کر کچھ پرانی یادیں ذہن میں ابھر آئی ہیں۔"

"اگر اس نے تمہیں کبھی کوئی نقصان پہنچایا ہو تو مجھے بتاؤ باس۔ ابھی اس کی گردن کا اسکریو ڈھیلا کرتا ہوں۔" رامن پرساد نے کہا۔

میں نے گہری نظروں سے رامن پرساد کی طرف دیکھا۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا اور اس پر مکمل بھروسا کیا جا سکتا تھا۔

"یہ بہت خطرناک آدمی ہے پرساد۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اس نے میرے ماں باپ کو قتل کیا تھا۔ یہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ دو اور آدمی بھی ہیں۔ وہ بھی دنیا کے سفاک ترین آدمی ہیں۔ یہ لوگ مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہیں۔ میں ان سے بچنے کے لیے سنگاپور سے بھاگ کر پہلے کوالالمپور اور پھر یہاں آگیا۔ یہ لوگ میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے ٹائیگر سے یاری گانٹھ لی ہے اور یہ سب لوگ مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ کئی بے گناہ بنکاک میں بھی ان کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ آج میں ان کی تلاش میں نکلا تھا کہ تم سے ملاقات ہوگئی۔ اچھا ہوا تم مجھے یہاں لے آئے اور یہ میری نظروں میں آگیا۔"

"اس نے بھی تمہیں دیکھا ہے لیکن حیرت ہے تمہاری طرف توجہ نہیں دی۔" رامن پرساد نے کہا۔

"میں نے اس وقت اپنا حلیہ بدل رکھا ہے اس لیے نہیں پہچان سکا۔" میں نے کہا۔

"اب تم فکر مت کرو باس۔" رامن پرساد نے کہا "میں ابھی اس کی گردن کا اسکریو ڈھیلا کرتا ہوں۔"

"یہاں نہیں۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا "سب سے پہلے میں اس کا ٹھکانا معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ہم دو ان کا کچھ نہیں بگاڑ

سکتے۔ یہاں اس کے کچھ اور ساتھی بھی ہوں گے۔ ہاں تم ایک بات یاد رکھو۔ اگر ہم یہاں سے بچھڑ گئے تو کل شام آٹھ بجے چائنا ٹاؤن میں مہاراج جمنازیم کے قریب ریسٹورنٹ میں میرا انتظار کرنا۔"

"اتنا لمبا انتظار کیوں باس۔ ابھی کیوں نہیں۔" رامن پرساد نے کہا۔

"ابھی وہ تمہاری گردن کا اسکریو ڈھیلا کردیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ ایک اچھے دوست سے محروم ہوجاؤں۔" میں نے کہا۔

رامن پرساد کندھے اچکا کر رہ گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے مجھے ایک بار پھر چونک جانا پڑا۔ میری نظریں دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں۔ وہ وہی خوب صورت لڑکی تھی جس نے اس روز خانقاہ کے گیٹ پر مجھے وہ گلدستہ دیا تھا جس میں ٹائم بم فٹ تھا۔ وہ لڑکی چند لمحے دارا کے پاس رک کر باتیں کرتی رہی پھر اندرونی دروازے میں چلی گئی۔ دارا بھی وہاں سے ہٹ کر ایک میز پر بیٹھ گیا جہاں دو خوب صورت لڑکیاں پہلے سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ان سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگا۔

"تم اس پر نگاہ رکھنا۔ میں ابھی آتا ہوں۔" میں نے رامن پرساد کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی اور اٹھ کر اس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے کے دوسری طرف ایک کشادہ راہداری تھی۔ بائیں طرف اوپر جانے کے لیے زینہ تھا۔ اس لڑکی کو میں نے اس طرف مڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ زینے پر سرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ میں اوپر چڑھتا چلا گیا۔

زینے کے اختتام پر وہ کشادہ راہداری بالکل سیدھی چلی گئی تھی۔ آخر میں انگریزی کے حروف ٹی کی طرح دائیں بائیں مڑگئی تھی۔ راہداری میں دونوں طرف کمرے تھے۔ تمام کمروں کے دروازے بند تھے۔ میں راہداری کے آخر پر پہنچ کر رک گیا۔

دائیں طرف آخری کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں دبے قدموں آگے بڑھنے لگا۔ اس راہداری کے دائیں بائیں کمرے تھے اور آخر میں کھلی جگہ تھی۔ صرف تین فٹ اونچی منڈیر تھی۔ اس کے دوسری طرف نیچے لان تھا۔

دروازے کے سامنے گہرے نیلے رنگ کا پردہ پھیلا ہوا تھا۔ میں آڑ میں کھڑے ہوکر اندر جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔ پردہ ذرا سا سرکا ہوا تھا اور سامنے ایک صوفے پر کم ٹانگیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا اور اس کے قریب کھڑی ہوئی وہ لڑکی اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔

میں ان لوگوں کی باتیں سننے میں اس قدر محو تھا کہ مجھے احساس ہی نہ ہوسکا کہ کب کوئی میرے پیچھے آکر کھڑا ہوگیا تھا۔ چونکا تو میں اس وقت جب کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں نے مڑکر دیکھا تو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ دارا تھا۔

اور اس سے پہلے کہ دارا کچھ سمجھ سکتا، میں نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اچھل کر اس کے جبڑے پر گھونسا رسید کردیا۔ دارا کراہ کر پیچھے ہٹا۔ میں نے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے سینے پر ٹھوکر رسید کردی۔ اس مرتبہ وہ بلبلا اٹھا۔ وہ آگے کو جھک گیا تھا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے تھوبڑے پر گھٹنا رسید کردی۔ وہ الٹ کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ اس کا سر بڑی زور سے دیوار سے ٹکرایا تھا۔

میں اس کی طرف بڑھتے ہوئے رک گیا۔ میں نے کمرے کے اندر کسی قسم کی نقل و حرکت محسوس کرلی تھی اور پھر دوسرے ہی لمحے کم باہر آگیا۔ اس کی تیز نظروں نے فوراً ہی صورت حال کا اندازہ لگالیا لیکن اسے کچھ کرنے کا موقع دینے سے پہلے ہی میں اپنی جگہ سے اچھلا۔ میری فلائنگ کک اس کے سینے پر پڑی۔ وہ کراہتا ہوا دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرا گیا۔ میں نے اپنے بھنچے کی طرح اس کے پیٹ پر سر سے ٹکر ماردی۔ کم نے سنبھلنے کی کوشش میں میرے بال پکڑلیے۔ میں نے سر کو زوردار جھٹکا دیا۔ میری وگ کم کے ہاتھوں میں رہ گئی اور میں پیچھے ہٹ گیا۔

میری صورت دیکھ کر کم اچھل پڑا۔ وگ اتر جانے کے بعد مجھے پہچان لینا زیادہ مشکل نہیں رہا تھا۔ دارا نے بھی میرا چہرہ دیکھ لیا تھا۔ وہ کوٹ کے نیچے ہاتھ ڈالتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس دوران میں راہداری کی طرف سے ایک سایہ ہوا میں اڑتا ہوا آیا اور دارا پر گرا۔ دارا چیخ اٹھا۔

وہ رامن پرساد تھا۔

میں نے کم کو سنبھال رکھا تھا اور رامن پرساد نے دارا کو سنبھال لیا تھا۔ وہ بھی ایک اچھا فائٹر تھا اور دارا کو سنبھلنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔ کمرے کے اندر وہ لڑکی شاید ٹیلی فون پر چیخ چیخ کر کسی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد دوسری راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"رامن..... بھاگو۔ اس طرف!" میں نے چیخ کر کہا۔

رامن نے دارا کو زوردار ٹکر لگا کر نیچے گرا دیا اور منڈیر پر چڑھ کر پچھلے لان کی طرف چھلانگ لگا دی۔ کم مجھ سے اپنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے اس کی ٹانگوں میں گھٹنے سے زوردار ضرب لگائی۔ وہ بلبلا اٹھا۔ گھٹنے کی دوسری ضرب اس کی ٹھوڑی پر لگی تھی۔ وہ چیختا ہوا الٹ گیا اور پھر میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر منڈیر سے چھلانگ لگادی۔

نرم زمین پر گرتے ہی میں سنبھل گیا لیکن پھریوں لگا جیسے کندھے سے ذرا نیچے انگارے سے بھر گئے ہوں۔ فائر کی آواز بھی دور تک پھیل گئی تھی۔ میں نے ایک طرف چھلانگ لگادی اور پائنڈری وال کی طرف دوڑنے لگا۔ ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ میں دوڑتا ہوا پائنڈری وال کے قریب پہنچ گیا۔ دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف چھلانگ لگانے کے لیے تول ہی رہا تھا کہ دائیں پنڈلی میں انگارے سے بھرتے چلے گئے۔ میں دیوار کے دوسری طرف گرا اور ڈھلان پر لڑھکتا چلا گیا۔

اس کے ساتھ ہی میری آنکھوں کے سامنے اندھیرے کی سیاہ چادر سی پھیلتی چلی گئی۔ مجھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور پھر میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔

میرے حواس آہستہ آہستہ بحال ہورہے تھے۔ وہ آوازیں مجھے واضح طور پر سنائی دینے لگی تھیں۔ وہ تھائی زبان میں چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہے تھے۔ پھر یکے بعد دیگرے دو گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ لگتا تھا فائرنگ کی یہ آواز میرے چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میرے چاروں طرف اب بھی تاریکی تھی۔ اتنی گہری تاریکی میں مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اور پھر مجھے احساس ہوا جیسے کسی نے مجھے اپنی گرفت میں لے رکھا ہو۔ میں نے اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے کسمسایا تو میرے بائیں بازو اور بائیں ٹانگ میں ٹیسیں اٹھیں اور درد کی لہریں پورے جسم میں پھیلتی چلی گئیں۔ میرے منہ سے بے اختیار کراہ سی نکل گئی۔ اسی لمحے ایک ہاتھ نے میرا منہ دبادیا اور اس کے ساتھ ہی ایک نہایت مدھم سرگوشی میری سماعت سے ٹکرائی۔

"آرام سے لیٹے رہو۔ منہ سے آواز مت نکالنا اور نہ ہی اپنی جگہ سے حرکت کرنا۔ وہ ہمیں تلاش کررہے ہیں اور ہمارے بہت قریب ہیں۔ کوئی معمولی سی آواز بھی انہیں ہماری طرف متوجہ کرسکتی ہے۔"

وہ آواز اجنبی ہونے کے باوجود شناسا سی لگ رہی تھی۔ میرے حواس ابھی پوری طرح بحال نہیں ہوئے تھے۔ دماغ میں سناٹا سا ہورہی تھی اور میں سوچنے کی کوشش کررہا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور میرے بدن میں ٹیسیں کیوں اٹھ رہی ہیں۔ یہ کون شخص ہے جس نے مجھے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔

فائر کی ایک اور آواز سنائی دی۔ یہ آواز قدرے قریب سے سنائی دی تھی۔ میرے گرد وہ گرفت اور مضبوط ہوگئی۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس نے مجھے اپنے ساتھ لپٹالیا تھا۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی اب قریب سے سنائی دے رہی تھیں۔ میرے منہ پر یکبارگی پھر ہاتھ رکھ دیا گیا تھا تاکہ کوئی آواز نہ نکل سکے۔

میری آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں اور میں قبر جیسی اس تاریکی میں گھورتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہوسکتی ہے۔ میرے بازو اور ٹانگ میں مسلسل ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ ہاتھ کو آہستگی سے حرکت دے کر بائیں بازو پر رکھا تو نمی اور چپچپاہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی میرے ذہن نے کام کرنا شروع کردیا اور مجھے یاد آگیا کہ کیا ہوا تھا۔

رامن پرساد مجھے ایک گیسٹ ہاؤس میں لے کر گیا تھا جہاں دارا اور کم سے ٹکراؤ ہوگیا تھا۔ تاریکی میں گھورتے ہوئے وہ مناظر کسی فلم کی طرح میری نظروں کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔ ایک ایک لمحے کی یاد تازہ ہوتی چلی گئی۔ مجھے یہ بھی یاد آگیا کہ وہاں سے فرار ہوتے ہوئے میرے بازو میں گولی لگی تھی اور جب میں پائنڈری وال پر سے کود رہا تھا تو دوسری گولی میری ٹانگ میں لگی تھی اور میں نیچے گر کر کسی ناہموار ڈھلان پر لڑھکتا چلا گیا تھا اور پھر شاید میں بے ہوش ہوگیا تھا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا تھا مگر میرے چاروں طرف بکھری ہوئی گمبھیر تاریکی بتا رہی تھی کہ یہ رات ہی کا کوئی حصہ تھا مگر یہ کون سی جگہ ہے اور یہ آدمی کون ہے جس نے مجھے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے؟ گرفت دوستانہ تھی اور تھوڑی دیر پہلے اس نے میرے کان میں جو سرگوشی کی تھی اس سے بھی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ میرا کوئی ہمدرد ہے جو مجھے دشمنوں سے بچانا

جاسوسی ڈائجسٹ کا تہلکہ خیز سلسلہ

ایک ایسے نوجوان کی داستانِ عبرت

جو حالات کے جال میں پھنس کر جرائم

کی دلدل میں پھنستا چلا گیا

انعام یافتہ مشہور مصنف جبار توقیر کا منفرد انداز تحریر

قیمت فی حصہ 60 روپے

گمراہ

8 حصے

ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

کتابی شکل میں تیار ہے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802561

kitabiat1970@yahoo.com

چاہتا ہے۔

اچانک میرے ذہن میں رامن پرساد کا خیال اُبھرا۔ میں اس کا نام لینا چاہتا تھا مگر میرے منہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

"اے..... اس طرف....." ایک چیختی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ شخص مجھ سے صرف چند گز کے فاصلے پر موجود ہو۔

"یہاں کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آتے۔ اس طرف چلو..... دریا کے پل کی طرف۔ وہ ادھر سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔"

میں اپنی اکڑتی ہوئی ٹانگ کو حرکت دینا چاہتا تھا لیکن یہ آواز سن کر بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا۔ تاریکی میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر یہ آوازیں بتدریج گھور اندھیرے میں مدغم ہوتی چلی گئیں۔

میرے منہ سے ہاتھ ہٹالیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک گہرا سانس لینے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

"پرساد....." میرے ہونٹوں سے سرگوشی نکلی۔

"ہاں۔ یہ میں ہوں باس۔" جواب میں سرگوشی سنائی دی "ابھی خاموش رہو اور آرام سے پڑے رہو۔ وہ لوگ زیادہ دور نہیں گئے۔ پلٹ کر آبھی سکتے ہیں۔"

اس مرتبہ میں نے بات نہیں کی البتہ دائیں ٹانگ کو سمیٹنے کی کوشش کی تھی جو لکڑی کے تختے کی طرح اکڑی جارہی تھی۔ میرے منہ سے بے اختیار کراہ سی نکل گئی۔

"کیا ہوا؟" رامن پرساد نے پوچھا۔

"بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" میں پھر کراہا "میرے بازو اور ٹانگ میں گولیاں لگی ہیں۔ یہ اذیت اب ناقابلِ برداشت ہوتی جارہی ہے۔"

"برداشت کرو۔" پرساد نے کہا "تم ایک بہادر اور باہمت نوجوان ہو۔ یہ تو معمولی سی تکلیف ہے۔ تھوڑی دیر برداشت کرو۔ وہ لوگ ابھی زیادہ دور نہیں ہیں۔ موقع دیکھ کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔"

"یہ کون سی جگہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے بھی معلوم نہیں۔" پرساد نے جواب دیا "میں نے تمہیں چیخ کر دیوار سے گرتے اور ڈھلان پر لڑھکتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ جب میں تمہارے قریب پہنچا تو تم بے ہوش ہو چکے تھے۔ میں تمہیں وہاں سے اٹھا کر بھاگ نکلا تھا۔ مجھے چھپنے کے لیے یہی جگہ نظر آئی تھی۔ اب تک تو یہ جگہ ہمارے لیے محفوظ ہی رہی ہے۔ وہ لوگ چند قدم کے فاصلے پر ہمارے قریب سے گزر گئے ہیں لیکن ہماری موجودگی کا پتا نہیں چلا۔ ہم ابھی خطرے سے باہر نہیں ہوئے۔ ہمیں کچھ دیر اور انتظار کرنا ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم خاموشی سے بیٹھے رہیں تاکہ اگر وہ دوبارہ اس طرف نکل آئیں تو۔"

وہ یکایک خاموش ہوگیا۔ دور سے فائر کی ایک اور آواز سنائی دی تھی۔

"انہوں نے غالباً خاصے بڑے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔" پرساد نے سرگوشی کی "ہمیں یہاں سے نکلنے میں مشکل تو پیش آئے گی مگر ظاہر ہے ہم رات بھر یہاں بیٹھے بھی نہیں رہ سکتے۔ بہرحال ہمیں کچھ اور انتظار کرنا پڑے گا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور بات بھی میرے ذہن کو الجھا رہی ہے۔"

"وہ کیا....؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں سے نکل کر ہم جائیں گے کہاں؟" رامن پرساد نے کہا "مجھے تمہاری فکر ہو رہی ہے باس۔ تمہیں طبی امداد کی ضرورت ہے۔ اگر بروقت کوئی طبی امداد نہ ملی تو زخم گزند جانے کا اندیشہ ہے جس سے تمہاری زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔"

"ہمیں یہاں آئے ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تقریباً ایک گھنٹا تو ہو چکا ہے۔" اس نے جواب دیا "ابھی تھوڑی دیر بعد میں یہاں سے نکل کر دیکھوں گا کہ کیا صورتِ حال ہے لیکن سوال پھر وہی ہے کہ یہاں سے نکل کر ہم جائیں گے کہاں؟"

"اس کی تم فکر مت کرو۔" میں نے کہا "ضرورت صرف یہاں سے بچ کر نکلنے کی ہے۔ دریا کے پار وانگ ینگ پائے روڈ پر ایک ایسی محفوظ جگہ ہے جہاں ہم پناہ لے سکتے ہیں اور مجھے میڈیکل ایڈ بھی مل سکتی ہے لیکن ہم دریا کی دوسری طرف کیسے جائیں گے ان کے آدمی تو برج پر بھی موجود ہوں گے اور کوئی شخص ان کی نظروں سے بچ کر نہیں جاپائے گا۔"

"صورتِ حال کا اندازہ لگانے کے بعد میں کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لوں گا۔" پرساد نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "تم یہیں رکو۔ میں صورتِ حال کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔"

میرا سر پرساد کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ اس نے مجھے آہستگی سے اٹھایا۔ تاریکی میں اب بھی کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہم زمین پر تھے یا پاتال میں..... ایسی گہری اور دبیز تاریکی! میں نے اندھوں کی طرح ٹٹول کر دیکھا تو پتا چلا کہ ہم ایک بہت بڑے پتھر کی آڑ میں تھے اور وہ جگہ کچھ زیادہ کشادہ بھی نہیں تھی۔ ہمارے سروں کے اوپر چھت نما کوئی چیز بھی تھی جو زیادہ اونچی نہیں تھی۔ میرا ہاتھ چھت کو چھو گیا تھا۔

پرساد رینگتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ میں نے پتھر پر پشت ٹکا کر ٹانگیں پھیلالی تھیں۔ بازو اور ٹانگ سے درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور یہ درد پورے جسم میں پھیل رہا تھا۔ تکلیف کی شدت کو کم کرنے کے لیے میں نے بڑی سختی سے دانت بھینچ رکھے تھے۔

مجھے یہاں پڑے ہوئے ایک گھنٹا ہو چکا تھا اور اس ایک گھنٹے میں میرے زخموں سے اچھا خاصا خون بہہ چکا تھا اور اب میں اپنے جسم میں نقاہت سی محسوس کرنے لگا تھا۔ پرساد نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ مجھے فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت تھی ورنہ زخم بگڑ جائے گا اور میری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔

رامن پرساد کو یہ بھی پریشانی تھی کہ یہاں سے نکل کر ہم کہاں جائیں گے اور میں نے فوری طور پر اسے اپنے ساتھ گھر لے جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ہاں..... وہ گھر ہی تو تھا جہاں میں اور تھائی وانگ رہ رہے تھے۔ رامن پرساد قابلِ اعتماد اور بھروسے کا آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس نے میری خاطر اپنی زندگی بھی خطرے میں ڈال دی تھی۔ ان لوگوں کے ہاتھ لگ جانے کی صورت میں وہ پرساد کو بھی اذیتیں دے کر ہلاک کر ڈالیں گے۔ اس لیے میں نے اسے بھی اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ اگر خود غرض ہوتا تو وہاں جھگڑا شروع ہونے کے بعد صورتِ حال کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہی مجھے چھوڑ کر بھاگ نکلتا لیکن اس نے اپنی جان کی پروا نہیں کی تھی اور مجھے ان درندوں سے بچا لایا تھا۔ اس جیسے وفادار اور جاں نثار کو اس طرح چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد سرسراہٹ کی ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی زمین پر رینگ رہا ہو۔ چند سیکنڈ بعد ہی پرساد کی سرگوشی سنائی دی۔

"باس!"

"یس پرساد۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

وہ رینگتا ہوا میرے قریب آگیا۔

"سڑک یا کسی اور راستے سے نکلنے کا کوئی چانس نہیں ہے باس۔" پرساد نے کہا "انہوں نے پورے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ہمارے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی بچا ہے۔"

"اور وہ راستہ کون سا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"دریا!" پرساد نے جواب دیا "کیا تم تیرنا جانتے ہو باس؟"

اس کی بات سن کر میں کانپ اٹھا۔ ہیرا کی تو مجھے آتی تھی اور یہ بچپن کی بات تھی جب میں نے سنگاپور کے ایک سوئمنگ کلب میں سیکھی تھی لیکن سوئمنگ پول اور دریا میں بہت فرق ہوتا ہے۔ پول کے ٹھہرے ہوئے پانی میں تیرنا اور بات ہے اور دریا کے گہرے اور بہتے ہوئے پانی میں تیرنا دوسری بات..... اور پھر اس وقت میری حالت؟ بازو اور ٹانگ میں گولیاں لگی تھیں۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے میں کمزوری محسوس کررہا تھا لیکن بھیانک موت نے چاروں طرف گھیرا ڈال رکھا تھا اور موت کے اس حصار کو توڑنے کا وہی ایک راستہ تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "یہ رسک لینا ہی پڑے گا۔"

"تو ٹھیک ہے۔ اس طرف چلو..... لیکن کچھ دور تک رینگنا ہی پڑے گا۔" پرساد نے کہا۔

ممکن ہے "اُس طرف" کہتے ہوئے اس نے ہاتھ سے کوئی اشارہ بھی کیا ہو لیکن دبیز اندھیرے میں تو میں اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتا تھا اس کا ہاتھ کیا نظر آتا۔ پرساد کے رینگنے سے..... سرسراہٹ کی جو ہلکی سی آواز پیدا ہو رہی تھی میں اسے فالو کرتے ہوئے اس کے پیچھے رینگتا رہا۔ میرے زخمی بازو اور ٹانگ میں تکلیف کی شدت بڑھ گئی تھی۔ میں بڑی مشکل سے اپنے آپ کو گھسیٹ رہا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہم اس تنگ سی جگہ سے نکل کر کھلی جگہ پر آگئے۔ چہرے سے ٹکرانے والی تازہ ہوا بڑی خوشگوار لگی تھی۔ اس جگہ اگرچہ روشنی نہیں تھی لیکن سامنے دریا کے دوسرے کنارے پر روشنیاں جگمگا رہی تھیں اور ان سے اندھیرے کی گھٹن کا احساس بھی ختم ہوگیا تھا۔

رامن پرساد اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا اور جب میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو منہ سے بے اختیار کراہ نکل گئی۔ میری زخمی ٹانگ نے بوجھ اٹھانے سے صاف انکار کردیا تھا اور معمولی سا بوجھ پڑنے سے زخم سے جو ٹیس اٹھی تھی وہ میرے پورے وجود میں پھیلتی چلی گئی تھی۔

پرساد فوراً ہی میری طرف متوجہ ہوگیا۔ اس نے میرا سیدھا بازو اپنی گردن میں حمائل کرلیا اور مجھے سہارا دے کر آہستہ آہستہ چلانے لگا۔ میرا دایاں پیر زمین پر گھسٹ رہا تھا۔ گولی میری پنڈلی کی پچھلی طرف لگی تھی اور اندر ہی رہ گئی تھی جس وجہ سے مجھے زیادہ تکلیف ہو رہی تھی۔ پوری ٹانگ میں شدید تناؤ اور کھنچاؤ تھا۔

چند قدم چلنے کے بعد ہم رک گئے بلکہ میں تو گر سا گیا تھا۔ میں نے تکلیف ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ گیسٹ ہاؤس بائیں طرف تقریباً تین سو گز کے فاصلے پر تھا۔ اس سے پرے ہوٹل شنگریلا کا جگمگاتا ہوا نیون سائن نظر آرہا تھا۔ میں نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا جہاں سے ہم نکل کر آئے تھے۔ اس جگہ کو دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ کسی پل کا ابتدائی حصہ تھا۔ ہوسکتا ہے پہلے یہاں دریا پر پل بنانے کا منصوبہ بنا ہو لیکن فنی وجوہات کی وجہ سے یہ منصوبہ ترک کرکے وہاں سے تقریباً ہزار گز آگے پل تعمیر کیا گیا تھا۔ اس جگہ زمین سے پل کی بنیادیں اور سائڈ کی دیواریں اٹھا کر شروع کے حصے میں کنکریٹ کی بھرائی کی گئی تھی اور آگے کچھ حصے پر کنکریٹ کے دیو قامت گارڈر ڈال کر چھت یا سڑک کا کچھ حصہ بھی بنایا گیا تھا لیکن بعد میں اسے نامکمل چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس چھت کے نیچے بڑے بڑے پتھر اور ملبے کے ڈھیر ایسے ہی پڑے رہ گئے تھے اور پرساد مجھے اس کے آخری حصے میں ایک ایسے ہی بڑے پتھر کے پیچھے لے گیا تھا جس وجہ سے ہم تلاش کرنے والوں کی نظروں سے محفوظ رہے تھے۔

"یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں ہے باس۔" پرساد کی آواز نے مجھے چونکا دیا "اگر وہ لوگ دوبارہ اس طرف نکل آئے تو ہمارے پاس چھپنے کی کوئی اور جگہ بھی نہیں ہے۔"

اس نے مجھے دوبارہ سہارا دے کر اٹھا دیا اور میں اس کے ساتھ گھسٹنے لگا۔ ہمارا رخ دریا کی طرف تھا۔ بنکاک والوں نے شہر کے وسط میں بہتے ہوئے اس دریا سے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ کئی یاٹ کلب تھے۔ دریا کے ساتھ بڑے بڑے ہوٹلوں نے بھی کناروں تک کی جگہ گھیر رکھی تھی جہاں چھوٹی چھوٹی جیٹیاں تعمیر کرکے اپنے مہمانوں کے لیے بوٹنگ کی سہولتیں فراہم کر رکھی تھیں۔ بعض لوگوں نے ویسے ہی جگہ گھیر کر چھوٹے چھوٹے گھاٹ بنا رکھے تھے جہاں دریا کی سیر کے لیے آنے والوں کو کرائے پر کشتیاں فراہم کی جاتی تھیں لیکن بہت سی جگہیں ایسی تھیں جو اب بھی ویران پڑی تھیں۔ ان جگہوں پر آس پاس تو کمرے کھڈ تھے یا کسی اور وجہ سے انہیں نظرانداز کردیا گیا تھا۔

اس وقت ہم جس جگہ پر موجود تھے وہاں سے بائیں طرف تقریباً تین سو گز کے فاصلے پر تو وہ گیسٹ ہاؤس تھا اور دوسری طرف تقریباً پانچ سو گز تک ویرانہ تھا۔ اس سے آگے روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ بیچ کے اس ویرانے میں جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

"میرا خیال ہے اس طرف کنارے پر ہمیں کوئی ایسی جگہ مل جائے گی جہاں سے ہم دریا میں اتر سکیں۔" رامن پرساد نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مگر پرساد۔" میں کراہ اٹھا "مجھ سے تو قدم نہیں اٹھایا جارہا۔ بازو بھی بُری طرح اکڑا ہوا ہے۔ دریا میں کیسے تیر سکوں گا؟"

"فکر نہ کرو باس۔" پرساد بولا "میں صرف موٹر مکینک ہی نہیں ہوں۔ ایک بہت اچھا پیراک بھی ہوں۔ پتایا کے گہرے ساحل پر پیراکی کے کئی خطرناک مقابلے جیت چکا ہوں۔ تم میری پشت پر سوار ہوجانا۔ میں تمہیں بڑی آسانی سے دوسرے کنارے تک لے جاؤں گا۔ راستے میں تمہارے کپڑے تک گیلے نہیں ہونے دوں گا۔ بس ہمیں دریا میں اترنے کے لیے مناسب جگہ مل جائے۔"

رامن پرساد مجھے سہارا دے کر جھاڑیوں میں گھسیٹتا رہا۔ اس طرح چلنے سے میری ٹانگ کی تکلیف بڑھتی جارہی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ دارا اور کم کے آدمی شکاری کتوں کی طرح آس پاس کے علاقے میں ہماری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ وہ کسی لمحے اس طرف بھی آسکتے تھے۔

ہم اس جگہ سے کافی دور نکل آئے تھے۔ آس پاس جھاڑیاں اگرچہ خاصی اونچی تھیں مگر زیادہ گنجان نہیں تھیں۔ ہمیں آگے بڑھنے کے لیے آسانی سے راستہ مل رہا تھا اور پھر اچانک ہم ٹھٹک کر رک گئے۔

ہم سے تقریباً پندرہ گز آگے ایک شعلہ سا چمکا تھا۔ میں نے غور سے اس طرف دیکھا تو کانپ کر رہ گیا۔ وہاں قدرے اونچی جگہ پر ایک آدمی کھڑا تھا جس نے سگریٹ سلگانے کے لیے دیا سلائی جلائی تھی۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا۔ دیا سلائی کی روشنی میں اس کا چہرہ تو نظر نہیں آیا تھا لیکن بکھرے ہوئے بال اور دھاری دار ٹی شرٹ سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کون ہوسکتا ہے۔ وہ یقیناً دارا ہی کا کوئی گرگا تھا جو نگرانی کے لیے وہاں کھڑا تھا۔

رامن پرساد نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ مجھے آہستگی سے جھاڑیوں کی آڑ میں زمین پر بٹھا دیا اور جھاڑیوں کی آڑ لے کر جھک کر تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت بیٹھا سامنے دیکھ رہا تھا۔ پرساد میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تھا مگر وہ آدمی اپنی جگہ پر کھڑا اطمینان سے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ سگریٹ غالباً بہت ہی گھٹیا قسم کا تھا۔ ہوا کا رخ ہونے کی وجہ سے اس کی ناگوار سی بو یہاں تک آرہی تھی۔

اور پھر اس شخص کے عقب میں چند قدم کے فاصلے پر پرساد کو نمودار ہوتے دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور میں دل ہی دل میں اس کی کامیابی کی دعائیں مانگنے لگا۔ پرساد بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا اور پھر شاید اس کا پیر کسی جھاڑی میں الجھ گیا تھا۔ وہ لڑکھڑا گیا۔

آواز سن کر وہ شخص تیزی سے پیچھے پلٹا۔ اس نے سگریٹ پھینک دیا اور پرساد کی طرف لپکا۔ پرساد سنبھل گیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے۔ دونوں زمین پر گرے پھر اٹھ گئے۔ میں کسی قدر نشیب میں تھا اور وہ دونوں اونچی جگہ پر تھے۔ آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کی روشنی کے پس منظر میں مجھے ان دونوں کے ہیولے تو نظر آرہے تھے مگر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ ان میں پرساد کون سا ہے اور وہ غنڈا کون سا۔

وہ ایک بار پھر زمین پر گرے۔ اب وہ مجھے نظر نہیں آرہے تھے لیکن جھاڑیوں کے چٹخنے کی آوازوں سے میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اور پھر ایک خوف ناک چیخ فضا میں ابھری۔

یہ چیخ پرساد کی بھی ہوسکتی تھی۔ یہ خیال آتے ہی میں اپنی جگہ سے گھسٹتا ہوا گنجان جھاڑیوں میں گھس گیا۔ دو منٹ گزر گئے اور پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ ایک ہیولا ٹھیک اس جگہ پر آکر رک گیا جہاں تھوڑی دیر پہلے میں موجود تھا۔

"باس!" یہ پرساد کی آواز تھی۔

"میں یہاں ہوں پرساد۔" میں نے اسے آواز دی۔

"وہ ختم ہوگیا باس۔" پرساد تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا میری طرف آیا "میں نے اس کی گردن مروڑ دی ہے۔ وہاں ایک چھوٹی سی جیٹی پر دو کشتیاں بھی کھڑی ہیں باس۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا "اس مردود کی چیخ سنانے میں دور تک پھیلی ہوگی۔ اس سے پہلے کہ اس کا کوئی ساتھی اس طرف پہنچ جائے، ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"میں اٹھ نہیں سکتا۔ مجھے سہارا دو پرساد۔" میں نے اپنا بدستور ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔ میں اس وقت کچھ زیادہ ہی نقاہت محسوس کرنے لگا تھا۔

پرساد نیچے جھکا اور سہارا دینے کے بجائے مجھے پشت پر لاد لیا۔ میرے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی۔ اس کا ایک ہاتھ میری ٹانگ کے زخم پر پڑا تھا۔

پرساد مجھے اٹھا کر تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگا۔ تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کرکے اس نے مجھے جیٹی پر اتار دیا۔ یہاں دریا کے کنارے پر ایک پختہ چبوترہ بنا ہوا تھا اور ایک تنگ سی سیڑھی اس چبوترے کے ساتھ ہی اندر کو نکلی ہوئی تھی۔ یہاں دو چھوٹی کشتیاں تھیں جن کی رسیاں ایک آہنی پائپ کے ساتھ بندھی ہلکورے لے رہی تھیں۔ یہ چپوؤں والی کشتیاں تھیں۔ پرساد نے مجھے اٹھا کر ایک کشتی میں ڈال دیا اور پائپ کے ساتھ بندھی ہوئی رسی کھول کر چپو سنبھال لیے۔ وہ کشتی کو کھاڑی سے نکال کر دریا میں لے آیا اور دوسرے کنارے کی طرف کھینے لگا۔

میں کشتی کے فرش پر نڈھال سا بیٹھا تیز تیز سانس لے رہا تھا۔ کمزوری بہت بڑھ گئی تھی۔ زخمی ٹانگ اور بازو تختے کی طرح اکڑ گئے تھے اور درد نے مجھے نڈھال کر رکھا تھا اور میں اس وقت سوچ رہا تھا کہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ بھی سکوں گا یا نہیں۔

"اب پریشانی کی کوئی بات نہیں باس۔" پرساد نے شاید میرے خیالات پڑھ لیے تھے "دریا کا پانی بہت پرسکون اور ہموار ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں دوسرے کنارے پر پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے ہمیں کتنی دور جانا ہوگا؟"

مجھے اس کی باتوں سے حوصلہ مل رہا تھا۔ وہ واقعی وفادار تھا۔ محض میری وجہ سے اس نے ایک انسان کے خون میں ہاتھ بھی رنگ لیے تھے۔ چند گھنٹے پہلے جب میں نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا تو اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں دوستی کا مفہوم جانتا ہوں یا نہیں۔ اگرچہ ہماری دوستی کی عمر چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں تھی لیکن اس نے خود ہی مجھے دوستی کا مفہوم سمجھا دیا تھا۔

"میری بات کا جواب نہیں دیا باس۔" پرساد نے دوبارہ کہا "ہمیں کتنی دور جانا ہوگا؟"

"تقریباً ایک میل!" میں نے سنبھل کر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "فنگ ٹاکسن کے محلے سے ذرا آگے۔"

"وانگ ونگ یائے ریلوے اسٹیشن کے قریب؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس کی مخالف سمت۔" میں نے جواب دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دریا کا پانی واقعی پرسکون تھا اور اسے کشتی کھینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔ دریا کے دونوں طرف دور دور تک رنگ برنگی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ اس وقت شاید بارہ بجنے والے ہوں گے۔ میں تھائی وانگ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد گھر سے نکلا تھا اور تھائی سے کہا تھا کہ دو تین گھنٹوں میں واپس آجاؤں گا۔ اب مجھے تقریباً چار گھنٹے ہوچکے تھے۔ وہ یقیناً پریشان ہورہی ہوگی۔ کہیں اس نے گھبرا کر اسٹر ہوچن کو فون نہ کردیا ہو۔

دوسرے کنارے تک پہنچنے میں تقریباً دس منٹ لگے تھے۔ رامن پرساد نے کشتی ایک ویران جگہ پر روکی تھی۔ کشتی کو کنارے سے لگا کر اس نے مجھے اپنے اوپر لادلیا اور کشتی کے کنارے پر کھڑے ہوکر چھلانگ لگا دی۔

"مجھے نیچے اتارو۔ میں تمہارا سہارا لے کر چلنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے کہا۔

"نہیں باس۔" پرساد نے جواب دیا "ہوسکتا ہے ان کا کوئی آدمی اس طرف بھی موجود ہو اور کشتی کو آتے ہوئے دیکھ لیا گیا ہو۔ کچھ دور تک تو تم میرے اوپر ہی سواری کرتے رہو۔ کسی محفوظ جگہ پر پہنچ کر میں تمہیں اتار دوں گا۔"

رامن پرساد کا خیال غلط نہیں ہوسکتا تھا لیکن ہمیں بڑی سڑک تک کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ سڑک پار کرکے ہم ایک گلی میں داخل ہوگئے۔ پرساد نے مجھے نیچے اتار دیا۔ زمین پر پیر رکھتے ہی میرے ہونٹوں سے کراہ سی خارج ہوگئی۔

"باس!" پرساد نے میرا تندرست بازو اپنی گردن پر ڈال لیا "مجھے معلوم ہے تمہاری حالت بہت نازک ہورہی ہے۔ تمہارا جسم بھی تپنے لگا ہے۔ تمہارے زخموں سے خون بہت بہہ چکا ہے مگر تم واقعی ایک حوصلہ مند نوجوان ہو۔ کوئی اور ہوتا تو ہمت ہار چکا ہوتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر ہمت جاری رکھتے ہوئے بولا "تمہیں فوری طور پر طبّی امداد کی ضرورت ہے۔ اگر تمہیں کچھ ہوگیا تو میں اپنے آپ کو معاف نہیں کرسکوں گا۔ گھر پہنچ کر کسی ڈاکٹر کو بلانے میں دیر لگے گی اور یہ بھی ممکن ہے وہ ڈاکٹر تمہاری حالت دیکھ کر کوئی ٹریٹ منٹ دینے سے انکار کردے۔ میں نے مین روڈ کی طرف ایک اسپتال کا نیون سائن دیکھا ہے۔ اگر کہو تو میں تمہیں اسپتال لے چلوں۔ ہم پولیس کو بھی ان لوگوں کے بارے میں اطلاع کردیں گے۔"

"نہیں پرساد۔" میں نے کہا "تم ان لوگوں کو نہیں جانتے۔ وہ انسان نہیں درندے ہیں۔ پورے بنکاک کی پولیس آج تک ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔ تم میری حالت کی پروا مت کرو۔ مجھے گھر لے چلو۔ ڈاکٹر کا انتظام ہوجائے گا۔"

وہ میری حالت دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ چلنا میرے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ اس نے ایک بار پھر مجھے اپنے اوپر لادلیا اور تیزی سے چلنے لگا۔ میں اسے راستہ بتاتا جارہا تھا اور بالآخر تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم مطلوبہ گلی میں پہنچ گئے۔

گیٹ کے سامنے پہنچ کر اس نے مجھے نیچے اتار دیا۔ میں ستون

کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ پرساد نے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ صرف ایک منٹ بعد گیٹ کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔ وہ تھائی وانگ تھی اور نجانے کب سے میرے انتظار میں برآمدے میں بیٹھی تھی اور کال بیل کی آواز سنتے ہی گیٹ پر پہنچ گئی تھی لیکن دروازہ کھولتے ہی میرے بجائے ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ حواس باختہ سی ہوگئی۔

"کون ہو تم۔ میں تمہیں نہیں جانتی۔ چلے جاؤ یہاں سے۔" اس نے دھڑ سے دروازہ بند کردیا۔

"میں ہوں تھائی۔ دروازہ کھولو۔" میں نے کمزور سی آواز میں کہا۔

دروازہ ایک دم کھل گیا۔ تھائی نے گردن نکال کر باہر جھانکا اور پھر مجھے ستون کے ساتھ کھڑے دیکھ کر بدحواس سی ہوگئی۔

"کیا ہوا تمہیں۔ اس طرح کیوں کھڑے ہو۔"

"میں زخمی ہوں تھائی۔ مجھے اندر لے چلو۔" میں نے کہا۔

پرساد نے جھک کر مجھے گود میں اٹھالیا۔

"یہ..... یہ کون ہے؟" تھائی بولی۔

"میرا دوست ہے۔ گھبراؤ نہیں۔" میں نے کہا۔

تھائی وانگ راستے سے ہٹ گئی۔ پرساد کے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے گیٹ بند کردیا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ہمارے ساتھ چلنے لگی۔ برآمدے کی بتی بھی بجھی ہوئی تھی لیکن کمرے میں داخل ہونے کے بعد میری حالت دیکھتے ہی تھائی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"یہ..... یہ کیا ہوا تمہیں! کس نے کی ہے تمہاری یہ حالت۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" تھائی وانگ چیخ رہی تھی۔ اس دوران میں پرساد نے مجھے کمرے میں لاکر بستر پر لٹا دیا تھا۔

"میں زندہ ہوں تھائی۔ میں زندہ ہوں۔ اپنے حواس قابو میں رکھو۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مجھے گولیاں لگی ہیں۔ خون بہت ضائع ہوچکا ہے۔ اس سے پہلے کہ میری حالت زیادہ بگڑ جائے' جانکی دیوی کو فون کرکے بلالو۔ اسے بتا دینا' ایک گولی ابھی تک میری پنڈلی کے اندر موجود ہے۔ جاؤ تھائی۔ دیر نہ کرو۔"

تھائی دوڑتی ہوئی ٹیلی فون کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور نمبر ملا کر جانکی کا صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگی پھر ریسیور رکھ کر واپس آگئی۔

"ہوا کیا۔ تمہیں کیسے گولی لگی اور یہ کون ہے؟" تھائی نے کہا اور پرساد کی طرف دیکھنے لگی۔

"کچھ خطرناک لوگوں سے آمنا سامنا ہوگیا تھا۔" میں نے جواب دیا "اور یہ" میں نے پرساد کی طرف دیکھا "یہی مجھے موت کے منہ سے نکال کر لایا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو آج کی رات میری زندگی کی آخری رات ثابت ہوتی۔ مجھے تو اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے۔"

"اس میں شکریہ ادا کرنے کی کیا بات ہے باس۔ میں نے تو حقِ دوستی ادا کیا ہے۔" پرساد نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "اب میں جاؤں باس!"

"نہیں۔ تم یہیں رہو گے۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

تھائی وانگ کی عجیب حالت ہورہی تھی۔ اس کی کیفیت بیان کرنے کے لیے بھی میرے پاس الفاظ نہیں تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ہونٹوں پر بڑبڑاہٹ تھی۔ میرا خون آلود لباس دیکھ کر بار بار اس کی مٹھیاں بھنچ جاتیں۔ غالباً اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

جانکی دیوی تقریباً چالیس منٹ بعد وہاں پہنچی تھی۔ میری حالت دیکھ کر وہ بھی گڑبڑا گئی۔ میری حالت اب غیر ہورہی تھی۔ مسافر جب منزل پر پہنچتا ہے تو تھکن سے نڈھال ہو کر گر پڑتا ہے۔ میری بھی شاید کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ میں موت کو دھکا دیتا ہوا اپنوں میں پہنچ گیا تھا اور میرا حوصلہ پست ہوگیا تھا۔ ہمت اور قوت برداشت جواب دے رہی تھی۔ نقاہت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اب غنودگی سی طاری ہونے لگی تھی اور میرے لیے اپنے آپ کو ہوش میں رکھنا مشکل ہورہا تھا۔

تھائی وانگ نے پہلے ہی پانی گرم کر رکھا تھا۔ جانکی دیوی نے سب سے پہلے پرساد کی مدد سے میرے کپڑے اتروا کر خون سے لتھڑا ہوا جسم صاف کروایا اور آپریشن کی تیاری شروع کردی۔

پہلے میرے بازو کی ڈریسنگ کی گئی۔ یہاں گولی گوشت کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ بازو کی ڈریسنگ مکمل کرنے کے بعد وہ میری ٹانگ کی طرف متوجہ ہوئی۔ جانکی نے ٹانگ پر لوکل انستھیسیا دے کر آپریشن شروع کردیا۔ اس وقت تک میں مکمل طور پر غنودگی کی لپیٹ میں آچکا تھا اور مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ میرے ساتھ کیا ہورہا تھا۔

کئی گھنٹے بے ہوش رہنے کے بعد میری آنکھ کھلی تو کمرے میں کھڑکی کے راستے آنے والی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ بیڈ کے قریب دائیں طرف تھائی وانگ ایک کرسی پر بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ میرے ہونٹوں سے ہلکی سی کراہ خارج ہوئی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ میری نظروں کے سامنے دھند سی پھیلی ہوئی تھی جو رفتہ رفتہ صاف ہوتی چلی گئی۔ میں نے پہلے تھائی وانگ کی طرف دیکھا اور پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بیڈ کے ساتھ ہی ایک اسٹینڈ پر خون کی بوتل ٹنگی ہوئی تھی جس کا خون غیر محسوس رفتار سے میری رگوں میں منتقل ہورہا تھا۔

تھائی وانگ میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ اس نے میری پیشانی پر بوسہ دیا اور کچھ کہے بغیر میری طرف دیکھتی رہی۔ میں اس کی اندرونی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ چند منٹ بعد جانکی دیوی بھی آگئی۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ میری پیشانی پر ہاتھ رکھا اور خون کی بوتل کو چیک کرنے لگی۔ اس نے تقریباً پندرہ منٹ میرے معائنے پر لگادیے۔

"اب خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "بخار تیز ہے۔ اسے شام تک اتر جانا چاہیے۔"

وہ بھی قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ جانکی دیوی رات کو یہاں آنے کے بعد گھر واپس نہیں گئی تھی۔ میرے لیے خون کا بندوبست اسی نے کیا تھا۔ گزشتہ رات میری ٹانگ سے گولی نکالنے کے بعد اس نے زخم کی ڈریسنگ تو کردی تھی لیکن خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے وہ میرے لیے خاصی پریشان تھی۔ اس نے تھائی کو دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ میرے لیے خون کا بندوبست ہونا بہت ضروری تھا۔ اگر خون نہ ملتا تو میری زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی اور پھر رات ہی کو وہ ایک نرسنگ ہوم میں میرا خون لے کر چلی گئی تھی۔ ایک پرائیویٹ اسپتال میں اس کی کچھ جان پہچان تھی۔ اس نے خون کا گروپ ٹیسٹ کروایا۔ اس گروپ کا خون اسے اسپتال ہی کے بلڈ بینک سے مل گیا تھا۔ اس نے اسپتال کے ڈرگ اسٹور سے کچھ ضروری ادویات بھی لے لی تھیں۔ دو گھنٹے بعد واپس آکر اس نے مجھے خون کی بوتل لگا دی تھی۔ یہ خون کی دوسری بوتل تھی جو تقریباً آدھا گھنٹا پہلے لگائی گئی تھی۔ خون کی یہ بوتل جانکی دیوی صبح اسپتال سے لے کر آئی تھی۔ ان تمام انتظامات کے لیے جہاں اسے بھاگ دوڑ کرنی پڑی تھی وہاں اچھی خاصی رقم بھی خرچ ہوئی تھی۔ بہرحال بروقت خون مل جانے سے میری جان بچ گئی تھی اور اب میری حالت خطرے سے باہر تھی۔

تھائی وانگ کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسو اور جانکی دیوی کی اس بھاگ دوڑ سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ دونوں مجھے کتنا چاہتی تھیں لیکن ان سے میرا کیا رشتہ تھا؟ ہم تینوں کا خون الگ تھا۔ مذہب الگ تھا۔ کوئی بات مشترک نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ ہمارا تعلق نسلِ انسانی سے تھا۔ اس دنیا میں سب انسان ہی تو بستے ہیں۔ جو حیوانوں سے زیادہ بدتر اور درندوں سے زیادہ خوں خوار ہیں۔ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے وہ بھی انسان ہی کہلاتے ہیں' مجھے موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہیں اور یہ بھی انسان ہی ہیں جو میرے لیے اس قدر پریشان ہیں کہ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رکھا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تھائی اور جانکی نے اس رشتے کی شناخت کرلی ہے جس کے لیے مذہب اور خون کا ناتا ہونا ضروری نہیں۔ انسانیت ہی ایک ایسا رشتہ ہے جو خون اور دھرم کی پروا کیے بغیر ایک دوسرے کو قریب لاتا ہے۔

"اب تم ٹھیک ہوجاؤ گے۔" جانکی دیوی نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "لیکن کئی روز تک تم بستر سے نہیں اٹھ سکو گے۔"

"پرساد کہاں ہے۔ کیا وہ چلا گیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" تھائی نے جواب دیا "وہ تو رات بھر تمہارے پلنگ کی پٹی سے لگا بیٹھا رہا ہے۔ ایک گھنٹا پہلے میں نے زبردستی اسے یہاں سے اٹھایا ہے۔ سو رہا ہے اس وقت لیکن یہ ہے کون؟ کیا تم نے اسے یہاں لاکر غلطی نہیں کی؟"

"نہیں۔" میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی "یہ قابلِ اعتماد آدمی ہے۔ اگر مجھے اس پر ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو اسے یہاں کبھی نہ لاتا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر رک رک کر بتانے لگا کہ رامن پرساد کون ہے اور اس سے میری ملاقات کیسے ہوئی تھی "اگر وہ میرے ساتھ نہ ہوتا تو میں اس گیسٹ ہاؤس سے زندہ لوٹ کر نہیں آسکتا تھا۔ اس نے اپنی جان پر کھیل کر میری جان بچائی ہے۔"

"اس نے گیسٹ ہاؤس میں ہونے والے ہنگامے کی تفصیل بتا دی تھی لیکن وہ کون لوگ تھے۔ ٹائیگر یا اس کے آدمی؟" تھائی نے پوچھا۔

"کم اور دارا۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا.....؟" تھائی اچھل پڑی۔

"ہاں۔" میں نے کہا "زندگی میں پہلی بار براہِ راست ان دونوں سے سامنا ہوا تھا۔ وہ شاید اب بھی مجھے بچہ ہی سمجھ رہے تھے لیکن میں نے ان کی جو درگت بنائی ہے اسے شاید وہ عرصے تک نہیں بھول سکیں گے۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو شاید کیا بلکہ یقیناً کسی بڑی مصیبت میں پھنس سکتا تھا لیکن رامن پرساد بروقت وہاں پہنچ گیا تھا۔"

"اسی لیے میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اکیلے باہر مت نکلو۔" تھائی نے مجھے گھورتے ہوئے کہا "اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو..... تو....." وہ اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

میں بھی کچھ کہنے کے بجائے گہری نظروں سے تھائی کی طرف دیکھتا رہا۔

اسی رات تھائی نے میرے کہنے پر ماسٹر ہوچن کو فون کیا تو یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ ان لوگوں کو گزشتہ رات ہی اس واقعے کا علم ہوگیا تھا اور ماسٹر ہوچن کے آدمی مجھے شہر بھر میں تلاش کررہے تھے تاکہ میری حفاظت کا بندوبست کیا جاسکے۔

"میں بالکل محفوظ ہوں ماسٹر ہوچن!" میں نے کہا "اب میں نے اپنے دشمنوں سے نبرد آزما ہونا سیکھ لیا ہے۔ تم میری فکر مت کرو۔"

"وہ لوگ شکاری کتوں کی طرح پورے شہر میں تمہیں تلاش

کرتے پھر رہے ہیں۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "آج دوپہر وہ ہمارے آدمیوں سے بھی الجھ پڑے تھے۔ ہمارا ایک آدمی شدید زخمی ہوا ہے۔ مجھے پتا چلا ہے کہ رات کو گیسٹ ہاؤس میں فائرنگ بھی ہوئی تھی۔ تم ٹھیک تو ہو نا۔ تمہاری آواز سے مجھے شبہ ہو رہا ہے۔"

"رات کو مجھے دو گولیاں لگی تھیں۔" میں نے جواب دیا "پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے ماسٹر۔ ایک گولی جسم میں رہ گئی تھی جسے آپریشن کرکے نکال دیا گیا ہے۔ میں چند روز میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

"اگر تم اپنا ٹھکانا بتا دو تو تمہاری حفاظت کا بندوبست کر دیا جائے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا۔

"میں بالکل محفوظ ہوں ماسٹر۔" میں نے جواب دیا "اگر کسی اور کو میری حفاظت کے لیے رکھا گیا تو وہ دوسروں کی نظروں میں آجائے گا اور اس طرح میں بھی نگاہوں میں آجاؤں گا۔ فی الحال ویسے بھی میں بستر سے نہیں اٹھ سکوں گا اس لیے چند روز تک تو میرے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس دوران میں اگر کوئی ایمرجنسی ہوئی تو میں فوراً رابطہ کروں گا۔"

"اوکے بوائے۔" ماسٹر ہوچن نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "تم بہت ضدی ہو۔ اپنا خیال رکھنا۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا اور تھائی کی طرف دیکھنے لگا۔

وقت کی رفتار جیسے تھم گئی تھی۔ ایک ایک دن برسوں پر محیط ہو رہا تھا۔ میرے زخم اگرچہ تیزی سے مندمل ہو رہے تھے لیکن مجھے بستر سے اٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ جانکی دیوی مجھے دیکھنے کے لیے دن میں دو مرتبہ ضرور آتی تھی اور تھائی وانگ .... اس نے تو اپنے آپ کو میرے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ زیادہ تر میرے پاس ہی بیٹھی باتیں کرتی رہتی۔ وہ میرا منہ ہاتھ دھلاتی، اپنے ہاتھ سے ناشتا اور کھانا کھلاتی اور میری ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھی۔

رامن پرساد بھی قید ہو کر رہ گیا تھا بلکہ وہ خود بھی مجھے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بھی میرے آس پاس ہی منڈلاتا رہتا۔

"باس۔" ایک روز وہ میرے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں اور تمہاری ان سے کیا دشمنی ہے لیکن....."

"لیکن کیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ لوگ تو تمہاری تلاش میں ہوں گے۔ تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرتے پھر رہے ہوں گے لیکن ہم ان کی سرگرمیوں سے قطعی لاعلم ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم بھی ان کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کریں۔" پرساد نے کہا۔

"مہاراج کے آدمی ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ میں جانتا ہوں۔" پرساد بولا "ٹائیگر اور اس کے آدمی مہاراج کے آدمیوں کو پہچانتے ہیں۔ میرا مطلب تھا کوئی ایسا آدمی جسے وہ نہ جانتے ہوں اور وہ ان کے بیچ میں رہ کر ان کی سرگرمیوں سے آگاہ ہو سکے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے اسے گھورا۔ ویسے میں اس کا مطلب سمجھ رہا تھا۔

"باس! یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے تنگ آگیا ہوں یا یہاں سے بھاگنا چاہتا ہوں۔" پرساد نے کہا "مجھے وہ لوگ نہیں جانتے۔ اگر میں ان کے اندر گھسنے کی کوشش کروں تو ان کی سرگرمیوں کا پتا چل سکتا ہے۔"

"اس رات تم میرے ساتھ تھے۔ پہچان لیے جاؤ گے۔" میں نے کہا۔

"نہیں باس۔" پرساد مسکرایا "ہمارا ساتھ تو چند منٹ کا تھا۔ انہیں تو پتا بھی نہیں چلا ہوگا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور جب میں نے اوپر آکر ان پر حملہ کیا تھا تو ان دونوں میں سے کسی کو اتنا ہوش کہاں رہا ہوگا کہ میرا چہرہ یاد رکھ سکیں۔ تمہیں تو اس لیے پہچان لیا گیا کہ وہ تمہیں پہلے سے جانتے تھے۔ مجھے کوئی نہیں پہچان سکے گا اور اگر پہچان بھی لیا گیا تو وہ مجھ سے تمہارے بارے میں کچھ معلوم نہیں کر سکیں گے۔ وہ میری بوٹی بوٹی کر ڈالیں تو میری زبان پر تمہارا نام نہیں آئے گا۔"

"مجھے تم پر پورا بھروسا ہے۔" میں نے کہا "لیکن ایسا رسک لینے کی کیا ضرورت ہے۔"

"رسک تو لینا ہی پڑے گا باس۔" پرساد نے کہا "ہم زندگی بھر تو اس چار دیواری میں قید ہو کر نہیں رہ سکتے اور میں جانتا ہوں کہ ٹھیک ہونے کے بعد تم بھی چین سے نہیں بیٹھو گے۔ تمہارے پاس پہلے سے کچھ معلومات ہوں گی تو تمہیں اپنے کام میں آسانی رہے گی۔"

"ویسے میں بھی سوچ رہا ہوں کہ ہمارے پاس ایک اور پناہ گاہ ہونی چاہیے تاکہ کسی ہنگامی صورتِ حال میں ہمیں کوئی پریشانی نہ ہو۔" میں نے کہا "تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ تم کل صبح یہاں سے نکلو اور سب سے پہلے کسی ایسے فلیٹ یا مکان کا بندوبست کرو جو بوقت ضرورت ہمارے کام آسکے اور اگر اس دوران میں تم ان کی نظر میں آگئے تو....."

"فکر مت کرو باس۔" پرساد نے میری بات کاٹ دی "ایسی صورت میں، میں ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔"

تھائی وانگ خاموشی سے ہماری باتیں سن رہی تھی۔ اس نے پرساد کی باتوں سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے خیال میں یہ مناسب تجویز تھی۔ دارا وغیرہ کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا ضروری تھی۔

اگلے روز صبح دس بجے کے قریب پرساد میرے سامنے آیا تو میں اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ میرے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اس کا چہرہ بھی بدلا ہوا سا لگ رہا تھا۔ کل رات تک اس کے بال گردن تک پھیلے ہوئے تھے لیکن اب اس کے بال چھوٹے اور سلیقے سے تراشے ہوئے تھے۔

"یہ تھائی وانگ کے ہاتھوں کا کمال ہے۔" پرساد نے مسکراتے ہوئے کہا "اس نے مجھے آدمی بنانے میں پورا ایک گھنٹا لگایا ہے۔"

اسی لمحے تھائی وانگ بھی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے ٹوٹوں کا ایک بنڈل پرساد کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"سب سے پہلے تمہیں مکان کا بندوبست کرنا ہے۔" وہ بولی "اور مکان ایسا ہو جو ہر لحاظ سے ہمارے لیے محفوظ ہو۔ اس کے بعد تم کسی دوسرے کام پر توجہ دو گے۔"

جواب میں پرساد نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ رخصت ہو گیا۔ تھائی وانگ باہر کا گیٹ بند کرکے میرے پاس آگئی۔

"صبح جانکی کا فون آیا تھا۔" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی "وہ کسی مصروفیت کی وجہ سے اس وقت نہیں آسکتی۔ شام کو چکر لگائے گی۔ ویسے اس نے کہا تھا کہ تمہیں اب اٹھ کر تھوڑا بہت چلنا چاہیے۔"

"پندرہ دن ہو گئے بستر پر پڑے پڑے۔ میں خود بھی اکتا گیا ہوں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ابھی شروع ہو جائے یہ ایکسرسائز!" تھائی نے کہا۔

میں اس وقت نیم دراز تھا۔ اپنے آپ کو اوپر کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ان پندرہ دنوں میں شروع کے دو چار دن تو میں بالکل ہی بے حس و حرکت رہا تھا پھر لیٹے لیٹے ٹانگ اور بازو کو آہستہ آہستہ حرکت دینے لگا تھا۔ ٹانگ میں زیادہ تکلیف تھی۔

تھائی وانگ نے مجھے سہارا دے کر فرش پر کھڑا کر دیا۔ میں نے اپنا تندرست بازو اس کی گردن پر ڈال دیا۔ تھائی نے بھی اپنا ایک بازو میری کمر کے گرد حمائل کر دیا تھا۔ اس طرح میرا سارا بوجھ تھائی پر تھا۔

دائیں ٹانگ کی نسوں میں تناؤ تھا۔ شروع میں تو پیر زمین پر رکھتے ہوئے بھی تکلیف محسوس ہو رہی تھی لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ کھنچاؤ کم ہوتا گیا۔ تھائی مجھے سہارا دیے پندرہ بیس منٹ تک پورے کمرے میں گھماتی رہی اور پھر دوبارہ بستر پر لٹا دیا۔

رامن پرساد اس رات واپس نہیں آیا اور نہ ہی اگلے روز اس نے کوئی خبر دی حالانکہ اس کے پاس یہاں کا ٹیلی فون نمبر موجود تھا۔

"تم نے بتایا تھا کہ وہ موٹر مکینک ہے اور پیسہ کمانے کے لیے باہر سے یہاں آیا تھا۔" تھائی وانگ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت میرے بیڈ پر بیٹھی اپنے ہاتھ سے مجھے سوپ پلا رہی تھی "کہیں ایسا تو نہیں کہ ایک بڑی رقم اس کے ہاتھ آئی تو وہ رفو چکر ہو گیا۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" میں نے جواب دیا "میں نے اسے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ ہو سکتا ہے کسی وجہ سے وہ ہم سے رابطہ نہ کر سکا ہو لیکن یہ بات تو میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا۔"

اور پھر ہم دیر تک اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ اس روز جانکی دیوی بھی نہیں آئی تھی اور نہ ہی اس نے فون کیا تھا۔

میں جب سے بیمار ہوا تھا، تھائی وانگ میرے ہی کمرے میں سوتی تھی۔ اس نے بیڈ کے قریب ہی سیٹی ڈال لی تھی۔ وہ زیادہ تر تو کرسی پر ہی بیٹھی رہتی اور جب میں سو جاتا تو وہ بھی سیٹی پر لیٹ کر اونگھ لیتی۔ سوتے میں کروٹ بدلتے ہوئے میرے منہ سے کراہ بھی نکلتی تو وہ اٹھ کر میرے پاس آجاتی۔ وہ جس طرح میری دیکھ بھال کر رہی تھی میرے خیال میں اس کی کوئی مثال ملنا مشکل تھی۔

ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ پرساد کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں تھی۔ اب مجھے بھی اس کی طرف سے پریشانی ہونے لگی تھی۔ اس لیے نہیں کہ وہ پیسے لے کر بھاگ گیا ہوگا بلکہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔ اس دوران میں میری ایکسرسائز جاری تھی۔ پہلے میں تھائی کا سہارا لے کر چلتا تھا اب بغیر سہارے کے چلنے لگا۔ جانکی بھی میرے علاج پر پوری توجہ مرکوز رکھے ہوئے تھے۔ ماسٹر ہوچن سے بھی رابطہ ہوتا رہا تھا۔

پرساد کو گئے ہوئے وہ گیارھواں دن تھا۔ میں بستر پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ دماغ پر کچھ غنودگی سی طاری تھی۔ شاید میں سو جاتا لیکن ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سے میں چونک گیا۔ گہری خاموشی میں وہ آواز بم کے دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔ سیٹی پر اونگھتی ہوئی تھائی بھی اچھل پڑی۔ کئی روز سے ٹیلی فون اسی کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ تھائی نے متوحش نظروں سے پہلے میری طرف دیکھا اور پھر سیٹی کے سرہانے کی طرف ایک سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کی طرف دیکھنے لگی۔

"اس وقت.... کس کا فون ہو سکتا ہے؟" وہ کچھ نروس سی نظر آرہی تھی۔

"شاید جانکی دیوی ہو۔ اس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

تھائی وانگ نے ریسیور اٹھا لیا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے خاموش رہی۔ اس نے ہیلو بھی نہیں کہا تھا اور جب دوسری طرف سے ہیلو کہا گیا تو وہ بولی۔

"ہیلو۔ کون ہو تم.... کس سے بات کرنی ہے؟"

"اور پھر دوسری طرف کی آواز سن کر تھائی کے چہرے پر طمانیت سی آگئی۔ اس نے رامن پرساد کا نام لیتے ہوئے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو پرساد۔ کہاں غائب ہو۔ خیریت تو ہے؟" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"سوری باس! اتنے دن تک تمہیں اطلاع نہیں دے سکا۔" ریسیور پرساد کی آواز سنائی دی "دراصل کچھ ایسی صورتِ حال میں پھنس گیا تھا کہ مجھے تم سے فون پر بھی رابطہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میرے پاس کچھ دلچسپ اور سنسنی خیز اطلاعات ہیں۔ اگر تم جاگ رہے ہو تو میں آجاؤں۔"

"تم اس وقت کہاں سے بول رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"وانگ ونگ یائے ریلوے اسٹیشن کے ایک پبلک فون بوتھ سے۔" پرساد نے جواب دیا "مجھے وہاں پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔" میں نے کہہ کر ریسیور تھائی وانگ کی طرف بڑھا دیا جسے اس نے کریڈل پر رکھ دیا "وہ وانگ ونگ یائے ریلوے اسٹیشن کے قریب ہے۔ چند منٹ میں پہنچ جائے گا۔" میں نے تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وانگ ونگ یائے ریلوے اسٹیشن کنگ ٹاکسن کے مجسمے والے چوراہے سے ذرا آگے تھا۔ ہمارے گھر کا فاصلہ آدھے میل سے زیادہ نہیں تھا اور میرے خیال میں رامن پرساد کو زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔

میرا خیال درست نکلا۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد کال بیل کی آواز سنائی دی۔ تھائی نے اس وقت سلیپنگ سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس نے ٹیبل پر رکھی ہوئی پھل کاٹنے والی چھری اٹھائی اور میری طرف دیکھتے ہوئے باہر نکل گئی۔ چند منٹ بعد وہ رامن پرساد کے ساتھ اندر داخل ہورہی تھی۔

رامن پرساد نیلے رنگ کی بیل باٹم پتلون اور سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ کلین شیو اور سلیقے سے بنے ہوئے بال۔ وہ خاصا اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پہلے مجھ سے ہاتھ ملایا پھر پیشانی پر بوسہ دیا اور بیڈ کے قریب بیٹھ کر میری خیروعافیت دریافت کرنے لگا۔

"کہاں غائب رہے؟" بالآخر میں نے پوچھا "اور وہ دلچسپ اور سنسنی خیز خبریں کیا ہیں جن کا تم نے ٹیلی فون پر ذکر کیا تھا۔"

"ان چند دنوں کے دوران میں' میں یہ جان چکا ہوں کہ کم اور دارا کون ہیں اور وہ تمہارے دشمن کیوں ہیں۔" رامن پرساد نے کہا "میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جاؤں گا کیونکہ تمام حالات و واقعات تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔ مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دارا ہیروئن کی اسمگلنگ کا ایک ریکٹ بنانے کے لیے سنگاپور آیا تھا لیکن وہاں تمہارے باپ سے آمنا سامنا ہوگیا۔ دارا کا خیال تھا کہ تمہارا باپ سنگاپور میں اس کے راستے کی رکاوٹ ثابت ہوسکتا تھا اس لیے اس نے کم اور چی فانگ جیسے سفاک درندوں کی مدد سے تمہارے باپ اور ماں کو قتل کروا دیا لیکن یہ انکشاف بعد میں ہوا کہ تم بچ گئے ہو اور اس واردات کے چشم دید گواہ ہو۔ انہوں نے تمہیں قتل کرنے کی کوششیں شروع کردیں جن میں وہ اب تک کامیاب نہیں ہوسکے۔ وہ لوگ تمہارا تعاقب کرتے ہوئے پہلے کوالالپور اور پھر یہاں آگئے۔ یہاں انہوں نے ٹائیگر جیسے ایک سفاک درندے کی خدمات حاصل کرلیں لیکن تمہیں بھی مہاراج نے اپنی پناہ میں لے لیا تھا اس لیے ان کا کام کچھ مشکل ہوگیا۔ ٹائیگر مہاراج سے تصادم نہیں چاہتا تھا مگر دارا کے اکسانے پر بالآخر اسے مہاراج کے خلاف قدم اٹھانا پڑا جس کے نتیجے میں دونوں طرف کے کئی آدمی مارے گئے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"دارا نام کا وہ شخص جو تمہارا اصل دشمن ہے' تمہیں فنا کے گھاٹ اتارنے کی ذمے داری ٹائیگر وغیرہ کو سونپ کر کئی مرتبہ سنگاپور جاچکا ہے اور اس نے اپنا وہاں ایک سینڈیکیٹ قائم کرلیا ہے جس میں تین بڑے شامل ہیں۔ ایک آدمی پاکستانی ہے جو کچھ عرصہ پہلے ہی وہاں آیا ہے' دوسرا ایک مقامی یورپین ہے اور تیسرا ایک انڈین ہندو ہے۔ اس سینڈیکیٹ کا سربراہ دارا ہی ہے۔ ابھی مال کی آمد یا ترسیل کا سلسلہ شروع نہیں ہوا۔ ابتدائی انتظامات ہورہے ہیں اور اس کے علاوہ....."

"اور کیا.....؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دارا اور ٹائیگر گولڈن ٹرائی اینگل میں بھی کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ چی فانگ اس سلسلے میں ان دنوں چیانگ رائے گیا ہوا ہے۔" رامن پرساد نے جواب دیا۔

یہ دونوں خبریں واقعی سنسنی خیز اور چونکا دینے والی تھیں۔

"تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے باس۔" پرساد مسکرایا "اس روز یہاں سے نکلنے کے بعد میں نے سب سے پہلے تمہاری خواہش کے مطابق ایک مکان کا بندوبست کیا۔ یہ مکان دریا کے اس طرف فران نوک روڈ کی ایک بغلی گلی سوئے فنٹی سیون پر واقع ہے اور ہر لحاظ سے محفوظ ہے اور دلچسپی کی بات یہ کہ اس کے نیچے ایک تہ خانہ بھی ہے۔ بہرحال....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "اس رات میں اس گیسٹ ہاؤس میں گیا جہاں دارا اور کم سے تصادم ہوا تھا۔ میرے دل میں ہلکا سا خوف بھی تھا کہ اگر پہچان لیا گیا تو وہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہاں دارا ابھی تھا اور کم بھی۔ وہ دو تین مرتبہ میرے قریب سے گزرے لیکن مجھے نہیں پہچان سکے۔ تصادم والی رات ان کی تمام تر توجہ تو تم پر تھی۔ میں تو سائے کی طرح ان کے سامنے آیا تھا۔ وہ تو میرا چہرہ بھی اچھی طرح نہیں دیکھ سکے ہوں گے اس لیے مجھے پہچان نہیں سکے تھے۔ وہیں پر میری ملاقات پامیلا نامی ایک لڑکی سے ہوگئی۔ اس لڑکی کا باپ ہندو اور

ماں تھائی ہے۔ اس کی ماں بھی ایک شکاری عورت تھی۔ بیٹی بھی اسی نقشِ قدم پر چل رہی ہے۔

پامیلا نے مجھے بھی شکار سمجھ کر پھانسنے کی کوشش کی تھی اور میرا خیال تھا۔ وہ مجھے ایک دولت مند بگڑا ہوا نوجوان سمجھ رہی تھی۔ اور میرے پاس پیسے کی کمی نہیں تھی۔ میں نے اسے بڑھیا سے شراب پلائی اور اس پر دل کھول کر پیسہ خرچ کیا۔

پامیلا کو میں نے بتایا کہ میرا تعلق چیانگ رائے سے ہے اور یہاں کوئی بزنس کرنا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے مختلف مشورے دیتی اور پھر وہ ایسے کہ میں روزانہ پامیلا سے ملنے لگا۔ میں اسے ایک بھی اپنے اس مکان پر لے کر نہیں گیا بلکہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جاتی رہی۔ وہ چائنا ٹاؤن کے علاقے میں واقع ایک کوٹھی سے میں اپنے باپ کے ساتھ رہتی ہے۔ پامیلا کی ماں پچھلے سال حادثے کے ہاتھوں ماری گئی تھی اور باپ شرابی ہے۔ اسے کام دھندے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس نے شراب ہی کو اپنا لیا ہے۔ جب اسے شراب کے لیے پیسے نہیں ملتے تو بیٹی کو پیٹتا ہے۔

میں نے پہلے ہی روز اندازہ لگالیا تھا کہ پامیلا کا تعلق ٹائیگر گینگ سے ہے۔ میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ اس طرح پامیلا کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے اس پر پیسے لٹاتا رہا اور اس کے باپ کو بھی برداشت کرتا رہا۔ میری محنت رائگاں نہیں گئی اور ان لوگوں کو بھی شاید مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہوگیا تھا۔ پامیلا مجھ سے تھائی وانگ' وجدان اور مہاراج کے کچھ خاص آدمیوں کے بارے میں کریدتی رہتی تھی۔ مہاراج کے آدمیوں کے نام پر تو میں چونک بھڑک اٹھتا تھا۔ میں نے باتوں ہی باتوں میں اسے یہ تاثر دیا تھا کہ مہاراج کے آدمیوں کے ہاتھوں میرا ایک عزیز ترین دوست مارا گیا تھا اس لیے میں مہاراج اور اس کے آدمیوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ لیکن میرے پاس اتنی طاقت نہیں کہ ان سے قتل کا انتقام لے سکوں اور اس نفرت کی وجہ سے مہاراج اور اس کے کسی آدمی کا نام بھی سننا نہیں چاہتا اور کئی روز بعد میری محنت رنگ لائی اور کل رات پامیلا نے ان کا انکشاف کیا جو میں ابھی بتا چکا ہوں۔"

"تم تو واقعی بہت کام کے آدمی نکلے۔" میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"ویسے یہ وجدان کون ہے جس کے بارے میں پامیلا مجھ سے بار بار کرید کر پوچھ رہی تھی؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"وجدان یہ تمہارے سامنے بیٹھا ہے۔" تھائی وانگ نے پہلی بار زبان کھولی "اسی کی زندگی جہنم بنا رکھی ہے ان وحشیوں نے۔"

"گاڈ!" پرساد چونک گیا "سوری باس۔ مجھے تمہارا نام معلوم نہیں تھا۔ ویسے ایک بات بتاؤں۔ تمہارے نام نے ان پر دہشت طاری کررکھی ہے۔ وہ تمہیں ہر قیمت پر ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

"اور میں ان کے لیے ڈیتھ وارنٹ کی حیثیت رکھتا ہوں۔" میں نے کہا "میں ابھی پوری طرح تیار نہیں ہوں۔ اس روز جو کچھ بھی ہوا اس سے انہوں نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میں ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی مجھے اتنی طاقت نہیں ملی کہ کھل کر ان کا مقابلہ کرسکوں اس لیے میں خود بھی ان سے چھپتا پھر رہا ہوں۔"

"فکر مت کرو باس۔" پرساد نے کہا "آج تم ان سے چھپتے پھر رہے ہو' کل وہ اپنی جان بچانے کے لیے جائے پناہ ڈھونڈتے پھریں گے۔ ویسے پامیلا کے بارے میں ایک بات بتانا بھول گیا۔"

"وہ کیا.....؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دارا بنکاک آیا تھا تو سب سے پہلے اس کی ملاقات پامیلا سے ہوئی تھی۔" پرساد نے کہا "وہ کئی روز پامیلا کے پاس رہا تھا اور پھر پامیلا ہی کے توسط سے اس کی ملاقات ٹائیگر سے ہوئی تھی۔ پامیلا کبھی کبھی ٹائیگر کے کسی کلب میں ڈانس پروگرام بھی کرتی ہے لیکن گزشتہ رات اس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ دارا سے کچھ کھنچی کھنچی سی رہنے لگی ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ دارا اب دوسری لڑکیوں پر زیادہ توجہ دینے لگا ہے۔"

"ہاں۔ یہ بات ہوسکتی ہے۔" میں نے کہا "عورت کی فطرت بڑی عجیب ہوتی ہے۔ وہ جب کسی مرد کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیتی ہے تو اسے اپنی ملکیت سمجھ لیتی ہے اور جب وہ مرد کسی اور عورت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ اسے پسند نہیں کرتی اور بعض اوقات تو وہ ایسا بھیانک انتقام لیتی ہے کہ دیکھنے والے کانپ اٹھتے ہیں۔ اب تمہیں کرنا یہ ہے کہ باتوں کا جال بچھا کر پامیلا کو اپنی گرفت میں لے لو اور کسی طرح اس سے سنگاپور کے ان تینوں آدمیوں کے نام وغیرہ معلوم کرنے کی کوشش کرو جو دارا کی سینڈیکیٹ کے عہدے دار ہیں۔ یہ کام تمہیں بڑی ہوشیاری سے کرنا ہوگا۔ اگر اسے ذرا بھی شبہ ہوگیا تو تمہاری زندگی کا چراغ گل ہوجائے گا۔ اس کے ساتھ ہی تمہیں ایک اور کام بھی کرنا ہوگا۔"

"وہ کیا؟" پرساد نے پوچھا۔

"چائنا ٹاؤن کے علاقے میں ایک مختصر سا فلیٹ کرائے پر لے لو تاکہ تمہارے پاس ایک عارضی ٹھکانا ہوجائے۔" میں نے کہا "اگر تمہیں مزید پیسوں کی ضرورت ہو تو....."

"میرے پاس اتنے پیسے ہیں کہ میں مزید ایک مہینہ آرام سے گزار سکتا ہوں۔" پرساد نے جواب دیا "تو ٹھیک ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔"

"رکو گے نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" پرساد نے نفی میں سر ہلایا "اگر رات بھر غائب رہا تو

کہیں پامیلا کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو جائے۔"

"اوکے۔ دش یو گڈ لک۔" میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"سیم ٹو یو۔" پرساد نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ملایا۔

اس کے جانے کے بعد تھائی گیٹ بند کر کے آئی تو وہ سیٹی پر لیٹنے کے بجائے کرسی پر بیٹھ گئی۔ میری طرح شاید اب اس کی نیند بھی غائب ہو گئی تھی۔

"سوری وجدان۔ مجھے اس لڑکے کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے تھا۔" تھائی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج تو میں بھی کچھ ایسی ہی باتیں سوچنے لگا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ہم پرساد ہی کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

پرساد نے مجھے مایوس نہیں کیا تھا۔ میں نے اسے صرف ایک وقت کا کھانا کھلایا تھا اور وہ میرا زر خرید غلام بن گیا تھا۔ میرا اس پر کوئی دباؤ نہیں تھا لیکن وہ دوستی کے نام پر میرے لیے اپنی جان تک لٹانے کو تیار ہو گیا تھا۔ وہ واقعی ایک سچا اور کھرا آدمی تھا۔ اگر وہ نہ ملتا تو دارا کے بارے میں یہ تمام معلومات حاصل نہ ہوتیں۔ مجھے پتا ہی نہ چلتا کہ وہ سنگاپور میں سینڈیکیٹ قائم کر چکا تھا۔ اس کا پاکستان سے سنگاپور آنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ وہاں ہیروئن کی اسمگلنگ کا اڈا بنانا چاہتا تھا لیکن میرے باپ کو وہ اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ اس نے میرے باپ کو تو راستے سے ہٹا دیا تھا لیکن میں موجود تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ دارا کو اس کے گھناؤنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔

ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ رامن پرساد پھر گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو گیا تھا لیکن اب مجھے اس کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ ایک دلیر اور ذہین نوجوان ہے اور ہر قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنا جانتا ہے اور اس کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

میں اب کسی سہارے کے بغیر چلنے لگا تھا۔ زخموں سے خون بہہ جانے سے میرے اندر جو کمزوری پیدا ہوئی تھی وہ بتدریج دور ہو رہی تھی۔ جانکی دیوی کی دی ہوئی دوائیں بڑی تیزی سے اپنا اثر دکھا رہی تھیں اور سب سے بڑھ کر تھائی وانگ کی تیمارداری۔ مجھے اس عورت پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے میرے لیے دن رات ایک کر دیا تھا۔ وہ اس طرح میری دیکھ بھال کر رہی تھی کہ کوئی ماں اپنے بچے کی دیکھ بھال بھی نہ کرتی ہو گی لیکن وہ مجھے اپنا بچہ تو بہرحال نہیں سمجھتی تھی۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس نے ذہنی طور پر مجھ سے کیا رشتہ وابستہ کر رکھا تھا لیکن اس رشتے کی گہرائی کا اندازہ بہرحال میں لگا سکتا تھا۔

جانکی دیوی اب روزانہ نہیں دو تین دن کے وقفے سے آتی تھی۔ مجھے اس تیزی سے روبہ صحت ہوتے دیکھ کر وہ بھی حیران تھی۔ اس رات وہ مجھے دیکھنے کے لیے آئی تو میں حسبِ معمول میں مشغول رہا تھا۔ تھائی لان کے بیچ میں کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے میری ایکسرسائز میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیا تھا اور یہ اچھا ہے، یہ تھائی وانگ ہی تھی جس کی وجہ سے میں اس وقت چل پھر رہا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتی تو میں اب تک شاید بستر پر ہی پڑا ہوتا۔ اس نے میرے اندر اتنی ہمت پیدا کی تھی اور اب تو وہ مجھے ایسا [illegible] گھنٹے تک چلاتی رہتی تھی۔

اس وقت رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔ مجھے ٹہلتے ہوئے آدھا گھنٹا ہو چکا تھا۔ کبھی میں رک کر تھائی سے باتیں کرنے لگتا تھا کبھی پھر چلنے لگتا۔ اسی دوران میں ایک کار گیٹ کے سامنے اس طرح رکی کہ اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی گیٹ کی جھریوں سے اندر آنے لگی۔ میں لان کے اس حصے کی طرف چلا گیا جہاں [illegible] کی بہتات تھی۔ پودوں کے پیچھے دیوار کے ساتھ چلتا ہوا میں گیٹ کے قریب پہنچ کر پودوں کے پیچھے رک گیا۔ تھائی ابھی تک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور جب کال بیل کی آواز سنائی دی تو وہ اٹھ کر گیٹ کی طرف چلنے لگی۔ میں بھی تیار کھڑا تھا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو تو فوراً کارروائی کر سکوں۔ تھائی نے میری طرف دیکھا اور گیٹ کھولنے سے پہلے اونچی آواز میں پوچھا۔

"کون ہے..... باہر کون ہے؟"

"میں ہوں۔ جانکی!"

یہ آواز سن کر میرے منہ سے بھی گہرا سانس نکل گیا۔ تھائی نے گیٹ کھول دیا اور جانکی اندر آ گئی۔ اس نے ایک باسکٹ بھی اٹھا رکھی تھی جس میں ضرورت کی اور چیزوں کے علاوہ پھل وغیرہ بھی تھے۔

جانکی دیوی بھی کچھ دیر ہمارے ساتھ وہاں بیٹھی رہی اور پھر اندر آ گئے۔ جانکی نے خود ہی باسکٹ سے چیزیں نکال کر میز پر رکھ دیں اور دو سیب پلیٹ میں کاٹ کر لے آئی۔

"مجھے توقع نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی بستر سے اٹھ کر اس طرح چلنے پھرنے لگو گے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں تمہارے حوصلے اور قوتِ ارادی کی داد دیتی ہوں۔ بعض لوگ معمولی سی تکلیف پر بھی مہینوں بستر سے لگے پڑے رہتے ہیں اور تمہاری طرح مضبوط قوتِ ارادی کے مالک لوگ بیماری کی حالت میں بھی بستر پر لیٹنا پسند نہیں کرتے۔"

"اس میں قوتِ ارادی کا دخل تو ہے لیکن۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میرے اس طرح چلنے پھرنے میں تھائی کی کوششوں کا زیادہ دخل ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو میں اب تک واقعی بستر پر پڑا ہوتا۔"

"ہاں۔ میں تھائی کی ہمت کی بھی داد دوں گی۔" جانکی بولی۔

"اچھا۔ اب تم اپنا بازو دکھاؤ۔"

میں نے شرٹ کی آستین اوپر اٹھا دی۔ پٹی تو کئی روز پہلے [illegible]

[illegible] زخم کی جگہ پر اور اس کے آس پاس سرخ نشان سا رہ [illegible] باقاعدگی سے مرہم لگایا جا رہا تھا۔ جانکی نے سر ہلا دیا [illegible] دیکھتے ہوئے بولی۔

"تمہارے اس صوبے پر لیٹ جاؤ۔ میں تمہاری پنڈلی کے زخم کا [illegible]"

اس کی ہدایت پر عمل کیا۔

[illegible] ہے۔" وہ میری ٹانگ کا معائنہ کرنے کے بعد بولی۔ [illegible] استعمال کرتے رہو۔ صرف چند روز کی بات ہے اس کے [illegible] کی طرح دوڑنے لگو گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش [illegible] باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "اب [illegible] ایک اور اطلاع ہے؟"

"کیا۔؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کل شام ایک بھکشو میرے کلینک پر آیا تھا۔" جانکی نے کہا [illegible] کلینک پر آنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ سرکاری اسپتال [illegible] باوجود یہ بھکشو لوگ اپنا علاج کرانے کے لیے جس کلینک [illegible] جاتے ہیں لیکن وہ بھکشو بیمار نہیں تھا۔"

"پھر۔؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف [illegible]

"وہ مجھے کسی عورت کو دکھانے کے لیے اپنے ساتھ لے جانا [illegible]" جانکی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی [illegible] کلینک پر کچھ مریض موجود تھے۔ میں نے اسے ایک گھنٹے [illegible] کہا اور ایک گھنٹے بعد جب میں کلینک بند کرنے کے لیے [illegible] بھکشو ایک طرف بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے اس [illegible] بتانا پڑا۔ وہ بھکشو مجھے سیلوم روڈ کی ایک بغلی گلی میں واقع [illegible] میں لے گیا جس کی تیسری منزل پر واقع فلیٹ میں وہ [illegible] موجود تھی۔ مجھے وہ دکھانا چاہتا تھا۔"

"وہ عورت کون تھی؟" میں نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔ اس کا نام شائی وان ہے۔ بھکشو نے [illegible] لڑکی اسے سڑک پر بڑی ابتر حالت میں پڑی ہوئی ملی تھی [illegible] اٹھا کر اپنے فلیٹ میں لے آیا۔ پڑوس کے فلیٹ میں رہنے [illegible] کی مدد سے اس کا حلیہ درست کروایا اور اس بلڈنگ [illegible] والی ایک نرس کو بلا لیا لیکن بات نرس کی سمجھ میں نہیں [illegible] جان بوجھ کر وہ پیچھے ہٹنا چاہتی تھی۔ اس نے مشورہ دیا [illegible] لڑکی کو اسپتال لے جایا جائے اور وہ بھکشو اسپتال لے [illegible] بجائے میرے پاس آ گیا۔"

"تمہارا نام کیا تھا تم نے.....؟ شائی وان؟" میں نے پوچھا۔

"[illegible] بڑی خوب صورت سی لڑکی ہے۔" جانکی نے جواب [illegible]

"[illegible] کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔" میں بڑبڑایا "بھکشو تو عام طور [illegible] میں رہتے ہیں۔ اگر اسے ابتر حالت میں کوئی عورت سڑک پر پڑی ہوئی مل گئی تھی تو وہ اسے کسی سرکاری اسپتال میں پہنچا دیتا لیکن فلیٹ میں.....؟"

"تم یہاں کے بھکشوؤں کو نہیں جانتے۔" جانکی نے کہا "یہ لوگ تو ہمارے مندروں کے پجاریوں سے بھی چار ہاتھ آگے ہیں۔ بعض لوگ تو محض اس لیے بھکشوؤں کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں کہ ان سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی جائے۔ ایسے بھکشو کروٹ پتی ہوتے ہیں۔ وہ ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹتے ہیں اور ایسے ایسے غیر قانونی دھندے کرتے ہیں جن کے بارے میں سن کر ہم جیسے لوگوں کی گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔ میرا خیال ہے، تھائی نے تمہیں کوئی نہ کوئی ایسی کہانی ضرور سنائی ہو گی۔"

"کہانی سنانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔" تھائی وانگ نے کہا "شوفانگ کو تو تم نہیں بھولے ہو گے جس نے ہمیں پہاڑ والے کانیج سے اغوا کروایا تھا۔ وہ بھی تو ایک بھکشو ہی تھا۔"

"میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں۔" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "بہرحال تم کچھ بتا رہی تھیں۔ ویسے شائی وان کے نام سے ایک چہرہ میرے ذہن میں ابھر رہا ہے۔ پہلے تم اپنی بات پوری کر دو پھر میں بتاؤں گا۔"

"میں نے شائی وان کا معائنہ کیا تو انکشاف ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ ہیروئن کی عادی بھی ہے۔" جانکی نے کہا "میں نے تمنگ چو نامی اس بھکشو کو بتا دیا کہ میں اس کا علاج نہیں کر سکتی۔ وہ اسے سرکاری اسپتال لے جائے۔"

میں اچھل پڑا۔ شائی وان اور پھر یہ نام تمنگ چو۔ میں نے جانکی سے اس کا حلیہ پوچھا تو میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ تمنگ چو وہی بھکشو تھا جو جنگل والے کیمپ میں میرا حریف تھا اور جسے میں نے مہاراج کی موجودگی میں ایک مقابلے میں زبردست شکست دی تھی اور اس نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے تھائی وانگ کو ہیروئن کا عادی بنا دیا تھا۔

میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔

"یہ وہی شیطان ہے۔" وہ چیخ اٹھی۔

"اور شائی وان نامی یہ لڑکی بھی وہی ہے جو مجھے ایک نائٹ کلب میں ملی تھی اور ایک مکان میں لے آئی تھی جہاں مجھے اور اسے زندہ جلانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ تو گانگ کی تحویل میں تھی جسے پرشا سانگ کھرو روڈ کے ایک بنگلے میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ چی فانگ اور ٹائیگر کے خوف سے خود بھی وہاں سے نہیں جانا چاہتی تھی۔ لیکن....." میں خاموش ہو کر تھائی وانگ کی طرف دیکھنے لگا "لیکن شائی وان وہاں سے نکلی کیسے..... تمنگ چو کے ہاتھ کیسے لگ گئی اور وہ بھی اس حالت میں کہ....." میں نے ایک بار پھر خاموش ہو کر جانکی دیوی کی طرف دیکھا "کیا تمہیں یقین ہے کہ

تمہارے گرد کوئی جال نہیں بنا جارہا۔ تھنگ چو بہت خطرناک آدمی ہے۔ مجھ سے اپنی عبرت ناک شکست کا بدلہ لینے کے لیے اس نے تھائی کو ہیروئن کا عادی بنا کر موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی تھی۔ کہیں اسے شبہ تو نہیں ہوگیا کہ تمہارا ہم سے کوئی تعلق ہے۔ اور اس طرح تمہارے ذریعے وہ ہم تک پہنچنا چاہتا ہو؟"

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتی کہ اسے مجھ پر کوئی ایسا شبہ ہے یا نہیں لیکن اس طرف آتے ہوئے میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتی ہوں کہ میری نگرانی یا تعاقب تو نہیں ہورہا۔ آج بھی میں نے اس بات کا خیال رکھا تھا۔" جانکی نے جواب دیا۔

"اس کے بعد تھنگ چو نے دوبارہ تم سے رابطہ نہیں کیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" جانکی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اب تم خود اس سے رابطہ کروگی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "میرا مطلب ہے اس کے فلیٹ پر جاؤ گی اور شائی وان سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کروگی کہ وہ تھنگ چو کے ہاتھ کیسے لگی اور اصل معاملہ کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل وہاں جاؤں گی۔" جانکی نے جواب دیا۔

ہم کچھ دیر اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ مجھے یاد تھا کہ اس رات جب تھنگ چو آخری مرتبہ خانقاہ کے گیٹ پر تھائی وانگ کو ہیروئن دینے کے لیے آیا تھا تو اسے پکڑ لیا گیا تھا بلکہ اسے پولیس کے حوالے کردیا گیا تھا لیکن وہ اس طرح آزادی سے کیسے گھوم رہا تھا۔

جانکی دیوی کے جانے کے بعد میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر ماسٹر ہوچن کا نمبر ملایا۔ اس وقت رات کے بارہ بجنے والے تھے لیکن کال ماسٹر ہوچن ہی نے ریسیو کی تھی۔ چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد میں نے پوچھا۔

"ماسٹر ہوچن۔ تمہیں شائی وان نامی وہ لڑکی یاد ہے جس کے ساتھ مجھے زندہ جلانے کی کوشش کی گئی ہے؟"

"ہاں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "لیکن وہ تین چار دن بعد ہی کسی کو بتائے بغیر اس بنگلے سے چلی گئی تھی اور ہم نے بھی اسے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی مگر تمہیں وہ کیسے یاد آگئی؟"

"اور وہ بھکشو تھنگ چو جسے ہیروئن فروخت کرنے کے جرم میں پولیس کے حوالے کیا گیا تھا؟" میں نے جواب دینے کے بجائے ایک اور سوال کیا۔

"اس نے اپنی ضمانت کروالی تھی۔ اس کا کیس چل رہا ہے مگر تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟" ماسٹر ہوچن نے کہا۔

"شائی وان ان دنوں تھنگ چو کے پاس ہے اور وہ ماں بننے والی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا۔ تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟" ماسٹر ہوچن نے پوچھا۔

"میرے کچھ ذرائع ہیں۔" میں نے جواب دیا "میں اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کررہا ہوں اور تمہیں معلوم ہے کہ ٹائیگر اور دارا ہیروئن کی اسمگلنگ کے لیے میں گولڈن ٹرائی اینگل کی کسی پارٹی سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں؟"

"لڑکے!" ماسٹر ہوچن کی آواز سنائی دی "تمہارے کہنے کا انداز ہی پر پُرزے نہیں نکل آئے؟"

"یہ بات تو ہے ماسٹر!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "دراصل مجھے ایک ایسا آدمی مل گیا ہے جس پر مکمل بھروسا کیا جاسکتا ہے۔ یہ تمام معلومات میں نے اسی کے ذریعے حاصل کی ہیں اور میرا خیال ہے چند روز بعد میں اس پوزیشن میں آجاؤں گا کہ دارا اور ٹائیگر پر ایک بھرپور وار کرسکوں۔"

"زیادہ اونچا اڑانے کی کوشش کروگے تو....."

"نہیں ماسٹر۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "میں اتنا اڑنے کی تربیت تم سے حاصل کی ہے گروں گا تمہیں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہارے اندر اتنی خود اعتمادی پیدا ہوچکی ہے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "بہرحال' اپنا خیال رکھنا۔ مہاراج تمہارے لیے بہت فکرمند ہیں۔"

"میں چند روز بعد مہاراج کے پاس آؤں گا۔" میں نے جواب دیا اور چند اور رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد فون بند کردیا۔

اور پھر دو دن بعد مجھے رامن پرساد سے بھی رپورٹ مل گئی۔ اس نے ان تینوں آدمیوں کے نام معلوم کرلیے تھے جو سنگاپور میں دارا کی سربراہی میں قائم ہونے والے ریکٹ کے عہدے دار تھے۔ نہ صرف نام بلکہ ان کے سنگاپور کے فون نمبر بھی اسے معلوم ہوگئے تھے۔ پرساد یہ رپورٹ دینے کے لیے خود آیا تھا۔

"حیرت ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہاجرا نے تمہیں یہ سب کچھ اتنی آسانی سے کس طرح بتادیا؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا باس کہ دارا جب بنکاک آیا تھا تو سب سے پہلے اس کی ملاقات پامیلا سے ہوئی تھی اور چند روز اس کے گھر پر بھی رہا تھا۔ پامیلا اسے اپنی ملکیت سمجھ بیٹھی تھی لیکن اب اسے اپنے ہاتھوں سے نکلتے دیکھ کر اس کی سوچ کا سارا بدل گیا ہے۔ اس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ دارا سے انتقام لینے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ اسے مجھ پر شبہ ہوگیا ہے کہ میں دارا اور ٹائیگر کی کسی مخالف پارٹی سے تعلق رکھتا ہوں شاید وہ اپنے اس منصوبے میں مجھے استعمال کرنا چاہتی ہے اس لیے آہستہ آہستہ یہ سب کچھ اگلتی جارہی ہے۔" پرساد نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "لیکن اسے تم پر شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ تمہاری حقیقت کیا ہے۔"

"رامن پرساد کی زبان کھلوانا آسان نہیں باس۔" پرساد نے

مسکرا کر کہا۔

"کیا تم مجھے پامیلا سے ملوا سکتے ہو!" میں نے کہا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال آیا تھا۔

"کیا؟" پرساد نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

تھائی وانگ بھی مجھے گھورنے لگی تھی۔

"مس تھائی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "بہت آرام سے اور میرے اس آرام سے فائدہ اٹھا کر دارا اور ٹائیگر بہت پیچھے نکل گئے۔ آج کل کامیابی اس کو ملتی ہے جو وقت کے ساتھ چلتا ہے مگر ہم تھوڑا پیچھے رہ گئے۔ اب ہمیں ذرا تیزی دکھانی ہوگی تاکہ ان کے بڑھتے ہوئے قدم روکے جاسکیں۔ اگر سنگاپور میں ان کے ریکٹ نے کام شروع کردیا اور گولڈن ٹرائی اینگل میں بھی یہ اپنا ریکٹ بنانے میں کامیاب ہوگئے تو پھر انہیں روکنا مشکل ہوجائے گا۔ یہ ہمارے لیے بہترین موقع ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہماری خوش قسمتی ہے جو پامیلا جیسی اندر کی عورت دانستہ یا نادانستہ طور پر ہمیں معلومات فراہم کررہی ہے۔ اگر ہم نے یہ موقع کھو دیا تو شاید پھر کبھی ایسا چانس نہ مل سکے۔"

"مگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم بھاگ دوڑ نہیں کرسکو گے۔" تھائی وانگ نے کہا۔

"اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم دونوں کی محبت نے مجھے پھر سے اپنے پیروں پر کھڑا کردیا ہے۔ جانکی دیوی نے جس توجہ سے میرا علاج کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ تم دونوں نہیں بلکہ تینوں میرے لیے بہت بڑا سہارا ہو اور میں تم میں سے کسی کا شکریہ اس لیے ادا نہیں کروں گا کہ اس سے تم لوگوں کی توہین ہوگی۔ بہرحال۔"

میں ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "یہ میرے لیے ایک بہترین موقع ہے اور میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ ویسے بھی ہم کب تک چوہوں کی طرح بل میں دبکے رہیں گے۔ اگر ہم اسی طرح چھپ کر بیٹھے رہے تو دارا اور اس کے ساتھی وہ سب کچھ کر گزریں گے جس سے ہم انہیں روکنا چاہتے ہیں۔ تو پھر تم پامیلا سے کب ملاقات کروا رہے ہو؟" میں نے آخری الفاظ پرساد کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"کل تو نہیں۔ کوشش کروں گا کہ پرسوں اس سے تمہاری ملاقات کروادی جائے۔" پرساد نے جواب دیا۔

"پرسوں یہ ملاقات ہر حال میں ہونی چاہیے۔" میں نے کہا "ایک آئیڈیا ہے میرے ذہن میں۔"

"وہ کیا....." پرساد نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"پرسوں رات دس بجے تم پامیلا کو لے کر سورا وانگ روڈ پر واقع اینٹین ریسٹورنٹ پہنچ جاؤ۔ یہ ریسٹورنٹ ہوٹل منوہرا کے قریب ہے۔ ہم بھی وہاں آجائیں گے اور تم یہ ظاہر کروگے کہ غیر ملاقات محض اتفاقیہ ہوئی ہے۔ تھائی وانگ تمہارے شہر کی رہنے والی ہے اور وہاں تم لوگ ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔ ہم اپنے اصل حلیوں میں ہوں گے۔"

"کیا....؟" تھائی چونک گئی "خودکشی کرنے کا ارادہ ہے کیا؟"

"نہیں۔" میں مسکرا دیا "میں دارا اور اس کے ساتھیوں کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ اب میرے دل میں کوئی ڈر خوف نہیں رہا۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں تھائی۔ ہمارے اس طرح سامنے آجانے سے وہ کچھ نہ کچھ اثر تو لیں گے اور ویسے بھی ہم ساری زندگی اپنے چہرے تو نہیں چھپا سکتے۔"

"باس ٹھیک کہتا ہے۔" پرساد نے کہا "تو ٹھیک ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔ پرسوں انڈین ریسٹورنٹ میں ملاقات ہوگی۔ رات دس بجے۔"

پرساد چلا گیا۔ تھائی میرے سامنے بیٹھی کچھ کہے بغیر میرے چہرے کو تکتی رہی۔ اس کے چہرے پر اس وقت کچھ عجیب سے تاثرات تھے۔

"کیا بات ہے تھائی۔ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟" میں نے کہا۔

"اوہ کچھ نہیں۔" تھائی جیسے چونک سی گئی۔

"سنگاپور کا کوئی فون نمبر معلوم ہے تمہیں۔ کوئی بھی؟" میں نے کہا۔

"اس میگزین میں سنگاپور کے کئی ہوٹلوں کے نمبر موجود ہیں مگر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" تھائی نے میز پر رکھے ہوئے میگزین کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے وہ میگزین اٹھالیا۔ ایک ہوٹل اسی علاقے میں تھا جہاں ہماری رہائش ہوا کرتی تھی۔ میں دراصل انسپکٹر چیانگ شو کو فون کرکے دارا کے سینڈیکیٹ کے بارے میں اطلاع دینا چاہتا تھا لیکن مجھے اس کا نمبر معلوم نہیں تھا۔ وہ انٹرنیشنل ڈائلنگ کوڈ ڈائریکٹری میں موجود تھا۔ میں نے سنگاپور کے اس ہوٹل کو فون کرکے انسپکٹر چیانگ شو کا نمبر حاصل کرلیا اور چند سیکنڈ بعد اس کا نمبر ملانے لگا۔

انسپکٹر چیانگ شو اس وقت پولیس اسٹیشن پر ہی تھا۔ جب میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا تو وہ بہت خوش ہوا۔ پرتاب سنگھ کے قتل کا پتا تو اسے انہی دنوں چل گیا تھا لیکن میرے بارے میں اسے کوئی اطلاع نہیں تھی۔ تقریباً پانچ منٹ تک دونوں طرف سے رسمی جملوں کا تبادلہ ہوتا رہا پھر میں اصل موضوع پر آگیا۔

"انکل۔ آپ کو معلوم ہے' دارا اور کم وغیرہ آج کل بنکاک میں ہیں لیکن دارا نے سنگاپور میں بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی ہیں۔"

"میرے کو اس کا دو تین مرتبہ آنے کا پتا چلا مگر وہ غائب ہوگیا۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا۔

"دارا نے جو مقصد حاصل کرنے کے لیے میرے ماں باپ کو

قتل کیا تھا اور مجھے بھی ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اس نے سنگاپور میں اپنے اس منصوبے کی بنیاد رکھ دی ہے۔" میں نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔ کھل کر بتاؤ۔" چیانگ شو بولا۔

"اس نے ہیروئن کی اسمگلنگ کے لیے سنگاپور میں ایک ریکٹ قائم کرلیا ہے۔" میں نے کہا اور پھر اسے اپنی معلومات سے آگاہ کرنے لگا۔ میں نے ان تینوں افراد کے نام اور ٹیلی فون نمبر بھی لکھوا دیے "ان فون نمبروں سے ان کے ایڈریس معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ میں کل رات دوبارہ فون کروں گا تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ میری اس اطلاع کا نتیجہ کیا نکلا۔"

"تم اچھی خبر سنے گا بائی سن۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا "اپنا خیال رکھنا۔ وش یو گڈ لک!"

"یہ سب کچھ مجھے وقت نے سکھایا ہے۔" میرے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہوگئی اور لہجے میں سنجیدگی آگئی "اس وقت نے جس نے میرا سب کچھ چھین لیا اور مجھے وقت سے پہلے جوان کردیا۔ میری عمر کے لڑکے تعلیم حاصل کرتے ہیں، کھیلتے کودتے ہیں اور اپنی پسند سے وقت گزارتے ہیں۔ کراٹے آج کا مقبول کھیل ہے۔ لڑکے اسے کھیل سمجھ کر ہی سیکھتے ہیں لیکن میں اسے اپنی زندگی کے بچاؤ کا وسیلہ بنا رہا ہوں۔ میری آزادی چھن گئی ہے۔ میں چاروں طرف سے خونی بھیڑیوں میں گھرا ہوا ہوں۔ اپنے آپ کو ان درندوں سے بچانے کی کوشش کررہا ہوں۔ اگر میرے ساتھ وہ حادثہ پیش نہ آتا تو شاید کیا بلکہ یقیناً ان ساری تلخیوں سے دور ہوتا۔"

میری آواز بھرا گئی۔ انسپکٹر چیانگ شو سے فون پر باتوں کے دوران میں کچھ پرانے زخم چھل گئے تھے۔ وہ زخم اتنے پرانے بھی نہیں تھے کہ انہیں بھول جاتا۔ انہی یادوں کے سہارے تو میں جی رہا تھا۔ وہی جذبہ تو مجھے زندہ رکھے ہوئے تھا۔ چیانگ شو کی باتوں نے میرے زخموں میں ٹیس سی پیدا کردی تھی اور میں بے چین ہوگیا تھا۔

تھائی وانگ نے فوراً ہی میری کیفیت کو محسوس کرلیا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر آگئی اور مجھے اپنے ساتھ لپٹالیا اور پھر ایک عجیب سے احساس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میں پرسکون ہوتا چلا گیا اور تھائی وانگ کی گود میں سر رکھے رکھے سوگیا۔

اس رات میں کئی روز بعد پرسکون اور گہری نیند سویا تھا۔ صبح آنکھ کھلی تو میں اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔ تھائی وانگ اس وقت کچن میں تھی۔ برتنوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں بھی اٹھ کر کچن میں آگیا۔ تھائی چائے بنا رہی تھی۔ میری طرف دیکھ کر مسکرادی۔

ہم لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ جانگی دیوی آگئی۔ اسے دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ ابھی ساڑھے سات بجے تھے اور اتنی صبح وہ کبھی نہیں آئی تھی۔ تھائی کی آنکھوں میں بھی الجھن سی تیر گئی تھی۔

"کیا ہوا جانگی۔ تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو؟" تھائی نے کہا۔

"وہ لڑکی میرے گھر آگئی ہے۔ آج صبح پانچ بجے۔" جانگی نے کہا۔

"کون سی لڑکی؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"وہی شائی وان!" جانگی نے جواب دیا "مجھے نہیں معلوم کہ اسے میرے گھر کا پتا کیسے چلا لیکن اس نے جو انکشاف کیے ہیں وہ بڑے سنسنی خیز ہیں۔"

"ایک منٹ!" تھائی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی "میں تمہارے لیے چائے بنالاؤں۔ پھر بات کرتے ہیں۔"

تھائی دس منٹ بعد چائے بنا کر لے آئی۔

"ہاں۔ اب بولو کیا قصہ ہے؟" وہ جانگی کی طرف کپ بڑھاتے ہوئے بولی۔

"صبح پانچ بجے کال بیل کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔" جانگی دیوی کہنے لگی "میں ایک دم بدحواس سی ہوگئی۔ میرے ذہن میں اچانک ہی خیال ابھرا تھا کہ کہیں تم لوگوں پر تو کوئی افتاد آن نہیں پڑی۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ سامنے کھڑی تھی۔ اس وقت دن کی روشنی بھی پوری طرح نہیں پھیلی تھی۔ میں اس کا چہرہ بھی پوری طرح نہیں دیکھ سکی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ مجھے دھکا دے کر اندر آگئی اور خود ہی دروازہ بند بھی کردیا۔

"میں اسے دیکھ کر چونک گئی اور وہ میرے قدموں پر گر گئی اور رو رو کر کہنے لگی کہ مجھے بچالو۔ میں اسے کمرے میں لے آئی۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے بتایا کہ ایک رات تم اسے جلتے ہوئے مکان سے بچا کر لے گئے تھے اور ایک کاہیج میں چھوڑ دیا تھا جہاں دو آدمی تھے۔

"شائی وان کے کہنے کے مطابق وہاں اسے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ کوئی پابندی بھی نہیں تھی۔ آزادی سے پورے گھر میں گھومتی پھرتی تھی لیکن اس کے دل میں چور تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس نے تمہیں پھنسایا تھا اور تم واپس آؤ گے تو اس سے باز پرس ضرور کرو گے۔ اس کے لیے اگرچہ باہر بھی خطرہ تھا لیکن تمہاری باز پرس کے خوف سے وہ ایک رات اس کاہیج سے نکل گئی۔

"وہ دو تین دن تک ادھر ادھر چھپتی رہی اور پھر ایک روز تھنگ چو کے ہاتھ لگ گئی۔ تھنگ چو کو بھی کسی طرح پتا چل چکا تھا کہ تم اسے جلتے ہوئے مکان سے نکال لے گئے تھے اور اس کا خیال تھا کہ تم نے ہی اسے پناہ دے رکھی تھی۔ وہ اسے بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ لے گیا اور شہر میں ایک مکان میں چھپائے رکھا۔ اس دوران وہ نہ صرف اس سے تمہارے بارے میں پوچھتا رہا بلکہ اسے ہیروئن بھی استعمال کراتا رہا۔ ہیروئن کے نشے نے شائی وان کو زیر کردیا اور اس نے اس کاہیج کا پتا بتا دیا جہاں تم اسے لے کر گئے تھے۔ تھنگ چو نے اس کاہیج کی نگرانی شروع کردی۔ کئی روز بعد اس پر یہ انکشاف ہوا کہ تمہارا اس کاہیج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم اسے دھوکے سے وہاں چھوڑ گئے تھے اور کاہیج میں رہنے والے دو آدمیوں کو ایک معقول رقم دے گئے تھے کہ دو چار دن بعد شائی وان کو وہاں سے رخصت کردیا جائے۔

"تھنگ چو نے شائی وان کو اذیتیں دینا شروع کردیں۔ ہیروئن کی ایک وقت کی خوراک روک لینا ہی اس کے لیے سب سے بڑی اذیت تھی۔ وہ اس کے ساتھ مار پیٹ بھی کرتا تھا۔ دراصل وہ ہر قیمت پر تمہارا پتا معلوم کرنا چاہتا تھا۔ انڈر ورلڈ میں تمہارا ٹائیگر کا یہ اعلان گردش کررہا ہے کہ جو شخص تمہیں ان کے حوالے کرے گا اسے ایک ملین بھات کا انعام دیا جائے گا۔ وہ اس لیے ہر صورت میں تمہارا پتا معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تمہیں پکڑ کر ان کے حوالے کردیا جائے۔ اس طرح اسے انعام بھی مل جائے گا اور اس کا انتقام بھی پورا ہوجائے گا۔

"نوز پھر نجانے اسے کس طرح یہ شبہ ہوگیا کہ میرا تم سے کوئی تعلق ہے۔ شائی وان جتنے دن تھنگ چو کی قید میں رہی تھی وہ روزانہ اس پر مجرمانہ حملے کرتا رہا تھا اور بالآخر جب اسے یہ یقین ہوگیا کہ وہ تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتی تو تھنگ چو نے اسے قتل کردینے کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن اسی روز اس کے ذہن میں اس شیطان نے سر ابھارا اور اس کے شیطانی ذہن میں وہ ترکیب آگئی۔ اسے پتا تھا کہ شائی وان کے پیٹ میں اس کا گناہ پل رہا ہے۔ وہ اسے اپنے منصوبے کے تحت فلیٹ میں لے آیا اور پڑوسیوں کو بھی وہی کہانی سنائی جو اس نے مجھے سنائی تھی۔ یعنی وہ شائی وان کو بے سہارا سمجھ کر انسانی ہمدردی کے تحت اٹھا لایا تھا۔ اس نے شائی وان کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے زبان سے ایک لفظ بھی نکالا تو اسے مار دیا جائے گا۔

"پہلے روز شائی وان کی حالت دیکھ کر میں نے اس کا علاج کرنے سے انکار کردیا تھا۔ کل رات تھنگ چو پھر میرے کلینک پر آگیا اور مجھے شائی وان کے علاج کے لیے ایک بھاری رقم کی پیشکش کی۔ دراصل وہ اس کے علاج کے بہانے مجھے کسی چکر میں پھنسانا چاہتا تھا تاکہ مجھ سے تمہارے بارے میں کچھ اگلوا سکے۔ گزشتہ رات گیارہ بجے میں اس کے گھر پر تھی۔ مجھے چونکہ تم سے شائی وان کے بارے میں معلوم ہوچکا تھا اسی لیے میں نے تھنگ چو سے پہلے کہ اس کے جانے کے بعد میں شائی وان سے کچھ پوچھتی، اس نے مجھے میرے نام سے مخاطب کرتے ہوئے بتایا کہ تھنگ چو کس چکر میں پھنسا کر بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔

"اور آج صبح پانچ بجے وہ میرے گھر پہنچ گئی۔ اس نے مجھے یہ ساری کہانی سنائی ہے۔ اسے یقین ہے کہ اب وہ تھنگ چو کے ہاتھ لگی تو وہ اسے مار ڈالے گا۔ میں نہیں جانتی کہ اسے میرے گھر کا پتا کیسے چلا تھا اور یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ اب میں اس کا کیا کروں۔ اسے گھر میں بھی نہیں رکھا جاسکتا اور یہاں بھی نہیں لاسکتی۔ وہ ہیروئن کی عادی ہے۔ ایسے لوگوں کا جب نشہ ٹوٹتا ہے تو وہ اپنے آپ کو نوچنے لگتے ہیں۔ چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ گھر میں اس کی موجودگی کو راز میں نہیں رکھا جاسکتا۔"

"وہ اس وقت کس حالت میں ہے؟" میں نے جانگی دیوی کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"میں نے اسے وسیلیم فائیو کا انجکشن لگا دیا تھا۔" جانگی نے جواب دیا "وہ کم از کم پانچ چھ گھنٹے سوئی رہے گی۔"

میں اور تھائی ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مسئلہ واقعی خاصا گمبھیر تھا۔ اس کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنا ضروری تھا ورنہ عین ممکن تھا کہ تھنگ چو کسی نہ کسی طرح ہم سے جانگی کی وابستگی کا پتا چلالے اور ایسی گڑبڑ شروع ہوجائے جس پر نہ صرف ہمارے لیے قابو پانا مشکل ہوجائے بلکہ نقصان بھی اٹھانا پڑے۔

"اس سے نجات حاصل کرنے کا ایک طریقہ سمجھ میں آتا ہے۔" تھائی وانگ نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر تم دبنے کی کوشش کروگی تو تھنگ چو کے شک کو تقویت ملے گی اس لیے اس سے پہلے کہ وہ تمہارے خلاف قدم اٹھائے تم اس پر چڑھ دوڑو۔"

"وہ کیسے؟" جانگی نے پوچھا۔

"پولیس کو اطلاع دے دو۔" تھائی نے جواب دیا "تھنگ چو پہلے ہی ہیروئن کے کیس میں ملوث ہے اور ضمانت پر ہے۔ اگر شائی وان بھی اس کے خلاف بیان دے گی تو اس کے لیے بچنا مشکل ہوجائے گا۔"

تھائی کی تجویز معقول تھی لیکن اب یہ سوچنا باقی تھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ اگر تھنگ چو پولیس کے ہاتھ نہ لگ سکا یا شائی وان نے اس کے خلاف بیان نہ دیا تو خود جانگی دیوی کی زندگی خطرے میں پڑجائے گی۔

ہم تینوں سر جوڑ کر بیٹھے سوچتے رہے اور پھر یہ طے پایا کہ جانگی دیوی پہلے شائی وان کو مضبوط کرے اور اگر وہ تھنگ چو کے خلاف بیان دینے پر آمادہ ہوجائے تو ٹھیک ہے۔ بصورت دیگر اسے رات کی تاریکی میں گھر سے کہیں دور چھوڑ دیا جائے۔ اس کا نشہ جب ٹوٹے گا۔ وہ چیخے گی، چلائے گی اور کوئی نہ کوئی اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع دے ہی دے گا۔

"میرے ذہن میں ایک اور ترکیب آئی ہے۔" جانگی نے کہا "کیوں نہ اسے رات تک اپنے گھر میں ہی رکھا جائے اور سمجھا بجھا کر آدھی رات کے لگ بھگ اسے اکیلے ہی پولیس اسٹیشن بھیج دیا جائے۔ اسے یہ سمجھا دیا جائے کہ میں پس منظر میں رہ کر اس کی مدد کرتی رہوں گی لیکن اس معاملے میں میرا نام نہ آنے پائے۔"

"اگر یہ بات وہ مان جائے تو سارا مسئلہ حل ہو جائے گا لیکن اسے تمہارے گھر سے پولیس اسٹیشن کون لے کر جائے گا۔" میں نے کہا اور پھر میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا "رامن پرساد" میں... بڑبڑایا "ہاں پرساد یہ کام کر سکتا ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" تھائی نے کہا "اس کا ایک کوئیکٹ نمبر ہمارے پاس موجود ہے۔ ابھی دو دن پہلے ہی تو اس نے یہ نمبر دیا تھا۔ آج دوپہر تم اس نمبر پر اس کے لیے پیغام چھوڑ دو۔ وہ شام کو یہاں آجائے گا۔"

"تو ٹھیک ہے۔" میں نے جانکی دیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم معمول کے مطابق اپنے کلینک پر جاؤ لیکن تمہیں اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ تمہاری عدم موجودگی میں شائی وان کوئی نیا مسئلہ کھڑا نہ کر دے۔"

"میں اس بات کا خیال رکھوں گی۔" جانکی دیوی نے کہا۔

تھائی وانگ کچن میں جا کر ناشتا تیار کرنے لگی اور پھر ساڑھے نو بجے کے قریب جانکی ناشتا کر کے رخصت ہو گئی۔

میں نے گیارہ بجے کے قریب پرساد کے نمبر پر فون کیا جہاں میں نے باس کے حوالے سے پیغام چھوڑ دیا۔ وہ دراصل ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ کا نمبر تھا جہاں پرساد اس وقت ناشتا کرنے آتا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد ہی پرساد کا فون آگیا۔ ظاہر ہے فون پر ایسی کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے اسے یہاں آنے کے لیے کہہ کر فون بند کر دیا۔

"صورتِ حال واقعی خوفناک ہو گئی ہے۔" تھائی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر تھنگ چو کو یقین ہو گیا کہ جانکی دیوی کا ہم سے کوئی تعلق ہے تو وہ ہمارا سراغ لگا لے گا اور ہمارے لیے خطرات بڑھ سکتے ہیں۔"

"خطرات تو پہلے ہی ہمارے چاروں طرف منڈلا رہے ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ ہم ان سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں۔" میں نے جواب دیا "ہو سکتا ہے ہمیں یہ پناہ گاہ بھی چھوڑنی پڑے لیکن میرا خیال ہے کہ پرساد چویشن کو ہینڈل کر لے گا۔ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے۔ ویسے ہمیں بھی اپنے طور پر تیار رہنا چاہیے۔"

"ویسے میرے ذہن میں ایک اور تجویز ہے۔" تھائی نے کہا "کیوں نہ ہم کچھ عرصے کے لیے شہر سے باہر چلے جائیں۔ مثلاً چیانگ رائے.... وہاں شینو موجود ہے۔ وہ ہماری رہائش کا بندوبست کر سکتی ہے۔"

"شہر سے باہر تو رہائش کا بندوبست کہیں بھی ہو سکتا ہے لیکن فی الحال میں بنکاک چھوڑنا نہیں چاہتا۔" میں نے جواب دیا "یہاں کی صورتِ حال ایسی ہے کہ ہمارے راہِ فرار اختیار کرنے سے ان کے لیے راستہ کھل جائے گا اور میں ان کے لیے آسانیاں پیدا نہیں کرنا چاہتا۔"

تھائی وانگ جواب دینے کے بجائے میری طرف دیکھتی رہی پھر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ دوپہر دو بجے کے قریب رامن پرساد آگیا۔ اس سے تقریباً ایک گھنٹے تک اس موضوع پر بات ہوتی رہی۔

"ٹھیک ہے باس۔" پرساد نے کہا "آج یہ کام ہو جائے گا اور اگر تھنگ چو نے راستے میں آنے کی کوشش کی تو اس کی کہانی بھی ختم کر دی جائے گی۔"

"تم کس وقت جاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"میرے خیال میں رات بارہ بجے کے بعد کا وقت مناسب رہے گا۔" پرساد نے جواب دیا۔ تھائی نے اسے جانکی دیوی کے گھر کا پتا اچھی طرح سمجھا دیا اور اس کے کچھ دیر بعد وہ رخصت ہو گیا۔

اس شام آٹھ بجے کے قریب جانکی دیوی کا فون آگیا۔ وہ اس وقت اپنے کلینک پر تھی۔

"سارا معاملہ طے ہو گیا ہے۔" اس نے بتایا "وہ ہمارے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل کرنے کو تیار ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ پس منظر میں رہ کر اس کی بھرپور مدد کروں گی۔ اسے نہ صرف اس بھکشو سے نجات مل جائے گی بلکہ میں اس کا علاج بھی کروں گی۔"

"بھکشو کو یہ شبہ تو نہیں ہوا کہ وہ تمہارے پاس ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" جانکی نے جواب دیا "آج صبح بجے کے قریب وہ کلینک پر آیا تھا۔ یہ پوچھنے کے لیے کہ شائی وان مجھ سے کوئی مشورہ کرنے یا دوا وغیرہ لینے کے لیے تو یہاں نہیں آئی تھی۔ بہرحال وہ تسلی کر کے چلا گیا تھا لیکن کہہ نہیں سکتی کہ اسے میری بات کا یقین آگیا تھا یا نہیں۔ میں آج دن بھر خاصی محتاط رہی ہوں۔ میں نے اپنے آس پاس کسی ایسے شخص کو بھی نہیں دیکھا جس پر شبہ ہو کہ وہ میری نگرانی کر رہا ہے۔"

"گڈ۔" میں نے کہا "پرساد آج رات بارہ بجے کے بعد کسی وقت تمہارے ہاں پہنچ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گی۔" جانکی نے جواب دیا۔

میں نے فون بند کر دیا اور تھائی کو جانکی دیوی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا اور پھر اسی رات گیارہ بجے کے قریب میں نے سنگاپور فون کیا۔ انسپکٹر چیانگ شو شاید میری کال کا منتظر تھا۔ وہ میری آواز سنتے ہی بولا۔

"تمہاری اطلاع بالکل درست تھی مائی سن۔ میں نے کل رات ہی تمہارے بتاتے ہوئے فون نمبروں سے ان تینوں کے ایڈریس معلوم کر کے دو گھنٹوں کے اندر اندر ان کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر لی تھیں اور آج صبح سویرے تینوں ٹھکانوں پر بیک وقت چھاپے مارے گئے تھے۔ ان کا کلوز ریشن پارٹنر پولیس مقابلے میں مارا گیا ہے۔ البتہ انڈیا سے تعلق رکھنے والا پارٹنر بھولا ناتھ اور پاکستانی پارٹنر جمال پکڑے گئے ہیں۔ جمال دراز قد اور بھولا ناتھ کے قبضے سے دس کلوگرام ہیروئن برآمد ہوئی ہے جسے وہ یورپ کی طرف اسمگل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ ان لوگوں سے ہم تفتیش کر رہے ہیں۔ اور امید ہے کہ کچھ مزید سنسنی خیز انکشافات ہوں گے۔"

"تھینک یو چیانگ انکل۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ یہ دارا کے خلاف میری پہلی بڑی کامیابی ہے۔ اب میں اسے یہاں بھی ٹکنے نہیں دوں گا۔"

"لوگ بہت خطرناک ہیں مائی سن۔ اپنا خیال رکھنا۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا "اپنا نمبر دو تاکہ کبھی تم سے رابطہ کرنا پڑے۔"

میں نے ماسٹر ہوچن کا نمبر بتا دیا "کبھی کوئی بات ہو تو اس نمبر پر پیغام دے دیا کریں۔ میں بعد میں خود ہی آپ کو فون کر لیا کروں گا۔"

میں نے فون بند کر دیا اور تھائی وانگ کو بتانے لگا کہ سنگاپور میں دارا کے تین خاص آدمیوں میں سے ایک پولیس کے ہاتھوں مارا گیا ہے اور دو گرفتار ہو گئے ہیں جن میں ایک دارا کا کزن ہے۔ پولیس نے ان سے بھاری مقدار میں ہیروئن بھی برآمد کی ہے۔

"دارا کو یہاں اطلاع مل چکی ہوگی۔ وہ تو اپنے بال نوچ رہا ہوگا۔" تھائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں اسے اپنی بوٹیاں نوچنے پر مجبور کر دوں گا۔" میں نے کہا۔

ہم دیر تک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب جانکی دیوی نے فون پر اطلاع دی کہ پرساد تھوڑی دیر پہلے شائی وان کو لے جا چکا ہے۔ اب مجھے شائی وان کی طرف سے اطلاع کا انتظار تھا۔

دو بجے کے لگ بھگ رامن پرساد خود ہی آگیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔

"ہاں۔ گڑبڑ تو ہوئی ہے۔" اس نے میرے سوال کے جواب میں کہا "میں نے شائی وان کو لے جانے کے لیے ایک ہوٹل کے پارکنگ پلاٹ سے ایک گاڑی چرائی تھی۔ میں شائی وان کو سینٹ لوکس اسٹریٹ پر واقع پولیس اسٹیشن لے جانا چاہتا تھا لیکن جیسے ہی ہم اسٹیم بوم روڈ پر پہنچا ایک کار میرے پیچھے لگ گئی۔ مجھے کسی ممکنہ گڑبڑ کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کیونکہ اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر میں نے ایک آدمی کو بھکشوؤں جیسے لباس میں دیکھ لیا تھا اور مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ وہ تھنگ چو کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

"میرا شبہ درست نکلا۔ وہ تھنگ چو ہی تھا جو ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔ میں نے پولیس اسٹیشن کے سامنے گاڑی روک لی۔ شائی وان اترا اور پولیس اسٹیشن کے گیٹ کی طرف جا رہی تھی کہ پیچھے سے آنے والی کار ایک لمحے کو وہاں رکی۔ اس کار سے یکے بعد دیگرے کئی گولیاں چلائی گئیں۔ شائی وان چیخ کر ڈھیر ہو گئی۔ میں اس وقت اپنی کار ایک سائڈ اسٹریٹ پر موڑ رہا تھا۔ میں کار روک کر نیچے اتر آیا۔ دوسری کار تیز رفتاری سے سیدھی نکل گئی تھی لیکن اتفاق سے دو پولیس آفیسر موٹر سائیکلوں پر سوار اس طرف نکل آئے۔ انہوں نے کار کا تعاقب شروع کر دیا۔

"فائرنگ کے تبادلے کے دوران میں کار بے قابو ہو کر فٹ پاتھ پر چڑھ کر الٹ گئی۔ پولیس نے تھنگ چو کو شدید زخمی حالت میں حراست میں لے لیا ہے۔ شائی وان ختم ہو چکی ہے۔ اسے ایک گولی سر میں لگی تھی جس سے فوری طور پر اس کی موت واقع ہو گئی۔"

مجھے شائی وان کی موت کا افسوس ہوا تھا لیکن اس کی موت کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ جو خطرہ ہماری طرف بڑھ رہا تھا وہ فی الحال ٹل گیا تھا۔

رامن پرساد نے وہ رات ہمارے پاس ہی گزاری تھی۔ صبح ناشتا کر کے وہ چلا گیا۔

اور پھر اس رات ٹھیک دس بجے میں اور تھائی انڈین ریسٹورنٹ میں داخل ہو رہے تھے۔ تھائی کے اصرار پر ہم نے اپنے حلیے کسی حد تک تبدیل کر لیے تھے۔ رامن پرساد ایک لڑکی کے ساتھ کونے والی میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ لڑکی کی پشت ہماری طرف تھی۔ میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ قریب کی میز پر بیٹھتے ہوئے میں اچانک ہی پرساد کی میز کی طرف بڑھا۔

"اے پرساد۔ تم... تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ چیانگ رائے سے کب آئے؟" میں نے قریب پہنچ کر کہا۔

رامن پرساد نے بھی ہاتھ ملاتے ہوئے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا تھا اور پھر اس لڑکی کی شکل دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ظاہر ہے' وہ پامیلا تھی اور یہ وہی لڑکی تھی جو خانقاہ کے گیٹ پر مجھے وہ گلدستہ دے کر گئی تھی جس میں بم لگا ہوا تھا۔

رامن پرساد نے پامیلا کو یہی تاثر دیا کہ میں اس کا پرانا دوست ہوں اور اس اتفاقیہ طور پر یہ ملاقات ہو گئی ہے۔ اس کی دعوت پر ہم بھی اس میز پر بیٹھ گئے تھے۔ وہ بھی غالباً تھوڑی دیر پہلے ہی وہاں آئے تھے اور انہوں نے ابھی تک کوئی آرڈر نہیں دیا تھا لہٰذا یہ ذمے داری میں نے سنبھال لی۔

ہم آدھے گھنٹے بعد وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ رامن پرساد ہمیں چائنا ٹاؤن کے علاقے میں واقع ایک فلیٹ میں لے آیا تھا۔ یہ فلیٹ اس نے اپنے لیے لے رکھا تھا اور یہاں ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں۔

پامیلا کچھ بجھی بجھی سی لگ رہی تھی اور اس کی باتوں سے بھی مایوسی جھلک رہی تھی۔

"میرا خیال ہے تمہیں کوئی ایسا صدمہ پہنچا ہے جس نے

تمہیں اپ سیٹ کر رکھا ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "کوئی ایسی بات ہے تو ہمیں بتاؤ۔ شاید ہم تمہاری کوئی مدد کر سکیں۔"

"مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ اس کمینے سے میں اکیلی ہی نمٹوں گی۔" پامیلا نے کہا۔

"اوہ!" میں نے چونکنے والے انداز میں کہا "میرا خیال ہے تمہارے کسی بہت قریبی دوست نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔"

"ایسا ویسا دھوکا۔" پرسادبیچ میں بول پڑا "یہ ایک اجنبی کو چاہنے لگی تھی اور اسے اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھی تھی۔ وہ اجنبی کچھ عرصے تک تو اسے باور کرانے کی کوشش کرتا رہا کہ وہ صرف اسی کا ہے۔ دراصل وہ یہاں اپنے قدم جمانا چاہتا تھا اور جب اس کا مقصد پورا ہو گیا تو اسے نظرانداز کرنے لگا۔ پامیلا کو اس بات کا دکھ ہے۔"

"اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔" میں نے کہا "اس کا نام پتا بتاؤ۔ ہم اسے پکڑ کر سڑک پر جوتے لگائیں گے۔"

"وہ بہت بڑا گینگ لیڈر ہے۔" پامیلا نے کہا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر دارا کے خلاف بولنے لگی۔

میں یہی چاہتا تھا کہ وہ اپنے منہ سے کچھ اگلے۔ یہ زیر زمین دنیا بھی بڑی عجیب ہے۔ یہاں ایک دوسرے کے خلاف سازشیں چلتی رہتی ہیں اور پامیلا جیسی حسین لڑکیاں ان سازشوں میں بڑے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ کبھی تو وہ اپنے آقا کے لیے جان تک دینے کو تیار ہو جاتی ہیں اور کبھی کسی معمولی سی بات پر اس طرح بگڑتی ہیں کہ اپنے آقا کو تباہی کے غار میں دھکیل دیتی ہیں۔ پامیلا کا شمار بھی ایسی ہی لڑکیوں میں ہوتا تھا۔ اس نے دارا اور ٹائیگر کے کہنے پر مجھے بم سے اڑانے کی کوشش کی تھی اور اب مجھے اپنا ہمدرد پا کر دارا کے خلاف دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

"دارا سنگاپور سے آیا تھا۔" میں نے پامیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اور آج ہی مجھے پتا چلا ہے کہ سنگاپور میں اس کے کچھ آدمی پکڑے گئے ہیں اور مالی طور پر بھی اسے بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔"

"تت.... تمہیں کیسے پتا چلا؟" پامیلا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"ایسی خبریں چھپی نہیں رہتیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "انڈرورلڈ میں تو سب ہی لوگ یہ بات جان چکے ہیں کہ سنگاپور میں پکڑے جانے والے دارا کے آدمی تھے۔"

"یہ سچ ہے۔" پامیلا نے کہا "اسے کل شام کو یہ اطلاع ملی تھی اور وہ پاگل ہوا پھر رہا ہے۔ سنگاپور میں اس کے آدمیوں کے پکڑے جانے کے حوالے سے یہ بات بھی سننے میں آئی ہے کہ ان کی مخبری وجدان نے کی تھی۔"

"لیکن وجدان تو یہاں بنکاک میں ہے۔ وہ سنگاپور میں کسی کی مخبری کیسے کر سکتا ہے؟" میں نے کہا۔

"دارا نے اپنے ذرائع سے تصدیق کر لی ہے۔ سنگاپور کے اخبارات میں اس کا نام چھپا ہے۔ اس نے یہاں سے سنگاپور کے کسی پولیس آفیسر کو فون کیا تھا۔ دارا پہلے ہی اس کی تلاش میں تھا۔ وہ اس پر کئی وار کر چکا ہے لیکن وہ ہر مرتبہ بچ نکلتا ہے۔ اسے کچھ عرصہ پہلے بم سے اڑانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ پھر بچ نکلا اور ایک مہینہ پہلے تو وہ گیسٹ ہاؤس میں دارا اور کم کی پٹائی کر کے چلا گیا۔ دارا کو یقین ہے کہ گیسٹ ہاؤس سے فرار ہوتے ہوئے اسے کم سے کم دو گولیاں ضرور لگی تھیں۔ گیسٹ ہاؤس میں لان سے دیوار تک خون کے دھبے دیکھے گئے تھے۔ دارا اور ٹائیگر کے آدمیوں نے شہر کے تمام سرکاری اور پرائیویٹ اسپتال چھان مارے لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔"

"اب دارا کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا چاہتی ہو تم؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"وہ مجھ پر بھی شبہ کرنے لگا ہے اور مجھے دوسری عورتوں کے سامنے ذلیل کرتا رہتا ہے۔ میں اس سے ایسا انتقام لینا چاہتی ہوں کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے۔" پامیلا نے کہا۔

"کیوں نہ ہم مل کر کام کریں۔ مجھے بھی اس سے کچھ پرانا حساب چکانا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا....؟" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"دارا نے تمہیں دکھ پہنچایا ہے۔ تمہارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ تمہارے دل کو چور چور کیا ہے۔ اگر تم اس سے انتقام لینے میں واقعی سنجیدہ ہو تو ہم تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں۔ ویسے تم پہلی لڑکی نہیں ہو جو دارا کے فریب کا شکار ہوئی ہو۔" میں نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ....."

"ہاں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "دارا ایک جرائم پیشہ آدمی اور پیشہ ور شکاری ہے۔" میں اس کی آتش انتقام کو بھڑکانے کی کوشش کر رہا تھا "سنگاپور کی باتوں پر شاید تمہیں یقین نہ آئے لیکن یہاں کی چند مثالیں دوں گا۔ میں جن لڑکیوں کے نام لے رہا ہوں انہیں تم بھی بہت قریب سے جانتی ہو گی۔ کوشلیا۔ وہ ہندو لڑکی جسے دارا نے اپنے جال میں پھانس کر پہلے اسے مہاراج کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا اور اسے اپنے بستر کی زینت بناتا رہا۔ جب اس کا مقصد پورا ہو گیا' اس سے طبیعت بھر گئی تو اسے نہایت بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شائی وان۔ اس کے بارے میں تو تم نے آج ہی سنا ہو گا۔ اخباروں میں بھی چھپا ہے اس کے متعلق۔ گزشتہ رات دارا کے آدمیوں نے اسے اس وقت گولیوں سے بھون ڈالا جب وہ دارا کے خلاف فریاد لے کر پولیس اسٹیشن جا رہی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے اسی شائی وان کو ایک مکان میں زندہ جلا دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ صرف یہی دو مثالیں نہیں ہیں۔ میں تمہیں اور بھی بہت سی لڑکیوں کے نام گنوا سکتا ہوں جو

دارا کے ظلم کا شکار ہوئی ہیں۔ ایک تازہ ترین مثال تو تم خود ہو....." پامیلا پھٹی پھٹی سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن میں اسے موقع دیے بغیر بولتا رہا "تم نے دارا کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ اسے اس وقت پناہ دی جب وہ یہاں اجنبی تھا اور پولیس اس کی تلاش میں تھی۔ تم نے نہ صرف اسے پناہ دی بلکہ اپنے آپ کو بھی اس کی سپردگی میں دے دیا۔ اس کے قدم رفتہ رفتہ جمتے گئے۔ تم نے اسے ٹائیگر تک بھی پہنچا دیا۔ وہ نہ صرف خود تمہیں کھلونے کی طرح استعمال کرتا رہا بلکہ تمہیں اپنے نئے دوستوں کے سامنے بھی پیش کرتا رہا جن سے وہ کوئی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ تم اس کی خوشی کی خاطر سب کچھ کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ تم نے ایک ایسے شخص کو بھی ہم سے اڑانے کی کوشش کی جسے تم جانتی تک نہیں۔"

"تت..... تم..... یہ سب کچھ کیسے جانتے ہو؟" وہ ہکلائی۔ اس کے چہرے پر ہلکا سا خوف تھا اور آنکھوں میں دہشت تھی۔

"اس دھماکے میں کئی بے گناہ مارے گئے تھے اور درجنوں زخمی ہوئے تھے۔" میں نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بات جاری رکھی "لیکن کیا تمہیں معلوم ہے کہ دارا اس نوجوان کو کیوں ہلاک کرنا چاہتا ہے؟" میں نے خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھا پھر جواب کا انتظار کیے بغیر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "اس لیے کہ وہ نوجوان دارا کے ایسے جرائم کا چشم دید گواہ ہے جو اسے پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتے ہیں۔ دارا نے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے ماں باپ کو ذبح کروایا تھا۔ وہ دارا سے چھپتا پھر رہا تھا لیکن اب وہ....."

"تت..... تم....." پامیلا ایک بار پھر ہکلائی۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں ہی وہ شخص ہوں جسے دارا اپنا بدترین دشمن سمجھ کر ہر قیمت پر موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا ہے۔" میں نے سر پر سے وگ اور بالائی ہونٹ پر چپکی ہوئی باریک سی مونچھیں اتار دیں۔

وہ اچھل پڑی۔ اس کا چہرہ خوف سے ایک دم سفید ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔

"ڈرو نہیں۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔" میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ اس کا ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا "میں نے تمہیں اسی روز پہچان لیا تھا جب گیسٹ ہاؤس کی اوپری منزل پر میں نے کم اور دارا کی پٹائی کی تھی اور اس سے اگلے ہی دن سے میرا یہ دوست تمہارے ساتھ رہا ہے۔" میں نے رامن پرساد کی طرف اشارہ کیا "اگر ہم چاہتے تو تمہیں کسی بھی وقت موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے لیکن تم سے ہماری کوئی دشمنی نہیں۔ میں جانتا ہوں، تم بے قصور ہو۔ دارا تمہیں استعمال کر رہا ہے اور اب شاید اس کی نظروں میں تمہاری کوئی اہمیت نہیں رہی۔ اس لیے وہ تمہیں مسلسل نظرانداز کر رہا ہے۔ اس نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے، تمہارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ تم شاید یہی سمجھتی ہو کہ اب اسے تمہارے جسم سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ اس لیے وہ تمہیں نظرانداز کر کے دوسری لڑکیوں پر زیادہ توجہ دے رہا ہے۔ بات صرف اتنی سی نہیں ہے پامیلا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "اب تم اس کے لیے بیکار ہو چکی ہو۔ البتہ ایک لحاظ سے تم اس کے لیے اہم ہو سکتی ہو کہ تم اس کے بہت سے رازوں سے واقف ہو اور اسے جیسے ہی اس بات کا احساس ہو گا وہ تمہیں بھی کوشلیا اور دوسری لڑکیوں کی طرح موت کے گھاٹ اتار دے گا اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے بتایا تھا کہ وہ سنگاپور والے معاملے میں تم پر بھی شبہ کرنے لگا ہے۔"

"اس نے کھل کر شک کا اظہار نہیں کیا لیکن اس کا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ بات میرے ذریعے سے باہر نکل ہو۔" پامیلا نے کہا۔

"شبہ اور کیسا ہوتا ہے۔" میں نے اسے گھورا "وہ ایک دو دن تم پر نگاہ رکھے گا اور پھر....."

"پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟" وہ کانپ اٹھی۔

"وہی جو تم کرنا چاہتی ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اس معاملے میں تمہاری ہر مدد کرنے کو تیار ہیں۔"

"تمہاری باتیں سن کر مجھے لگتا ہے کہ وہ شیطان اب واقعی مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔" پامیلا نے کہا "میں اب واقعی اسے معاف نہیں کروں گی۔ تم بتاؤ۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

میں فوری طور پر جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا کہ دارا کی ایک اہم ساتھی کو اس سے توڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ نہ صرف دارا بلکہ ٹائیگر وغیرہ کے بہت سے جرائم کی بھی چشم دید گواہ تھی۔ پولیس کو اب بھی ان لوگوں کی تلاش تھی جنہوں نے خاقان کے سامنے بم دھماکا کرایا تھا اور جس میں کئی بے گناہ مارے گئے تھے۔ کم اور ٹائیگر وغیرہ کے خلاف اگر چہ بدھ کے مجسمے سے سونا چرانے والی رپورٹ بھی موجود تھی لیکن وہ معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا اور پولیس کو بھی شاید اس معاملے سے زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی لیکن بم دھماکے میں کئی لوگ مارے گئے تھے۔ پولیس کے سامنے پامیلا کا بیان ہنگامہ کھڑا کر سکتا تھا۔

ہم تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں، میں نے پامیلا سے دارا وغیرہ کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم کر لی تھیں اور پامیلا کو بہت سی باتیں سمجھا بھی دی تھیں۔

جب ہم پرساد کے فلیٹ سے نکلے تو رات کا ایک بج چکا تھا۔ باہر آنے سے پہلے میں نے ہونٹ پر باریک مونچھیں اور سر پر وگ جما لی تھی۔ گلی سے نکل کر ہم بڑی سڑک پر آ گئے۔ ایک خالی ٹیک

ی مل گیا۔ پرساد پامیلا کو اس ٹیک ٹک پر لے کر روانہ ں تھائی وانگ کے ساتھ چوراہے کی طرف پیدل چلتا

ئی وانگ چلتے چلتے اچانک ہی لڑکھڑا گئی تھی۔ اگر میں اسے رتا تو یقیناً گر پڑتی۔ میں نے پرساد کے فلیٹ میں بھی یہ وں کی تھی کہ تھائی جتنی دیر وہاں رہی تھی، بے چینی سی ئی رہی تھی۔ کبھی وہ بیٹھ جاتی اور کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی وقت تو وہ اس طرح لڑکھڑائی تھی جیسے نشہ ٹوٹ رہا تھا۔ وہ ہاتھ موڑ کر کمر اور پشت سہلانے لگتی اور کبھی دوسرے میں تشویش آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ں دیر نہ لگی کہ اس کی یہ حالت کیوں ہو رہی تھی۔ تھائی یا نین مینوں سے ہانگ سو کی بتائی ہوئی ایکسر سائز چھوڑ اور اب یہ بے چینی اسی کا نتیجہ تھی۔

کیا ہوا تھائی؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" میں نے نے ہوئے پوچھا۔

یری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اب ٹک بڑی مشکل سے ں کرتی آ رہی ہوں۔" تھائی نے کراہتے ہوئے کہا "کوئی تلاش کرو اور جلد گھر پہنچنے کی کوشش کرو۔"

ں ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ چوراہا تقریباً سو گز آگے تھا۔ وہاں لیاں اور ٹیک ٹک کھڑے نظر آ رہے تھے۔ لیکن وہاں ٹیک ے پہلے ہی ایک ٹیک ٹک ایک گلی سے نکل کر ہمارے سامنے ر ہم دونوں اس میں بیٹھ گئے۔

ٹیک ٹک کنگ ٹاکسن اسٹیچو والے چوراہے پر چھوڑ کر باقی ہمیں پیدل ہی طے کرنا پڑا اور یہ راستہ بڑی مشکل سے طے ے بنگلے کے گیٹ میں داخل ہو کر میں تو اندر سے گیٹ بند ا اور تھائی اس دوران میں برآمدے میں پہنچ چکی تھی اور ں برآمدے والا دروازہ بند کر کے اندر آیا تو تھائی بیڈ پر ہوئی تھی۔ اس کی پیٹھ برہنہ تھی۔ میں نے بیڈ کے نیچے ہوئی چھڑی اٹھائی اور آنکھیں بند کر کے تھائی کی پیٹھ پر وار یا۔ ہر ضرب پر وہ کراہ اٹھتی لیکن میں آنکھیں بند کیے اس ر پیٹھ پر چھڑیاں برساتا رہا۔

○☆○

کلونگ ٹوئی ڈسٹرکٹ کے علاقے میں ایکسپریس وے اور سے لائن سے ذرا ہٹ کر کوسا روڈ پر واقع وہ بنگلا تلاش کرنے ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ بہت بڑا بنگلا تھا۔ نے وسیع و عریض رقبہ گھیر رکھا تھا۔ چار دیواری خاصی لیکن اس کے اوپر خاردار تاروں کا جنگلا بھی لگا ہوا تھا۔ ہوا تھا کہ ہم غلط جگہ پر تو نہیں آ گئے تھے لیکن رامن پرساد یا امرکی تصدیق کر دی تھی کہ ہم ٹھیک جگہ پر آئے تھے۔

آج دن میں پامیلا یہیں آئی تھی۔" پرساد نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی "اور دو گھنٹوں بعد میں نے اسے ٹائیگر کے ساتھ یہیں سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"تمہارے خیال میں یہاں اس وقت کتنے لوگ موجود ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

"ٹائیگر، دارا اور پامیلا کے علاوہ صرف ایک اور آدمی ہونا چاہیے۔" پرساد نے جواب دیا "پامیلا نے شام کو بتایا تھا کہ چیانگ رائے سے ایک آدمی آیا ہوا ہے جسے دارا آج کی رات یہاں عیاشی کرانا چاہتا ہے۔ پامیلا کو اس سلسلے میں یہاں بلایا گیا ہے۔ میرا خیال ہے چیانگ رائے سے آنے والا وہی شخص ہے جس سے گولڈن ٹرائی اینگل کے سلسلے میں مذاکرات چل رہے ہیں اور میرا خیال ہے، آج رات یہاں بزنس کی بات بھی ہو گی۔ وہ ٹھیک بارہ بجے یہاں آئے گا۔"

اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ ہم کوٹھی کے سامنے کا ایک چکر لگا کر پیچھے کی طرف ایک تنگ تاریک گلی کے موڑ پر کار میں بیٹھے ہوئے تھے اس کار کا بندوبست پرساد نے ہی کیا تھا۔ تھائی وانگ بھی ہمارے ساتھ تھی اور وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

اس رات پامیلا سے گفتگو کے بعد یہ پروگرام بنا تھا کہ وہ کسی مناسب موقع پر ہمیں اس کوٹھی تک لے جائے گی جو دارا کی خفیہ پناہ گاہ تھی۔ دارا کی اس کوٹھی کے بارے میں ٹائیگر، کم اور چی فانگ کے سوا کسی اور کو علم نہیں تھا یا پھر پامیلا اور ایک دو دو لڑکیاں اس کوٹھی کے بارے میں جانتی تھیں جنہیں وہ عیاشی کے لیے وقتاً فوقتاً یہاں لے کر آتا تھا لیکن ان لڑکیوں میں یہ ہمت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ کسی اور پر اس کوٹھی کا راز فاش کر دیں۔

پامیلا نے آج شام ہی پرساد کو بتایا تھا کہ آج رات اس کوٹھی میں دارا کا ایک اہم مہمان آنے والا ہے اور اس میٹنگ میں ان کی طرف سے دارا اور ٹائیگر کے سوا اور کوئی نہیں ہو گا۔

"اگر کوئی بزنس میٹنگ ہے تو اس میں کم اور چی فانگ کی عدم شرکت میرے لیے باعث حیرت ہے۔ وہ دونوں تو اس کے بازو ہیں۔" میں نے کہا۔

"مجھے پامیلا نے بتایا تھا کہ دارا اب ان دونوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔" پرساد نے جواب دیا "گولڈن ٹرائی اینگل میں رابطہ ہو جانے کے بعد وہ انہیں بھی شاید ٹھکانے لگا دے۔ اس کی شاید یہی فطرت ہے کہ نئے لوگوں سے ملاقات کے بعد وہ پرانے آدمیوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ گولڈن ٹرائی اینگل والے معاملے میں رازداری کے خیال سے ان دونوں کو اس میٹنگ میں نہیں بلایا گیا۔"

"لیکن چی فانگ کو تو اس سلسلے میں خاص طور پر چیانگ رائے بھیجا گیا تھا۔" میں نے کہا۔

"صرف پیغام رساں کی حیثیت سے۔" پرساد نے جواب دیا

"اس نے بھی بیچ کے ایک آدمی کو پیغام پہنچایا تھا۔ انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ چیانگ رائے سے کوئی آدمی یہاں آیا ہوا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم بعد میں اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

تھائی وانگ خاموشی سے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ پرساد نو بجے کے قریب ہمارے پاس آیا تھا۔ اس کے ساتھ پروگرام بنانے کے بعد ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ آج ہم اپنے اصلی چہروں کے ساتھ اس مشن پر جائیں گے تاکہ دارا کو یہ بتا سکیں کہ ہم اس کا سامنا کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

پونے بارہ بجے کے قریب پرساد کار سے اتر کر سڑک کی طرف چلا گیا۔ میں اور تھائی وانگ کار میں بیٹھے رہے۔ پرساد کی واپسی تقریباً بیس منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس نے کار میں رکھا ہوا ایک تھیلا اٹھا کر اس میں سے ایک دو چیزیں نکالیں اور مجھے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔

"وہ لوگ آگئے ہیں۔ کار میں ٹائیگر اور ایک بھاری بھرکم آدمی کے علاوہ ایک لڑکی بھی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے' دارا پہلے ہی سے کوٹھی میں موجود تھا۔ پامیلا بھی یہیں ہوگی۔" میں نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اپنا خیال رکھنا تھائی۔ اگر کوئی گڑبڑ محسوس کرو تو ہمارا انتظار کرنے کے بجائے ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر یہاں سے نکل جانا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ جاؤ۔" تھائی نے سرہلا دیا۔

میں اور پرساد اس تاریک گلی میں چلتے ہوئے کوٹھی کی دیوار کے قریب آگئے۔ یہ کوٹھی کی عقبی گلی تھی۔ سامنے والی کوٹھیوں کے پچھواڑے بھی اس طرف تھے۔ اس طرح اس گلی میں رات کے وقت لوگوں کی آمدورفت نہیں ہوتی تھی اور یہاں روشنی کا انتظام بھی نہیں تھا۔

دیوار کے ساتھ ایک جگہ کوڑے کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ہم دونوں اس ڈھیر پر چڑھ گئے۔ دیوار کی بلندی اس طرح تین چار فٹ رہ گئی تھی اور اوپر خاردار تاروں تک بھی ہاتھ آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔ پرساد نے جیب سے الیکٹرک ٹیسٹر نکالا اور ایک ایک تار کو چیک کرنے لگا۔ اندیشہ تھا کہ شاید رات کو ان تاروں میں برقی رو چھوڑ دی جاتی ہو لیکن کسی تار میں کرنٹ نہیں تھا۔ اس نے ٹیسٹر جیب میں رکھ لیا اور کمر سے تار کاٹنے لگا۔ آٹھ آٹھ انچ کے فاصلے پر نیچے سے اوپر تک پانچ تار لگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک طرف سے تمام تار کاٹ دیے۔

ہم دونوں دیوار پر چڑھ کر بڑی آہستگی سے اندر کود گئے۔ درختوں کی وجہ سے اس جگہ اگرچہ اندھیرا تھا مگر کوٹھی کی کھڑکیوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور الگ الگ کھڑکیوں میں جھانکنے لگے۔ ایک کھڑکی سے جھانکتے ہی میں چونک گیا۔

وہ شان دار فرنیچر سے آراستہ بہت کشادہ ہال نما کمرا تھا۔ ایک صوفے پر دارا اس لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جو دوسرے آدمی کے ساتھ آئی تھی اور دوسرے صوفے پر پامیلا اس موٹے آدمی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ درمیانے قد کے اس آدمی کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کے چہرے پر چیچیوں جیسی مشابہت تھی۔ وہ نیلے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھا مگر ٹائی نہیں تھی۔ سفید قمیص کا کالر کوٹ کے کالر کے اوپر تھا۔ ایک سائنے کا اوپر والا ایک دانت ٹوٹا ہوا تھا۔

پامیلا اور اس دوسری لڑکی کے جسم پر لباس برائے نام ہی تھا۔ دراز قامت کی مالک وہ لڑکی بھی بڑی حسین تھی۔ ان کے سامنے شراب کے گلاس رکھے ہوئے تھے۔ وہ کچھ باتیں بھی کر رہے تھے مگر کھڑکی بند ہونے کی وجہ سے آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ٹائیگر اس کمرے میں نظر نہیں آرہا تھا۔

پرساد دبے قدموں چلتا ہوا میرے قریب پہنچ گیا اور آگے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ چند قدم چل کر ہم رک گئے۔

"ہم برآمدے سے یا عقبی دروازے سے اندر داخل نہیں ہوسکتے۔" اس نے میرے کان میں سرگوشی کی "البتہ چھت پر پہنچ جائیں تو زینے کے راستے راہداری میں پہنچ سکتے ہیں۔ اس طرف آؤ۔"

ہم دونوں دیوار کے ساتھ ساتھ گھومتے ہوئے دوسری طرف آگئے اور وہاں سے چھت پر پہنچنا ہمارے لیے زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔ پرساد نے سیڑھیوں والے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر احتیاط سے گھمایا تو دروازہ آواز پیدا کیے بغیر آہستگی سے کھلتا چلا گیا۔ سیڑھیوں کا یہ دروازہ اندر سے لاک کرنے کی ضرورت شاید اس لیے نہیں سمجھی گئی تھی کہ وہ اس بچگانے کو محفوظ سمجھتے تھے اور کسی کے اندر داخل ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔

سیڑھیوں پر اور نیچے راہداری میں اندھیرا تھا کیونکہ راہداری سے ہال میں داخل ہونے والا دروازہ بند تھا۔ ہم دونوں نے اپنے اپنے خنجر نکال لیے اور دبے قدموں سیڑھیاں اترنے لگے۔

اس راہداری کا دوسرا دروازہ باہر کی طرف کھلتا تھا۔ سیڑھیوں کے نیچے کی جگہ پر شاید باتھ روم بنا ہوا تھا اور دوسری طرف بھی ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔

ہم دونوں ہال والے دروازے کے قریب رک گئے۔ میں نے جھک کر کی ہول سے آنکھ لگا دی۔ ٹائیگر اب بھی کمرے میں نظر نہیں آرہا تھا۔ اس موٹے آدمی نے اپنا کوٹ اتار کر صوفے کی پشت پر ڈال دیا تھا۔ اس نے بغلی ہولسٹر پہن رکھا تھا اور بائیں بغل کے نیچے ریوالور کا دستہ جھانک رہا تھا۔ میں سیدھا کھڑا ہوگیا۔

"ٹائیگر نظر نہیں آرہا۔" میں نے پرساد کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

اندر ہی ہوگا۔" پرساد نے کہا "ہوشیار۔ میں دروازہ کھولنے لگا ہوں۔"

اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا لیکن اس سے پہلے ہینڈل گھماتا' چٹ کی ہلکی سی آواز آئی اور راہداری میں تیز روشنی پھیل گئی۔ ہم دونوں بیک وقت گھوم گئے۔ راہداری میں دوسری طرف والا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ٹائیگر ریوالور ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ ریوالور کا رخ ہماری طرف تھا۔

"خنجر پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھالو۔" ٹائیگر کے حلق سے غراہٹ نکلی "اتفاق سے میں نے تم لوگوں کو دیوار سے کودتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پہلے تو میں یہی سمجھا تھا کہ تم لوگ چور ہو مگر یہ چوری کا وقت نہیں ہے اور چور اس گھر میں کبھی نہیں گھستے جہاں تمام بتیاں جل رہی ہوں۔ خنجر پھینکو۔"

اس کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہم دونوں نے خنجر پھینک دیے۔

"گڈ!" ٹائیگر بولا "تمہیں تو شاید میں نے پہلے بھی دیکھا ہے مگر مجھے اجنبی سا لگ رہا ہے۔" اس نے آخری الفاظ میری طرف دیکھ کر کہے تھے۔ ٹائیگر کا اور میرا آج تک آمنا سامنا نہیں ہوا تھا اور شاید اس لیے وہ مجھے پہچان نہیں سکا تھا "بہرحال' دروازہ کھولو اور اندر داخل ہو جاؤ۔ ہم معلوم کرلیں گے کہ تم کون ہو اور کس نیت سے یہاں آئے ہو۔ اے.... تم ایک طرف سے دروازہ کھولو۔ دوسرا ہاتھ سر سے اوپر ہی رہنا چاہیے۔" اس نے پرساد کو اشارہ کیا۔

پرساد نے دایاں ہاتھ جھکا کر دروازے کے ہینڈل پر رکھ دیا۔ اس دوران میں ٹائیگر بھی اس دروازے سے نکل کر راہداری میں کچھ پیچھے آچکا تھا۔ پرساد نے دروازہ کھول دیا۔

کمرے کا منظر بہت ہی شرم ناک تھا۔ دارا اس دراز قامت لڑکی کو اپنی آغوش میں سمیٹے ہوئے تھا اور پامیلا دوسرے آدمی کی آغوش میں تھی۔ دروازہ کھلنے پر دارا نے لڑکی کے چہرے پر جھکا ہوا سر اٹھا کر دیکھا اور پھر اس لڑکی کو دھکا دے کر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوگیا۔ وہ چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس کے منہ سے ہلکا سا قہقہہ نکل گیا۔

"بہت تبدیلیاں آگئی ہیں تم میں مگر میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا "تم بالآخر اس ہال میں آ ہی گئے مسٹر وجدان۔ اب دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نہیں بچا سکتی۔"

میرا نام سن کر ٹائیگر بھی اچھل پڑا "یہ.... یہ وجدان ہے۔" اس کے لہجے میں شدید حیرت تھی "پھر تو اسے فوراً ہی ختم کر دینا چاہیے تاکہ قصہ ہی تمام ہو جائے۔" اس نے ریوالور کا رخ میری طرف کرلیا۔

"نہیں ٹائیگر ابھی نہیں۔" دارا نے ہاتھ اٹھا دیا "اسے یہاں لانے کے لیے بڑی محنت کرنی پڑی ہے۔ بڑا لمبا چوڑا جال پھیلانا پڑا تھا۔ یہ اس قدر آسانی سے ہمارے ہاتھ نہیں آیا جتنا تم سمجھ رہے ہو اور ابھی تو اس سے کچھ حساب بھی کرنا ہے۔ بہت نقصان پہنچایا ہے اس نے مجھے۔ اسے تو میں اس طرح تڑپا تڑپا کر ماروں گا کہ دوسرے بھی عبرت حاصل کریں گے اور دارا کے سامنے آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے دارا۔" میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ یہ انکشاف میرے لیے خاصا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ پامیلا ٹوئی نہیں تھی بلکہ اس کے ذریعے ہمارے خلاف جال پھیلایا گیا تھا "اب وقت بدل چکا ہے۔ پہلے میں تم سے چھپتا پھر رہا تھا اور اب بھاگنے کی تمہاری باری ہے۔ تم زندگی بھر اس لیے بھاگتے رہو گے کہ تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔"

"چہ پدی چہ پدی کا شوربا۔" دارا نے قہقہہ لگایا "ویسے اب تم بڑے ہوگئے ہو اور بڑی بڑی باتیں کرنا بھی سیکھ گئے ہو لیکن محض باتوں سے تو کوئی معرکہ سر نہیں کیا جاسکتا۔ تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو؟"

"شاید تم بھول گئے ہو کہ صرف دو دن پہلے سنگاپور میں تمہارے تین آدمی اور دس کلو گرام ہیروئن پکڑی گئی ہے۔ انسپکٹر چیانگ شو کو میں نے ہی یہاں سے فون کر کے تمہارے ان آدمیوں کے بارے میں آگاہ کیا تھا اور ان تین میں تمہارا کزن جمال بھی شامل ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "تم نے میرے باپ کو صرف اس لیے قتل کیا تھا کہ وہ تمہارے گھناؤنے مقاصد میں رکاوٹ پیدا کر سکتا تھا۔ میرا باپ نہیں رہا تو کیا ہوا۔ میں تو ہوں.... میں کہیں بھی تمہیں ٹکنے نہیں دوں گا اور مجھے تم سے اپنے بے گناہ ماں باپ کے قتل کا انتقام بھی لینا ہے۔"

دارا کی آنکھیں پھیل گئیں۔ پہلے شاید وہ یہی سمجھتا رہا تھا کہ سنگاپور والے واقعے میں میرا نام محض مبالغہ ہے لیکن میرے منہ سے اپنے کزن جمال کا نام سن کر وہ چونکے بغیر نہیں رہا تھا۔

ٹائیگر ریوالور لیے تیار کھڑا تھا۔ دوسرا آدمی بھی صوفے سے اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا' پامیلا بھی اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"میں تمہیں اس گندگی سے نکالنا چاہتا تھا۔" میں نے پامیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن اب پتا چلا کہ گندگی کے کیڑے گندگی ہی میں رہنا پسند کرتے ہیں۔"

"تم مجھے بے وقوف سمجھتے تھے کہ عیش و آرام کی زندگی چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے تمہارے ساتھ چھپتی پھرتی۔" پامیلا نے کہا "رامن پرساد پر تو مجھے پہلے ہی دن شبہ ہوگیا تھا اور جب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ تمہارا آدمی ہے تو صرف تین دن پہلے میں نے دارا کو بتا دیا اور پھر وہ سارا ڈراما تمہیں پھنسانے کے لیے کیا گیا تھا۔ تم

واقعی بے وقوف ہو۔ کس قدر آسانی سے میرے جال میں پھنس گئے۔"

"لیکن یہ جال بہت کچا ہے۔" میں نے جواب دیا "میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں جتنا تم لوگ سمجھ رہے ہو۔ مہاراج کے آدمی اس کو ٹھی کو گھیرے میں لے چکے ہوں گے۔ تم لوگوں میں سے کوئی بھی یہاں سے بچ کر نہیں جاسکے گا۔"

دارا کے چہرے پر تشویش کی پرچھائیاں ابھر آئیں۔ اس نے جیب سے پستول نکال کر ہمیں اپنی زد میں لے لیا اور ٹائیگر کو اشارہ کیا۔ ٹائیگر تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کی واپسی تقریباً پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔

"باہر دور دور تک کوئی نہیں۔ یہ بلف کررہا ہے ہمیں۔" اس نے دارا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ٹائیگر۔" دارا نے کہا "فی الحال ان دونوں کو باندھ کر ساتھ والے کمرے میں ڈال دو۔ ہم مسٹر شانگ سے بزنس کی بات کرلیں۔ بعد میں ان سے نمٹ لیں گے۔"

پامیلا اس وقت بھاری بھرکم شانگ کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات تھے اور پھر اس نے وہ حرکت کی جس کی کسی کو بھی توقع نہیں تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے مسٹر شانگ کے بغلی ہولسٹر میں سے ریوالور کھینچ لیا اور پشت پر پہنچ کر ریوالور کی نال شانگ کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے غرائی۔

"نہیں ٹائیگر۔ تم اس کمرے سے باہر نہیں نکلو گے۔ ریوالور پھینک دو اور تم بھی مسٹر دارا۔ میں تم دونوں کو صرف تیس سیکنڈ کا وقت دے رہی ہوں۔"

"یہ..... یہ تم کیا کررہی ہو۔ پاگل ہوگئی ہو کیا؟" دارا چیخا۔

"پستول پھینک دو۔" پامیلا غرائی "میں صرف تین تک گنوں گی اور تین کہتے ہی اس کی کھوپڑی اڑا دوں گی۔" اس نے گنتی شروع کردی اور پھر اس نے جیسے ہی دو کہا' دارا اور ٹائیگر نے ہتھیار پھینک دیے۔

"اس میں شبہ نہیں کہ تم بہت چالاک ہو لیکن حد سے زیادہ چالاکی اور خود اعتمادی بھی لے ڈوبتی ہے۔" پامیلا دارا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "میں تمہاری فطرت سے واقف ہوچکی ہوں۔ اپنا مقصد پورا ہوجانے کے بعد تم اپنے وفاداروں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتے ہو۔ انسانی زندگی تمہارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ تم صرف اور صرف اپنے مفاد کو ترجیح دیتے ہو۔ تمہارا منصوبہ یہ ہے کہ ان دونوں کے ساتھ مجھے بھی ختم کردیا جائے کیونکہ اب میں تمہارے لیے اہم نہیں رہی۔ تمہیں شبہ تھا کہ سنگاپور میں تمہارے آدمیوں کے نام اور پتے میں نے وجدان کو دیے تھے اس لیے تم نے پروگرام بنایا تھا کہ وجدان ہاتھ آجائے تو اس کے ساتھ مجھے بھی ختم کردیا جائے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے پامیلا۔" دارا نے کہا۔

"مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی۔ میں نے فون پر ٹائیگر سے تمہاری باتیں سن لی تھیں۔" پامیلا نے کہا "اور تم نے یہ بھی کہا تھا کہ وجدان نے تمہارے بھائی کو قتل کیا تھا۔ اور تم اس قتل کا بدلہ لینا چاہتے ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم نے اس کے بے گناہ ماں باپ کو قتل کیا تھا اور اسے بھی راستے سے ہٹانا چاہتے ہو کیونکہ یہ تمہارے اس سنگین جرم کا چشم دید گواہ ہے۔"

"یہ کہانی تم کو اس نے سنائی ہوگی۔" دارا نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ بہت چالاک آدمی ہے۔ لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اس قسم کی جھوٹی اور من گھڑت کہانیاں سناتا رہتا ہے اور اسی لیے اب تک بچا ہوا ہے۔"

"یہ درست ہے کہ یہ کہانی مجھے اس نے سنائی تھی لیکن۔" پامیلا کہہ رہی تھی "کل کی رات کا باقی حصہ میں نے کم کے ساتھ گزارا تھا۔ کم کے ساتھ میں پہلی مرتبہ بستر پر لیٹی تھی اور وہ اتنا خوش تھا کہ میری ہر بات کا جواب دیتا چلا گیا۔ اس نے اس کہانی کی تصدیق کردی ہے۔ تم ہی نے کم اور چی فانگ کو پیسے دے کر اس کے ماں باپ کو قتل کروایا تھا۔ تم بھی اس وقت وہاں موجود تھے اور پھر تم لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے۔ تم نے کم سے وعدہ کیا تھا کہ اسے سنگاپور ریکٹ کا سربراہ بنا دو گے لیکن تمہارا اصل منصوبہ یہ ہے کہ وقت آنے پر کم اور چی فانگ کو بھی راستے سے ہٹا دیا جائے۔ اب تمہیں ٹائیگر مل گیا ہے اور ٹائیگر کے ذریعے تم گولڈن ٹرائی اینگل تک پہنچنا چاہتے ہو۔ لیکن تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔ تم نے میرے ساتھ بھی دھوکا کیا ہے لیکن تم شاید یہ بھول گئے ہو کہ عورت جب انتقام لینے پر آتی ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی روند ڈالتی ہے۔" پامیلا کے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی۔ زہر بھرا ہوا تھا۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر پرسار کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "پرسار۔ کھڑے کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ ریوالور اور پستول اٹھالو۔"

"تم بہت بڑی غلطی کررہی ہو پامیلا۔" دارا بولا "میری باتیں اب بھی تمہارے لیے کھلی ہوئی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ میرے دل میں میل آگیا تھا لیکن میں تمہیں قتل ہرگز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ آدمی بہت خطرناک ہے اگر بچ کر نکل گیا تو نہ صرف ہمیں بلکہ تمہیں بھی ختم کردے گا۔ بھول جاؤ۔ سب کچھ۔ اب بھی وقت ہے۔"

"بند کرو بکواس۔" پامیلا چیخی۔

پرساد پستول اور ریوالور اٹھانے کے لیے آگے بڑھا تو ٹائیگر نے بڑی پھرتی سے اس کی ٹانگ میں ٹانگ پھنسا دی۔ پرساد لڑکھڑا کر پامیلا سے ٹکرا گیا۔ پامیلا بھی لڑکھڑا کر پیچھے گر گئی۔

ہر ایک نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ ٹائیگر نے قالین پر پڑے ہوئے پستول کی طرف چھلانگ لگائی مگر پرساد نے سنبھل کر اسے چھاپ لیا۔ دارا بھی اپنے ریوالور کی طرف جھپٹا لیکن میں کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ میرا ایک پیر دارا کے بائیں کندھے پر اور دوسرا پیشانی پر لگا تھا۔ وہ بلبلاتا ہوا پیچھے الٹ گیا تھا۔ میں اس کے قریب کھڑی ہوئی لڑکی سے ٹکرایا اور ہم دونوں صوفے پر گرے۔ صوفہ پیچھے کی طرف الٹ گیا۔ اس لڑکی کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی تھی۔

پامیلا صوفے کے پچھلی طرف گری تھی۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر صوفے کے نیچے جا گرا تھا۔ بھاری بھرکم شانگ پہلے تو کچھ گڑبڑایا پھر وہ پامیلا کو گرفت میں لینے کی کوشش کرنے لگا۔ پامیلا نے اس کی کلائی پر دانت گاڑ دیے اور بری طرح جھنجھوڑنے لگی۔ شانگ بلبلا اٹھا۔

پرساد ٹائیگر کی گرفت میں آچکا تھا لیکن پھر اچانک ہی اس نے ٹائیگر کے چہرے پر سر کی زوردار ٹکر ماری۔ اس کی ناک سے خون بہ نکلا۔ پرساد نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بازی پلٹ دی۔ اب وہ ٹائیگر پر تابڑ توڑ حملے کررہا تھا۔ ٹائیگر جس طرح پرساد کے ہاتھوں پٹ رہا تھا اس سے ایک اندازہ ہوا کہ اس جیسے بڑے بڑے بدمعاش خود اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ وہ خود کسی کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں رکھتے۔ ان کے رعب و دبدبے اور طاقت کا دارومدار ان کے گرگوں پر ہوتا ہے۔

دارا اٹھ کر کھڑا ہوچکا تھا۔ غصے کی شدت سے اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ بھلا یہ بات اس کے لیے قابلِ برداشت کیسے ہوسکتی تھی کہ جو لونڈا اس کے خوف سے چھپتا پھر رہا تھا آج اس پر اس طرح بے خوف ہو کر حملہ آور ہو۔

مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وہ گینڈے کی طرح طاقت ور تھا لیکن اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ لڑائی کے داؤ پیچ سے واقف نہیں تھا اور مجھے اس پر یہ برتری حاصل تھی کہ میں لڑائی کے فن سے واقف تھا۔

دارا نے مجھ پر حملہ کیا لیکن میں وار بچا گیا۔ دوسرے حملے میں میرا ہاتھ اس کی گرفت میں آگیا لیکن میں نے بازو چھڑانے کی کوشش کرنے کے بجائے کھڑے کھڑے اچھل کر الٹی قلابازی کے انداز میں اپنے جسم کو ہوا کیا اور اس کی گردن کو دونوں ٹانگوں کی قینچی میں لے کر اپنے آپ کو نیچے کی طرف جھٹکا دیا۔ میں خود تو نیچے گرا تھا لیکن دارا بھی سر کے بل نیچے گرا اور قلابازی کھاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس نے اٹھنے میں بھی بڑی پھرتی دکھائی تھی لیکن میں اس سے پہلے ہی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے گھونسا مارنے کے لیے حملہ کیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اچھل کر اس کی بغل میں زوردار کک لگا دی۔ وہ بلبلا اٹھا۔ اس کا بازو ابھی تک میری گرفت میں تھا۔ میں نے اچھل کر ایک اور کک لگائی اور اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر اس لڑکی پر گرا جو اٹھنے کی کوشش کررہی تھی۔

اچانک فائر کی آواز سن کر میں پلٹا۔ بھاری بھرکم شانگ نے نہ صرف ریوالور پر قبضہ کرلیا تھا بلکہ پامیلا بھی اس کی گرفت میں تھی۔ اس نے پامیلا کو بازو کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ پامیلا کے چہرے پر کرب کے تاثرات نمایاں تھے۔

"اب اگر تم دونوں میں سے کسی نے حرکت کی تو گولی ماردوں گا۔" شانگ چیخا۔

بازی پلٹ گئی تھی۔ ٹائیگر نے بھی بڑی پھرتی سے ریوالور اٹھا کر پرساد کو زد پر لے لیا تھا۔

دارا بھی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اچانک ہی میری کنپٹی پر زوردار گھونسا مار دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے کئی کلو گرام وزنی ہتھوڑے سے ضرب لگائی گئی ہو۔ میں لڑکھڑا گیا۔ دماغ جھنجھنا اٹھا۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالنے میں کامیاب ہوسکا تھا۔

دارا نے آگے بڑھ کر پامیلا کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

"آوارہ کتیا!" وہ اس کے بالوں کو جھٹکے دیتا ہوا غرایا "تمہارا خیال درست تھا۔ اب مجھے واقعی تمہاری ضرورت نہیں رہی۔ پہلے تو شاید ایک ہی گولی سے تمہارا خاتمہ کردیا جاتا لیکن اب تمہاری موت اتنی آسان نہیں ہوگی۔ میں تمہارے اس خوب صورت جسم کو اس طرح کاٹوں گا کہ....."

پامیلا نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی۔ دارا نے اس کے بالوں کو جھٹکا دے کر سر اوپر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے پیٹ پر کئی گھونسے رسید کردیے۔ پامیلا ہر ضرب پر بلبلا اٹھتی۔ دارا نے ایک زوردار جھٹکا دے کر اسے نیچے گرا دیا اور لپک کر راہداری والے دروازے کے قریب پڑا ہوا خنجر اٹھالیا۔

ٹائیگر نے مجھے اور پرساد کو ایک طرف دیوار کے ساتھ کھڑا کرکے ریوالور کی زد پر لے رکھا تھا۔ ہم دونوں میں سے کسی کے لیے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کا موقع نہیں تھا۔

پامیلا اٹھنے کی کوشش کررہی تھی۔ دارا نے پہلے اسے دو تین زوردار ٹھوکریں ماریں اور پھر اس کے سینے پر سوار ہوگیا۔

"میں تمہیں ایک وار میں نہیں' قسطوں میں موت کے گھاٹ اتاروں گا۔ پہلے یہ تمہارے خوب صورت ہونٹ' پھر رخسار اور پھر تمہارے یہ..... جنہوں نے مجھے تمہارا دیوانہ بنا دیا تھا۔"

دارا اس کے سینے پر اس طرح بیٹھا تھا کہ پامیلا کی دونوں بانہیں بھی گھٹنوں کے نیچے دبا رکھی تھیں۔ پامیلا سرخ رہی تھی۔ دارا نے بائیں ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی کو گرفت میں لے لیا اور خنجر کی دھار اس کے ہونٹوں پر پھیر دی۔ پامیلا کے منہ سے خوف ناک چیخ نکلی۔ اس کا نچلا ہونٹ کٹ گیا تھا۔ دارا نے ٹھوڑی تک گوشت کاٹ ڈالا تھا۔ خون کا فوارہ بہ نکلا۔

میں کانپ کر رہ گیا۔ دارا نے پامیلا کا ایک رخسار بھی کاٹ دیا۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی مگر ٹائیگر نے

ریوالور کو اس طرح حرکت دی کہ میں اپنی جگہ پر کھڑا رہ گیا۔

دارا نے وحشیانہ انداز میں قہقہہ لگایا اور پامیلا کے بلاؤز پر ہاتھ ڈال کر زور دار جھٹکا دیا۔ اس کا سینہ برہنہ ہوگیا۔ دارا کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ اس کا خنجر والا ہاتھ حرکت میں آیا اور پامیلا کے سینے پر دائیں طرف سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ اس نے خنجر کا دوسرا وار سینے کے بائیں طرف کیا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور میری بند آنکھوں کے سامنے وہ خوف ناک منظر ابھر آیا جب چی فانگ نے میری ماں پر اسی طرح خنجر سے وار کیے تھے۔ کردار بدل گئے تھے۔ منظر وہی تھا۔ پامیلا کی چیخوں کی آواز سے میں نے آنکھیں کھول دیں۔ دارا اب پامیلا کے پیٹ پر خنجر کی نوک سے ایک گہری لکیر کھینچ رہا تھا۔ پامیلا ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح مچل رہی تھی لیکن دارا نے اسے اپنے بوجھ تلے نیچے دبا رکھا تھا۔

میرے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ میری قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ میں نے پرساد کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیختے ہوئے اپنی جگہ سے اچھلا۔ ٹائیگر نے فائر کردیا۔ گولی میرے پہلو کے قریب سے گزر گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسری گولی چلاتا' میری کک اس کی ٹھوڑی پر نیچے کی طرف لگی۔ وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔

پرساد بھی اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس کی ٹھوکر دارا کے سر پر لگی تھی۔ دارا الٹ کر صوفے سے ٹکرایا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔ پامیلا قالین پر تڑپ رہی تھی۔ اس کے زخموں سے خون فواروں کی طرح اچھل رہا تھا۔

شانگ کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے فائر کردیا۔ گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ میں ایک دم نیچے گر گیا تھا اور پھر ٹھیک اسی لمحے ایک اور فائر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی شیشہ ٹوٹنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ یہ گولی کھڑکی کے باہر سے چلائی گئی تھی جو شانگ کے بازو میں لگی تھی اور وہ بھی چیخ اٹھا تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا۔

میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو مجھے تھائی وانگ کا چہرہ دکھائی دیا۔ دارا اور اس کا ساتھی یہ سمجھے کہ مہاراج کے آدمی آگئے ہیں۔ انہوں نے بیک وقت راہداری کی طرف دو ڈگا دی۔ میں اور پرساد بھی ایک ہی وقت میں اپنی اپنی جگہ سے اچھلے تھے اور پھر ہم دونوں نے ٹائیگر ہی کو گرفت میں لیا تھا۔ میں ٹائیگر کو چھوڑ کر راہداری کی طرف لپکا لیکن باہر نکلتے ہوئے دارا نے دروازے کو دھکا دیا۔ میری پیشانی دروازے سے ٹکرائی۔ میں چیخ کر گر گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اٹھ کر پھر دروازے کی طرف لپکا۔ بدحواسی میں مجھ سے دروازہ بھی نہیں کھل سکا اور جب میں دروازہ کھول کر راہداری میں دوڑتا ہوا باہر آیا تو مجھے دیر ہو چکی تھی۔ دارا اور شانگ باہر کھڑی ہوئی کار میں بیٹھ چکے تھے اور کار تیزی سے گیٹ سے باہر نکل رہی تھی۔

اس دوران میں تھائی وانگ بھی دوڑتی ہوئی سامنے آگئی۔ دارا کا پیچھا کرنا بیکار تھا۔ میں اور تھائی اندر آگئے۔ پرساد ٹائیگر کو بُری طرح رگید رہا تھا اور وہ دوسری لڑکی بے ہوش ہو چکی تھی۔

پامیلا کو دیکھ کر تھائی وانگ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ پامیلا اب تڑپ نہیں رہی تھی۔ اب وہ ایک ہی جگہ پڑی تھی اور اس کے جسم کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے۔ زخموں سے بہنے والا خون اس کے جسم کے نیچے اور ارد گرد ایک چھوٹے تالاب کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

"پامیلا..... آنکھیں کھولو پامیلا۔" تھائی وانگ اس کے قریب جھک کر بولی۔

پامیلا کی پلکوں کو حرکت ہوئی مگر اس کی آنکھیں نہیں کھلیں۔ وہ جان کنی کی کیفیت میں تھی۔ اس کے جسم کو اب بھی ہولے ہولے جھٹکے لگ رہے تھے۔ اس کا نچلا ہونٹ اور نیچے کا گوشت ٹھوڑی تک غائب تھا۔ نیچے والے دانت' جڑوں تک اور مسوڑے واضح نظر آرہے تھے۔ ایک رخسار کٹا ہوا تھا۔ سینے کے دونوں طرف گوشت کے کٹے ہوئے لوتھڑے تھے اور پیٹ پر ناف تک تقریباً چھ انچ لمبی اور گہری دراڑ تھی جس سے اب بھی خون ابل رہا تھا۔ ایسی سفاکی کا یہ مظاہرہ میں نے اپنی آنکھوں سے دوسری مرتبہ دیکھا تھا اور ایک بات بہرحال طے تھی کہ ہم پامیلا کی کوئی مدد نہیں کرسکتے تھے۔ اگر اسے زندہ بچالیا جاتا تو وہ میڈیکل سائنس کا ایک معجزہ ہی ہوتا۔

میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ پرساد نے ٹائیگر کو فرش پر اوندھا لٹا کر گھٹنے سے اس کی کمر کو دبا رکھا تھا اور اس کے گلے سے ٹائی نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں تیزی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ ٹائیگر کا چہرہ فرش سے چند انچ اوپر اٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے گلے سے ٹائی نکال کر پرساد کے حوالے کردی۔ پرساد نے ٹائیگر کے دونوں ہاتھ پشت پر سمیٹ کر ٹائی سے باندھ دیے اور اٹھ کر اس کی پسلیوں پر زوردار ٹھوکر رسید کردی اور پلٹ کر پامیلا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت میں نے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے تھے۔ وہ پامیلا کے قریب بیٹھ گیا۔ چند لمحے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا پھر اس نے باری باری اس کی دونوں آنکھوں کو کھول کر دیکھا اور پھر گہرا سانس لیتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"گاڑی کہاں ہے؟" میں نے تھائی وانگ کی طرف دیکھا۔

"وہیں کھڑی ہے۔ گلی کے موڑ پر۔" تھائی وانگ نے جواب دیا۔

میں نے پرساد کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے باہر دوڑ گیا۔

صرف پانچ منٹ بعد پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی اور اس کے چند سیکنڈ بعد پرساد اندر آگیا۔ اس نے ٹائیگر کو بالوں سے پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے اٹھایا اور باہر لے جانے کے لیے اس کے کولھے پر زوردار کک لگا دی۔ اس دوران میں' میں اس بے ہوش لڑکی کو اٹھا چکا تھا۔ وہ ہوش میں آچکی تھی۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا اور خوف سے چہرہ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ وہ پامیلا کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"اور یہ..... کیا اسے یہیں چھوڑ دیا جائے؟" تھائی وانگ نے بری طرف دیکھتے ہوئے پامیلا کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کے لیے ہم کچھ نہیں کرسکتے تھائی۔" میں نے جواب دیا "یہ ہوسکتا ہے کہ باہر جا کر کہیں سے پولیس کو فون کردیں۔ پولیس نے اسے اسپتال پہنچا بھی دیا تو..... ویسے میرا خیال ہے کہ اب دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکے گی۔"

تھائی وانگ چند لمحے پامیلا کی طرف دیکھتی رہی اور پھر خاموشی سے باہر آگئی۔

"پرساد۔ تم اسٹیئرنگ سنبھالو۔ ہمیں دو نمبر مکان میں جانا ہے۔" میں نے کار کے قریب پہنچ کر کہا۔

پرساد نے ٹائیگر کو پچھلی سیٹ پر بٹھا کر دروازہ اندر سے لاک کردیا۔ میں نے دوسری طرف سے پہلے اس لڑکی کو اندر بٹھایا اور اس کے ساتھ خود بھی بیٹھ گیا۔ تھائی وانگ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ پرساد نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

کار کوٹھی سے نکل کر جیسے ہی گلی کے موڑ پر پہنچی' عقب سے پولیس سائرن کی آواز سنائی دی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ پولیس کی ایک گاڑی دوسری طرف سے گلی میں داخل ہو رہی تھی۔ پرساد نے بڑی پھرتی سے کار دوسری گلی میں گھما دی۔

کوٹھی میں فائرنگ کی آوازیں سن کر کسی نے پولیس کو فون کردیا تھا اور ہم بروقت وہاں سے نکل آئے تھے۔

کوسا روڈ سے نکل کر گاڑی راما فور روڈ پر آگئی اور تیز رفتاری سے دوڑنے لگی۔ ایک بجے کے لگ بھگ کا وقت تھا۔ سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھا اس لیے پرساد کو گاڑی دوڑانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔ یہ سیدھی سڑک واٹ ٹریمٹ اور اس سے آگے چائنا ٹاؤن کی طرف چلی گئی۔ پرساد نے واٹ ٹریمٹ سے پہلے ہی بنکاک سینٹر کے قریب سے کار ایک اور سڑک پر موڑ لی اور ہم سونگ واٹ روڈ سے ہوتے ہوئے چکرا پھیٹ روڈ پر آگئے اور پھر کنگ راما ون کے اسٹیچو والے چوک سے کار بائیں طرف مڑ گئی۔

میموریل برج سے دریا پار کرکے ہم تھان بوری ڈسٹرکٹ میں داخل ہوگئے تھے۔ پرساد بڑی مہارت سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ پولیس نے کوٹھی میں زخمی پامیلا یا اس کی لاش دیکھ کر ریڈیو ٹرانس میٹر پر اطلاع نشر کردی ہوگی اور اگر ناکہ بندی شروع ہوگئی تو ہم پھنس جائیں گے۔

لیکن خیریت گزری۔ ہم کسی حادثے سے دوچار ہوئے بغیر فران نوک روڈ پر پہنچ گئے۔ پرساد نے کار کی رفتار اس وقت کم کی تھی جب سوئے فنٹی سیونتھ کی طرف مڑنا تھا۔

گلی میں سناٹا تھا۔ ایک بنگلے کے سامنے اس نے کار روک لی۔ بڑی پھرتی سے نیچے اتر کر گیٹ کھولا اور پھر کار اندر لے گیا۔

پرساد مشینی انداز میں حرکت کر رہا تھا۔ ہمارے کار سے اترنے سے پہلے وہ باہر کا گیٹ بند کر آیا تھا۔

وہ بنگلا تین کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک کمرے میں تہ خانے کا راستہ تھا۔ پرساد نے فرش پر بچھے ہوئے قالین کا کونا ہٹا کر چار مربع فٹ کا ایک تختہ ہٹا دیا جس کے نیچے تاریک سیڑھیاں تھیں۔ پرساد نے دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر ایک سوئچ آن کردیا۔ سیڑھیوں پر روشنی ہوگئی۔

سیڑھیوں کے اختتام پر چند فٹ چوڑی لینڈنگ تھی اور ایک آہنی دروازہ تھا۔ پرساد نے دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو کر بتی جلا دی۔ اس کے پیچھے ہی میں ٹائیگر کو لے کر اندر داخل ہوا تھا۔

تہ خانہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ سیلن اور ایک ناگوار سی بو کا احساس نمایاں تھا۔ اس سیلن ہی کی وجہ سے دیواروں کا پلستر بھی جگہ جگہ سے ادھڑا ہوا تھا۔ اس تہ خانے میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فرش پر بھی گرد جمی ہوئی تھی۔

"ہاں تو مسٹر ٹائیگر۔ تم کچھ دیر یہاں آرام کرو۔ ہم بعد میں تم سے بات کریں گے۔" پرساد نے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔

تہ خانے کا دروازہ بند کرکے ہم اوپر آگئے۔ تختہ فرش پر ڈال کر قالین برابر کردیا گیا۔ دوسرے کمرے میں تھائی وانگ اس لڑکی کو ریوالور کی زد پر لیے کھڑی تھی۔ وہ لڑکی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ خوف و دہشت سے اس کی آنکھیں پھٹی پڑ رہی تھی اور اس کا جسم اب ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے' اس پر ریوالور تاننے کی ضرورت نہیں۔" میں نے تھائی وانگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ نہ تو شور مچائے گی اور نہ ہی بھاگنے کی کوشش کرے گی۔ یہ تو پہلے ہی نیم مردہ ہو رہی ہے۔ اسے مزید دہشت زدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

تھائی وانگ نے ریوالور ہٹالیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میں کافی بنا کر لاتا ہوں باس۔ اس کے بعد کوئی بات کریں گے۔" پرساد یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

میں تھائی وانگ کو اس لڑکی کے پاس چھوڑ کر گھوم پھر کر مکان کا جائزہ لینے لگا۔ وہ آراستہ و پیراستہ مکان تھا۔ ضرورت کی ہر چیز نظر آرہی تھی۔ کچن میں ایک چھوٹا فریج بھی تھا کچھ برتن اور مہند خوراک کے کئی ڈبے بھی نظر آرہے تھے۔

"میں ہر دوسرے تیسرے دن یہاں چکر لگا لیتا تھا۔" پرساد نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "مجھے اندازہ تھا کہ ہمیں کسی ہنگامی

صورتِ حال میں ہی پناہ لینی پڑے گی اس لیے میں نے ضرورت کی ہر چیز یہاں جمع کر رکھی ہے باس۔"

میں نے پسندیدگی کے انداز میں سر ہلا دیا۔ وہ کافی تیار کر چکا تھا۔ میں نے اپنا مگ اٹھالیا۔ پرساد نے باقی مگ ایک ٹرے میں رکھ لیے اور ہم کچن سے نکل کر کمرے میں آگئے۔ ایک مگ اس لڑکی کو بھی دیا گیا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے مگ سامنے چھوٹی میز پر رکھ دیا۔

"تم سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔" میں نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تمہیں ہم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کافی پیو۔ اس سے تمہیں اپنے حواس پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔"

ہم سب اس وقت کافی جیسی تلخ چیز کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ کافی کے چند گھونٹ بھرنے کے بعد میں اپنے آپ کو کچھ پرسکون سا محسوس کرنے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ دارا کی درندگی دیکھ کر میں اپنے حواس پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ اگر تھائی وانگ بروقت مداخلت نہ کرتی تو شاید میرا دماغ پلٹ جاتا۔

"تم وہاں اچانک کیسے پہنچ گئی تھیں؟" میں نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے تھائی وانگ کی طرف دیکھا۔

"تم لوگوں کو گئے ہوئے بہت دیر ہوگئی تھی۔" تھائی نے جواب دیا "فائر کی آواز سنائی دی تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ نجانے کیوں میرا دل کہہ رہا تھا کہ تم دونوں کسی مصیبت میں پھنس گئے ہو۔ میں نے ہینڈ بیگ میں سے ریوالور نکالا اور کار سے اتر کر اس طرف آنے لگی۔ جس وقت میں ٹوٹے ہوئے تاروں والے حصے سے دیوار پھاند کر کھڑکی کے سامنے پہنچی تو اندر کا منظر دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس موٹے نے تم پر گولی چلائی تھی اور دوسرا فائر کرنے کا موقع دیے بغیر میں نے اس پر گولی چلا دی۔ اگر میں وہاں نہ پہنچتی تو وہ تم دونوں کو بھی ختم کر دیتے۔"

"اس وقت درپیش صورتِ حال کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ میری موت یقینی تھی لیکن تم نے ایک بار پھر میری زندگی بچالی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگا "تم بتاؤ۔ تم کون ہو؟"

"مم..... میں بے گناہ ہوں۔" وہ لڑکی ہکلائی "میں کچھ نہیں جانتی۔ آج ہی شام کو شانگ کے ساتھ چیانگ رائے سے آئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں آکر کسی مصیبت میں پھنس جاؤں گی۔"

"شانگ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کک..... کچھ نہیں۔" اس نے جواب دیا "میں چیانگ رائے کے ایک نائٹ کلب کی رقاصہ ہوں۔ رقص میں نے شوقیہ طور پر سیکھا تھا لیکن حالات کی مجبوری مجھے نائٹ کلب تک لے گئی۔ مجھے کلب میں ڈانس کرتے ہوئے ابھی صرف تین ہی مہینے ہوئے ہیں۔ آج سے تقریباً بیس دن پہلے اس نائٹ کلب میں شانگ سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بہت جلد میرے قریب آگیا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں بنکاک کے کسی بڑے نائٹ کلب میں اپنے فن کا مظاہرہ کروں۔ اس کا کہنا تھا کہ جو دولت اور شہرت مجھے بنکاک کے کسی بڑے نائٹ کلب میں صرف دو چار دن میں مل سکتی ہے وہ میں چیانگ رائے میں رہتے ہوئے زندگی بھر نہیں کما سکتی۔ میں لالچ میں آگئی۔ دولت اور شہرت ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے۔ میں نے بھی کوئی غلط نہیں سوچا تھا۔

"اور پھر ایک روز شانگ نے بتایا کہ اس نے بنکاک کے کلب ٹونٹی سکس سے بات کرلی ہے۔ یہ بہت بڑا نائٹ کلب ہے۔ اس کی شہرت میں نے چیانگ رائے میں بھی سنی تھی۔ میں نے شانگ سے پروگرام بنالیا اور آج اس کے ساتھ یہاں پہنچ گئی۔ ہم نے رائل ایمبیسی ہوٹل میں قیام کیا۔ اس ہوٹل میں ہمارے لیے پہلے ہی سے ڈبل بیڈ کا ایک لگژری روم بک تھا۔ میں تو اتنے بڑے ہوٹل میں قیام کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"ہم گیارہ بجے تک ہوٹل کے کمرے میں رہے۔ اس دوران میں شانگ بار بار کسی کو فون کرتا رہا پھر ایک آدمی ہمیں لینے کے لیے پہنچ گیا۔ بعد میں اس کا نام ٹائیگر معلوم ہوا۔ شانگ نے مجھے بتایا تھا کہ ہم نائٹ کلب کے مالک سے ملنے جارہے ہیں۔ وہ مجھے اس بنگلے میں لے آیا۔ شانگ نے مجھے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ اگر میں نے کلب کے مالک کو خوش کردیا تو مجھے کل ہی سے پروگرام ملنا شروع ہوجائیں گے۔

"لیکن اس بنگلے میں پہنچ کر ان کی باتوں سے انکشاف ہوا کہ شانگ ہیروئن کی اسمگلنگ کے کسی ریکٹ کا ایجنٹ ہے اور وہ شخص بھی اسی بزنس سے تعلق رکھتا ہے۔ مجھے بہرحال اس کی پروا نہیں تھی۔ نائٹ کلبوں کی آڑ... میں ایسے بزنس تو ہوتے ہی ہیں۔ مجھے تو اپنے کام سے کام تھا۔ میں تو بنکاک کے سب سے بڑے نائٹ کلب میں ڈانس کرنا چاہتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ صرف ایک رات پروگرام پیش کرکے میں اسٹار بن جاؤں گی۔ ٹائیگر کے بارے میں بھی مجھے بتا دیا گیا تھا کہ وہ بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ ہے۔ تمام چھوٹے بڑے نائٹ کلب اس کے کنٹرول میں ہیں۔ مجھے اس کو بھی خوش رکھنا پڑے گا۔ اس بنگلے میں بیٹھے ابھی یہی باتیں ہورہی تھیں کہ تم لوگوں کی مداخلت سے وہاں خونی کھیل شروع ہوگیا۔ مجھے بالکل معلوم نہیں کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ میں تو ایک معمولی سی رقاصہ ہوں۔ میرا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ اب مجھے یہ بھی یقین ہوگیا ہے کہ شانگ مجھے دھوکے سے یہاں لایا تھا۔" بات کرتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تمہارا نام کیا ہے اور چیانگ رائے میں کون سے نائٹ کلب میں تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"میرا نام نوتا ہے اور میں وہاں کنٹری کلب میں تھی۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے پرساد کو اشارہ کیا کہ وہ ٹیلی فون پر معلوم کرے کہ رائل ایمبیسی ہوٹل میں شانگ کے نام سے کوئی کمرا بک ہوا تھا یا نہیں۔ پرساد اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ اس کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔

"اس ہوٹل میں مسٹر اور مسز شانگ کے نام سے ڈبل بیڈ لگژری روم بک ہے۔ وہاں سے یہ بھی پتا چلا ہے کہ یہ دونوں گیارہ بجے کے لگ بھگ باہر گئے تھے۔ ابھی تک واپس نہیں آئے۔" پرساد نے بتایا۔

"اس حد تک تو تمہارا بیان درست ہے۔" میں نے نوتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کل دن میں ہم چیانگ رائے سے بھی اس کی تصدیق کرلیں گے۔"

"مجھے کنٹری کلب کا فون نمبر معلوم ہے۔ ابھی تصدیق کرلو۔" نوتا جلدی سے بولی۔

میں نے پرساد کی طرف دیکھا۔ وہ دوسرے کمرے سے فون اٹھا لایا اور اس کا پلگ دیوار کے ساکٹ میں لگا دیا۔ میں نے نوتا سے پوچھ کر چیانگ رائے میں کنٹری کلب کا نمبر ملایا۔ اس سے پہلے مجھے ایریا کوڈ زیرو فائیو تھری ملانا پڑا تھا۔

کنٹری کلب میں رات دو بجے تک پروگرام چلتا تھا اور ابھی دو نہیں بجے تھے۔ میری کال جلد ہی ریسیو کرلی گئی۔ جب میں نے نوتا کے بارے میں دریافت کیا تو دوسری طرف سے کہا گیا۔

"وہ آج بنکاک جا چکی ہے۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ سپر اسٹار بننا چاہتی ہے۔ اب ہمارے کلب سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔"

"نوتا تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔" میں نے کہتے ہوئے ریسیور نوتا کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ تقریباً دو منٹ تک رو رو کر فون پر بات کرتی رہی پھر میں نے اس سے ریسیور لے لیا "کیا تم اس آواز کو پہچانتے ہو؟"

"ہاں۔ یہ نوتا ہے لیکن اگر یہ بنکاک میں کسی مصیبت میں پھنس گئی ہے تو ہم اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتے۔ ہمارا اب اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔"

میں نے فون بند کردیا۔ نوتا کے بیان کی تصدیق ہوگئی تھی۔ اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ محض دولت اور شہرت کے لالچ میں شانگ کے ورغلانے پر اس کے ساتھ چلی آئی تھی اور شانگ اس سے کوئی اور کام لینا چاہتا تھا لیکن پہلی ہی رات لڑ بڑ ہوگئی۔

"اب صورتِ حال یہ ہے۔" میں نے نوتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم ایک قتل کی چشم دید گواہ ہو۔ پولیس کو بھی تمہاری ضرورت ہے اور پولیس سے زیادہ دارا اور شانگ کو تمہاری ضرورت ہوگی۔ وہ کبھی یہ نہیں چاہیں گے کہ تم پولیس تک پہنچ سکو۔ وہ تمہیں دیکھتے ہی گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔ اب تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم پولیس کی پناہ میں چلی جاؤ۔ ان حالات میں پولیس ہی تمہیں تحفظ فراہم کرسکتی ہے۔"

"میں انہیں سمجھ گئی ہوں۔ وہ درندے ہیں۔ مجھے مار ڈالیں گے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مجھے اس کی حالت پر ترس آرہا تھا۔ مجھے اس نے بتایا تھا کہ وہ بنکاک میں پہلی دفعہ آئی ہے۔ یہاں اس کا کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے۔ ہم صبح تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔" میں یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

میں اور پرساد غسل خانے میں آگئے۔ ٹائیگر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ ہاتھ پشت پر بندھے ہونے کی وجہ سے اسے شاید اس طرح بیٹھنے میں بھی تکلیف محسوس ہورہی تھی۔

"ہاں تو مسٹر ٹائیگر۔" میں اس کے قریب پہنچ کر بولا "کیا تم ہمارے کچھ سوالوں کا جواب دینا پسند کرو گے؟"

اور ٹائیگر نے جس طرح جواب دیا وہ ہمارے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس کا گھونسا میرے جبڑے پر اور پیر کی زوردار ٹھوکر پرساد کی پنڈلی پر لگی تھی۔ ہم دونوں کراہ اٹھے۔ ٹائیگر نے اٹھ کر دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی تھی لیکن اسے دروازے تک پہنچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میں نے اور پرساد نے بیک وقت اس پر چھلانگ لگائی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ ٹائیگر نے پشت پر بندھے ہوئے ہاتھ کس طرح کھول لیے تھے لیکن اب بہرحال وہ میرے اور پرساد کے بیچ میں فٹ بال بن گیا تھا۔ اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جو ہمارے گھونسوں اور ٹھوکروں سے محفوظ رہا ہو۔ اس کی ناک، منہ اور کان سے بھی خون بہہ رہا تھا۔

پرساد نے تو ہاتھ روک لیا تھا لیکن میرے جنون میں کمی نہیں آئی۔ بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کا شہنشاہ جس کے نام سے ہی لوگ کانپتے تھے، مکمل طور پر بے بس تھا اور میرے رحم و کرم پر تھا۔ ہم دونوں زمین پر گرے ہوئے تھے۔ میں نے اپنا بازو اس کی گردن پر لپیٹ رکھا تھا۔ وہ ہاتھ پیر پٹخ رہا تھا۔ اس وقت مجھے پکولا کے الفاظ یاد آرہے تھے۔ سانپ اپنے اندر مخفی بچی کی قوت سے کام لے کر موٹے تازے پہلوان کی ٹانگ کی ہڈی بھی توڑ دیتا ہے۔ میں نے اپنا بازو سانپ ہی کی طرح ٹائیگر کی گردن پر لپیٹ رکھا تھا اور میرے جسم کی تمام تر قوت اس بازو میں سمٹ آئی تھی اور پھر میں نے ایک زوردار جھٹکا دیا۔ "کڑک" کی آواز ابھری اور گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ٹائیگر بری طرح مچل رہا تھا لیکن میں نے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اس کا جسم بے حس و حرکت نہیں ہوگیا۔

اور جب ہم اس کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے غسل خانے سے باہر

لے کر آئے تھے تو نویتا ایک بار پھر خوف کی شدت سے تھر تھر کانپنے لگی تھی۔

یہ پرساد ہی کی تجویز تھی کہ رات ہی رات میں ٹائیگر کی لاش کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔

"تم فکر مت کرو باس۔" پرساد نے کہا تھا "میں اسے اس طرح لے کر جاؤں گا کہ اگر کسی نے دیکھ بھی لیا تو شبہ نہیں کرے گا۔"

پرساد ٹائیگر کی لاش کو کار میں ڈال کر لے گیا۔ اس کی واپسی دو گھنٹوں بعد ہوئی تھی۔

"صبح تک وہ مچھلیوں کی خوراک بن چکا ہوگا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ ٹائیگر کی لاش کو دریا میں پھینک آیا تھا۔

رات اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ میں رہ رہ کر نویتا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے پولیس کے پاس بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ٹائیگر اور دارا وغیرہ کے خلاف پولیس کے پاس پہلے ہی سے بہت سارے ثبوت موجود تھے لیکن پولیس بھی شاید بے بس ہو گئی تھی کہ ان کے خلاف آج تک کوئی کارروائی نہیں ہو سکی تھی۔ اگر کوئی کارروائی ہوئی بھی تھی تو چھوٹی مچھلیاں ہی پکڑی گئی تھیں یہ مگرمچھ ہمیشہ محفوظ رہے تھے۔

نویتا پامیلا کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی چشم دید گواہ تھی۔ وہ یہی کہہ سکتی تھی کہ دارا نے اس کی موجودگی میں پامیلا کو ذبح کیا تھا لیکن آگے کوئی کارروائی کرنا تو پولیس کا کام تھا۔ اور پولیس اب تک تقریباً بے بس ہی نظر آئی تھی اور مجھے یہ بھی خدشہ تھا کہ نویتا کو پولیس تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے گا۔ موت اس کا مقدر بن چکی تھی۔ کوشلیا' شائی وان اور اب پامیلا کی مثالیں میرے سامنے تھیں۔ انہیں بھی اس لیے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا کہ وہ ٹائیگر اور دارا کے خلاف زبان کھولنا چاہتی تھیں۔

ٹائیگر ختم ہو چکا تھا۔ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا وہ بے تاج بادشاہ جس کے نام نے پورے شہر میں دہشت پھیلا رکھی تھی' اس کی موت بالآخر میرے ہاتھوں ہوئی تھی۔ ویسے وہ بہت بزدل نکلا تھا۔ تہ خانے سے بھاگنے کی معمولی سی کوشش کے سوا اس نے اپنے دفاع میں کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ وہ بالکل کھوکھلا ثابت ہوا تھا اور میرے خیال میں ایسے لوگوں کا مرجانا ہی بہتر تھا۔

اس رات نویتا کو ایک کمرے میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا گیا تھا تاکہ ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ ہم رات کے آخری پہر سوئے تھے اور تقریباً پورا دن سوتے رہے تھے۔ شام کو میں نے ماسٹر ہوچن کو فون کیا تو یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ ٹائیگر کی لاش آج صبح سویرے ہی دریا سے مل گئی تھی۔

"شہر کے چند نوجوان صبح سویرے دریا پر مچھلیاں پکڑنے گئے تھے۔" ماسٹر ہوچن بتا رہا تھا "ٹائیگر کی لاش کنارے کے قریب ہی زیر آب جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس کی قمیص ایک نوجوان کی مچھلیاں پکڑنے والی کنڈی میں پھنس گئی۔ پولیس کو اس لاش کے بارے میں اطلاع دی گئی اور جب لاش کی شناخت ہوئی تو پورے شہر میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آدھے سے زیادہ شہر بند ہو گیا۔ لوگوں کو اندیشہ تھا کہ ٹائیگر کے گرگے شہر میں تباہی مچا دیں گے۔ ٹائیگر کے زیر اثر علاقوں میں تو اب بھی شدید خوف و ہراس ہے۔ تمام نائٹ کلب اور شراب خانے بھی بند ہیں۔ چند بڑے ہوٹل کھلے ہیں جہاں پولیس کا زبردست پہرا ہے۔ سڑکوں پر بھی پولیس گشت کر رہی ہے۔ بعض علاقوں میں اِکّا دُکّا چھوٹے ہنگامے تو ہوئے ہیں لیکن کوئی بڑا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔"

"حیرت ہے۔" میں نے کہا "میرا خیال تھا کہ لوگ ٹائیگر جیسے شخص کی موت پر خوشیاں منائیں گے۔ مٹھائیاں بانٹیں گے لیکن مجھے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ لوگ ڈر کے مارے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے ہیں۔"

"ٹائیگر جیسا کوئی آدمی مرتا ہے تو اس قسم کا ردِعمل تو ہوتا ہی ہے لیکن لوگوں نے بہرحال اس کی موت پر سکھ کا سانس لیا ہے۔ بہرحال' میں اس آدمی کی ہمت کی داد ضرور دوں گا جس نے ٹائیگر کی گردن مروڑ کر اس کی لاش دریا میں پھینک دی تھی۔" ماسٹر ہوچن نے کہا۔

"یہ سعادت بھی تمہارے اس شاگرد کو حاصل ہوئی ہے ماسٹر۔" میں نے کہا۔

"کیا....؟" ماسٹر ہوچن شاید اچھل پڑا تھا۔

میں نے اسے گزشتہ رات کے واقعات کی تفصیل بتا دی اور آخر میں کہا "وہ لڑکی نویتا اب میرے لیے مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا کروں۔"

"اسے ایک دو دن اپنے پاس ہی رکھو۔ بعد میں اس کے لیے کچھ سوچیں گے لیکن" ماسٹر ہوچن ایک لمحے کو خاموش رہ کر بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تم تو ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر نکلے۔ اب مجھے یقین ہے کہ دارا تمہارے سامنے نہیں ٹک سکے گا۔ اسے بھاگتے ہی بن پڑے گی۔"

"وہ بھاگنے والا نہیں ہے ماسٹر۔ میں اس کی فطرت کو سمجھ گیا ہوں۔ وہ ایک دو دن تک اپنی چوٹیں سہلائے گا اور پھر مجھ پر بھرپور وار کرنے کی تیاری کرے گا اور میں اس کی طرف سے غافل نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔

"گڈ۔" ماسٹر ہوچن بولا "اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم اپنا دفاع کر سکتے ہو لیکن ہمیں تمہاری فکر رہتی ہے۔ ملاقات کب ہو رہی ہے؟"

"بس۔ ایک دو دن میں ماسٹر۔" میں نے کہا اور چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد فون بند کر دیا۔

دارا وغیرہ کے خلاف ایک دو کامیابیوں کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں بہت طاقت ور اور اس پر حاوی ہو گیا ہوں۔ وقت اور تجربات نے اگرچہ مجھے زندہ رہنے کے چند گر سکھا دیے تھے لیکن ابھی تو اس راہِ خار زار پر میں نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔ مجھے ابھی بہت کچھ سیکھنا تھا اور مجھے ماسٹر ہوچن اور مہاراج جیسے لوگوں کی سرپرستی کی ضرورت تھی۔ میں اس وقت بھی جو کچھ تھا انہی کی بدولت تھا۔ اگر مہاراج مجھے اپنی پناہ میں نہ لیتا تو آج میں اس طرح خود اعتمادی سے دشمن کے سامنے کھڑے ہونے کے بجائے اپنی جان بچانے کے خوف سے کہیں چھپا ہوا ہوتا۔ مجھے ماسٹر ہوچن اور مہاراج جیسے لوگوں کی ضرورت تھی۔ انہیں چھوڑنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے تھوڑی دیر بعد تھائی وانگ نے جانکی دیوی کو فون کیا۔ وہ ہمارے لیے بہت پریشان تھی۔ صبح پہلے وہ خود بنگلے پر گئی تھی پھر دن میں کئی مرتبہ فون کیا تھا۔ تھائی نے اسے بھی تمام واقعات سے آگاہ کر دیا اور بتایا کہ ہم محفوظ ہیں۔ ایک دو دن بعد اس کے بنگلے پر جائیں گے۔ تھائی نے اسے یہاں کا فون نمبر بھی دے دیا تھا۔

نویتا نے ہمارے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کیا تھا۔ وہ خوف زدہ تھی۔ ساری صورتِ حال اب اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ یہاں سے باہر نکلتے ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اس مکان کی چار دیواری ہی اس کے لیے محفوظ ترین پناہ گاہ تھی۔ وہ اس پناہ گاہ سے باہر نہیں نکلنا چاہتی تھی اس لیے مجھے بھی اب اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ اس پر ہم نے کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ اسے اگرچہ پورے گھر میں گھومنے پھرنے کی آزادی تھی لیکن وہ خود ہی ایک کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو کچن تک چلی جاتی۔

نویتا پہلی مرتبہ بنکاک آئی تھی۔ اس کا باپ چیانگ رائے میں ٹورسٹ گائیڈ تھا۔ لیکن عرصہ پہلے ایک حادثے کا شکار ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ اس وقت نویتا کی عمر بارہ سال تھی۔ ماں نے ایک ویٹریس کی حیثیت سے ہوٹل میں ملازمت کر لی۔ نویتا بھی پڑھائی کے ساتھ ساتھ جز وقتی کام کرنے لگی۔ اس دوران میں وہ رقص کی تربیت بھی حاصل کرتی رہی۔ سیام (تھائی لینڈ) کے روایتی رقص کے علاوہ اس نے ہندوستانی رقص بھی سیکھا تھا لیکن یہ محض اس کا شوق تھا۔

ماں کی موت کے بعد وہ اکیلی رہ گئی۔ اس کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور اس نے ملازمت شروع کر دی۔ وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے بے خبر نہیں تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر تک تو بقول اس کے وہ قیامت بن گئی تھی اور پھر وہ لباس بھی ایسے پہنتی کہ اس کے بدن کے نشیب و فراز نمایاں ہو جاتے۔ مردوں کی ہوس بھری نظریں دور تک اس کا تعاقب کرتی رہتیں۔ وہ خوف زدہ ہونے کے ساتھ ایسی باتوں سے محظوظ بھی ہوتی تھی جن سے مردوں کے جذبات میں اشتعال پیدا ہوتا ہو۔ بعض اوقات تو وہ جان بوجھ کر بھی ایسی حرکتیں کرتی تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ اپنے آپ کو صاف بچا لے جاتی تھی لیکن ایک روز بکری چھری کے نیچے آ ہی گئی۔

نویتا کو اپنی جمالت کا احساس ہو گیا۔ اتنا تو وہ جانتی تھی کہ مرد اس کے حسن و شباب کے شیدائی ہیں۔ وہ اسے اپنے بستر کی زینت تو بنانا چاہتے ہیں لیکن نویتا کو کسی میں خلوص کی جھلک نظر نہیں آئی تھی۔ وہ صرف اس کے جسم کے طلب گار تھے اور نویتا اس طرح مردوں کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں بننا چاہتی تھی۔ اس نے رقص کو اپنا وسیلہ روزگار بنانے کا فیصلہ کر لیا اور تین مہینے پہلے اس نے رقاصہ کی حیثیت سے کنڑی کلب میں پروگرام شروع کر دیے۔ یہاں شانگ سے ملاقات ہو گئی اور وہ اسے دھوکے سے بنکاک لے آیا۔ یہاں آ کر وہ ایسی مصیبت میں پھنس گئی کہ اسے نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

اس دوران میں نویتا میرے بارے میں تھوڑا بہت جان چکی تھی۔ اس پر موت کا خوف طاری تھا اور وہ جانتی تھی کہ میں ہی اس کی کوئی مدد کر سکوں گا اس لیے وہ اس قدر شرافت کا ثبوت دے رہی تھی اور اس نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

دو تین دن گزر گئے تھے۔ نویتا سے باتوں میں انکشاف ہوا کہ پتایا میں اس کی رشتے کی ایک خالہ رہتی ہے جو وہاں محکمہ سیاحت میں ٹورسٹ گائیڈ ہے۔

"بنکاک میں تمہاری زندگی محفوظ نہیں۔ چیانگ رائے تم واپس نہیں جانا چاہتیں۔ میرے خیال میں تم پتایا چلی جاؤ۔ اپنی خالہ کے پاس۔ وہ جگہ تمہارے لیے محفوظ رہے گی۔" میں نے نویتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ظاہر ہے ہم اسے زیادہ عرصے تک اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے تھے۔

نویتا بڑی مشکل سے آمادہ ہوئی تھی۔ دراصل وہ ہمارے ساتھ رہنے کو اپنے لیے محفوظ سمجھتی تھی اور ہمارا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

پامیلا کے قتل (دوسرے روز مجھے پامیلا کی موت کی خبر مل گئی تھی) کو لے واقعے کو پانچ دن ہو چکے تھے۔ پولیس کی سرگرمیاں اگرچہ ماند پڑ گئی تھیں لیکن مجھے یقین تھا کہ ٹائیگر اور دارا کے آدمی شکاری کتوں کی طرح ہماری تلاش میں پورے شہر میں پھر رہے ہوں گے۔

پتایا۔ یہ خوب صورت ساحلی شہر بنکاک کے مشرق میں تقریباً ڈیڑھ سو کلو میٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ غیر ملکی سیاحوں کے لیے یہاں بہت سی دلچسپیاں تھیں۔ عام باشندے بھی بڑی تعداد میں اس طرف جاتے رہتے تھے۔ ہائی وے نمبر تین سے ڈھائی تین گھنٹوں کا راستہ تھا۔ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کے علاوہ پرائیویٹ بسیں اور

کو چند بھی چوہیں گھنٹے چلتی رہتی تھیں۔

اس روز ہم صبح پانچ بجے گھر سے نکلے تھے۔ اسٹیئرنگ کے سامنے حسب معمول پرساد تھا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر میں اور پیچھے تھائی وانگ اور نوتا بیٹھی ہوئی تھیں۔ مشرقی بس ٹرمینل تک پہنچنے کے لیے پورا شہر پار کرنے کی ضرورت تھی۔ ہمارا پروگرام یہ تھا کہ نوتا کو بتایا جانے والی بس پر بٹھا کر ہم جانکی دیوی والے بنگلے پر واپس چلے جائیں گے۔

اس وقت سڑکوں پر ٹریفک برائے نام ہی تھا۔ پرساد کو تیز رفتاری سے کار چلانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔ مختلف سڑکوں اور پھر سوکھم وٹ روڈ پر ہوتے ہوئے ہم چھ بجے سے پہلے ہی بس اسٹیشن پہنچ گئی تھی۔ ہردس پندرہ منٹ بعد کوئی نہ کوئی بس اڈے سے نکل رہی تھی۔

نوتا خوف زدہ تھی۔ میں بھی محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ نوتا ایک کوچ پر بیٹھ چکی تھی۔ تھائی وانگ نے اسے کچھ رقم بھی دے دی تھی۔ ہم اس وقت تک ٹرمینل پر کھڑے رہے جب تک بس حرکت میں نہیں آگئی۔

واپسی پر ہم ایکسپریس وے سے ہوتے ہوئے تھنگ ڈسٹرکٹ کی طرف نکل آئے اور مختلف چھوٹی سڑکوں پر ہوتے ہوئے ٹاکسن برج پار کرکے تھان بوری ڈسٹرکٹ میں داخل ہوگئے۔ وہاں سے جانکی دیوی والے بنگلے تک پہنچنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ بنگلے میں پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد تھائی وانگ ناشتا تیار کرنے کے لیے کچن میں گھس گئی۔ ناشتے کے لیے کچھ چیزیں ہم راستے سے لیتے آئے تھے۔

جانکی دیوی کو ہم نے کل رات ہی اپنے پروگرام سے آگاہ کردیا تھا اس لیے نو بجے کے قریب اس کا فون آگیا۔

"تمہارے لیے ایک اہم اطلاع ہے وجدان۔" جانکی نے کہا۔

"میں سن رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تم نے بتایا تھا کہ اس رات کے ہنگامے میں شانگ' تھائی وانگ کی گولی سے زخمی ہوگیا تھا۔" جانکی دیوی نے کہا "میں نے اس چینی کا سراغ لگالیا ہے؟"

"کیا۔" میں اچھل پڑا۔ میں نے جانکی کو اس قسم کی کوئی ذمے داری نہیں سونپی تھی کیونکہ میں اسے ان ہنگاموں سے دور ہی رکھنا چاہتا تھا "میں نے تو تمہیں ایسا کوئی کام نہیں کہا تھا جانکی دیوی۔" میں نے کہا۔

"محض اتفاق سے ہی اس کا پتا چلا ہے۔" جانکی دیوی نے جواب دیا "کل شام تمہارا فون آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد میری ایک دوست سونالی مجھ سے ملنے آگئی تھی۔ وہ ایک پرائیویٹ اسپتال میں سرجن ہے۔ اس نے بتایا کہ چند روز پہلے آدھی رات کے بعد اس کے گھر میں دو آدمی گھس آئے تھے۔ ایک بھاری بھرکم چینی اور دوسرا انڈین تھا۔ وہ دونوں زخمی تھے۔ چینی کو بازو میں گولی لگی تھی اور اس انڈین کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ میرا خیال ہے یہ اس رات کی بات ہے جب تمہاری دارا وفیوسے جھڑپ ہوئی تھی۔ انہوں نے سونالی کے چھ سالہ بیٹے کو یرغمال بنالیا اور سونالی سے اپنا علاج کرواتے رہے۔ وہ دونوں اب بھی اس کے گھر پر ہیں۔ انہوں نے سونالی کو دھمکی دی ہے کہ اگر اس نے ان کی موجودگی کے بارے میں کسی کو بتایا تو نہ صرف اس کے بیٹے کو بلکہ اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

"اوہ....." میں یہ بات سن کر اچھل پڑا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شانگ کے ساتھ دوسرا آدمی دارا تھا۔ اس رات وہ میرے ہاتھوں بری طرح پٹا تھا "کیا تم مجھے سونالی کے گھر کا پتا بتا سکتی ہو؟"

"اگر تمہارا کچھ کرنے کا ارادہ ہے تو اس طرح سونالی اور اس کے بیٹے کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔" جانکی دیوی نے کہا۔

"میں صرف اس مکان کی نگرانی کرنا چاہتا ہوں تاکہ جب وہ لوگ وہاں سے نکلیں تو ان کا تعاقب کرکے ان کے ٹھکانے کے بارے میں معلوم کیا جائے۔ یقین کرو جانکی۔ میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا۔" میں نے کہا۔

"تمہارا نہیں تو اور کس کا یقین کروں گی۔" جانکی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "سونالی کا مکان اس جگہ سے زیادہ دور نہیں جہاں تھائی وانگ کا مکان تھا۔ ٹاکسن روڈ پر اسٹیٹ ایٹی ٹو میں دائیں طرف تیسرا مکان ہے۔"

"گڈ۔" میں نے کہا "اگر کوئی اور بات معلوم ہو تو مجھے فوراً اطلاع دینا۔" میں نے فون بند کردیا اور تھائی کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔

"ٹاکسن روڈ۔ اسٹیٹ ایٹی ٹو۔" اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی "میرا مکان اس کے سامنے نہر کی طرف تھا۔ اسٹیٹ ایٹی ٹو میں میری ایک دوست رہتی ہے۔ ایک منٹ۔ مجھے سوچنے دو۔ میں اس کا فون نمبر یاد کرنے کی کوشش کررہی ہوں۔"

یہ ایک دلچسپ صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔ تھائی وانگ طویل عرصے سے اس علاقے میں رہائش پذیر تھی۔ کچھ لوگوں سے اس کے تعلقات ضرور ہوں گے اور اتفاق سے اسٹیٹ ایٹی ٹو میں اس کی کوئی دوست بھی موجود تھی۔

"ایک منٹ!" تھائی وانگ خود کلامی کے انداز میں بولی اور پھر کاغذ اور بال پین اٹھا کر کچھ لکھنے لگی "یہ ہے اس کا نمبر۔ میں ابھی معلوم کرتی ہوں۔"

وہ فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگی۔ لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ دوسری طرف سے فوراً ہی کال ریسیو کرلی گئی۔

"ہیلو مائے۔ میں تھائی وانگ بول رہی ہوں۔" تھائی وانگ بولی۔ کچھ دیر تک دوسری طرف کی آواز سنتی رہی پھر بولی "ہاں مجبوری ہے۔ میں فی الحال سامنے نہیں آسکتی۔ تمہاری گلی میں سونالی نام کی کوئی ڈاکٹر رہتی ہے۔ اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہے۔"

"اس بے چاری کے ساتھ تو بہت بڑی ٹریجڈی ہوگئی ہے تھائی۔" دوسری طرف سے کہا گیا "دو بدمعاش پانچ چھ روز سے اس کے گھر میں گھسے ہوئے تھے۔ اسے دھمکی دی تھی کہ اگر ان کے بارے میں کسی کو بتایا تو وہ اسے اور اس کے بیٹے کو قتل کردیں گے۔ آج صبح چار بجے وہ اس کے بیٹے کو یرغمال بنا کر اس کے گھر سے نکلنا چاہتے تھے۔ سونالی نے مزاحمت کی تو انہوں نے نہ صرف اس کے بیٹے کو قتل کردیا بلکہ سونالی بھی شدید زخمی ہوئی ہے۔ وہ اس وقت زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا اسپتال میں پڑی ہے۔ اس کے گھر پر پولیس کا پہرا ہے۔ پولیس والے اس گلی میں رہنے والوں سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ وہ کون لوگ تھے مگر تم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہی تھیں؟"

"مجھے اس بارے میں کچھ بھنک ملی تھی۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے میرا گھر جلایا تھا۔ میں سونالی کی مدد کرنا چاہتی تھی لیکن....."

"تم پولیس کو بتا کر اب بھی اس کی مدد کرسکتی ہو۔" سونالی نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "اگر پولیس کو ان کے بارے میں بتا دیا جائے تو انہیں آسانی سے گرفتار کیا جاسکتا ہے۔"

"ہاں.... میں پولیس سے رابطہ کروں گی اور ایک دو روز بعد تم سے ملاقات کروں گی۔" تھائی وانگ نے یہ کہتے ہوئے جواب کا انتظار کیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

"مائے کون ہے؟" میں نے پوچھا۔ میں قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اور ساری باتیں سن لی تھیں۔ مجھے اس افسوس ناک واقع پر افسوس ہوا تھا۔ دارا واقعی خوں خوار بھیڑیا تھا۔ انسانی زندگی کی اس کے نزدیک واقعی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ بڑی بے رحمی سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار رہا تھا۔

"مائے کا مساج پارلر ہے۔ ہوٹل پلازا میں لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" تھائی وانگ نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"اگر یہ قابل اعتماد ہو تو اس سے کچھ کام لیا جاسکتا ہے۔" میں نے کہا "دارا کے ٹھکانے کا پتا لگانا ضروری ہے اور اس کا سراغ اسی گیسٹ ہاؤس سے ہی مل سکتا ہے جہاں پہلی بار میری اس سے مڈھ بھیڑ ہوئی تھی۔ میں اور پرساد وہاں جا نہیں سکتے۔ تمہارا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ کام کسی ایسی ہستی سے لیا جاسکتا ہے جس پر کسی قسم کا شبہ نہ کیا جاسکے۔"

"ایسی صورت میں مجھے خود مائے کے پاس جانا پڑے گا تاکہ اسے بات سمجھائی جاسکے۔" تھائی وانگ نے جواب دیا۔

اور پھر اس رات بارہ بجے کے قریب ہم ٹاکسن روڈ کی اسٹریٹ ایٹی ٹو پر واقع مائے کے گھر میں موجود تھے۔ اپنے مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے تھائی وانگ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے تھے۔ مکان کی جگہ پر ملبے کا ڈھیر ابھی تک پڑا ہوا تھا۔

مائے کی عمر بتیس کے لگ بھگ تھی۔ وہ دراز قامت اور حسین عورت تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے یاد آگیا کہ میں نے کسی میگزین کے ایک اشتہار میں اس کی تصویریں بھی دیکھی تھیں۔ وہ شادی شدہ تھی لیکن اس کا شوہر کئی سال پہلے برا گیا تھا اور اس کے بعد لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ اس کے بارے میں خیال تھا کہ مرکھپ چکا ہے۔ زندہ ہوتا تو اس کے بارے میں کوئی اطلاع ضرور ملتی۔

مائے کو اپنی بات سمجھانے میں آدھا گھنٹا لگا تھا اور بالآخر وہ ہمارا ساتھ دینے پر تیار ہوگئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی "میں کل ہی سے اس مشن پر کام شروع کردیتی ہوں۔"

مائے سے رخصت ہو کر ہم واپس پہنچے تو رات کے دو بج رہے تھے۔

اس کے تیسرے ہی دن مائے سے ایک دلچسپ رپورٹ مل گئی۔ تھائی وانگ نے اسے خود فون کیا تھا۔ مائے نے بتایا کہ شانگ تو چیانگ رائے واپس جاچکا ہے اور دارا وقتی طور پر سوای رگوناتھ کے آشرم میں پناہ لے چکا ہے جبکہ کم اور چی فانگ بھی شہر میں کسی جگہ روپوش ہیں۔

سوامی رگوناتھ کے آشرم کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ یتیم خانے کی طرح کا بے سہارا بچوں اور عورتوں کا کوئی ادارہ ہوگا لیکن تھائی وانگ میری یہ بات سن کر مسکرا دی تھی۔

"یہ اس طرح کا آشرم نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔" اس نے کہا۔

"آشرم تو آشرم ہی ہوتا ہے۔" میں نے اس کی پوری بات سنے بغیر کہا۔ "میرا خیال ہے جانکی دیوی یہ کام کرسکتی ہے۔ وہ ہندو ہے اور کسی ہندو عورت کے لیے آشرم میں داخل ہونا زیادہ مشکل نہیں۔"

"پہلے میری بات سمجھ لو پھر اپنی بات کرنا۔" تھائی نے کہا "تم نے رجنیش دیوتا کے بارے میں کچھ نہیں سنا ہوا۔ یہ ہندوستان کا سنیاسی تھا۔ یہ غالباً تیس سال پہلے کی بات ہے۔ اس نے ہندوستان کے شہر پونا کے قریب ایک چھوٹے سے آشرم میں عجیب و غریب اور پراسرار قسم کے روحانی خیالات کا پرچار شروع کیا۔ وہ فطرتاً ایک عیاش آدمی تھا۔ عورت' شراب اور دولت اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی مگر وہ کھل کر اپنی یہ خواہشات پوری نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے مذہب اور روحانیت کی آڑ لے کر ایسے خیالات کا اظہار کرنا شروع کردیا جن میں بنیادی طور پر جنسی بے راہ روی کو آزادی کا نام دیا گیا۔ دولت مند گھروں کی آزادی پسند لڑکیاں اور لڑکے اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ اس کے چیلوں کی تعداد میں روز

بروز اضافہ ہوتا رہا۔ نشہ اور جنسی بے راہ روی اس کے مذہب میں جائز تھی۔ وہ خود ایسی اخلاق سوز حرکتیں کرتا اور اپنے چیلوں کو بھی اس کی ترغیب دیتا۔ اس کے چیلوں میں ایسی غیر ملکی عورتیں اور مرد بھی شامل تھے جو روحانیت کی تلاش میں دنیا بھر میں بھٹکتے رہتے تھے۔

"ہندوستان میں رجنیش پر پابندیاں لگنے لگیں تو وہ امریکا منتقل ہوگیا۔ وہاں بھی لوگ اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ ان کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہوتا رہا۔ اس کے چیلوں کو روحانی آسودگی حاصل ہوئی یا نہیں؟ یہ ایک الگ موضوع ہے لیکن رجنیش کی خواہشات پوری ہو رہی تھیں۔ اس کے پاس عیاشی کا ہر سامان موجود تھا۔ سفر کے لیے لاتعداد رولس رائز کاریں' رہائش کے لیے عالی شان مکان' بوڑھیا شراب اور جوان و حسین لڑکیاں۔ یہ وہ لڑکیاں تھیں جو روحانیت کی جستجو میں اس کے پاس آتی تھیں اور اس کے ایک اشارے پر بے لباس ہو کر اس کے قدموں میں لوٹنے لگتی تھیں۔ رجنیش روس کے راسپوٹین سے زیادہ گندہ اور غلیظ آدمی تھا۔ وہ کچھ ایسی پراسرار قوتوں کا مالک تھا کہ ایک مرتبہ اس سے نظریں ملانے والا بھی کوئی شخص اس کے جال سے نکل نہیں سکتا تھا۔

"۱۹۸۵ء میں جب امریکیوں نے محسوس کیا کہ اس کی تعلیمات نوجوانوں کو جنسی بے راہ روی اور گمراہی کی طرف لے جا رہی ہیں تو امریکی حکومت نے اسے گرفتار کرلیا۔ اس پر لاتعداد مقدمات بھی قائم ہوئے پھر اسے ملک بدر کردیا گیا اور بالآخر ۱۹۹۰ء میں بھارت میں اس کا انتقال ہوگیا۔" تھائی وانگ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "یہ سوامی رگوناتھ بھی اسی قسم کا آدمی ہے جو چند سال پہلے بھارت ہی سے یہاں آیا تھا۔ کچھ عرصہ وہ انڈین ٹیپل میں رہا لیکن اس کی غیر اخلاقی اور حیا سوز حرکتوں کی وجہ سے اسے مندر سے نکال دیا گیا۔ اس نے بنکاک کے مشرق میں قدیم شہر سے کچھ فاصلے پر ایک آشرم بنالیا تھا۔ جہاں وہ ایسی ہی تعلیمات دیتا ہے جس کا پرچار رجنیش بھگوان کیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں وقتاً فوقتاً اخبارات میں کچھ نہ کچھ چھپتا رہتا ہے۔ بعض اخبارات نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ آشرم منشیات اور جرائم کا بہت بڑا اڈا ہے۔ لوگ سنگین جرائم کرنے کے بعد یہاں پناہ لیتے ہیں لیکن قانون آج تک اس کے خلاف حرکت میں نہیں آیا کیونکہ اس کے چیلوں میں بعض ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو حکومت میں اونچی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"دلچسپ۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "اس کا مطلب ہے' مائے کی رپورٹ درست ہی معلوم ہوتی ہے اور میرا خیال ہے کہ جانکی دیوی کو مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے وہاں بھیجنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔"

"اگر وہ تیار نہیں ہوئی تو؟" تھائی وانگ نے کہا۔

"تو پھر کوئی اور ترکیب سوچیں گے۔ بہرحال' صبح میں خود جانکی سے بات کروں گا۔" میں نے کہا۔

اگلے روز جانکی دیوی سے بات ہوئی تو وہ فوراً ہی اس کے لیے تیار ہوگئی "اگر کوئی خطرہ محسوس کرو تو وہاں سے نکلنے میں دیر مت کرنا۔" میں نے کہا۔

"سنا تو میں نے بھی یہی ہے کہ وہ آشرم جرائم کا بہت بڑا اڈا ہے اور جرائم پیشہ لوگ گرفتاری سے بچنے کے لیے وہیں پناہ لیتے ہیں اور جب ان کا معاملہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے تو وہ آشرم سے نکل کر دوبارہ اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ بہرحال' میں کوشش کروں گی کہ معاملہ الجھنے نہ پائے۔" جانکی دیوی نے کہا۔

جانکی دیوی کے جانے کے بعد اس رات میں نے ماسٹر ہوچن سے بات کی۔ اس نے یہ دلچسپ خبر سنائی کہ ٹائیگر کی موت کے بعد پیڈرو نے زیر زمین دنیا کی کمان سنبھال لی تھی اور اس نے اعلان کیا تھا کہ جب تک ٹائیگر کے قتل کا بدلہ نہیں لے لگا۔ چین سے نہیں بیٹھے گا۔ ٹائیگر نے میرے سر کی قیمت ایک ملین بھات مقرر کر رکھی تھی۔ پیڈرو نے یہ قیمت دو ملین بھات کردی۔

پیڈرو کے بارے میں معلوم کرنا ضروری تھا کہ وہ کون ہے اور یہ معلومات صرف اور صرف رامن پرساد ہی حاصل کرسکتا تھا۔ رامن پرساد کو یقین تھا کہ اسے ٹائیگر کے کسی آدمی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سات آٹھ دن پامیلا کے ساتھ رہا تھا اور اس دوران میں اس نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ کبھی کسی آدمی کو اپنی نگرانی کرتے ہوئے نہیں پایا تھا۔ لیکن پھر یکایک مجھے ایک اور خیال آگیا۔ پرساد نے بتایا تھا کہ شروع میں اسے پامیلا کے ساتھ دیکھ کر انہیں کسی قسم کا شبہ ہوا تھا اور اس کے بارے میں کچھ معلومات بھی حاصل کی گئی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ پرساد کو ان کے کسی اڈے پر بھیجنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

"تم اس کی فکر مت کرو باس۔ وہ مجھے نہیں پہچان سکیں گے۔" پرساد نے کہا "تمہیں یاد ہے جب میں یہاں سے گیا تھا تو میرے بال چھوٹے تھے اور لباس سے بھی میں بندے دا پتر ہی لگ رہا تھا اور ویسے بھی کئی روز ہوچکے ہیں۔ اگر بال بڑھا کر مونچھیں رکھ لی جائیں تو ان کے فرشتے بھی مجھے نہیں پہچان سکیں گے۔"

"لیکن اس میں کئی روز لگ جائیں گے۔" میں نے کہا۔

"کئی روز۔" پرساد مسکرایا "مونچھیں اور بال تو چٹکی بجاتے میں آسکتے ہیں۔" وہ الماری میں سے براؤن بالوں والی ایک وگ اور مونچھیں نکال لایا۔

"یہ چیزیں کئی روز پہلے میں نے یہاں لاکر رکھی تھیں اور اب ان کے استعمال کا وقت آگیا ہے۔" اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر وگ سر پر جمائی اور ٹوتھ برش ٹائپ کی مونچھیں ہونٹوں پر چپکالیں۔ اس حلیے میں واقعی اس کے چہرے میں بڑی تبدیلی آگئی تھی۔

"میں ایسے ہی ذرا ان کے علاقے کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔ اگر کوئی گڑبڑ نظر آئی تو پروگرام بدل دیں گے۔"

میں جانتا تھا کہ پرساد میرے روکے نہیں رکے گا اس لیے میں نے اسے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

اس کی واپسی تقریباً چار گھنٹوں بعد ہوئی تھی۔ اس وقت شام کے پانچ بج رہے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ نوتیا کو کار سے اترتے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ بہت خوف زدہ نظر آرہی تھی۔ اندر آکر اس نے مجھے اور تھائی کو دیکھا تو اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ وہ ابھی ہوئی نظروں سے پرساد کی طرف دیکھنے لگی۔ پرساد نے وگ اور مونچھیں اتار دیں تو نوتیا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

"ہم نے تو تمہیں اس روز پتایا جانے والی کوچ پر سوار کرایا تھا۔ تم دوبارہ یہاں کیوں آگئیں؟" تھائی وانگ نے اسے گھورا۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملی؟" میں نے نوتیا کے بولنے سے پہلے پرساد سے پوچھا۔

"میں سوکھم واٹ روڈ کی طرف سے آرہا تھا کہ یہ ہوٹل بلیوارڈ کے سامنے کھڑی ہوئی نظر آگئی۔ میں گاڑی روک کر اس کے پاس آگیا۔ میں نے اس سے بات کرنا چاہی تو یہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ ممکن ہے کہ مجھے کوئی غنڈا سمجھ کر شور مچا دیتی لیکن میں نے اسے اپنا نام بتایا اور کچھ پچھلی باتیں یاد دلائیں تو یہ خاموشی سے میرے ساتھ کار میں بیٹھ گئی۔ تم لوگوں کو دیکھنے سے پہلے تک یہ ڈری ہوئی تھی اور شاید یہی سوچ رہی تھی کہ کسی غلط آدمی کے ہاتھ لگ گئی ہے۔"

"تم واپس کیوں آگئیں؟" اس مرتبہ میں نے نوتیا سے پوچھا۔

"جب میں پتایا پہنچی تو بڑی مشکل سے میں نے اپنی خالہ کا ایڈریس تلاش کیا لیکن پتا چلا کہ وہ چیانگ رائے گئی ہوئی ہے اور ایک ہفتے بعد واپس آئے گی۔ وہاں مجھے خالہ کا ایک دوست مل گیا۔ وہ بھی محکمہ سیاحت میں ٹورسٹ گائیڈ ہے۔ اس نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے مجھے اپنے گھر میں رہنے کو جگہ دے دی۔ تین چار روز تو خیریت سے گزر گئے اور پھر ایک روز وہ شراب کے نشے میں میرے کمرے میں گھس آیا۔ وہ اپنی ہمدردی کی قیمت وصول کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس رات بڑی مشکل سے اپنے آپ کو بچایا اور صبح ہوتے ہی وہاں سے نکل گئی۔ دو تین دن ایک ہوٹل میں گزارے۔ وہاں بھی میں ہر وقت اپنے لیے خطرہ محسوس کرتی رہی۔ کل میں نے محکمہ سیاحت کے دفتر سے خالہ کے بارے میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ اس نے ایک ہفتے کی مزید چھٹی لے لی ہے۔ میں آج سپر بنکاک آگئی اور یہاں تم لوگوں کو تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ مجھے یہ بھی خوف تھا کہ اگر شانگ کے آدمیوں نے دیکھ لیا تو مجھے گولی مار دیں گے۔"

"بنکاک جیسے شہر میں ایڈریس کے بغیر کسی کو تلاش کرلینا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم پرساد کی نظروں میں آگئیں اور وہ تمہیں یہاں لے آیا۔ ویسے مجھے ایک اور بات یاد آرہی ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "اس روز تم نے بتایا تھا کہ شانگ کے ساتھ شام کے وقت بنکاک پہنچی تھیں اور رات گیارہ بجے تک ہوٹل کے کمرے میں رہی تھیں پھر ٹائیگر اور شانگ کے ساتھ اس کوٹھی میں آگئی تھیں جہاں دارا اور تم لوگوں کا مختصر تھا۔ کیا اس دوران میں کسی اور آدمی سے بھی تم لوگوں کی ملاقات ہوئی تھی؟"

"نہیں۔" نوتیا نے مختصر سا جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ٹائیگر' پامیلا' دارا اور شانگ کے سوا کوئی اور تمہیں نہیں پہچانتا۔" میں نے کہا "پامیلا اور ٹائیگر مرچکے ہیں۔ شانگ چیانگ رائے واپس جاچکا ہے اور دارا ایک ایسی جگہ روپوش ہے جہاں سے کئی روز تک وہ باہر نہیں آئے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہیں فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں ہے اور تم آزادی سے گھوم پھر سکتی ہو۔"

بات نوتیا کی سمجھ میں آگئی تھی۔

اور پھر اسی رات رامن پرساد اپنے مشن پر روانہ ہوا تو نوتیا بھی اس کے ساتھ تھی۔ میری باتوں سے نوتیا کا خوف بڑی حد تک ختم ہوگیا تھا اور اس کا اعتماد کسی حد تک بحال ہوا تھا۔

ان دونوں کی واپسی رات دو بجے کے قریب ہوئی تھی۔ تشویش ناک خبر یہ تھی کہ پیڈرو نے مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے ایک ڈیتھ اسکواڈ تشکیل دیا تھا جس میں بنکاک کے چار سفاک ترین پیشہ ور قاتل شامل تھے۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ مجھے جہاں بھی دیکھیں' پکڑنے کی کوشش کرنے کے بجائے میرے ٹکڑے کردیں اور وہ ٹکڑے ایک بوری میں بند کرکے تحفے کے طور پر مہاراج کو بھیج دیے جائیں۔

ماسٹر ہوچن نے کئی بار مجھے خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس کی ہر بات کو ٹال دیا تھا لیکن اب صورت حال سنگین تر ہوچکی تھی۔ میں بزدل تو نہیں تھا۔ اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا اس سے میرے اندر خود اعتمادی پیدا ہوئی تھی لیکن حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی میرے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی تھی۔ میں ایک دو دشمنوں کا مقابلہ تو کرسکتا تھا لیکن قاتلوں کا ایک گروہ میرے پیچھے لگ گیا تھا۔ وہ شکاری کتوں کی طرح میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔

اگلے روز ایک اور تشویش آمیز خبر سننے کو ملی۔ پیڈرو کے آدمیوں نے فران نوک روڈ والے اس مکان کا سراغ لگالا تھا جہاں میں نے ٹائیگر کو ہلاک کیا تھا اور تہ خانے سے ٹائیگر کی گھڑی بھی انہیں مل گئی تھی جو لڑائی کے دوران میں اس کی کلائی سے نکل کر وہاں گر گئی تھی۔

یہ خبر بھی اس روز پرساد ہی نے سنائی تھی۔ اس رات وہ

گیسٹ ہاؤس کا چکر لگا کر آیا تھا اور جس میز پر وہ نوتا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اس کے پیچھے والی میز پر بیٹھے ہوئے دو آدمی یہ باتیں کر رہے تھے۔

"پیڈرو تو کچھ زیادہ ہی تیز جا رہا ہے۔" میں نے پرساد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس نے فران نوک والے مکان کا سراغ لگا لیا ہے۔ وہ یہاں بھی پہنچ سکتا ہے۔ سب سے پہلے وہ لوگ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ وہ مکان کس نے کرائے پر لیا تھا۔"

"مکان کے ایگری منٹ کے ذریعے تو وہ میرا سراغ نہیں لگا سکتے۔ میں نے ایک فرضی نام اور پتا لکھوایا تھا اور جب نوٹ سامنے رکھے ہوئے ہوں تو اسٹیٹ ایجنٹ بھی کسی بات پر زیادہ اصرار نہیں کرتا۔ اسے اپنے کمیشن سے مطلب ہوتا ہے۔ البتہ یہ کار ہمارے لیے کچھ الجھن پیدا کر سکتی ہے۔" پرساد نے کہا۔

میں کچھ بولنے کے بجائے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کار کرائے پر لیتے وقت میں نے فلیٹ کا پتا لکھوایا تھا۔ اس فلیٹ سے وہ کچھ معلوم نہیں کر سکتے لیکن کار کی نمبر پلیٹ.... یہ کار اس مکان میں بھی جاتی رہی ہے اور یہاں بھی۔ اس مکان کے پڑوسیوں سے وہ کار کے بارے میں بھی معلوم کر لیں گے اور پھر اگر وہ لوگ ادھر آ گئے' جیسا کہ مجھے توقع ہے' تو ان کے لیے یہ معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا کہ اس کار کا تعلق اس بنگلے سے بھی ہے۔"

"اور انہیں یہ بھی پتا چل جائے گا کہ یہ بنگلا جانکی دیوی کا ہے۔ اس طرح جانکی کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم اسے خطرے سے آگاہ کر سکیں۔" میں نے کہا۔

"ایک طریقہ ہے۔" پرساد بولا۔

"وہ کیا....؟" میں نے پر امید نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہم یہ بنگلا فوری طور پر چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ پر منتقل ہو جائیں اور میں آج ہی رات سوامی رگوناتھ کے آشرم پہنچ جاتا ہوں تاکہ جانکی دیوی کو اس خطرے سے بچایا جا سکے۔" پرساد نے کہا۔

"تجویز معقول ہے۔" میں نے کہا اور فون کا ریسیور اٹھا کر ماسٹر ہوچن کا نمبر ملانے لگا۔

کال ماسٹر ہوچن کے ایک شاگرد نے ریسیو کی تھی لیکن میرا نام سنتے ہی اس نے ماسٹر ہوچن کو بلا دیا۔

"تم کہاں ہو۔" ماسٹر ہوچن میری آواز سنتے ہی چیخا "تم اس وقت سخت خطرے میں ہو۔ تمہیں چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میری ایک اطلاع کے مطابق وہ تمہارے ایک ٹھکانے کا پتا لگا چکے ہیں۔ اس مکان کے تہ خانے سے انہیں ٹائیگر کی گھڑی اور کچھ ایسی چیزیں ملی ہیں جو تمہاری نشان دہی کرتی ہیں۔ پیڈرو کو سو فی صد یقین ہے کہ ٹائیگر کو تم نے ہی ہلاک کیا ہے۔ وہ تمہارے گرد گھیرا تنگ کر رہے ہیں۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا ماسٹر ہوچن!" میں نے پوچھا۔

"ہم نے تمہاری طرف سے آنکھیں بند نہیں کر رکھیں۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "ہمارے آدمی چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور یہ خبر تو پورے انڈر ورلڈ میں گردش کر رہی ہے کہ پیڈرو نے تمہارے ایک ٹھکانے کا پتا چلا لیا ہے اور وہ بہت جلد تمہیں چھاپنے والا ہے۔ ویسے تم ہو کہاں پر۔ مجھے اپنی لوکیشن بتاؤ تاکہ میں اپنے آدمی بھیج دوں۔"

"یہ تمام خبریں مجھے بھی مل چکی ہیں ماسٹر۔" میں نے جواب دیا "میں بھی اب یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میری یہ پناہ گاہ محفوظ نہیں رہی۔ میں اس وقت ٹاکسن روڈ کے قریب ہوں اور ہم یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔"

"تمہارے ساتھ تھائی وانگ کے علاوہ اور کون ہے؟" ماسٹر ہوچن نے پوچھا۔

"دو افراد اور ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ایک گھنٹے بعد ایک سیاہ وین تمہیں کنگ ٹاکسن کے اسنیپو والے چوراہے کے قریب کھڑی ملے گی۔ گانگ کو تم پہچان لو گے۔ ویسے میرے کچھ آدمی ریلوے اسٹیشن کی طرف بھی موجود ہیں۔ میں انہیں خبردار کر دیتا ہوں۔"

فون بند ہو گیا۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور ان لوگوں کو صورت حال سے آگاہ کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے وہاں سے نکلنے کی تیاری شروع کر دی۔ ہم نے ہر وہ چیز سمیٹ لی جس سے وہاں ہماری موجودگی کا ثبوت مل سکتا تھا۔ ویسے میرے خیال میں یہ بیکار ہی تھا کیونکہ جب انہیں پتا چل جائے گا کہ ہم یہاں تھے تو کسی موجودگی یا عدم موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

کنگ ٹاکسن کے بجتے والا چوراہا وہاں سے صرف دس منٹ کے فاصلے پر تھا۔ جب ہم بنگلے سے نکلے تو گیارہ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ گاڑی ہم نے بنگلے ہی میں چھوڑ دی تھی۔ اسے استعمال کرنا اب خطرناک ہو سکتا ہے۔ گیٹ کو تالا لگا کر چابیوں کا گچھا تھائی نے اپنے بیگ میں ڈال لیا اور ہم چاروں اکٹھے ہی چوراہے کی طرف چلنے لگے۔

ٹاکسن اسکوائر پر اس وقت خاصی رونق تھی۔ چوراہے کے وسط میں بہت بڑا گول چبوترہ بنا ہوا تھا۔ چبوترے کے عین وسط میں ایک اور چبوترے پر کنگ ٹاکسن کا مجسمہ تھا۔ اس کے بیس پر چاروں طرف چار شیروں کے مجسمے تھے۔ اس بیس کے اطراف میں ایک حوض سا بنا ہوا تھا۔ چاروں شیروں کے منہ میں فوارے لگے ہوئے تھے۔ شام کو یہ فوارے کھولے جاتے تھے تو پانی اس تالاب میں گرتا رہتا تھا۔ بڑے چبوترے کے گرد تقریباً چار فٹ اونچا لوہے

کا جنگلا تھا۔ آمد و رفت کے لیے چار آہنی سلاخوں والے دروازے بھی تھے لیکن وہ دروازے ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ جنگلے کی کئی سلاخیں بھی غائب تھیں اور کئی جگہوں پر کچھ سلاخیں مڑی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

جنگلے کے اندر والے چبوترے اور اس کے اطراف میں گولائی میں بنے ہوئے فٹ پاتھ پر چرسیوں اور موالیوں کا قبضہ تھا۔ یہ سب وہ لوگ تھے جو نشے کے عادی تھے اور ان کے پاس سر چھپانے تک کو جگہ نہیں تھی۔ دن میں تو یہ لوگ اِدھر اُدھر گھومتے رہتے اور شام ہوتے ہی یہاں جمع ہونا شروع ہو جاتے۔

چوراہے پر پہنچ کر میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ سیاہ وین کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اچانک سفید رنگ کی ایک کار اس گلی کے موڑ پر رکی۔ اس میں تین آدمی تھے۔ ایک ڈرائیونگ سیٹ پر اور دو پیچھے۔ وہ کار چند سیکنڈ وہاں رکی اور پھر گلی میں داخل ہو گئی۔

"وہ کار دیکھی تم نے؟" پرساد نے میرے قریب آ کر سرگوشی کی "وہ تینوں ٹائیگر کے آدمی ہیں۔ جو شخص ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اسے تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

صورت حال خطرناک ہو گئی۔ اگر وہ گلی میں مڑنے کے بجائے سیدھے ہماری طرف آ جاتے تو ہمیں دیکھ لیا جاتا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ سیاہ وین کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"یہاں کھڑے رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔" میں نے انہیں اشارہ کیا ہم سڑک پار کر کے مجسمے والے چبوترے پر آ گئے۔ جنگلے کے بیرونی فٹ پاتھ پر بھی موالی قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ ہم جنگلے کے اندر آ گئے۔ یہاں عجیب صورت حال تھی۔ کوئی لیٹا ہوا تھا' کوئی سر نیہوڑائے بیٹھا ہوا تھا اور کوئی ہونق سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ ایک طرف تھوڑی سی جگہ نظر آئی تو ہم وہاں بیٹھ گئے۔ ہمارے قریب ہی دو آدمی بیٹھے حشیش بھرے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔ حشیش کی بو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی انکشاف ہوا کہ ان دونوں میں ایک عورت تھی۔

ہم ان موالیوں کے درمیان اس طرح بیٹھ گئے تھے کہ اگر سڑک پر سے کوئی اس طرف دیکھے تو ہم نظروں میں نہ آ سکیں۔

دس منٹ گزر گئے۔ سیاہ وین ابھی تک نہیں آئی تھی۔ میری تشویش بڑھ رہی تھی اور پھر اسی لمحے وہ سفید کار گلی سے نکل کر تیز رفتاری سے ایک طرف چلی گئی۔ اس میں صرف ڈرائیور تھا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ انہوں نے وہ بنگلا تلاش کر لیا ہے۔ پیڈرو واقعی بہت تیزی دکھا رہا تھا۔

تین اور موالی ہمارے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ ان میں ایک مرد تھا اور دو عورتیں۔ وہ بھی حشیش بھرے سگریٹ پی رہے تھے۔ ایک عورت نے سلگتا ہوا سگریٹ تھائی وانگ کی طرف بڑھا دیا۔ تھائی وانگ نے سگریٹ لے کر کش لگایا اور سگریٹ واپس کر دیا لیکن سگریٹ کے ایک ہی کش نے اپنا اثر دکھا دیا تھا۔ تھائی وانگ بُری طرح کھانسنے لگی۔ اس کی آنکھوں اور ناک سے بھی پانی بہہ نکلا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھال سکی تھی لیکن اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

پانچ منٹ اور گزر گئے اور پھر سیاہ رنگ کی ایک وین چوراہے کی دوسری طرف سڑک کے کنارے پر رکی اور پھر میں نے گانگ کو وین سے اترتے دیکھا تو میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"چلو.... وین آ گئی ہے۔ اس طرف۔" میں نے سرگوشی کی۔

ہم چاروں اٹھ کر چبوترے کی دوسری طرف چلنے لگے۔ حشیش بھرے سگریٹ کے ایک ہی کش نے تھائی وانگ کی حالت بگاڑ دی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سر پر رکھا ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ میں نے تھام رکھا تھا۔ آہنی جنگلے سے نکل کر ہم سڑک پر آ گئے۔

ہم سڑک کے وسط میں تھے کہ وہ سفید کار بائیں طرف سے گھومتی ہوئی ہمارے سامنے سے گزری اور چند گز آگے جا کر بریکوں کی تیز چرچراہٹ سے رک گئی۔ دروازہ کھلا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی نیچے اترا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کا رخ ہماری طرف تھا۔ نوتا کے منہ سے خوف ناک چیخ نکل گئی۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ آدمی گولی چلاتا فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ وین کے قریب کھڑے ہوئے گانگ نے اسے دیکھ لیا تھا اور صورت حال کا اندازہ لگاتے ہی اس نے گولی چلا دی تھی۔

گولی اس شخص کے پیٹ میں لگی۔ وہ نیچے گرا۔ ریوالور بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر چند فٹ دور جا گرا تھا۔ زخمی ہونے کے باوجود وہ شخص سڑک پر رینگتا ہوا ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

"وجدان بھاگو۔ وین میں.... جلدی۔" گانگ چیخا۔ اس نے ایک اور گولی چلا دی تھی۔

وین کا پچھلا دروازہ کھلا۔ ایک اور آدمی نیچے اترا۔ اس نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ میں نے پہلے تھائی اور نوتا کو وین میں سوار کرایا پھر خود اوپر چڑھ گیا۔ پرساد میرے ساتھ ہی تھا۔ گانگ نے چیخ کر کہا اور وین تیزی سے حرکت میں آ گئی۔ گانگ کا دوسرا ساتھی دوڑتا ہوا چلتی وین پر سوار ہوا تھا۔

چوراہے پر بھگدڑ مچ گئی تھی لیکن ہماری وین چند سیکنڈ میں ہی وہاں سے بہت دور نکل چکی تھی۔

ہماری منزل وات ٹرمبمٹ تھی۔ جسے مہاراج نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا۔ یہ وہ خانقاہ تھی جہاں فاسٹنگ بدھ کا خالص سونے کا دنیا کا سب سے بڑا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔

ہمیں فوراً ہی مہاراج کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ وہاں ماسٹر ہوچن بھی تھا۔ مہاراج نے خشمگیں نظروں سے میری طرف دیکھا۔ کہا کچھ نہیں پھر ماسٹر ہوچن کو اشارہ کر دیا۔

ہمیں ایک اور وسیع و عریض کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ مہاراج کے رویے سے مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ مجھ سے ناراض تھے۔

دوسرے دن بڑی مشکل سے میں مہاراج سے اجازت لے کر پرساد کے ساتھ سوامی رگوناتھ کے آشرم کی طرف روانہ ہوگیا۔ مہاراج نے ہمیں ایک کار بھی مہیا کردی تھی۔ آشرم کے سامنے ایک وسیع میدان میں لاتعداد کاریں کھڑی تھیں۔ آشرم کے گرد بہت اونچی چار دیواری تھی جس نے کئی ایکڑ زمین گھیر رکھی تھی۔ آمدورفت کے لیے صرف ایک ہی گیٹ تھا۔ گیٹ کے اندر ایک استقبالیہ کاؤنٹر بنا ہوا تھا جہاں نیم عریاں لباس میں ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک کمرا تھا۔

سوامی رگوناتھ کے حلقے میں داخل ہونے کے لیے دھرم کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ لڑکی نے مسکرا کر ہماری طرف دیکھا اور ایک طرف رکھی ہوئی بڑی سی پیٹی کی طرف اشارہ کیا جس پر ڈونیشن لکھا ہوا تھا۔ میں نے اور پرساد نے کچھ نوٹ اس پیٹی میں ڈال دیے۔ لڑکی نے دو ہڈ کاؤنٹر کے نیچے سے نکال کر ہماری طرف بڑھا دیے۔ کپڑے کے بنے ہوئے یہ ٹوپ پہن لینے سے نہ صرف پیشانی بلکہ چہرے کا بہت سا حصہ بھی چھپ گیا تھا۔ ہم ٹوپ پہن کر ایک دروازے میں داخل ہوگئے۔

اندر کی دنیا ہی نرالی تھی۔ ایک طرف آشرم کی عمارت تھی اور اس کے سامنے کنکریٹ کی چھت والا بہت بڑا شیڈ تھا۔ چھت کو سہارا دینے کے لیے لاتعداد ستون تھے۔ نیچے پختہ فرش تھا۔ اس شیڈ کے نیچے بیک وقت پندرہ سولہ سو افراد بیٹھ سکتے تھے۔

اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ تقریباً دو سو افراد اس وقت وہاں موجود تھے اور ہماری طرح بہت سے افراد آرہے تھے۔ شیڈ سے آگے تاریک ویرانہ تھا جہاں اونچے نیچے ٹیلے اور جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

اتنے لوگوں میں کسی کو تلاش کرلینا آسان نہیں تھا جبکہ لوگوں کے چہرے ہڈ میں چھپے ہوئے تھے لیکن ڈیڑھ گھنٹے کی جستجو کے بعد ہم نے جانکی دیوی کو تلاش کرلیا۔

"کیا دارا یہاں موجود ہے؟" میں نے سرگوشی میں پوچھا۔

"وہ آشرم کے اندر ہے۔ سوامی کے ساتھ ہی باہر آئے گا۔" جانکی نے جواب دیا۔

لوگوں کی تعداد بڑھ رہی تھی اور پھر ٹھیک بارہ بجے لوگ اس وسیع و عریض شیڈ میں جمع ہوگئے۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی سوامی آشرم سے برآمد ہو کر ایک چبوترے پر بیٹھ گیا۔ وہ عجیب بدہیئت آدمی تھا۔ گنجا سر، بٹن جیسی چھوٹی آنکھیں، پھولے ہوئے گال، نوک دار ٹھوڑی اور بہت بھدے اور بھاری ہونٹ۔ اس کی گردن بہت مختصر تھی۔ لگتا تھا تربوز جیسا بڑا سر شانوں پر ٹکا دیا گیا ہو۔ اس کے ساتھ چار پانچ لڑکیاں تھیں جن کے جسموں پر لباس برائے نام ہی تھا۔ وہ لڑکیاں اس کے قدموں میں بیٹھ گئیں۔ ہڈ والے تین آدمی پیچھے کھڑے تھے۔

سوامی رگوناتھ بھاشن دینے لگا۔ لوگ خاموشی سے سن رہے تھے۔ سوامی کے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ زہر میں بجھا ہوا تھا۔ اشتعال دلانے والا۔ اس کی باتوں کا رخ بدلتا جارہا تھا۔ ننگی اور عریاں باتیں۔ جنسی جذبات کو بھڑکانے والی باتیں۔ اس کے قدموں میں بیٹھی ہوئی لڑکیاں اب حرکت میں آگئی تھیں۔ کوئی اس کی بانہوں سے اور کوئی ٹانگوں سے لپٹ گئی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ شیڈ میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی کسمسانے لگے تھے۔ ان کے ہاتھ ایک دوسرے کو چھونے لگے تھے۔ شیڈ کی بتیاں اس طرح بجھ رہی تھیں جیسے آہستہ آہستہ شام ڈھل رہی ہو اور پھر اندھیرا چھا گیا۔ سوامی کی آواز اس اندھیرے میں پھیل رہی تھی۔

"تم سب ایک دوسرے کے لیے ہو۔ مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے لیے بنایا گیا ہے۔ سماج معاشرہ ڈھونگ ہے۔ ایک دوسرے سے دور ہوگے تو گھاٹے میں رہو گے۔ قریب ہو جاؤ فاصلہ مٹا دو کہ فاصلے ہی دوریاں پیدا کرتے ہیں....."

لوگ ایک دوسرے کی طرف جھک رہے تھے۔ جانکی دیوی نے مجھے اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا اور ہڈ کھسکا کر میرے چہرے پر بوسے دینے لگی۔

"یہ کیا کررہی ہو جانکی!" میں نے سرگوشی کی۔

"مجھے اپنی بانہوں میں لے لو۔" جانکی نے بھی سرگوشی کی "ورنہ کوئی اور مجھے لے جائے گا۔"

لوگ جوڑوں کی صورت میں اٹھ اٹھ کر اِدھر اُدھر جانے لگے تھے۔ شیڈ میں دور کہیں مدھم سی روشنی کا ایک بلب جل گیا۔ جانکی دیوی مجھے اس طرف لے جارہی تھی جہاں بہت مدھم سی روشنی ہورہی تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ پرساد بھی ہمارے پیچھے ہی کسی عورت کو دبوچے ہوئے آرہا تھا۔

"ہم پچھلے دروازے سے آشرم کی عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔" جانکی نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

ہم لوگوں کے ہجوم سے دور ہٹتے جارہے تھے اور پھر اچانک ایک آدمی بے خیالی میں ہم سے ٹکرا گیا۔ اس کے ساتھ بھی ایک عورت تھی۔ ٹکر اس طرح ہوئی تھی کہ ہم دونوں نیچے گرے تھے۔ میرے سر سے ہڈ گر گیا تھا۔ مجھ سے ٹکرانے والے شخص اور اس کی ساتھی عورت کے سر سے بھی ہڈ گر گئے تھے اور جب ہم دونوں سیدھے ہوئے تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

میرے سامنے دارا کھڑا تھا!

وہاں روشنی بہت مدھم تھی اور ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہم دونوں صرف دو تین فٹ کے فاصلے پر آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔

وہ صرف چند گھڑیوں کی بات تھی۔ چند پل..... لیکن لگتا تھا جیسے ہمیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے صدیاں بیت گئی ہوں۔ ہم دونوں میں سے کسی نے پلک تک نہیں جھپکی تھی۔ جو کچھ ہونا تھا، پلک جھپکنے کی دیر میں ہی ہونا تھا۔

اور پھر سانپ جیسی وہ پھنکار میری سماعت سے ٹکرائی تو میں جیسے ہوش میں آگیا۔ میں نے ایک لمحے کی تاخیر کے بعد اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پالیا۔

"تمہاری موت ہی تمہیں یہاں کھینچ لائی ہے نادان چھوکرے۔" ناگ کی پھنکار جیسی یہ سرسراتی ہوئی آواز دارا کے ہونٹوں سے نکلی تھی "اس بنگلے میں دھوکے سے ہمیں گھیر کر تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بہت بڑا تیر مار لیا ہے لیکن تم نے دیکھ لیا نا کہ تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے تھے۔ میں تو تمہارے جال سے بچ نکلا تھا مگر تم نے یہاں آکر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اب تم یہاں سے واپس نہیں جاسکو گے۔"

"یہ تمہاری بھول ہے دارا۔" میں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا "وہ جال میں نے نہیں، تم نے ہی بچھایا تھا اور خود تمہیں ہی چوٹ کھا کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ تم صرف ان لوگوں پر حاوی ہو جو تمہارے سامنے آواز نہیں اٹھا سکتے۔ تم نے کس بے دردی سے پامیلا کو قتل کردیا تھا، کتنی بہادری دکھائی تھی تم نے ایک کمزور اور نہتی عورت کا گلا کاٹنے میں لیکن میرے اوپر تم نے کتنے حملے کرائے ہیں۔ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ آج بھی تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ میں اسی طرح اپنے قدموں پر چل کر واپس جاؤں گا جس طرح آیا ہوں۔ البتہ تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ تمہاری واپسی کس حالت میں ہوگی۔ اس وقت تو میں تم سے صرف اس معصوم بچے کا حساب لوں گا جسے تم نے بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور اس کی ماں سونالی اب بھی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہے۔ میں پوچھتا ہوں، کیا بگاڑا تھا انہوں نے تمہارا! تم نے ان کے گھر میں پناہ لی۔ اس عورت نے تمہارا اور تمہارے ساتھی کا علاج کیا۔ اپنے ہاتھوں سے کھانا پکا کر کھلایا اور تم نے اس کی نیکیوں کا کیا صلہ دیا؟ اس کے معصوم بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور وہ خود زندگی اور موت کی دہلیز پر کھڑی ہے۔ تم جیسا کم ظرف، بے حس اور بے ضمیر آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ تمہیں ایک ایک بات کا حساب دینا ہوگا، دارا۔ تم بچ نہیں سکو گے۔"

"ایسے مکالمے فلموں میں بولے جاتے ہیں۔" دارا نے کہا۔ "اور ہم کسی فلم کی شوٹنگ میں حصہ نہیں لے رہے۔ تم نے واقعی یہاں آکر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ یہ سوامی رگوناتھ کا آشرم ہے۔ یہاں صرف اس کا حکم چلتا ہے۔ اس چار دیواری کے اندر لاشیں بچھا دی جائیں تو بھی اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوسکتی۔ قانون کی رکھشا کرنے والے اس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ تو یہاں آکر سوامی رگوناتھ کے تلوے چاٹتے ہیں۔ تمہاری لاش بھی یہاں پڑی سڑتی رہے گی اور کوئی پوچھے گا نہیں۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے دارا۔" میں نے جواب دیا "دوسروں پر بھروسا کرنے والا ہمیشہ گھاٹے میں رہتا ہے۔ تمہیں تو ٹائیگر پر بھی بڑا ناز تھا۔ اس کا حشر تم نے دیکھ لیا۔ وہ تو میرے ان ہاتھوں کا ایک ہلکا سا جھٹکا بھی برداشت نہیں کرسکا تھا اور اب یہ سوامی....." میری نظریں اس کے ساتھ کھڑی ہوئی لڑکی کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ مجھے نہیں جانتی تھی لیکن ہمارے درمیان مکالمات کے تبادلے سے اسے صورتِ حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے اور آنکھوں میں وحشت سی پھیل رہی تھی اور پھر کسی خطرے کا احساس کرکے وہ غیر محسوس انداز میں پیچھے ہٹنے لگی۔

فضا میں اب موسیقی کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ جذبات کو بھڑکا دینے والی ہیجان خیز موسیقی کی مدھم سی آواز چاروں طرف سے آتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔ سوامی رگوناتھ نے روحانی تعلیمات کی آڑ میں اپنے چیلوں کی عیاشی کا مکمل بندوبست کر رکھا تھا۔ وسیع و عریض شیڈ کے لاتعداد ستونوں میں اسپیکر پوشیدہ تھے جن سے ہیجان خیز موسیقی کی یہ آواز پھوٹ رہی تھی اور یہ آواز ہر طرف سے آتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔ میں نے کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ لوگ کونوں کھدروں میں جگہ تلاش کررہے تھے۔ شاید ان لوگوں کے لیے اپنے شہوانی جذبات پر قابو پانا مشکل ہورہا تھا۔

دارا کے ہاتھ کو حرکت کرتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس کا ہاتھ غیر محسوس انداز میں پتلون کی جیب کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتا، میرے قریب کھڑا ہوا رامن پرساد حرکت میں آگیا۔ وہ ہوا میں اڑتا ہوا دارا سے ٹکرایا۔ دارا اپنی ساتھی لڑکی سے ٹکرا گیا۔ وہ خوف زدہ انداز میں چیختی ہوئی پیچھے گری۔ اس کی چیخ پر کسی نے توجہ نہیں دی۔ ہوش ہی کسے تھا۔ موسیقی کی آواز بھی لحہ بہ لحہ تیز ہوتی جارہی تھی۔

دارا اپنے آپ کو پرساد سے بچا کر سنبھلنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ میں اسے گرفت میں لینا چاہتا تھا لیکن وہ مچھلی کی طرح میرے ہاتھوں سے پھسل گیا اور اٹھ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔ خطرہ محسوس کرتے ہی وہ بھاگ نکلا تھا۔

اس کی ساتھی لڑکی اب بھی زمین پر پڑی چیخ رہی تھی۔ میں اس کی طرف توجہ دیے بغیر دارا کی طرف لپکا لیکن وہ لوگوں کے ہجوم میں غائب ہوگیا۔ شیڈ کے اس حصے میں کچھ کھلبلی سی مچ گئی تھی اور دارا نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ ہڈ پہن کر ان لوگوں میں غائب ہوگیا تھا۔ میں نے بھی اپنا چہرہ ہڈ میں چھپا لیا تھا۔

جانکی اب بھی میرے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ وہ مجھے بازو سے

پکڑ کر ایک طرف کھینچتی چلی گئی۔ کسی متوقع جوابی حملے سے بچنے کے لیے جگہ تبدیل کرنا ضروری تھا اور جانکی دیوی مجھے وہاں سے کئی گز دور لے گئی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ پرساد بھی ہمارے ساتھ تھا یا وہیں رہ گیا تھا۔

جگہ تبدیل کرنے کا جانکی کا فیصلہ بڑا سود مند ثابت ہوا تھا۔ چند منٹ بعد ہی وہاں ایک بار پھر کھلبلی سی مچ گئی جہاں دارا سے آمنا سامنا ہوا تھا۔ دو لمبے تڑنگے آدمی وہاں لوگوں کے چہروں سے ہڈ نوچ رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔ عورتیں چیخ رہی تھیں اور بعض مرد انہیں گالیاں دے رہے تھے لیکن وہ دونوں افراد عورتوں کی چیخوں اور گالیوں سے بے نیاز اپنی کارروائی میں مصروف رہے۔

جانکی دیوی میرا ہاتھ پکڑے وہاں سے مزید دور ہٹتی چلی گئی۔ مجھے پرساد کی فکر تھی۔ کہیں وہ ان کے ہاتھ نہ لگ جائے لیکن دوسرے ہی لمحے اپنے قریب ایک سرگوشی سُن کر میں اچھل پڑا۔

"وہ آشرم کے اندر چلا گیا ہے باس۔ اس کے گرگے ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ پرساد مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"اس طرف سے آؤ۔ ہم پچھلے دروازے سے آشرم میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔" یہ جانکی دیوی کی آواز تھی۔

ہم تینوں لوگوں کو دھکیلتے ہوئے ایک طرف بڑھنے لگے۔ وہاں عجیب صورتِ حال تھی۔ ہیجان خیز موسیقی کی آواز کچھ اور تیز ہو گئی تھی۔ لوگ منہ چھپا کر یہاں اس لیے آتے تھے کہ سوامی کی روحانی تعلیمات سے فائدہ اٹھا کر اپنے سفلی جذبات کو تسکین پہنچا سکیں اور کسی کی نظروں میں بھی نہ آئیں لیکن آج ان میں کچھ بے چینی پھیل رہی تھی۔ وہ دو لمبے تڑنگے آدمی بدستور لوگوں کے چہروں سے ہڈ نوچتے پھر رہے تھے۔

ہم تینوں تیزی سے ایک طرف بڑھ رہے تھے۔ جانکی دیوی سب سے آگے تھی۔ اس کے پیچھے میں اور میرے پیچھے کچھ فاصلے پر رامن پرساد تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ کچھ لوگ شیڈ سے نکل کر کھلی جگہوں پر اِدھر اُدھر پھیل رہے تھے۔ اس چار دیواری کے اندر کئی ایکڑ رقبہ گھرا ہوا تھا۔ ایک حصے پر وہ آشرم اور وسیع و عریض شیڈ بنا ہوا تھا جبکہ باقی جگہ خالی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور گنجان جھاڑیاں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔

ہم ایک طویل چکر کاٹ کر آشرم والی عمارت کے پچھلی طرف آ گئے۔ اس طرف بھی عمارت کے سامنے ایک کشادہ برآمدہ تھا۔ سرخ پتھروں کی پانچ کشادہ سیڑھیاں تھیں جن پر چڑھ کر برآمدے میں پہنچا جا سکتا تھا۔ برآمدے کا ایک مرکزی دروازہ تھا۔ ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف۔ مرکزی دروازہ تو ہال میں داخلے کے لیے تھا اور یہ دونوں دروازے الگ الگ کمروں میں کھلتے تھے۔

برآمدے میں تاریکی تھی لیکن اندر ہال میں بہت مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ جانکی دیوی پچھلے کئی روز سے یہاں تھی اور وہ اس آشرم کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر چکی تھی۔ اسے آشرم کی عمارت کے اندر آنے کا موقع بھی ملا تھا اور اسے معلوم تھا کون سا دروازہ کس کمرے میں کھلتا ہے۔

برآمدے کا مرکزی دروازہ بند تھا۔ اس نے دائیں طرف کا دروازہ آزمایا لیکن یہ دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ وہ بائیں طرف والے دروازے کے سامنے آ گئی اور ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے آہستہ آہستہ حرکت دینے لگی لیکن یہ دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔

میں اسی دوران میں دروازے سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑکی کے سامنے آ گیا اور اندر جھانکنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اندر تاریکی تھی۔ کھڑکی پر کوئی گرل وغیرہ نہیں تھی۔ میں نے شیشے پر ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالا تو کھڑکی کھلتی چلی گئی۔ میں نے وہ کھڑکی پوری طرح کھول دی اور جانکی اور پرساد کو اشارہ کرتا ہوا چوکھٹ پر چڑھ کر آہستگی سے اندر کود گیا اور دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں بھی اندر آ گئے۔

میں نے اپنے لباس میں چھپایا ہوا خنجر نکال لیا اور تاریکی میں اِدھر اُدھر گھورنے لگا۔

"اس طرف۔" جانکی دیوی نے سرگوشی کی "اس دروازے سے گزر کر ہم ہال میں داخل ہو سکتے ہیں۔"

ہم تاریکی میں دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

ہال میں بہت مدھم سی روشنی تھی۔ کسی جگہ کوئی بلب جل رہا تھا جس پر شیڈ لگا ہوا تھا اور روشنی زیادہ نہیں پھیل رہی تھی۔ دائیں طرف اوپر جانے کے لیے ایک کشادہ زینہ تھا جس پر قالین بچھا ہوا تھا۔ ہال کے فرش پر بھی دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ ہم دبے قدموں آگے بڑھنے لگے۔

"یہ تمام کمرے سوامی رگوناتھ کے چیلوں کے ہیں۔" جانکی دیوی نے سرگوشی کی "اس کا کمرا اوپر ہے اور دارا بھی اوپر ہی رہتا ہے۔ میرا خیال ہے وہ اس وقت بھی اوپر ہی ہو گا اور وہاں سے نیچے شیڈ میں ہونے والی سرگرمیوں کا جائزہ لے رہا ہو گا۔"

ہم زینے پر چڑھنے لگے۔ قالین کی وجہ سے ہمارے قدموں کی ہلکی سی آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ اوپر ایک کشادہ گیلری تھی اور اس کے ساتھ ساتھ کمرے بنے ہوئے تھے۔

ایک دروازے کے نیچے روشنی دیکھ کر میں رک گیا۔ میں نے جھک کر کی ہول سے آنکھ لگا دی اور دوسرے ہی لمحے میرا دماغ جھک سے اڑ گیا۔ بالکل سامنے دیوار کے ساتھ ایک چوڑا سلیب لگا ہوا تھا جو دائیں سے بائیں چلا گیا تھا۔ سامنے ہی چوڑی اسکرین والا ایک رنگین ٹی وی سیٹ رکھا ہوا تھا اور اسکرین پر جو منظر دکھائی دے رہا تھا وہ بڑا شرمناک تھا۔ ایک ادھیڑ عمر مرد اور ایک نوجوان

صورت لڑکی..... اس مرد کا چہرہ مجھے کچھ جانا پہچانا سا لگا اور ہرے دماغ میں ایک اور دھماکا ہوا۔ وہ چہرہ میں نے پہچان لیا وہ ایک سیاسی لیڈر قسم کا آدمی تھا اور اس کی تصویریں ارات میں چھپتی رہتی تھیں۔

ٹی وی کے سامنے کرسی پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا اور اسی کے نے سلیب پر ریکارڈنگ کے آلات رکھے ہوئے تھے اور وہ ن کے منظر کی ویڈیو ریکارڈنگ کر رہا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر ی کہ وہ سیاسی لیڈر آشرم کے کسی کمرے میں تھا جہاں خفیہ ہ انصب تھا اور اس کی شرمناک حرکتیں... ریکارڈ کی جا رہی

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ سوامی ہاتھ کی روحانی تعلیمات کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ں کے بارے میں اخبارات میں بھی کچھ نہ کچھ چھپتا رہتا تھا لیکن اس کے خلاف اب تک کوئی کارروائی کیوں نہیں ہو سکی تھی؟ اس کی بھی اب سمجھ میں آ گئی تھی۔ اگرچہ تھائی وانگ نے بڑی ات سے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا اور اب میں نے اپنی نکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ سوامی رگوناتھ یہاں آنے والے بڑے ے لوگوں کی ویڈیو فلمیں بنا لیتا تھا اور پھر انہیں بلیک میل کرتا ہلہ ان فلموں کے ذریعے وہ ان لوگوں سے نہ صرف بڑی بڑی یں اینٹھتا ہو گا بلکہ وہ اپنی زبان بند رکھنے پر بھی مجبور تھے اور ں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے بھی قاصر تھے کیونکہ اس طرح ن کا کچا چٹھا کھل جاتا اور انہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا۔

اوپر اس ایک کمرے کے علاوہ باقی سب کمرے خالی تھے اور نہیں اس وقت اس کمرے میں کھڑے تھے جسے سوامی رگوناتھ کا ڈرم یا عشرت کدہ کہا جا سکتا تھا۔ بہت شان دار کمرا تھا۔ اس کی ہ والی ایک دیوار شیشے کی تھی۔ یہ شیشہ اگرچہ بظاہر ٹرانس پیرنٹ ا تھا لیکن اس کی خاص بات یہ تھی کہ اس کے اندر سے باہر کا لاقہ تو دیکھا جا سکتا تھا لیکن باہر سے اندر کا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ مزید یہ شیشہ بلٹ پروف تھا۔

میں اس شیشے سے باہر دیکھ رہا تھا۔ شیڈ اور آس پاس کا پورا علاقہ وہاں سے نظر آ رہا تھا۔ وہاں پانچ چھ آدمی لوگوں کے چہروں سے ہڈ نوچ رہے تھے۔ کچھ لوگ مزاحمت کرتے ہوئے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بڑا ابتر سماں تھا۔ لوگ ان کی اس حرکت پر احتجاج کر رہے تھے۔ ایک تشویش سی پھیل رہی تھی۔

"یہ کمرا ساؤنڈ پروف ہے۔" جانکی نے میرے کان میں سرگوشی کی "عام حالات میں نہ تو باہر کی آواز اندر آ سکتی ہے اور نہ اندر کی آواز باہر جا سکتی ہے لیکن سوامی رگوناتھ نے ایسا انتظام رکھا ہے کہ وہ ضرورت کے وقت باہر کی آواز بھی سن سکتا ہے اور اپنی آواز بھی باہر پہنچا سکتا ہے۔"

"لیکن وہ گیا کہاں اور دارا کہاں غائب ہو گیا؟" میں نے کہا۔

"اوپر کے تو تمام کمرے خالی ہیں۔ وہ کسی نیچے والے کمرے میں تو نہیں؟"

"ہو سکتا ہے۔" جانکی دیوی نے جواب دیا "آؤ۔ نیچے دیکھتے ہیں۔"

ہم اس کمرے سے باہر آ گئے لیکن اسی لمحے زیریں ہال میں ایک آدمی کو دیکھ کر ہم دیوار کے ساتھ چپک گئے۔ وہ شخص غالباً عمارت کے سامنے والے دروازے سے ہال میں داخل ہوا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

"آؤ۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ اس کمرے میں ہوں۔" میں نے سرگوشی کی اور پھر ہم تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے زینے سے اتر کر زیریں ہال میں آ گئے۔ یہاں ہمیں زیادہ محتاط ہو جانا پڑا۔ ہال میں کسی قسم کا فرنیچر نہیں تھا۔ فرش پر دیوار سے دیوار تک دبیز قالین بچھے ہوئے تھے اور ایک طرف دیوار کے ساتھ چار فٹ چوڑا اور چھ فٹ لمبا اور زمین سے دو فٹ اونچا تخت بچھا ہوا تھا۔ جس پر آرام دہ فوم کا گدا پڑا تھا۔ اس پر سرخ مخمل کی چادر بچھی ہوئی تھی اور سرخ مخمل کے کوروالا کشن رکھا ہوا تھا۔

"یہاں دن کے وقت سوامی رگوناتھ اپنی بے ہودہ تعلیمات کا پرچار کرتا ہے اور اس سیشن میں صرف منتخب لوگ شامل ہوتے ہیں۔ ان کا انتخاب بھی وہ خود ہی کرتا ہے۔" جانکی دیوی نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

یہاں بھی چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس لیے ہمیں زیادہ محتاط ہونا پڑا تھا۔ پرساد نے بھی اپنا خنجر ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ہم اس دروازے کے قریب پہنچ گئے جہاں باہر سے آنے والا وہ شخص داخل ہوا تھا۔ میں نے جانکی اور پرساد کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں دائیں بائیں دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑے ہو گئے۔ میں آگے بڑھ کر ایک لمحے کو رُکا اور پھر جھک کر دروازے کے ہول سے آنکھ لگا دی۔

جہاں تک نظر کام کرتی تھی، کمرے میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا لیکن اندر سے کوئی معمولی سی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے سیدھے ہو کر پرساد اور جانکی کی طرف دیکھا اور دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے آہستہ آہستہ دبانے لگا۔

دروازہ آواز پیدا کیے بغیر کھلتا چلا گیا۔ میں ہینڈل چھوڑ کر بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر جانکی کے قریب دیوار کے ساتھ چپک گیا اور کسی کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ خنجر کے دستے پر میری گرفت مضبوط تھی اور صرف میں ہی نہیں، جانکی اور پرساد بھی ہر قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔

چند لمحے گزر گئے۔ دروازہ کھلنے کا کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ اندر سے نہ تو کوئی آہٹ سنائی دی تھی اور نہ ہی کوئی باہر آیا

تھا۔ میں نے دوسری طرف کھڑے ہوئے پرساد کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو آہستگی سے دھکیل کر پوری طرح کھول دیا اور ایک لمحے کے انتظار کے بعد اچھل کر اندر داخل ہوگیا۔

میں نے بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں چھلانگ لگائی تھی لیکن کمرا خالی تھا۔ یہ بیڈ روم تھا لیکن یہاں کسی ذی روح کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے حالانکہ وہ شخص اسی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"کہاں گیا وہ؟" میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

اس کمرے میں کوئی ایسی جگہ بھی نہیں تھی جہاں کوئی چھپ سکتا۔ باتھ روم کا دروازہ چند انچ کے قریب کھلا ہوا تھا۔ پرساد نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔

باتھ روم بھی خالی تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ شخص اس کمرے میں داخل ہو کر کہاں غائب ہوگیا تھا۔ اچانک میرے دماغ میں دھماکا سا ہوا۔ باتھ روم کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ وہ شخص کمرے میں آنے کے بعد باتھ روم میں داخل ہوا تھا اور یہاں سے غائب ہوگیا تھا۔ یقیناً یہاں کوئی تہ خانہ موجود تھا اور اس کا راستہ بھی اس باتھ روم میں ہوگا۔ میں نے پرساد کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی اور پھر ہم تینوں تہ خانے کا راستہ تلاش کرنے لگے۔

جانکی دیوی ایک چھوٹے سے کارنس پر رکھی ہوئی گنیش دیوتا کی مورتی کو دیکھ رہی تھی۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک خیال ابھرا۔ کئی روز سے یہاں رہتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ سوامی رگوناتھ تو کسی دیوی یا دیوتا کو نہیں مانتا تھا پھر گنیش دیوتا کی مورتی کی موجودگی کا کیا جواز اور وہ بھی باتھ روم میں۔

وہ مورتی کو چھو کر دیکھنے لگی۔ میں بھی اس مورتی کو دیکھ رہا تھا۔ ہندو اپنے دیوتاؤں کی مورتیاں اپنے اپنے انداز میں بناتے ہیں اور اس میں زیادہ سے زیادہ خوب صورتی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گنیش دیوتا کی کسی مورتی میں ہاتھی دانت بنائے جاتے ہیں اور کسی میں نہیں لیکن اس مورتی میں دانت موجود تھے۔

جانکی تقریباً چھ انچ لمبے ایک دانت کو چھو کر دیکھنے لگی۔ وہ دانت کسی خاص انداز سے مڑ گیا تھا یا دب گیا تھا لیکن اس کا نتیجہ بہت ہی حیرت انگیز نکلا۔ اسی دیوار کے قریب فرش پر رکھا ہوا پانی کا نب اپنی جگہ سے حرکت کرنے لگا۔ وہ نب سرکتا ہوا دوسری دیوار کے ساتھ جالگا اور نب کی جگہ فرش میں خلا نظر آرہا تھا جس میں سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ جانکی نے ہاتھی کے دوسرے دانت کو حرکت دی۔ نب اپنی جگہ پر آگیا۔ اس نے دوبارہ پہلے والے دانت کو دبایا تو باتھ نب پھر اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔

"پرساد۔" میں نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی "تم یہیں رکو۔ میں اور جانکی اندر جارہے ہیں۔ اگر کوئی آجائے تو ہمیں سگنل دے دینا۔"

"تہ خانے میں اترنا خطرناک ہوسکتا ہے۔" پرساد نے جواب دیا "کیا ہمارے لیے اتنا کافی نہیں کہ ہم دارا کے اس ٹھکانے کے بارے میں بھی اتنا کچھ معلوم کرچکے ہیں جو اسے بدحواس کردینے کے لیے کافی ہے۔ میرا خیال ہے تہ خانے میں اترنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ ہم تو پہلے ہی بھیڑیوں کے بھٹ میں گھسے ہوئے ہیں۔ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔"

"اوکھلی میں سر دے چکے ہیں تو موسلوں سے اب کیا ڈرنا۔" میں نے کہا "اگر اندر کوئی خطرہ محسوس ہوا تو ہم فوراً واپس آجائیں گے۔"

پرساد کچھ کہنا چاہتا تھا مگر میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ ویسے میں سمجھتا تھا کہ مجھے تہ خانے میں جانے سے منع کرکے وہ کسی قسم کی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کررہا تھا۔ بزدل ہوتا تو میرے ساتھ یہاں تک نہ آتا۔ وہ میری طرح گرم دماغ کا نہیں تھا۔ سوچ سمجھ کر اگلا قدم اٹھانا چاہتا تھا۔

"تو ٹھیک ہے۔" پرساد نے مجھے بغور پاکر کہا "جانکی دیوی۔ آپ یہیں رکیں۔ میرا خیال ہے اس الماری کے پیچھے گہری ہوجائے۔ آپ فوری طور پر کسی کی نظروں میں نہیں آسکیں گی اور یہ اپنے پاس رکھ لیں۔ میں باس کے ساتھ تہ خانے میں جاؤں گا۔" اس نے اپنا خنجر جانکی دیوی کی طرف بڑھادیا۔

جانکی نے میری طرف دیکھا اور پھر پرساد کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میرے پاس اپنی حفاظت کا سامان موجود ہے۔" اس نے اپنے لباس کے اندر سے ایک چھوٹا لیڈی آٹومیٹک پستول نکال کر دکھایا۔

میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ جانکی نے مجھے ابھی تک پستول کے بارے میں نہیں بتایا تھا لیکن بہرحال، وہ ہم سے پہلے یہاں آئی تھی اور اپنی حفاظت کا بندوبست کیے بغیر نہیں آسکتی تھی۔

پرساد نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور اس خلا میں سیڑھیوں پر اترگیا۔ میں نے بھی اس کے پیچھے ہی سیڑھی پر قدم رکھ دیا اور اس سے نیچے والی سیڑھی پر قدم رکھنے سے پہلے مڑکر دیکھا۔ جانکی دیوی پستول ہاتھ میں لیے الماری کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

وہ پندرہ سیڑھیاں تھیں جن کے اختتام پر ایک مختصر سا ہال تھا اور تین چار کمرے تھے۔ ایک طرف ایک کشادہ راہداری تھی اور اس راہداری میں بھی آمنے سامنے دو کمرے تھے۔ ہال میں مدھم روشنی ہورہی تھی۔

ہم دونوں تمام کمروں کے دروازوں کے کی ہولز میں جھانکتے رہے۔ تمام کمرے اندر سے تاریک تھے۔ ایک دو دروازوں کے ہینڈلوں کو آزما کر بھی دیکھا تھا۔ وہ لاک تھے۔ میں نے پرساد کی طرف دیکھا۔ وہ میری نگاہوں کا مطلب سمجھ گیا۔ جو کچھ بھی تھا، راہداری والے کمروں ہی میں تھا۔ ہم دبے قدموں چلتے ہوئے راہداری میں آگئے۔

ایک دروازے کے کی ہول سے جھانک کر دیکھا۔ اندر روشنی تھی لیکن کسی کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اگر کوئی تھا بھی تو کی ہول کی رینج میں نہیں تھا۔ میں نے پرساد کو اشارہ کیا اور خود سامنے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا مگر میں احتیاطاً کی ہول سے جھانکنے لگا۔ کی ہول سے آنکھ لگاتے ہی میں چونک گیا۔

اس کمرے میں تین آدمی تھے۔ دو تو سامنے نظر آرہے تھے اور تیسرا وہ سائڈ میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی صرف ٹانگیں نظر آرہی تھیں۔

سامنے جو دو آدمی نظر آرہے تھے، ان میں ایک سوامی رگوناتھ تھا۔ میرے خیال میں وہ دنیا کا بدہیئت ترین آدمی تھا۔ اسے دیکھ کر ہی کراہت محسوس ہوتی تھی اور مجھے حیرت تھی کہ جوان اور حسین لڑکیاں نفرت کیے جانے کے لائق اس شخص سے لپٹی رہتی تھیں۔ کمرے میں دوسرا آدمی دارا تھا۔ جس کے سامنے ایک رنگین ٹیلی وژن سیٹ رکھا ہوا تھا اور وہ کسی ڈیوائس کو حرکت دے رہا تھا جس سے اسکرین کا منظر ہر لمحہ تبدیل ہورہا تھا۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہاں شارٹ سرکٹ ٹی وی سسٹم نصب تھا اور دارا اس ڈیوائس کے ذریعے باہر لگے ہوئے کیمرے کو مانیٹر کررہا تھا۔ ٹی وی اسکرین پر باہر کے شیڈ اور اس کے آس پاس کا منظر تھا جو ہر لمحہ تبدیل ہورہا تھا۔ ایک اسپاٹ لائٹ بھی تھی جو حرکت کرتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔ باہر اگرچہ تاریکی تھی لیکن ٹی وی اسکرین پر ہر منظر روشن نظر آرہا تھا۔ جس کا سبب تھا کہ کیمرے میں انفرا ریڈ شعاعوں والے لینس لگے ہوئے تھے جو تاریکی میں بھی دیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور دارا اسی کیمرے کو مانیٹر کرتے ہوئے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔

باہر خاصی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ دارا کے پانچ چھ گرگے بدحواس لوگوں کے سروں سے ہڈ کھینچ رہے تھے۔ ایک جگہ کچھ ہاتھا پائی کا منظر بھی دکھائی دیا تھا۔

"حیرت ہے۔ وہ لوگ کہاں غائب ہوگئے۔" دارا کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔ اس کی آواز بہت ہلکی تھی۔

"وہ باہر تو جا نہیں سکتے۔" اس شخص کی آواز سنائی دی تھی "اس چار دیواری کے اندر اس وقت ساڑھے تین چار سو لوگ موجود ہیں۔ اس طرح ان سب کو چیک کرنا اتنا آسان نہیں۔ ایک طریقہ ہوسکتا ہے کہ سوامی آج کا سیشن ختم ہونے کا اعلان کردے اور اس طرح باہر جاتے ہوئے ان سب کو چیک کیا جاسکتا ہے۔"

"ہاں۔ میرا خیال ہے یہی کرنا پڑے گا۔" دارا نے کہا "سوامی کو سیشن ختم کرنے کا اعلان کرنا ہی پڑے گا۔"

"میں ایسا نہیں کرسکتا۔" سوامی نے جواب دیا "تمہارے چیلوں نے پہلے ہی بہت گڑبڑ پھیلا دی ہے۔ اگر ایسا ہوتا رہا تو کوئی بھی یہاں نہیں آئے گا۔ اپنے آدمیوں سے کہو یہ تماشا اب ختم کردیں۔ یہاں ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو معاشرے میں بہت باعزت مقام رکھتے ہیں۔ انہیں اس طرح دوسروں کے سامنے بے نقاب کیا جارہا ہے۔ اگر وہ لوگ ہتھے سے اکھڑ گئے تو انہیں سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں کہ کس کے ساتھ کیا ہورہا ہے۔" دارا کے حلق سے غراہٹ سی نکلی "مجھے وہ لڑکا چاہیے۔ ہر صورت میں۔ اگر آج وہ اس چار دیواری سے باہر نکل گیا تو میں اس کی نظروں میں ذلیل ہوجاؤں گا۔"

"وہ تو تم ہو ہی۔" سوامی نے جواب دیا "وہ یہاں سے بچ کر نہیں جائے گا۔ میں کوئی طریقہ سوچتا ہوں۔ پہلے تم اپنے آدمیوں سے کہو کہ یہ تماشا بند کردیں اور مزید اشتعال نہ پھیلائیں۔"

دارا نے بھی جواب میں کچھ کہا تھا جسے میں نہیں سن سکا کیونکہ ٹھیک اسی لمحے دوسرے کمرے کا دروازہ کھل گیا تھا۔ میں نے تیزی سے گھوم کر دیکھا۔ رامن پرساد ایک دراز قامت آدمی کو گرفت میں لینے کی کوشش کررہا تھا۔ دھینگا مشتی کی آوازیں شاید دارا والے کمرے میں بھی سن لی گئی تھیں۔

"کون ہے باہر۔ کیا ہورہا ہے؟" دارا کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

میں نے جھک کر کی ہول سے آنکھ لگا دی۔ دارا نیم وا دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں ایک دم سیدھا ہوگیا اور بڑی پھرتی سے باہر سے دروازے کا کنڈا لگا دیا۔ اندر سے پہلے تو دروازہ کھولنے کی کوشش کی گئی اور پھر دروازہ زور زور سے دھڑدھڑایا جانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی دارا کے چیخنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"دروازہ کھولو۔ کون ہو تم۔ میں تمہیں ایسی سزا دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔ دروازہ کھولو۔"

"مسٹر دارا۔" میں نے دروازے پر ہاتھ مارتے ہوئے چلّا کر کہا "مجھے سزا دینے کی حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی۔ میں تمہیں یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ یا تال تک تمہارا پیچھا کرسکتا ہوں۔ میں اگر چاہوں تو اس آشرم کو آگ لگا کر تمہیں راکھ کرسکتا ہوں لیکن اس طرح بہت سے بے گناہ بھی مارے جائیں گے۔ میں جارہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ بہت جلد ہمارا ون ٹو ون مقابلہ ہوگا اور میں تمہارا حساب بے باق کردوں گا۔"

"حرام زادے! میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اندر سے دارا کی دہاڑ سنائی دی۔

پرساد اس آدمی کو بُری طرح رگید رہا تھا لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ آدمی پرساد پر حاوی ہوگیا۔ پرساد زمین پر تھا اور وہ شخص اس کے سینے پر سوار تھا۔ اس کا ہاتھ بلند ہوتے دیکھا تو میں کانپ اٹھا۔ اس سے پہلے کہ وہ خنجر کا وار پرساد کے سینے پر کرتا، میرا خنجر اس کی پشت میں پیوست ہوگیا۔ اس شخص کے منہ سے ایک خوف

ناک چیخ نکل گئی۔ میں نے خنجر ایک جھٹکے سے کھینچ لیا۔ پرساد نے اسے دھکا دے کر ایک طرف گرایا اور پھرتی سے اٹھ گیا۔ اس نے زمین پر پڑا ہوا خنجر اٹھایا اور اس شخص کے سینے میں پیوست کردیا۔ اس کے منہ سے ایک اور بھیانک چیخ نکلی۔

دوسرے کمرے سے دارا کے دہاڑنے کی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی پھر ایک اور آواز سنائی دی۔

"دوسرا دروازہ....." یہ سوامی کی آواز تھی "اندر والا دروازہ کھولو اور مائیک سسٹم پر اپنے آدمیوں کو الرٹ کردو۔ جلدی کرو۔" اگرچہ کمرے کے دروازے کو میں نے باہر سے لاک کردیا تھا تاہم سوامی رگوناتھ اتنی تیز آواز میں احکامات صادر کررہا تھا کہ میں انہیں بہ آسانی سن رہا تھا۔

"پرساد۔" میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا "بھاگو۔ وہ باہر آنے کے لیے کوئی اور راستہ استعمال کررہے ہیں۔ انہوں نے اگر مائیک سسٹم پر اپنے آدمیوں کو الرٹ کردیا تو ہمارے لیے یہاں سے نکلنا مشکل ہوجائے گا۔"

رامن پرساد نے اس شخص کے سینے سے اپنا خنجر کھینچ لیا اور ہال کی طرف دوڑا۔ اس مختصر سی راہداری سے نکل کر ہم ہال میں پہنچے ہی تھے کہ اوپر سے ایک نسوانی چیخ کی آواز سنائی دی اور اس کے فوراً ہی بعد ایک فائر ہوا۔ یہ پستول یا ریوالور کے فائر کی آواز تھی۔ میرے ذہن میں جانکی دیوی کا خیال ابھرا اور میں تیزی سے دوڑتا ہوا پرساد سے پہلے اوپر جانے والی سیڑھیوں پر پہنچ گیا۔ پرساد بھی میرے ساتھ سیڑھیوں پر دوڑ رہا تھا اور ہم دونوں بیک وقت ہی تہ خانے سے باہر آئے تھے۔

اوپر کا منظر دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ جانکی دیوی ایک آدمی سے گتھم گتھا تھی۔ جانکی کا پستول کموڈ کے قریب پڑا ہوا تھا اور وہ آدمی جانکی کو فرش پر گرید رہا تھا۔ مجھے صورتِ حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ ہم جب تہ خانے میں اترے تھے تو جانکی دیوی اس الماری کے پیچھے چھپ گئی تھی جس میں کپڑے وغیرہ ٹنگے ہوئے تھے۔ اس دوران میں یہ آدمی اس طرف آگیا تھا۔ ہوسکتا ہے اس شخص نے جانکی کو دیکھ لیا ہو یا جانکی نے اسے روکنے کی کوشش کی ہو۔ اس شخص نے جانکی کو پکڑنے کی کوشش کی ہوگی اور اس دوران میں گولی بھی چلی ہوگی لیکن نتیجہ ہمارے سامنے تھا۔ پستول دور پڑا تھا اور وہ شخص جانکی کو گرید رہا تھا۔ اس شخص کے مقابلے میں کمزور ہونے کے باوجود جانکی دیوی بھرپور انداز میں مدافعت کررہی تھی۔

میں نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس شخص کے سر پر زور دار ٹھوکر رسید کردی۔ وہ شخص بلبلا اٹھا۔ اس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی جانکی دیوی اپنے آپ کو چھوڑ کر کھڑی ہوگئی۔ سب سے پہلے وہ پستول کی طرف جھپٹی تھی۔ پرساد بھی تیزی سے حرکت میں آگیا تھا۔ اس نے اس شخص پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔ وہ شخص اٹھنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے زوردار ٹھوکر ماردی۔ وہ چیختا ہوا لڑکھڑا کر کموڈ پر گرا اور اس وقت پہلی مرتبہ میں نے دیکھا کہ اس کے بائیں بازو سے خون بہہ رہا تھا۔

رامن پرساد نے جھک کر اس شخص کو دونوں ہاتھوں پر اٹھالیا۔ اسی لمحے تہ خانے سے دارا کی آواز سنائی دی۔ وہ چیخ چیخ کر کسی سے کچھ کہہ رہا تھا اور پھر سیڑھیوں پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"رامن جلدی کرو۔ وہ اوپر آرہے ہیں۔" میں نے چیخ کر کہا۔

پرساد نے اس شخص کو سر کے اوپر سے گھماکر تہ خانے کے دہانے میں پھینک دیا۔ دارا ایک اور آدمی کے ساتھ سیڑھیوں پر آرہا تھا۔ وہ شخص ان کے اوپر گرا۔ وہ دونوں چیخ اٹھے اور سیڑھیوں پر لڑھکتے ہوئے نیچے چلے گئے تھے۔

"بھاگو۔ اس طرف۔" میں نے چیخ کر کہا اور جانکی دیوی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

باتھ روم سے باہر نکلتے ہوئے پرساد نے دروازہ دھڑے بند کردیا۔ بیڈ روم سے نکلتے ہوئے جانکی دیوی راستے میں پڑی ہوئی ایک کرسی سے ٹکرائی اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

باہر آکر میں نے بیڈ روم کا دروازہ بھی بند کردیا تھا۔ میں اس دروازے کا کنڈا لگانا چاہتا تھا کہ پرساد کی چیخ سنائی دی۔

"باس بچو۔"

میں بڑی تیزی سے نیچے جھک گیا۔ کوئی چیز زن سے میرے سر کے اوپر سے گزر کر دروازے میں پیوست ہوگئی۔ میں نے سنبھل کر دیکھا تو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ ترسول تھا۔ جو سامنے کے دروازے سے داخل ہونے والے ایک شخص نے پھینکا تھا اور میں بال بال بچا تھا۔

وہ دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ تیزی سے آگے لپک رہا تھا لیکن اسی لمحے ہال کی فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ جانکی دیوی کے پستول سے نکلی ہوئی گولی اس شخص کے سینے میں پیوست ہوگئی تھی اور وہ چیختا ہوا وہیں ڈھیر ہوگیا تھا۔ دوسرا وہ آدمی تھا جس نے مجھ پر ترسول پھینکا تھا۔ اس نے بھی اپنے لباس میں سے خنجر نکال لیا تھا اور چیختا ہوا ہماری طرف دوڑ رہا تھا۔

پرساد نے اپنا خون آلود خنجر اس پر پھینک مارا۔ میں پرساد کے نشانے کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ خنجر اس شخص کے حلق میں ترازو ہوگیا تھا اور وہ چیختا ہوا وہیں ڈھیر ہوگیا تھا۔ پرساد نے دروازے میں گڑا ہوا ترسول کھینچ لیا۔

میں سمجھ گیا کہ دارا نے مائیک سسٹم پر اپنے آدمیوں کو ہمارے بارے میں آگاہ کردیا تھا اور یہ دو آدمی ہماری تلاش میں ہی اندر آئے تھے۔ ان میں سے ایک جانکی دیوی کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور دوسرا پرساد کے ہاتھوں لیکن یہ دونوں دارا کے گروہ کے آخری آدمی نہیں تھے۔ میں جانتا تھا کہ چند منٹ میں ہی ہمارے فرار کے راستے مسدود کردیے جائیں گے۔ گیٹ سے تو فرار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہاں سے کوئی بھی شخص ان کی نظروں میں آئے بغیر نہیں جاسکتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ آشرم کی اس عمارت کو گھیرے میں لے لیا جائے ہمیں یہاں سے نکل کر کمپاؤنڈ میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔

"اس طرف۔ جلدی....." جانکی دیوی عقبی برآمدے والے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخی۔

ہم تینوں اس طرف دوڑے۔ شیشے کا دروازہ اندر سے لاک تھا۔ پرساد نے لاک کھولنے کی زحمت کرنے کے بجائے ترسول کی ضرب سے شیشہ توڑ دیا اور ہم تینوں باہر آگئے۔ اس طرف ابھی کوئی نہیں آیا تھا لیکن ٹھیک اس وقت جب ہم عقبی برآمدے سے نکل رہے تھے' سامنے والے دروازے سے دو اور آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے ہمیں دیکھ لیا اور پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخ اٹھا۔

"وہ رہے۔ پچھلی طرف..... وہ اس طرف سے بھاگ رہے ہیں۔"

ہم تینوں دوڑتے ہوئے برآمدے کی سیڑھیوں سے اترے اور کمپاؤنڈ میں اس طرف دوڑ لگا دی جہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ میرا خیال تھا کہ شیڈ یا کمپاؤنڈ میں دوسرے لوگوں کے بیچ ہم تھوڑی دیر تک محفوظ رہ سکتے تھے۔

ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی۔ ساڑھے تین چار سو افراد تھے جو دارا کے آدمیوں کی حرکتوں سے مشتعل ہورہے تھے۔ ایک دو جگہوں پر تو لوگوں میں ہاتھا پائی بھی ہوئی تھی۔

میں نے ابھی تک جانکی دیوی کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں پستول تھا جبکہ میرے ایک ہاتھ میں خون آلود خنجر تھا اور پرساد ترسول اٹھائے ہوئے تھا۔ ہم لوگوں کو دھکے دیتے ہوئے آگے گھسے جارہے تھے۔ مختلف جگہوں پر لگے ہوئے اسپیکر زپر وقفے وقفے سے ایک آواز سنائی دے رہی تھی۔

"شانت ہوجاؤ بالکو..... شانت ہوجاؤ۔ کچھ اپرادھی (جرائم پیشہ افراد) ہمارے آشرم میں گھس آئے ہیں۔ ان کی وجہ سے یہ ساری گڑبڑ ہورہی ہے۔ ان کی تلاش جاری ہے۔ یہ سب کچھ تم لوگوں کی سرکشا (حفاظت) کے لیے کیا جارہا ہے۔ وہ جلد ہی پکڑے جائیں گے۔"

یہ سوامی رگوناتھ کی آواز تھی جو لوگوں کو پُرسکون رہنے کی ہدایت کررہا تھا لیکن لوگ ایسی زیادتی برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے کہ انہیں دوسروں کے سامنے بے نقاب کیا جائے۔ وہ باعزت لوگ تھے۔ ان کا تعلق معزز گھرانوں سے تھا۔ وہ رات کے اندھیرے میں منہ چھپا کر اپنے جذبات کی تسکین کے لیے یہاں آتے تھے اور یہ کیسے برداشت کرسکتے تھے کہ انہیں دوسروں کے سامنے بے نقاب کیا جائے۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال اُبھرا۔ یہاں سے نکلنا بظاہر مشکل نظر آرہا تھا لیکن اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔

یہ خیال آتے ہی میں ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہوگیا اور چیخ چیخ کر بولنے لگا۔

"لوگو سنو! سوامی رگوناتھ بہت بڑا فراڈ ہے۔ وہ تم سب کے ساتھ دھوکا کررہا ہے۔ راز داری کی قیمت لے کر وہ تم سب کو دوسروں کے سامنے بے نقاب کررہا ہے۔ تم لوگوں کو دوسروں کے سامنے ذلیل و رسوا کررہا ہے اور اس کا فائدہ بھی وہ خود ہی اٹھائے گا۔ تم لوگوں کو بلیک میل کیا جارہا ہے اگر تم لوگوں نے اس زیادتی کے خلاف مزاحمت نہ کی تو سوامی رگوناتھ تم لوگوں کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔ تم لوگ پیسے خرچ کرکے یہاں جذبات کی تسکین اور سکون کی تلاش میں آتے ہو لیکن اپنے ساتھ یہ زیادتی کیسے برداشت کررہے ہو تم لوگ؟" میں ملی جلی انگریزی اور تھائی زبان میں چیخ چیخ کر لوگوں کو رگوناتھ کے خلاف اکسا رہا تھا۔ پرساد کے خیال میں' میں پوری طرح اپنا مافی الضمیر بیان نہیں کرپا رہا تھا۔ اس لیے یہ ذمے داری اس نے سنبھال لی اور میری جگہ پر کھڑے ہوکر تھائی زبان میں چیخنے لگا۔ اس کے منہ سے گالیاں بھی نکل رہی تھیں۔

"یہی ہیں وہ اپرادھی۔" اسپیکروں پر سوامی رگوناتھ کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی "انہی کے آدمی تم لوگوں کے چہرے بے نقاب کررہے ہیں۔ انہوں نے ہمارے تین سیوکوں کی ہتیا (قتل کرنا) کردی ہے۔ یہ قاتل ہیں۔ پکڑلو انہیں۔ جانے نہ پائیں۔"

اور پھر اسی لمحے فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی۔ دارا کے کسی آدمی نے آٹومیٹک رائفل سے فائرنگ کی تھی۔ کئی گولیاں ہمارے سروں کے اوپر سے گزر گئیں۔ انہوں نے فائرنگ شاید ہمیں خوف زدہ کرنے کے لیے کی تھی لیکن صورتِ حال بگڑ گئی۔ لوگ مشتعل تو تھے ہی۔ فائرنگ سے مزید اشتعال پیدا ہوا اور وہاں بھگدڑ سی مچ گئی۔

ہمارے آس پاس موجود کچھ لوگوں نے ہمیں بھی پکڑنے کی کوشش کی تھی لیکن ہم صورتِ حال کا اندازہ لگا چکے تھے۔ میں نے جانکی دیوی کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ پرساد بھی جھکائی دے کر ایک طرف سٹک گیا تھا۔ جو لوگ ہمیں پکڑنا چاہتے تھے آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔

سوامی رگوناتھ بار بار اپرادھیوں یعنی ہمارے بارے میں اعلانات کررہا تھا لیکن پرساد کی باتیں بھی کام کرگئی تھیں۔ لوگ زیادہ مشتعل ہوگئے تھے اور پھر فائرنگ نے تو ان کے صبر کا پیمانہ چھلکا دیا تھا۔ انہوں نے ان لوگوں کو پکڑ لیا جو ان کے چہروں سے ہڈ نوچ رہے تھے۔

ایسے مواقع پر ہوتا یہ ہے کہ اصل آدمی تو ہاتھ نہیں آتے لوگ آپس ہی میں الجھ پڑتے ہیں۔ انہیں یہ احساس نہیں رہتا کہ

کون دوست ہے اور کون دشمن۔ اس وقت بھی یہی سب کچھ ہو رہا تھا۔ لوگ آپس میں الجھ رہے تھے۔ ایک دوسرے پر گر رہے پڑ رہے تھے اور اب لوگ ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے وہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ زیادہ تر لوگوں کا رخ گیٹ کی طرف تھا۔ کچھ لوگ ٹیلوں اور جھاڑیوں کی طرف بھاگ رہے تھے شاید وہ دیوار کود کر باہر جانا چاہتے تھے۔

"اس طرف باس۔" پرساد نے چیخ کر کہا "گیٹ سے نکلنا ممکن نہیں۔ دیوار کود کر ہی جانا پڑے گا۔"

اور پھر ہم جھاڑیوں کی طرف دوڑنے لگے۔ دیوار خاصی اونچی تھی۔ اوپر چڑھنا آسان نہیں تھا۔ ہم دیوار کے ساتھ ساتھ دوڑتے رہے اور پھر ایک جگہ رک گئے۔ وہاں دیوار کا اوپر کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا تھا۔ پرساد دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا لیں۔ پہلے جانکی دیوی اس کے ہاتھوں پر کھڑی ہو کر دیوار پر چڑھی اور پھر میں دیوار پر پہنچ گیا۔ جانکی دیوی دوسری طرف چھلانگ لگا چکی تھی۔ میں پرساد کا ہاتھ پکڑ کر اسے اوپر کھینچ رہا تھا کہ ہم تیز روشنی میں نہا گئے۔ آشرم کی عمارت پر لگی ہوئی سرچ لائٹیں روشن ہو گئی تھیں۔

اور پھر ٹھیک اسی وقت فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ ان لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا لیکن یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم گولیوں کی زد سے محفوظ رہے۔ گولیاں میرے سر کے اوپر سے گزر گئی تھیں لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ ہم دوسری باڑ سے بھی محفوظ رہتے۔ میں پوری قوت سے پرساد کو اوپر کھینچنے لگا۔

"باس۔ مجھے چھوڑ دو۔ تم دیوار سے کود کر گاڑی کے پاس پہنچ جاؤ۔ میں کسی اور طرف سے آنے کی کوشش کرتا ہوں۔" پرساد چیخا۔

"نہیں۔ پیر دیوار پر جما کر اوپر چڑھنے کی کوشش کرو۔" میں نے کہا۔

پرساد نے دونوں پیر دیوار پر جما دیے اور میں نے اسے پوری قوت سے اوپر کھینچ لیا۔ اسی لمحے ایک اور باڑ ماری گئی۔ اس مرتبہ گولیاں دیوار کے اس حصے پر لگیں جہاں چند سیکنڈ پہلے پرساد لٹکا ہوا تھا۔ وہ جیسے ہی دیوار پر پہنچا ہم نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور اس کے ساتھ ہی پرساد کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

باہر سے دیوار تقریباً پندرہ فٹ اونچی تھی۔ زمین بھی ہموار نہیں تھی اور تاریکی میں یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ نیچے کیا ہے۔ پرساد کا پیر ایک پتھر پر پڑ کر مڑ گیا تھا جس سے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔ میں بھی نیچے گر کر ناہموار زمین پر لڑھکتا چلا گیا تھا۔

جانکی دیوی چند فٹ دور دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ وہ تیزی سے میری طرف دوڑی۔ میں اس کے چیخنے سے پہلے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے مڑ کر پرساد کی طرف دیکھا۔ وہ اسی جگہ پڑا کراہ رہا تھا۔ میں دوڑ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا ہوا پرساد؟" میں نے پوچھا۔

"میرے پیر میں موچ آ گئی ہے باس۔" پرساد کراہا "مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا۔"

میں نے اور جانکی دیوی نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ پرساد کے بائیں ٹخنے میں موچ آ گئی تھی اور اس سے پیر زمین پر نہیں رکھا جا رہا تھا۔ مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ اگر دارا کا کوئی گن مین دیوار پر چڑھ گیا تو ہم تینوں بڑی آسانی سے اس کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں گے۔ وہ جگہ چٹیل میدان جیسی تھی اور چھپنے کی بھی کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں اور جانکی دیوی پرساد کو بانہوں سے پکڑ کر گھسیٹتے رہے۔ آشرم کے گیٹ کے آس پاس بھی ہنگامے کی سی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ لوگوں نے گیٹ توڑ دیا تھا اور سڑک کے دوسری طرف میدان میں دوڑ رہے تھے جہاں لاتعداد گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہم پرساد کو گھسیٹتے ہوئے اس میدان میں آ گئے۔

جب ہم وہاں آئے تھے تو پندرہ بیس گاڑیاں نظر آئی تھیں لیکن اب وہاں لاتعداد گاڑیاں نظر آ رہی تھیں اور ہماری گاڑی ان میں کہیں پھنس گئی تھی۔ بدحواس لوگ اپنی اپنی گاڑیوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ کچھ لوگ اپنی گاڑیوں تک پہنچ گئے تھے اور انجن اسٹارٹ کر کے آگے بڑھنے کا راستہ ڈھونڈ رہے تھے۔

"باس!" پرساد نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا "اپنی گاڑی تلاش کرنا مشکل ہے۔ کوئی اور گاڑی پکڑ لیں۔"

"وہ گاڑی مہاراج نے فراہم کی تھی۔ اگر یہاں چھوڑ دی گئی تو گڑبڑ ہو جائے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے۔ چلو..... میرا خیال ہے ہم نے گاڑی اس طرف کھڑی کی تھی۔ اس ویگن کے پاس۔" پرساد نے ایک طرف اشارہ کیا۔

میں اور جانکی اسے سہارا دے کر گھسیٹتے ہوئے اس سفید ویگن کے قریب پہنچ گئے۔ اس ویگن کے ساتھ ہی ہماری گاڑی کھڑی تھی لیکن اس کا اگلا ایک ٹائر فلیٹ ہو رہا تھا۔

"شٹ!" میں نے غصے میں گاڑی پر ہاتھ مارا۔

"اب تو کوئی اور گاڑی ڈھونڈو باس۔" پرساد نے کہا اور گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا "باس! وہ دیکھو۔ وہ اکیلی عورت ہے جو اس گاڑی میں بیٹھ رہی ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

دائیں طرف سفید رنگ کی وہ چوتھی گاڑی تھی۔ ایک عورت دروازے پر جھکی ہوئی تھی۔ اب پرساد کے مشورے پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے جانکی دیوی کو اشارہ کیا۔ وہ پنے تلے قدم اٹھاتی ہوئی اس کار کے قریب پہنچ گئی اور پھر صرف ایک منٹ بعد اس نے ہمیں اشارہ کر دیا۔

میں پرساد کو سہارا دے کر چلاتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔

جانکی دیوی نے اس عورت کو پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔

"شریف عورت ہمیں اپنی گاڑی میں لفٹ دینے کو تیار تم لوگ پیچھے بیٹھ جاؤ۔" جانکی دیوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

گیٹ کی طرف سے آنے والی مدھم سی روشنی میں اس عورت کے چہرے پر خوف کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ ایک تو آشرم کے ہنگامے نے اسے خوف زدہ کر رکھا تھا اور مزید ستم یہ کہ جانکی دیوی نے پستول اس کے پہلو سے لگا رکھا تھا۔

اس عورت کی عمر تیس بتیس سال رہی ہوگی۔ وہ اسکرٹ اور بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔ بال الجھے ہوئے تھے۔ چہرے کا میک اَپ بھی بگڑا ہوا تھا۔ اس کا لباس اور پھر یہ گاڑی دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کا تعلق کسی اچھے گھرانے سے تھا۔

میں نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پہلے پرساد کو اندر بیٹھنے میں مدد دی اور پھر خود بھی بیٹھ گیا۔ جانکی دیوی نے اس عورت کو اشارہ کیا۔ وہ ڈرائیونگ سائڈ کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گئی۔ جانکی دیوی نے پسنجرز سیٹ سنبھال لی تھی۔

"تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" جانکی دیوی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے اور ہم بھی تمہاری طرح اس جنم سے نکل کر شہر پہنچنا چاہتے ہیں۔ تمہیں ہم سے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن....." اس نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"نہیں۔ میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گی ڈاکٹر جانکی۔" اس عورت نے کہا۔

اس عورت کے منہ سے جانکی کا نام سن کر نہ صرف جانکی بلکہ میں بھی اچھل پڑا تھا۔

"تت..... تم مجھے جانتی ہو؟" جانکی دیوی کسی قدر بدحواس ہو گئی تھی۔

"تم اس شہر کی ایک معروف فزیشن اور سرجن ہو۔" اس عورت نے جواب دیا۔ اب اس کے چہرے سے خوف کے تاثرات کافی زائل ہو چکے تھے "آدھے سے زیادہ شہر تمہیں جانتا ہے لیکن..... تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔"

"ہم اس مقصد سے نہیں آئے تھے جو تم سمجھ رہی ہو۔" جانکی دیوی نے کہا "گاڑی آگے بڑھاؤ۔ وہ آگے والی گاڑی نکل رہی ہے۔"

وہ عورت انجن اسٹارٹ کر چکی تھی۔ اس سے آگے ایک گاڑی باہر نکل رہی تھی۔ اس نے بھی اپنی گاڑی اس کے پیچھے لگا لی۔ شاید مجھے یہ اندیشہ تھا کہ دارا کے آدمی آشرم سے باہر نہ جانے دیں۔ انہوں نے ہمیں دیوار سے کودتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ یوں بھی بہت سے لوگ دیوار سے کود کر باہر آئے تھے۔ یہاں دارا کے سوا کسی کو چہرے سے کوئی نہیں پہچانتا تھا لیکن عین ممکن ہے وہ باہر آ کر ہماری تلاش کرنے کی کوشش کریں اور ان کے ساتھ دارا بھی ہو۔

ایسی صورت میں ہمارے لیے مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔

بات اگر لوگوں کے چہروں سے ہڈا تارنے تک محدود رہتی تو اتنی گڑبڑ نہ ہوتی لیکن فائرنگ سے صورتِ حال بگڑ گئی تھی اور لوگ بدحواس ہو کر دوڑے تھے۔

سڑک پر بھی گاڑیاں بے ترتیبی سے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ہماری گاڑی ابھی سڑک پر نہیں پہنچ پائی تھی۔ میں گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا جو ٹوٹ چکا تھا اور لوگ اب بھی ہجوم در ہجوم ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے باہر نکل رہے تھے۔ اور پھر اچانک گیٹ کے دوسری طرف آشرم کی عمارت میں ایک جگہ سے دھواں اٹھتے دیکھ کر میں چونک گیا۔

"گاڑی جلدی نکالو۔ اب یہاں ایک اور ہنگامہ شروع ہونے والا ہے۔" جانکی نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے بھی آشرم کی عمارت سے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور غالباً کچھ دیر بعد پیش آنے والی صورتِ حال کا کچھ اندازہ بھی لگا لیا تھا۔

دھواں صرف ہم نے نہیں اور بھی بہت سے لوگوں نے دیکھا تھا۔ اندر سے اب شور کی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ کسی دل جلے نے آشرم کی عمارت کو آگ لگا دی تھی۔ دھوئیں کے ساتھ اب شعلے بھی بلند ہونے لگے تھے۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی عورت اب خاصی بدحواس ہو رہی تھی۔ سڑک پر آگر اس نے تین مرتبہ اپنی گاڑی دوسری گاڑیوں سے ٹکرائی تھی۔ ہنگامہ بڑھ گیا تھا اور لوگ اب جلد سے جلد وہاں سے دور نکل جانا چاہتے تھے۔

کمپاؤنڈ کے اندر سے ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ کچھ چیخیں بھی گونجی تھیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اسٹریٹ فائرنگ کی گئی تھی یا ہوائی۔ لیکن بہرحال اس فائرنگ سے لوگ مزید بدحواس ہو گئے تھے۔

آشرم کی عمارت اور بیرونی گیٹ کے آس پاس دیواروں پر سرچ لائٹیں جل رہی تھیں لیکن پھر یکایک تاریکی چھا گئی۔ آشرم کی عمارت میں لگنے والی آگ بجلی کے تاروں تک پہنچ گئی تھی اور اس طرح بجلی بھی فیل ہو گئی تھی۔ چاروں طرف تاریکی چھا گئی۔ اِدھر اُدھر لہراتی ہوئی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس عجیب سا تاثر پیش کر رہی تھیں۔

آشرم کی عمارت سے اٹھنے والے شعلے اب بلند ہو رہے تھے۔ گیٹ کے سامنے سڑک پر گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں لیکن بہرحال وہ عورت اپنی کار ہجوم سے نکالنے میں کامیاب ہو گئی اور کھلی جگہ پر آتے ہی اس نے ایکسیلریٹر پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔ کار بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح سڑک پر دوڑنے لگی۔ اس سے آگے بھی کچھ گاڑیاں اسی تیز رفتاری سے جا رہی تھیں۔ غالباً ہر شخص جلد سے جلد اس علاقے سے دور نکل جانا

چاہتا تھا۔

میں پیچھے مڑ کر آشرم کی عمارت سے اٹھتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت تک غالباً پوری عمارت آگ کی لپیٹ میں آچکی تھی اور شہر کے تمام فائر اسٹیشن مل کر بھی اس آشرم کو خاکستر ہونے سے نہیں بچا سکتے تھے اور ویسے میرے خیال میں فائر بریگیڈ کے وہاں تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آگ پھیلنے سے پہلے اگر فون پر شہر کے کسی فائر اسٹیشن کو اطلاع دے بھی دی گئی ہوگی تو فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ ایک گھنٹے سے پہلے فائر بریگیڈ کی کوئی گاڑی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی اور جس طرح سے آگ بھڑک رہی تھی' اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اس ایک گھنٹے میں پوری عمارت ملبے کا ڈھیر بن جائے گی۔

میں سوامی رگوناتھ اور دارا کے بارے میں سوچنے لگا۔ ان کا کیا انجام ہوا ہوگا۔ کیا وہ بھی اس آگ میں جل مرے ہوں گے یا۔ بچ گئے ہوں گے۔ ویسے زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو بچالیا ہوگا۔ دارا اور اس کے ساتھی تو ہمیں کمپاؤنڈ میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ وہ یقیناً بچ گئے ہوں گے۔ البتہ سوامی رگوناتھ تہ خانے میں تھا۔ اس کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا مشکل تھا۔

اچانک پرساد کے کراہنے کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اپنے خیالات میں الجھ کر اسے تو میں بھول ہی گیا تھا اور اسی دوران میں غالباً وہ بھی اپنی تکلیف بھولا ہوا تھا اور اب ہم اس ہنگامے سے دور ہوئے تو وہ بھی کراہنے لگا تھا۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"بہت تکلیف ہو رہی ہے باس۔" پرساد نے کراہتے ہوئے جواب دیا "پیر سوج رہا ہے۔"

میں نے جھک کر اس کا پیر ٹٹولا تو وہ ایک بار پھر کراہ اٹھا۔ اس کا پیر ٹخنے کے قریب سے واقعی بہت سوج گیا تھا۔

"تھوڑی دیر تک تو تمہیں یہ تکلیف برداشت کرنی ہی پڑے گی۔" جانکی دیوی نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا "اپنے ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد ہی اس کا کچھ علاج ہوگا۔"

پرساد نے سختی سے دانت بھینچ لیے۔

کار تیز رفتاری سے چلتی رہی۔ اسی دوران میں پیچھے سے آنے والی دو اور کاریں بڑی تیز رفتاری سے ہمیں اوور ٹیک کرتی ہوئی آگے نکل گئی تھیں۔ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھی ہوئی وہ عورت بھی بڑی ماہرانہ ڈرائیونگ کا ثبوت دے رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے جانکی دیوی سے باتیں بھی شروع کردی تھیں۔ باتیں کیا۔ بس وہ سوامی رگوناتھ اور اس کے لوگوں کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ جانکی دیوی ہوں ہاں میں اس کی باتوں کا جواب دے رہی تھی۔ باتوں میں اس نے اپنا نام بھی بتا دیا تھا۔ وہ ہپ لیونگ تھی۔

شہر کا پہلا چوراہا ابھی تقریباً ایک میل دور تھا۔ ہماری کار تقریباً سو کلو میٹر کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ پیچھے سے آنے والی ایک اور تیز رفتار کار آگے نکلنے کے لیے ہمارے برابر پہنچی تو اس کے اندر پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوگئی تھی۔ وہ دارا تھا۔ اس کار کا ڈرائیور اور اس کے ساتھ دوسری سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی شکل ہی سے غنڈے لگ رہے تھے۔

دارا نے پہلے تو شاید خیال نہیں کیا لیکن اس کی کار جیسے ہی کچھ آگے نکلی تو اس نے گردن گھما کر ہماری طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کی چیختی ہوئی آواز سنی تھی۔

"وہ حرام زادہ اس کار میں ہے۔ روکو اسے۔"

وہ کار تیزی سے آگے نکل کر ہماری کار کے سامنے آگئی۔ رامن پرساد نے بھی دارا کی آواز سن لی تھی۔ وہ سیٹ پر نیم دراز تھا۔ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوگیا۔

"باس وہ..... وہ....."

"دارا ہے۔" میں نے کہا "گھبراؤ نہیں۔ نمٹ لیں گے ان سے۔"

جانکی دیوی نے بھی دارا کو دیکھ لیا تھا اور ہماری کار کی ڈرائیور ہپ لیونگ نے بھی صورتِ حال کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس کے چہرے پر زردی پھیلنے لگی۔

دارا والی کار ہمارے بالکل سامنے آگئی تھی اور اس کی رفتار کم ہو رہی تھی۔ ہماری ڈرائیور نے اپنی کار کو سائڈ سے نکالنا چاہا لیکن اگلی کار لہرا گئی اور بریک کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ رک گئی۔ ہپ لیونگ نے بھی بریک پیڈل دبا دیا لیکن کار رکتے رکتے بھی اگلی کار سے ٹکرا گئی تھی۔

"تم یہیں بیٹھے رہو۔ اپنی جگہ سے ہلنا مت۔" میں نے پرسار کی طرف دیکھ کر کہا اور دروازہ کھول کر پھرتی سے نیچے اتر آیا۔ دارا اور اس کے دونوں ساتھی بھی اپنی کار سے اتر آئے تھے۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم بھاگنے میں دیر نہیں لگاؤ گے اس لیے میں نے بھی وہاں رک کر وقت ضائع نہیں کیا۔" دارا میری طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا "پکڑو اسے۔" اس نے اپنے گرگوں کو حکم دیا "پہلے میں اسے ختم کرنا چاہتا تھا لیکن اب یہ مجھے زندہ چاہیے۔ اگر زیادہ مزاحمت کرے تو ایک آدھ ہڈی توڑ دینا مگر مرنا نہیں چاہیے اسے۔ یہ اب میرے لیے بہت قیمتی ہوگیا ہے۔"

"بس۔ یہ دو آدمی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ مجھے قابو کرسکیں گے؟"

"دارا غرایا۔

"اب تم کچھ نہیں کرسکو گے کتے کے پلے۔" دارا غرایا۔

"تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ کتے کی طرح بھونکتا کون ہے۔ میں یا تم.....؟" میں نے جواب دیا اور ان دونوں کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔

وہ دونوں مجھ سے چند فٹ دور تھے اور جارحانہ انداز میں میری طرف بڑھ رہے تھے۔ ان جیسے دو تو کیا' میں چار آدمیوں سے بھی نمٹ سکتا تھا لیکن میرے لیے سب سے بڑا خطرہ دارا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول تھا۔ ظاہر ہے وہ مجھے مزاحمت کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں کشمکش وپیچ میں تھا کہ ٹھیک اسی لمحے فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ کار میں بیٹھی ہوئی جانکی دیوی نے اپنے پستول سے گولی چلا دی تھی۔ گولی دارا کے پستول والے ہاتھ پر لگی۔ وہ چیخ کر اچھلا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔ جانکی بڑی پھرتی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی تھی۔ دارا نے ایک بہت بڑی غلطی یہ کی تھی کہ اس نے کار میں بیٹھی ہوئی عورتوں کو نظر انداز کردیا تھا اور ساری توجہ میرے اوپر مبذول رکھی تھی جس کا اسے خمیازہ بھگتنا پڑا تھا۔

"اب اگر تم میں سے کسی نے حرکت کی تو گولی مار دوں گی۔" جانکی دیوی نے غراتے ہوئے کہا۔ دارا ایک طرف کھڑا تھا اور وہ دونوں غنڈے دوسری طرف۔ جانکی پستول کا رخ کبھی ایک طرف کرتی اور کبھی دوسری طرف۔

دارا نے اپنے گرگوں کی طرف دیکھا اور انہیں آنکھ سے اشارہ کردیا۔ وہ دونوں غنڈے آہستہ آہستہ میری طرف بڑھنے لگے۔ جانکی دیوی نے پستول کا رخ ان کی طرف کرکے انہیں للکارا اور دارا نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جانکی دیوی پر چھلانگ لگا دی۔

جانکی دیوی نے گولی چلا دی مگر اس مرتبہ نشانہ خطا ہوگیا۔ دارا نے آگے بڑھ کر بڑی پھرتی سے اس کے ہاتھ پر زوردار ٹھوکر لگا دی تھی۔ پستول جانکی کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ دارا نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر گرفت میں لے لیا۔

وہ دونوں غنڈے بیک وقت مجھ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ان کا انداز اسٹریٹ فائٹروں جیسا تھا۔ میں دفاعی انداز میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ وہ دونوں میرے بہت قریب آگئے۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر حملہ آور ہوتے' میں بڑی پھرتی سے نیچے بیٹھ گیا اور بائیں پیر کی ایڑی پر گھومتے ہوئے لات چلا دی۔ ان میں سے ایک تو پنڈلی پر میرے پیر کی ٹھوکر لگنے سے ڈھیر ہوگیا لیکن دوسرا بروقت اچھل کر اپنے آپ کو بچا گیا لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ اپنے آپ کو بائیں طرف جھکا کر دونوں ہتھیلیاں زمین پر ٹکا کر میں پورے قد سے قلابازی کھا گیا اور میرے پیر کی ٹھوکر اس کے جبڑے پر لگی۔ اس کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ کراہتا ہوا لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔

میں نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔ پہلا حریف اٹھ کر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ میں نے اس کا پنچ روکنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ گھونسا وزنی ہتھوڑے کی طرح میرے جبڑے پر لگا اور میرا دماغ جھنجھنا گیا۔ میں لڑکھڑا کر رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا' دو اور گھونسے میرے جبڑوں پر لگے۔ میرا دانت ہل گیا۔ منہ میں خون کا ذائقہ محسوس کرکے میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ میں نے اس کا اگلا وار روک لیا۔ ایک ہاتھ سے اس کی کلائی کو گرفت میں لے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے اسی کندھے پر کھڑی ہتھیلی کا وار کیا۔ وہ بلبلا کر آگے جھکا۔ میں نے اس کی ٹھوڑی پر گھٹنے سے زوردار ضرب لگائی تو وہ بلبلاتا ہوا سیدھا ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کے جبڑے پر گھونسے رسید کرتے ہوئے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اپنے ساتھی پر گرا جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کم آن۔" میں نے اسٹانس بدلتے ہوئے دونوں ہاتھ آگے نکال دیے۔ میرا انداز اشتعال دلانے والا تھا۔ میں نے اپنے استاد ماسٹر ہوچن سے ایک بات سیکھی تھی "لڑو مگر اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو۔ حریف کو اشتعال دلاؤ اور موقع پاکر اپنا وار کرو۔" میں اس وقت یہی پالیسی اپنائے ہوئے تھا۔ وہ دونوں اگرچہ مجھ سے کہیں زیادہ طاقت ور تھے اور مجھ سے زیادہ گرم دماغ بھی۔ میں نے اپنا دماغ ٹھنڈا رکھا تھا مگر وہ اشتعال میں آگئے تھے۔ وہ دونوں اٹھ کر میری طرف بڑھے۔ میں اب بھی اپنے ہاتھوں کو اسی طرح حرکت دے رہا تھا۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچے' میں کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور اپنے آپ کو کئی فٹ اوپر تک اٹھاتا چلا گیا اور پھر نیچے آتے ہوئے میں نے دونوں ٹانگوں کو اس طرح جھٹکا کہ میری دونوں گمس ان دونوں کی کھوپڑیوں پر لگیں۔ یہ ڈوکل کک مجھے جنگل والے کیمپ میں ماسٹر ہانگ سونے سکھائی تھی اور اس کے لیے مجھے کئی ہفتوں تک بڑی محنت کرنی پڑی تھی۔ میں اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے آٹھ فوٹ سیدھا اوپر اٹھ سکتا تھا۔

وہ دونوں بلبلاتے ہوئے دائیں بائیں گرے تھے۔ میں زمین پر پیر ٹکاتے ہی سنبھل گیا اور مجھے اِدھر اُدھر دیکھنے کا موقع مل گیا۔

ہپ لیونگ اسٹیئرنگ پر سر جھکائے بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی اور جانکی دیوی کو دارا نے دبوچ رکھا تھا۔ جانکی اپنے آپ کو چھڑانے کی پوری جدوجہد کر رہی تھی۔ دارا نے اس کے ایک دو کرارے ہاتھ بھی مار دیے تھے۔ اس کے ہونٹوں سے خون بھی بہہ رہا تھا۔ میں دارا کی طرف لپکا لیکن ان دونوں غنڈوں نے اٹھ کر مجھے دبوچ لیا۔ رامن پرساد کار میں بیٹھے بیٹھے چیخ رہا تھا۔

ان دونوں غنڈوں نے مجھے بُری طرح جکڑ لیا تھا۔ میں نے زور آزمائی کرنے کے بجائے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ وہ سمجھے کہ میری قوتِ مدافعت جواب دے چکی ہے لیکن میں نے اپنا جسم صرف ایک لمحے کو ڈھیلا چھوڑا تھا۔ میں نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر کرتے ہوئے جسم کی پوری قوت بازوؤں میں سمیٹ لی اور جب میں نے بازوؤں کو جھٹکا دیا تو وہ دونوں اچھل کر کئی فٹ دور جا گرے تھے۔ میں پشت کے بل پڑا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے زمین پر ٹکا لیے' پیروں کو سمیٹ کر اپنے جسم کا برج بنایا اور ایک جھٹکے سے سیدھا ہوتے ہوئے سامنے کی طرف قلابازی کھائی۔ اس

مرتبہ میرے دونوں پیران کے سینوں پر پڑے تھے۔

"شاباش بائس..... ویری گڈ!" پرساد مجھے داد دیتے ہوئے چیخ رہا تھا اور پھر جانکی دیوی کی چیخ سن کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

اور پھر میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا کہ پرساد کار کے کھلے ہوئے دروازے سے کسی پرندے کی طرح اڑا اور دارا کے اوپر جاگرا جو جانکی کو بالوں سے پکڑے اس کے جسم پر ٹھوکریں برسا رہا تھا۔

پرساد دارا کو ساتھ لیتا ہوا زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس وقت اس نے اپنی تکلیف کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ وہ بھی دارا کو بری طرح رگید رہا تھا لیکن پھر دارا کا داؤ چل گیا۔ وہ اپنے آپ کو چھڑا کر پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا اور پرساد پر ٹھوکریں برسانے لگا۔ پیر کی تکلیف کی وجہ سے پرساد اٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ زمین پر پڑے پڑے اپنا دفاع کرنے لگا۔

اور پھر آشرم والی سڑک سے دو کاروں کو آتے دیکھ کر دارا اور اس کے ساتھی گڑبڑا سے گئے۔ دارا نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پرساد کو چھوڑ کر اپنی کار کی طرف دوڑا۔ ان دو غنڈوں میں سے ایک تو میری گرفت میں تھا مگر دوسرے نے دارا کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ وہ جیسے ہی پرساد کے قریب پہنچا، پرساد نے اچھل کر اس کی ٹانگ پکڑلی۔ وہ غنڈا اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتا رہا مگر پرساد جونک کی طرح اس کی ٹانگ سے لپٹا ہوا تھا۔

دارا کی کار کا انجن اسٹارٹ ہوچکا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ کار ایک زوردار جھٹکے سے حرکت میں آگئی۔ صورتِ حال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے دارا نے راہِ فرار اختیار کرلینے ہی میں عافیت سمجھی تھی اور وہ اپنے گرگوں کو ہمارے رحم وکرم پر چھوڑ گیا تھا۔ ان میں ایک کو پرساد نے گرفت میں لے رکھا تھا اور دوسرا میرے قابو میں تھا۔ پہلے میرے مقابلے پر دو تھے لیکن اب ایک ہی رہ گیا تھا۔ یوں تو میں پہلے بھی ان کے سامنے کمزور نہیں پڑا تھا لیکن اب ون ٹو دن کی بات تھی۔ میں نے اپنے حریف کو پیر ٹکانے کا موقع نہیں دیا اور گھونسوں اور ٹھوکروں سے اس کی تواضع کرتا رہا۔

آشرم کی طرف سے آنے والی کاروں میں آگے والی کار کی رفتار بڑی تیز تھی۔ ہم اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں تھے اور پھر وہ کار بریک کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ رک گئی۔

دھڑ دھڑ کر کار کے دروازے کھلے اور تین آدمی نیچے اتر آئے۔ میرا خیال تھا کہ شاید وہ بھی دارا کے گرگے ہوں گے۔ میں نے اپنے آپ کو ان سے نمٹنے کے لیے تیار کرلیا تھا۔ جانکی دیوی نے کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں سڑک پر پڑا ہوا نہ صرف اپنا بلکہ دارا کا پستول بھی اٹھالیا تھا اور ہپ یونگ کی کار کی آڑ میں پوزیشن لے کر کھڑی ہوگئی۔

وہ دارا کے نہیں بلکہ مہاراج کے آدمی تھے۔ ان میں ا
گانگ تھا۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے ان غنڈوں کو سنبھا
اور گانگ نے مجھے بازو سے پکڑلیا۔

"مجھے افسوس ہے ہمیں یہاں پہنچنے میں دیر ہوگئی۔" گا
نے کہا "دراصل ہم لوگ تمہیں اور دارا کو وہاں تلاش کر
تھے پھر ہم نے تمہیں ایک گاڑی میں وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھا
اس کے چند منٹ بعد ہی دارا کو بھی ایک کار میں وہاں سے نکلتے
لیا۔ ہم تو فوراً ہی اس کے پیچھے آنا چاہتے تھے لیکن ہماری کار پنکچر
گئی تھی پھر بھی ہم بروقت یہاں پہنچ گئے۔ دارا کہاں گیا؟"

"وہ بھاگ گیا۔ بزدل۔" میں نے جواب دیا۔

"تم لوگ نکل چلو یہاں سے۔ ہم ان دونوں سے نمٹ کر آ
ہیں۔" گانگ نے کہا۔

جانکی دیوی نے پہلے گانگ کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس وقت
صورتِ حال کو سمجھنے میں اسے دیر نہیں لگی تھی۔ وہ کار کی آڑ سے
نکل کر سامنے آگئی۔ میں نے پرساد کو سہارا دے کر ہپ یونگ کی
کار میں ڈال دیا اور خود بھی اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔
جانکی اگلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ ہپ یونگ وحشت زدہ سی نظروں
سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال
لیا اور انجن اسٹارٹ کرکے کار کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔
اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوا لیو یونگ۔" جانکی نے اس کی طرف دیکھتے ہو
کہا "احتیاط سے گاڑی چلاؤ۔ کوئی حادثہ نہ ہوجائے۔"

"وہ آگے گیا ہے۔ اگر....."

"اب وہ ہمارا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کرے گا۔" جانکی
نے کہا "اب وہ کئی روز تک کسی بل میں چھپا اپنی چوٹیں سہلا
رہے گا۔ آرام سے گاڑی چلاؤ۔"

"جب سے یہ آدمی آشرم میں آیا تھا اسی روز سے گڑبڑ ہو
تھی۔" ہپ یونگ نے کہا "میں نے تو سوچا تھا کہ وہاں جاناہی چھوڑ
دوں گی۔ اب تو سب کچھ ختم ہوگیا۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر جانکی دیوی کی طرف دیکھتے
ہوئے بولی "میرا خیال ہے آشرم میں یہ سارا ہنگامہ تم لوگوں کی وجہ
سے ہوا ہے۔ یہ کون ہے؟" اس نے پیچھے میری طرف اشارہ کیا۔

"لمبی کہانی ہے۔" جانکی نے جواب دیا "اس کی وجہ سے
تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ درست ہے کہ دارا کو اسی کی
تلاش تھی اور یہ تلاش بہت عرصے سے ہے لیکن جب تم اس کی
کہانی سنو گی تو تمہیں اس سے ہمدردی اور دارا سے نفرت ہوجائے
گی۔"

"دارا وہی شخص ہے نا جو بھاگ گیا ہے؟" ہپ یونگ نے
پوچھا۔

"ہاں وہی۔" جانکی نے گردن ہلائی "دنیا کا سب سے

سفاک اور بزدل آدمی۔"

سفاکی اور بزدلی کا اندازہ مجھے بھی ہوگیا ہے۔" ہپ
کہا "دو دن پہلے اس نے ایک آدمی کو آشرم کے اندر
طرح پیٹ ڈالا تھا۔ اس کی ایک پسلی توڑ دی تھی اور
باہر پھکوا دیا تھا۔ اس کا قصور صرف یہ تھا کہ....."

نے سوامی کے پیر چومنے سے انکار کردیا تھا۔" جانکی نے
پوری کردی۔

معلوم ہے؟" ہپ یونگ نے چونک کر اس کی طرف

میں وہاں موجود تھی۔ میں تو اس بدمعاش کی تلاش
تھی اور انجن اسٹارٹ کرکے کار کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

"تمہارا پولیس سے بھی کوئی تعلق ہے؟" ہپ یونگ نے

پولیس..... نہیں۔" جانکی دیوی نے جواب دیا "یہ ایک
نزاکت کا معاملہ ہے۔ تم اس کے بارے میں تھوڑا بہت بھی
تو کانپ اٹھو گی۔ پچھلے چند مہینوں میں شہر میں جتنے بھی
ہوتے رہے ہیں، ان کے ذمے دار ٹائیگر اور دارا ہیں۔
سے مہاتما بدھ کے مجسمے سے سونا چرانے کی کوشش کی تھی۔
نے سونا چوری ہونے سے بچایا، دارا اور ٹائیگر نے اسے
سامنے بم سے اڑا دینا چاہا۔ وہ کئی بے گناہوں کا قاتل
ٹائیگر تو چند روز پہلے وجدان کے ہاتھوں مارا گیا اور دارا ابھی
ہوا ہے۔ وہ گردن تک گناہوں اور جرائم کی دلدل میں

"اوہ۔" ہپ یونگ چونک گئی "وجدان وہی تو نہیں جس کا
کے حوالے سے اخباروں میں بھی نام آتا رہا ہے لیکن
اس کا کیا تعلق ہے؟"

میرے اور وجدان کے تعلق کا اندازہ تم اس طرح لگا سکتی
اس وقت میرے ساتھ ہے۔" جانکی نے کہا۔ وہ جذبات
کچھ زیادہ ہی بول رہی تھی۔

کیا....." اسٹیئرنگ پر ہپ یونگ کے ہاتھ کانپ
کار سڑک پر لہرانے لگی۔

گاڑی سنبھالو!" جانکی دیوی چیخی۔

ہپ یونگ نے فوراً ہی اپنے حواس پر قابو پالیا اور سامنے
آئینے کا زاویہ درست کرکے مجھے دیکھنے لگی۔ میرے
پرساد بھی تھا اور اس کے لیے شاید یہ فیصلہ کرنا دشوار
کہ ہم دونوں میں وجدان کون ہے۔

وجدان کون ہے؟" بالآخر اس نے جانکی سے یہ سوال
والا۔

وہ جس نے تھوڑی دیر پہلے دارا کے دو غنڈوں کی پٹائی کی
تھی۔" جانکی دیوی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ہپ یونگ آئینے میں مجھے دیکھنے لگی۔ شاید اسے جانکی کی بات کا یقین نہیں آرہا تھا۔ عام آدمی کے لیے میرے بارے میں ایسی بات کا یقین کرنا ممکن بھی نہیں تھا لیکن ہپ یونگ چونکہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکی تھی اس لیے اسے یقین تو کرنا ہی پڑا تھا۔

ہم سے پہلے جو لوگ شہر پہنچ چکے تھے، انہوں نے شاید پولیس کو آشرم میں ہونے والے واقعے کی اطلاع دے دی تھی اور اب سامنے سے کچھ گاڑیاں آتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ سائرن کی آوازیں بھی فضا میں گونج رہی تھیں۔ ان کی چھتوں پر لگی ہوئی لائٹوں سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ پولیس اور فائر بریگیڈ کی گاڑیاں تھیں۔

ہپ یونگ نے کار سڑک کے کنارے پر لگا کر روک لی۔ پولیس کی کئی گاڑیاں اور لاتعداد فائر انجن سائرن بجاتے ہوئے تیز رفتاری سے آشرم کی طرف دوڑے جارہے تھے۔

تقریباً دس منٹ بعد ہپ یونگ نے گاڑی آگے بڑھادی لیکن اس نے رفتار ہلکی ہی رکھی کیونکہ سامنے سے اب بھی کچھ گاڑیاں بڑی تیز رفتاری سے آرہی تھیں۔ گرینڈ ہوٹل سے اس نے کار مین سوئم وٹ روڈ پر موڑلی۔ ابھی رات کے گیارہ ہی بجے تھے۔ اس سڑک پر خاصی رونق تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ کسی ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب ہم کار رکوا کر اتر جائیں گے اور وہاں سے کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر وائٹ ٹریمنٹ کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔ اس سڑک پر کچھ آگے جاکر ہپ یونگ نے کار ذیلی سوئم وٹ سکسٹی ٹو ایکا مائے روڈ پر موڑلی تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ آگے بیٹھی ہوئی جانکی دیوی نے بھی نوٹ کرلیا کہ وہ کس طرف جارہے ہیں۔

"اس طرف کہاں جارہی ہو؟" وہ ہپ یونگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "ہمیں مین روڈ پر کسی ٹیکسی اسٹینڈ پر ڈراپ کردیتیں تو....."

"میں دیکھ رہی ہوں کہ تم تینوں کو فرسٹ ایڈ کی ضرورت ہی۔" ہپ یونگ نے اس کی بات کاٹ دی "تمہارا وہ تیسرا ساتھی تو تکلیف سے مسلسل کراہ رہا ہے۔ میرا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ تم تینوں کو فرسٹ ایڈ مل سکتی ہے۔"

جانکی نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ میرے خیال میں ہپ یونگ پر اعتماد کیا جاسکتا تھا اور پھر میں اس حالت میں مہاراج کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا۔

"کیا ہم تم پر اعتماد کرسکتے ہیں لیو یونگ؟" جانکی نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کرنا ہی پڑے گا۔" ہپ یونگ پہلی مرتبہ مسکرائی "تم جانتی ہو، میں نے تمہیں اپنی کار میں بیٹھتے ہی پہچان لیا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اور تمہاری باتیں سن کر مجھے تم لوگوں سے ہمدردی ہوگئی

ہے۔ اگر تم لوگوں کے خلاف میرے دل میں کوئی بات ہوتی تو تم لوگوں کو کہیں ڈراپ کردیتی اور پھر پولیس کو تمہارے بارے میں بتادیتی لیکن....."

"شکریہ لیونگ۔" جانکی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

کار سوئے چارڈن سک روڈ پر مڑگئی اور تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد سوئے تھانگ لو پر گھوم گئی۔ یہ سارا پُرسکون رہائشی علاقہ تھا۔ سوئے تھانگ لو ایک کشادہ گلی تھی جس کے دونوں طرف بنگلے بنے ہوئے تھے۔ ہپ لیونگ نے ایک بنگلے کے سامنے کار روک لی۔ سامنے ونڈ اسکرین کے قریب رکھے ہوئے پرس میں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اتر گئی۔ جانکی دیوی اپنی جگہ سے سرک کر ڈرائیونگ سیٹ پر آگئی اور جب ہپ لیونگ نے گیٹ کھولا تو کار آگے بڑھادی۔ لیونگ مسکرا دی تھی۔ کار اندر جانے کے بعد اس نے گیٹ بند کردیا۔

جانکی نے پورچ میں کار روک لی اور انجن بند کردیا۔ اس دوران میں ہپ لیونگ بھی وہاں پہنچ گئی اور برآمدے میں داخل ہو کر دروازہ کھولنے لگی اور پھر اندر داخل ہو کر وہ بتیاں جلاتی چلی گئی۔ جانکی دیوی بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے اندر آئی اور پھر ہپ لیونگ کا اشارہ پا کر باہر آگئی۔

میں نے اور جانکی نے پرساد کو سہارا دے کر کار سے اتارا اور اسے اندر لے آئے۔ وہ بُری طرح کراہ رہا تھا۔ اندر آکر روشنی میں دیکھا تو میں اچھل پڑا۔ اس کا پیر سوج کر کپا ہو رہا تھا۔ پہلی مرتبہ موچ آنے کے بعد اگر وہ آرام سے بیٹھا رہتا تو شاید اتنی زیادہ تکلیف نہ ہوتی لیکن دارا سے گتھم گتھا ہونے کے بعد تکلیف بڑھ گئی تھی۔ اسے ہال نما کمرے میں ایک کرسی پر بٹھادیا گیا۔ جانکی دیوی فوراً ہی جھک کر اس کے پیر کا معائنہ کرنے لگی۔ اس نے جیسے ہی پیر پر ہاتھ رکھا' وہ چیخ اٹھا۔

"تم لوگ اپنے حلیے درست کرلو۔ میں اس کا پیر دیکھتی ہوں۔" ہپ لیونگ نے کہا۔

"ہم ٹھیک ہیں لیکن پہلے اس کا پیر دیکھو۔" جانکی نے کہا پھر چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "لیکن تم کیا کرسکو گی۔ کیا تم بھی ڈاکٹر ہو؟"

"ڈاکٹر تو تم ہو۔ میں مساجر ہوں اور میرا خیال ہے کہ اس وقت اس کا علاج میں کسی ڈاکٹر سے بہتر طور پر کرسکتی ہوں۔" ہپ لیونگ نے جواب دیا۔

جانکی دیوی مسکرا کر رہ گئی۔ ہپ لیونگ نے غلط نہیں کہا تھا۔ جوڑوں کی اس قسم کی تکالیف کا علاج پاکستان اور ہندوستان میں تو پہلوان قسم کے لوگ ہی کیا کرتے تھے اور بنکاک میں بھی اس قسم کے لوگ موجود تھے۔ جبکہ ڈاکٹری علاج ایک لمبا پروسس تھا۔ ہپ لیونگ مساجر تھی اور شاید اس نے مساج کی باقاعدہ ٹریننگ حاصل کی تھی۔ مساج کرنے والے بھی ایسے کاموں میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ وہ جسم کے ایک ایک جوڑ اور رگ پٹھوں سے واقف ہوتے ہیں۔ پرساد کے ٹخنے کا جوڑ ہل گیا تھا اور اس وقت اسے ہپ لیونگ ہی بٹھا سکتی تھی۔

ہپ لیونگ کچن میں چلی گئی۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ پانی گرم کرکے لے آئی۔ پلاسٹک کا ایک ٹب بھی تھا جو اس نے پرساد والی کرسی کے قریب قالین پر رکھ دیا اور نیلے رنگ کی چوڑے منہ والی ایک ڈبیا لے آئی جس میں مٹیالے سے رنگ کی کریم بھری ہوئی تھی۔ وہ کرسی کے قریب قالین پر بیٹھ گئی۔ ٹب کو پرساد کے پیر کے نیچے رکھا اور گرم پانی سے اس کا پیر دھونے لگی۔ پیر کو حرکت ہونے سے پرساد بار بار کراہ رہا تھا اور جب وہ تولیے سے پیر خشک کررہی تھی تو پرساد نے بڑی بے بسی سے جانکی کی طرف دیکھا تھا۔

"تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ایک حسین عورت تمہارے پیر دھو رہی ہے۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہپ لیونگ بھی اس کی بات سن کر مسکرا دی تھی۔ اب وہ کریم سے پرساد کے پیر پر مالش کررہی تھی۔ اس نے اگرچہ بائیں ہاتھ رکھا تھا مگر پرساد سسکاریاں بھرتے ہوئے بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ ہپ لیونگ کا اشارہ پاکر میں کرسی کے پیچھے کھڑا ہوگیا اور دونوں ہاتھ پرساد کے کندھوں پر رکھ دیے۔

ہپ لیونگ پرساد کے پیر پر مالش کرتی رہی۔ پیر بُری طرح سوج گیا تھا۔ وہ ٹخنے کے آس پاس کی جگہ کو انگوٹھوں سے سہلا رہی تھی۔ پرساد اب زیادہ بے چین ہو رہا تھا۔ ہپ لیونگ نے ایک ہاتھ پنجے پر رکھا اور دوسرا ایڑی پر اور پھر اس نے اچانک ہی پیر کو زوردار جھٹکا دیا۔ پرساد بری طرح چیخ اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کرسی سے اچھلنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اس کے کندھوں کو بڑی سختی سے دبا رکھا تھا جبکہ جانکی نے قریب بیٹھ کر اس کی ٹانگ گرفت میں لے رکھی تھی۔ ہپ لیونگ نے ایک اور جھٹکا دیا۔ کڑک کی ہلکی سی آواز ابھری۔ پرساد اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ زور سے مچلا تھا۔ اگر میں نے اسے دبوچ نہ رکھا ہوتا تو وہ یقیناً کرسی سے گر پڑتا۔ اس نے چیخ روکنے کے لیے سختی سے دانت بھینچ رکھے تھے۔

"بس.... بس.... کام ہوگیا۔ اب تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی ڈیئر۔ بس.... اب میں پٹی لپیٹ دوں گی۔ تمہیں آرام مل جائے گا۔" ہپ لیونگ اس کے پیر پر مالش کرتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ مالش کرنے کے بعد اس نے پیر پر اسکریپ بینڈیج لپیٹ دی اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگی "اب تمہیں صرف آرام کی ضرورت ہے۔ پیر کو زیادہ حرکت مت دینا۔"

ہپ لیونگ کے کہنے پر میں پرساد کو گود میں اٹھا کر ایک کمرے میں لے آیا اور بستر پر لٹا دیا۔ اس کے بعد ہی میں نے اپنے آپ پر توجہ دی تھی۔ لڑائی کے دوران میں میرے جبڑے پر گھونسے لگنے سے ایک دانت ہل گیا تھا جس میں تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے ماؤتھ

چند گولیاں کیں مگر ظاہر ہے ماؤتھ واش سے درد کم نہیں

جانکی دیوی کی حالت مجھ سے زیادہ ابتر تھی۔ دارا نے اسے کیچڑ کر نہ صرف بُری طرح رگیدا تھا بلکہ جسم کے دوسرے گھونسے بھی مارے تھے۔ اس کا دائیں طرف کا جبڑا سوجا اور جسم کے بعض حصوں میں درد بھی ہو رہا تھا۔ گھر میں پین کی کوئی چیز نہیں تھی۔ جانکی نے ایک کاغذ پر کچھ گولیوں کے لکھ دیے اور ہپ لیونگ ایک میڈیکل اسٹور سے وہ گولیاں لے

ہپ لیونگ نے کافی بنالی جس کی اس وقت ہم سب ہی ضرورت محسوس کررہے تھے۔ ہم پرساد والے کمرے میں بیٹھے کافی پیتے رہے اور باتیں کرتے رہے اور اس وقت ہی جانکی دیوی نے ہپ لیونگ کو میرے بارے میں بتایا کہ میں کون ہوں اور دارا سے دشمنی کیوں ہو رہا ہے۔

باتوں کے دوران میں' میں نے محسوس کیا کہ پرساد اونگھنے لگا ہے۔ جانکی نے اسے ایک خواب آور گولی بھی دے دی تھی جس کے بعد اس پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ ہم اٹھ کر کمرے میں

"اس آدمی کو میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ آشرم میں آتے دیکھا ہے۔" ہپ لیونگ کہہ رہی تھی "بہت سے لوگوں نے محسوس کیا تھا کہ دارا کا رویہ کچھ مختلف ہے۔ دوسروں کے سامنے تو وہ سوامی کے احترام سے پیش آتا لیکن اس نے کبھی سوامی کے ہاتھ نہیں چومے تھے۔ اس کے سامنے کبھی نہیں جھکا تھا اور ایک مرتبہ تو میں نے آشرم کی عمارت کے اندر اسے سوامی کے ساتھ بڑی بدتمیزی سے بات کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ ہندی یا اردو میں بات کررہے تھے۔ میں نہیں سمجھ سکی تھی لیکن یہ اندازہ بہرحال لگالیا تھا کہ دارا رگھوناتھ کسی وجہ سے اس سے دبا ہوا ہے۔ پہلے سوامی کے خاص چیلے جو اس کے باڈی گارڈ تھے' اس کے آس پاس موجود رہتے تھے لیکن پھر وہ آہستہ آہستہ غائب ہوتے گئے اور ان کی جگہ دارا کے آدمیوں نے لے لی۔ ایک روز آشرم کے پچھلی طرف کی جھاڑیوں میں سوامی کے ایک باڈی گارڈ کی لاش ملی تو آشرم میں ہراس سا پھیل گیا۔ میری طرح بعض اور لوگوں کا بھی خیال تھا کہ اس باڈی گارڈ کو دارا نے مروادیا ہے اور غائب ہونے والے دو باڈی گارڈز کو بھی وہ مروا چکا ہے جن کی لاشیں غائب کردی گئی ہیں۔ سب لوگ سمجھ رہے تھے کہ اندر ہی اندر کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ سوامی کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ معمول کے مطابق بھاشن (خطبہ) دیتا اور لوگوں سے نذرانے وصول کرتا۔ البتہ تبدیلی ضرور دیکھنے میں آئی تھی کہ جب وہ اپنے چیلوں کو بھاشن دیتا' دارا اس کے سر پر ضرور موجود ہوتا۔ سوامی کو ملنے والے تمام نذرانے بھی دارا کے آدمی ہی جمع کرلیتے تھے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "سوامی کے تمام چیلے اسے گرو اور نجات دہندہ مانتے تھے۔ وہ اس کے پیر چاٹتے تھے لیکن جب سے دارا وہاں آیا تھا' چیلوں میں کچھ بے چینی سی پھیل گئی تھی۔ وہ سوامی کے معاملات میں مداخلت کرنے لگا تھا اور دوسروں کے ساتھ بھی اس کا رویہ مناسب نہیں تھا۔ بعض لوگوں کے ساتھ تو وہ اس طرح پیش آتا جیسے وہ اس کے زرخرید غلام ہوں۔

"چند روز پہلے تم لوگوں نے اخبار میں ڈول تائی نام کی ایک عورت کی خودکشی کی خبر پڑھی ہوگی۔ ڈول تائی ایک بہت بڑے سرکاری عہدے پر فائز تھی اور وہ بھی سوامی رگوناتھ کے عقیدت مندوں میں شامل تھی۔ ایک روز رگوناتھ نے اسے خاص طور پر اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ اس وقت وہاں دارا بھی موجود تھا۔ ڈول تائی جب واپس گئی تو بہت غصے میں تھی۔ اس سے اگلے روز رات کو کمپاؤنڈ میں ایک بڑی اسکرین پر ایک فلم دکھائی گئی۔ وہ فلم ڈول تائی کے بارے میں تھی جس میں اسے ایک اور آدمی کے ساتھ شیطانی کھیل کھیلتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ اس سے اگلے روز اخباروں میں ڈول تائی کی خودکشی کی خبر چھپی تھی۔

"ڈول تائی کی اس فلم کو دیکھ کر سوامی کے چیلوں میں کچھ بے چینی سی پھیل گئی۔ بعض لوگوں نے سوامی کے سامنے احتجاج کیا تو انہیں بری طرح ٹالا دیا گیا۔ اس واقعے کے بعد آشرم میں آنے والوں کی تعداد کم ہونے لگی اور پھر لوگوں کے لیے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں رہا کہ سوامی مکمل طور پر دارا کے قبضے میں تھا۔ وہ وہی کرتا جو دارا کہتا۔ دارا نے آشرم میں آنے والے بعض بڑے لوگوں کی ویڈیو فلمیں بنالی تھیں جن سے وہ انہیں بلیک میل کرکے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتا۔ یہ بلیک میلنگ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ سب ہی لوگ جانتے تھے لیکن کوئی اس کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ اس حمام میں سب ہی ننگے تھے۔"

میں خاموشی سے یہ سب کچھ سنتا رہا۔ مجھے یاد آگیا کہ آشرم کے ایک کمرے میں ٹی وی پر میں نے ایسا ہی ایک سنسنی خیز منظر دیکھا تھا۔ وہ کوئی سیاست داں تھا جس کی فلم بنائی جارہی تھی تاکہ بعد میں اسے بلیک میل کیا جاسکے۔ اب مجھے صورتِ حال کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ سوامی رگوناتھ کا یہ آشرم عیاشی اور بدکاری کا اڈا تھا۔ روحانی تعلیمات کے پرچار کی آڑ میں وہ نہ صرف لوگوں کو گمراہ کررہا تھا بلکہ انہیں بلیک میل کرکے دولت بھی سمیٹ رہا تھا۔ بڑے بڑے معزز لوگ اس کے حلقے میں شامل تھے اور یہی وجہ تھی کہ سوامی کے خلاف کبھی کوئی قانونی کارروائی نہیں ہوسکی تھی۔ سوامی رگوناتھ بڑے منظم طریقے سے یہ کام کررہا تھا۔ اس نے بلیک میلنگ کی ہوا تک نہیں لگنے دی تھی۔ لوگ خاموشی سے بلیک میل ہو رہے تھے لیکن دارا نے آتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا تھا۔ اس نے لوگوں کو دوسروں کے سامنے بے نقاب کرنا شروع کردیا تھا جس

سے لوگوں میں بے چینی پھیلنے لگی تھی۔ وہ ایک ہی وقت میں لوگوں کی تجوریاں خالی کردینا چاہتا تھا لیکن اس بات کو بھول گیا تھا کہ اس کا شدید ردِعمل بھی ہوسکتا ہے۔

سوامی رگوناتھ کے آشرم میں پناہ لے کر دارا شاید یہ سمجھنے لگا تھا کہ وہ محفوظ ترین پناہ گاہ میں آگیا ہے اور اب کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اسے شاید یہ خیال نہیں رہا تھا کہ ہر نئے پروہلا بھی ہوتا ہے اور میں اب اس پروہلا ثابت ہورہا تھا۔

میں..... وجدان علی۔ ایک معصوم اور بے سہارا لڑکا جو اپنی جان بچانے کے لیے چھپتا پھر رہا تھا۔ جو دارا کا نام سنتے ہی خوف سے تھر تھر کانپنے لگتا تھا۔ اب مجھ میں اتنا حوصلہ پیدا ہوگیا تھا کہ اپنے اس بدترین دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکوں اور دارا کو شاید اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ زبردست ہی رہنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے خوف سے بھاگتا رہوں یہاں تک کہ تھکن سے چور ہو کر گر پڑوں اور وہ بڑے آرام سے میری گردن مروڑ دے لیکن میں تھک کر گرا نہیں تھا بلکہ اس کی توقعات کے برعکس مڑ کر اس پر حملہ آور ہوا تھا۔ مہاراج جئے مجھے اس قابل بنا دیا تھا کہ میں اس کے مقابلے میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوسکوں۔

دارا نے میرے خلاف کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال نہیں کیے تھے۔ میں اس کے ایک جرم کا چشم دید گواہ تھا۔ مجھے ختم کرنے کے لیے اس نے کتنے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا لیکن میرا وہ اب تک کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔ میں بقول شخصے 'اس کے لیے سانپ کے گلے میں چھچھوندر بن گیا تھا جسے نہ وہ نگل سکتا تھا اور نہ اگل سکتا تھا۔ اب وہ اگر میرا پیچھا چھوڑ بھی دیتا تو میں اسے چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔

وہ خونی بھیڑیا تھا۔ مجھے اس سے اپنے بے گناہ ماں باپ کے قتل کا بدلہ تو لینا ہی تھا لیکن دوسرے واقعات نے میرے انتقام کی آگ کو کچھ اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ وہ منشیات کا زہر پھیلا کر آنے والی نسلوں کو مفلوج کرنا چاہتا تھا۔ مجھے اسے روکنا تھا۔ اب تک کتنے بے گناہوں کو اس نے موت کی نیند سلایا تھا۔ مجھے ان کا بھی انتقام لینا تھا۔ ماسٹر پھو، کوشلیا، شائی وان، پامیلا اور وہ معصوم بچہ جسے اس نے یرغمال بنا کر بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ میں نے اس بچے کو دیکھا نہیں تھا لیکن نجانے کیوں اس کے بارے میں سوچتے ہوئے میرے سینے میں ایک ہُوک سی اٹھتی تھی۔

دارا سمجھ گیا تھا کہ اب میں اس کی راہ پر لگ گیا تھا۔ وہ سوامی رگوناتھ کے آشرم میں پناہ گزیں ہوگیا تھا لیکن میں نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ یہاں اپنے آپ کو بہت محفوظ سمجھتا تھا لیکن میں نے اسے یہاں بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی اپنی حرکتوں کی وجہ سے سوامی کے چیلے بھی اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور پھر وہ سب کچھ ہوا تھا جس کی توقع نہ اسے تھی نہ مجھے۔

سوامی کا آشرم جل کر خاکستر ہوگیا تھا لیکن دارا کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا تھا لیکن مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ دارا کو سوامی رگوناتھ جیسے شخص پر قابو پانے کا موقع کیسے مل گیا تھا۔ وہ تو خود کائیاں آدمی تھا۔ بڑے بڑے لوگوں کو اس نے اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ کیا اس کا کوئی ایسا راز دارا کے قبضے میں آگیا تھا جس کا انکشاف اس کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ وہ ایسا کیا راز ہوسکتا تھا اور اب تو سوال یہ تھا کہ سوامی رگوناتھ زندہ بچا بھی تھا یا اپنے آشرم کی آگ میں جل مرا تھا۔

"اب تو بہرحال سب کچھ ختم ہوگیا۔" میں نے ہپ یونگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لوگوں کے خلاف بلیک میلنگ کے تمام ثبوت آشرم کی آگ میں جل کر راکھ ہوچکے ہوں گے۔ دارا اگرچہ بھاگ گیا ہے لیکن وہ پھر سامنے آئے گا۔ تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ہماری اور اس کی جنگ ہے لیکن اگر کوئی ایسی بات....." میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ہپ یونگ میری بات کا مطلب سمجھ گئی۔ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی "بقول تمہارے' سب کچھ آشرم کی آگ میں جل کر راکھ ہوچکا ہے تو میرے لیے ڈرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔"

میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ہپ یونگ بھی سوامی رگوناتھ کے حلقے میں شامل تھی اور سوامی کا شمار ایسے لوگوں میں کیا جاسکتا تھا جو دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔ ان کے لیے دولت اور صرف دولت ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ اس نے یہ سارا ڈراما بھی اس لیے شروع کیا تھا۔ روحانی تعلیمات کی آڑ میں بدکاری اور عیاشی کے اس اڈے میں وہ سب کچھ ہوتا تھا جو وہ چاہتا تھا۔ اس نے آشرم میں آنے والے ہر مرد عورت کا کوئی نہ کوئی راز ضرور اپنے قبضے میں رکھا ہوگا تاکہ ان کی بنیاد پر لوگوں کو بلیک میل کرکے دولت سمیٹی جاسکے۔ ہپ یونگ کا بھی کوئی راز تھا جس کے ضائع ہوجانے پر اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا اور نجانے اب کتنے لوگ سکھ کا سانس لیں گے۔

"تم اس چکر میں کیسے پھنس گئیں؟" جانکی دیوی نے پوچھا۔

"بدقسمتی۔" ہپ یونگ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "شہر میں میرے تین مساج پارلرز چل رہے ہیں۔ تینوں پارلر بڑے ہوٹلوں میں ہیں۔ روزانہ ہزاروں کی آمدنی ہے۔ ایک روز میرے دفتر میں مسز ڈول تائی سے روحانیت کے موضوع پر بات ہورہی تھی۔ وہ میری پرانی کسٹمر تھی۔ مجھے بھی روحانیت سے تھوڑی بہت دلچسپی تھی۔ میں نے اس موضوع پر کچھ کتابوں کا مطالعہ بھی شروع کر رکھا تھا۔ مسز ڈول تائی نے مجھے روحانیت کے بارے میں جاننے کے لیے سوامی کے آشرم جانے کا مشورہ دیا بلکہ اس سے اگلے روز وہ مجھے خود ہی وہاں لے گئی اور سوامی سے میرا تعارف کرایا۔ اس کے اندازِ گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا کہ ڈول تائی سوامی کے اندرونی

حلقے میں شامل ہے۔ سوامی رگوناتھ سے ہونے والی اس پہلی ملاقات سے میں بے حد متاثر ہوئی تھی۔ اس نے مجھے چند عورتوں اور مردوں پر مشتمل ایک گروہ میں شامل کردیا۔ میں باقاعدگی سے وہاں جانے لگی۔ اس کے لیے مجھے روزانہ کچھ نہ کچھ نذرانہ پیش کرنا پڑتا۔ یہ نذرانہ اس وقت پیش کیا جاتا جب سوامی بھاشن ختم کرتا۔

"تقریباً دو مہینوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ رگوناتھ تو روحانیت کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ اس کے اپنے ہی نظریات تھے۔ جن کا وہ پرچار کررہا تھا اور ان نظریات سے تم لوگ بھی واقف ہوچکے ہو۔ بہرحال' وہ باتیں مجھے اچھی لگنے لگی تھیں۔ شروع میں تو جب میں مردوں اور عورتوں کو آزادانہ طور پر ناشائستہ حرکتیں کرتے دیکھتی تو مجھے بہت بُرا لگتا تھا لیکن بعد میں' میں خود بھی اس رنگ میں رنگتی چلی گئی۔ سوامی کے بھاشن' اس کے نظریات' ہیجان خیز باتیں' ہیجان خیز موسیقی اور سب سے بڑی بات یہ کہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں بھی وہاں ایک دوسرے کو دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ سب کے چہرے بڈ میں چھپے ہوتے تھے۔ کوئی ڈر خوف نہیں تھا۔ کسی کو پتا نہیں ہوتا تھا کہ کون کس کے ساتھ ہے۔

"میں بھی اس چکر میں پھنس گئی۔ یہ تو میں سمجھ گئی تھی کہ سوامی رگوناتھ کا مقصد ہی وہ مادرپدر آزادی تھا جس کی اجازت کوئی معاشرہ نہیں دے سکتا۔ میری طرح اور بھی بہت سے لوگ اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے لیکن کوئی بھی وہاں سے جانے کو تیار نہیں تھا۔

"اور پھر ایک رات سوامی رگوناتھ نے مجھے اپنے کمرے میں بُلالیا۔ رگوناتھ کی بات کوئی بھی نہیں ٹال سکتا تھا۔ اس کا ہر حکم مانا جاتا تھا۔ اس نے مجھے جو حکم دیا' وہ میں بھی نہیں ٹال سکی۔ مجھے ایک کمرے میں بھیج دیا گیا۔ وہاں ایک ایسا آدمی موجود تھا جسے میں بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ ایک بہت بڑا سرکاری آفیسر تھا اور پھر دوسرے روز بھی مجھے آشرم کے اندر بلا لیا گیا۔ اس مرتبہ سوامی کا ایک خاص چیلا مجھے اپنے کمرے میں لے گیا اور مجھے ٹی وی پر ایک ویڈیو فلم دکھائی۔ میں کانپ کر رہ گئی۔ پچھلی رات میرے ساتھ جو کچھ ہوا تھا' وہ سب کچھ اس فلم میں موجود تھا۔ فلم دکھانے کے بعد مجھ سے ایک بڑی رقم کا مطالبہ کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی دھمکی بھی دی گئی۔

"میں نے خاموشی سے وہ مطالبہ پورا کردیا اور پھر ہر دو ہفتے بعد مجھ سے اتنی ہی رقم کا مطالبہ کیا جاتا رہا۔ دوسری طرف وہ اس شخص کو بھی بلیک میل کررہے تھے جو میرے ساتھ تھا۔ اس سے زیادہ بڑی رقمیں اینٹھی جارہی تھیں۔ وہ لوگ شکار کی حیثیت کے مطابق مطالبہ کرتے تھے جسے خاموشی سے پورا کردیا جاتا تھا۔

"میں نے ایک روز مسز ڈول تائی سے بات کی تو انکشاف ہوا کہ وہ بھی اس جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ وہ حکومت کے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھی۔ اس سے تو بڑی بڑی رقمیں وصول کی جارہی تھیں اور پھر ایک روز اس نے رقم دینے سے انکار کردیا اور اس کے ساتھ ہی سوامی کو یہ دھمکی بھی دے ڈالی کہ وہ اس کے خلاف کارروائی کرے گی اور پھر اسی رات آشرم کے کمپاؤنڈ میں ایک بڑی اسکرین پر مسز ڈول تائی کی وہ فلم دکھادی گئی اور اسی رات مسز ڈول تائی نے خودکشی کرلی۔ اس نے کوئی نہ کوئی خط ضرور چھوڑا ہوگا لیکن پولیس کو وہ خط نہیں مل سکا ہوگا۔ کمپاؤنڈ میں سیکڑوں لوگوں کی موجودگی میں مسز ڈول تائی کی اس فلم کی نمائش کا مقصد دوسروں کو وارننگ دینا تھا کہ اگر کسی کے ذہن میں بغاوت کا خیال ہو تو وہ اسے بھول جائے۔

"اور پھر دارا نے وہاں آکر لوگوں میں بے چینی پھیلا دی۔ وہ کھل کر دھمکیاں دیتا اور لوگوں کو ہراساں کرتا اور آج جو کچھ بھی ہوا' وہ جس طرح میرے لیے باعثِ اطمینان ثابت ہوا ہے کل آشرم میں آتش زدگی کی خبر پڑھ کر دوسرے لوگ بھی اطمینان کا سانس لیں گے۔"

"کیا تمہارے شوہر نے وہاں جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا؟" جانکی دیوی نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"اگر میرا شوہر ہوتا تو شاید میں اس طرف کا رخ بھی نہ کرتی۔" ہپ یونگ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "دو سال پہلے میرے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا۔"

میں خاموشی سے اس کی باتیں سُن رہا تھا۔ تھائی وانگ مجھے سوامی رگوناتھ کے آشرم کے بارے میں بہت کچھ بتا چکی تھی لیکن ہپ یونگ نے جو انکشافات کیے تھے وہ بہت سنسنی خیز تھے۔ میں نے ڈاکٹر جانکی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اس کا تعلق زندگی کے ایک معزز شعبے سے تھا۔ معاشرے میں اس کی عزت تھی لیکن میرے کہنے پر وہ بھیڑیوں کے اس بھٹ میں جانے کو تیار ہوگئی تھی اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ صحیح سلامت وہاں سے نکل آئی تھی۔ اگر اسے کچھ ہوجاتا تو شاید میں اپنے آپ کو معاف نہ کرپاتا۔

میں نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ اس وقت رات کا ایک بجنے والا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ گانگ اور اس کے ساتھی مہاراج کے پاس..... پہنچ چکے ہوں گے۔ ہمیں تو ان سے پہلے وہاں پہنچنا چاہیے تھا لیکن ہم اطمینان سے یہاں بیٹھے تھے اور مجھے یقین تھا کہ مہاراج پریشان ہورہے ہوں گے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک طرف اسٹینڈ پر ٹیلی فون سیٹ رکھا ہوا تھا۔

"کیا میں فون استعمال کرسکتا ہوں؟" میں نے ہپ یونگ سے پوچھا۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔" ہپ یونگ مجھ سے پہلے اٹھ گئی اور ٹیلی فون اٹھا کر میرے قریب صوفے پر رکھ دیا۔ اس کا تار خاصا لمبا تھا۔

میں نے ریسیور اٹھا کر وائٹ ٹریمنٹ کا وہ نمبر ملایا جس پر مہاراج سے بات ہو سکتی تھی۔ کال فوراً ہی ریسیو کرلی گئی لیکن وہ آواز مہاراج کی نہیں تھی۔

"میں وجدان بول رہا ہوں۔ مہاراج سے بات کرنی ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ..... وجدان..... میں گانگ ہوں۔ کہاں غائب ہو گئے۔ تمہیں تو ہم سے پہلے یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

"ہمیں ایک ہمدرد خاتون مل گئی تھی جو ہمیں اپنے گھر لے آئی۔" میں نے جواب دیا "دیسی پرساد کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔"

"ایک منٹ۔ مہاراج سے بات کرو۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ تقریباً ایک منٹ خاموشی رہی پھر مہاراج کی آواز سنائی دی۔ میں خاموشی سے سنتا رہا اور پھر میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے فون رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" جانکی نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"مہاراج نے حکم دیا ہے کہ ہم فوراً اس کے پاس پہنچ جائیں۔" میں نے جواب دیا۔

"مگر۔ پرساد سو رہا ہے۔ اگر اسے اٹھا کر لے جایا گیا تو اس کی تکلیف بڑھ جائے گی۔" یہ بات ہپ لیونگ نے کہی تھی۔

"اگر کوئی خطرہ نہ ہو تو ہم اسے یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ کل دن میں کسی وقت گانگ کو بھیج کر اسے بُلوالیں گے۔ ویسے کل تمہاری کوئی مصروفیت تو نہیں؟" میں نے کہا۔

"میں تو کم از کم ایک ہفتے تک یہاں سے باہر نہیں نکلوں گی۔" ہپ لیونگ نے جواب دیا "اور میرے خیال میں پرساد کو یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ویسے بھی اسے دو چار دن آرام کی ضرورت ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا "ہم تمہاری گاڑی لے جا رہے ہیں۔ صبح گانگ واپس پہنچا دے گا۔"

میں نے پرساد والے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ خواب آور دوا کے زیرِ اثر گہری نیند سو رہا تھا۔

گاڑی کا دروازہ لاک نہیں تھا۔ چابی بھی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔ میں نے ابھی تک ڈرائیونگ نہیں سیکھی تھی اس لیے ڈرائیونگ سیٹ ڈاکٹر جانکی کو ہی سنبھالنی پڑی۔ میں پسنجر سیٹ پر بیٹھنے لگا تو میری نظریں ڈیش بورڈ پر رکھے ہوئے دو پستولوں کی طرف اٹھ گئیں۔ ایک جانکی کا پستول تھا اور دوسرا دارا کا تھا جو جانکی نے سڑک پر سے اٹھا لیا تھا۔ میں نے دارا والا پستول اٹھا کر ہپ لیونگ کی طرف بڑھا دیا۔

"رکھ لو۔ شاید کسی وقت اس کی ضرورت پڑ جائے۔"

ہپ لیونگ نے مسکراتے ہوئے وہ پستول لے لیا۔ جانکی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر چکی تھی۔ ہپ لیونگ نے گیٹ کھول دیا اور جانکی گاڑی کو گیٹ سے نکال کر باہر لے آئی۔

ہمیں وائٹ ٹریمنٹ پہنچنے میں آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ ہمیں فوراً ہی اس کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں نوتیا اور تھائی وانگ موجود تھیں۔ تھائی وانگ گہری نظروں سے میرا جائزہ لے رہی تھی جیسے یقین کرلینا چاہتی ہو کہ میری کوئی ٹوٹ پھوٹ تو نہیں ہوئی۔

"مہاراج بہت غصے میں ہیں۔ وہ....." تھائی وانگ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن دروازے کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

میں نے مڑ کر دیکھا۔ مہاراج ماسٹر ہوچن اور گانگ کے ساتھ کمرے میں داخل ہو رہے تھے میں نے جلدی سے انہیں بوا (جھک کر تعظیم دینا۔ خصوصاً مارشل آرٹس کا سلام) کیا اور مودبانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

مہاراج چند لمحے گہری نظروں سے میری طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔ "مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے لیکن میں تمہاری زبان سے تفصیل سننا چاہتا ہوں۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ غصے میں ہوتے تو ان کا لہجہ مختلف ہوتا۔ میں چند لمحے خاموش رہا پھر تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ میں نے مہاراج کو وہ باتیں بھی بتا دیں جو ہپ لیونگ سے معلوم ہوئی تھیں۔

"یہ تو سب جانتے تھے کہ سوامی رگوناتھ کا آشرم عیاشی اور بدکاری کا اڈا ہے۔ وہ ایسے نظریات کا پرچار کر رہا ہے جو معاشرے کو تباہ کر سکتے ہیں۔ اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی اس لیے نہیں ہو سکی تھی کہ حکومت کے بعض بڑے بڑے عہدے دار اس کے حلقۂ عقیدت میں شامل ہیں۔ میں نے شاید غلط کہہ دیا۔ وہ اس کے جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ وہ انہیں بلیک میل کر رہا تھا اس لیے اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جا رہا تھا اور دارا نے اس کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے اپنے جال میں پھنسا لیا تھا اور آشرم کا سارا نظام ایک طرح سے اس نے سنبھال رکھا تھا۔ وہ لوگوں کو کھل کر دھمکیاں دے رہا تھا۔ آپ نے مسز ڈول تائی نامی کسی عورت کے بارے میں سنا ہو گا جو ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز تھی۔ وہ بھی اس کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہی تھی۔ دارا نے آشرم کے کمپاؤنڈ میں سیکڑوں لوگوں کو اس کی عریاں فلم دکھائی تھی اور اگلے روز مسز ڈول تائی نے خودکشی کرلی تھی۔ لوگوں میں دارا کے خلاف اشتعال پھیل رہا تھا۔ آج ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کسی دل جلے نے آشرم کی عمارت کو آگ لگا دی اور وہ سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔"

"اور یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا۔" مہاراج نے کہا۔

"شاید۔" میں نے سر ہلا دیا "سوامی رگوناتھ اس وقت تہ خانے میں تھا۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا یا جل مرا لیکن دارا بھاگ نکلا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہاری وجہ سے بدکاری کا وہ اڈا ختم ہو گیا جس کے لیے لوگ عرصے سے شور مچا رہے تھے لیکن حکام کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی تھی اور اس کی وجہ میں پہلے بھی سمجھتا تھا اور اب اس کی تصدیق بھی ہو گئی ہے۔" مہاراج چند لمحوں کو خاموش ہوئے پھر بولے "بدکاری کا ابھی ایک اڈا ختم ہوا ہے۔ ابھی بہت سی برائیاں ہیں جن کا خاتمہ کرنا ہے۔ میں نے تمہیں اس لیے اڈاپٹ کیا تھا کہ تمہیں ان برائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر سکوں۔ تم خود ان برائیوں کا شکار ہو چکے ہو۔ اس لیے تم اس بات کا اندازہ زیادہ بہتر طور پر لگا سکتے ہو کہ کوئی برائی کسی دوسرے کی زندگی کو کس طرح متاثر کر سکتی ہے۔" وہ خاموش ہو کر تھائی وانگ وغیرہ کی طرف دیکھنے لگا "تم میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جن کو بروئے کار لا کر تم بدکاری کا مقابلہ کر سکتے ہو لیکن ابھی تمہارے اندر کی ان صلاحیتوں کو مزید ابھارنے کی ضرورت ہے اور اندر کی ان صلاحیتوں کو اس فن سے اُبھارا جا سکتا ہے جو میں تمہیں سکھا رہا ہوں۔ مارشل آرٹ صرف ہاتھ پیر چلانے کا نام نہیں اس میں ذہن بھی پوری طرح ملوث ہوتا ہے۔ تمہاری ٹریننگ ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ ابھی تو بڑی تپسیا کی ضرورت ہے تمہیں۔ ابھی تو تمہارا ابتدائی مرحلہ بھی مکمل نہیں ہوا لیکن اس مرحلے میں بھی تم نے جو کچھ کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ میں تمہیں چشمِ تصور سے بہت اوپر دیکھ رہا ہوں اور تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تمہیں ان جیسی ساتھی ملی ہیں۔ جوان اور حسین عورتیں، عام طور پر تم جیسے نوجوانوں کو گناہ کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن ان سے تمہیں سچی اور بے لوث محبت ملی ہے۔ یہ تمہیں کتنا چاہتی ہیں میں اس کا اندازہ لگا چکا ہوں۔ ان کے دلوں میں تمہارے لیے کسی بھی طرح کا کھوٹ نہیں پیار ہی پیار ہے۔ سچا اور کھرا پیار..... اور تمہارا وہ دوست رامن پرساد۔" مہاراج ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے تھائی وانگ اور ڈاکٹر جانکی دیوی کی طرف دیکھا۔ مہاراج کی اس تعریف سے ان کے چہرے سرخ ہو گئے تھے "کیا ہوا اسے۔ زیادہ چوٹ تو نہیں آئی تھی؟" مہاراج نے اپنی بات مکمل کردی۔

"اس کے ٹخنے میں موچ آگئی تھی۔" میں نے جواب دیا "ہپ لیونگ نے جوڑ بٹھا کر ڈریسنگ کر دی تھی۔ وہ اس وقت پُرسکون نیند سو رہا تھا اس لیے میں نے اسے جگانا اور ساتھ لانا مناسب نہیں سمجھا۔"

"ٹھیک ہے۔ گانگ صبح جا کر اسے دیکھ آئے گا اور اس کا بھی پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔ ویسے....." مہاراج نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "کیا نام ہے اس عورت کا۔ ہپ لیونگ..... ہاں۔ ہپ لیونگ..... اس سے تمہارا تعلق کتنا پرانا ہے۔ چند گھنٹوں کا؟ وہ تمہارا ساتھ دینے پر تیار کیوں ہو گئی۔ تم لوگوں کو اپنے گھر میں پناہ کیوں دی۔ اس نے تمہیں پہچان لیا تھا۔ اگر تمہارے اندر کی سچائی کو پہچان لیا تھا۔ اس جیسے لوگ سچائی کا ساتھ دینے کے لیے خطرات کی پروا نہیں کرتے۔ تمہاری نیت میں فتور ہوتا۔ تم میں برائی ہوتی۔ سچائی کا فقدان ہوتا تو تمہیں یہ محبتیں اور چاہتیں نہ ملتیں۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"سمجھ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اپنے اندر کی اسپرٹ کو بیدار رکھو۔ کیپ اِٹ اَپ۔ ویسے تم اپنی چی (انسان کے وجود میں پائی جانے والی ایک پوشیدہ و نادیدہ پُراسرار قوت جس کے بل بوتے پر محیر العقول کارنامے سرانجام دیے جاسکتے ہیں) کی ٹریننگ کب شروع کر رہے ہو؟" مہاراج نے کہا۔

"جب آپ حکم کریں مہاراج۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ دو چار دن بعد میں خود تمہاری ٹریننگ شروع کروں گا۔" مہاراج نے کہا پھر محبت بھری نظروں سے تھائی وغیرہ کی طرف دیکھا اور رخصت ہو گئے۔ دروازے سے باہر نکلتے ہوئے ماسٹر ہوچن نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور معنی خیز انداز میں آنکھ مار کر مسکرا دیا۔

ان کے جاتے ہی تھائی وانگ نے دوڑ کر دروازہ بند کر دیا اور مڑ کر چند لمحے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ اس سے پہلے کہ میں اس کی نظروں کا مطلب سمجھ سکتا، وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ میری پیشانی اور گالوں پر اس نے بوسوں کی بارش کر دی تھی۔ میں گڑبڑا کر پیچھے ہٹتا ہوا پشت کے بل بیڈ پر گر گیا۔ تھائی وانگ بھی میرے اوپر گری تھی۔ اس نے مجھے چھوڑا نہیں۔ میرے چہرے پر بوسے ثبت کرتی رہی اور ڈاکٹر جانکی دیوی اور نوتیا ایک طرف کھڑی قہقہے لگاتی رہیں۔

"اوہ..... ارے..... تھائی۔ پاگل ہو گئی ہو کیا؟" میں اس کے بوجھ تلے دبا چیخ رہا تھا۔

"ہاں میں واقعی پاگل ہو گئی ہوں۔" تھائی نے سر اٹھا کر میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "سنا نہیں تم نے۔ کیا کہا تھا مہاراج نے؟ مارشل آرٹ کی دنیا کا سب سے عظیم آدمی تمہاری کتنی تعریف کر رہا تھا۔ اگر مہاراج کا خیال نہ ہوتا تو میں اسی وقت تمہیں دبوچ لیتی۔"

"اچھا۔ اب تو چھوڑ دو۔" میں نے کہا۔

تھائی وانگ نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ مہاراج نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میں واقعی خوش قسمت تھا کہ مجھے تھائی وانگ اور ڈاکٹر جانکی دیوی جیسی محبت کرنے والی خواتین ملی تھیں۔ ان کی محبت کھری تھی۔ یہ مجھے میلی آنکھ سے نہیں دیکھتی تھیں۔ میں عرصے سے تھائی وانگ کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اس نے کبھی ایسی کوئی کوشش یا حرکت نہیں کی تھی جس سے میں کوئی غلط مطلب اخذ کرتا۔ یہ اس کی محبت کی سچائی ہی تھی کہ مہاراج سے میری تعریف سن کر جانکی اور نوتیا کی موجودگی کی پروا کیے بغیر مجھ سے

لپٹ گئی تھی۔

میں بیڈ سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ جانکی دیوی اور نوینا بھی کرسیوں پر بیٹھ چکی تھیں۔ اگرچہ رات کے ڈھائی بج چکے تھے لیکن نیند ہم میں سے کسی کو نہیں آرہی تھی۔ آج کے واقعے کے بعد تو مجھے اور جانکی دیوی کو نیند نہیں آنی چاہیے تھی۔ ہم جتنی دیر آشرم میں رہے تھے' موت سے آنکھ مچولی کھیلتے رہے تھے۔ اگر وہاں پر موجود تین چار سو لوگ ہنگامہ نہ کھڑا کردیتے تو ہمارے لیے وہاں سے نکلنا مشکل ہو جاتا۔ وہ تو ہمیں یہاں آکر پتا چلا کہ مجھے اور پرساد کو آشرم میں جانے کی اجازت دینے کے بعد مہاراج نے گانگ اور اس کے ساتھ دو لڑکوں کو بھی وہاں بھیج دیا تھا تاکہ اگر ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں تو وہ ہماری مدد کرسکیں لیکن وہاں ہنگامہ ہوجانے کی وجہ سے وہ ہماری کوئی مدد نہیں کرسکے تھے اور ویسے بھی وہاں سب لوگ ہڈ پہنے ہوئے تھے۔ ہمارے بھی چہرے چھپے ہوئے تھے۔ شناخت کرنا ممکن نہیں تھا۔ البتہ آشرم سے نکلتے وقت ہم نے ہڈ اتار پھینکے تھے اور دیوار پھلانگ کر باہر آگئے تھے۔ گانگ وغیرہ نے ہمیں اس وقت دیکھا تھا جب ہم ہپ لیونگ کی کار میں وہاں سے نکل رہے تھے اور پھر دارا کو بھی ایک کار میں وہاں سے نکلتے دیکھ کر انہیں خطرے کا احساس ہوا تھا۔

مجھے جانکی دیوی پر حیرت ہوئی تھی۔ دھان پان سی یہ عورت اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر دارا جیسے بدمعاش سے بھڑ گئی تھی اور اسے آخر وقت تک روکے رکھا تھا۔

"کیا تمہیں اندازہ ہے کہ دارا وہاں سے فرار ہو کر کہاں گیا ہوگا؟" تھائی وانگ کی آواز سن کر میں اپنے خیالات سے چونک گیا۔

"پیڈرو کے پاس جانے کے سوا اور کہاں جاسکتا ہے۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر میں خود ہی اپنی جگہ سے اچھل پڑا "ہاں۔ وہیں گیا ہوگا۔ اس کے سوا وہ اور کہیں نہیں جاسکتا۔ وہی اس کی آخری امید ہے۔"

"کاش! میں اسے دیکھ سکتی۔" تھائی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "اس کی حالت قابلِ دید ہوگی۔ وہ اپنی بوٹیاں نوچ رہا ہوگا۔"

"فکر مت کرو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تم اسے اس حالت میں ضرور دیکھو گی۔"

"کاش! وہ دن جلدی آجائے۔" تھائی وانگ نے کہا۔

"تم یہاں بیٹھی اس دن کا انتظار کرتی رہو۔ میں تو سونے جارہی ہوں۔ سر میں بہت شدت کا درد ہو رہا ہے۔" ڈاکٹر جانکی دیوی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے سر میں درد تو ہونا ہی چاہیے تھا۔ دارا نے اسے بالوں سے پکڑ کر خوب گھسیٹا تھا۔ اس کا اوپر کا ہونٹ بھی سوجا ہوا تھا۔

"اوہ۔ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا تھا کہ تم لوگ ایک بہت بڑا معرکہ سر کرکے آئے ہو۔" تھائی وانگ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ایسا کرو' تم اور نوینا ساتھ والے کمرے میں جاکر سوجاؤ۔ میں ابھی وجدان سے کچھ باتیں کروں گی۔"

"اچھی طرح چیک کرلینا۔ کہیں ٹوٹ پھوٹ نہیں ہوئی اس کی۔" جانکی نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا "صرف جبڑا سوجا ہوا ہے۔ شاید غلطی سے ان میں سے کسی کا ہاتھ لگ گیا تھا۔"

جانکی اور نوینا دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ تھائی وانگ نے اٹھ کر دروازہ بند کردیا اور میرے سامنے آکر ایک بار پھر گہری نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"تمہیں کوئی چوٹ تو نہیں لگی جو مجھ سے چھپانے کی کوشش کررہے ہو؟" وہ بولی۔

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "صرف جبڑے پر ایک ہاتھ پڑ گیا تھا اس کے سوا مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔"

"آؤ۔ یہاں آرام سے بیٹھ جاؤ۔" تھائی نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔

میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگیا۔ اس وقت واقعی مجھے تھکن سی محسوس ہورہی تھی۔ غنودگی سی طاری ہورہی تھی۔ تھائی وانگ میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اور نجانے میرا دل کیوں چاہنے لگا کہ میں اس کی گود میں سر رکھ کر سوجاؤں۔

اور پھر میں اپنی اس خواہش پر قابو نہ پاسکا۔ میں نے آگے جھک کر اپنا سر تھائی وانگ کی گود میں رکھ دیا اور ٹانگیں بیڈ پر پھیلالیں۔ تھائی نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگالی اور میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ میں عجیب سا سکون محسوس کرنے لگا۔ تھائی وانگ کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ مجھ سے باتیں کررہی تھی لیکن میری آنکھیں بند ہوئی جارہی تھیں اور پھر میں سوگیا۔

آنکھ کھلی تو کھڑکی سے آنے والی دھوپ کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں بہت گہری نیند سویا تھا۔ آنکھ کھلنے پر چند سیکنڈ تک تو میں سمجھ نہیں سکا کہ کہاں ہوں۔ آہستہ آہستہ حواس بحال ہوئے تو مجھے سب کچھ یاد آگیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں چونک گیا۔ میرا سر تھائی وانگ کی گود میں رکھا تھا۔ وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے سو رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ میرے سینے پر تھا۔

یہ کیسی عورت تھی جو رات بھر اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی کہ میرا سر اس کی گود سے ہٹ جائے گا یا میری نیند خراب ہوگی۔ میرے دل میں عجیب سا احساس جاگ اٹھا۔ کئی بار ایسا ہوا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو میرے لیے تکلیف میں ڈالا تھا لیکن میں اس کی محبت کو ابھی تک کوئی نام نہیں دے سکا تھا۔ بس اتنا جانتا تھا کہ وہ مجھے بہت چاہتی تھی۔ اگر اس کا بس چلتا تو ایک لمحے کو بھی مجھے اپنے سے الگ نہ ہونے دیتی۔ یہ بھی اس کی چاہت کا ایک انداز تھا کہ میرا سر اپنی گود میں رکھے رات بھر بیٹھی جاگتی رہی تھی اور میں گہری نیند سوتا رہا تھا۔

میں نے بڑی آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے سینے سے ہٹایا اور

جیسے ہی اپنا سر اس کی گود سے اٹھانا چاہا' وہ ہڑبڑا سی گئی اور میرے سر کو دوبارہ گود میں رکھ لیا۔ اس کا ہاتھ ایک بار پھر میرے سینے پر ٹک گیا۔ یہ حرکت اس سے نیند میں سرزد ہوئی تھی۔

"تھائی....." میں نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے ہولے سے پکارا۔

اس نے ایک دم آنکھیں کھول دیں "اوہ۔ تم جاگ گئے۔ سوجاؤ۔ ابھی بہت رات باقی ہے۔"

"رات تو گزر گئی۔ دن نکلا ہوا ہے۔ وہ دیکھو۔ دھوپ کمرے میں آرہی ہے۔" میں نے آہستگی سے اٹھتے ہوئے کہا "تم رات بھر اسی طرح بیٹھی رہی ہو۔ سوئی کیوں نہیں؟"

"سو تو رہی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"تھائی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں "تم مجھے کیا سمجھتی ہو؟"

"اس سوال کا جواب تو میں بھی نہیں جانتی۔" تھائی نے جواب دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی' دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے پاتونگ کو دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ یہ واٹ (WAT) کی وہی نوجوان اور حسین راہبہ تھی جس سے سب سے پہلے میری ملاقات ہوئی تھی۔

"ہیلو لٹل ماسٹر۔" وہ مسکرائی "دس بیج رہے ہیں۔ تم لوگ ناشتا نہیں کروگے؟"

"لٹل ماسٹر!" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"یس۔" پاتونگ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ "مہاراج کا حکم ہے کہ آئندہ تمہیں اسی نام سے پکارا جائے۔ بہرحال' تم لوگ دس پندرہ منٹ میں کھانے کے کمرے میں آجاؤ۔"

پاتونگ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ میں نے مڑ کر کمرے میں دیکھا۔ تھائی وانگ بیڈ پر موجود نہیں تھی۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

اور پھر تقریباً بیس منٹ بعد ہم سب کھانے کے کمرے میں موجود تھے۔ وہاں پانچ چھ بھکشو بھی ایک میز کے گرد بیٹھے ناشتا کررہے تھے۔ پاتونگ نے ہمارے سامنے ناشتا لاکر رکھ دیا اور خود بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئی۔

وہ بھکشو کچھ دیر بعد پلیٹیں صاف کرکے ڈکار لیتے ہوئے باہر چلے گئے۔ میں ان بھکشوؤں کی خوراک جانتا تھا۔ انہوں نے ڈٹ کر کھایا ہوگا اور دوپہر کو اس سے بھی زیادہ ڈٹ کر کھائیں گے۔ یہ بھکشو لوگ صبح اور دوپہر ہی کو کھانا کھاتے تھے۔ رات کا کھانا یہ لوگ نہیں کھاتے تھے۔ بدھ مذہب کا کوئی شخص اگر بھکشو بننا چاہتا تو اسے چند شرائط کی پابندی کرنی پڑتی تھی جن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ کوئی ایسی چیز نہیں کھائیں گے جس سے پیٹ بھرتا ہو لیکن میں نے بہت سے بھکشوؤں کو رات کو بھی خوب ڈٹ کر کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب پہلی ٹریننگ کے لیے مجھے پہاڑی والے واٹ (بدھا کی عبادت گاہ) میں بھیجا گیا تھا تو وہاں میں نے تمام بھکشوؤں کو رات کا کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تھا اور جنگل والے کیمپ میں بھی سارے ہی بھکشو کھانا کھاتے تھے۔

ناشتا کرنے کے بعد ہم نے کافی بھی وہیں بیٹھ کر پی تھی۔

"یہاں کوئی اخبار ملے گا یا باہر سے منگوانا پڑے گا؟" میں نے پاتونگ سے پوچھا۔

"تم لوگ اپنے کمرے میں چلو۔ میں لے کر آتی ہوں۔" پاتونگ نے جواب دیا۔

ہم وہاں سے اٹھ کر تھائی وانگ والے کمرے میں آگئے۔ تقریباً دس منٹ بعد پاتونگ اخبار لے کر آگئی۔ اخبار تھائی زبان کا تھا۔ یہ زبان میں بولنے اور سمجھنے تو لگا تھا لیکن پڑھنا بالکل نہیں جانتا تھا۔ اخبار کے پہلے ہی صفحے پر تصویریں دیکھ کر میں اخبار کی ہیڈ لائن کا متن سمجھ گیا۔ ایک تصویر جلتے ہوئے آشرم کی تھی۔ کچھ تصویریں جلی ہوئی گاڑیوں کی تھیں اور تین تصویریں لاشوں کی تھیں۔ ایک مرد اور دو عورتوں کی لاشیں تھیں جن کے چہرے پہچانے نہیں جارہے تھے۔ میں نے اخبار پڑھ کر تھائی وانگ کو دے دیا۔

"پڑھ کر بتاؤ۔ کیا لکھا ہے۔"

تھائی وانگ نے اخبار اپنے سامنے پھیلالیا۔ ڈاکٹر جانکی اور نوینا بھی اس پر جھکی ہوئی تھیں۔ اخبار کی ہیڈ لائن تو تھی ہی آشرم کی آتش زدگی کے بارے میں' صفحۂ اول پر اور بھی چھوٹی بڑی لاتعداد خبریں اس حوالے سے تھیں۔

"ہوں....." تھائی وانگ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اخبار اس کے ہاتھ سے نوینا نے لے لیا تھا۔

"اس ہنگامے میں تین افراد ہلاک اور کئی زخمی ہوئے ہیں۔ یہ تینوں آشرم سے باہر نکلنے کی کوشش میں کچلے گئے تھے۔ ان میں ایک مرد اور دو عورتیں شامل ہیں۔ زخمی ہونے والوں میں دو کو گولیاں لگی تھیں جبکہ کچھ چھکم پیل میں زخمی ہوئے۔ آشرم میں لگنے والی آگ پر رات گئے تک قابو نہیں پایا جاسکا تھا۔ خیال ہے کہ کچھ لوگ آگ میں جل کر بھی ہلاک ہوئے ہوں گے۔" تھائی وانگ رکے بغیر کہے جارہی تھی "آشرم کے باہر کچھ گاڑیوں کو بھی نذرِ آتش کردیا گیا۔ بعض لوگوں کے بیان کے مطابق آشرم میں یہ ہنگامہ اس وقت شروع ہوا جب سوامی رگوناتھ کے چند گرگوں نے وہاں آئے ہوئے لوگوں کے چہروں سے ہڈ نوچنے شروع کیے۔ انہیں شاید کچھ خاص لوگوں کی تلاش تھی جن کے بارے میں سوامی رگوناتھ بار بار اعلان کررہا تھا کہ کچھ جرائم پیشہ لوگ آشرم میں گھس آئے ہیں۔ جو یہاں کا پُرسکون ماحول برباد کررہے ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ پچھلے چند روز سے ایک اور آدمی آشرم پر قابض تھا اور سوامی رگوناتھ اس کے ہاتھوں کا کھلونا بنا ہوا تھا۔ اسے نہ تو کوئی شخص نام سے جانتا ہے اور نہ چہرے سے پہچانتا ہے۔

وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنا چہرہ ہمیشہ ہڈ میں چھپائے رہتا تھا۔ اس کے گرگے بھی اپنے چہرے ہڈ میں چھپائے رہتے تھے۔ آشرم میں ہنگامے اور آتش زدگی کی اطلاع ملتے ہی پولیس اور دیگر اعلیٰ حکام موقع پر پہنچ گئے تھے۔ اعلیٰ سطح پر تحقیقات کا حکم دے دیا گیا ہے۔ عوام نے اس واقعے پر شدید ردِعمل کا اظہار کیا ہے۔ بعض سیاست دانوں کے بیانات بھی اخبار میں چھپے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ پہلے ہی حکومت کو سوامی رگوناتھ کی ناپسندیدہ سرگرمیوں سے آگاہ کرتے رہے ہیں لیکن عیاش حکمرانوں نے کبھی اس کا نوٹس نہیں لیا جس کا نتیجہ آج اس ہنگامے کی صورت میں نکلا۔"

"اور سوامی رگوناتھ کے بارے میں کوئی اطلاع؟" میں نے تھائی کے خاموش ہونے پر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ لاپتا ہے۔" تھائی نے جواب دیا "لوگوں کے کہنے کے مطابق وہ بھاشن ختم کرکے آشرم کی عمارت کے اندر چلا گیا تھا۔ کچھ لوگوں نے ہنگامہ شروع ہونے سے پہلے عمارت کے اندر سے شور اور گولیاں چلنے کی آوازیں سنی تھیں۔ سوامی رگوناتھ کے بارے میں فی الحال یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ بھی اس آگ میں جل کر مرگیا ہے یا فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ بہرحال' اسے تلاش کیا جارہا ہے۔ اعلیٰ حکام نے یقین دلایا ہے کہ اس واقعے کی غیر جانب دارانہ تحقیق کی جائے گی اور اس کے ذمے داروں کو سخت ترین سزا دی جائے گی۔" وہ کچھ دیر کو خاموش ہوئی پھر حکمرانوں کو بے نقط سنانے لگی "راشی' بے ضمیر... جب ہر طرف سے سوامی اور اس کے آشرم کے خلاف آوازیں اٹھائی جارہی تھیں تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ اب معاملہ ہاتھ سے نکل گیا ہے اور کئی لوگ مارے گئے ہیں تو انہیں قانون یاد آرہا ہے۔"

تھائی وانگ دیر تک بڑبڑاتی رہی اور میں اس صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے دارا کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ یقیناً پیڈرو ہی کے پاس چلا گیا ہوگا۔ چند روز تک تو وہ دبکا رہے گا اور اس کے بعد ہی کوئی کارروائی کرے گا۔ میں اگرچہ پوری طرح اس کے خلاف سرگرم نہیں ہوا تھا لیکن اِکا دُکا کارروائیاں کی تھیں ان سے بھی اسے خاصا نقصان ہوا تھا۔

سوامی رگوناتھ کا آشرم تو سونے کی کان تھا۔ نجانے کس طرح اس نے رگوناتھ کو اپنے قبضے میں کرلیا تھا۔ وہ اس آشرم سے کروڑوں بھات کما سکتا تھا اور یہ مستقل آمدنی تھی۔ کبھی ختم نہ ہونے والی۔ سوامی رگوناتھ کی طرح وہ بھی سیانہ روی سے کام لیتا تو لوگ خاموشی سے بلیک میل ہوتے رہتے لیکن وہ شاید ایک ہی مرتبہ ان کی تجوریاں خالی کروالینا چاہتا تھا جس سے لوگ اندر ہی اندر اس کے خلاف ہوتے جارہے تھے اور پھر میں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ میں درحقیقت سوامی رگوناتھ یا اس کے آشرم کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں تو صرف دارا کے چکر میں وہاں گیا تھا۔ صرف دارا کو وہاں سے نکالنا چاہتا تھا لیکن لوگ پہلے ہی سے بھرے بیٹھے تھے۔ انہیں موقع مل گیا اور اس طرح آشرم کی کہانی ختم ہوگئی۔

ہم لوگ اس صورتِ حال پر تبصرہ کررہے تھے کہ گانگ بھی آگیا۔ وہ صبح ہی ہپ لیونگ کی گاڑی لے کر چلا گیا تھا۔ صبح جانے سے پہلے اس نے جانگی دیوی کو جگا کر اس سے ہپ لیونگ کے گھر کا پتا سمجھ لیا تھا۔

"وہاں سب ٹھیک ہے لٹل ماسٹر۔" گانگ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہپ لیونگ کافی الحال چند روز تک گھر سے باہر نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ وہ پرساد کا پوری طرح خیال رکھے ہوئے ہے۔ وہاں اگرچہ انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن مہاراج کے حکم پر میں نے دو لڑکوں کو وہاں چھوڑ دیا ہے۔ ایک مکان کے اندر رہے گا اور دوسرا دور رہ کر نگرانی کرے گا تاکہ اگر کوئی گڑبڑ ہو تو اس کی اطلاع دے سکے۔ ویسے وہ بنگلا بالکل محفوظ ہے۔ وہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔"

"تقینک یو گانگ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

گانگ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد چلا گیا۔ ہمیں فی الحال کوئی کام نہیں تھا اس لیے باتوں میں وقت گزارتے رہے۔ دوپہر کا کھانا کھا کر میں سو گیا اور جب آنکھ کھلی تو شام ڈھل رہی تھی۔ تھائی وانگ نے بتایا کہ تقریباً آدھا گھنٹا پہلے پرساد کا فون آیا تھا۔ اس نے اپنا نمبر لکھوا دیا ہے۔ وہ کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔

میں اس کمرے میں چلا گیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر تھائی کا بتایا ہوا نمبر ملایا۔ کال ہپ لیونگ نے ریسیو کی تھی۔ چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد اس نے ریسیور پرساد کو دے دیا۔

"ہیلو پرساد۔ کیسے ہو۔ تمہارے پیر کی تکلیف کیسی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں باس۔" پرساد نے جواب دیا "ایک اہم اطلاع دینی تھی۔"

"کوئی خواب دیکھا ہے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے تو کبھی سوتے میں خواب نہیں دیکھا' جاگتے میں کیا دیکھوں گا باس۔" پرساد نے کہا "میں نے اپنے ایک بندے کو فون کیا تھا۔ یہ اطلاع مجھے اسی نے دی ہے۔"

"کیسی اطلاع؟" میں نے پوچھا۔

"دارا' پیڈرو کے پاس پہنچ چکا ہے اور انہیں شبہ ہے کہ ہم چائنا ٹاؤن والے اس فلیٹ میں چھپے ہوئے ہیں جو میں نے کرائے پر لیا تھا۔ ان کے آدمی آج رات وہاں ریڈ کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔" پرساد نے کہا۔

"بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" میں نے کہا "وہ فلیٹ چھوڑے ہوئے تو کئی روز ہو چکے ہیں۔ انہیں یہ شبہ کیسے ہوا کہ ہم وہاں جاسکتے ہیں؟"

"وہ فلیٹ ہے تو ابھی تک میرے ہی نام پر۔ ہوسکتا ہے انہیں کسی طرح یہ شبہ ہوگیا ہو۔" پرساد نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر وہ لوگ اس فلیٹ پر ریڈ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہماری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے لیکن..." میں خاموش ہوگیا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال اُبھرا تھا "وہ لوگ اس فلیٹ پر ریڈ کا جھانسا دے کر کوئی اور کارروائی تو نہیں کرنا چاہتے؟"

"ہوسکتا ہے۔" پرساد نے کہا "جس جگہ میں موجود ہوں اس کا انہیں پتا نہیں۔ مہاراج کے جنازیم پر حملہ کرکے وہ زندگی کی سب سے بڑی غلطی کریں گے اور واٹ ٹریمٹ کا رخ کرنے کی وہ ہمت نہیں کرسکتے۔ ہوسکتا ہے ان کے ذہن میں کوئی اور منصوبہ ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "تم نے اپنے آدمی کو ہپ لیونگ کا نمبر تو نہیں دیا؟"

"نہیں باس۔ میں ایسی بے وقوفی نہیں کرسکتا۔" پرساد نے جواب دیا۔

"ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد تم دوبارہ اس آدمی کو فون کرکے معلوم کرنے کی کوشش کرنا کہ ان کا اصل منصوبہ کیا ہے اور ویسے بھی کوئی غیر معمولی بات محسوس کرو تو مجھے اطلاع دینا۔"

"یس باس۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لائن بے جان ہوگئی۔

میں نے ریسیور رکھ دیا اور کمرے میں واپس آکر تھائی وانگ وغیرہ کو پرساد کے فون کے بارے میں بتانے لگا۔ میرے خیال میں مہاراج اور ماسٹر ہوچن کو بھی یہ اطلاع دینا ضروری تھا۔ گانگ چند لڑکوں کے ساتھ آج کل اسی بدھ عبادت گاہ ہی میں رہ رہا تھا۔ میں نے اسے بلا کر صورتِ حال سے آگاہ کردیا۔

"ٹھیک ہے لٹل ماسٹر۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "میں مہاراج اور ماسٹر ہوچن کو اطلاع کردیتا ہوں۔ تم آرام سے بیٹھو۔"

میں نے اگرچہ مہاراج اور ماسٹر ہوچن کو اطلاع بھیج دی تھی لیکن میرے دل میں ایک خلش تھی۔ ذہن میں ایک کھٹک سی تھی۔ نجانے میرا ذہن اس بات کو قبول کرنے کو تیار کیوں نہیں ہو رہا تھا۔ مجھے کچھ گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا اور وہ گڑبڑ کیا ہوسکتی تھی۔ یہی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

رات نو بجے کے قریب پرساد کا فون آگیا۔

"میرے مخبر کو یہی بات معلوم ہوئی تھی جو وہ پہلے ہی بتا چکا ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن پرساد۔" میں نے کہا "یہ بات میرے حلق سے نہیں اُتر رہی۔"

"تو پھر خاموش بیٹھے رہو باس۔ اپنے ذہن کو الجھانے کی ضرورت نہیں۔" پرساد نے جواب دیا۔

میں کچھ دیر اور فون پر پرساد سے باتیں کرتا رہا پھر ریسیور رکھ دیا۔ پرساد سے اس اطلاع کی تصدیق ہوجانے کے بعد میری تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اگرچہ یہ مشورہ دیا تھا کہ میں خاموش بیٹھا رہوں اور اپنے ذہن کو الجھانے کی کوشش نہ کروں لیکن میری بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔

تھائی وانگ اور جانگی دیوی بھی میرے اس خیال سے متفق تھیں کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے اور دارا وغیرہ ہمیں دھوکے میں رکھ کر کوئی اور کارروائی کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کارروائی کریں گے۔

"اوہ!" میں ایک دم اچھل پڑا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال آیا تھا "تھائی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یاد ہے جب میں اور تم ریجنٹ اندرا ہوٹل گئے تھے تو انہوں نے ہمیں گھیر لیا تھا۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" تھائی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "اس واقعے کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ انہوں نے ماسٹر پھو کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔"

"اور اس کے دو دن بعد انہوں نے تمہارے بنگلے پر حملہ کردیا تھا اور ہم بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگ سکے تھے۔ انہوں نے بنگلے کو آگ لگا دی تھی اور تمہیں معلوم ہے تمہارے بنگلے کا پتا انہوں نے کیسے لگایا تھا؟"

"میری کار ریجنٹ اندرا ہوٹل میں رہ گئی تھی اور انہوں نے کار کے رجسٹریشن نمبر سے میرے گھر کا پتا معلوم کرلیا تھا اور... اور... تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" وہ میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات اُبھر آئے تھے۔

"گزشتہ رات ہم ہپ لیونگ کی کار میں تھے۔" میں نے کہا۔ "دارا نے راستے میں ہماری کار روک کر حملہ کیا تھا۔ جانگی اور دارا کار کے سامنے ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ دارا بہت چالاک آدمی ہے۔ اس نے ہپ لیونگ کی کار کا نمبر دیکھ لیا ہوگا اور..." میں جملہ مکمل نہیں کرسکا۔ بدترین خدشات میرے ذہن میں سر ابھارنے لگے اور دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔

"تمہارا مطلب ہے دارا نے ہپ لیونگ کی کار کا نمبر نوٹ کرلیا ہوگا اور...."

"ہاں ہاں... اس شیطان سے کچھ بعید نہیں۔ ایک منٹ۔ میں ابھی آتا ہوں۔" میں یہ کہتے ہوئے فون والے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔

یہاں آتے ہی میں نے فون کا ریسیور اٹھایا اور ہپ لیونگ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال تیسری گھنٹی پر ریسیو کی گئی تھی۔ آواز ہپ لیونگ کی تھی۔

"ہیلو ہپ۔" میں نے اس کی آواز سنتے ہی کہا "پرساد کو ریسیو دو۔"

"ایک منٹ ہولڈ کرو۔" جواب ملا اور خاموشی چھاگئی پھر ٹھیک ایک منٹ بعد ہی پرساد کی آواز سنائی دی تھی۔

"یس باس۔ کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"پرساد۔ تم جس حالت میں بھی ہو ہپ یونگ کو لے کر وہاں سے نکل لو۔" میں نے کہا۔

"کیا بات ہے باس۔ تم بہت گھبرائے ہوئے ہو؟" پرساد نے پوچھا۔

"دارا کی چال کو میں سمجھ گیا ہوں پرساد۔" میں نے کہا "مجھے شبہ ہے کہ اس نے ہپ یونگ کی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے اس بنگلے کا پتا چلالیا ہے اور مجھے یہ بھی شبہ ہے کہ وہ آج رات کہیں اور نہیں بلکہ اسی بنگلے پر ریڈ کرے گا۔ تم ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر وہاں سے نکلو اور واٹ ٹریمٹ پہنچ جاؤ۔ مہاراج کے دو آدمی تم لوگوں کی حفاظت کے لیے وہاں چھوڑے گئے تھے۔ وہ کہاں ہیں؟"

"ایک تو گلی کے موڑ پر ہے اور دوسرا بنگلے کے برآمدے میں بیٹھا ہوا ہے۔" پرساد نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ فوراً وہاں سے نکلو اور ان دونوں کو بھی وہاں سے ہٹا دو۔" میں نے کہا۔

"تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے باس۔" پرساد نے جواب دیا "ٹھیک ہے۔ ہم چند منٹ میں یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔"

میں نے فون رکھ دیا اور دوبارہ اسی کمرے میں آگیا۔ میں نے تھائی وانگ اور جانگی دیوی کے سامنے اپنے خدشات کا اظہار بھی کردیا تھا۔

پندرہ منٹ گزر چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ پرساد اور ہپ یونگ کو بنگلے سے نکلنے اور یہاں تک پہنچنے میں چالیس پینتالیس منٹ ضرور لگیں گے۔ پرساد کو خبردار کرکے مجھے مطمئن ہوجانا چاہیے تھا لیکن نجانے کیا بات تھی کہ میری بے چینی بڑھتی جارہی تھی اور پھر گانگ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔

"کیا ہوا گانگ؟" میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوگئی تھی۔

"گڑبڑ ہوگئی باس۔" گانگ نے جواب دیا "ہمارے ایک لڑکے نے فون پر اطلاع دی ہے کہ پیڈرو کے آدمی ہپ یونگ کے بنگلے میں گھسنے کی کوشش کررہے ہیں۔ مہاراج نے سوکھم وٹ نفٹی تھری پر واقع اپنے ایک شاگرد ہوتو کو فون کردیا ہے۔ وہ لوگ وہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے۔ ہم بھی یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔"

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا "ٹھہرو۔ میں بھی چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور ٹیلی فون والے کمرے کی طرف دوڑ لگادی۔ پھر ہپ یونگ کے بنگلے کے نمبر ڈائل کیے۔

دوسری طرف سے ٹیلی فون کال ریسیو نہیں کی جارہی تھی۔ کبھی بیل بجتی ہوئی سنائی دیتی اور کبھی انگیج کی ٹون سنائی دینے لگتی۔ میں نے ریسیور رکھ دیا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ٹیلی فون کی لائن کاٹ دی گئی تھی۔

میں دروازے کی طرف مڑا تو تھائی اور جانگی دیوی وہاں کھڑی تھیں۔ جانگی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول میری طرف بڑھا دیا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ ہپ یونگ کے گھر پر حملے کی اطلاع ملنے کے بعد میں یہاں رک نہیں سکوں گا اس لیے وہ اپنے کمرے سے پستول نکال لائی تھی۔ میں نے پستول لے کر جیب میں ڈال لیا اور گانگ کے ساتھ واٹ کے عقبی گیٹ کی طرف بھاگنے لگا۔

گیٹ کے قریب ہی اندر کی طرف سیاہ رنگ کی وین کھڑی تھی جس میں چار آدمی پہلے ہی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کے پاس چینی ساختہ اے۔ کے فورسیون آٹومیٹک رائفل تھی۔ وین کا انجن اسٹارٹ تھا اور انہیں شاید ہمارا ہی انتظار تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی وین حرکت میں آگئی اور گیٹ سے نکل کر تیز رفتاری سے راما فور روڈ پر دوڑنے لگی۔ یہ سڑک بالکل سیدھی چلی گئی تھی۔

ابھی رات کے دس بھی نہیں بجے تھے۔ سڑکوں پر ٹریفک تھا۔ وین کے ڈرائیور کو ایسی پُرہجوم سڑکوں پر گاڑی چلانے کی خاصی مہارت تھی۔ اس وقت بھی وہ رفتار کم کیے بغیر بڑی مہارت کا ثبوت دے رہا تھا۔ دو جگہ وہ سگنل توڑتا ہوا نکل گیا تھا۔ کھلونگ ٹوئی ڈسٹرکٹ میں سوئے ایک سو تینتیس سے ذرا آگے اس نے وین سوکھم وٹ تھرٹی سکس پر موڑ لی اور مین سوکھم وٹ روڈ کراس کرتے ہوئے سوکھم وٹ تھرٹی سکس پر آگئے۔ اب راستہ میری سمجھ میں آگیا تھا۔

وین جیسے ہی تھانگ لو روڈ پر مڑی' فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہوتو کے آدمی ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے اور پیڈرو کے آدمیوں سے ان کا مقابلہ شروع ہوچکا تھا۔

میں ایک لڑکے کے ساتھ گلی کے موڑ پر اتر گیا اور عقبی گلی کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں بنگلے کے پچھلی طرف سے اندر داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ عقبی گلی سے وہ بنگلا تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ دیوار تقریباً چھ فٹ اونچی تھی۔ میں اپنے ساتھی کا سہارا لے کر دیوار پر چڑھا اور پھر اسے بھی ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچ لیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے پستول بھی ہاتھ میں لے لیا تھا۔

دیوار پر چڑھتے ہی مجھے احساس ہوگیا تھا کہ لڑائی بنگلے کے اندر نہیں بلکہ دوسری طرف سامنے والی گلی میں ہو رہی تھی۔ میں دیوار سے کود کر عقبی برآمدے میں پہنچ گیا۔ دروازہ اندر سے لاک تھا۔ میں نے کی ہول پر پستول رکھ کر ٹریگر دبادیا۔ لاک ٹوٹ گیا۔ میں نے ہینڈل کو جھٹکا دے کر دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہوگیا۔ میرا ساتھی بھی میرے ساتھ ہی اندر داخل ہوا تھا۔ وہ مجھے رکنے کا

اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا لیکن میں اپنے آپ کو نہیں روک سکا۔

تمام کمروں کی بتیاں جل رہی تھیں۔ ہال نما کمرے میں الٹا ہوا فرنیچر بتا رہا تھا کہ یہاں اچھی خاصی دھینگا مشتی ہوئی تھی۔ میں پرساد والے کمرے کی طرف دوڑا اور جیسے ہی کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہوا' میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ پرساد کمرے میں موجود نہیں تھا۔ بستر کی چادر کے علاوہ دو تین جگہوں پر خون کے دھبے نظر آرہے تھے۔ ہر چیز الٹی ہوئی نظر آرہی تھی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا دیکھ کر میں اس طرف لپکا مگر باتھ روم خالی تھا۔

"پرساد..... ہپ یونگ....." میں نے کمرے کے دروازے پر آکر پکارا مگر کوئی جواب نہیں ملا۔

میرے ساتھ آنے والا دوسرا لڑکا بھی کمروں میں جھانکتا پھر رہا تھا۔ میں سامنے والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو ہپ یونگ کو دیکھ کر اچھل پڑا۔ وہ باتھ روم کے دروازے کے قریب فرش پر پڑی تھی اور اس کے پیٹ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ زخم پر تھا۔

"لیونگ..... یونگ..... آنکھیں کھولو۔ میں ہوں وجدان....." میں اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے اسے پکارنے لگا۔

ہپ یونگ نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی۔ شاید مجھے پہچاننے کی کوشش کررہی تھی۔

"وہ..... وہ لوگ..... اسے لے..... گئے۔" اس کے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے تھرتھراتی ہوئی سی آواز نکلی "مم..... مم..... میں نے اسے بچانے کی..... کوشش کی تھی..... مگر....." وہ خاموش ہوگئی۔ اس کی آنکھیں بھی بند ہوگئی تھیں۔

میں اسے اٹھا کر ہال نما کمرے میں لے آیا اور ایک صوفے پر لٹا دیا۔ اس نے پیٹ کے زخم پر ہاتھ رکھا ہوا تھا لیکن خون رس رہا تھا۔ میرا دوسرا ساتھی برآمدے والا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا اور پھر اس کی چیخ سن کر میں بھی دوڑتا ہوا برآمدے میں آگیا۔ گانگ کا بھیجا ہوا محافظ لڑکا ہپ یونگ کی کار کے قریب زمین پر پڑا تھا۔ اس کے جسم پر کئی جگہوں سے خون بہہ رہا تھا لیکن وہ ابھی زندہ تھا۔

فائرنگ کی آوازیں اب گلی میں دور سے سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ہوتو کے آدمی پیڈرو کے آدمیوں کا پیچھا کررہے تھے۔

"باہر نکلو اور ان کو اندر بلاؤ۔" میں نے اپنے ساتھی سے چیخ کر کہا۔

وہ گیٹ سے نکل کر چیخنے لگا۔ چند سیکنڈ بعد ہی دو آدمی اندر آگئے اور پھر کچھ دیر بعد گانگ بھی دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔

"وہ لوگ پرساد کو اٹھا کر لے گئے گانگ۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"تمہارا یہ آدمی اور ہپ یونگ شدید زخمی ہیں۔"

گانگ نے اپنے آدمیوں سے چیخ کر کچھ کہا۔ ان میں سے ایک باہر دوڑ گیا۔ دو منٹ بعد وین گیٹ کے سامنے آکر رکی۔ ہپ یونگ اور دوسرے زخمی کو اٹھا کر وین میں ڈال دیا گیا۔ گانگ نے دو اور آدمیوں کو اشارہ کیا اور خود اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے وین میں بیٹھ کر ہپ یونگ کا سر اپنے گھٹنے پر رکھ لیا۔ وہ آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھنے لگی۔

"گھبراؤ نہیں۔" میں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ہم تمہیں اسپتال لے جارہے ہیں۔ تم بچ جاؤ گی۔"

ہپ یونگ کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ آگئی۔ گانگ وین کو حرکت میں لے آیا تھا اور پھر ٹھیک اسی وقت کسی طرف سے پولیس سائرن کی آواز سنائی دینے لگی۔ گانگ وین کو اوپر والی گلی میں گھما کر تھانگ لو روڈ پر لے آیا اور اس کی رفتار بڑھا دی۔ اس سڑک پر تقریباً ایک میل آگے بنگلہ دیش کے سفارت خانے کے قریب ایک بہت بڑا اسپتال تھا اور وہاں تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

اسپتال کی انتظامیہ نے کیس لینے سے انکار کردیا۔ پرائیویٹ اسپتال اس قسم کے کیس نہیں لیتے تھے جن میں کسی بھی قسم کی قانونی کارروائی کا احتمال ہو۔

"اگر تم لوگوں نے فوری طور پر انہیں ٹریٹ منٹ نہ دیا تو مہاراج کے آدمی اس اسپتال کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔" گانگ نے چیخ کر کہا۔ اس کی یہ دھمکی کام کرگئی اور دونوں زخمیوں کو فوری طور پر آپریشن تھیٹر میں پہنچا دیا گیا۔

گانگ استقبالیہ کاؤنٹر پر آگیا اور ٹیلی فون پر مہاراج کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد پولیس وہاں پہنچ گئی۔ گانگ نے مجھے اشارہ کردیا۔ میں لابی میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ گانگ پولیس پارٹی سے نمٹنے کی کوشش کررہا تھا۔ پولیس آفیسر اسے دباؤ میں لانے کی کوشش کررہا تھا۔ کبھی وہ چیخنے لگتا اور کبھی گانگ۔ پولیس آفیسر کچھ زیادہ ہی اکھڑ قسم کا تھا۔ اس نے گانگ کو بازو سے پکڑ لیا اور اسے ایک طرف کھینچنے کی کوشش کرنے لگا مگر گانگ اڑ گیا۔ دو پولیس والے جا ہی سے آگے بڑھے۔ ایک پولیس والے نے گانگ کو گھونسا جمایا مگر گانگ نے دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"سنو آفیسر!" وہ پولیس آفیسر کی طرف دیکھ کر چیخا "تم اپنے اختیارات سے تجاوز کررہے ہو۔ کوئی جرم ثابت ہونے سے پہلے تمہیں کسی پر ہاتھ اٹھانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اگر تم نے میرے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کی کوشش کی تو میں تمہارے خلاف اپنا قانونی حق استعمال کروں گا۔" اس نے ایک جھٹکے سے دوسرے پولیس والے کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

پولیس آفیسر کا چہرہ ایک دم سرخ ہوگیا۔ وہ سڑک چھاپ غنڈوں سے ایسی باتیں سننے کا عادی نہیں تھا اور دن میں نجانے

اسے اس قسم کی کتنی دھمکیاں دی جاتی تھیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی کارروائی کرتا' ماسٹر ہوچن دو آدمیوں کے ساتھ اسپتال کے مرکزی شیشے والے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ ماسٹر ہوچن کا حلیہ تو شریفانہ تھا۔ نیلی جینز' سفید ٹی شرٹ' پیروں میں جوگرز اور سر کے بال بھی سلیقے سے آراستہ تھے جبکہ اس کے دونوں ساتھی اپنے لباس اور شکل ہی سے چھٹے ہوئے لگتے تھے۔

ماسٹر ہوچن کو دیکھتے ہی پولیس آفیسر نے گانگ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور ماسٹر ہوچن جیسے ہی قریب پہنچا' اس نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا تھا۔ گانگ جو کچھ اسے بتانے کی کوشش کرتا رہا تھا' اس پر شاید پولیس آفیسر کو یقین نہیں آیا تھا لیکن اب ماسٹر ہوچن کو دیکھ کر نہ صرف اس نے گانگ کی باتوں کا یقین کرلیا تھا بلکہ بار بار اس سے اپنے رویے کی معذرت بھی کررہا تھا۔ اس وقت میں بھی اٹھ کر قریب آگیا اور ان کی باتوں میں شامل ہوگیا اور پھر میں پولیس آفیسر کو تفصیل بتانے لگا کہ ہپ یونگ کے مکان پر پیڈرو کے آدمیوں کا حملہ گزشتہ رات سوامی رگوناتھ کے آشرم والے واقعے کی ایک کڑی ہے۔

"ہپ یونگ نے گزشتہ رات آشرم میں ہنگامے کے بعد ہمارے دو آدمیوں کو وہاں سے شہر آنے میں اپنی کار میں لفٹ دی تھی۔" اب ماسٹر ہوچن بتا رہا تھا۔ وہ میرا نام گول کرگیا تھا۔ "ہنگامے کے دوران میں وہاں سے بھاگنے کی کوشش میں ایک آدمی کے پیر میں موچ آگئی تھی۔ ہپ یونگ اسے اپنے گھر لے آئی تھی جبکہ دوسرا آدمی اپنے گھر چلا گیا تھا۔ کل رات آشرم میں پیڈرو کے آدمی بھی موجود تھے اور وہ سارا ہنگامہ دراصل انہوں نے ہی کھڑا کیا تھا۔ ان کے کسی آدمی نے ہمارے آدمیوں کو ہپ یونگ کے ساتھ کار میں آتے دیکھ لیا تھا۔ تم جانتے ہو کہ پیڈرو نے زیرِ زمین دنیا میں مہاراج کے ایک خاص شاگرد وجدان کے سر کی قیمت مقرر کررکھی ہے۔ دو ملین بھات۔ وہ ہر قیمت پر اسے موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا ہے۔ اسے شاید یہ اطلاع دی گئی تھی کہ وجدان ہپ یونگ کے گھر میں پناہ لیے ہوئے ہے۔ آج انہوں نے اس کے مکان پر حملہ کردیا جس میں ہپ یونگ اور ہمارا ایک آدمی زخمی ہوگیا اور وہ لوگ ہمارے اس آدمی کو اٹھا کر لے گئے جسے ہپ یونگ کل رات اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔"

"تین آدمی پیڈرو کے بھی زخمی ہوئے ہیں۔ انہیں دوسرے اسپتال بھجوا دیا گیا ہے۔" آفیسر نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "وجدان نام کا وہ شخص پولیس کے لیے بھی ایک مسئلہ بنتا جارہا ہے لیکن پولیس ابھی تک اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں کرسکی۔ جبکہ پیڈرو کا ایک دوست..... کئی سنگین الزامات میں پولیس کو مطلوب ہے لیکن ٹائیگر اور پیڈرو کی وجہ سے پولیس آج تک ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکی۔ بہرحال اس کیس کے حوالے سے کچھ قانونی کارروائی تو کرنی ہی پڑے گی۔"

"ضرور' کیوں نہیں۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "ہم جرائم پیشہ نہیں ہیں۔ قانون سے ہر قسم کا تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ میں یہاں موجود ہوں۔ تم اپنی کارروائی کرسکتے ہو۔"

ماسٹر ہوچن نے مجھے اور گانگ کو وہاں سے بھیج دیا اور خود پولیس آفیسر کو ساتھ لے کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

تھائی وانگ اور جانگی دیوی کو اس واقعے کا بہت صدمہ پہنچا تھا۔ ہپ یونگ کو مجھ سے ہمدردی کرنے کی سزا ملی تھی اور تھائی وانگ بھی مجھ سے ہمدردی کی سزا اب تک بھگت رہی تھی۔ اس کا سب کچھ تباہ ہوگیا تھا۔ آزادی سلب ہوگئی تھی۔ میرے ساتھ وہ بھی خطرات میں گھری ہوئی تھی۔ جان جانے کا خوف کہیں ٹک کر بیٹھنے نہیں دیتا تھا لیکن اسے شاید کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ اسے اگر کوئی فکر تھی تو صرف میری۔ وہ میرے لیے اب بھی ہر وقت پریشان رہتی تھی کہ کہیں مجھے کچھ نہ ہوجائے۔ جانگی دیوی کو بھی ہپ یونگ کے ساتھ اس زیادتی کا بڑا دکھ ہوا تھا۔ وہ ایک رات اس کے ساتھ گزار چکی تھی۔ اس کی باتیں سن چکی تھی۔ چند گھنٹوں میں ان دونوں میں کچھ انڈر اسٹینڈنگ بھی ہوگئی تھی۔

میں نے ہپ یونگ کو اسپتال پہنچایا تھا۔ وہ آخری وقت تک ہوش میں تھی اور مجھے یقین تھا کہ وہ بچ جائے گی۔ اس کی فکر تو تھی ہی لیکن سب سے زیادہ پریشانی رامن پرساد کی تھی۔ وہ لوگ اسے اٹھا کرلے گئے تھے۔ اگر اس کا پیر زخمی نہ ہوتا تو وہ ان کے ہاتھ نہ لگتا لیکن اب پتا نہیں وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

پرساد کے لیے صرف میں ہی نہیں ڈاکٹر جانگی' تھائی وانگ اور نویتا بھی پریشان تھیں۔ ہم چاروں کا تعلق مختلف مذاہب' مختلف معاشروں اور مختلف طبقات سے تھا لیکن ہم سب ایک فیملی کی طرح تھے۔ ایک دوسرے کو سمجھتے تھے۔ ایک دوسرے کے لیے تڑپ رکھتے تھے اور اب پرساد کے لیے ہمارے دلوں میں وہ تڑپ جاگ اٹھی تھی۔

ہم میں سے کوئی بھی اس رات نہیں سو سکا تھا۔

صبح گانگ سے اطلاع ملی کہ رات کو زخمی حالت میں اسپتال پہنچایا جانے والا ان کا ساتھی جانبر نہیں ہوسکا تھا البتہ ہپ یونگ بچ گئی تھی۔ اس پر خنجر سے وار کیا گیا تھا جو زیادہ گہرا نہیں تھا۔ اسپتال میں اس کی حفاظت کے لیے نہ صرف پولیس کے دو آدمی موجود تھے بلکہ ماسٹر کے دو آدمی بھی وہاں ڈیوٹی دے رہے تھے۔

رات بھر جاگتے رہنے کے باوجود دن میں بھی مجھے نیند نہیں آسکی۔ میں صرف اور صرف پرساد کے بارے میں سوچتا رہا۔ پرساد سے میری ملاقات محض اتفاق سے ایک ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی جسے میں نے ایک وقت کا کھانا کھلایا تھا اور وہ کھانا ہماری دوستی کی بنیاد بن گیا تھا۔ اس میں وفا اور ایثار کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس کی وفا نے اس کی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔

مہاراج بھی پرساد کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ مہاراج نے

اگرچہ پرساد کا صرف ایک ہی مرتبہ آمنا سامنا ہوا تھا لیکن میں تو انہیں اکثر اس کے بارے میں بتاتا رہتا تھا اور وہ بھی پرساد کے بارے میں یہ سمجھ چکے تھے کہ یہ شخص سچائی کی خاطر اپنی جان بھی دے سکتا ہے اور ایسے آدمیوں کو مہاراج نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔ کئی آدمی پرساد کی تلاش میں لگا دیے گئے تھے۔

تین دن گزر گئے۔ پرساد کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ زندہ ہے۔ اگر اسے مار دیا گیا ہوتا تو اب تک اس کی لاش کہیں نہ کہیں مل چکی ہوتی اور میرے خیال میں پیڈرو اسے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر مارنا ہوتا تو ہپ یونگ کے بنگلے پر حملے کے دوران میں ہی اسے مار دیا گیا ہوتا لیکن وہ اسے زندہ اٹھا کرلے گئے تھے۔ اس نے یقیناً مزاحمت کی ہوگی اور ہوسکتا ہے وہ زخمی بھی ہوا ہو کیونکہ اس کے کمرے میں بیڈ کی چادر کے علاوہ دو تین اور جگہوں پر بھی خون کے دھبے نظر آئے تھے۔

پیڈرو اپنے پیش رو ٹائیگر سے قدرے مختلف ثابت ہوا تھا۔ ٹائیگر نے میری تلاش میں جہاں بھی کوئی کارروائی کی تھی وہاں تباہی مچادی تھی۔ کئی لوگوں کو قتل کیا تھا اور املاک کو آگ لگا کر راکھ کر ڈالا تھا پھر ایک اور موقع پر مجھے شائی وان کے ساتھ ایک مکان میں زندہ جلا ڈالنے کی کوشش کی تھی۔

لیکن پیڈرو اس سے کسی قدر مختلف ثابت ہوا تھا۔ میرے خلاف یہ اس کی پہلی کارروائی تھی۔ اسے یہ اطلاع ملی تھی کہ میں ہپ یونگ کے بنگلے میں موجود ہوں۔ اگر وہ چاہتا تو بنگلے کو گھیر کر آگ لگا سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ مجھے زندہ پکڑنا چاہتا تھا۔ میں تو اس کے ہاتھ نہیں لگ سکا تھا البتہ اس کے آدمی پرساد کو اٹھا کرلے گئے تھے اور مجھے شبہ تھا کہ پرساد کو یرغمال بنا کر مجھے گھیرنے کی کوشش کی جائے گی۔ میرا خیال تھا کہ پرساد کی آڑ میں کوئی ایسی چال چلی جائے گی جس سے مجھے پھانسنے کی کوشش کی جائے یا اسے اذیتیں دے کر میرے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں لیکن اتنا میں جانتا تھا کہ پرساد کے جسم کا اگر ریشہ ریشہ بھی الگ کردیا جائے تو وہ میرے بارے میں زبان نہیں کھولے گا۔

تین دن گزر گئے تھے اور پرساد کے بارے میں اطلاع نہیں تھی اور پھر اس شام جب نویتا نے پرساد کی تلاش کے سلسلے میں اپنی خدمات پیش کیں تو میں چوکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"تم پرساد کے ساتھ کئی مرتبہ مختلف جگہوں پر جاچکی ہو۔ اگر تمہیں پہچان لیا گیا تو تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑجائے گی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس دوران میں اور بھی بہت سی لڑکیاں پرساد کے ساتھ دیکھی گئی تھیں۔ ظاہر ہے وہ سب کو اس کی ساتھی نہیں سمجھ سکتے اور پھر میں اکیلی نہیں ہوں گی۔ میرے ساتھ جانگی دیوی بھی ہوگی۔" نویتا نے جواب دیا۔

"کیا.....؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں۔ یہ پروگرام ہم دونوں نے بنایا ہے۔" قریب کھڑی ہوئی جانگی دیوی نے کہا "مجھے کوئی نہیں جانتا کہ میں تمہاری ساتھی ہوں۔ اس رات آشرم سے واپسی پر دارا سے مڈھ بھیڑ ضرور ہوگئی تھی لیکن صورتِ حال ایسی تھی کہ اس نے میرا چہرہ یاد نہیں رکھا ہوگا۔ میرا خیال ہے اگر میں اور نویتا کلبوں میں گھومتی پھریں تو ہم پر کسی کو شبہ نہیں ہوگا اور ویسے بھی دارا اس طرح سرعام نہیں پھر رہا ہوگا کہ ہمیں دیکھ لے۔"

بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ دارا تو کہیں چھپ کر بیٹھا ہوگا۔ جانگی دیوی اب تک پس منظر ہی میں رہی تھی۔ اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ میری دوست ہے۔ اس رات دارا سے مڈھ بھیڑ ضرور ہوئی تھی لیکن وہاں اندھیرا تھا۔ دارا نے اس کا چہرہ ٹھیک طرح سے نہیں دیکھا ہوگا۔ ہوسکتا ہے وہ اسے دوبارہ دیکھے تو نہ پہچان سکے لیکن میں دارا کو سمجھ چکا تھا۔ وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ رسک لیے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ کہاں جاؤ گی؟" میں نے پوچھا۔

"ارون فریا روڈ پر واقع چاؤ فریا پیراڈائز ریسٹورنٹ۔" نویتا نے جواب دیا "اس ریسٹورنٹ کے ساتھ ایک میوزک ہال بھی ہے۔ میں پرساد کے ساتھ دو تین مرتبہ وہاں جاچکی ہوں۔ کم از کم دو مرتبہ میں نے پیڈرو کو یہاں دیکھا ہے۔ دریائے چاؤ فریا کے ساحل پر واقع یہ ریسٹورنٹ عیاشی اور جوئے کا بہت بڑا اڈا ہے۔ پیڈرو کے چند خاص آدمی یہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہاں سے پرساد کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکے۔ یوں تو یہ ریسٹورنٹ چوبیس گھنٹے کھلا رہتا ہے لیکن رات آٹھ بجے سے دو بجے تک یہاں خوب ہنگامہ رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور پھر مجھے ایک اور بات یاد آگئی "ہم نے ٹاکسن روڈ والی کوٹھی اس خوف سے چھوڑی تھی کہ اس کا سراغ نہ لگا لیا جائے۔ میرا خیال ہے وہ لوگ وہاں تک نہیں پہنچ سکے اور میں سوچ رہا ہوں کہ ہم ایک بار پھر وہاں منتقل ہوجائیں۔ میں اس سلسلے میں آج مہاراج سے بات کروں گا۔ یہاں تو ہم بالکل محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"ہاں۔ یہاں واقعی الجھن سی محسوس ہورہی ہے۔" تھائی وانگ نے کہا۔

چھ بجے کے قریب نویتا اور ڈاکٹر جانگی دیوی وہاں سے رخصت ہوگئیں۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ پہلے وہ جانگی کے گھر جائیں گی اور وہاں سے تیار ہو کر نکلیں گی۔ ان کے جانے کے فوراً ہی بعد میں مہاراج کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بڑی مشکل سے اس بات پر آمادہ کرسکا تھا کہ ہم ٹاکسن روڈ والے بنگلے میں منتقل ہوجائیں۔ میں نے مہاراج سے وعدہ کرلیا تھا کہ جیسے ہی کوئی خطرہ محسوس ہوگا ہم وہاں سے نکل جائیں گے۔ مہاراج نے ایک آدمی ہمارے ساتھ کردیا۔

اس شخص کا نام سکھدر تھا۔ سکھدر کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ تھی۔ وہ دراز قامت اور کسرتی بدن کا مالک تھا۔ بازوؤں کے مسل اُبھرے ہوئے تھے جس سے اس کی جسمانی قوت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ اس کا تعلق مہاراج کے کسی جمنازیم سے نہیں تھا۔ شکل و صورت اور لباس سے بھی وہ کچھ شریف ہی لگتا تھا اس لیے اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں نے ایک دو مرتبہ پہلے بھی اسے مہاراج کے پاس آتے جاتے دیکھا تھا۔

مہاراج سے اجازت ملتے ہی ہم وہاں سے روانہ ہوگئے۔ گائنگ عبادت گاہ میں استعمال ہونے والی ایک گاڑی پر گلی کے موڑ پر اتار کر واپس چلا گیا تھا۔ ہم بہت محتاط انداز میں چلتے ہوئے جانگی والے بنگلے میں داخل ہوئے تھے۔

پورچ میں وہ کار بھی کھڑی تھی جو پرساد نے ایک رینٹل ایجنسی سے کرائے پر لے رکھی تھی اور بنگلے کے اندر بھی صورتِ حال معمول کے مطابق نظر آتی تھی۔ چیزوں پر گرد جمی ہوئی تھی اور اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ہمارے بعد یہاں کسی نے مداخلت نہیں کی تھی جس کا مطلب تھا کہ یہ بنگلا ان کی نظروں سے محفوظ ہی رہا تھا۔

میں نے سکھدر کو ضرورت کی چیزیں لینے کے لیے بازار بھیج دیا اور تھائی کے ساتھ مل کر صفائی وغیرہ کرنے لگا۔ کچن میں بھی برتنوں پر دھول جمی ہوئی تھی جنہیں تھائی نے دھو کر رکھ دیا۔ اس نے فریج بھی آن کردیا تھا۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر دیکھا۔ اس میں ٹون موجود تھی۔ میں نے ڈاکٹر جانگی کے گھر کا نمبر ملایا۔ تیسری گھنٹی پر کال ریسیو کرلی گئی لیکن دوسری طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔

"ہیلو جانگی۔" میں نے کہا "وجدان بول رہا ہوں۔"

"اوہ۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا" دوسری طرف سے جانگی کی آواز سنائی دی۔

"ہم تمہارے بنگلے میں آگئے ہیں۔ تم لوگ واپسی پر واٹ ٹریمٹ جانے کے بجائے یہیں پر آجانا۔ ویسے تم لوگ کب نکلوگی؟" میں نے پوچھا۔

"نو بجے کے قریب۔" جانگی نے جواب دیا۔

"اوکے۔ رات کو ملاقات ہوگی۔" میں نے یہ کہتے ہوئے فون بند کردیا۔

"وہ دونوں نو بجے کے قریب وہاں سے نکلیں گی۔ میرا خیال ہے ہم بھی دس بجے یہاں سے نکل جائیں۔" میں نے تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔" تھائی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے "اس لیے تم واٹ سے بھاگے ہو۔"

"ہاں۔ وہاں رہ کر ہم کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ یہاں کم از کم نقل و حرکت کے لیے تو آزاد ہوں گے۔" میں نے جواب دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد سکھدر مطلوبہ چیزیں لے آیا تھا۔ تھائی کچن میں گھس کر کافی بنانے لگی اور میں ایک میلا کپڑا لے کر باہر آگیا اور کار صاف کرنے لگا۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ یہ کار کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔ پرساد نے کئی روز سے کرائے کی ادائیگی کے لیے ایجنسی والوں سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ ہوسکتا ہے انہوں نے پرساد کے دیے ہوئے ایڈریس پر رابطہ کرنے کی کوشش کی ہو اور پتا چل گیا ہو کہ وہ ایڈریس جعلی تھا اور ایجنسی نے پولیس میں رپورٹ لکھوا رکھی ہو یا ممکن ہے فران نوک روڈ والے مکان سے پیڈرو کے آدمیوں کو اس کار کے بارے میں پتا چل گیا ہو اور وہ لوگ بھی اس کی تلاش میں ہوں۔ یہ خیال آتے ہی میں نے کار کی نمبر پلیٹیں اتار دیں۔ بغیر نمبر پلیٹ کے کوئی گاڑی سڑکوں پر لانا اگرچہ جرم تھا لیکن اس شہر میں لاقانونیت کے ساتھ کرپشن بھی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ ایسے چھوٹے موٹے معاملات میں کسی پولیس والے کی جیب میں سو پچاس بھات ڈال کر اسے آنکھیں بند کرنے پر مجبور کیا جاسکتا تھا۔

کافی پینے کے بعد کچھ دیر ہمیں تیاری میں لگ گئی۔ میں نے ہر ممکن حد تک اپنا حلیہ تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب میں کمرے سے نکلا تو سکھدر الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"کامیاب کوشش ہے۔ فوری طور پر شناخت نہیں کیا جاسکتا۔" اس نے کہا۔

اور پھر تقریباً اسی وقت تھائی وانگ بھی اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ اسے دیکھ کر میں بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ سکھدر کی آنکھوں میں تو عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ تھائی وانگ ایک بھرپور جوان عورت تھی۔ اس نے جو لباس پہنا تھا اس سے اس کے بدن کے خدوخال بہت نمایاں ہوگئے تھے۔ اس نے بہت عرصے بعد اس قسم کا لباس پہنا تھا اور سکھدر کو للچائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے پاکر مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ تھائی کلب میں بھی لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہے گی اور یہ بات ہمارے لیے خطرناک بھی ہوسکتی تھی لیکن بہرحال خطرے میں تو ہم کود ہی رہے تھے۔

میں نے اپنے لباس میں خنجر چھپا لیا تھا اور پستول تھائی کے حوالے کردیا تھا جسے اس نے اپنے پرس میں رکھ لیا۔

کار کا انجن بڑی مشکل سے اسٹارٹ ہوا۔ ٹینکی میں پیٹرول بھی کم تھا۔ گلی سے نکل کر پرچا تھک روڈ پر واقع ایک پیٹرول پمپ سے ٹینکی فل کروائی اور پھر واٹ کیلایا اور واٹ ارون کے سامنے سے ہوتے ہوئے کار تھائی نے اس پرائیویٹ روڈ پر موڑ دی جو دریا کے کنارے پر واقع چاؤ فرایا پیراڈائز ریسٹورنٹ تک چلی گئی تھی۔

دریا کے کنارے پر دور تک بہت بڑا ایریا گھیرا گیا تھا۔ وسیع و عریض باغ تھا جس میں وہ خوب صورت دو منزلہ عمارت تھی۔ اس مرکزی عمارت کے علاوہ چھوٹی چھوٹی اور بھی عمارتیں تھیں ایک طرف وسیع پارکنگ ایریا تھا جہاں بہت سی کاریں کھڑی تھیں۔

تھائی نے کار ایک مناسب جگہ پر روک کر انجن بند کردیا اور ہم دونوں نیچے اُتر آئے۔

ہم درختوں کے بیچ میں بجری والی روش پر چلتے ہوئے سوئمنگ پول کی طرف نکل گئے۔ وہ علاقہ پرستان کا منظر پیش کررہا تھا۔ ہم دوسری روش پر مڑ گئے۔ عمارت کے وسیع و عریض برآمدے میں داخل ہوئے تو دربان نے ہمیں دیکھ کر شیشے والا دروازہ کھول دیا۔ ہم دروازے میں داخل ہونا ہی چاہتے تھے کہ اندر سے آنے والا ایک آدمی تھائی وانگ سے ٹکرا گیا۔ وہ شاید بہت عجلت میں تھا۔ تھائی سے ٹکرا کر وہ بھی لڑکھڑایا اور تھائی بھی لڑکھڑا گئی تھی اور پھر وہ دونوں چکنے فرش پر پھسلتے ہوئے دھم سے نیچے گر گئے۔ سفید سوٹ میں ملبوس وہ شخص بڑی پھرتی سے اٹھ گیا اور معذرت کرتے ہوئے تھائی کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ میں چیختے ہوئے اس کی طرف بڑھا اور پھر رک گیا۔ میری نظریں اس شخص کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

وہ چی فانگ تھا!

چی فانگ نے میری طرف دیکھا اور پھر "سوری مسٹر" کہتے ہوئے تھائی کی طرف متوجہ ہوگیا اور اسے سہارا دینے کے لیے پھر ہاتھ آگے بڑھا دیا "سوری میڈم۔ میں جلدی میں تھا۔ تمہیں دیکھ نہیں سکا۔ چوٹ تو نہیں لگی؟"

"نہیں۔" تھائی نے... یہ کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ چی فانگ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس کے پورے بدن میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ یہ ہمارا بدترین دشمن تھا اور ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس طرح ایک دوسرے کے آمنے سامنے اور اتنا قریب آجائیں گے۔

چی فانگ نے ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور معذرت کرتا ہوا تیزی سے برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ بدتمیز کون تھا؟" میں نے دربان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لوگوں کو ایسی جگہوں پر اٹھنے بیٹھنے کی تمیز نہیں رہی۔ سب آداب بھول گئے ہیں۔"

"یہ مسٹر چی فانگ ہیں سر۔" دربان نے جواب دیا "ماسٹر پیڈرو کے دستِ راست سمجھے جاتے ہیں۔"

"اور یہ ماسٹر پیڈرو کون ہے؟ کوئی بہت بڑا مارشل آرٹسٹ!" میں نے دربان کو گھورا۔

"حیرت ہے آپ ماسٹر پیڈرو کو نہیں جانتے۔" دربان نے کہا "اسے بنکاک کا سب سے طاقت ور آدمی سمجھا جاتا ہے۔ شہر کے بڑے بڑے غنڈے اور بدمعاش اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ بڑے بڑے سرمایہ دار اور پولیس کے اعلیٰ افسران اس کا نام سن کر ہی کانپنے لگتے ہیں۔"

"اوہ۔ تم کہنا چاہتے ہو کہ پیڈرو کوئی بہت بڑا بدمعاش ہے۔" میں نے کہا "کیا یہ ریسٹورنٹ اس کی ملکیت ہے؟"

"اس کی ملکیت تو نہیں لیکن اس جیسے تمام بڑے ریسٹورنٹ، ہوٹل اور نائٹ کلب اس کے کنٹرول میں ہیں۔ اس کی مرضی کے بغیر کوئی ہوٹل یا نائٹ کلب اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتا۔"

"لیکن میں نے تو سنا تھا کہ ٹائیگر کو زیرِ زمین دنیا کا بادشاہ سمجھا جاتا ہے؟" میں نے کہا۔

"ٹائیگر تو اپنے ایک دشمن کے ہاتھوں مارا گیا سر۔ اب سارا نظام پیڈرو نے سنبھال رکھا ہے۔" دربان نے جواب دیا۔

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی اور شخص ہے جو ان سے بھی زیادہ طاقت ور ہے۔" میں نے کہا۔ مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ اس دربان سے کوئی کام کی بات معلوم ہوسکتی تھی۔

"نہلے پر دہلا تو ضرور ہوتا ہے سر۔" دربان نے جواب دیا "پیڈرو کو ٹائیگر کی موت کا بہت دکھ ہے۔ اس نے ٹائیگر کے قاتل کو پکڑنے کے لیے دو ملین بھات کا انعام مقرر کررکھا ہے۔"

"دو ملین بھات۔" میں نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا "اگر تمہیں اس کے بارے میں کچھ علم ہو تو مجھے بتا دینا۔ ہم انعام کی رقم آپس میں بانٹ لیں گے۔"

"اپنی ایسی قسمت کہاں سر۔" دربان مسکرا دیا "وہ تو سنا ہے چھلاوہ ہے۔ ماسٹر پیڈرو کا پورا گینگ اس کی تلاش میں ہے لیکن آج تک وہ اس پر قابو نہیں پا سکے۔ البتہ وہ پُراسرار شخص ہر چند روز بعد انہیں کوئی نہ کوئی ایسی چپت لگا دیتا ہے جس سے انہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ابھی چند روز پہلے اس نے آشرم تباہ کردیا تھا جس سے انہیں کروڑوں بھات کا نقصان اٹھانا پڑا۔"

"وہ آشرم تو سوامی رگوناتھ کا تھا۔ روحانیت کا مرکز۔ اس سے ان کا کیا تعلق؟" میں نے پوچھا۔

"پیڈرو کا ایک پارٹنر ہے دارا۔" دربان نے جواب دیا "وہ پاکستانی ہے۔ سنگاپور سے بھاگ کر آیا ہوا ہے۔ آشرم کا انتظام اس نے سنبھال رکھا تھا۔"

"دارا..... ہاں یہ نام تو سنا ہے۔ وہ تو بڑا بدمعاش آدمی ہے۔ کیا وہ بھی یہاں آتا ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہاں سب لوگ آتے ہیں سر۔" دربان نے جواب دیا اور باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔

میں نے مڑ کر دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے برآمدے کے سامنے ذرا آگے کوئی شخص بڑی تیزی سے درخت کی آڑ میں چھپ گیا ہو۔ میں اس کے لباس کی صرف ایک جھلک ہی دیکھ سکا تھا۔ اس طرف موٹے تنوں والے کئی درخت تھے جن کے پیچھے آسانی سے چھپا جاسکتا تھا۔

"اوکے مسٹر!" میں نے جیب سے دو تین نوٹ نکال کر دربان کی مٹھی میں دبا دیے "ہم یہاں آتے رہیں گے اور تم سے ملاقات

ہوتی رہے گی۔"

دربان نے دروازہ کھول دیا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ درختوں میں چھپنے والا وہ آدمی کون تھا۔ کیا اسے ہم پر کوئی شبہ ہو گیا تھا؟

اس ریسٹورنٹ کا نام اگر پیراڈائز رکھا گیا تھا تو غلط نہیں تھا۔ یہ واقعی عیاش لوگوں کی جنت تھا۔ یہاں عیاشی کا ہر سامان موجود تھا۔ نیم عریاں حسین و جوان لڑکیاں' شراب' جوا' رقص اور کیا چیز نہیں تھی جس کی ایک عیاش آدمی خواہش کر سکتا تھا۔

میں تھائی کے ساتھ ٹہلتا ہوا اس ہال میں آگیا جہاں اسٹیج پر ایک نیم عریاں رقاصہ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ نیم عریاں لباس میں نوخیز حسین ویٹریس لڑکیاں میزوں کے گرد چکرا رہی تھیں۔ ہم دونوں بھی ایک میز پر بیٹھ گئے۔ تھائی نے قریب سے گزرتی ہوئی ایک ویٹریس کو کافی کا آرڈر دے دیا۔

میں متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ جانکی دیوی یا نوبتا اب تک نظر نہیں آئی تھیں حالانکہ وہ نو بجے یہاں پہنچنے والی تھیں اور اب تو سوا دس بج رہے تھے۔ وہ یا تو کسی وجہ سے ابھی تک پہنچی نہیں تھیں یا ریسٹورنٹ کے کسی دوسرے حصے میں تھیں جہاں ہم ابھی تک نہیں گئے تھے۔

کافی پیتے ہوئے بھی میں متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ تھائی وانگ کی نظریں بھی ان کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔

گیارہ بج گئے۔ اب مجھے پریشانی ہونے لگی تھی۔ ہال میں اب کسی میز پر کوئی سیٹ خالی نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد ایک چینی رقاصہ کا خاص پروگرام پیش کیا جانے والا تھا اور لوگ وہ رقص دیکھنے کے لیے ریسٹورنٹ کے دوسرے حصوں سے اٹھ اٹھ کر اس ہال میں آرہے تھے۔

"ان دونوں میں سے کوئی بھی ابھی تک نظر نہیں آئی۔" تھائی وانگ نے میری طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی "کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گئی؟"

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی شبہ ہو رہا ہے۔" میں نے جواب دیا "تم یہیں بیٹھو۔ میں فون کر کے معلوم کرتا ہوں کہ وہ گھر سے نکلی بھی ہیں یا کسی وجہ سے ان کا پروگرام کینسل ہو گیا ہے۔"

میں ہال سے نکل کر اس لابی میں آگیا جہاں پبلک ٹیلی فون بوتھ لگے ہوئے تھے۔ چار بوتھ تھے اور چاروں میں اس وقت کوئی نہ کوئی موجود تھا۔ میں ایک طرف رک کر انتظار کرنے لگا اور پھر میں اس آدمی کو دیکھ کر چونک گیا جو میرے پیچھے ہی ہال سے باہر نکلا تھا۔ میں نے جیسے ہی اس کی طرف دیکھا' وہ تیزی سے مڑ کر ایک دروازے میں غائب ہو گیا۔ میں جلدی سے آگے بڑھا اور دروازے میں جھانک کر دیکھنے لگا۔ دوسری طرف ایک راہداری تھی لیکن وہ شخص نظر نہیں آیا۔ میں واپس مڑ گیا۔

ایک بوتھ کا دروازہ کھلا اور ایک عورت باہر نکلی۔ وہ مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھتی ہوئی دوسری طرف مڑ گئی۔ میں نے بوتھ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ یک پر ٹنگا ہوا ریسیور اٹھا کر سلاٹ میں سکے ڈالے اور جانکی دیوی کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔

دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی۔ میں نے لائن کاٹ کر دوبارہ نمبر ملائے۔ نتیجہ اس مرتبہ بھی صفر ہی نکلا۔ ریسیور ہک پر ٹانگتے ہی سلاٹ میں ڈالے ہوئے سکے کھڑکھڑاہٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ نچلے خانے سے باہر آگئے۔ میں نے سکے اٹھا کر جیب میں ڈالے اور باہر آگیا۔

اسٹیج پر چینی رقاصہ کا پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ وہ چین کے ایک لوک رقص کے روایتی لباس میں تھی۔ اس خوب صورت سلکی لباس نے اس کا پورا جسم ڈھانپ رکھا تھا۔ ہاتھوں اور چہرے کے سوا جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آرہا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ تھوڑی دیر بعد یہ شریفانہ لباس اس کے جسم سے الگ ہونا شروع ہو جائے گا۔ لوگ اتنے پیسے خرچ کر کے کپڑے کے تھان میں لپٹی ہوئی کسی گڑیا کو دیکھنے کے لیے تو ایسی جگہوں پر نہیں آتے تھے۔

"وہ لوگ گھر پر نہیں ہیں۔" میں نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے تھائی کی طرف دیکھ کر سرگوشی کی "اب مجھے بھی کسی گڑبڑ کا شبہ ہو رہا ہے۔"

ہم سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ زیادہ تر لوگ اسٹیج کی طرف متوجہ تھے۔ ویٹریس لڑکیاں اب بھی میزوں کے گرد چکرا رہی تھیں۔ ہماری میز پر کافی کے خالی مگ ابھی تک پڑے ہوئے تھے اور پھر وہ ویٹریس مگ اٹھانے کے لیے آئی۔ اس نے خالی مگ ٹرے میں رکھے اور شیشے کی خوب صورت طشتری میرے سامنے رکھ دی۔ اس میں بل رکھا ہوا تھا۔ دو مگ کافی کا بل اتنا تھا کہ درمیانے درجے کے ریسٹورنٹ میں چار آدمی بڑھیا قسم کا کھانا پیٹ بھر کر کھا سکتے تھے۔ میں نے وہ بل اٹھایا تو اس کے نیچے ایک اور کاغذ بھی رکھا ہوا تھا جس پر تھائی زبان میں کوئی مختصر سی تحریر تھی۔ میں نے ویٹریس کی طرف دیکھا۔ اس نے مسکرا کر آنکھ دبا دی۔ میں نے بل کے ساتھ ہی وہ کاغذ بھی اٹھا لیا۔ میں نے ایک معقول ٹپ بل کی رقم میں شامل کر کے طشتری میں رکھ دی۔ بل بھی اس کے ساتھ تھا لیکن وہ کاغذ میری مٹھی میں رہ گیا تھا۔

ویٹریس کے جانے کے بعد میں نے میز کے نیچے ہاتھ کر کے وہ کاغذ تھائی وانگ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ سر جھکا کر بڑبڑانے والے انداز میں اس تحریر کو پڑھنے لگی۔

"مسٹر دجان.... اپنے دوست رامن پرساد کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو تو ریور سائڈ پر پام کے درختوں کے جھنڈ میں آجاؤ۔"

تھائی نے کاغذ مروڑ کر مٹھی میں چھپا لیا اور میری طرف دیکھنے لگی۔

"نیچے کوئی نام نہیں لکھا۔ کون ہو سکتا ہے؟" وہ مدھم لہجے میں بولی۔

"کوئی ایسا شخص جو ہمیں پہچان چکا ہے اور میرا نام بھی جانتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا خیال ہے؟" تھائی نے پوچھا۔

"دیکھنا پڑے گا۔" میں نے کہا۔

"اگر کوئی دھوکا ہوا تو؟" تھائی کے لہجے میں تشویش تھی۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہے ہمارا ہمدرد ہے۔" میں نے کہا "اگر مخالف پارٹی کا کوئی آدمی ہوتا تو اس طرح خفیہ طور پر پیغام بھیج کر بلایا جاتا بلکہ یہیں پر ہمیں گولیوں سے بھون دیا جاتا۔ وہ جو کوئی بھی ہے' سامنے اس لیے نہیں آیا کہ خود بھی نظروں میں نہ آجائے۔ وہ جانتا ہے کہ چی فانگ بھی یہاں موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کم یا دارا بھی موجود ہوں۔ وہ جو کوئی بھی ہے' اپنے آپ کو دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھ کر ہمیں پرساد کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہے۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں دیکھ کر آتا ہوں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" تھائی وانگ نے مجھ سے پہلے ہی سیٹ چھوڑ دی۔

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ ظاہر ہے میں اسے روک نہیں سکتا تھا۔ ہم دونوں اس ہال سے نکل کر راہداری میں ہوتے ہوئے لابی میں آگئے۔ دروازے سے نکلتے ہوئے میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ دربان وہ نہیں تھا جس سے اندر داخل ہوتے وقت میں نے کچھ گپ شپ کی تھی۔

وسیع و عریض برآمدے سے نکل کر میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر ایک روش پر مڑ گیا۔ تھائی بھی میرے ساتھ تھی اور محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ ہم گھوم کر دریا کی طرف آگئے۔ یہاں کی دنیا بھی نرالی ہی تھی۔ ایک طرف دریا کے کنارے پر جیٹی بنی ہوئی تھی جہاں دریا کی سیر کے لیے مخصوص ساخت کی کشتیاں موجود تھیں۔ جیٹی کا علاقہ تیز روشنی میں نہایا ہوا تھا جبکہ اس سے آگے کا ماحول نیم تاریک تھا اور درجنوں میزیں و کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور غالباً کوئی بھی میز خالی نہیں تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے تھائی کو اشارہ کیا اور بائیں طرف مڑ گیا۔ تقریباً پچاس گز آگے دریا کے کنارے سے ذرا ہٹ کر پام کے درختوں کا جھنڈ تھا۔ اس طرف تاریکی تھی۔ میں مڑ کر اس طرف چلنے لگا۔ تھائی میرے ساتھ تھی۔ اس نے اپنے پرس سے پستول نکال لیا تھا۔

میں درختوں کے نیچے رک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ صورتِ حال بڑی عجیب سی تھی۔ ایک لمحے کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ ہمارے ساتھ دھوکا تو نہیں کیا جا رہا۔ ایسا تو نہیں کہ ہمیں پہچان لیا گیا ہو اور ہال میں لوگوں کی موجودگی میں کچھ کرنے کے بجائے دھوکے سے یہاں بلا لیا گیا تھا یا تو اس تاریکی میں ہمیں گولیوں سے بھون دیا جائے گا یا حراست میں لینے کی کوشش کی جائے گی۔ میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک طرف سے سرگوشیانہ آواز ابھری۔

"مسٹر وجدان۔ دائیں طرف آجاؤ۔ میں یہاں موجود ہوں۔"

"تم آگے جاؤ۔ میں یہیں کھڑی ہوں تاکہ کوئی گڑبڑ ہو تو۔۔۔" تھائی وانگ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور ایک درخت کی آڑ میں کھڑی ہو گئی۔

میں اس کا مطلب سمجھ گیا اور اس طرف چلنے لگا جہاں سے آواز سنائی دی تھی اور پھر وہ آدمی میرے سامنے آگیا۔

"ڈرو نہیں مسٹر وجدان۔ میں تمہارا دوست ہوں۔" اس نے سرگوشی میں کہا "میں نے تمہیں اسی وقت پہچان لیا تھا جب تم ہال میں داخل ہوئے تھے۔"

"کون ہو تم؟ مجھے کیسے پہچانا اور پرساد کے بارے میں کیا بتانا چاہتے ہو؟" میں نے بھی سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں پرساد کا دوست پاتھم ہوں۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا رکھا ہے۔ میں نے تمہیں ایک دو مرتبہ اس کے ساتھ دیکھا بھی تھا اس لیے حلیہ بدلا ہوا ہونے کے باوجود میں نے تمہیں پہچان لیا۔"

"وہ کیسے؟" میرے لہجے میں تجسس تھا۔

"تمہارے دائیں کان کی لو پر پیچھے کی طرف سیاہ رنگ کا ایک تل ہے۔" پاتھم نے جواب دیا "تم جب ہال میں آکر بیٹھے تھے تو میں ساتھ والی میز پر موجود تھا۔ مجھے تم پر اور تمہاری ساتھی پر شبہ ہوا تھا اور پھر اتفاق سے تمہارے کان کا تل میری نظروں میں آگیا۔ جب تم ہال سے اٹھ کر باہر گئے تھے تو میں بھی تمہارے پیچھے ہی تھا۔ تم ٹیلی فون بوتھ کے سامنے کھڑے تھے۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن پیڈرو کا ایک آدمی اس طرف آگیا اور مجھے وہاں سے ہٹنا پڑا۔ میں تمہیں خبردار کرنا چاہتا تھا کہ چی فانگ یہاں موجود ہے اور اسے تم پر شبہ ہو گیا ہے۔ یہاں تو شاید تمہارے خلاف کچھ نہ کیا جائے لیکن جیسے ہی باہر نکلو گے' تمہیں گھیرنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہاں کوئی کارروائی کرکے وہ آشرم والے واقعے کو دہرانا نہیں چاہے۔"

"پرساد کہاں ہے؟" میں نے پوچھا "اور کس حال میں ہے؟"

ہمیں اس طرح اطمینان سے باتیں کرتے دیکھ کر تھائی وانگ بھی وہاں آگئی تھی۔

"پرساد دارا کے قبضے میں ہے۔" پاتھم نے جواب دیا "وہ اس کے ذریعے تمہیں مہاراج کی پناہ گاہ سے باہر نکالنا چاہتا ہے۔ پرساد نے ابھی تک زبان نہیں کھولی اور مجھے یقین ہے وہ جان تو دے دے گا مگر تمہارے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دے گا۔ اگر تم اسے بچانا چاہتے ہو تو تمہیں تھوڑی بہت قربانی دینی ہوگی۔"

"میں اس کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا؟" میں نے کہا۔

"شورانی واحد ہستی ہے جو یہ جانتی ہے کہ پرساد کو کہاں رکھا گیا ہے۔" پاتھم نے جواب دیا۔

"شورانی کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ہندو عورت ہے۔ بہت حسین۔ منٹوں میں کسی بھی مرد کو اپنے تلوے چاٹنے پر مجبور کر سکتی ہے۔" پاتھم نے جواب دیا "بہت لالچی عورت ہے۔ صرف دولت مند مردوں پر ہی ہاتھ ڈالتی ہے اور یہ مرد بھی اسے اپنے ساتھ رکھنے پر فخر محسوس کرتے ہیں لیکن دس پندرہ دن سے زیادہ کسی کو اپنے قریب نہیں ٹکنے دیتی۔ اسے نچوڑ کر چھوڑ دیتی ہے اور پھر کسی دوسرے کو پھانس لیتی ہے۔ بلکہ مرد خود ہی اس کے جال میں پھنسنے کے لیے اپنی باری کے انتظار میں رہتے ہیں۔"

"یہ شورانی وہ تو نہیں جو کچھ عرصے پہلے سیلوم روڈ پر ہالی ڈے ان کراؤن پلازا ہوٹل کے سامنے والی بلڈنگ میں مساج پارلر چلایا کرتی تھی؟" تھائی وانگ نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہی ہے۔" پاتھم نے جواب دیا "سات آٹھ مہینے پہلے اس نے مساج پارلر فروخت کر دیا تھا۔ ان دنوں شہر کے ایک بہت بڑے جوہری سے اس کے تعلقات استوار ہو گئے تھے اور اس جوہری کو پسند نہیں تھا کہ اس کی محبوبہ مساج پارلر چلائے۔ اس نے شورانی کو شہر کے مہنگے ترین رہائشی علاقے میں ایک بنگلا بھی خرید کر دیا تھا لیکن دو مہینے بعد ہی شورانی نے اس جوہری کو ہری جھنڈی دکھا دی۔ اس جوہری کو شورانی سے کچھ ملا نہیں' یہ الگ مسئلہ ہے لیکن شورانی نے اس کی چند روزہ دوستی سے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اعلیٰ سوسائٹی میں موو (MOVE) کرنے لگی تھی اور جوہری سے کہیں زیادہ دولت مند لوگوں سے اس کے تعلقات ہو گئے تھے۔ شورانی ان لوگوں سے دولت سمیٹتی رہی اور بالآخر دارا سے ٹکرا گئی۔ آج کل وہ اس کے ساتھ دیکھی جا رہی ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ دارا پیڈرو کا آدمی ہے اس لیے کوئی بھی شخص اب شورانی کے قریب جانے کی کوشش نہیں کرتا۔ عام خیال یہ ہے کہ شورانی اب خود دارا کے چنگل میں پھنس گئی ہے۔ وہ اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکے گی۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شورانی کو معلوم ہوا ہے کہ پرساد کو کہاں رکھا گیا ہے۔" پاتھم نے جواب دیا "اگر کوشش کی جائے تو اسے توڑا جا سکتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے پیسے کا لالچ دے کر؟"

"وہ چھوٹی موٹی رقم کے لالچ میں آنے والی نہیں۔ البتہ دو ملین بھات کے چکر میں آکر وہ نہ صرف پرساد کے بارے میں بتا سکتی ہے بلکہ اس سے دارا کے بارے میں بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک منصوبہ ہے میرے ذہن میں۔" پاتھم نے کہا اور پھر اپنا منصوبہ بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا "اس طرح نہ صرف پرساد کی جان بچائی جا سکتی ہے بلکہ دارا اور پیڈرو کے بہت سے راز بھی معلوم کیے جا سکتے ہیں۔"

"تمہاری بات سمجھ میں تو آتی ہے لیکن اس منصوبے پر عمل ایک دو دن بعد ہی ہو سکتا ہے۔ پلاننگ کرنی پڑے گی۔ اس وقت ہمیں جو پریشانی ہے وہ یہ ہے کہ ہماری دو دوست یہاں آئی تھیں۔ وہ دکھائی نہیں دے رہیں۔ ان میں ایک کو تو شاید تم نے پرساد کے ساتھ بھی دیکھا ہوگا۔"

"وہ نوینا۔" پاتھم جلدی سے بولا "میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کے ساتھ ایک اور خوب صورت عورت بھی تھی لیکن وہ تم لوگوں کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی کے ساتھ یہاں سے چلی گئی تھیں۔ وہ شاید نوینا کا دوست تھا۔"

"اوہ۔" میں چونک گیا "کیا تم اس کا حلیہ بتا سکتے ہو؟"

"وہ قدرے بھاری بھرکم اور ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔" پاتھم نے کہا اور پھر اس نے جو حلیہ بتایا اس سے مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ شانگ تھا جو اس رات کو سا روڈ والے بنگلے میں دارا اور ٹائیگر سے ہیروئن کے بزنس کے سلسلے میں کوئی ڈیل کرنے آیا تھا۔ بے چاری پامیلا اسی رات دارا کے ہاتھوں ماری گئی تھی اور ٹائیگر ہمارے قابو میں آگیا تھا۔ مجھے ان دونوں کی خیریت خطرے میں نظر آنے لگی۔

"تم مجھے اپنا فون نمبر دو۔ میں کل کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا۔" میں نے کہا۔

پاتھم نے جیب سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر مجھے دے دیا۔ "یہ میرے ورکشاپ کا فون نمبر ہے۔ میری رہائش بھی ورکشاپ کے عقبی حصے میں ہے۔" اس نے کہا "لیکن اب تم لوگ جانے کے لیے گیٹ والا راستہ استعمال نہیں کرو گے۔ چی فانگ کو تم پر شبہ ہو گیا تھا۔ جس دربان سے تم نے باتیں کی تھیں اسے بھی وہاں سے ہٹا دیا گیا ہے۔ چی فانگ نے اس سے معلوم کر لیا ہوگا کہ تم نے اس سے کیا باتیں کی تھیں۔ اس کا شبہ یقین میں بدل گیا ہوگا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ وہ یہاں کچھ نہیں کریں گے۔ البتہ باہر نکلتے ہی تمہیں گھیر لیا جائے گا۔ میں نے یہاں سے تمہاری واپسی کے لیے ایک اور بندوبست کر رکھا ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

ہم درختوں میں اس کے پیچھے چلتے ہوئے دریا کے کنارے پر پہنچ گئے۔ اس طرف روشنی کا انتظام نہیں تھا لیکن جیٹی پر جلنے والے بلبوں کی مدھم سی روشنی یہاں تک پہنچ رہی تھی۔ کنارے کے ساتھ ہی ایک چھوٹی موٹر بوٹ کھڑی تھی جس پر چار آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ بوٹ کی رسی کنارے پر لگے ہوئے ایک آہنی ہک سے

بندھی ہوئی تھی۔

"بیٹھو۔" پاتھم نے رسی کھولتے ہوئے کہا "کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے ہم واٹ ارون کے قریب بوٹ چھوڑ دیں گے۔ وہ محفوظ علاقہ ہے۔ وہاں سے کنارے پر جا کر تم لوگ کسی بھی طرف جا سکتے ہو۔"

میرے ذہن میں ایک لمحے کو پھر یہ خیال آیا تھا کہ کہیں ہمیں کسی جال میں پھنسانے کی کوشش تو نہیں کی جا رہی۔ خشکی پر تو ہم اپنا دفاع کر سکتے تھے۔ اِدھر اُدھر نکل سکتے تھے لیکن اگر دریا میں گھیر لیے گئے تو ہمارے لیے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں رہے گا لیکن میں نے اس خدشے کو ذہن سے جھٹک دیا۔ پاتھم نے پرساد کے بارے میں کچھ ایسی باتیں بتائی تھیں جو صرف اس کا دوست ہی جان سکتا تھا۔ میں نے پہلے تھائی وانگ کو سہارا دے کر کشتی میں بیٹھنے میں مدد دی اور پھر خود بھی سوار ہو گیا۔ پاتھم بھی رسی سمیٹ کر سب سے پیچھے والی سیٹ پر انجن کے قریب بیٹھ گیا اور بٹن دبا کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ انجن کی آواز اگرچہ بہت ہلکی تھی لیکن سناٹے میں دور تک سنی جا سکتی تھی۔

بوٹ حرکت میں آ کر پہلے دریا کی گہرائی کی طرف بڑھی پھر دائیں طرف مڑ گئی۔ دریا کے دونوں کناروں پر بلند مکانوں پر لگے ہوئے نیون سائنز کی روشنیاں پانی میں جھلملا رہی تھیں۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایک اور آواز سن کر میں چونک گیا اور مڑ کر اس طرف دیکھنے لگا جدھر سے آواز آئی تھی اور پھر میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ بیٹی کے آس پاس بادبان والی تین کشتیاں کھڑی تھیں اور ایک موٹر بوٹ ان کے گرد گھومتی ہوئی آگے نکل رہی تھی۔ وہاں تیز روشنیاں تھیں۔ موٹر بوٹ پر بیٹھا ہوا آدمی صاف نظر آ رہا تھا۔ فاصلہ ہونے کی وجہ سے اس کا چہرہ اگرچہ دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن سفید سوٹ دیکھ کر مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ کون ہو سکتا تھا۔

"پاتھم!" میں نے کہا "وہ بوٹ ہماری طرف آ رہی ہے اور اس میں سوار وہ شخص....."

"چی فانگ ہے۔" پاتھم نے میرا جملہ مکمل کر دیا۔ اس نے بھی اس بوٹ کو دیکھ لیا تھا "تم فکر مت کرو باس۔ وہ ہم تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

پاتھم نے تھروٹل کھینچ لیا۔ بوٹ کو ایک زبردست جھٹکا لگا اور وہ دریا کی لہروں پر اچھلنے لگی۔ تھائی نے بڑی مضبوطی سے سیٹ کے کناروں کو پکڑ رکھا تھا۔

وہ بوٹ بڑی تیزی سے ہمارے قریب آ رہی تھی۔ پاتھم نے بھی رفتار بڑھا دی تھی لیکن صاف لگ رہا تھا کہ ہماری بوٹ کی رفتار دوسری بوٹ سے زیادہ تیز نہیں تھی کیونکہ بیچ کا فاصلہ بڑی تیزی سے سمٹ رہا تھا۔

واٹ ارون زیادہ دور نہیں تھا۔ اگر ہم کنارے پر چلتے ہوئے پیدل بھی آتے تو دس منٹ میں وہاں تک پہنچ سکتے تھے۔ پاتھم نے بوٹ کا رخ کنارے کی طرف موڑ دیا۔ واٹ ارون سے پہلے کنارے پر تاریکی تھی۔ وہ جگہ خالی تھی اور پاتھم کشتی کو اسی کنارے پر لگانا چاہتا تھا لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ دوسری بوٹ بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر ہمارا راستہ کاٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ کشتی بڑی تیزی سے قریب آ رہی تھی۔ تھائی وانگ نے پرس میں سے پستول نکال لیا۔ وہ سیٹ پر ذرا سا سمٹ کر بیٹھ گئی۔ دوسری بوٹ بالکل سامنے آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تھائی نے گولی چلا دی۔ ٹھیک اسی لمحے ہماری بوٹ بڑی تیزی سے بائیں طرف مڑی۔ پاتھم نے بڑی پھرتی سے بوٹ کو گھمایا تھا۔ اگر ایک لمحے کی بھی تاخیر ہو جاتی تو دونوں کشتیوں میں تصادم ہو جاتا۔ تھائی کی چلائی ہوئی گولی کا حشر تو نجانے کیا ہوا تھا لیکن بوٹ کو جھٹکا لگنے سے تھائی بھی اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش میں پستول بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں گر گیا۔

پاتھم نے بڑی تیزی سے بوٹ کا رخ موڑا تھا۔ ہم ابھی کنارے سے چند گز دور ہی تھے کہ چی فانگ کی بوٹ ہماری بوٹ سے ٹکراتی ہوئی دریا کے کنارے پر چڑھ گئی۔ ہماری بوٹ پانی میں لٹو کی طرح گھوم گئی اور پھر کنارے پر چڑھ کر دور تک کیچی زمین پر گھسٹتی چلی گئی۔ تھائی وانگ بُری طرح چیخ رہی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ ٹکر لگنے کے بعد یا کنارے پر چڑھ کر ہماری کشتی الٹی نہیں تھی۔ تھائی اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکی تھی۔ کشتی رکتے ہی وہ جھٹکا لگنے سے اچھل کر باہر گری۔ میں نے جلدی سے سہارا دے کر تھائی کو اٹھایا اور دوسری بوٹ کی طرف دوڑا۔

چی فانگ کی کشتی ایک چھوٹی دیوار سے ٹکرا کر رکی تھی۔ وہ چھلانگ لگا کر باہر آ گیا اور مجھ پر حملہ کرنے کے لیے پر تولنے لگا۔ میں بھی اس کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے موقع تلاش کرنے لگے اور پھر پہل چی فانگ ہی نے کی تھی۔ اس نے فرنٹ کک لگانے کی کوشش کی۔ میں نے بائیں ہاتھ کی کلائی سے اس کی کک روک لی اور اس کے ساتھ ہی بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر رائٹ فرنٹ کک لگانے کی کوشش کی مگر بالکل میری طرح چی فانگ نے بھی میرا یہ حملہ ناکام بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اچھل کر پوری قوت سے راؤنڈ ہاؤس کک لگا دی۔

راؤنڈ ہاؤس کک موئے تھائی کی بڑی خطرناک کک کہلاتی ہے۔ اس سے عام طور پر حریف کی گردن یا سر کو نشانہ بنایا جاتا ہے لیکن چی فانگ کی کک میرے بائیں کندھے پر لگی۔ میں لڑکھڑا گیا۔ اس نے لیفٹ کک لگائی لیکن میں نے اس کا یہ وار روک لیا اور بڑی تیزی سے گھوم کر اس کے سینے پر اسپن کک لگا دی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ میں نے ایک اور اسپن کک لگائی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا۔

مارشل آرٹ میں کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی۔ طور پر دباؤ میں رہنے والا اور پٹنے والا حریف اچانک کوئی ایسی بھی چل سکتا ہے جس سے بازی پلٹ سکتی ہے۔ اس وقت بھی ہوا تھا۔ چی فانگ زمین پر گر گیا تھا اور مجھے توقع تھی کہ ایک دو کھانے کے بعد وہ ہتھیار ڈال دے گا لیکن میں نے جیسے ہی ک لگانا چاہی' اس نے بڑی پھرتی سے میرا پیر پکڑ کر زوردار گا دیا۔ میں ایک پیر پر لہرا گیا اور دوسرے ہی لمحے اچھل کر پشت یل گرا۔

میں نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی لیکن چی فانگ مجھ سے پہلے ہی سنبھل چکا تھا۔ ہم ایک بار پھر ایک دوسرے کے ارادوں کا اندازہ نے کی کوشش کر رہے تھے اور پھر اچانک ہی چی فانگ نے لیفٹ گانے کی کوشش کی۔ میں نے بڑی تیزی سے بائیں ہاتھ سے اس کی کلائی کو گرفت میں لے لیا اور اس کے ساتھ ہی نہ صرف اس کے منہ پر رائٹ پنچ رسید کر دیا بلکہ سیدھے پیر سے اس کی بائیں ران کے اندر کی طرف کک بھی لگا دی۔

چی فانگ بلبلا اٹھا لیکن وہ کوئی اناڑی نہیں تھا کہ شکست تسلیم کر لیتا۔ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے وہ بڑی تیزی سے نیچے بیٹھتا بلا گیا اور اس طرح میں اس کے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل پیچھے کی طرف گرا لیکن میں نے اٹھنے میں بھی دیر نہیں لگائی ں۔ چی فانگ بھی سنبھل چکا تھا۔ اس مرتبہ اس کا انداز بڑا جارحانہ تھا۔

اس نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے ایک پیر پر گھوم کر اسپن کک لگانا چاہی مگر میں بڑی پھرتی سے اس کا یہ وار بچا گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے مجھے یہ احساس ہو گیا کہ اسپن کک اس نے مجھے چکما دینے کے لیے لگائی تھی۔ اس کا اصل مقصد کچھ اور تھا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا' اس کی تھرسٹ کک (پاؤں کے نیچے کی ایسی ٹھوکر جو حریف کو دھکیلنے کے لیے رسید کی جاتی ہے۔ یہ پش کک بھی کہلاتی ہے۔ اگر اپنے ٹارگٹ پر بیٹھ جائے تو خاصی مہلک ثابت ہو سکتی ہے) میری ٹانگ کے پچھلی طرف گھٹنے کے جوڑ پر لگی اور میں لڑکھڑا کر دھیر ہو گیا۔

میں فوراً ہی سنبھل گیا اور چی فانگ کو موقع دیے بغیر اس کے پیچھے حملے میں پہل کر دی۔ میں نے راؤنڈ ہاؤس کک لگانے کے لیے اپنی دائیں ٹانگ کو مخصوص انداز میں حرکت دی تھی۔ ایک اچھا مارشل آرٹسٹ وہی ہوتا ہے جو حریف کے جسم کے مختلف اعضا کی حرکات سے یہ اندازہ لگا لے کہ وہ کون سا وار کرنا چاہتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ چی فانگ بہت اچھا مارشل آرٹسٹ تھا۔ اس نے میرے ارادے کو سمجھ لیا تھا لیکن اس سے اندازے کی ذرا سی غلطی ہو گئی تھی۔ وہ سمجھا تھا کہ میں اس کی ٹانگ پر کک لگاؤں گا۔ اس نے اپنا سر بچانے کی کوشش کی ہا تھا میں نے کک اس کے کولھے پر لگائی تھی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر میری دوسری کک اس کے بائیں کندھے اور کنپٹی کے درمیان بازو پر پڑی۔ وہ بلبلا گیا اور میری تیسری کک اس کی گردن پر پڑی تھی۔ وہ قلابازی کھاتا ہوا نیچے گرا۔

اس میں شبہ نہیں کہ وہ ایک اچھا مارشل آرٹسٹ تھا اور اس نے اب تک بڑی مہارت سے میرا مقابلہ کیا تھا لیکن اس مرتبہ وہ کھلی بدمعاشی پر اتر آیا تھا۔ اس نے لباس میں چھپا ہوا خنجر نکال لیا۔ میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ یہ اس کی شکست خوردگی کا ثبوت تھا۔ شاید وہ سمجھ گیا تھا کہ مارشل آرٹ سے وہ مجھے زیر نہیں کر سکتا... اسی لیے اس نے خنجر نکال لیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ خنجر سے حملہ کرتا' میں نے بائیں ٹانگ کو جھکائی دے کر دائیں پیر سے اس کی کہنی پر ٹھوکر رسید کر دی۔ خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی تھی اور پھر میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پنچ اور کِکس سے اس پر تابڑ توڑ حملے کرتا رہا اور پھر تھائی وانگ کی چیخ سن کر میں چونک گیا۔

"وجدان! ہوشیار۔ ایک موٹر بوٹ اسی طرف آ رہی ہے۔"

اور پھر میں نے پہلی مرتبہ دریا کی طرف دیکھا۔ انجن کی آواز فضا میں گونج رہی تھی اور وہ موٹر بوٹ بڑی تیزی سے کنارے کی طرف آ رہی تھی۔ اس پر کم از کم تین آدمی نظر آ رہے تھے۔

پہلے میرا ارادہ یہ تھا کہ چی فانگ کو کسی طرح قابو کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں گا لیکن اب صورتِ حال بدل گئی تھی۔ اس نے بھی موٹر بوٹ کو دیکھ لیا تھا اور سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا اور پے در پے اس پر حملے کرتا رہا۔

میں ایک مرتبہ پوری قوت سے اچھلا۔ اس مرتبہ میری اپ چاگی فرنٹ ہائی کک چی فانگ کی پیشانی پر لگی۔ وہ بلبلاتا ہوا ڈھیر ہو گیا اور پھر اس نے حرکت نہیں کی۔ میں تیزی سے تھائی وانگ کی طرف دوڑا۔

میں حیران تھا کہ پاتھم نے اب تک ہماری لڑائی میں مداخلت کیوں نہیں کی تھی۔ اب ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ کشتی کی ایک سیٹ ٹوٹ گئی تھی اور اس کی ایک ٹانگ سیٹ کے نیچے پھنسی ہوئی تھی جسے وہ نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بوٹ کنارے کے قریب پہنچ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر سیٹ کو جھٹکا دے کر اکھاڑ دیا۔ پاتھم اچھل کر کشتی سے باہر آ گیا۔

"تم نکل جاؤ یہاں سے۔ میں کل کسی وقت فون پر تم سے رابطہ کروں گا۔" میں نے پاتھم سے کہا اور تھائی کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔

کنارے کی طرف آنے والی موٹر بوٹ سے پستول یا ریوالور سے فائرنگ شروع کر دی گئی تھی۔ پاتھم تاریکی میں ایک طرف بھاگ گیا تھا۔ میں بھی تھائی کا ہاتھ پکڑے دوڑتا رہا۔ کنارے سے

تقریباً پچاس گز آگے کسی عمارت کی تعمیر شروع ہوئی تھی۔ ابھی صرف دیواریں اٹھائی جارہی تھیں۔ شاید یہاں بھی کوئی نائٹ کلب بننے والا تھا۔ آنے والی بوٹ سے مسلسل فائرنگ ہورہی تھی۔ میں تھائی کا ہاتھ پکڑے دیواروں کی آڑ لیتا ہوا دوڑتا رہا۔

سڑک پر پہنچتے ہی بائیں طرف سے ایک کار آتی ہوئی دکھائی دی۔ تھائی سڑک کے بیچ میں پہنچ کر کار کو رکنے کا اشارہ کرنے لگی۔ میں تاریکی میں دُبک گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے پتلون کا پائنچہ اٹھا کر پنڈلی پر بندھا ہوا خنجر نکال لیا تھا۔

کار رک گئی۔ اس میں ایک ہی آدمی تھا۔ تھائی اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ میں تیزی سے دوڑتا ہوا کار کے قریب پہنچ گیا اور خنجر کی نوک اس شخص کی گردن پر رکھ دی۔

"انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اتر آؤ۔" میں نے غرا کر کہا۔

وہ دبلا پتلا سا ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ میں نے باہر سے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور اس شخص کو بازو سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔

"اس طرف بھاگ جاؤ۔ شور مت مچانا اور مڑ کر مت دیکھنا۔" میں نے سڑک پر پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔ اس شخص نے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگائی تھی۔

ٹھیک اسی لمحے دریا کی طرف سے آنے والے راستے پر فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ وہ لوگ جو کوئی بھی تھے انہوں نے بوٹ سے اتر کر چی فانگ کو پڑے ہوئے دیکھ لیا تھا اور ان میں سے کوئی فائرنگ کرتا ہوا ہمارے پیچھے آرہا تھا۔

"اسٹیئرنگ سنبھالو تھائی۔ ہری اَپ!" میں نے چیخ کر کہا اور کار کے سامنے سے گھوم کر پسنجرز سائڈ والے دروازے کی طرف آگیا۔

تھائی اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔ انجن اسٹارٹ تھا۔ وہ گاڑی کو گیئر میں ڈالنے کی کوشش کررہی تھی لیکن کار اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ فائرنگ کی آواز اب قریب آگئی تھی۔ میری آنکھوں میں تشویش ابھر آئی اور پھر اچانک کار کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ میں سیٹ پر اچھل کر رہ گیا۔ کار بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح آگے بڑھی تھی۔ اس سے پہلے کہ لہراتی ہوئی کار سڑک سے اتر جاتی، تھائی وانگ نے اسے سنبھال لیا۔

کار وات ارون کے سامنے سے گزر کر وانگ دوم روڈ پر آگئی اور پھر وہاں سے پرچا ٹھیک روڈ کے چوراہے تک پہنچنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

"کار کو کہاں چھوڑا جائے؟" تھائی نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کار کو یہاں چھوڑنا مناسب نہیں ہوگا۔" میں نے کہا "وہ لوگ پہلے بھی ان اطراف میں ہمیں تلاش کرتے رہے ہیں۔ وہ شخص یقیناً پولیس کو کار چھن جانے کی اطلاع دے گا اور پھر کار کو یہاں دیکھ کر وہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ ہم آس پاس ہی کہیں موجود ہیں۔ کار کو گھر تک لے چلو۔ سکھدر سے کہیں گے وہ اسے کہیں ٹھکانے لگا آئے۔"

بات تھائی کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے اگلی سڑک پر کار دائیں طرف موڑ دی اور پھر جانگی والے بنگلے تک پہنچنے میں ہمیں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

اس وقت ساڑھے بارہ بجنے والے تھے۔ میرا خیال تھا کہ شاید جانگی اور نوتیا یہاں پہنچ چکی ہوں گی لیکن نہ تو وہ یہاں آئی تھیں اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی اطلاع ملی تھی۔ میں نے سب سے پہلے سکھدر کو کار کو ٹھکانے لگانے کے لیے روانہ کردیا۔

"اس کار کو یہاں سے کافی دور بلکہ دریا کے پار دوسری طرف کسی سڑک پر چھوڑ دینا اور وہاں سے سیدھے جمنازیم چلے جانا۔ ماسٹر ہوچن کے پاس۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا "میں ماسٹر ہوچن سے فون پر بات کرلیتا ہوں۔ کسی گاڑی کا بندوبست کرنا ہے جو بہت ضروری ہے۔"

سکھدر نے میری بات سن کر سر ہلا دیا اور پھر تھائی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی نظروں میں اس وقت بھی عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

سکھدر کے جانے کے بعد ہم اندر آگئے۔ میں نے سب سے پہلے ماسٹر ہوچن کو فون کیا۔ وہ موجود نہیں تھا لیکن اتفاق سے گانگ سے بات ہوگئی۔

"سنو گانگ۔" میں نے کہا "مجھے کسی گاڑی کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے بغیر گزارہ نہیں ہوسکتا۔ سکھدر وہاں آرہا ہے اگر ممکن ہو تو اسی وقت کسی گاڑی کا بندوبست کردو۔"

"اپنا فون نمبر بتاؤ۔ چند منٹ بعد میں تمہیں اطلاع دیتا ہوں کہ فوری طور پر کسی گاڑی کا بندوبست ہوسکتا ہے یا نہیں۔" گانگ نے کہا۔

اس بنگلے کو چھوڑنے سے پہلے میں نے یہ پناہ گاہ خفیہ ہی رکھی تھی۔ ماسٹر ہوچن نے کئی مرتبہ اصرار کیا تھا مگر میں نے اسے بھی یہاں کا فون نمبر نہیں بتایا تھا لیکن اب مہاراج کے کہنے پر ایک آدمی سکھدر یہاں پہنچ چکا تھا اس لیے اب یہاں کا فون نمبر بھی بتا دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ میں نے ٹیلی فون نمبر گانگ کو بتا دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہیں فون کرتا ہوں۔" گانگ نے کہا۔

میں نے فون کا کریڈل ٹیپ کرکے جانگی دیوی کے گھر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی۔ کال ریسیو نہیں کی گئی۔ میں نے ریسیور رکھ دیا۔ میری آنکھوں میں تشویش ابھر آئی تھی۔ وہ دونوں یقیناً کسی مصیبت میں پھنس گئی تھیں۔

تھائی کچھ دیر تک کھڑی میری طرف دیکھتی رہی اور پھر کمرے میں گھس گئی۔ چند منٹ بعد وہ لباس تبدیل کرکے کمرے سے باہر نکلی۔

"میں کافی بنانے جارہی ہوں۔ تمہارے کپڑے تو بہت خراب ہورہے ہیں۔ بدل لو۔" وہ یہ کہتے ہوئے کچن میں گھس گئی۔

چی فانگ سے فائٹ میں میرے کپڑے واقعی بہت خراب ہوگئے تھے۔ میں اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ تھائی وانگ نے جو کپڑے اتارے تھے، وہ بیڈ پر بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکال لیے۔

چند منٹ بعد میں باہر نکلا تو تھائی کافی بنا چکی تھی۔ ہم ہال میں بیٹھ کر کافی پینے لگے۔ قریب ہی ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ ہم دونوں کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے پرساد اور جانگی وغیرہ کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ اب مجھے جانگی اور نوتیا کی زیادہ فکر ہورہی تھی۔ پاتھم نے اس شخص کا جو حلیہ بتایا تھا وہ سونی صد شانگ کا تھا۔ شانگ ہی نوتیا کو دھوکے سے چیانگ رائے سے لے کر آیا تھا لیکن پہلی ہی رات ہم نے اس بنگلے پر چھاپا مار دیا تھا۔ شانگ اور دارا تو بھاگ نکلے تھے مگر ٹائیگر ہمارے ہاتھ لگ گیا تھا اور نوتیا بھی ہمارے قبضے میں آگئی تھی۔ شانگ چیانگ رائے واپس چلا گیا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے وہ ایک دو روز پہلے واپس آگیا ہو اور آج اتفاق سے پیراڈائز ریسٹورنٹ میں نوتیا سے آمنا سامنا ہوگیا۔ پاتھم نے بتایا تھا کہ نوتیا یا جانگی کے چہرے پر کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ وہ دوستانہ ماحول میں باتیں کرتے رہے تھے اور شانگ کے ساتھ جاتے ہوئے بھی ان کے چہروں پر کوئی غیر معمولی تاثرات نہیں تھے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا کہ انہیں ان کی مرضی کے خلاف لے جایا جارہا ہے۔

میرے ذہن میں ایک اور خیال آرہا تھا۔ ہوسکتا ہے نوتیا نے اس رات کے بارے میں شانگ کو کوئی فرضی داستان سنا دی ہو۔ مثلاً یہ کہ انہیں بھی بنگلے سے بھاگنے کا موقع مل گیا تھا یا اسے بے قصور سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا۔

میں ابھی یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ تھائی وانگ قریب تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا اور پھر دوسرے ہی لمحے اچھل پڑی۔

"اے جانگی۔ تم دونوں کہاں غائب ہو۔ ہم پریشان ہورہے تھے۔ ہاں..... ہاں۔ ہم دونوں بالکل ٹھیک ہیں۔ چی فانگ..... اوہ..... تمہیں کیسے پتا چلا۔ ایک منٹ..... لو وجدان سے بات کرو۔" اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو جانگی۔ کہاں ہو تم..... ہاں..... مجھے پتا چل گیا تھا کہ تم لوگ شانگ کے ساتھ گئی ہو اور مجھے یہی پریشانی ہورہی تھی۔" میں نے کہا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے وجدان۔ میری بات توجہ سے سنو۔" جانگی دیوی نے کہا "پیراڈائز ریسٹورنٹ میں اچانک ہی شانگ اور دارا سے آمنا سامنا ہوگیا تھا۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ہم دونوں کی کیا حالت ہوئی تھی لیکن تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ دارا مجھے نہیں پہچان سکا تھا اور نوتیا سے بھی انہوں نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ نوتیا نے انہیں فرضی کہانی سنا دی تھی کہ اس رات وہ بھی موقع پاکر بنگلے سے بھاگ نکلی تھی۔ شانگ اور دارا نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا تھا کہ بنگلے سے فرار ہوتے وقت وہ اسے ساتھ نہیں لے جاسکے تھے۔"

"انہیں کوئی شبہ تو نہیں ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔" جانگی نے جواب دیا "ان دونوں نے ہمیں ریسٹورنٹ میں بڑا پُرتکلف کھانا بھی کھلایا تھا اور پھر دارا تو شورانی کے ساتھ کہیں چلا گیا تھا۔ تم شورانی کو نہیں جانتے۔ تھائی جانتی ہوگی۔ دارا کے جانے کے بعد ہم کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے اور پھر شانگ ہمیں اپنے ساتھ لے آیا۔ میں سمجھ گئی تھی کہ وہ مال مفت سمجھ کر ہمیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ میں نے نوتیا کو اشارہ کردیا اور خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ دراصل میں پرساد کے بارے میں معلوم کرنا چاہتی تھی اور ان کے ساتھ رہ کر ہی کچھ معلوم ہوسکتا تھا اور تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ شانگ ہمیں جس بنگلے میں لے کر آیا ہے، وہاں پرساد بھی موجود ہے۔"

"اوہ!" میرے منہ سے نکلا "کیسا ہے وہ..... ٹھیک تو ہے نا؟"

"تمہارے بارے میں معلوم کرنے کے لیے اس پر کچھ تشدد تو کیا گیا ہے لیکن بہرحال اس کی حالت زیادہ تشویش ناک نہیں۔" جانگی نے جواب دیا۔

"بنگلے کا پتا بتاؤ۔ وہاں کتنے آدمی ہیں۔ میں پہنچتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ابھی بتاتی ہوں لیکن اس سے پہلے ایک اور بات بتانا چاہتی ہوں۔" جانگی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "تقریباً آدھا گھنٹے پہلے دارا ابھی یہاں آیا تھا۔ وہ آیا تو کسی اور نیت سے تھا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اسے ایک فون کال ملی۔ اسے کوئی اہم اطلاع دی گئی تھی جس سے وہ پریشان ہوگیا تھا۔"

"اور کیا تمہیں اندازہ ہوا کہ وہ اہم اطلاع کیا ہوسکتی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"فون بند کرنے کے بعد وہ شانگ کو بتا رہا تھا کہ تم تھائی وانگ کے ساتھ پیراڈائز ریسٹورنٹ میں آئے تھے جہاں چی فانگ نے تمہیں پہچان لیا۔ تم لوگوں نے موٹربوٹ کے ذریعے دریا کے راستے فرار ہونے کی کوشش کی۔ چی فانگ نے تمہارا پیچھا کیا اور تم اسے زخمی کرکے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ چی فانگ کی کہنی کے قریب سے بازو کی ہڈی کریک ہوگئی ہے۔ وہ اس وقت ایک پرائیویٹ اسپتال میں پڑا ہے۔ دارا شاید وہیں گیا ہے۔ اس وقت بنگلے میں شانگ کے علاوہ صرف ایک آدمی ہے۔ نوتیا نے شانگ کو کمرے میں بند کرکے باتوں میں لگا رکھا ہے۔ دوسرا آدمی باہر

برآمدے میں بیٹھا ہوا ہے اور میں موقع پاکر فون پر تم سے بات کررہی ہوں۔ تھائی کو فون دو۔ میں اسے پتا سمجھاتی ہوں۔"

میں نے ریسیور تھائی کو دے دیا۔ وہ چند منٹ جانکی سے باتیں کرتی رہی پھر فون بند کردیا اور اس بنگلے کے بارے میں بتانے لگی۔ وہ بنگلا دریا کے دوسری طرف تھنگ ماہاک ڈسٹرکٹ میں ایکسپریس وے کے قریب سوئے یودی پر واقع تھا۔

میں نے ریسیور اٹھالیا اور ماسٹر ہوچن کا نمبر ملانے لگا۔ کال گانگ نے ہی ریسیو کی تھی۔

"ماسٹر ہوچن وائٹ ٹریمنٹ میں مہاراج کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے اس سے بات کی تھی۔ آج ہی رات گاڑی کا بندوبست ہوجائے گا۔" اس نے میری آواز سنتے ہی کہا۔

"گاڑی پر لعنت بھیجو۔ تم اپنا نک نک لے کر فوراً یہاں چلے آؤ۔ سکھدر کو بھی لے آؤ۔ وقت بہت کم ہے۔ جلدی کرو۔" میں نے کہا۔

"کیا بات ہے لٹل ماسٹر۔" گانگ نے کہا "بہت بدحواس ہو؟"

"پرساد کا پتا چل گیا ہے۔ جانکی دیوی اور نوتیا بھی وہاں پھنسی ہوئی ہیں۔ ہمارے پاس وقت بالکل نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"اوکے باس۔ میں آرہا ہوں۔" گانگ نے کہا اور اس کے ساتھ ہی فون بند ہوگیا۔

میں نے ریسیور رکھ دیا اور اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ میں اندازہ لگانے کی کوشش کررہا تھا کہ گانگ کو چائنا ٹاؤن سے یہاں تک پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی۔

اور پھر پندرہ منٹ بعد گیٹ کے سامنے نک نک رکنے کی آواز سنائی دی۔ گیٹ تھائی وانگ نے کھولا تھا۔ گانگ اور سکھدر اندر آگئے۔ تھائی بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار تھی لیکن میں نے اور گانگ نے اسے منع کردیا۔ گانگ نے اس سے سوئے یودی کے بنگلے کا پتا سمجھ لیا اور ہم تینوں گیٹ سے باہر نکل کر نک نک میں بیٹھ گئے۔ گانگ بڑی تیز رفتاری سے نک نک چلا رہا تھا۔ کنگ ناکسن کے مجسمے والے چوراہے سے آگے نکل کر وہ وانگ ونگ یائے ریلوے اسٹیشن کے دوسری طرف بھی ناکسن روڈ ہی تھا۔ نک نک بڑی تیز رفتاری سے اس سڑک پر دوڑتا رہا اور پھر ایک چوراہے سے پھسک روڈ پر مڑگیا۔ کروننگ تھیپ برج سے دریا پار کرکے ہم تھنگ ماہاک ڈسٹرکٹ میں داخل ہوچکے تھے اور پھر سوئے یودی تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

گانگ نے نک نک کی رفتار کم کردی۔ میں اور سکھدر پچھلی سیٹ پر بیٹھے دائیں بائیں دیکھ رہے تھے۔ جلد ہی ہم نے وہ بنگلا بھی تلاش کرلیا۔ نک نک گلی کے موڑ پر چھوڑ دیا گیا۔ ہم تینوں چند لمحے صورتِ حال کا جائزہ لیتے رہے پھر سکھدر کو وہیں چھوڑ دیا گیا۔ وہ نک نک کے پاس رک کر گلی میں بنگلے کے گیٹ پر نگاہ رکھ سکتا تھا اور کسی ہنگامی صورتِ حال میں ہمیں سگنل دے دیتا۔

مجھے اور گانگ کو بنگلے کی عقبی دیوار سے اندر کودنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ میرے پاس خنجر تھا اور گانگ کے ہاتھ میں پستول۔ ویسے اس کے پاس ایک خنجر بھی موجود تھا جسے اس نے لباس میں چھپا رکھا تھا۔

ہمیں عقبی دروازہ کھلا ہوا ملا تھا لیکن ہم جیسے ہی اندر داخل ہوئے دارا کے آدمی نے ہمیں دیکھ لیا۔ اس نے مزاحمت کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ ہم چاہتے تو اسے آسانی سے موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے لیکن بلاوجہ کسی کے خون سے ہاتھ رنگنا ہمارا مقصد نہیں تھا۔ گانگ نے اسے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ میں جانکی کو آواز دیتا ہوا ایک طرف دوڑا اور جیسے ہی ایک کمرے کا دروازہ کھولا، ٹھٹک کر رک گیا۔

شانگ نے بیڈ پر نوتیا کو دبوچ رکھا تھا۔ نوتیا کے بدن پر لباس برائے نام ہی رہ گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے مزاحمت کررہی تھی۔ نوتیا کے ساتھ شانگ نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ وہ نوتیا کو چھوڑ کر ایک جھٹکے سے سیدھا ہوگیا اور ڈریسنگ ٹیبل کی طرف لپکا۔ اس نے دراز کھولی ہی تھی کہ میں نے اس کے کولھے پر زوردار کک رسید کردی۔ وہ سامنے آئینے سے ٹکرا گیا۔ اس کے سر کی ٹکر سے آئینہ چکنا چور ہوگیا۔ اس کی پیشانی سے بھی خون بہہ نکلا تھا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ میں نے اس کے پہلو پر ایک اور کک لگا کر اسے ایک طرف گرا دیا اور میز کی دراز میں رکھا ہوا پستول اٹھالیا۔

"نوتیا۔ باہر نکلو۔ جلدی۔" میں نے چیخ کر کہا۔ وہ اپنا بلاؤز اٹھا کر پہننے کی کوشش کرتے ہوئے کمرے سے باہر دوڑ گئی "اور تم ادھر ہاتھ روم میں۔" میں نے شانگ کو اشارہ کیا "اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو کھوپڑی میں سوراخ کردوں گا۔"

شانگ کو باتھ روم میں بند کرکے میں تیزی سے باہر آگیا۔ گانگ، پرساد کو کندھے پر اٹھائے ایک کمرے سے باہر نکل رہا تھا جانکی بھی اس کے ساتھ تھی۔ گانگ کا پستول جانکی کے ہاتھ میں تھا۔ ہم ہال سے ہوتے ہوئے برآمدے میں آگئے۔ میں نے باہر آکر بنگلے کا بیرونی گیٹ کھول دیا۔ پہلے جھانک کر باہر دیکھا پھر گانگ اور جانکی کو اشارہ کردیا۔

اور پھر جیسے ہی ہم گیٹ سے نکل کر گلی میں پہنچے، بائیں طرف سے ایک کار گلی میں داخل ہوئی۔ ہم ہیڈ لائٹس کی روشنی میں نہا گئے۔ کار کی رفتار کم تھی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ بڑے زور سے اچھلی اور بریک کی تیز چرچراہٹ کی آواز سے ہم سے چند گز کے فاصلے پر رک گئی۔

کار کے دونوں طرف کے دروازے کھلے۔ دو آدمی باہر نکلے۔ پچھلی سیٹ پر ایک عورت بھی موجود تھی۔ وہ کار ہی میں بیٹھی رہی۔ وہ دونوں آدمی آگے بڑھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے اور ان میں ایک دارا تھا اور دوسرا پیڈرو!

میری جان کے گاہک.... میرے بدترین دشمن۔ دنیا کے سفاک ترین انسان نما بھیڑیے.... مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر تھے۔

صورتِ حال بڑی خوف ناک تھی۔

موت ہمارے سامنے کھڑی تھی اور بچاؤ کا کوئی راستہ فی الحال نظر نہیں آرہا تھا۔ لگتا تھا جیسے ہماری زندگی کی آخری گھڑیاں آن پہنچی ہوں۔ وہ سانس جو ہم لے رہے تھے، آخری سانس تھے۔ ان دونوں کی انگلیوں کی معمولی سی حرکت ہماری زندگیوں کا خاتمہ کردینے والی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو کبھی اس قسم کی نازک صورتِ حال سے دوچار نہیں پایا تھا۔ میرے بائیں طرف گانگ نے زخمی پرساد کو اپنے بائیں کندھے پر لاد رکھا تھا۔ اس کی دوسری طرف جانکی دیوی کھڑی تھی۔ میرے دائیں طرف نوتیا تھی۔ اس نے پتلون کٹ پاجامہ پہن رکھا تھا اور بلاؤز وہ پہنتے ہوئے میرے ساتھ باہر بھاگی تھی۔ وہ بلاؤز کے نچلے دو بٹن بند کرپائی تھی۔

دارا اور پیڈرو باری باری ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ پیڈرو کا اور میرا پہلی مرتبہ آمنا سامنا ہوا تھا۔ میرے ساتھ اگرچہ گانگ بھی تھا مگر پیڈرو کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ہم دونوں میں وجدان کون ہے۔ اس نے پستول والا ہاتھ آگے نکال لیا۔ پستول کا رخ میرے سینے کی طرف تھا۔

"نہیں پیڈرو۔" دارا نے میری طرف سے نظریں ہٹائے بغیر کہا "اسے اگر اس طرح مار دیا تو ہمارا انتقام تو پورا ہوجائے گا لیکن بہت بڑی دولت بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔"

"کیسی دولت؟" پیڈرو نے پوچھا۔

"اس کے باپ نے ہمارا پانچ کروڑ روپے کا سونا غائب کردیا تھا۔" دارا نے کہا "آج اس بات کو کئی سال گزر گئے ہیں۔ انٹرنیشنل مارکیٹ میں سونے کی قیمت میں تین چار گنا اضافہ ہوچکا ہے۔ آج وہ سونا پندرہ بیس کروڑ روپے کا ضرور ہوگا۔ اس کا مطلب ہے تیس پینتیس لاکھ امریکی ڈالر۔ یہ حساب میں نے اپنے ملک کی کرنسی سے لگایا ہے۔ تمہاری کرنسی کے حساب سے کچھ کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ اس کے باپ نے اپنی ڈائری میں لکھ رکھا تھا کہ وہ سونا اس نے کہاں چھپایا تھا۔ اس کا باپ مرگیا۔ وہ ڈائری اس کے ایک سرپرست کے ہاتھ لگ گئی جو وہ سنگاپور سے فرار ہوتے وقت ساتھ لے آیا تھا۔ اس کا سرپرست یہاں بنکاک میں میرے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ ہم نے ہوٹل میں اس کے سامان کی تلاشی لی تھی لیکن وہ ڈائری نہیں ملی جس کا مطلب ہے کہ وہ ڈائری یا تو اس کے سرپرست نے کہیں چھپائی تھی جس کا اسے علم ہے... یا اس نے کہیں چھپا رکھی ہے۔ اب تم میری بات سمجھ گئے ہوگے کہ اس کی جان سے زیادہ قیمتی وہ ڈائری ہے جسے میں ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ۔" پیڈرو بولا "پھر تو یہ واقعی ہمارے لیے بہت قیمتی ہے۔"

میں دارا کے منہ سے اپنے ابو کی ڈائری کی بات سن کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس ڈائری کا راز میرے اور چاچا پرتاب سنگھ کے علاوہ صرف ایک اور شخص کو معلوم تھا اور وہ تھا خشونت سنگھ۔ سنگاپور میں جب آخری بار حملہ ہوا تھا تو ہم خشونت سنگھ کے مکان میں تھے۔ وہاں سے فرار ہوتے وقت چاچا پرتاب سنگھ نے وہ ڈائری خشونت سنگھ کو دے دی تھی کہ یہ کاکے کی (میری) امانت ہے وہ اسے سنبھال کر رکھے اور اب مجھے حیرت ہورہی تھی کہ دارا کو اس ڈائری کے بارے میں کیسے پتا چلا تھا اور اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ مجھے مروانا کیوں نہیں چاہتا تھا۔ میں کچھ عرصے سے یہی سنتا آرہا تھا کہ دارا مجھے زندہ پکڑنا چاہتا ہے۔

اس وقت صورتِ حال بڑی سنگین تھی۔ ان دونوں کو اپنے سامنے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ دارا مجھے زندہ پکڑنا چاہتا تھا اور پیڈرو، ٹائیگر کی موت کا انتقام لینے کے لیے مجھے گولیوں سے بھون ڈالنا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لیے اس نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھایا بھی تھا مگر دارا نے پندرہ بیس کروڑ روپے یا تیس پینتیس لاکھ ڈالر مالیت کے سونے کا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی رقم تھی اور میں جان چکا تھا کہ دارا اور پیڈرو جیسے لوگوں کا دین دھرم ہی دولت ہوتا ہے اور وہ دولت کے لیے اپنی ماں بہنوں کو بھی سرِعام نیلام کردینے کو عار نہیں سمجھتے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ تیس پینتیس لاکھ ڈالر کا ذکر سن کر پیڈرو کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے تھے اور ان کی باتوں میں جو وقت گزرا تھا اس سے مجھے بھی سنبھلنے کا موقع مل گیا تھا۔ میں نے اپنے خوف پر بڑی حد تک قابو پالیا تھا۔

میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ گانگ، پرساد کو اٹھائے ہوئے تھا۔ اس حالت میں وہ کچھ کرنے سے قاصر تھا۔ میں نے گردن گھما کر دوسری طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ہی میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ نوتیا بلاؤز کے لگے ہوئے بٹن بھی کھول چکی تھی۔ دارا نے.....

اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "میں نے تمہیں پیراڈائز ریسٹورنٹ میں اس عورت کے ساتھ دیکھا تھا تو سمجھ گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔" اس نے نوتیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس عورت" سے مراد جانکی تھی۔

"میں نے اس کیتیا کو بھی پہچان لیا تھا۔ اس رات وجدان کے ساتھ یہی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی عورت کا ہاتھ میری گردن تک پہنچا تھا۔ اس رات یہ میرے ہاتھوں سے بچ گئی تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "اگر میں ریسٹورنٹ میں ظاہر کردیتا کہ اسے پہچان گیا ہوں تو گڑبڑ ہوجاتی۔ تمہیں اس کے ساتھ دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا کہ تم دونوں کے ذریعے ہی اپنے اصل شکار تک پہنچ سکتا ہوں۔ اس کی طرف سے تو میں بالکل ہی انجان بن گیا اور پھر

میں ہے۔ تمہاری یہ بات بھی بلا چون وچرا تسلیم کرلی کہ جس رات ان لوگوں نے کوساروڈ والے بنگلے پر ریڈ کیا تھا اس رات تمہیں بھی ہماری طرح بھاگنے کا موقع مل گیا تھا۔ تمہارے ساتھ یہ پہلی مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔ تمہیں خوف زدہ ہوکر بھاگ جانا چاہیے تھا لیکن میں نے تمہیں کئی مرتبہ پرساد کے ساتھ دیکھا۔ میں نے خیال نہیں کیا۔ یہی سمجھتا رہا کہ تم نے کسی کو اپنا ساتھی بنالیا ہے۔ اس وقت میں پرساد پر بھی زیادہ توجہ نہیں دے رہا تھا لیکن اس عورت کے ساتھ دیکھ کر ساری بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ میں نے تم دونوں کو شانگ کے ساتھ اس بنگلے میں اس لیے بھیجا تھا کہ وہاں پرساد کو بھی دیکھ لو اور اپنا انجام بھی سوچ سکو۔ میرا پروگرام کچھ اور تھا۔ میرا خیال تھا کہ آج کی دعوت کے ساتھ گزاری جائے گی اور اس دوران میں تم سے اس عورت سے وجدان کے بارے میں بھی پوچھ لیا جائے گا لیکن اسی دوران میں یہ اطلاع ملی کہ ہم لوگوں کے جانے کے بعد یہ وجدان بھی اپنی اس تھائی محبوبہ کے ساتھ پیراڈائز پہنچ گیا تھا اور چی فانگ نے انہیں گھیرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ لوگ ہڈی نڑوا بیٹھا۔ میں نے اسپتال جانے سے پہلے شانگ اور اپنے آدمی کو سمجھا دیا تھا کہ وہ تم دونوں کا خیال رکھیں اور کسی قسم کا شبہ نہ ہونے دیں لیکن وہ دونوں حرام زادے چپکے سے نکل گئے۔ اب میں یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو ٹیلی فون کرنے کا موقع مل گیا ہوگا اور یہ سب تم لوگوں کے چھڑوانے کے لیے یہاں پہنچ گیا لیکن.... ہر مرتبہ اس کی قسمت ساتھ نہیں دے گی۔ میں اسے ماروں گا نہیں لیکن اب یہ واپس نہیں جاسکے گا۔ تم میں سے کوئی بھی نہیں جاسکے گا۔"

"تم نے اب تک جو بھی اندازے قائم کیے وہ بالکل درست ہیں دارا..... اور میں اس کی داد دیتا ہوں لیکن....." میں نے کہا۔ "اب تک کا ریکارڈ یہ ثابت کرتا ہے کہ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے اور اب بھی کچھ نہیں کرسکو گے۔"

دارا کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ دوسرے موڑ سے ایک ٹک ٹک گلی میں داخل ہوا۔ دارا اور پیڈرو دونوں اپنی گاڑی کے آگے کھڑے تھے جبکہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی عورت نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔

"تم میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرے گا۔" دارا کے حلق سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی "ایسے کھڑے رہو جیسے ہم سب دوست ہیں۔ ٹک ٹک میں سوار لوگوں کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ کسی نے کوئی حرکت کی تو بے دریغ گولی مار دوں گا۔" اس نے پیڈرو کو بھی اشارہ کردیا۔

ان دونوں نے پستول والے ہاتھ نیچے کرلیے۔ میں نے گردن گھما کر ٹک ٹک کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ وہ گانگ کا ٹک ٹک تھا جسے سکھدر چلا رہا تھا۔ ٹک ٹک کو آتے دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ سیدھا نکل جائے گا۔ رفتار بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔

ٹک ٹک لحہ بہ لحہ قریب آرہا تھا۔ دارا ٹک ٹک کی طرف دیکھ رہا تھا جبکہ پیڈرو کی توجہ ہماری طرف تھی۔ فاصلہ کم ہوا تھا اور پھر ٹک ٹک جیسے ہی قریب پہنچا' اس کی آواز ایک دم بدل گئی۔ انجن اچانک ہی شیر کی طرح دہاڑا اور ٹک ٹک بڑی تیزی سے اچھل کر اس طرف بڑھا جہاں دارا اور پیڈرو کھڑے تھے۔

اس سے پہلے کہ وہ دونوں صورت حال کو سمجھ سکتے' ٹک ٹک پہلے دارا سے ٹکرایا اور پھر پیڈرو سے۔ دارا اچھل کر پیچھے گرا تھا اور اس کے منہ سے گندی گالی نکل گئی تھی جبکہ پیڈرو بھی بچنے کی کوشش کرتے ہوئے ٹک ٹک سے ٹکرا کر پیچھے گرا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے پستول کا ٹریگر دبا دیا تھا یا ٹریگر غیر ارادی طور پر دب گیا تھا۔

گولی نوتا کے سر سے صرف دو انچ کے فاصلے سے گزری تھی۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

ٹک ٹک کار سے ٹکرا کر رک گیا اور سکھدر نے بڑی تیزی سے نیچے چھلانگ لگا دی تھی۔ اس کے بعد وہ دارا کی طرف لپکا جبکہ میں نے پیڈرو پر چھلانگ لگا دی تھی۔

پستول ابھی ٹک پیڈرو کے ہاتھ میں تھا۔ میرے پیر کی بھرپور ٹھوکر پیڈرو کے ہاتھ پر لگی۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کار کے نیچے چلا گیا۔ میں نے دوسری ٹھوکر مارنی چاہی تو پیڈرو نے بڑی پھرتی سے میرا پیر پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا کار سے ٹکرا گیا۔

پیڈرو بہت پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔ وہ مجھ پر حملہ کرنے کے لیے پرتول رہا تھا۔ میں اس کے داؤ کو نہیں سمجھ سکا اور اس کی گرفت میں آگیا۔ وہ یقیناً ایک اچھا مارشل آرٹسٹ تھا اور انسانی جسم کے پریشر پوائنٹس کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے پیٹ کے قریب پہلوؤں کے گوشت کو اس طرح گرفت میں لے رکھا تھا کہ اس کی انگلیاں میرے دونوں گردوں کو دبا رہی تھیں۔

یہ بلاشبہ خطرناک داؤ تھا۔ اس سے میرا خاتمہ بھی ہوسکتا تھا۔ میرے دونوں بازو بے جان سے ہوکر پہلوؤں میں لٹک گئے اور چہرے پر کرب کے آثار ابھرنا شروع ہوگئے تھے۔ میں نے نیچے جھکنا چاہا مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ میرے گردوں پر اس کی انگلیوں کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا۔

میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی ٹانگوں کے بیچ میں گھٹنے سے ضرب لگائی۔ ضرب اگرچہ زیادہ زوردار نہیں تھی لیکن میرا مقصد پورا ہوگیا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور میں نے پوری قوت استعمال کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس سے چھڑا لیا۔ وہ ایک بار پھر حملہ آور ہوا لیکن میں نے اپنے آپ کو

اور پھر اچانک ہی میں اپنی جگہ سے اچھلا۔ وہ میرے اس داؤ کو سمجھ گیا تھا مگر دفاع کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔

میرے ہوا میں اچھل کر اپنے دونوں پیر قینچی کی طرح اس کی گردن کے گرد لپیٹے اور بائیں طرف جھکا۔ نیچے گرتے ہوئے میرے ہاتھ زمین پر ٹکے۔ پیڈرو بھی میرے ساتھ ہی گرا تھا۔ اس کی گردن بھی ٹوٹ سکتی تھی لیکن وہ اپنے آپ کو زمین پر گرتے ہی میں نے اس کی گردن چھوڑ دی تھی اور اچھل کر اس سے الگ ہوکر کھڑا ہوگیا۔

دوسری طرف سکھدر' دارا سے نمٹ رہا تھا۔ دارا کوئی آرٹسٹ نہیں تھا جبکہ سکھدر مہاراج کے جمنازیم کا بہت اچھا فائٹر تھا۔ وہ دارا پر گھونسوں اور پنچوں کی بارش کیے ہوئے تھا۔

زخمی پرساد کو ٹک ٹک کی پچھلی سیٹ پر لٹا رہا تھا۔ جانکی ایک طرف وحشت زدہ سے انداز میں کھڑی تھیں۔

"گانگ۔ تم ان تینوں کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔" میں نے کہا۔

گانگ شاید کچھ اور کرنا چاہتا تھا۔ وہ پرساد کو سیٹ پر لٹا کر ارت کی طرف لپکا جو کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر وہاں لگانا چاہتی تھی۔ وہ شورانی تھی۔ اگر گانگ اس کی طرف ہوتا تو شاید وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوجاتی لیکن گانگ سے دو تین قدم سے زیادہ آگے نہیں جانے دیا۔ گانگ نے بالوں سے پکڑ لیا اور گھسیٹتا ہوا پیچھے لے آیا۔ اس کے ساتھ نے لباس میں چھپا ہوا خنجر نکال لیا تھا۔ اس نے شورانی کا طرف جھکا کر خنجر کی نوک اس کی شہ رگ پر رکھ دی۔

رک جاؤ پیڈرو' ورنہ میں اس عورت کا گلا کاٹ دوں گا۔"

شورانی بری طرح چیخ رہی تھی۔

ٹ دو۔ مجھے اس کی پروا نہیں۔" پیڈرو نے چیختے ہوئے طرف چھلانگ لگا دی۔

مرتبہ میں غفلت میں مار کھا گیا۔ اس کی راؤنڈ ہاؤس کک بازو پر کندھے اور کہنی کے درمیانی حصے پر لگی۔ مجھے کی ہڈی چٹختی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نیچے جھکتا چلا گیا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری کک لگانے کی اس مرتبہ اس نے لیفٹ کک لگائی تھی۔ گویا وہ میرا بھی بیکار کرنا چاہتا تھا۔ میں اس قسم کے حربوں سے بخوبی اور اس مرتبہ میں نے اسے اس کے مقصد میں کامیاب دیا۔ اس کا وار میں نے دائیں ہاتھ پر روکا اور ایک لمحے لیفٹ سائیڈ کک لگا دی۔ پیڈرو اچھل کر گرا۔

طرف دارا' سکھدر سے پٹ رہا تھا لیکن پھر اس نے گانگ پر حملہ کردیا۔ گانگ لڑکھڑا گیا۔ اس نے شورانی کو بھی گرفت میں لے رکھا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ پیچھے گری۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ خنجر شورانی کے حلق پر نہیں چل گیا تھا۔ دائیں طرف گردن پر معمولی سا کٹ لگا تھا اور وہ بری طرح چیخ اٹھی تھی۔ گانگ نے اسے اپنے اوپر سے ایک طرف اچھال دیا اور خود بھی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ شورانی زمین پر پڑی چیختی رہی۔

"گانگ!" میں ایک بار پھر چیخا "اسے چھوڑو اور تم ان تینوں کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔"

اس مرتبہ گانگ نے میری بات نہیں ٹالی۔ وہ ٹک ٹک کی طرف لپکا۔ جانکی اور نوتا پہلے ہی سیٹ پر پرساد کے ساتھ بیٹھ چکی تھیں۔ جانکی نے پرساد کو اپنے ساتھ لپٹا رکھا تھا۔ گانگ نے ٹک ٹک اسٹارٹ کیا اور دوسرے ہی لمحے ٹک ٹک شور مچاتا ہوا تیزی سے وہاں سے روانہ ہوگیا۔

دارا شاید ہمت ہار بیٹھا تھا۔ وہ اب صرف اپنا دفاع کررہا تھا لیکن بالآخر اس نے اپنی بھلائی اسی میں سمجھی کہ اپنی کھال بچالے اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے گلی میں ایک طرف دوڑ لگا دی۔

میں بھی اب اس پوزیشن میں نہیں رہا تھا کہ زیادہ دیر تک پیڈرو جیسے مارشل آرٹسٹ کا مقابلہ کرسکوں۔ وہ مجھ سے کہیں زیادہ طاقت ور تھا اور حربی فن کا ماہر بھی۔ وہ صرف موئے تھائی ہی نہیں مارشل آرٹس کے اور بھی بہت سے اسٹائل جانتا تھا اور وہ میرے خلاف ہر حربہ استعمال کررہا تھا۔ یہ میری ذہانت اور ہمت تھی کہ میں اب تک نہ صرف اپنا دفاع کررہا تھا بلکہ اس پر کئی کاری حملے بھی کیے تھے لیکن میں سمجھتا تھا کہ اب وہ مجھ پر حاوی ہورہا تھا۔

دارا جیسے ہی وہاں سے بھاگا' سکھدر ہماری طرف متوجہ ہوگیا۔ اس وقت پیڈرو مجھ پر حملہ کرنے کے لیے اچھلا تھا۔ وہ غالباً مجھے فلائنگ کک لگانا چاہتا تھا لیکن سکھدر پوری قوت سے ہوا میں اچھلا۔ اس کی فلائنگ کک پیڈرو کے پہلو میں لگی۔ وہ میری طرف آنے کے بجائے چیختا ہوا دوسری طرف گرا۔

"ٹسل ماسٹر۔ بھاگو۔" سکھدر چیختا ہوا دارا کی کار کی طرف لپکا۔

کار کے آگے والے دونوں دروازے کھلے ہوئے تھے اور میرے خیال میں اب وہاں سے نکل لینا ہی مناسب تھا۔ دارا تو بھاگ چکا تھا۔ پیڈرو سے لڑتے رہنا اپنی انرجی ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ میں نے بھی کار کی طرف دوڑ لگا دی۔

سکھدر انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ میں نے پسنجرز سیٹ پر بیٹھتے ہی دروازہ بند کردیا۔ سکھدر نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی۔ سڑک پر پڑی ہوئی شورانی ٹائر کے نیچے آتے آتے بچی تھی۔

پیڈرو اٹھ کر کار کے پیچھے دوڑا اور پھر اس نے بڑی پھرتی سے نیچے جھک کر سڑک پر پڑا ہوا پستول اٹھایا اور کار پر فائرنگ شروع کردی۔ ایک گولی ڈکی پر لگی اور دوسری گولی بائیں طرف کی بیک لائٹ پر۔ تیسری گولی کو کار تک پہنچنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ اسی

لمحے سکھدر نے کار کو بڑی تیزی سے بائیں طرف کو گلی میں موڑ دیا تھا۔

کار بڑی شاندار تھی اور اس کا انجن بھی بہترین حالت میں تھا۔ سکھدر کار کو سوئے بودی سے نکال کر سوئے پھرامائے کی طرف لے آیا اور پھر مختلف گلیوں میں ہوتے ہوئے ہم نیو روڈ پر آ گئے۔ سکھدر کا خیال تھا کہ ہمیں واٹ ٹریمٹ کی طرف نکل جانا چاہیے کیونکہ وہاں کا فاصلہ کم تھا لیکن میں نے اسے جانکی کے بنگلے کی طرف چلنے کی ہدایت کی کیونکہ گانگ وغیرہ وہیں گئے تھے۔

اس وقت تین بج رہے تھے۔ رات کا آخری پہر تھا۔ سڑکوں پر سناٹا تھا۔ کسی سڑک پر اِکا دُکا گاڑی نظر آجاتی تھی۔ سڑکیں خالی ہونے کی وجہ سے سکھدر بڑی تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

دریا کا پل پار کر کے ہم کرونگ تھان بوری روڈ پر آ گئے لیکن اس سڑک پر تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کرتے ہی میں چونک گیا۔ کچھ آگے سڑک کے کنارے پر پولیس کی گاڑی کھڑی تھی۔ تین پولیس والے سڑک پر کھڑے تھے۔ ایک نے ذرا آگے بڑھ کر کار کو رکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے سکھدر کی طرف دیکھا اور تیز لہجے میں سمجھانے لگا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

"پریشان مت ہو سٹل ماسٹر۔" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ "ان لوگوں سے نمٹنا مجھے بہت اچھی طرح آتا ہے۔"

اس نے کار کی رفتار کم کر دی اور پھر کار ان پولیس والوں کے قریب رک گئی۔

"کیا بات ہے آفیسر۔ ہم سے کوئی غلطی ہو گئی؟" سکھدر نے پوچھا۔

"لائسنس اور گاڑی کے پیپرز؟" پولیس آفیسر نے خشک لہجے میں کہتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔

سکھدر نے بڑے مطمئن انداز میں ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا۔ خوش قسمتی سے اس میں کار کے کاغذات موجود تھے۔ سکھدر نے بک نکال کر آفیسر کی طرف بڑھا دی۔ آفیسر نے بک کھول کر دیکھی اور پھر ڈرائیونگ لائسنس طلب کیا۔

"سوری آفیسر۔" سکھدر نے جواب دیا "ایک ایمرجنسی میں گھر سے نکلنا پڑا تھا۔ ڈرائیونگ لائسنس جیب میں رکھنا بھول گیا۔"

"تم دونوں نیچے آجاؤ۔" پولیس آفیسر نے سکھدر اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سکھدر نے میری طرف دیکھ کر آنکھ کا گوشہ دبا دیا۔ اس کا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر ہی تھا۔ دوسرا ہاتھ اس نے دروازے کے ہینڈل پر رکھ کر دروازہ کھولا اور پھر اسے اس زور سے جھٹکا دیا کہ دروازے کے ساتھ کھڑا ہوا پولیس آفیسر اپنے آپ کو نہ بچا سکا۔ دروازہ بڑے زور سے اس سے ٹکرایا تھا۔ وہ کراہتا ہوا لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور پھر دہرا ہو گیا۔ سکھدر نے کلچ پلیٹ پر سے پیر ہٹا لیا۔

انجن گیئر میں تھا۔ کار ایک زور دار جھٹکے سے اچھل کر آگے بڑھی۔ سکھدر نے ایکسی لیریٹر پر پیر کا دباؤ ڈال دیا۔ کار بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح دوڑی تھی۔

سکھدر نے کار چارٹون نکھورن روڈ پر موڑ لی۔ پولیس کی کار بھی ہمارے تعاقب میں اسی طرف مڑی تھی۔ ہمارے درمیان فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ پولیس کار سے فائرنگ کی جا رہی تھی۔ ایک گولی کار کی دائیں طرف والی بیک لائٹ پر لگی اور وہ بتی بھی ٹوٹ گئی۔ سکھدر نے کار کو بڑی تیزی سے لات یا روڈ پر موڑ لیا۔ یہ سڑک سیدھی ناکسن اسپیچو والے چوراہے اور اس کے ساتھ وانگ ونگ یائے ریلوے اسٹیشن کی طرف چلی گئی تھی۔

ناکسن اسپیچو والے چوراہے اور اس کے قریب ریلوے اسٹیشن کے آس پاس پولیس کی کوئی نہ کوئی گاڑی ہر وقت موجود رہتی تھی اور ہمیں ڈر یہ تھا کہ اگر ہمارے تعاقب میں آنے والی کار کے ریڈیو ٹرانس میٹر پر ہمارے بارے میں رپورٹ نشر کر دی تو اس چوک یا ریلوے اسٹیشن کے آس پاس ہمیں گھیرنے کی کوشش کی جائے گی جبکہ ہمیں پولیس کے چکر میں نہیں پھنسنا چاہیے تھا۔

کار ناکسن روڈ پار کرتی ہوئی ایک اور چھوٹی سڑک پر نکل آئی۔ یہ سڑک آگے جا کر ریلوے لائن سے گزرتی ہوئی دوسری طرف تھورٹ تھائی روڈ سے جا ملتی تھی۔ سکھدر نے کار ریلوے لائن کے قریب روک لی۔ پھاٹک بند تھا۔ شاید کوئی ٹرین آنے والی تھی۔ ہم کار سے اتر کر ریلوے لائن کی طرف دوڑے اور پھاٹک سے گزر کر تھورٹ تھائی روڈ پر آ گئے اور رکے بغیر دائیں طرف دوڑتے چلے گئے۔

ایک طویل چکر کاٹ کر ہم ناکسن اسپیچو والے چوراہے پر پہنچ گئے۔ اس وقت پونے چار کا وقت تھا۔ ریلوے اسٹیشن قریب ہونے کی وجہ سے یہاں خاصی چہل پہل تھی۔ چند چھوٹے ریسٹورنٹ بھی کھلے ہوئے تھے۔ یہاں پولیس کی سرگرمی بھی دیکھنے میں آئی۔ ایک جگہ پر پولیس کی دو گاڑیاں کھڑی تھیں جن کی چھتوں پر لگے ہوئے فلیشر جل بجھ رہے تھے۔ ان پولیس والوں کو یقیناً ہمارے بارے میں اطلاع مل چکی تھی اور شاید ہماری ہی تلاش ہو رہی تھی۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو کہ ساتھ ہی شائع کیا جا رہا ہے